القول المقبول

في

شَرَح وَتعلِيق صَلوٰةُ الرَّسُولؐ

مصنّف
ابُو عَبدِ السَّلام
عبدالرؤف بن عبدالحنّان
الشارقة (الامارات العربية المتحدة)

القول المقبول

في

شرح وتعليق صلوٰة الرسول

مصنّف

ابو عبد السلام
عبد الرؤف بن عبد الحنّان
الشارقة (الامارات العربية المتحدة)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : عبدالسلام عبدالرؤف
بن عبدالحنان

تاریخ اشاعت : اگست 2000ء

مقام اشاعت : شارجہ (متحدہ عرب امارات)

طبعہ : رابعہ

تعداد : 2500

پاکستان میں ملنے کا پتہ : دارالاشاعت اشرفیہ
سندھو۔بلو کی تحصیل پتوکی ضلع قصور
پاکستان۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة طبعة ثالثه

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَبَعْدُ

کتاب "القول المقبول فی شرح و تعلیق صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کا یہ چوتھا ایڈیشن قارئین کے سامنے ہے۔ اس محقق ایڈیشن کو علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھا گیا ہے تعصب اور جمود سے بالاتر حضرات نے اسے بہت سراہا۔

اخبارات پاک وہند نے اس پر انتہائی حوصلہ افزا تبصرے کئے اور علماء کرام نے گرانقدر تقاریظ لکھیں[1]، جزاھم اللّٰہ عنی احسن الجزاء

اس کتاب کی مقبولیت پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن جنوری ۱۹۸۹ء میں پاکستان سے شائع ہوا اور اس کے دو ہی ماہ بعد اپریل ۱۹۸۹ء میں اس کی فوٹو لے کر منزہ پبلیکیشنز نے اس کو دہلی ہندوستان سے شائع کیا۔

اس کی قبولیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسرے اور پھر تیسرے ایڈیشن کو جلد از جلد منصہ شہود پر لایا جاتا۔ کیونکہ تقریباً عرصہ تین سال سے سابقہ ایڈیشن ختم ہیں۔ لیکن بعض وجوہ کی بناء پر یہ ممکن نہ ہو سکا، قدر اللّٰہ و ماشاء فعل

اس ایڈیشن کی خصوصیات

یہ ایڈیشن درج ذیل خصوصیات کا حامل ہے۔

[1] ان تبصروں اور تقاریظ کے اقتباسات اس مقدمہ کے آخر میں آ رہے ہیں۔

(۱) یہ مفید اضافوں اور جدید معلومات پر مشتمل ہے' جس کا اندازہ قارئین کو اس کے مطالعے سے ہو گا۔

(۲) پہلے ایڈیشن میں اکثر احادیث کی تخریج عربی میں تھی۔ لیکن اس ایڈیشن میں تقریباً تمام تخریج کو اردو میں منتقل کر دیا ہے' اس طرح سے یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن کی نسبت کافی آسان بن گیا ہے۔

(۳) احادیث کی اسانید پر بحث کے لئے آسان انداز اور اختصار کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ تاہم چند احادیث ایسی بھی ہیں کہ جن پر تفصیلی کلام کی ضرورت تھی' لہٰذا ان پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔ مثال کے لئے درج ذیل احادیث دیکھیں۔ (۲۰' ۴۳' ۵۷۸' ۵۹۲)

(۴) کتاب کے بعض مسائل تفصیل طلب تھے' لہٰذا ان پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ مثال کے لئے حدیث (۵۷) اور حدیث (۶۶) کا مسئلہ دیکھیں۔

(۵) تقریباً ہر حدیث کی تخریج سے قبل اس کا مختصر الفاظ میں درجہ بیان کر دیا گیا ہے۔ ماسوائے بخاری" و مسلم" کی احادیث کے۔ پھر اس کی مفصل تخریج اور اس کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے' اس کے بعد اس حدیث سے متعلقہ اگر کوئی مسئلہ ہے تو اسے جلی قلم سے "مسئلہ" کا عنوان دے کر شروع کیا گیا ہے تاکہ وہ قارئین جو احادیث کی اسانید سے شغف یا دلچسپی نہیں رکھتے یا اپنا وقت بچانا چاہتے ہیں وہ حدیث کا درجہ معلوم کر لینے کے فوراً بعد اس مسئلہ کی طرف منتقل ہو جائیں۔

(۶) بعض احادیث پر نظر ثانی کی گئی ہے' خصوصاً وہ احادیث جن کے بارے میں پہلے ایڈیشن میں' میں نے دوسروں پر اعتماد کیا تھا لیکن جب اپنی تحقیق کی تو نتیجہ مختلف نکلا مثال کے لئے حدیث (۵۲' ۳۸۲' ۴۴۱' ۷۱۹)۔
بعض احادیث وہ بھی ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف کہا تھا اور اس ایڈیشن میں بعض شواہد کی بناء پر ان کو حسن یا صحیح کہا ہے۔ مثال کے لئے حدیث (۲۲۹' ۲۸۹' ۵۰۱' ۷۱۵)۔

تنبیہ

اس ایڈیشن میں جہاں کچھ اضافے ہوئے ہیں تو وہیں بعض چیزیں حذف بھی کی گئی ہیں۔ ان حذف شدہ چیزوں میں کچھ تو وہ ہیں کہ جن کا صلب کتاب سے گہرا تعلق نہ تھا' جیسا کہ حدیث (۹۰) کی تخریج میں ناخن تراشنے سے متعلق چند فوائد تھے لہٰذا اس ایڈیشن میں ان فوائد کو حذف کر دیا گیا ہے۔

اور ان چیزوں میں بعض وہ بھی ہیں کہ جن پر میں نے مستقل رسالے تالیف کیے ہیں اور وہ رسالے یہ ہیں۔

(۱) خطبہ حاجت' ملاحظہ ہو اس کتاب کی حدیث (۱-۲) کی تخریج۔

(۲) مساجد ثلاثہ (مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) میں نماز کی فضیلت' ملاحظہ ہو حدیث (۲۳۸) کی تخریج۔

(۳) تسمیہ مسنونہ' کھانے پینے اور دیگر امور کی ابتداء کے وقت تسمیہ کا مسنون طریقہ۔ اس کتاب کی حدیث

(۱۶۷-۱۷۷) دیکھیں۔
امید ہے کہ تینوں رسالے جلد ہی طبع ہو جائیں گے' ان شاء اللہ العزیز۔
ان کے علاوہ بعض چیزوں کو پہلے ایڈیشن کے مقدمے سے اختصار کے پیش نظر بھی حذف کیا گیا ہے۔

دوسری تنبیہ

اس ایڈیشن میں احادیث کے نمبروں میں اضافہ ہوا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں احادیث کی کل تعداد (۷۰۴) تھی۔ جبکہ اس ایڈیشن میں (۷۴۳) ہے، جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس ایڈیشن میں آثار پر بھی نمبر بھی لگائے گئے ہیں۔ جب کہ پہلے ایڈیشن میں ان پر نمبر نہ تھے مثال کیلئے ملاحظہ ہو نمبر (۱۲۰-۱۲۳) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے ایڈیشن میں چند احادیث نمبروں سے خالی رہ گئی تھیں۔ لہذا اب ان پر بھی نمبر لگادیئے ہیں مثال کے طور پر حدیث (۴۴۹) پر پہلے ایڈیشن میں نمبر نہ تھا۔

اظہار تشکر

میں اپنے مخلص ساتھیوں حافظ عقیل احمد اور مولانا سرور عالم فضلاء مدینہ یونیورسٹی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس ایڈیشن کے اکثر حصے کی اغلاط کی تصحیح انہوں نے کی ۔ جزاهم الله عنی أحسن الجزاء۔

آخر میں اپنے محترم ماموں حکیم عبدالمنان صاحب کا بھی بہت مشکور ہوں، کہ یہ ایڈیشن اور اس سے پہلے والا ایڈیشن بھی کتابت سے لے کر طباعت تک انہی کی مخلصانہ اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے(۱)

وصلى الله وسلم على نبيّه محمد وعلى اله وصحبه اجمعين .

كتبه
أبو عبدالسّلام
عبدالرؤف بن عبدالحنان

الشارقه
الامارات العربية المتحده
٤ جمادى الاول ١٤٢١هـ
5اگست 2000ء

---

(۱) حکیم صاحب مورخہ 1998-5-5 کو وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون. قارئین سے ان مغفرت وبلندیٔ درجات کے لئے دعاء کی درخواست ہے نیز اس دعاء کو بھی کہ انہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں جو محنت کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

شرح وتعلیق صلوٰۃ الرسول

پر

علمائے کرام کی گرانقدر تقاریظ اور اخبارات کے بیش بہا تبصروں کے اقتباسات

ا۔ تقاریظ کے اقتباسات

(١) ۔ یہ کتاب ایجاز غیر المخل کے ساتھ اپنی ظاہری ومعنوی خوبیوں سمیت منظرِ عام پر آئی ہے۔ نیز احادیث کی تخریج ان کے مصادر کی طرف ان کی نسبت اور صحیح وضعیف کی وضاحت نے اس کتاب کی قدر وقیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو اگر اس کتاب کے عربی اور دیگر زندہ زبانوں میں ترجمے ہو جائیں تاکہ اس کا فائدہ عام ہو۔

اللہ تعالیٰ کتاب کے مؤلف، محقق، ناشر اور تمام لوگوں کو جزائے خیر دے جنہوں نے کسی بھی طریقے سے اس میں تعاون کیا ہے اور اس عمل کو ان کے نامہ اعمال میں لکھ دے۔

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْن۔

فضيلة الشيخ علي بن صالح المحويتي
قاضي المحكمة الشرعية بالشارقة، الامارات العربية المتحدة

١٥/ ١١/ ١٤١٠ھ
٢٤/ ٦/ ١٩٩٠ء



(٢) ۔ یہ کتاب بہترین تعلیقات سے مزین اور پُر ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف اور محقق کو جزائے خیر دے اور ان کی یہ کوشش قبول فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم وبارك علی عبدہٖ

فضیلۃ الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی
نزیل مدینہ منورہ، سابق استاد مدینہ یونیورسٹی

٢٣/ ١٠/ ١٤١٠ھ



(۳) — ہر معاملے میں معلومات کی وسعت و لطافت ، اور محقق کی دیدہ وری اور عرق ریزی نمایاں ہے ۔ خاص خوبی یہ ہے کہ موصوف نے کسی قسم کی عصبیت اور " بیرونی اثرات " کو جگہ دیئے بغیر اپنی تحقیق کی بنیاد خالص اور بے لاگ علمی اصولوں پر رکھی ہے اور ہجوم و دفاع کے مناظرانہ اسلوب سے ہٹ کر بے لوث معروضی اسلوب اختیار کیا ہے ۔ جس سے قارئین کو یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ محقق کسی گروپ کا نہیں ، بلکہ سنت نبوی کا نمائندہ ہے ۔

یکم رجب ۱۴۱۰ھ
۲۸ ، جنوری ۱۹۹۰ء

فضیلۃ الشیخ صفی الرحمٰن المبارک فوری
مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ
مدینہ یونیورسٹی ، مدینہ منورہ ، سعودیہ عربیہ



ب — تبصروں کے اقتباسات

(۴) — ہفت روزہ " اہل حدیث " لاہور ۔ ۲۴ ، مارچ ۱۹۸۹ء

" موصوف نے یہ تخریج اور تعلیق لکھ کر محدثین کے دور کی یاد تازہ کر دی ہے ۔ بعض مقامات پڑھ کر تو بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے جزاہ اللہ جزاء حسنًا ۔

تخریج اور تعلیق کا انداز سنجیدہ ، علمی آزادانہ اور محدثانہ ہے اور اس کا اسلوب اس قدر دل نشیں ہے کہ اسے شروع کر کے ختم کیے بغیر دل سیر نہیں ہوتا اور اس کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ روایات اور فقہی اختلافات کے سلسلے میں وجوہ ترجیح کا بیان نہایت جامع مگر عام فہم ہوتا ہے اور اس مختصر سی شرح کے مطالعہ کے بعد عوام کے لیے مسلک اہل حدیث کی تعیین اور تشخیص خاص آسان ہو گئی ہے ۔ " ——— مولانا عزیز زبیدی



(۵) — ہفت روزہ " الاسلام " لاہور ۔ ۳۱ مارچ ۱۹۸۹ء

" زیر نظر کتاب اہل علم اور طلبار کے لیے ایک بہترین علمی تحفہ ہے ۔ "

حافظ عبد الاعلیٰ رحمانی
فاضل مدینہ یونیورسٹی



⑥ — ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور۔ ۲۱؍اپریل ۱۹۸۹ء

"اس تخریج و تعلیق سے تمام روایات کی چھان بین اور مسائل کی تحقیق و تنقیح ہوگئی ہے، جس سے کتاب کچھ گراں بار ضرور ہوگئی ہے تاہم اس کی اہمیت و افادیت دوچند ہی نہیں وہ چند ہوگئی ہے اور کئی مشہور مسائل جو کسی صحیح ثبوت پر مبنی نہیں ہیں، ان کا جاننا آسان ہوگیا ہے۔" ——— مولانا حافظ صلاح الدین یوسف



⑦ — ماہنامہ "محدث" بنارس۔ جون ۱۹۸۹ئہ

"اہلحدیث علماء کی علمی دیانت کا ایک مظہر وہ تصانیف بھی ہیں جن میں خود اسی مسلک کے بعض علماء کے کاموں پر نقد و جرح کی گئی ہے اور انکی کتابوں میں موجود احادیث پر تحقیقی انداز سے صحت یا ضعف کا حکم لگایا گیا ہے۔ اس سلسلے کا ایک وقیع کام مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمۃ اللہ کی معروف تصنیف "صلوٰۃ الرسول" کی محقق اشاعت ہے۔ جسے دارالاشاعت اشرفیہ ضلع قصور نے پہلی مرتبہ جنوری ۱۹۸۹ئہ میں شائع کیا ہے۔ اس اشاعت کی تحقیق و تخریج کا کام مدینہ یونیورسٹی کے ایک فاضل شیخ عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھوؒ نے انجام دیا ہے۔ نوجوان محقق نے ۱۲۵ ماٰخذ کے حوالہ سے "صلوٰۃ الرسولؐ" کی بڑے سائز کے ۵۷۶ صفحات کی اشاعت کو بیحد مفید و معتبر بنادیا ہے۔"

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری



⑧ — ہفت روزہ "تنظیم اہل حدیث" لاہور۔ ۷۔۱۴؍رمضان ۱۴۰۹ھ

"کتاب "صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" نے نہایت آسان اور سلیس اردو میں مشکل ترین مسائل منٹوں میں عام فہم اور مؤثر انداز میں حل کردیئے ہیں لیکن طالبان حق کے لیے ایک تشنگی باقی رہ گئی تھی جو ہمارے محترم دوست مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی نے پوری کردی کہ ہر حدیث اور اس کی صحت و سقم کے بارے میں تعلیق لکھ دی اور یہ ایک ایسا کام ہے جو علماء اہلحدیث کی تمام کتابوں پر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تبلیغ حق کی خاطر کوئی حدیث پیش کی جاتی ہے تو مخالف اس حدیث کا ماٰخذ پوچھتا ہے اور حدیث کا معیار پوچھتا ہے۔ اگر تمام کتابوں پر اسی طرح کام ہو تو بحث کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ فاضل محترم نے یہ طرح ڈال دی ہے اب دوسرے علماء کو بھی اس نہج پر کام کرنا چاہیئے۔"



(۹) ـــ ماہنامہ "محدّث" لاہور۔ ۱۷ جمادی الاوّل ۱۴۱۰ھ

" اصحابِ علم بوقتِ ضرورت اس کتاب سے استفادہ کرنے کے باوجود احادیث کی تحقیق و تخریج کی کمی کو شدت سے محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ یہ سعادت ہمارے محترم فاضل نوجوان مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی کے حصّہ میں آئی۔ انہوں نے کمر ہمّت باندھی اور اس کتاب کی احادیث کی نہ صرف تخریج کی۔ بلکہ مفید اسناوی مباحث بھی رقم فرمائے۔ اس کتاب کی افادیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔"

مولانا سعید مجتبیٰ السعیدی فاضل مدینہ یونیورسٹی



(۱۰) ـــ ہفت روزہ "ترجمان" اہلِ حدیث منزل، ۴۱۱۶ اُردو بازار، جامع مسجد دہلی (انڈیا)

" فاضل نوجوان جناب مولانا عبدالرؤف بن عبدالحنان بن محمد اشرف سندھو نے اس کتاب کی تمام احادیث کی تخریج اور اس پر مفید حواشی لکھ کر اس کتاب کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ کتاب میں موجود تقریباً ۷۰۰ احادیث کی مکمل تخریجِ حدیث کا درجہ صحیح حسن یا ضعیف کی صراحت کے ساتھ حدیث اور علوم حدیث کے ۱۳۵ اہم اور بنیادی مراجع و مصادر سے بھرپور استفادہ کے بعد فاضل مصنف کی جانب سے یہ کتاب امتِ مسلمہ کے لیے بیش بہا تحفے سے کم نہیں۔

اس کتاب نے جہاں "صلوٰۃ الرسول" جیسی مشہور زمانہ کتاب کو اعتبار و وقار بخشا ہے۔ وہیں محبانِ حدیث و سُنّت نبوّیہ پر زبردست احسان بھی کیا ہے۔ اگر اس کتاب نے حدیث کے سلسلے میں بے لوث خدمت کی بہترین مثال پیش کی تو وہیں زبانِ اردو کو بھی یہ شرف بخشا ہے کہ حدیث اور نقدِ حدیث کا ایک مکمل خزینہ بھی اس میں منتقل ہو گیا ہے اور وہ بھی دُرِ نبوّت کے درہائے آبدار سے مالا مال ہو گئی ہے۔

اردو کی تاریخ میں یہ کتاب اپنی نوعیت کی بالکل پہلی انوکھی اور بے مثال کتاب ہے۔"

مولانا رضاء اللہ عبدالکریم بدایونی
فاضل مدینہ یونیورسٹی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمة التخريج والتعليق

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ)

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً، وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا)۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ، وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا)۔

أما بعد فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد (صلى الله عليه وسلم) وشر الامور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار[1]

"صلوٰۃ الرسول" تالیف محترم مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے موضوع پر ایک معروف و متداول کتاب ہے۔

مؤلف نے اس کتاب کی وجہ تالیف جو بیان فرمائی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسے نہایت خلوص اور اپنے مسلمان بھائیوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کے پیش نظر تالیف فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج ان کی اس کتاب سے کوئی بھی محب سنت گھر خالی نہیں ہے اسے پاک و ہند میں یکساں طور پر شرف قبولیت حاصل ہوا ہے۔

ان کی اس تالیف کی قبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جامعہ سلفیہ بنارس ہند سے یہ کتاب ہندی

۱۔ اس خطبہ کے بارے میں تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ "خطبہ حاجت" ملاحظہ کریں۔

اور انگریزی زبان میں بھی چھپ چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤلف کی یہ کتاب اس حدیث کا صحیح مصداق ہے۔

" اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة، الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له "۔ [2]

(ان هٰذا لهو الفوز العظيم، لمثل هذا فليعمل العاملون)

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں طہارت اور نماز پنجگانہ سے متعلق اکثر و بیشتر مسائل جمع کرنے کے ساتھ ساتھ، نماز تہجد، تراویح، جمعہ، نمازِ قصر، استخارہ، عیدین، صلاۃ کسوف، استسقاء، صلاۃ ضحیٰ، تسبیح اور نمازِ جنازہ کے احکام و مسائل کو بھی قلم بند کیا ہے اور آخر میں روزمرہ پڑھی جانے والی بعض دعائیں بھی نقل کردی ہیں۔ اور ہر باب کے ہر مسئلہ کے لیے احادیث سے استشہاد کیا ہے، اس اعتبار سے ان کی یہ کتاب نماز کے موضوع پر ایک جامع اور مدلل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ اگر یوں کہہ دیا جائے کہ یہ اپنے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب ہے تو اس بات میں مبالغہ نہ ہوگا۔

مگر بقولِ شخصے: ابی اللہ الا ان یصحّ کتابہ [3] کے مطابق اس میں بعض خامیاں بھی تھیں، جن کا ازالہ ضروری تھا تاکہ یہ کتاب مفید کی بجائے مفید تر ثابت ہو۔ لہٰذا اسی مقصد کے پیشِ نظر میرے دل میں اس کی احادیث کی تخریج اور بعض مقامات پر تعلیقات لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔

---

(۲) اخرجه مسلم (۱۱/۸۵) وابوداؤد (۲۸۸۰) والنسائی (۶/۲۵۱) کلهم فی الوصایا" و الترمذی (۱۳۷۶) فی "الاحکام" والبخاری فی "الادب المفرد" (۳۸) والبیهقی (۶/۲۷۸) وابن حبان فی "الثقات" (۹/۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه۔

واخرجه ابن ماجه (۲۴۱) "المقدمة" وابن حبان فی "صحیحه" (۹۳) عن ابی قتادة رضی الله عنه بلفظه آخر نحوه واسناده صحیح وصححه ابن حبان۔

(۳) اورده الحافظ السخاوی فی "المقاصد الحسنة" (۱۵) وقال، لا اعرفه۔ ولکن قد قال الله تعالیٰ (وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا)۔ (النساء، ۸۲) ولهذا قال امامنا الشافعی، ..... لقد الفت هذه الکتب ولم آل فیها ولا بد ان یوجد فیها الخطأ لان الله تعالیٰ یقول: (وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا)۔

سببِ تخریج وتعلیق

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (زادھما اللہ شرفا وعزا) سے تخرج (سندِ فراغت حاصل کرنے) کے بعد (۲۴/۱۲/۷۴ء) کو میرا یہاں (متحدہ عرب امارات میں) بطور ملازمت آنا ہُوا۔

یہاں قیام کے کچھ عرصہ بعد کسی مناسبت سے مجھے یہ کتاب (صلوٰۃ الرسُول) دیکھنا پڑی۔ اس کے بعض مقامات پر نظر ڈالنے سے مجھے اس میں بعض خامیاں اور کمزوریاں (جن کی تفصیل عنقریب آرہی ہے) نظر آئیں۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ کیوں نہ اس کتاب کی احادیث کی تخریج اور اس کے بعض مقامات پر تعلیقات لگا کر ممکن حد تک اس کی موجودہ کمزوریاں اور خامیاں دُور کر دی جائیں۔ اور اس کتاب پر یہ کام اس کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر از حد ضروری بھی ہے۔

مگر یہ کام اتنا آسان بھی نہ تھا، کیونکہ کسی کتاب کی تصحیح یا تحقیق کرنا اعمالِ شاقہ میں سے شمار ہوتا ہے اور اس کام کی مشکلات کا صحیح اندازہ اس کے کرنے سے ہی ہوتا ہے۔

جاحظ نے سچ کہا ہے کہ کسی کتاب کی تصحیف کی تصحیح یا حذف شدہ کلمہ کی اصلاح کرنے کی بجائے آزاد دس صفحات کا لکھنا زیادہ آسان ہے۔

ایک تو یہ وجہ تھی اور دوسری دشواری یہ تھی کہ اس وقت میرے پاس مصادر و مراجع بھی نہ تھے، جس کی بنا پر مجھے اپنے اس ارادہ کو ترک کرنا پڑا۔

جب اس کام کے دوبارہ شروع کرنے کا پروگرام بنا تو اس کا سبب یہ ہُوا۔ کہ ایک مرتبہ فاضل دوست جناب مولانا نجیب اللہ طارق (رُکن مرکز دعوت وارشاد اُم القیوین، متحدہ عرب امارات) سے کسی موضوع پر دورانِ گفتگو "صلاۃ الرسُول" کا تذکرہ بھی ہُوا، یہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے، اس مناسبت سے میں نے ان سے ذکر کیا کہ اس کتاب کے بارے میں میرا یہ پروگرام بنا تھا۔ مگر بعض وجوہ کی بنا پر اسے منسُوخ کر دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر تخریج وتعلیق کا کام نہایت ضروری ہے، اور آپ کو یہ کام ضرور کرنا چاہیئے۔

چونکہ اس وقت میرے پاس قدرے مصادر و مراجع بھی جمع ہو چکے تھے، اور کچھ اس قسم کے کام کی رغبت بھی تھی، اور کچھ اس خیال سے بھی کہ اس کتاب کی تخریج اور اس پر تعلیقات لگانے کے ساتھ ساتھ مجھے بھی کافی حد تک استفادہ کا موقع میسّر آئے گا۔ کیونکہ بعض شیوخ کا کہنا ہے " من اراد الفائدۃ فلیکسر

قلم النسخ، وليأخذ قلم التخريج۔"(۴)

اور امام نووی فرماتے ہیں:

"تصنیف کی وجہ سے آدمی علوم کے حقائق و دقائق پر مطلع ہوتا ہے، کیونکہ یہ اسے کثرتِ تفتیش، مطالعہ، تحقیق اور مراجعہ پر مجبور کرتی ہے۔۔۔۔" (۵)

لہٰذا ان سب امور کے پیشِ نظر دوبارہ اس کام کو سرانجام دینے کا مصمم ارادہ کر لیا جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

اس مقام پر ایک وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں تخریج و تعلیق کے بارے میں میرا قطعاً کوئی لمبا چوڑا پروگرام نہ تھا، کیونکہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اس کتاب کے قارئین کی اکثریت عامۃ الناس ہی کی ہے، اس لیے اس پر کام بھی اسی انداز کا ہونا چاہیئے، لیکن یہ کام شروع کر لینے کے بعد اس کتاب کے بارے میں مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں ان سے پتہ چلا کہ اس کتاب کے قارئین کی اکثریت عامۃ الناس ہی کی نہیں ہے۔ بلکہ طلباء کی بھاری تعداد اس کے قارئین میں سے ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض خواص بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

اس بناء پر میں نے اپنے پہلے پروگرام میں تبدیلی کر دی، اور تخریج و تعلیق میں بجائے اختصار کے قدرے اطناب و تفصیل کو ترجیح دی۔ تاکہ طالب علموں کے لیے یہ کتاب زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو سکے۔

بعض کمزوریاں اور خامیاں

اس کتاب پر تخریج و تعلیق کا کام کرنے سے پہلے اور اس کے دوران اس کی جو کمزوریاں اور خامیاں میرے سامنے آئیں وہ مختلف نوعیت کی ہیں جن کی اپنے اپنے مقامات پر نشاندہی کی گئی ہے۔

یہاں مثال کے طور پر ان میں سے بعض کمزوریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) بعض مسائل میں عدمِ تحقیق:

مؤلف رحمہ اللہ نے بعض مسائل میں تحقیق کا التزام نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسائل میں ان سے عجیب سا تساہل ہوا ہے۔

---

(۴) نقله الخطيب البغدادي عن بعض شيوخ له انظر "تدريب الراوي" (۲/۱۳۹)۔

(۵) مقدمة المجموع (۱/۲۹)۔

علی السبیل المثال، اس کتاب کا پہلا مسئلہ ہی لیجئے۔
یہ مسئلہ وقوع نجاست سے پانی کی طہارت اور عدم طہارت کا ہے۔
مؤلف موصوف نے اس کے لئے "بلوغ المرام" سے ابنِ ماجہ کی درج ذیل حدیث نقل کی ہے۔
" ان الماء لا ینجسہ شئ الّا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ "
اس حدیث کا ترجمہ انہوں نے یُوں کیا ہے۔
حضور فرماتے ہیں کہ اگر (نجاست کے گرنے سے) پانی سے بدبُو آنے لگے یا اس کا مزہ بگڑ جائے یا رنگ تبدیل ہو جائے۔ (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دیکھیں اس کتاب کی حدیث (۱۶) اور اصل کتاب کا صفحہ (۵۳)۔
اس مقام پر ان کا یہ کہنا (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) صحیح نہیں کیونکہ ایک وصف ہی سے پانی بالاجماع ناپاک ہو جاتا ہے، تفصیل مسئلہ کے لیے حدیث (۱۶) ملاحظہ کریں۔
موصوف نے اس مسئلے کو ذکر کرتے وقت جو اسلوب اپنایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس مسئلے میں پُورے طور پر مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ حرفِ (و) کا ترجمہ تو آپ حرفِ (او) سے کرتے ہیں اور آگے چل کر وضاحت اس کے برعکس کرتے ہیں۔
غالباً یہ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ ایک ہی وصف کے پائے جانے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر حدیث میں حرف (و) نے انہیں تردد میں ڈال دیا، لہٰذا آپ نے احتیاط کے طور پر یہ لکھ دیا: واللہ اعلم
"یعنی جب تینوں وصف اکٹھے پائے جائیں"

۲ ضعیف احادیث

مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں متعدد ضعیف حدیثیں بھی ذکر کر دی ہیں۔
دراصل موصوف جس ماحول میں تھے اس میں صحیح اور ضعیف حدیث میں تمیز بہت کم ہی کی جاتی تھی اور ضعیف احادیث سے حجت لینے، استدلال کرنے اور ان پر عمل کرنے سے بہت کم اجتناب کیا جاتا تھا۔ اس لیے انہیں ہم اس بارے میں معذور سمجھتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر چند بات قابلِ مؤاخذہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان ضعیف احادیث میں سے بعض ایسی احادیث بھی ہیں جن کے ضعیف ہونے کی صراحت خود ان کتب میں موجود ہے۔ جن کے حوالے سے ان کو ذکر کیا گیا ہے، ملاحظہ ہوں درج ذیل حدیثیں؛

۱۶، ۸۸، ۹۵، ۱۱۰، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۴۸، ۲۵۶۔

لیکن موصوف نے ان کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارۃ تک بھی نہیں کیا[۶]، اور یہ محققین کے نزدیک جائز نہیں، بلکہ امام مسلم نے تو ضعیف احادیث کے ضعف کو جاننے کے باوجود بیان نہ کرنے والے کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، ان کے اس کلام کی نص ص (   ) میں آئے گی۔

یہ تو مرفوع روایات ہیں، جن کی نقل میں مؤلف نے اس قدر تساہل سے کام لیا کہ ان کا ضعف تک بیان نہیں کیا، جب کہ دوسری طرف ایک مقام پر ایک موقوف روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"مسلم بسند منقطع" ملاحظہ ہو حدیث (۲۶۱)۔

یعنی مسلم نے اس کو منقطع سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

③ احادیث کی تخریج میں اوہام

کئی احادیث ایسی بھی ہیں جن کی نسبت کرنے میں مؤلف کو وہم ہوا ہے۔

مثال کے طور پر انہوں نے "نماز کے لاثانی محاسن" عنوان کے تحت چوبیس احادیث ذکر کی ہیں اور ان کو ذکر کرنے سے قبل کہا ہے۔

"نماز کی خوبیوں، اچھائیوں، برکتوں، رحمتوں اور فائدوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا، صحاح ستہ سے ہم اختصار کے ساتھ اس کے مزید محاسن بیان کرتے ہیں۔"

اس کے بعد چوبیس محاسن، ذکر کرکے یوں حوالہ دیا ہے۔ "انتخاب از کتب صحاح"

صحاح سے مراد ان کی مراد کتب صحاح ستہ ہے جیسا کہ انہوں نے شروع میں صراحت کی ہے، مگر ان چوبیس احادیث میں سے چودہ احادیث ایسی ہیں، جو "صحاح ستہ" میں نہیں ہیں، بلکہ دوسری کتب میں ہیں۔ دیکھیں درج ذیل نمبر:

۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۰۔

---

(۶) جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ سے بھی "الفتح الکبیر" میں بعض مقامات پر ایسا تساہل ہوا ہے۔ علامہ مناوی "فیض القدیر" میں ایک مقام پر ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وكثيرا ما يقع للمصنف عزو الحديث لمخرجه ويكون مخرجه قد عقبه بما يقدح في سنده فيحذف المصنف ذلك ويقتصر على عزوه له وذلك من سوء التصرف.

نقلا من مقدمة صحيح وضعيف الجامع: (۱/۱۹)۔

۴ بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی

بعض احادیث ایسی بھی ہیں جنہیں مؤلف نے ابوداؤد وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے، جب کہ وہ بخاری اور مسلم میں یا دونوں میں سے کسی ایک میں موجود ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن کو موصوف نے مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب کہ وہ بخاری میں بھی ہیں۔ مثال کے لیے درج ذیل احادیث دیکھیں۔

۵۰ — ۹۰ — ۳۴۰ — ۴۸۵ — ۵۶۶ — ۶۹۰ — ۶۶۴ — ۶۲۵ — ۶۳۴ — ۶۴۲ — ۶۱۲

اس کے علاوہ موصوف نے بعض مسائل کے لیے ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے احادیث ذکر کی ہیں۔ جب کہ ان مسائل کے بارے میں بخاری و مسلم میں بھی احادیث موجود ہیں۔ دیکھیئے درج ذیل نمبر: ۷۶ - ۹۹ ۳ - ۴۶۲ - ۴۸۸ -

یہ کمزوری صرف اسی کتاب کی نہیں، بلکہ ہماری اکثر کتابوں کا یہی المیہ ہے کہ ان میں تخریج حدیث کے لیے "مشکاۃ" "بلوغ المرام" اور "ترغیب وترہیب" وغیرہ کے حوالے دیئے جاتے ہیں، جب کہ ان کتب کی طرف کسی حدیث کو منسوب کرنا اس حدیث کی تخریج نہیں ہے۔

کیونکہ تخریج کا معنی یہ ہے کہ حدیث کو کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے، جس کے مؤلف نے اس حدیث کو اپنی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہو اور ساتھ ہی حدیث کا درجہ بھی بیان کیا جائے یعنی کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ وغیرہ۔

یہ صحیح ہے کہ حدیث پر حکم لگانا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے۔ مگر محدثین عظام کا لگایا ہوا حکم نقل کرنا تو کوئی مشکل نہیں۔

اس موضوع کو زیر بحث لانے سے مقصود یہ ہے کہ ہمیں اپنی اس کمزوری کو دور کرنا چاہیئے۔ استفادہ کی حد تک تو ان کتب کو اپنایا جائے، مگر کسی حدیث کی تخریج کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

اصل کتاب کی طرف رجوع کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مثلاً خطیب تبریزی کو "مشکوٰۃ" میں یا حافظ ابن حجر کو "بلوغ المرام" میں کسی حدیث کے بارے میں کسی طرح کا وہم ہوا ہے، تو اصل کتب کی طرف رجوع کرنے سے اس وہم سے بچا جا سکتا ہے۔ ورنہ جو اوہام، ان مؤلفین کے ہوں گے، ان کا شکار ہم بھی ہو جائیں گے۔ جیسا کہ مؤلف موصوف کے ساتھ ہوا ہے، کیونکہ انہوں نے "صلاۃ الرسول" کی تالیف میں زیادہ تر اعتماد "مشکاۃ" اور "بلوغ المرام" پر ہی کیا ہے۔

لہٰذا اس بنا پر بھی اصل کتاب کی طرف رجوع ضروری ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات کسی معقول

وجہ کی بنا پر اصل کتاب کا مراجعہ نہیں کیا جا سکتا تو اس صورت میں جس کتاب سے حدیث نقل کی جا رہی ہو۔ اس میں وہ حدیث جس کتاب کے حوالہ سے درج ہو اس کتاب کا نام لکھ کر آگے بحوالہ فلاں کتاب، مثلاً "بحوالہ مشکوٰۃ" کہہ دیا جائے۔

ہمارے یہاں بعض اوقات ایسا بھی کیا جاتا ہے۔ مگر اکثر و بیشتر "مشکاۃ" وغیرہ کے حوالوں پر ہی اکتفاء کر لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا طریق کار اپنانے سے فائدہ یہ ہوگا کہ منقول حدیث اگر بخاری مسلم یا دونوں میں سے کسی ایک میں ہے تو قاری کو اس حدیث کی صحت میں کسی قسم کا تردد نہیں رہے گا۔ اور اگر صرف "مشکاۃ" یا "بلوغ المرام" کا حوالہ دینے پر اکتفاء کر لیا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں قاری کو یہ تردد ہوگا کہ آیا یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے یا سنن وغیرہ میں، اور اگر سنن وغیرہ میں ہے تو کیا یہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ مذکورہ بالا طریق کار پر عمل کسی معقول وجہ کی بنا پر تو جائز ہے۔ مگر عام حالات میں نہیں، بلکہ ان حالات میں حدیث کی تخریج کے لیے امہات الکتب کی طرف رجوع نہ صرف یہ کہ ضروری ہے، بلکہ ایسا نہ کرنا اہل فن کے نزدیک معیوب ہے۔ نیز ان کے نزدیک یہ بھی معیوب ہے کہ صحیحین یا ان میں سے کسی ایک "صحیح" کی حدیث کو ان کی طرف منسوب کرنے کی بجائے صرف ابوداؤد، ترمذی، النسائی وغیرہ کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی اعلیٰ درجہ کی کتاب کو چھوڑ کر، ادنیٰ درجہ کی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے۔ مثلاً۔

ایک حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے، تو اسے صرف ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

اس کے لیے اگر مثالیں مطلوب ہوں تو درج ذیل احادیث دیکھی جا سکتی ہیں، مگر تأمل سے۔

۲۷، ۲۸۷، ۳۵۹، ۶۱۷۔

مگر ہمارا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے ہاں عموماً "مشکوٰۃ"۔ "بلوغ المرام" "ترغیب وترہیب" وغیرہ کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کمزوری یہ ہے کہ مثلاً؛ حدیث تو "المنتقی" لابی البرکات ابن تیمیہؒ میں ہوگی۔ مگر حوالہ دیتے وقت "نیل الاوطار" کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

یہ باتیں بطور تنقید و اعتراض نہیں، بلکہ بطور اصلاح ذکر کی گئی ہیں۔

(إن ارید الا الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی الا باللہ)

ہمیں اپنی اس کمزوری کو کمزوری سمجھ کر دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم دوسروں کے لیے باعث تضحیک و تعجب بنے رہیں۔

عرب علماء کو جب ہماری اس کمزوری کا علم ہوتا ہے تو وہ اس پر انتہائی تعجب کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ "کلیۃ الحدیث جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" کے ایک استاذ محترم پاکستان تشریف لائے، جب وہ واپس گئے، تو اُنہوں نے طلبار سے اپنے دورے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے یہ بات بہت تعجب سے کہی کہ۔

"میں نے پاکستان میں جید علماء اور محققین کو دیکھا کہ وہ حدیث ذکر کرنے کے بعد "مشکوٰۃ" کا حوالہ دیتے ہیں"

ہمارے یہاں اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ چھوڑیں جی وہاں "جامعہ اسلامیہ" میں کیا ہے۔ وہاں تو صحاح ستہ ہی نہیں پڑھائی جاتی ہے، اور اسی طرح کی بہت سی باتیں بنائی جاتی ہیں۔

اس وقت ہمارا موضوعِ گفتگو یہ نہیں، ورنہ ہم یہ بھی ذکر کر دیتے کہ وہاں کیا کچھ ہے۔ بقول کسے۔

"اھل مکۃ ادری بشعابھا"

مذکورہ بالا سطور میں جو کچھ گزرا وہ تو "الشیٔ یذکر بالشیٔ" کے قبیل سے تھا اصل موضوع تو اس کتاب کی کمزوریاں اور خامیاں بیان کرنا تھا۔

مُمکن ہے کہ بعض حضرات کو اس کتاب پر تخریج و تعلیق ناگوار گزرے اور بعض لوگ یہ بھی کہیں گے کہ اس نے اس کتاب کی اہمیت کم کردی، اگر اسے اس کتاب پر کام کرنا ہی تھا تو مؤلف کی زندگی میں کیوں نہ کیا، اگر اسے کچھ کرنے کا شوق ہی تھا تو ایک مستقل کتاب کیوں نہ لکھ دی وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کام کو مؤلف کی زندگی میں کیوں نہ کیا گیا تو یہ ایک معقول سوال ہے۔ اور اس کے جواب کے لیے "سبب تخریج و تعلیق" پر دوبارہ نظر ڈال لیں۔ بات واضح ہو جائے گی۔

رہا مستقل کتاب لکھنے والا مسئلہ تو اللہ شاہد ہے کہ ابتدا میں جب میں نے اس کام کو کرنے کا پروگرام ترک کیا تھا تو اسبابِ ترک میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ میں اس موضوع پر خود ایک کتاب تالیف کروں، اور بعد میں جب اس کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کیا تو محض اس لیے کہ بجائے ایک مستقل کتاب لکھنے کے اس کتاب کی اصلاح زیادہ اہم ہے۔

"کما لا یخفی علی اولی الالباب"

اور یہ ایک فطری امر ہے کہ کسی کام کے نہ تو سب لوگ موافق اور مؤید ہی ہوتے ہیں اور نہ سب مخالف۔ بہر حال مجھے اللہ عزوجل سے امید واثق ہے کہ علمی حلقوں میں میرے اس کام کو بنظرِ استحسان دیکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

میں نہیں چاہتا کہ اس مقدمہ کو طول دوں، مگر چند مسائل ایسے ہیں، جن کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا ان پر

گفت گو کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ مسائل یہ ہیں۔

۱۔ تخریج کے فوائد۔

۲۔ حدیث کے معاملے میں چھان بین اور احتیاط۔

۳۔ حدیث کے قبول کرنے اور بیان کرنے میں صحابہؓ اور أئمہؒ دین کی احتیاط۔

۴۔ یہ مسئلہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

ا۔ ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کا حکم۔

ب۔ ضعیف حدیث کے بیان کرنے کا طریقہ۔

ج۔ صحیح اور ضعیف حدیث میں تمیز۔

پہلا مسئلہ:

تخریج کے فوائد

اس مسئلہ کو زیر بحث لانے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ بعض حضرات کو کہیں یہ وہم نہ ہو جائے، کہ کسی ایک حدیث کے لیے چھ یا سات کتب کا حوالہ دینا ہی جب حدیث کی تخریج ہے، تو پھر دو یا تین کتب کے حوالے پر اکتفار کر لینا حدیث کی تخریج کیوں نہیں ہے؟

لہذا یہ بتانا ضروری ہے کہ تخریج سے مقصد صرف متعدد کتب کے حوالے دینا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے کئی ایک فوائد ہیں۔ قبل اس کے کہ ان میں سے بعض فوائد کو ذکر کیا جائے، تخریج کا معنی معلوم کر لینا ضروری ہے۔

تخریج کا معنی ہے۔" عزو الاحادیث الی من اخرجها من الائمة ومنه قيل، خرج فلان احاديث كتاب كذا، وفلان له كتاب في تخريج الاحياء ونحو ذلك"[7]

بعض علماء نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

هو عزو الأحاديث إلى من اخرجها من أئمة الحديث في كتابه مع الحكم عليها۔[8]

اور تخریج کی یہی تعریف کامل ہے، کیونکہ کسی حدیث کی تخریج سے مقصود اس کے صحیح یا ضعیف ہونے کی

---

(۷) توجيه النظر (۱۴۲)۔

(۸) "طرق تخريج الحديث" للدكتور عبد المهدي (۱۰)۔

معرفت حاصل کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ شیخ البانی حفظ اللہ نے محققین محدثین سے نقل کیا ہے۔[(۹)]

اب تخریج کے فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا فائدہ

کسی حدیث پر غلط حکم لگانے سے بچنا

تخریج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر غلط حکم لگانے سے بچا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ابوداؤد یا دوسری سُنن میں ایک حدیث ایسی آجاتی ہے کہ جس کی سند میں کوئی راوی ضعیف یا مدلس ہے۔ اب اگر اسی سند کو لے کے اس حدیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو یہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے، کہ سُنن بیہقی یا مسند احمد وغیرہ میں اس ضعیف یا مدلس راوی کی کسی دوسرے راوی نے متابعت کی ہو، یا اس مدلس نے وہاں تحدیث یا سماع کی صراحت کی ہو۔ یا ان کُتب میں یہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہو، یا اس کے شواہد ہوں، جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح، حسن، یا قوی ہو جاتی ہو۔

اسی لیے بعض محققین نے کہا ہے کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جس کی سند ضعیف ہو تو اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ یُوں کہا جائے کہ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہو یا اس کے شواہد ہوں:

مگر جب تتبع اور بحث کے بعد ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کی دوسری سند، یا شواہد نہیں ہیں۔ تو پھر اس حدیث پر مطلقاً ضعف کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔[(۱۰)]

مذکورہ بالا تمام صورتوں کے لیے درج ذیل نمبر دیکھیں:

ا۔ ضعیف اور مدلس راوی کی متابعت: ۳-۴-۶۹۔

ب۔ مدلس کی تحدیث اور سماع کی صراحت: ۲۸۲-۵۳۵۔

ج۔ دوسری سند سے مروی حدیث: ۱۹۱-۲۱۰-۲۲۷-۴۱۳-۵۱۹۔

د۔ شواہد: ۳-۱۱-۲۸-۴۲-۶۵-۸۲-۹۶-۲۰۱-۲۴۵-۲۶۰

اگر ابوداؤد یا دوسری سنن میں ایک حدیث صحیح سند سے بھی مروی ہو تو اس صُورت میں بھی اس کی تخریج

---

(۹) دیکھیے مقدمۃ "ارواء الغلیل" (۱/۱۱)۔

(۱۰) النظر الباعث الحثیث للشیخ احمد شاکر (ص: ۹۰)۔

خالی از فائدہ نہ ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری کتب میں اس حدیث کی دوسری سندیں یا اس کے شواہد ہوں۔ اور اس صورت میں فائدہ یہ ہوگا کہ اس حدیث کی صحت پر مزید اطمینان ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ:

بعض اضافوں کا ملنا

حدیث کے راویوں میں سے بعض راوی اسے بیان کرتے وقت اس میں بعض اضافی کلمات ذکر کر دیتے ہیں۔ جن پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے، تو اس صورت میں اس حدیث کی تخریج ہی کے ذریعہ یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں یہ اضافہ ثابت ہے یا کہ شاذ ہے۔

مثال کے طور پر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں ہے کہ انہوں نے نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی، اور پھر فرمایا کہ یہ (فاتحہ کا پڑھنا) سنت ہے، اس حدیث میں بعض رواۃ نے صرف فاتحہ کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض نے فاتحہ کے بعد سورہ پڑھنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

سورت کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سورہ پڑھنے کا ذکر سعد بن ابراہیم سے روایت کرتے وقت صرف ابراہیم بن حمزہ نے کیا ہے، اور یہ (سورہ کا ذکر) غیر محفوظ (شاذ) ہے۔

مگر امام بیہقی کا یہ فرمانا صحیح نہیں کیونکہ "نسائی" میں ہیثم بن ایوب نے "منتقی ابن جارود" میں سلیمان بن داؤد اور ابراہیم بن زیاد نے اور "مسند ابو یعلیٰ" میں محرز بن عون نے بھی اس حدیث کو سعد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے سورت کا ذکر کیا ہے۔

اسی لیے ابن ترکمانی نے نسائی والی روایت کو لے کر امام بیہقی کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے، کہ اس حدیث میں سورت کا ذکر محفوظ ہے۔

نیز اس حدیث کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند بھی ہے اس میں بھی سورت کا ذکر ہے تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۶۶۷ دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث میں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کو پانچ راویوں نے ذکر کیا ہے اور یہ ثقہ راوی ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی جو دوسری سند ہے وہ بھی صحیح سند ہے، لہٰذا اس اضافے کی صحت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔

اسی طرح بعض رواۃ سے حدیث کے متن میں غلطی ہو جاتی ہے تو بذریعہ تخریج اس متن کے شاذ یا صحیح نہ ہونے کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ (مثال کے لیے دیکھیں حدیث نمبر ۴۷۶)

تیسرا فائدہ

مدرج کلمات کا پتہ چلنا

بعض احادیث کے متن میں بعض جملے یا کچھ الفاظ ایسے بھی آجاتے ہیں جو درحقیقت متن حدیث سے نہیں ہوتے لیکن تخریج حدیث سے ان کے مدرج ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ کریں حدیث نمبر (۵۲۰) اس کی ایک دوسری مثال حدیث نمبر (۲۵۶) بھی ہوسکتی ہے۔

چوتھا فائدہ

بعض اوقات کسی حدیث کا کوئی راوی اپنے سے اوپر والے (کسی) راوی کے نام میں غلطی کرجاتا ہے، تو اس حدیث کی تخریج سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ غلطی کس راوی سے ہوئی ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس غلطی کی کسی راوی کی طرف غلط نسبت کرنے سے بچا جاسکتا ہے۔

بلکہ بعض اوقات تو اس غلطی پر حدیث کی صحت اور عدم صحت کا انحصار ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں بذریعہ تخریج ہی اس راوی کے صحیح نام کا تعین کرکے اس حدیث پر صحیح حکم لگایا جاسکتا ہے، مثال کے لیے دیکھیں نمبر (۱۹۵)۔

پانچواں فائدہ

بعض مفید اضافوں کا ملنا

اسی طرح تخریج سے بعض مفید قسم کے اضافے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر" اللّٰھم اغفر لی ذنبی و وسع لی .....؛" اس دُعاء کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہ وضوء کرتے وقت کی دُعاء ہے۔ بلکہ امام نسائی نے" عمل الیوم واللیلۃ" میں ابن السنی نے بھی" عمل الیوم واللیلۃ" میں اور اسی طرح امام نووی نے بھی" الاذکار" میں اسے وضوء کی دُعاؤں میں ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن قیم نے" زادالمعاد" میں ایک مقام پر اسے نماز کی دُعاؤں میں اور ایک دوسرے مقام پر اذکار وضوء میں ذکر کیا ہے۔

جس مقام پر ابن قیم نے اس دُعاء کو نماز کی دُعاؤں میں ذکر کیا ہے، اس مقام پر" زادالمعاد" کے محققین، شیخ شعیب اور شیخ عبدالقادر، ابن قیم کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مؤلف کے علاوہ اس دُعاء کو کسی اور نے نماز

کی دُعاؤں میں ذکر نہیں کیا ہے۔

مگر میں اس حدیث کی تخریج کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اس دُعاء کا تعلق نماز ہی کی دعاؤں سے ہے، اذکارِ وضو سے نہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حدیث (۹۲) کا حاشیہ۔

ان فوائد کے علاوہ تخریج کے اور بھی فوائد ہیں۔ مگر اختصار کے پیشِ نظر انھیں فوائد پر اکتفار کیا جاتا ہے۔[11]

دوسرا مسئلہ

حدیث کے معاملہ میں چھان بین اور احتیاط

ادلہ شرعیہ میں سے پہلی دلیل قرآن مجید اور دوسری دلیل سُنتِ رسُول ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔

(وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ)۔

(النحل، آیت ۴۴)

"ہم نے نازل کیا ہے۔ تمھاری طرف ذِکر (قرآن) تاکہ تم لوگوں پر ان تعلیمات کو واضح کر دو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں اور تاکہ وہ غور وفکر کریں"۔

حضرت مقدام بن معدیکرب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

" الا انی اوتیت الکتاب - ومثلہ معہ اُلا إنی اوتیت القراٰن ومثلہ معہ"[12]

"یاد رکھو" مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اسی جیسی ایک اور چیز (حدیث) دی گئی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت وفرماں برداری کو فرض کیا ہے، اسی طرح اپنے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ .....)[13]

---

(۱۱) اس کتاب کی پہلی طباعت کے کچھ عرصے بعد میں نے تخریج کے موضوع پر "تخریج طرقِ حدیثِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک مستقل کتاب دیکھی، مؤلفِ کتاب ڈاکٹر عبدالمہدی نے اس میں تخریج کے اکیس[21] اہم فوائد ذکر کیے ہیں، جن میں مذکورہ فوائد بھی ہیں ملاحظہ ہو ص (۱۱-۱۴)۔

(۱۲) أخرجہ احمد (۴/۱۳۱) وابوداؤد (۴۶۰۴) فی "السنۃ" وابن حبان (۹۷) والطبرانی (۲۰/۲۸۳) والآجری فی "الشریعۃ" (۵۱) والدارقطنی (۴/۲۸۷) والبیہقی (۹/۳۳۲) والخطیب فی الکفایۃ (۲۳) وہو حدیث صحیح وصححہ ابن حبان۔

(۱۳) النساء۔ آیت: (۵۹)۔

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو۔"

اس آیت اور اسی معنی ومفہوم کی دیگر آیات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کی طرح حدیث نبوی بھی شرعی دلیل اور حجت ہے۔

مگر حدیث سے حجت لینے سے قبل اس بات کا علم ضروری ہے، کہ جس حدیث سے حجت لی جارہی ہے آیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟

کیونکہ حدیث بھی دیگر اخبار کی طرح ایک خبر ہے، لہٰذا جس طرح ایک عام خبر کی قبولیت کے لیے، مخبر کی عدالت، ثقاہت وغیرہ کا علم ہونا ضروری ہے، اسی طرح حدیث کی قبولیت کے لیے بھی نہ صرف یہ کہ ان شرائط کا ہونا ضروری ہے، بلکہ اشد ضروری ہے۔ کیوں کہ یہاں دین کا معاملہ ہے۔ اور جو احتمالات عام اخبار کے مخبرین کے متعلق ہوسکتے ہیں، ان احتمالات کا حدیث کے مخبرین میں بھی ہونا بعید از قیاس نہیں۔

مثلاً مخبر کا عدل اور ثقہ نہ ہونا، خبر کے بیان کرنے میں غلطیاں کرنا خبر کو اپنی طرف سے وضع کرلینا وغیرہ وغیرہ۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو ضروری ہے کہ حدیث کے معاملے میں چھان بین، تحقیق اور تتبع سے کام لیا جائے اور اسی تتبع اور چھان بین پر کتاب وسنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ کے اقوال شاہد ہیں۔

۱۔ کتاب

اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا ....(۱۴)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو۔

امام مسلم یہ آیت اور اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۸۲) اور سورۃ "طلاق" کی آیت (۲) ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ فاسق کی خبر ساقط ہے، مقبول نہیں ہے۔ اور غیر عدل (فاسق) کی شہادت مردود ہے۔"

خبر اگرچہ شہادت سے بعض معانی میں مختلف ہے، مگر اکثر معانی میں یہ دونوں آپس میں ملتی جلتی ہیں، فاسق

(۱۴) الحجرات، آیت (۶)۔

کی خبر اہلِ علم کے نزدیک مقبول نہیں۔ جس طرح کہ اس کی شہادت ان سب کے نزدیک مردود ہے۔" (۱۵)

۲۔ سُنّت

کئی ایک احادیث میں حدیث کے معاملے میں چھان بین اور احتیاط کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر ان میں سے بعض احادیث درج ذیل ہیں۔

(۱) "یکون فی آخر الزمان کذابون دجالون۔ یأتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم، ولا یفتنونکم" (۱۶)

وفی روایۃ " سیکون فی آخر امتی اناس یحدثونکم مالم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاھم"

آخری زمانہ میں دجّال اور کذّاب ہوں گے، وہ تمہیں ایسی ایسی احادیث سنائیں گے جنہیں تم نے اور نہ ہی تمہارے آباء واجداد نے سُنا ہوگا، لہٰذا ان سے اپنے کو بچانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں، اور فتنہ میں ڈال دیں۔"

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

" وقد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بأن فی اُمتہ ممن یجیئ بعدہ کذابین فحذر منھم، ونھی، عن قبول روایاتھم وا علمنا ان الکذب علیہ لیس کالکذب علی غیرہ (۱۷) فوجب بذالک النظر فی احوال المحدثین۔ والتفتیش

---

(۱۵)۔ مقدمۃ صحیح مسلم (۱/۶۱-۶۲)۔

(۱۶) اخرجہ مسلم (۱/۷۸-۷۹) وابن عدی فی "الکامل" (۱/۵۰) والخطیب فی "الکفایۃ" (۴۶۹-۴۷۰) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ والروایۃ الثانیۃ اخرجھا ایضا مسلم۔ وکذا الحاکم فی المستدرک" (۱/۱۰۳) وفی معرفۃ علوم الحدیث" (۱۳)۔

(۱۷) یشیر بذلک الی حدیث المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ الذی رواہ ھو والبخاری (۱۲۹۱) فی "الجنائز" باب "مایکرہ من النیاحۃ علی المیت" ومسلم (۱/۶۹-۷۰) فی المقدمۃ"۔

عن امور الناقلین احتیاطًا للدین، وحفظا للشریعة من تلبیس الملحدین (۱۸)۔
"بلاشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کے بعد آپ کی اُمت میں کچھ جھوٹے لوگ بھی ہوں گے، لہٰذا آپ نے ان سے ڈرایا ہے، اور ان کی روایات لینے سے منع فرمایا ہے، اور ہمیں یہ بتایا ہے کہ آپ پر جھوٹ بولنا کسی دوسرے پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے (یعنی آپ پر جھوٹ بولنا کسی دوسرے پر جھوٹ بولنے کی بنسبت زیادہ سخت گناہ ہے) لہٰذا دین کی احتیاط کی خاطر، اور شریعت کو ملحدین کی تلبیس سے محفوظ رکھنے کے لیے، محدثین اور (اخبار کے) ناقلین کے حالات کے بارے میں بحث اور تفتیش ضروری ہے۔

(۲) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع" (۱۹)
آدمی کے جھوٹ کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات کو بیان کر دے"
امام حاکم فرماتے ہیں:

---

(۱۸) الکفایة (۵۲)

(۱۹) اخرجه مسلم (۱/۴۳) واخرجه ایضًا ابوداؤد (۴۹۹۲) فی "الأدب" و ابن حبان (۳۰) والحاکم فی "المستدرك" (۱/۱۱۲) وفی "المدخل" (۱۰۸) ولکن عندهم "اثما" بدل "کذبا"۔
واختلف فی وصل هذا الحدیث وارساله، رواه علی بن حفص عن شعبة موصولا، ورواه عنه جماعة آخرون مرسلا، وهو الذی صوبه الدارقطنی فی "کتاب التتبع" (۱۳۱) والیه (ترجیح المرسل) مال ابوداؤد فی سننه ورجح الحاکم والنووی الموصول، لان الوصل زیادة عن ثقة وهی مقبولة۔
قلت: وقد ورد الحدیث من طریق اخری موصولا ایضا، اخرجه بها ابن عدی فی "الکامل" (۲۶۶۰/۷) وابن عبدالبر فی "التمهید" (۱/۴۰) ولکن اسناد هذه الطریق ضعیف جدًا۔
وله شاهد من حدیث ابی امامة رضی الله عنه اخرجه الحاکم فی "المستدرك" (۲/۲۰-۲۱) وفی "المدخل" (۱۱۰) والقضاعی فی "مسند الشهاب" (۱۴۱۵) وصححه الحاکم ووافقه الذهبی ولکن فیه العلاء بن هلال وهلال بن عمر، الاول فیه ـــــ

" وقد صرح هذا الخبر بالتنبیه لمعرفة الصحیح من السقیم، وتجنب روایات المجروحین، اذا عرف المحدث وجه الجرح فیه " (۲۰)

" اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ صحیح روایات کو سقیم روایات سے معلوم کیا جائے، اور مجروحین کی روایات سے اجتناب کیا جائے، خصوصاً جب کہ محدث کو ان میں کسی طرح کی جرح معلوم ہو "

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" بلغوا عنی ولو آیة، وحدثوا عن بنی اسرائیل، ولا حرج، وحدثوا عنی ولا تکذبوا علی، فمن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار " (۲۱)

" میری طرف سے پہنچادو، خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اور بنی اسرائیل سے بیان کرو، اس میں کچھ حرج نہیں۔ اور مجھ سے بھی بیان کرو، مگر مجھ پر جھوٹ مت بولو، تو جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولے، اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے "

امام شافعی فرماتے ہیں:

" معناه ان الحدیث إذا حدثت به فأدیته علی ما سمعت حقاً کان او غیر حق لم یکن علیك حرج، والحدیث عن الرسول (صلی اللہ علیه وسلم) لا ینبغی ان یحدث به إلا ثقة عن ثقة، وقد قیل: من حدث حدیثاً یرٰی انه کذب فهو احد الکاذبین (۲۲)

" اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو، اور اسے ایسے بیان کرو، جیسے تم نے سنا ہے، صحیح ہو یا غلط، تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں ضروری ہے کہ ثقہ، ثقہ ہی سے روایت کرے "

لین۔ والثانی ضعفه ابو حاتم، کما قال الشیخ حمدی السلفی فی تحقیق مسند الشهاب "

(۲۰) المدخل (۱۰۹)۔

(۲۱) اخرجه البخاری والحاکم فی المدخل " (۱۰۲) انظر ایضا ص ۸۴) انظر لتخریجه مفصلاً (رقم ۴۸) من هذا الکتاب۔

(۲۲) الکامل لابن عدی (۱/ ۱۲۵)۔

اور کہا گیا ہے کہ جو کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔"

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

"توعد عليه الصلوة والسلام بالنار من كذب عليه بعد أمره بالتبليغ عنه۔ ففي ذلك دليل على انه انما امر ان يبلغ عن الصحيح دون السقيم والحق دون الباطل لا ان يبلغ عنه جميع ما روى عنه، لانه قال عليه الصلوة والسلام: كفى بالمرء اثما ان يحدث بكل ما سمع" (۲۳)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے پہنچا دینے کا حکم دینے کے بعد اپنے پر جھوٹ بولنے والے کو آگ کی وعید سنائی ہے۔ لہٰذا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے سقیم کی بجائے صحیح اور باطل کی بجائے حق کے پہنچا دینے کا حکم دیا ہے، نہ کہ ہر اس چیز کے پہنچا دینے کا جو آپؐ سے روایت کی گئی ہے۔ اس لیے کہ آپؐ نے فرمایا ہے "آدمی کے جھوٹ کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات بیان کر دے۔"

(۴) "من حدث عني حديثا يرى انه كذب فهو احد الكاذبين" (۲۴)

جو مجھ سے ایسی حدیث بیان کرے، جس کے بارے میں گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

امام دارمی فرماتے ہیں، جیسا کہ امام ترمذی نے ان سے نقل کیا ہے کہ جب آدمی کوئی ایسی حدیث بیان

---

(۲۳) الموضوعات الكبرىٰ لملا علي القاري (۷۲)۔

(۲۴) ورد هذا الحديث من المغيرة بن شعبة، وسمرة بن جندب، وعلي بن طالب رضي الله عنهم حديث المغيرة اخرجه مسلم (۱/۶۲) والترمذي (۲۶۶۲) في "العلم" وابن ماجة (۴۱) في المقدمة" و الطيالسي (۱/۲۸) والحاكم في "المدخل" (۱۰۳) وابن عدي في "الكامل" (۱/۲۹)۔ وحديث سمرة اخرجه ابن حبان (۲۹) وايضا مسلم وابن ماجة والطيالسي، وابن عدي۔ وحديث علي اخرجه ابن ماجه وكان حديث سمرة اصح من حديث علي عند اهل الحديث، كما قال الترمذي۔

کرے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اصل نہ ہو تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ اس حدیث (کی وعید) میں داخل نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کے بیان کرنے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل بھی ہے۔ یا نہیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کے معاملے میں چھان بین ضروری ہے تاکہ اصل اور بے اصل میں تمیز کی جا سکے۔

۲۔ صحابہ، تابعین اور ائمہ کے اقوال

متعدد صحابہ، تابعین اور دیگر ائمہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ حدیث کے معاملے میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم دیا کرتے تھے، ان میں سے بعض کے اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یاأیها الناس انظروا ممن تأخذون هذا العلم، فانما هو دین" (۲۵)

اے لوگو! جن سے تم یہ علم اخذ کرتے ہو، انہیں اچھی طرح سے پرکھ لو، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے یہی قول، ابوہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے، اور تابعین میں سے محمد بن سیرین، انس بن سیرین، ضحاک بن مزاحم اور ائمہ میں سے مالک بن انس سے بھی مروی ہے۔ (۲۶)

(۲) سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھ سے ایسے ایسے بیان کیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا۔

"ان كان صاحبك مليا فخذ عنه" (۲۷)

یعنی اگر تم سے بیان کرنے والا ثقہ ہے تو اس سے لے لو۔

(۳) سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں:

---

(۲۵)۔ اخرجه ابن عدی فی "الكامل" (۱/۱۵۶) والخطيب فی "الكفاية" (۱۴۹) ورد بذلك حديث مرفوع ايضا ولكنه لا يصح۔

(۲۶)۔ انظر مقدمة صحيح مسلم (۱/۸۴) ومقدمة الدارمی (۱/۱۱۲-۱۱۳) والتمهيد لابن عبد البر (۱/۴۵-۴۷ و ۶۷) و "الكامل" لابن عدی۔ "والكفاية" للخطيب۔

(۲۷) اخرجه مسلم (۱/۸۴) والدارمی (۱/۱۱۲-۱۱۳) والعقيلی فی "الضعفاء" (۱/۱۲)

"لا یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا الثقات" (۲۸)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ حدیث صرف ثقات ہی سے لی جائے گی۔

۴) امام شافعی فرماتے ہیں کہ ابن سیرین، ابراہیم نخعی، طاؤس اور دیگر کئی ایک تابعین کا مذہب یہ ہے، کہ حدیث صرف ثقہ سے ہی لی جائے گی، اور محدثین میں سے میں نے کسی کو اس مذہب کا مخالف نہیں پایا۔ (۲۹)

غیر ثقات سے روایت لینے کے بارے میں ایک حدیث ان الفاظ سے وارد ہے، مگر ضعیف ہے۔

"ھلاک اُمّتی فی العصبیۃ والقدریۃ والروایۃ من غیر ثبت" (۳۰)

"میری اُمّت کی ہلاکت عصبیت، قدریہ اور غیر ثقہ سے روایت لینے میں ہے"

مگر یہ ضعیف حدیث ہے، اسے بزار، حاکم اور ابن عبدالبر وغیرہ نے ضعیف کہا ہے

تیسرا مسئلہ

حدیث کے قبول کرنے اور بیان کرنے میں صحابہ اور ائمہ دین کی احتیاط

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ وہ حدیث کے بیان کرنے میں انتہائی احتیاط برتا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن عدی فرماتے ہیں:

"وقد تحرج قوم من اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم من الروایۃ عنہ خوفا من الزیادۃ والنقصان فیما سمعوا منہ لئلا یکونوا داخلین فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" (۳۱)

---

(۲۸) رواہ مسلم (۱/۸۷) والدارمی (۱/۱۱۲) والعقیلی (۱/۱۲) وابن شاھین فی "تاریخ اسماء الثقات" (۳۴۴) والخطیب فی الکفایۃ" (۴۹)۔

(۲۹) "التمھید" لابن عبدالبر (۱/۳۹)۔

(۳۰) اخرجہ البزار (۱۹۱) وابن ابی عاصم فی "السنۃ" (۳۲۶) وابن عدی (۱/۱۴۹-۱۵۰) والعقیلی فی الضعفاء (۴/۳۵۹) والحاکم فی "المدخل" (۱۰۷) والخطیب فی "الکفایۃ" (۴۹-۵۰) وابن عبدالبر فی "التمھید" (۱/۵۹) وھو حدیث ضعیف ضعفہ غیر واحد من الأئمۃ۔

(۳۱) "الکامل" (۱/۱۵)۔

وحدیث "من کذب علی متعمدا ....." حدیث متواتر، رواہ جمع من الصحابۃ، ــــــ

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں اس لیے گریز کیا کہ کہیں حدیث میں زیادتی اور کمی نہ ہو جائے، اور وہ آپ کے اس فرمان (جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولتا ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے) کے مصداق ٹھہریں۔

اب بطورِ مثال ان میں سے چند ایک کے واقعات بھی سن لیجیے۔

۱۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ بہت کم حدیث بیان کرنے والے تھے اور جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے تو گھبرا جاتے، اور یوں کہتے "او کما قال۔" (۳۲)

۲۔ عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا، جب آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے تو ان کی رگیں پھول جاتیں، پھر آپ یہ کہتے "او دون ذلك" او فوق ذلك او قريب من ذلك او شبيه بذلك۔ (۳۳)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، یا اس کے قریب قریب، یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی۔

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث کے بیان کرنے میں انتہائی احتیاط برتی، اسی طرح انہوں نے حدیث کے قبول کرنے میں بھی بہت احتیاط سے کام لیا۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بشیر عدوی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بیان کرنا شروع کیا، مگر ابن عباس نے ان کی طرف توجہ کی اور نہ ہی ان کی بات پر دھیان دیا، تو وہ کہنے لگے کہ ابن عباس کیا بات ہے کہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا رہا ہوں، مگر آپ سن نہیں رہے ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب کوئی "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتا تو شوق سے اس کی طرف ہماری آنکھیں اٹھ جایا کرتی تھیں، اور ہم اس کی بات توجہ سے سنتے تھے، مگر جب سے لوگوں نے اچھا اور برا طریقہ اختیار کر لیا ہے، تب سے ہم ان سے وہی حدیث قبول کرتے

ــــــ انظر لاحادیث بعضهم البخاری (۱/ ۱۹۹-۲۰۳ بشرح الفتح) ومسلم (۱/ ۶۶-۷۰ لبشرح النووی) والترمذی (۲۶۵۹، ۲۶۶۰، ۲۶۶۱) وابن ماجة (رقم ۳۰-۳۷) والدارمی (۱/ ۷۶-۷۷) والطیالسی (۱/ ۳۰ مرتب) والبزار (۱/ ۱۱۲-۱۱۷)۔

۳۲۔ ابن ماجة (۲۴) و"الکامل" (۱/ ۳۲) وایضا الدارمی (۱/ ۸۴)۔

۳۳۔ ابن ماجة (۲۳) والدارمی (۱/ ۸۳) وابن عدی (۱/ ۳۲) واسنادہ صحیح الا انه اختلف علی احد رواته۔ کما قال البوصیری فی "المصباح الزجاجة" (۱/ ۷)۔

ہیں، جسے ہم جانتے ہیں۔ (۳۴)

اسی طرح روایات لینے کے بارے میں ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہا کی احتیاط مشہور ہے۔

علامہ ذہبی، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے محدثین کے لیے نقل (روایات کی نقل) میں تثبت اور تحقیق کا طریقہ جاری کیا۔ (۳۵)

اسی طرح تابعین اور دیگر ائمہ دین بھی حدیث کے بیان کرنے اور قبول کرنے میں بہت محتاط تھے۔

محمد بن سیرین کے پاس ابو قلابہ کی ایک حدیث ذکر کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ ابو قلابہ صالح انسان ہے۔ مگر اس نے یہ حدیث کس سے لی ہے؟ (۳۶)

امام اعمش فرماتے ہیں کہ ابراہیم حدیث کی پرکھ کرنے والے تھے، لہذا میں جب بھی کوئی حدیث سنتا تو اسے ان پر پیش کرتا۔ (۳۷)

امام مالکؒ فرماتے ہیں: "میں نے کچھ احادیث ایسی بیان کی ہیں، جن کے بارے میں مجھے پسند یہ تھا کہ اگر ان میں سے ہر حدیث کے بدلے میں مجھے دو کوڑے لگائے جاتے تو میں انہیں بیان نہ کرتا۔ (۳۸)

امام اوزاعی فرماتے ہیں:

کہ ہم حدیث سنا کرتے تھے، اور اسے کھوٹے درہم کی طرح اپنے اصحاب پر پیش کیا کرتے تھے، جسے وہ جانتے ہوتے، اسے ہم لے لیا کرتے، اور جس کا وہ انکار کر دیتے اسے ہم ترک کر دیا کرتے تھے۔ (۳۹)

ابراہیم بن عیسیٰ طالقانی نے عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ ابو عبدالرحمن! آپ کا اس حدیث "ان من البر بعد البر ان تصلی لابویك مع صلاتك وتصوم لهما مع صيامك"

۳۴۔ مقدمة صحيح مسلم (۱/ ۸۱، ۸۲) وروى طاؤس هذه القصة بلفظ آخر۔ انظر "مسلم والدارمی۔

۳۵۔ تذكرة الحفاظ (۱/ ۲، ۲۱)۔

۳۶۔ الضعفاء للعقيلی (۱/ ۶-۷) والكامل لابن عدی (۱/ ۱۵۴)۔

۳۷۔ معرفة علوم الحديث للحاكم (۱۶)۔

۳۸۔ المصدر السابق (۶۱)۔

۳۹۔ الكفاية (۲، ۴)۔

(نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنے والدین کے لیے اپنی نماز کے ساتھ نماز پڑھو، اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لیے روزے بھی رکھو) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث کس سے ہے؟ میں نے کہا شہاب بن خراش سے، انہوں نے کہا یہ تو ثقہ ہے، اچھا شہاب نے اسے کس سے لیا ہے؟ میں نے کہا حجاج بن دینار سے، تو انہوں نے کہا کہ یہ بھی ثقہ ہے۔ اچھا حجاج نے اس حدیث کو کس سے بیان کیا ہے؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، تو انہوں نے کہا:

"یا ابا اسحاق! ان بین الحجاج بن دینار وبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم مفاوز تنقطع فیها اعناق المطی، ولکن لیس فی الصدقة اختلاف" (۴۰)

"اے ابو اسحاق! حجاج اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اتنی زیادہ مسافت ہے کہ اسے طے کرتے ہوئے سواری کی گردن ٹوٹ جائے گی۔"

مطلب یہ ہے کہ اس سند میں بہت انقطاع ہے، کیونکہ حجاج بن دینار تبع تابعین میں سے ہیں۔ لہٰذا کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان دو واسطے ضرور ہوں گے، یعنی صحابی اور تابعی کا واسطہ۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہی حدیث قبول کی جائے گی، جس کی سند صحیح ہوگی۔
شرح مسلم (۸۹/۱)

امام شعبہ بن حجاج نے ایک حدیث میں تحقیق کی خاطر بصرہ سے مکہ، مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے بصرہ کا سفر کیا، اور فرمایا کہ اگر میرے لیے اس قسم کی حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح ثابت ہو جائے تو مجھے یہ اپنے اہل و عیال، مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔

حافظ ابن عبدالبر ان کا یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"هٰكذا يكون البحث والتفتيش، وهذا معروف عن شعبة، ولهٰذا وشبهه قال ابو عبدالرحمن النسائی: امناء الله عز وجل علی حدیث رسوله (صلی الله علیه وسلم) ثلاثة: مالك بن انس وشعبة بن الحجاج ویحیی بن سعید القطان۔" (۴۱)

۴۰۔ مقدمة صحیح مسلم (۸۸/۱-۸۹) وحلیة الاولیاء لابی نعیم (۱۶۶/۸) والکفایة للخطیب (۴۳۱) واللفظ لمسلم۔

۴۱۔ التمهید (۵۱/۱)۔

بحث اور تفتیش اسی طرح ہوا کرتی ہے، اور یہ شعبہ کے بارے میں معروف ہے۔ اسی وجہ سے ان کے اور ان جیسے (دیگر محدثین) کے بارے میں امام نسائی فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اللہ تعالیٰ کے تین محافظ ہیں۔ مالک بن انس، شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن سعید قطان۔

امام حاکم "معرفۃ علوم الحدیث" (۱۵) میں حدیث کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی احتیاط ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

" وکذٰلک جماعۃ من الصحابۃ والتابعین واتباع التابعین ثم عن ائمۃ المسلمین کانوا یبحثون، وینقرون عن الحدیث الیٰ ان یصح لھم "

"اسی طرح صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت، اور ان کے بعد دیگر ائمہ مسلمین کی ایک جماعت حدیث کے بارے میں بحث اور چھان بین کیا کرتی تھی، یہاں تک کہ وہ (حدیث) ان کے لیے صحیح ثابت ہو جاتی"

یہ ہے حدیث کے معاملے میں صحابہ، تابعین اور ائمہ مسلمین کی چھان بین اور احتیاط کی چند مثالیں۔

مگر آج ہمارا معاملہ ان کے بالکل برعکس ہے، ہم کسی حدیث کی صحت اور ضعف معلوم کرنے کے بارے میں تحقیق اور چھان بین تو کیا کریں گے، بلکہ ہم تو اس معاملہ میں اس قدر تنزل اور انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں کہ اگر ہمیں یہ بتا بھی دیا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، بلکہ ضعیف ہے تو ہم اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، اس سلسلے میں بعض واقعات پیش بھی آئے، اور بعض واقعات سننے میں بھی آئے۔ ان میں دو واقعات درج ذیل ہیں۔

پہلا واقعہ

یہ واقعہ میں نے ایک فاضل دوست سے سنا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ کسی مجلس میں ایک مولانا نے ایک حدیث بیان کی، حاضرین مجلس میں سے کسی صاحب نے کہا کہ مولانا! یہ حدیث ضعیف ہے۔

مولانا کو اس حدیث " لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس " [۴۲] کے مطابق ان صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تھا، مگر ہوا یہ کہ مولانا نے ایسا غیر معمولی جواب دیا، کہ جسے ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے انہوں

۴۲۔ اخرجہ البخاری فی "الادب المفرد" (۲۱۸) وابوداؤد (۴۸۱۱) فی "الادب" والترمذی (۱۹۵۴) فی "البر والصلۃ" وابن حبان (۲۰۰۰) والطیالسی (۲/۴۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، و اسنادہ صحیح وصححہ ابن حبان۔

نے کہا۔

"نحن اهل الحديث ولسنا اهل بعض الحديث" فوا عجبا۔

میرے خیال میں ایسے حضرات کے لیے مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جواب جو انہوں نے شامی کو دیا ہے۔ انتہائی مناسب ہوگا۔

مولانا فرماتے ہیں؛

"علماء عراق نے یہ فخریہ کہا ہے کہ ہم مراسیل کو بھی حجت سمجھتے ہیں، شامی نے ابواب وصیت میں فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اہل حدیث کے نام پر کوئی چیز وقف کرتا ہے تو یہ وصیت حنفی طالب علموں کو بھی شامل ہوگی، کیونکہ یہ مرسل کو بھی حجت مانتے ہیں۔ درالمختار (۳/۵۶۵)

شامی کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں ...... کل ممکن ہے کوئی عالم زور بیان میں یہ فرما دیں کہ اصل اہل حدیث ہم ہیں۔ کیونکہ ہم موضوع احادیث کو بھی مانتے ہیں۔ تو ہم ان بزرگوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں[۳]

دوسرا واقعہ

ایک استاد صاحب درس دے رہے تھے، اس دوران ایک طالب علم نے ان سے ایک سوال کیا، جس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ایک حدیث سے استدلال کیا۔

ان کے اس جواب پر ایک دوسرے طالب علم نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ استاد صاحب! یہ حدیث ضعیف ہے۔

یہ بات سنتے ہی استاد صاحب فوراً آگ بگولہ ہو گئے اور فرمایا؛

"مش کل حدیث ضعیف"!

ہاں یہ بات تو درست ہے کہ ہر حدیث ضعیف نہیں ہے، مگر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ "مش کل حدیث صحیح" (ہر حدیث صحیح بھی نہیں ہے)۔

امام حاکم جن کو علامہ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" (۳/۱۰۳۹) میں امام المحدثین کے نام سے یاد کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ثم العجب من جماعة جهلوا الآثار واقاويل الصحابة والتابعين فتوهموا لجهلهم ان الاحاديث المروية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

۴۳۔ مقدمة حسن البيان فيما في سيرة النعمان" (۲۱)۔

كلها صحيحة وانكروا الجرح والتعديل جملة واحدة، جهلا منهم بالاخبار المروية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن الصحابة والتابعين و ائمة المسلمين فى ذلك "(۴۴)۔

پھر تعجب ہے اس گروہ پر جو احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال سے ناواقف ہے تو اس نے اپنی جہالت کی بناء پر یہ سمجھ رکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی سب احادیث صحیح ہیں، اور اس نے جرح وتعدیل کا کلیتہً انکار کر دیا ہے، اور اس (انکار) کا سبب، اس کی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ وتابعین اور ائمہ مسلمین کے اقوال سے جہالت ہے۔"

چوتھا مسئلہ:

یہ مسئلہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

ا۔ ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کا حکم۔

ب۔ ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ۔

ج۔ صحیح اور ضعیف حدیث میں تمیز۔

ا۔ ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کا حکم

اگر کوئی حدیث ضعیف ہو تو اسے بیان کرتے وقت یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگر کوئی شخص اس کے ضعف کو جاننے کے باوجود بیان نہیں کرتا ہے تو وہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق گنہگار اور عوام الناس کو دھوکہ دینے والا ہے اور دھوکہ دینے والے کے متعلق حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے۔

"..... من غشنا فليس منا" (۴۵)

اب اس مسئلہ کے بارے میں علماء کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ رجب کے بارے میں دو تین منکر احادیث کو ان کا ضعف بیان

۴۴۔ "المدخل" (۱۰۲)۔

۴۵۔ اخرجه مسلم بهذا اللفظ (۱/۱۰۸) فى الايمان، والقضاعى فى مسند الشهاب" (۳۵۲) عن ابى هريرة رضى الله عنه۔

کیے بغیر روایت کیا ہے اور ان کے بعد ایک دو ایسے اشعار کہے ہیں۔ جن میں اس مہینے میں نماز اور روزہ کی ترغیب دی ہے۔

ابُوشامہ، حافظ ابن عساکر کا تعاقب کرتے ہُوئے فرماتے ہیں:

" وكنت أود أن الحافظ لم يقل ذلك، فان فيه تقريرًا لما فيه من الاحاديث المنكرة، فقد كان اكبر من ان يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بحديث يرى انه كذب، ولكنه جرى فى ذلك على عادة جماعة من اهل الحديث يتساهلون فى احاديث الفضائل۔ وهذا عند المحققين من اهل الحديث، وعند علماء الاصول والفقه خطاء۔ بل ينبغى ان يبين امره ان علم، والا دخل تحت الوعيد فى قوله صلى الله عليه وسلم "من حدث عنى حديث يرى أنه كذب، فهو احد الكاذبين" (۴۶)

یعنی محققین محدثین علماء اصول وفقہ کے نزدیک ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان نہ کرنا غلطی ہے۔ اگر آدمی کو اس کے ضعف کا علم ہو تو اسے بیان کرنا چاہیئے۔ ورنہ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان "جو مجھ سے ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں گمان یہ ہو کہ وہ جھُوٹی ہے تو وہ جھُوٹوں میں سے ایک جھُوٹا ہے" کی وعید میں داخل ہو گا۔

بعض عُلماء نے فضائل اعمال سے متعلق احادیث کو کچھ شرائط کے ساتھ ان کا ضعف ذکر کیے بغیر بیان کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہُوئے شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں۔

والذى اراه ان بيان الضعف فى الحديث الضعيف واجب فى كل حال لان ترك البيان يوهم المطلع عليه انه حديث صحيح، خصوصا اذا كان الناقل من علماء الحديث الذين يرجع الى قولهم فى ذلك۔ (۴۷)

میری رائے کے مطابق ضعیف حدیث کے ضعف کو بہر صورت بیان کرنا واجب ہے، کیونکہ اس کے ضعف کو بیان نہ کرنے کی صُورت میں اس روایت کے پڑھنے والے کو اس وہم میں ڈالنا ہے

۴۶۔ الباعث على انكار البدع والحوادث (۴۲)۔

۴۷۔ الباعث الحثيث (۹۱-۹۲)۔

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ خصوصاً جب کہ اس حدیث کو نقل کرنے والا معتبر علماء حدیث میں سے ہو۔

ضعیف حدیث کے ضعف کو نہ بیان کرنے والوں پر امام مسلم کی تشنیع

امام مسلم فرماتے ہیں:

" انما الزموا انفسھم الکشف عن معایب رواۃ الحدیث وناقلی الاخبار و افتوا بذٰلک حین سئلوا لما فیہ من عظیم الخطر، اذ الاخبار فی الدین انما تاتی بتحلیل او تحریم۔ او امر او نھی او ترغیب او ترھیب، فاذا کان الراوی لھا لیس بمعدن للصدق والامانۃ، ثم اقدم علی الروایۃ عنہ من قد عرفہ ولم یبین ما فیہ لغیرہ ممن جھل معرفتہ کان آثما بفعلہ ذٰلک غاشا لعوام المسلمین إذ لا یؤمن علی بعض من سمع تلک الاخبار ان یستعملھا او یستعمل بعضھا ولعلھا او اکثرھا اکاذیب لا اصل لھا مع ان الاخبار الصحاح من روایۃ الثقات واھل القناعۃ اکثر من ان یضطر الیٰ نقل من لیس بثقۃ ولا مقنع ولا احسب کثیرا ممن یعرج من الناس علی ما وصفنا من ھذہ الاحادیث الضعاف، والاسانید المجھولۃ ویعتد بروایتھا بعد معرفتہ بما فیھا من التوھن والضعف، الا ان الذی یحمل علی روایتھا، والاعتداد بھا ارادۃ التکثر بذٰلک عند العوام ولان یقال ما اکثر ما جمع فلان من الحدیث وألف من العدد، ومن ذھب فی العلم ھٰذا المذھب وسلک ھٰذا الطریق فلا نصیب لہ فیہ وکان بان یسمی جاھلا اولی من ان ینسب الیٰ علم" (۴۸)

یعنی جو شخص ضعیف حدیث کے ضعف کو جاننے کے باوجود بیان نہیں کرتا ہے تو وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے گنہگار، اور عوام الناس کو دھوکہ دیتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی بیان کردہ احادیث کو سننے والا ان سب پر یا ان میں سے بعض پر عمل کرے اور یہ ممکن ہے کہ وہ سب احادیث یا ان میں سے اکثر احادیث اکاذیب ہوں اور ان کی کوئی اصل نہ ہو۔ جب کہ صحیح احادیث اس قدر ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ضعیف احادیث کی ضرورت

---

(۴۸) مقدمۃ صحیح مسلم (۱/۱۲۳-۱۲۷)۔

ہی نہیں ہے۔

بہت سے وہ لوگ جو ضعیف اور مجہول اسانید والی احادیث کو جاننے کے باوجود بیان کرتے ہیں، محض اس لیے کہ عوام الناس کے ہاں ان کی شہرت ہو، اور یہ کہا جائے کہ اس کے پاس کتنی احادیث ہیں، اور اس نے کتنی کتابیں تالیف کر دی ہیں۔ اور جو شخص علم کے معاملے میں اس روش کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے لیے علم میں کچھ حصہ نہیں ہے اور اسے عالم کہنے کی بجائے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے۔

علامہ طاہر بن صالح جزری فرماتے ہیں:

قد نشأ من رواية الاحاديث الضعيفة من غير بيان لضعفها ضرر عظيم عرفه من عرفه وجهله من جهله ۔ (۴۹)

ضعیف احادیث کو ان کا ضعف بتائے بغیر بیان کرنے سے عظیم ضرر واقع ہوا ہے۔ جو اس (ضرر) کو جانتا ہے وہ جانتا ہے، اور جو اس سے جاہل ہے۔ وہ جاہل ہی ہے۔

ب۔ ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ:

جب کوئی حدیث ضعیف ہو تو اسے بیان کرتے وقت بصیغہ جزم بیان نہیں کرنا چاہیے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

" قال العلماء المحققون من اهل الحديث وغيرهم اذا كان الحديث ضعيفا لا يقال فيه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم او فعل او امر اونهى ونحو ذلك من صيغ الجزم وانما يقال في هذا كله روى عنه او نقل عنه، او يروى عنه وما اشبه ذلك من صيغ التمريض قالوا، فصيغ الجزم تقتضي صحته عن المضاف اليه فلا ينبغي ان يطلق إلا فيما صح، والا فيكون الانسان في معنى الكاذب عليه، وهذا الادب أخل به المصنف (يريد بالمصنف صاحب المذهب) وجماهير الفقهاء من اصحابنا وغيرهم بل جماهير اصحاب العلوم مطلقا ماعدا حذاق المحدثين، وذلك تساهل قبيح فانهم يقولون كثيرا في " الصحيح " روى عنه وفي " الضعيف " قال وروى فلان وهذا حيد

۴۹۔ توجیہ النظر (۲۹۳)۔

عن الصواب "(۵۰)

محدثین اور ائمہ میں سے محققین کا یہ کہنا ہے کہ جب حدیث ضعیف ہو تو اس کے بارے میں یوں نہیں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا آپ نے کیا ہے یا آپ نے کرنے کا حکم دیا ہے، یا منع کیا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے جزم کے صیغوں سے، بلکہ ان سب صورتوں میں یوں کہا جائے کہ آپ سے روایت کی گئی ہے، یا نقل کیا گیا ہے یا روایت کی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ اس لیے کہ جزم کے صیغے روایت کی صحت کے متقاضی ہوتے ہیں، لہذا ان کا اطلاق اسی روایت پر کیا جانا چاہیے جو صحیح ثابت ہو، ورنہ وہ انسان آپ پر جھوٹ بولنے والے کی مانند ہوگا۔ مگر اس ادب کو مصنف جمہور فقہاء اور دیگر اہل علم نے ملحوظ نہیں رکھا سوائے ماہرین محدثین کے، اور یہ قبیح قسم کا تساہل ہے۔ کیونکہ وہ بہت سی صحیح روایات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ سے روایت کی گئی ہے اور بہت سی ضعیف روایات کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، یا فلاں نے روایت کی ہے۔ اور یہ صواب سے ہٹ جانا ہے۔

ج۔ صحیح اور ضعیف حدیث میں تمیز

جب ضعیف حدیث کو اس کا ضعف بیان کیے بغیر بیان کرنا یا بصیغۂ جزم بیان کرنا صحیح نہیں ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ صحیح اور ضعیف حدیث میں تمیز کرنا ضروری ہے، بلکہ صحیح اور ضعیف حدیث کی معرفت اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے۔ چنانچہ ابن عدی فرماتے ہیں۔

"فکما اوجب اللہ علینا طاعته اوجب علینا الا قتداء به واتباع آثاره وسبر روایة اخباره لعرفان صحیحها من سقیمها، وقویها من ضعیفها" (۵۱)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض کی ہے، اسی طرح آپ کی اقتداء، آپ کے آثار کی اتباع اور آپ کی احادیث میں چھان بین بھی فرض کی ہے۔ تاکہ صحیح روایات کو سقیم اور قوی کو ضعیف روایات سے معلوم کیا جا سکے۔

صحیح اور ضعیف روایات کی معرفت ایک عالم کے لیے تو بہت ہی ضروری ہے۔

امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:

۵۰۔ مقدمة المجموع (۱/۶۳)۔

۵۱۔ الکامل (۱/۱۵)۔

ان العالم اذا لم يعرف الصحيح من السقيم، والناسخ من المنسوخ من الحديث لا يسمى عالماً۔ (۵۲)

"جس عالم کو سقیم سے صحیح اور منسوخ سے ناسخ حدیث کی پہچان نہ ہو تو اسے عالم نہیں کہا جا سکتا۔"

صحیح اور ضعیف روایات کی پہچان اور ان میں تمیز کرنا اس لیے بھی ضروری ہے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غیر ثابت شدہ حدیث کی نسبت کرنے سے بچا جا سکے اس لیے کہ آپ کی طرف غیر ثابت شدہ چیز کی نسبت کرنے کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ اس کے بارے میں بعض احادیث گزر چکی ہیں۔

اسی مسئلہ کے متعلق حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں باندھا ہے۔

ذکر ایجاب دخول النار لمن نسب الشئ الی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وھو غیر عالم بصحتہ۔ (۵۳)

اس بات کا ذکر کہ ایسے شخص کا آگ میں دخول ضروری ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرتا ہے، جس کی صحت کا اسے علم نہیں۔

اس باب کے تحت انہوں نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث ذکر کی ہے۔

"من قال علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار۔ (۵۴)

"جس شخص نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی ہے۔ تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

حاصل کلام: یہ وہ مسائل ہیں جن کا اہتمام کرنا انتہائی ضروری ہے اور کوئی ان کا اہتمام کرے یا نہ کرے مگر ہمیں اہل حدیث ہونے کے ناتے ان مسائل میں تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی وہ مسائل ہیں جن کو نظر انداز کر دینے یا ان میں تساہل برتنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی ضعیف احادیث رواج پا گئیں۔

۵۲۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (۶۰)۔

۵۳۔ صحیح ابن حبان (۱/۱۹۰)۔

۵۴۔ اخرجہ ابن حبان وکذا ابن ماجہ (۳۴)۔

وجاء الحدیث بھذا اللفظ ایضا عن عثمان وابی موسیٰ الغافقی۔

بات صرف ضعیف روایات کے پھیلنے تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ ضعیف احادیث کی وجہ سے بعض صحیح احادیث متروک ومجہور ہوکر رہ گئیں۔

مثال کے طور پر ہمارے ہیاں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز، پچاس ہزار نماز کے برابر ہے۔ جب کہ متعدد احادیث صحیحہ میں ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز ایک ہزار نماز سے بہتر ہے۔ اور جس حدیث میں پچاس ہزار کا ذکر ہے۔ وہ حدیث ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے حدیث نمبر(۲۲۸) ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ آپ اپنی "صحیح" کا سبب تألیف ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"و إنی لما رایت الاخبار طرقها کثرت، و معرفة الناس بالصحیح منها قلت لاشتغالهم بکتبة الموضوعات، وحفظ الخطاء و المقلوبات حتی صار الخبر الصحیح لا یکتب، والمنکر المقلوب عزیزا یستغرب۔" (۵۵)



ــــــ وخالد بن عرفطة وابی قتادة، والزبیر رضی اللہ عنهم۔ انظر مسند احمد (۴/۳۳۴) ومسند البزار (۲۰۵، ۲۱۳، ۲۱۶۔ زوائده) والمستدرك (۱/۱۱۱و ۱۱۳/۳/۳۶۲)۔

واخرجه الحاكم (۱/۱۰۳) من طريق اخرى عن ابی هريرة رضی اللہ عنه الا انه قال: "فليتبوأ بنيانه فی جهنم" بدل "فليتبوأ مقعده من النار"

وعند البخاری (۱۰۹) من حديث سلمة بن الاكوع رضی اللہ عنه بلفظ، من يقل علی ما لم اقل فليتبوأ مقعده من النار۔

۵۵۔ مقدمة صحيح ابن حبان (۱/۸۶)۔

چند وضاحتیں

(۱) ۔ اس کتاب "صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کی ابتداء میں اخباری تبصرے اور علماء کرام کی جو تقاریظ تھیں انہیں حذف کر دیا گیا ہے۔

(۲) ۔ اس کتاب پر درج ذیل کام کیا گیا ہے۔

ا۔ آیات کی تخریج

مؤلف رحمہ اللہ نے آیات کی تخریج تو کی تھی مگر پارہ اور رکوع نمبر دے کر، جب کہ جدید طریقہ تخریج میں سورتوں کے نام اور آیات کے نمبر درج کیے جاتے ہیں، لہٰذا قارئین کرام کی آسانی کے پیش نظر متن سے مؤلف رحمہ اللہ کی تخریج کو حذف کر کے اس کی جگہ جدید طریقہ تخریج کے مطابق آیات کی تخریج کر دی گئی ہے۔

واضح رہے کہ اس معمولی سی تبدیلی کے علاوہ صلب کتاب میں مزید کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

ب۔ احادیث کی تخریج

اس کتاب میں موجود تمام احادیث کی مفصّل تخریج کی گئی ہے۔

نیز وہ احادیث جو بخاری و مسلم میں یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی نہیں ہیں، ان کی تخریج کے ساتھ ساتھ ان کے درجات بیان کرنے کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ یعنی یہ وضاحت کی گئی ہے۔ کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں حدیث صحیح نہیں اور اس سلسلے میں علم حدیث کے قواعد اور ماہرین فن پر اعتماد کیا گیا ہے۔

ج۔ تعلیقات

بعض مقامات پر جن مسائل میں مؤلف رحمہ اللہ سے تساہل ہوا ہے وہاں تعلیقات لگا کر ان مسائل میں صحیح یا راجح قول کی دلائل کی روشنی میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

(۳) ۔ تخریج و تعلیقات کے لیے "مصادر و مراجع" کی جن طبعات کو سامنے رکھا گیا ہے، ان کی تفصیل کتاب کے

آخر میں "مصادر و مراجع کے تحت ملاحظہ کریں۔

④ جہاں کہیں بھی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان، ترمذی، اور حاکم کی طرح حدیث ذکر کرنے کے بعد اس پر حکم بھی لگاتے ہیں۔ بلکہ یہ بات اس بنا پر کہی گئی ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی کتابوں میں وہی احادیث لاتے ہیں، جو ان کے نزدیک صحیح ہیں ملاحظہ ہو "صحیح ابن خزیمہ" (۱/۲، ۱۵۲، ۳/۱۰۹، ۱۸۶، ۴/۵، ۱۲۷) اور مقدمۃ صحیح ابن حبان "الاحسان" (۱/۱۵۱...)۔

ابن خزیمہ اگر کہیں ایسی حدیث لاتے بھی ہیں، جو ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی تو وہ اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس کتاب کی حدیث (۲۷) ملاحظہ کریں۔

اسی طرح جہاں کہیں بھی یہ ذکر ہوا ہے کہ اس حدیث کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے تو وہاں ذہبی کی تصحیح سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے حاکم کی موافقت کی ہے۔ یا ان سے اتفاق کیا ہے اور ایسا اختصار کے پیشِ نظر کیا گیا ہے۔

⑤ کتاب کی اپنی فہرست کے علاوہ مفید حواشی و تعلیقات کی بھی الگ سے فہرست تیار کی گئی ہے۔

⑥ قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر انہیں کسی مقام پر کسی قسم کا وہم یا غلطی نظر آئے تو حدیث "الدّین النصیحة "......"[۵۵] کے پیشِ نظر اس سے ضرور مطلع فرمائیں۔

اظہارِ تشکر

بتقاضائے حدیث "لا یشکر اللہ من لا یشکر النّاس"[۵۶] یہ ضروری ہے کہ ان مخلصین کا شکریہ ادا کیا جائے، جنہوں نے اس کارِ خیر میں مختلف قسم کا تعاون کیا جائے۔ دُعا ہے، کہ اللہ تعالیٰ

۵۵۔ هذا الحديث رواه جماعة من الصحابة رضي الله عنهم، منهم تميم الداري وحديثه عند مسلم (۲/۳۷) في "الايمان" وأبي عوانة (۱/۳۷) وابي داؤد (۴۹۴۴) في "الأدب" والنسائي (۲/۱۵۶-۱۵۷) في "البيعة"۔

۵۶۔ تقديم تخرجه انظر رقم (۴۷) من هذه "المقدمه"۔

انہیں دُنیا و آخرت میں اجرِ عظیم عطاء فرمائے آمین۔

وختامًا اسأل الله سبحانه وتعالى ان يجعل عملى هٰذا خالصًا لوجهه الكريم كما أسأله سبحانه ان يجعله نافعًا لى و لغيرى انه سميع قريب مجيد۔

وصلى الله وسلم على نبيه محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين۔

وكتبهٗ

ابُو عبدالسلام
عبدالرؤف عبدالحنان
۲۴ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء

ص۔ب۔ ۵۰۰۸
الشارقة
الامارات العربية المتحدة



خطبۂ رحمت للعالمین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ ـــ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔[1]

"سب تعریفیں اللہ تعالےٰ ہی کے لیے ہیں (اس لیے) ہم اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اور (اپنے ہر کام میں) اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم اس (رب العالمین) سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اسی (پاک ذات) پر ہمارا بھروسہ ہے، ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اپنے نفس کی برائیوں سے بھی اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ (یقین مانو) کہ جسے اللہ راہ دکھائے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرتا۔ اور جسے وہ (خود ہی) اپنے در سے دھتکار دے۔ اس کے لیے کوئی رہبر نہیں ہو سکتا۔ اور ہم (تہ دل سے) گواہی دیتے ہیں۔ کہ معبودِ برحق (صرف) اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور (اسی طرح اعماقِ قلب سے) ہم اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے (خاص) بندے اور (آخری) رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ جامع اور مبارک خطبہ ہے جو حضور اپنے ہر وعظ اور تقریر کے شروع میں پڑھا کرتے تھے اور یہ خطبہ بالفاظ مختلف مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔

---

۱ ـــ یہ خطبہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ جن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود ←

۲ــــ اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد (یقیناً) تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور تمام راستوں سے بہتر راستہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہیں، جو خدا کے دین میں اپنی طرف سے نکالے جائیں (یاد رکھو) دین میں جو کام نیا نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔"

← رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

حدیث ابن عباس کو مسلم، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور حدیث ابن مسعود کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس خطبہ کی مفصل تخریج کے لیے ہمارا رسالہ "خطبہ حاجت" ملاحظہ کریں۔

تنبیہ: اس خطبے کے بارے میں جو صحیح احادیث مروی ہیں ان میں "نومن بہ ونتوکل علیہ" کے الفاظ نہیں ہیں یہ "تاریخ بغداد" میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہیں۔

مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ بلکہ اس میں ایک راوی عمرو بن شمر ہے۔ جسے بعض ائمہ نے کذاب اور وضاع کہا ہے۔

لہٰذا ان الفاظ کو خطبہ میں نہیں پڑھنا چاہیئے۔

نیز مؤلف نے "نشھد" لفظ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جب کہ تمام احادیث میں "اشھد" ہے۔ یعنی لفظ واحد سے ہے۔

اس خطبہ میں سب الفاظ صیغہ جمع سے اور صرف "اشہد" صیغہ واحد سے کیوں۔

اس سوال کے جواب کے لیے اور اس خطبے کے الفاظ کی مزید تحقیق کے لیے مذکورہ رسالہ دیکھا جائے۔

۲ــــ یہ خطبہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

اسے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مفصل تخریج کے لیے ہمارا رسالہ "خطبۂ حاجت" دیکھا جائے۔

كُلّ محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكلّ ضلالة فى النار۔

اس طرح سے یہ تینوں جملے نسائی اور صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں ہیں مزید تفصیل مذکورہ رسالے میں دیکھی جائے۔

پیش رس

جبرائیل کی امامت نماز

۳ — ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اَمَّنِیْ جِبْرَائِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ۔" "خانہ کعبہ کے پاس جبرائیل علیہ السلام نے میری امامت (نماز) کی۔"

حضورؐ آگے فرماتے ہیں۔ فَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ، پس نماز پڑھائی مجھ کو ظہر کی ۔ ۔ ۔ ۔ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ۔ اور نماز پڑھائی مجھ کو عصر کی ۔ ۔ ۔ ۔ فَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ۔ اور نماز پڑھائی مجھ کو مغرب کی ۔ ۔ ۔ ۔ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ اور نماز پڑھائی مجھ کو عشاء کی ۔ ۔ ۔ ۔ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ۔ اور نماز پڑھائی مجھ کو فجر کی۔"

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

---

۳ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۳۹۳) ترمذی (۱۴۹) اسی طرح عبدالرزاق (۱/۵۳۱) ابن ابی شیبہ (۱/۳۱۷) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۷۰۲) میں مروزی نے "الصلاۃ" (۱/۱۱۴ - ۱۱۶) میں، ابن الجارود (۱۴۹ - ۱۵۰) ابن خزیمہ (۳۲۵) طحاوی (۱/۱۴۶ - ۱۴۷) طبرانی (۱۰/۳۷۶ - ۳۷۷) دارقطنی (۱/۲۵۸) حاکم (۱/۱۹۳) اور بیہقی (۱/۳۶۴، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۷ - ۳۴۶) نے بھی روایت کیا ہے۔

سند: عبدالرحمٰن بن الحارث بن عبداللہ بن عیاش عن حکیم بن حکیم عن نافع بن جبیر بن مطعم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

یہ سند صحیح ہے۔ عبدالرحمٰن بن حارث: مختلف فیہ ہے۔ جیسا کہ "تلخیص" (۱/۱۷۳) میں ہے۔ مگر یہ حکیم بن حکیم سے اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد نہیں ہے۔ بلکہ محمد بن عمرو بن علقمہ نے اس کی متابعت کی ہے۔ اس کی متابعت سے اس کو دارقطنی حاکم (۱/۱۹۶ - ۱۹۷) اور مروزی نے "الصلاۃ" (۱/۱۱۷) میں روایت کیا ہے۔

محمد بن عمرو "حسن الحدیث" ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے "میزان" (۳/۶۷۳) "مغنی" (۲/۶۲۱) اور "دیوان" (۲/۳۲۷) ←

میں کہا ہے۔

حکیم بن حکیم کو علامہ ذہبی نے "کاشف" میں "حسن الحدیث اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں "صدوق" کہا ہے"۔

نیز حکیم بن حکیم بھی اس حدیث کو نافع بن جبیر سے بیان کرنے میں متفرد نہیں۔ بلکہ عمر بن نافع بن جبیر، زیاد بن ابی زیاد اور عبیداللہ بن مقسم نے بھی اس کو نافع بن جبیر سے روایت کیا ہے۔

عمر بن نافع کی سند سے اسے عبدالرزاق (۱/۵۳۱-۵۳۲) اور طبرانی (۱۰/۳۷۷) نے روایت کیا ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ یہ اچھی متابعت ہے۔ جیساکہ حافظ ابن حجر نے "تلخیص" میں نقل کیا ہے۔

زیاد اور عبیداللہ والی سندوں سے اس کو "دارقطنی" نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ دونوں سندیں سخت ضعیف ہیں۔

زیاد کی سند میں "اسماعیل بن یحییٰ شیبانی" ہے اور یہ متہم ہے۔ جیساکہ "کاشف" اور "تقریب" میں ہے۔

اور عبیداللہ والی سند میں واقدی ہے اور یہ بھی متہم ہے۔

اس حدیث کو ترمذی، ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی ابن عبدالبر نے "تمہید" (۸/۲۸) میں، ابن العربی نے "عارضۃ الأحوذی" (۱/۲۵۱) میں اور نووی نے "المجموع" (۳/۲۳) میں صحیح کہا ہے۔

نیز اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ جن کی بنا پر یہ بلاشبہ صحیح حدیث ہے۔

ان شواہد میں ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ جسے درج ذیل ائمہ نے روایت کیا ہے۔

احمد (۳/۳۳۰-۳۳۱) ترمذی (۱۵۰) نسائی (۱/۲۶۳) باب "اول وقت العشاء" ابن حبان (۲۷۰) دارقطنی (۱/۲۵۶-۲۵۷) حاکم (۱/۱۹۵-۱۹۶) بیہقی (۱/۳۶۸) ابن عبدالبر (۸/۲۹-۳۰)

سند:۔ "وھب بن کیسان عن جابر رضی اللہ عنہ"

یہ سند صحیح ہے۔ وہب کی طرح جابر سے اس کو عطاء بن ابی رباح نے بھی روایت کیا ہے اور اس سند سے اس کو درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے۔

نسائی (۱/۲۵۵) باب "آخر وقت العصر" طبرانی نے "الاوسط" (۱۰۱) میں دارقطنی (۱/۲۵۷) حاکم (۱/۱۹۶) بیہقی (۱/۳۶۸) اور ابن عبدالبر (۸/۳۰-۳۲)

اور یہ سند جید ہے۔

اس حدیث جابر کو ترمذی، حاکم، ذہبی اور ابن عبدالبر نے صحیح کہا ہے۔ بلکہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ مواقیت کے بارے میں صحیح ترین حدیث یہی ہے۔

نماز باقاعدہ پڑھنے کا حکم

امامت جبرائیلؑ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا درجہ اتنا بلند ہے۔ اس کی اہمیت خدا کے نزدیک اتنی اعلیٰ وارفع ہے اور اسے مخصوص ہیئت مقررہ قاعدوں متعینہ ضابطوں، اور نہایت خشوع اور خضوع سے ادا کرنا اس قدر ضروری ہے کہ خداتعالےٰ نے تعلیم اُمّت کے لیے جبرائیل علیہ السلام کو ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جبرائیل علیہ السلام نے خدا کے حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی کیفیت، ہیئت، اس کے اوقات اور اس کے قاعدے سکھائے اور پھر حضورؐ انور جبریل امینؑ کے بتائے اور سکھائے ہوئے وقتوں، طریقوں، قاعدوں، اور ضابطوں کے مطابق نماز پڑھتے رہے۔ اور ساتھ ہی اُمّت کو حکم دیا۔

۴۔ " صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي " (بخاری)

" تم بعینہٖ اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا "

مسنون نماز قبول ہوتی ہے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک سے یہ ثابت ہوا کہ ہماری نماز کی شکل وصورت، اور قولی وفعلی حالت ہوبہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے نمونے کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اور حضورؐ کی نماز کے ساتھ ہماری نماز جتنی زیادہ مطابقت اور مماثلت رکھے گی۔ خدا کے پاس قبولیت میں اتنا ہی زیادہ رُتبہ پائے گی اور اتنا ہی زیادہ خدا کو راضی کرے گی۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہم کو تمام احکام قرآن، اپنے قول وفعل کی شکل میں دیئے ہیں وہاں نماز کا خدائی حکم بھی آپ نے ہم کو عملی صورت میں پہنچایا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے (وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ) (الحشر آیت ۷) اور جو دے تم کو رسولؐ (اپنے قول وفعل سے)، پس پکڑ لو اس کو۔ تو خدا کے حکم

۴۔ بخاری (۶۳۱) " کتاب " الاذان " باب " الاذان للمسافر۔۔۔ "۔

اسے شافعی نے " مسند " (۵۵) اور سنن ماثورہ " (۲۰) میں احمد (۵/ ۵۳) بخاری نے " ادب مفرد " (۲۱۳) میں، دارمی (۱/ ۲۸۶) " الصلوٰۃ " باب " من احق بالإمامة " ابن خزیمہ (۳۹۷، ۵۸۶) ابن حبان (۴/ ۵۴۱، ۵/ ۱۹۱) دارقطنی (۱/ ۲۷۲-۲۷۳، ۳۴۶) باب " ذکر الأمر بالاذان والامامة واحقهما " وباب " ذکر الرکوع والسجود " ابن حزم (۳/ ۱۲۳) بیہقی (۳/ ۱۲۰) اور بغوی (۴۳۲) نے بھی مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فَخُذُوْهُ کے مطابق ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون نماز بھی پورے قاعدوں، اصولوں، سنتوں، اور حدیثوں کے ساتھ پڑھنی ضروری ہوئی۔

فرمانِ لایزال (مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ) (النساء آیت ۸۰) کا مفہوم بھی یہی ہے۔ کہ "خدا کے حکم کی تعمیل صرف اطاعتِ رسول کی صورت میں ہی تعمیل ہے" جس طرح حضور انور کی سُنّت اور جال کے خلاف عمل میں لایا ہوا کوئی خدا کا حکم قبول نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح نماز بھی آپ کے بتائے، سکھائے اور کر کے دکھائے ہوئے طریقوں۔ قاعدوں اور اصولوں کے خلاف پڑھی ہوئی کیسے قبول ہوسکتی ہے۔

بے قاعدہ نماز، نماز نہیں ہوتی

۵ — وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِیْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الَّتِیْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَءْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِیْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا۔

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے کونے میں تشریف فرما تھے، اس شخص نے نماز پڑھی (اور رکوع و سجود، قومے، جلسے کی رعایت

---

۵ — بخاری (۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷) کتاب "الاذان" باب "وجوب القراءة للامام والمأموم" وباب أمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ" کتاب "الإستیذان" باب "من ردّ فقال علیک السلام ..." کتاب "الایمان والنذور" باب "اذا حنث ناسیا فی الایمان" ——

تعدیل نہ کی اور جلدی نماز پڑھ کر) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ پر سلام کیا آپؐ نے اس کو فرمایا۔ سلام ہو تجھ پر۔ پھر جا پس نماز پڑھ۔ پس تحقیق تو نے نماز نہیں پڑھی۔ پھر گیا وہ۔ پس نماز پڑھی۔ (جس طرح پہلے بے قاعدہ پڑھی تھی) پھر آیا۔ پس سلام کیا۔ پھر فرمایا حضور انورؐ نے، سلام ہو تجھ پر۔ پھر جا۔ پس نماز پڑھ۔ پس تحقیق تو نے نماز نہیں پڑھی۔ پس کہا اس شخص نے تیسری، یا چوتھی بار، نماز (بے قاعدہ) پڑھنے کے بعد سکھاؤ مجھ کو (نماز پڑھنے کا صحیح قاعدہ) اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پس فرمایا آپؐ نے! جب تو نماز کے ارادے سے اُٹھے۔ تو (پہلے) خوب سنوار کر وضوء کر۔ پھر قبلہ رُخ کھڑا ہو کر تکبیر (تحریمہ) کہہ، پھر قرآن سے جو تجھے میسّر ہو۔ پڑھ، پھر رکوع کر، یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے رکوع کرے تو۔ پھر اُٹھا (سر رکوع سے) یہاں تک کہ کھڑا ہو تو سیدھا (قومہ میں) پھر سجدہ کر یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے سجدہ کرے تو۔ پھر اُٹھا (سر اپنا) یہاں تک کہ اطمینانِ خاطر سے بیٹھے تو۔ (جلسہ میں) پھر سجدہ کر، یہاں تک کہ اطمینانِ خاطر سے سجدہ کرے، تو پھر اُٹھا سر اپنا، یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے بیٹھے تو (جلسہ استراحت میں)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اُٹھا (سر سجدے سے) یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو (دوسری رکعت کے لیے) (یعنی اس روایت میں جلسہ استراحت مذکور نہیں) پھر کر یہ (اسی طرح) اپنی تمام نمازیں۔" (بخاری و مسلم)

ناظرین کرام! آپ نے غور فرمایا کہ اس حدیث میں جس نمازی کا ذکر ہے۔ وہ رکوع، اور سجود بہت جلدی جلدی کرتا تھا۔ قومے، اور جلسے کو اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر نہیں کرتا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار اس کو فرمایا کہ نماز پھر پڑھ۔ کیونکہ تو نے نماز پڑھی ہی نہیں ہے معلوم ہوا۔ کہ رکوع سجود، قومے، جلسے کا نماز میں اطمینان اور آرام سے پورا کرنا فرض ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارکان کی عدم طمانیت کو نماز کے باطل ہونے کا سبب قرار دیا۔

← مُسلم (۴/ ۱۰۶-۱۰۷) "الصّلاۃ" "باب" واجبات الصّلاۃ" ایضًا ابُوعوانہ (۲/ ۹۳، ۱۰۳-۱۰۴) ابُو داؤد (۸۵۶) باب "من لا یقیم صلبہ فی الرّکوع والسّجود" ترمذی (۳۰۳) باب "ماجاء فی وصف الصّلاۃ" نسائی (۲/ ۱۲۴-۱۲۵) "الافتتاح" "باب" فرض التکبیرۃ الاولیٰ" ابن ماجہ (۱۰۶۰) باب "اتمام الصّلاۃ" ابن ابی شیبۃ (۱/ ۲۸۷-۲۸۸) احمد (۲/ ۴۳۷) ابو یعلیٰ (۶۵۷۷) ابنِ خزیمہ (۴۵۴، ۴۶۱، ۵۹۰) ابن حبان (۵/ ۲۱۲) ابنِ حزم (۳/ ۲۳۶، ۲۵۶) بیہقی (۲/ ۹۷، ۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۶، ۳۷۱-۳۷۲) اور بغوی (۳/ ۳)۔

تنبیہ: کتاب میں مذکورہ سیاق بخاری کی ایک روایت کا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۶۲۵۱)۔
اور اسی سیاق سے اسے بغوی نے امام بخاری کی سند سے روایت کیا ہے۔ →

بے قاعدہ نماز مُنہ پر ماری جاتی ہے

حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۶۔ وَمَنْ صَلَّاهَا لِغَيْرِ وَقْتِهَا وَلَمْ يُسْبِغْ وُضُوءَهَا وَلَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوعَهَا وَلَا رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ تَقُولُ ضَيَّعَكَ اللهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي حَتّٰى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللهُ لُفَّتْ كَمَا يُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلِقُ ثُمَّ ضُرِبَ بِهَا وَجْهُهُ۔ (رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ)

(ترغیب وترہیب)

جس شخص نے نماز کو اس کا وقت ٹال کر۔ (عمدًا اخیر وقت) پڑھا۔ اور اس کا وضو بھی سنوار کر نہ کیا۔ اور دل کو بھی حاضر نہ رکھا اور رکوع اور سجدہ کو (مع قومہ جلسہ) خوب تسلی اور اطمینان سے پورا نہ کیا۔ تو جب وہ نماز رُخصت ہوتی ہے، تو کالی بھجنگ ہوتی ہے (یعنی نور و برکت سے خالی ہوتی ہے) پھر وہ نماز اس نمازی کو کہتی ہے، جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے۔ خدا تعالیٰ اسی طرح تجھے برباد کرے۔ یہاں تک کہ جب تھوڑی سی اونچی ہوتی ہے، جس قدر کہ اللہ پاک کو منظور ہو۔ پھر اس نماز کو چیتھڑوں میں لپیٹ کر اس نمازی کے منہ پر (فرشتے) مار دیتے ہیں۔

← اس حدیث کے آخر میں مؤلف رحمۃ اللہ نے جو یہ کہا ہے۔

" وفی روایۃ: ثُمَّ ارفع حتّٰی تستوی قائمًا۔"

تو یہ روایت بخاری (۶۶۶۷) اور بیہقی (۲/۱۲۶، ۳۷۲) میں ہے۔

اور صحیح روایت بھی یہی ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۲۵۹) میں کہا ہے۔

"ثُمَّ ارفع حتی تطمئن جالسًا" یہ الفاظ شاذ ہیں ان کے شاذ ہونے کی طرف امام بخاری نے بھی اشارہ کیا ہے ملاحظہ ہو فتح الباری (۲/ ۲۷۹، ۱۱/۳۷)۔

۶۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس حدیث کو طبرانی نے "الاوسط" میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۱/۳۰۲) میں ہے۔

اور اس کو حافظ منذری نے "ترغیب وترہیب" (۱/۲۵۸) میں اور حافظ عراقی نے "تخریج إحیاء علوم الدین" (۱/ ۱۷۶) میں ضعیف کہا ہے۔ ←

مسلمان بھائیو اور بہنو! غور کرو۔ کہ جس کے لیے نماز بربادی کی دُعا کرے۔ اس نمازی کا انجام معلوم! رسُولِ پاک کی حدیث مذکور پڑھنے کے بعد ہر جلد باز، ٹھونگیں مارنے والے، رکوع وسجُود اور قومہ و جلسہ برائے نام کرنے والے نمازی کو آج ہی خدا کے حضور تائب ہو جانا چاہیئے۔ اور آیندہ نماز کو مسنون طریق کے مطابق آرام واطمینان سے پڑھنا چاہیئے کیونکہ اگر مسنون نمازیں ہوئیں تو قیامت کو میزان میں رکھی جائیں گی۔ اور بارآور ہوں گی اور جو دُنیا میں ہی کالی سیاہ نمازیں چیتھڑوں میں لپیٹ کر مُنہ پر ماری گئی ہوں گی۔ (خدا بچائے کل قیامت کو کس طرح قبول ہوں گی۔

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید! | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محال است سعدی کہ راہِ صفا! | تواں رفت جُز در پئے مصطفٰےؐ!

ــــــ اس کی علت بیان کرتے ہُوئے حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں " عباد بن کثیر" ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

قلت: جس " عباد بن کثیر" کے ضعیف ہونے پر سب متفق ہیں۔ یہ " عباد بن کثیر الثقفی" ہے۔

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے " تقریب" میں کہا ہے " متروک ہے۔ احمد نے کہا ہے کہ اس نے جھوٹی حدیثیں روایت کی ہیں۔

اس سے معلوم ہُوا کہ اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے۔

اسی مضمون کی حدیث، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

۱۔ حضرت عبادہ کو طیالسی (۱/ ۶۶ - ۶۷) حکیم ترمذی نے " الصلاۃ " (۴۲، ۶۵) میں بزار (۳۵۰) اور بیہقی نے " شعب الایمان" (۶/ ۲۷۸) میں روایت کیا ہے۔

سند: الاحوص بن حکیم عن خالد بن معدان عن عبادۃ بن الصامت "

یہ اس حدیث کی سند ہے اور یہ دو علتوں کی بناء پر ضعیف ہے۔

۱۔ احوص بن حکیم ضعیف ہے۔ جیسا کہ " تقریب" میں ہے۔

۲۔ خالد بن معدان کا عبادہ رضی اللہ عنہ سے سماع صحیح ثابت نہیں۔ جیسا کہ ابو حاتم نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو " المراسیل" (۵۲) لابن ابی حاتم۔

۲۔ حدیث عبداللہ بن عمرو کو حکیم ترمذی نے " الصلاۃ " (۴۱، ۵۶، ۶۵) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند بھی حدیث انس کی طرح سخت ضعیف ہے۔ اس میں ایک راوی " سعید بن سنان ابو مہدی الحمصی ہے۔

علامہ ذہبی نے " دیوان الضعفاء" (۱/ ۳۲۸) میں اس کو " ھالک " مغنی فی الضعفاء (۱/ ۲۶۱) میں ←

ہماری نمازوں کا حال

اب آپ انصاف سے کہیے۔ کہ مسلمان آج کل نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ جھٹ وضوء کیا، اللہ اکبر کہا۔ ثنا۔ الحمد اور اخلاص کو کُتر کُتر کر پڑھا۔ اور رکوع میں پہنچے ابھی بیٹھ نہ سیدھی ہونے پائی تھی۔ کہ مضطرب تسبیحات نے غیر مطمئن رکوع سے خلاصی پائی۔ سر اُٹھاتے ہی سجدے میں گئے۔ (اور قومے کا پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کے بغیر نبی اکرمؐ نے نماز کو باطل قرار دیا) بے قرار سجدے سے سر اٹھاتے ہی دوسرے سجدے کے بارِگراں سے نجات پائی اور کھڑے ہو گئے۔ (اور جلسے کا نام ونشان نہیں، جس کے فقدان سے نماز منتفی ہو جاتی ہے۔) آپ نے اکثر دیکھا ہوگا۔ کہ قریباً سب مسلمانوں کی نماز عام طور پر بے چین۔ رکوع وسجوُد غیر مطمئن، اور قومہ وجلسہ مضطرب، یا بے نشان ہوتے ہیں۔ عوام تو در کنار۔ ائمہ مساجد کی نماز باجماعت میں قومہ وجلسہ مفقود، اور رکوع وسجوُد بے حضور ہوتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون نماز کا حسین سراپا مسلمانوں نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے، نماز تراویح کی دوڑ میں مقتدی امام کا پیچھا کرنے سے عاجز آجاتے ہیں۔ امام جب قیام سے رکوع میں پہنچتا ہے۔ تو پھر مقتدیوں کے رکوع میں پہنچنے پر وہ قومے سے گزر جاتا ہے اور مقتدی جب سجدے میں آتے ہیں۔ تو امام جلسے کی حُدود پھاند چکا ہوتا ہے اور جب مقتدی سجدے سے سر اُٹھاتے ہیں۔ تو امام دوسرے سجدے کے بار سے سبکدوش ہو چکا ہوتا ہے،

افسوس! یہ وہ دل خراش منظر ہے۔ کہ علامۂ اقبالؒ مرحوم کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے ؎

تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

نماز کا چور

۷۔۔۔ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَءُ

"متروک ومتہم" کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۱/۲۹۸) میں کہا ہے "متروک ہے دارقطنی وغیرہ نے اس پر احادیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تینوں حدیثوں میں سے ایک کی سند ضعیف اور دو کی سندیں سخت ضعیف ہیں۔ لہٰذا ان سب کو ملا لینے سے بھی ان میں قوت پیدا نہیں ہوتی اور نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۷۔۔۔ صحیح حدیث ہے۔

النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالَ لَا یُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَا سُجُوْدَھَا۔ (رواہ احمد)

"حضرت ابی قتادہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چوری کے اعتبار سے بہت بڑا چور لوگوں میں وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے خدا کے رسولؐ! اور وہ کیونکر چوری کرتا ہے۔ اپنی نماز سے؟ فرمایا!۔ جو نہ پورا کرے رکوع نماز کا اور نہ سجدہ اس کا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نماز کا چور، تمام چوروں سے بدتر چور ہے اور کیا ہماری نمازوں کے سجدے، اور ناتمام رکوع نماز کی چوری نہیں ہے؟

احمد (۵/۳۱۰) اسی طرح اس کو دارمی (۱/۳۰۴-۳۰۵) ابو یعلی نے "معجم الشیوخ" (۱۵۰) میں، ابن خزیمہ (۶۶۳) ابن ابی حاتم نے "علل الحدیث" (۱/۱۷۰) میں، طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۳/۲۷۳) میں اور "الاوسط" میں بھی (جیسا کہ مجمع الزوائد" (۲/۱۲۳) میں ہے۔ حاکم (۱/۲۲۹) بیہقی نے "سنن" (۲/۳۸۵-۳۸۶) اور "شعب" (۶/۲۵۲) میں بھی اور خطیب بغدادی نے بھی "تاریخ بغداد (۸/۲۲۶) میں روایت کیا ہے۔

سند: "الولید بن مسلم عن الاوزاعی عن یحییٰ بن ابی کثیر بہ عنہ"

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ ولید بن مسلم مدلس ہیں انہوں نے اگرچہ "تاریخ بغداد" میں اوزاعی سے تحدیث کی صراحت کی ہے مگر یہ تدلیس تسویہ" کرتے ہیں۔ اس لیے اوزاعی سے ان کی تحدیث کی صراحت معتبر نہیں دیکھیں "التقیید والایضاح" للعراق (۹۷) ابو مسہر نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ اوزاعی کے جھوٹے شیوخ سے تدلیس کرتے ہیں اور دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ اوزاعی کے ضعیف شیوخ کو حذف کر دیتے ہیں" تہذیب التہذیب" (۱۱/۱۳۵)۔

نیز عبدالحمید بن حبیب بن ابی العشرین نے اس حدیث کو اوزاعی سے بیان کرتے ہوئے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی بجائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حدیث ابو ہریرہ کو ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (۱/۱۷۰) میں، ابن حبان (۵۰۳) حاکم (۱/۲۲۹) اور بیہقی نے "سنن" اور "شعب" میں روایت کیا ہے۔

اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور حدیث ابو قتادہ کو ابن خزیمہ اور اسی طرح حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ امام حاکم نے ان دونوں ہی حدیثوں (حدیث ابی قتادہ وحدیث ابی ہریرۃ) کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ جبکہ ابو حاتم نے دونوں ہی حدیثوں کو منکر کہا ہے۔

کوّے کی ٹھونگیں

۸ - عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ - (رواہ ابوداؤد) -

عبدالرحمٰن ابن شبل سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے (سجدے میں) کوّے کی (طرح) ٹھونگیں مارنے سے منع کیا"

جو لوگ سجدے سے جلدی سر اٹھا لیتے ہیں۔ اور اٹھاتے ہی فوراً بغیر اطمینان سے بیٹھے پھر سجدے میں چلے جاتے ہیں، وہ کوّے کی طرح ٹھونگیں مارتے ہیں۔ کیونکہ کوّا دانہ اٹھاتے وقت زمین پر جلدی سے چونچ مار کر دانہ اٹھاتا ہے۔ اور پھر جلد ہی دوسرے دانہ کے لیے چونچ مار دیتا ہے۔

ـــــ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی "شعب الایمان" (۶/ ۳۵۲) میں ایک دوسری سند بھی ہے۔ مگر وہ سند یحییٰ بن عبید اللہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

بات جو بھی ہو، ان دونوں ہی حدیثوں کی سندیں صحیح ہوں یا ضعیف، بہرحال ان کا متن صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے شواہد ہیں ان شواہد میں ابو سعید خدری اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کی موصول حدیثیں اور نعمان بن مرہ رحمہ اللہ کی مرسل حدیث ہے۔

۱۔ حدیث ابوسعید کو طیالسی (۱/ ۹۷) ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۸۸) احمد (۳/ ۳۵۶) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۹۹۰) میں، بزار (۵۳۶) ابویعلیٰ (۱۳۱۱) ابن عدی (۵/ ۱۸۴۳) ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۸/ ۳۰۲) میں اور بیہقی نے "شعب الایمان" (۶/ ۳۵۴) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

۲۔ حدیث عبداللہ بن مغفل کو طبرانی نے "کبیر"، "اوسط" اور "صغیر" (۱/ ۱۲۱) میں روایت کیا ہے۔

حافظ ہیثمی نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ مگر ان کا یہ کلام محلِ نظر ہے۔

۳۔ نعمان بن مرہ کی مرسل حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کی تخریج کے لیے حدیث (۳۲۶) دیکھیں۔

۸ ـــ حسن درجے کی حدیث ہے۔

ابوداؤد (۸۶۲) اسی طرح اس کو احمد (۳/ ۴۲۸، ۴۴۴) نسائی (۲/ ۲۱۴) ابن ماجہ (۱۴۲۹) دارمی (۱/ ۳۰۳) ابن خزیمہ (۶۶۲، ۱۳۱۹) عقیلی (۱/ ۱۷۰) ابن حبان (۴۷۶) ابن عدی (۲/ ۵۱۵) حاکم (۱/ ۲۲۹) بیہقی (۲/ ۱۱۸) اور بغوی (۶۶۶) نے تمیم بن محمود کے واسطے سے عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ←

منافق کی نماز

۹ ـــ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تِلْکَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ یَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا اصْفَرَّتْ وَکَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهَا اِلَّا قَلِیْلًا۔ (رواہ مسلم)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نماز (عصر کی جو اخیر وقت پڑھی جائے) منافق کی نماز ہے کہ (منافق) بیٹھا رہتا ہے۔ انتظار کرتا ہے۔ آفتاب کا۔ یہاں تک کہ جب ہو جاتا ہے (آفتاب) زرد، اور ہو جاتا ہے۔ درمیان دو سینگوں شیطان کے (یعنی غروب ہونے کے قریب ہو جاتا ہے) تو کھڑا ہوتا ہے (نماز کے لیے) پھر چار ٹھونگیں مارتا ہے۔ (یعنی جانور کے دانہ چگنے کی طرح جلدی جلدی کرتا ہے سجدے)۔ اور نہیں یاد کرتا اس میں اللہ کو مگر تھوڑا۔

عصر کی نماز میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ فرماتے ہیں۔ کہ غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے والا (بطور عادت کے) چار ٹھونگیں مارتا ہے۔ چونکہ پہلے سجدے کے بعد جب سر اچھی طرح نہ اُٹھایا۔ اور فوراً دوسرا سجدہ کر دیا۔ تو حضورؐ انور نے دو سجدوں کو ایک ہی قرار دیا اور ایسے ناقص اور غیر مطمئن سجدوں کو ٹھونگیں کہا۔

کیا آپ نے ایسے نمازی مسجد میں نہیں دیکھے۔ جو دھوپ زرد ہو جانے پر تنگ وقت میں عصر پڑھتے ہیں۔ اور پھر نہایت تیزی سے جلدی جلدی ٹھونگیں مارتے ہیں؟ وائے بر حالِ ما! کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی نماز کو منافق کی نماز فرماتے ہیں۔

ـــ اس حدیث کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

جب کہ امام بخاری نے "تاریخ کبیر" (۲/ ۱/ ۱۵۴) میں تمیم کے ترجمے میں کہا ہے کہ اس کی (یہ) حدیث محل نظر ہے۔

مسند احمد (۵/ ۲۷۴) میں اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جس کی بناء پر البانی نے اس کو حسن کہا ہے۔ دیکھیں "احادیث صحیحہ" (۱۱۶۸)۔

۹ ـــ مسلم (۵/ ۱۲۳) اس کو مالک (۱/ ۲۲۰) احمد (۳/ ۱۰۲-۱۰۳، ۱۴۹، ۱۸۵) ابو داؤد (۴۱۳) ترمذی (۱۶۰) نسائی (۱/ ۲۵۴)۔ ابو یعلی (۲۶۹۲) ابن خزیمہ (۳۳۳-۳۳۴) ابو عوانہ (۱/ ۳۵۶) ابن حبان (۱/ ۴۹۲، ۲۹۴، ۲۹۵) اور بیہقی (۱/ ۴۴۴) نے بھی عبدالرحمٰن بن العلاء کے واسطے سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مؤطا اور دیگر بعض کتب میں بھی "تلک صلٰوۃ المنافقین" تین مرتبہ اور لفظ "المنافقین" جمع کے ←

جماعت کے ہوتے کوئی نماز نہیں ہوتی

۱۰ — وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب نماز (کی جماعت) کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔"

کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ کہ فجر کی نماز کی جماعت کھڑی ہے اور لوگ پاس سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں؟ اور کیا ان لوگوں کا جماعت کی موجودگی میں سنتیں پڑھنا رسولِ خدا کی نافرمانی نہیں ہے؟ جب کہ حضور انورؐ نے لَا صَلٰوةَ فرما کر ہر نماز کی نفی فرما دی ہے۔

← ساتھ ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ یہ منافقین کی نماز ہے۔

احمد (۳/ ۲۴۷) ابویعلی نے "مسند" (۴۲۴۶) اور "معجم الشیوخ" (۳۱۴) میں اور ابویعلی سے ابن حبان (۱/ ۹۳) نے اس حدیث کو حفص بن عبید اللہ کے واسطے سے بھی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ سند اسامہ بن زید اللیثی کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

اس سند میں "ألا اخبركم بصلاة المنافق" ہے۔

"میں تمہیں منافق کی نماز کے بارے میں نہ بتلاؤں"

اسی طرح اس میں "فنقرهن (عند احمد فنقرها) كنقرات الديك" ہے۔

"اس نے ان رکعتوں کو مرغ کے چونچ مارنے کی طرح ادا کیا"

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ اسے ابویعلی نے "مسند" (۴۲۴۶) اور معجم الشیوخ (۳۱۴) میں اور ان سے ابن حبان (۱/ ۹۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی حسن درجہ کی ہے۔

۱۰ — مسلم (۵/ ۲۲۱) "صلاة المسافرین"

اس کو احمد (۲/ ۳۳۱، ۴۵۵، ۵۱۷، ۵۳۱) ابوداؤد (۱۲۶۶) ترمذی (۴۲۱) نسائی (۲/ ۱۱۶-۱۱۷) ابن ماجہ (۱۱۵۱) دارمی (۱/ ۳۳۷) ابویعلی نے "مسند" (۶۳۷۹-۶۳۸۰) اور معجم الشیوخ (۵۶) میں ابن خزیمہ (۱۱۲۳) ابوعوانہ (۲/ ۳۲-۳۴) طحاوی نے "معانی الآثار" (۱/ ۳۷۱) میں، ابن حبان نے (۵/ ۵۶۴- ۵۶۵- ۵۶۶- ۵۶۷)

اور "مجروحین" (۱/ ۱۵۹) میں بھی، طبرانی نے "معجم صغیر" (۱/ ۱۶، ۱۹۴) میں صیداوی نے "معجم الشیوخ" (۲۹۰) میں ←

ابوالقاسم نے "عقلاء المجانین" (۲۰۸) میں ابُونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۸/ ۱۳۸، ۹/ ۲۲۲) اور اخبار اصبہان" (۱/ ۳۰۴، ۳۲۲) میں بیہقی ۲/ ۴۸۲، ۴۸۳ ، خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۵/ ۱۹۷-۱۹۸، ۷/ ۱۴۴، ۱۹۵، ۱۲/ ۲۱۳، ۱۳/ ۵۹) اور "موضح" (۲/ ۳۴۲) میں بھی اور ابن عساکر نے بھی "تاریخ دمشق" (۷/ ۹۳-۹۵) میں روایت کیا ہے۔

سند: عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ:

اس حدیث کو عمرو بن دینار سے آگے تقریباً بیس یا اکیس راویوں نے روایت کیا ہے۔

اسی لیے ابُونعیم نے کہا ہے کہ اس حدیث کو عمرو بن دینار سے جم غفیر نے روایت کیا ہے۔

ان میں سے تقریباً بارہ راویوں کے طریق تو "صحیح ابوعوانہ" میں ہی ہیں۔

بعض راویوں نے اس حدیث کو عمرو سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

ملاحظہ ہو "مصنف عبدالرزاق" (۲/ ۴۳۶) "مصنف ابن ابی شیبہ" (۱/ ۴۲۱- دارالتاج) اور "تاریخ بغداد" (۱/ ۲۱۵)۔

مگر بعض راویوں کے اس کو موقوفاً روایت کرنے سے اس کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ جم غفیر نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔

ان میں اگرچہ بعض راوی ضعیف ہیں تاہم ان میں اکثریت ثقات ہی کی ہے۔

چونکہ اکثریت نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اسی لیے امام ترمذی فرماتے ہیں۔ "والحدیث المرفوع أصح عندنا" مرفوع حدیث ہمارے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔"

نیز جن بعض راویوں نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔ ان میں سے اکثر سے یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔

ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی دو اور سندیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک سند سے اس کو احمد (۲/ ۳۵۲) اور طحاوی (۱/ ۳۷۲) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس سند میں اختلاف ہے۔

اس میں "فلا صلوٰۃ إلا المکتوبۃ" کی بجائے "فلا صلاۃ إلا التی اقیمت لھا" ہے۔

"اقامت کے بعد صرف وہی نماز ہو سکتی ہے۔ جس کے لیے اقامت کہی گئی ہو"

دوسری سند سے اس کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۴/ ۵۲) میں روایت کیا۔ یہ سند کیسی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث میں بعض اضافے بھی ہیں۔ جن کی تفصیل حدیث (۴۴۷) میں دیکھیں۔

یہ حدیث، انس، ابن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

۱۔ حدیث انس کو بزار (۵۱۷) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

۲۔ حدیث ابن عمر کو ابن حبان نے "المجروحین" (۲/ ۳۶) میں ابن عدی نے "الکامل" (۴/ ۱۵۶۳) میں سہمی نے

"صَلوٰۃُ الرَّسُول" کے لکھنے کا باعث

سطور بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ مسلمان مسنون نماز میں کتنی بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔ اور بعض غلطیاں اتنی خوفناک اور اصولِ شکن ہیں کہ ان سے نماز باطل ہوجانے کا ڈر ہے۔ اکیلے نماز پڑھتے وقت بھی نمازی لاعلمی کی وجہ سے نماز کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں، اور دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی اور پڑھ کر دکھائی ہوئی باضابطہ نماز (جس کا اتباع اُمّت پر واجب ہے) کجا۔ اور مسلمانوں کی رسمی بے قاعدہ نماز کجا۔ مسنون نماز کی ہیئت کذائیہ اور مسلمانوں کی نماز کی صورت مروجہ میں بہت فرق ہے اور جب نماز با جماعت پڑھی جاتی ہے تو دیکھ کر دل جلتا ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور مقررہ اصول کے مطابق نہ صفیں سیدھی کی جاتی ہیں، نہ مل جل کر کھڑے ہونے کا خیال ہے۔ نہ مونڈھے سے مونڈھا، اور قدم سے قدم ملا کر صف بندی کرنے میں تعمیل رسُولؐ کی جاتی ہے۔ کوئی تکبیر تحریمیہ میں امام کی تکبیر کے اختتام سے پہلے ہی تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیتا ہے۔ کوئی امام کے سجدہ میں پہنچنے سے قبل ہی پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے اور کوئی امام کے کھڑا ہونے سے پہلے ہی قیام میں پہنچ جاتا ہے۔ علامہ مرحوم ٹھیک فرما گئے ہیں ؎

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے — محبّت کا جنوں باقی نہیں ہے

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

پھر بہت سے مسلمان نماز کے بعد کے اذکار سے بے خبر ہیں، کہیں اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ میں اپنی طرف سے اضافہ کر رکھا ہے۔ کہیں اذان کے بعد کی مسنون دُعا میں کچھ الفاظ بڑھا دیئے ہوئے ہیں۔ اور کہیں وضوء میں ہر ہر عضو دھوتے وقت ایک ایک دُعا پڑھنی (دین میں) وضع کر رکھی ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ غرض مسلمان مسنون

۔۔۔۔۔۔ "تاریخ جرجان" (۲۶۲) میں اور ابنِ عساکر نے "تاریخ دمشق" (۳۸/۲۲۷) میں نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابن عدی (۱/۲۶) نے اسے سالم کے طریق سے بھی ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

اذکار، عبادات، اور نمازوں کی جان پہچان میں بے گانے سے ہوگئے ہیں۔ ؏

مُسلم از سرّ نبیؐ بے گانہ شُد

چونکہ نماز ارکانِ اسلام میں سے ایک بہت بلند پایہ رُکن ہے اور عبادتِ الٰہی میں سے روزمرّہ کی بڑی رفیع الشان عبادت ہے اور اس عبادت کو مسنون طور پر بجالانا واجب ہے، اور مسلمانوں کی اکثریت مسنون نماز، اور اس کے متعلقہ مسائل سے ناواقف ہے، اس لیے میں نے ارادہ کیا۔ کہ خدا کے پیارے رسُول سیّد البشرؐ اکرم الاوّلین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ہماری جانیں آپ پر قربان) کی بتائی اور پڑھ کر دکھائی ہوئی نماز اور اس سے متعلق صدہا مسائل پر ایک مکمل اور مدلّل کتاب لکھوں۔ تاکہ میرے پیارے بھائی اور بہنیں اسے پڑھ کر نمازیں سُنت کے مطابق ادا کریں۔ اور نماز کے مسائل متعلقہ سے کما حقہٗ، واقف ہو جائیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے میرا ارادہ پُورا ہُوا۔ اور نماز سے متعلق یہ کتاب مکمل اور مدلّل "صلوٰۃ الرسُول" کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میری اعماقِ قلب سے دُعا ہے کہ خدا تعالٰے آپ کو اس کے پڑھنے، اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین!۔

اُمید ہے کہ ؎

ہر کجا ایں شاخِ نرگس بشگفد!
گل رخانش دیدہ نرگس داں کنند!

خادمِ ملّتِ بیضاء

محمد صادق سیالکوٹی

یکم ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ مطابق یکم فروری ۱۹۴۹ء

← نیز ابنِ عدی (۱/۳۱۰) نے اس کو ابنِ عمر پر موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ نہ تو مرفوعًا ثابت ہے اور نہ ہی موقوفًا، ابنِ عدی نے دونوں ہی کو غیر محفوظ کہا ہے۔

۳۔ حدیثِ جابر کو ابنِ عدی (۴/۱۵۰۴) ابُو الشیخ نے "طبقات المحدثین" (۳/۱۷۷) میں اور ابو نعیم نے "أخبار أصبهان" (۱/۱۹۰) میں روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند عبد اللہ بن میمون القداح کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

کتاب اور سُنّت کے اتباع کا حُکم

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (پ۶)(۱)

یہ آیت ماہ ذوالحجہ ۱۰ھ میں میدانِ عرفات میں نازل ہوئی، خدا نے فرمایا: "آج کے دن (اے مسلمانو) میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے"۔ اس آیت کے نزول کے تین ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کامل اور غیر ناقص دینِ اُمت کو سونپ کر رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ اور اُمت کو وصیت فرما گئے۔

۱۱ــــ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِهٖ۔ (مؤطا امام مالک)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں دو چیزیں ایسی دے چلا ہوں، کہ جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہو گے۔ ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک قرآن مجید۔ اور دوسری حدیث شریف"۔

پس معلوم ہوا کہ دین کتاب اور سُنّت پر تمام ہوا۔ یا اسلام کتاب اور سُنّت میں محدود ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مسئلہ و فتوائے صرف وہی صحیح اور قابلِ عمل ہے۔ جو قرآن اور حدیث کے ساتھ مدلّل ہو۔

۱؎ المائدہ آیت ۳

۱۱ــــ صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث کو امام مالک نے بلا سند ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو "موطا" (۲/۸۹۹) کتاب القدر باب (۱)۔

مگر یہ دوسری کتب میں موصولاً یعنی بالسند مذکور ہے اور اسے روایت کرنے والے عبداللہ بن عباس، انس، ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم ہیں۔

۱۔ حدیث ابن عباس کو محمد بن نصر المروزی نے "السنۃ" (۶۸) میں حاکم نے "المستدرک" (۱/۹۳) میں، ابنِ حزم نے "الاحکام فی اصول الاحکام" (۶/۸۱-۸۲) میں اور بیہقی نے "سنن" (۱۰/۱۱۴) اور "الاعتقاد" (۱۱۲) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند تقریباً حسن درجہ کی ہے۔ ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ←

حاکم کے کلام سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اس کی صحت کی طرف مائل ہیں۔ بلکہ منذری نے "ترغیب وترہیب" (۱/ ۸۰) میں کہا ہے کہ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔"

شیخ البانی نے اسے "تحقیق المشکاۃ" (۱/ ۶۶) اور "صحیح الترغیب" (۳۶) میں حسن کہا ہے۔

۲۔ حدیث انس کو ابوالشیخ نے "طبقات المحدثین" (۲/ ۲۰۸۔ ۲۰۹) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند یزید رقاشی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث ابو ہریرہ کو عقیلی (۲/ ۲۵۰۔ ۲۵۱) ابن عدی (۴/ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷) دارقطنی (۴/ ۲۴۵) کتاب الاقضیۃ، باب "المرأۃ تقتل اذا ارتدت" (آخر میں) لالکائی نے "شرح الاصول" (۱/ ۷۹۔ ۸۰) میں ابن حزم نے "الاحکام فی اصول الاحکام" (۶/ ۸۲) میں بیہقی نے "سنن" (۱۰/ ۱۱۴) میں اور خطیب بغدادی نے "الفقیہ والمتفقہ" (۱/ ۹۴) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صالح بن موسیٰ الطلحی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

مگر "التذکار فی افضل الأذکار" (۵۰) میں قرطبی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ "الابانۃ" للوایلی میں یہ مختلف سندوں سے مروی ہے۔

۴۔ حدیث ابوسعید کو خطیب بغدادی (۱/ ۹۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں شعیب بن ابراہیم مجہول ہیں اور سیف بن عمر اور الصباح بن محمد یہ دونوں ضعیف ہیں۔

ابو سعید رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ مگر اس میں سنت کی بجائے "اہل بیتی" کا ذکر ہے۔ اس کو احمد (۳/ ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹) اور ابن ابی عاصم نے "السنۃ" (۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴) میں روایت کیا ہے۔ اور یہ صحیح حدیث ہے۔ کیونکہ یہ "اہل بیتی" کے ذکر کے ساتھ دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم سے بھی مروی ہے، جن میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

۱۔ حدیث زید بن ارقم کو مسلم (۱۵/ ۱۸۰) "فضائل"، باب "فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ" اور ترمذی (۳۷۸۸) "مناقب" باب "مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث جابر کو ترمذی (۳۷۸۶) اور طبرانی (۳/ ۶۳) نے روایت کیا ہے۔

ان احادیث میں "اہلِ بیتی" سے بھی "سنت" ہی مقصود ہے۔ تفصیل کے لیے "احادیث صحیحہ" للألبانی (۴/ ۳۶۰۔ ۳۶۱) دیکھیں۔

یہ حدیث کتاب میں مذکور حدیث کے لیے بہترین شاہد ہے۔

نیز نمبر ۱۵ میں آنے والی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

سُنت کا نافرمان نجات نہیں پائے گا

۱۲ ـــ صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قِيْلَ وَمَنْ أَبَى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبَى ـ (بخاری شریف)۔

" میری تمام اُمّت بہشت میں داخل ہو گی، مگر جس نے سرکشی کی۔ کسی نے پوچھا حضورؐ ! وہ کون ہے جس نے سرکشی کی ؟ آپؐ نے فرمایا۔ جس نے اطاعت کی میری وہ بہشت میں داخل ہُوا۔ اور جس نے نافرمانی کی میری، پس اس نے سرکشی کی۔

حضورؐ کے اس فرمان سے معلوم ہُوا کہ آپؐ کی حدیث اور سنت سے مُنہ موڑنے والے بہشت میں جانے کے لائق نہیں ہیں، اس لیے مسلمانوں کو خوف کرنا چاہیئے اور اپنی ہر قسم کی عبادت میں حضورؐ کی سُنت اور حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔

---

۱۲ ـــ بخاری (۲۸۰/۷) کتاب " الاعتصام "

اسی طرح اسے احمد (۲/۳۶۱) حاکم (۱/۵۵) اور ذہبی نے بھی " تذکرۃ الحافظ " (۲/۲۰/۷) میں روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری ومسلم کی شروط پر صحیح ہے۔ مگر انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حالانکہ بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد بھی ہے۔

اسے ابن حبان (۱/ ۱۹۶-۱۹۷) اور ابن عدی (۳/ ۹۲۳-۹۳۴) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند میں انقطاع ہے۔

اس کے شروع میں " كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى " کی بجائے یہ الفاظ ہیں۔

" والذي نفس بيده لتدخلن الجنة كلكم إلا من أبى وشرد على الله كشراد البعير "

والسياق لابن حبان۔

" مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم سب کے سب جنت میں ضرور داخل ہو گے۔ مگر وہ شخص جو اونٹ کے (اپنے مالک سے) بھاگنے کی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل گیا "

اس قدر یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حدیث ابو ہریرہؓ کو حاکم (۱/۵۵) نے روایت کیا ہے اور اسے بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ ←

سو شہیدوں کا ثواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۳ — مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ۔ (مشکوٰۃ)

"میری اُمّت کے فتنہ و فساد کے وقت جس شخص نے میری سُنّت کو مضبوط پکڑا۔ اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔"

حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب بے دینی اور بدعملی کا دور ہوگا۔ میری سنتوں اور حدیثوں کو چھوڑ کر لوگ شرک اور بدعات پر عمل کرنے لگ جائیں گے۔ ایسے پُرفتن وقت میں جو میری سُنّت یا حدیث کو ترک نہ کرے گا۔ بلکہ مضبوطی سے اس پر جم کر عمل کرے گا۔ تو خدا اُسے نازک دور میں عمل بالحدیث کے سبب سو شہیدوں کا ثواب دے گا۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق آج کل دین میں بہت فتنہ و فساد برپا ہے۔ صحیح دین کا حصول اور کتاب و سُنّت پر عمل کرنا کبریتِ احمر کا حاصل کرنا ہے۔ سُنّت پر عمل کرنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور حدیث کا نام لینے والوں پر آوازے کسے جاتے ہیں۔ مسلمان اسرارِ حدیث و سنت سے بیگانے ہوگئے ہیں۔ اور بیت الحرام دین، حرص و ہوا، اور تعبیر و احداث کے لات و منات سے آباد ہے۔ اس لیے ایسے نازک اور پُرآشوب دور میں سُنّت اور حدیث پر تمسک کرنا لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہونا ہے۔

— حافظ ابنِ حجر نے بھی "فتح الباری" (۱۳/ ۲۵۴) میں اس کو اسی شرط پر صحیح کہا ہے

حدیث ابُو امامہ کو احمد (۵/ ۲۵۸) نے روایت کیا ہے۔

حافظ صاحب نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

طبرانی اوسط میں اس کی دوسری سند بھی ہے۔ حافظ ہیثمی نے اس کو حسن کہا ہے "مجمع الزوائد" (۱۰/ ۴۷)۔

۱۳ — سخت ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابنِ عدی (۲/ ۳۹/ ۷) اور بیہقی نے "الزہد" (۲۰۷) میں روایت کیا ہے۔

سند: "الحسن بن قتیبہ ثنا عبد الخالق بن المنذر بہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما"

یہ سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں۔

۱۔ الحسن بن قتیبہ۔ اس کو دارقطنی نے "متروک الحدیث" ابو حاتم نے "ضعیف" ازدی نے "واہی الحدیث" عقیلی نے "کثیر الوہم" اور ذہبی نے "ہالك" کہا ہے۔

بہشت میں رسولُ اللہ کی رفاقت

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۴۔۔۔ مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ۔ (ترمذی شریف)

جس نے دوست رکھا سُنّت میری کو (اور اس پر عمل کیا) پس اس نے دوست بنایا مجھ کو۔ اور جس نے دوست بنایا مجھ کو۔ وہ بہشت میں میرے ساتھ ہوگا"

اس حدیث سے ثابت ہُوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل سے محبت کرنا اور عمل میں لانا قیامت کو حضورؐ کی معیت اور رفاقت کا موجب ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے پیارے رسُولؐ کی پیاری سنتوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ انہیں اپنائیں اور ہر قیمت پر عمل میں لائیں۔

۔۔۔۔ ابنِ عدی نے اس کے بارے میں" ارجوانہ لا بأس بہ" کہا ہے۔ مگر ذہبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "میزان" (۱/۵۱۹)۔

۲۔ عبدالخالق بن المنذر: یہ غیر معروف ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے "میزان" میں کہا ہے۔

یہ حدیث ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ مگر اس میں سو شہید کی بجائے ایک شہید کا ذکر ہے۔

اس کو طبرانی نے" الاوسط" میں اور طبرانی سے ابُونعیم نے" حلیۃ الاولیاء" (۸/۲۰۰) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ایک راوی محمد بن صالح العذری ہے۔ حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا" مجمع الزوائد" (۱/۱۷۲)۔ یہی بات شیخ البانی نے بھی کہی ہے۔ ملاحظہ ہو" احادیثِ ضعیفہ" (۳۲۷) مجھے بھی اپنے پاس موجود کتب جرح و تعدیل میں اس کا ترجمہ نہیں ملا۔

۱۴۔۔۔ ضعیف حدیث ہے۔

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ کو متعدد نصیحتیں فرمائی ہیں۔ مثلاً، وضوء اچھی طرح سے کیا کرو۔ اس سے عُمر بڑھے گی وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ انس رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔

پہلا طریق: یہ علی بن زید بن جدعان کا طریق ہے۔

اس طریق سے اس کو ترمذی (۲۶۰۸) "العلم" مروزی نے "الصلاۃ" (۲/۶۶۱) میں ابُویعلی (۲۶۲۴) اور طبرانی نے "المعجم الصغیر" (۲/۳۲-۳۳) میں روایت کیا ہے۔

ترمذی اور مروزی نے اس کو مختصرا، طبرانی اور ابُو یعلیٰ نے اس کو مطولاً روایت کیا ہے۔ مگر ابُو یعلیٰ میں محل شاہد نہیں۔

اور یہ طریق (سند) علی بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ علی بن زید کو حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں ضعیف کہا ہے۔

اس میں ایک دوسری علت بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے "سنن ترمذی" ملاحظہ کریں۔

دوسرا طریق: یہ بقیہ بن ولید کا طریق ہے۔

اس طریق سے اس کو عقیلی (۲/۲، ۳/۴۹/۳) اور لالکائی نے "شرح السنۃ" (۱/۵۲-۵۳) میں روایت کیا ہے۔

اور یہ طریق سخت ضعیف ہے۔ اس میں اضطراب کے ساتھ ساتھ خالد بن انس، عاصم بن سعید، عیاض بن سعید اور معبد بن خالد چاروں مجہول ہیں۔

پہلے تینوں کو عقیلی نے مجہول کہا ہے اور معبد بن خالد کے بارے میں ذہبی نے "میزان" (۴/۱۴۰) میں کہا ہے۔

"لا یدری من ھو" معلوم نہیں یہ کون ہے۔

اور "دیوان" (۱/۲۴۵) میں خالد بن انس کے ترجمے میں کہا۔ "لا یعرف، وحدیثہ منکر جداً"۔

"معلوم نہیں یہ کون ہے۔ اس کی حدیث بہت منکر ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اسی حدیث کا ذکر کیا ہے۔

تیسرا طریق: یہ ابو محمد الثقفی کا ہے۔

اس طریق سے اس کو سمرقندی نے "تنبیہ الغافلین" (۶۷) میں روایت کیا ہے۔ اس میں بھی یہ حدیث مطولاً ہے۔

اور یہ طریق بھی سخت ضعیف ہے ابُو محمد الثقفی کا نام "العلاء بن زیدل" ہے اس کو ذہبی نے "میزان" (۳/۹۹) میں "تالف" اور "مغنی" (۲/۴۳۹) میں "واہٍ" کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں کہا ہے۔

"متروک رماہ ابوالولید بالکذب" متروک ہے ابو الولید (طیالسی) نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے"

علی بن مدینی نے کہا ہے کہ یہ احادیث گھڑتا ہے۔ ابنِ حبان اور حاکم نے کہا ہے کہ اس نے انس سے جھوٹی حدیثیں روایت کی ہیں۔ مزید تفصیل "تہذیب التہذیب" (۸/۱۶۲-۱۶۳) میں دیکھیں۔

تنبیہ: علامہ ذہبی نے العلاء بن زیدل اور ابُو محمد الثقفی کو دو مختلف راوی تصور کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "میزان" (۳/۹۹، ۴/۵۷۰)۔

ذہبی نے ابُو محمد الثقفی کے بارے میں أزدی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ اس کی حدیث لکھنے کے بھی قائل نہیں۔

اس کتاب کی پہلی طباعت میں ابو محمد الثقفی کے بارے میں میں نے "میزان" کے حوالے سے "أزدی ہی کا قول نقل کیا تھا۔ مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ ابُو محمد الثقفی، العلاء بن زیدل ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

۱۵۔۔۔ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللّٰهِ كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا فَقَالَ أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ

۔۔۔ میری اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری نے "تاریخ کبیر" (۶/ ۵۲۰) میں العلاء بن زید ابو محمد الثقفی" کے ترجمے میں اس کی اس طویل حدیث کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

علاء بن زیدل کو علاء بن زید بھی کہا جاتا ہے۔ مگر علاء بن زیدل زیادہ صحیح ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں کہا ہے۔

خلاصہ: مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا پہلا طریق ضعیف ہے اور دوسرے دو طریق سخت ضعیف ہیں لہٰذا ان سے پہلے طریق کو تقویت حاصل نہیں ہوتی تو نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس کو علامہ ذہبی نے جیسا کہ قریب ہی گذرا نہایت منکر اور شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو ضعیف الجامع" (۵۳۴۶)۔

اسی طرح ابو حاتم اور ابو زرعہ نے اس حدیث کی سب اسانید کو ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "علل الحدیث" لابن ابی حاتم (۱/ ۵۲)۔

تنبیہ: تنبیہ الغافلین کے علاوہ تمام کتب میں "مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي" کی بجائے "مَنْ أَحْيَا سُنَّتِي" (جس نے میری سنت کو زندہ کیا) ہے اور "تنبیہ الغافلین" میں "مَنْ أَخَذَ سُنَّتِي" (جس نے میری سنت پر عمل کیا) ہے۔

خطیب تبریزی نے "مشکاۃ" (۱/ ۶۲) میں اس حدیث کو "مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي" کے الفاظ سے ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے، ممکن ہے کہ ترمذی کے کسی نسخے میں ایسے بھی ہو واللہ اعلم۔

۱۵۔ صحیح حدیث ہے

ابوداؤد (۴۶۰۷) "السنۃ" ترمذی (۲۶۷۶) "العلم"۔

اس کو ابن ماجہ (۴۲) احمد (۴/ ۱۲۶، ۱۲۷) دارمی (۱/ ۴۴-۴۵) ابن ابی عاصم نے "السنۃ" (۵۴ مکمل) میں ابن حبان (۱۰۲) آجری نے "الشریعۃ" (۴۶-۴۷) میں حاکم نے "المستدرک" (۱/ ۹۵-۹۶) اور "المدخل" (۷۹-۸۰) میں اور بیہقی نے بھی ۔۔۔

الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ؎

(ابوداؤد و ترمذی)

عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی۔ پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایک بلیغ (موثر) نصیحت فرمائی۔ وعظ سن کر ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل دہل گئے۔ ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ وعظ تو ایسا ہے۔ جیسے کسی رخصت کرنے والے کا ہوتا ہے (اس لیے) ہم کو (خاص) وصیت کیجئے، حضورؐ نے فرمایا۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اپنے سردار کی (سننا اور ماننا۔ اگرچہ (سنانے والا) غلام حبشی ہی ہو میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا۔ وہ سخت اختلاف دیکھے گا۔ (یعنی بندگانِ حرص و آز دین میں اختلاف پیدا کر دیں گے۔) اس وقت تم میری سُنّت اور خلفائے راشدین کا طریقہ لازم پکڑنا۔ (یعنی اختلاف کے زمانے میں سنت پر عمل کرنا۔ چنگل عمل سے سنت نہ چھوٹے بلکہ) اسے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا۔ اور (دین کے اندر) نئے نئے کاموں (کے جاری کرنے) سے بچتے رہنا۔ کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (ابوداؤد۔ ترمذی)

ناظرین اکرام! یہ ہے حضورؐ کی وصیت۔ اور رخصتانہ نصیحت، آپ غور فرمائیں۔ کیا ان دنوں اُمّت رسولؐ میں اختلاف نہیں ہے؟ پھوٹ اور تفریق نہیں ہے۔ فرقے بندیاں اور گروہ سازیاں نہیں ہیں؟ یاد رکھیں کہ ان ہی فتنوں اور بیماریوں کی بیخ کنی حضورؐ کے اُسوۂ حسنہ اور سُنّت پاک کی پیروی میں ہے۔

؎ "سنن" (۱۰/۱۱۴) اور "الاعتقاد" (۱۱۳) میں روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے، اس کو ترمذی، ابن حبان، حاکم، ذہبی، بزار نے۔ جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ ابن المنذر نے "الاوسط" (۱/۴۴۳۔ تأمل سے دیکھیں) میں ابن عبدالبر نے "جامع العلم" (۲/۱۸۲) میں ضیا مقدسی نے "اتباع السنن" (۲۰) میں اور ابن تیمیہ نے "إقتضاء الصراط المستقیم" (۲۶۷-۲۶۸) میں صحیح کہا ہے۔

اس کی مفصل تخریج اور اس کے متن اور سند پر بحث ہم "نزہتہ الناظر" میں کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

فائدہ: اس حدیث کے اور اسی طرح نمبر (۲) میں مذکور حدیث جابر کے الفاظ "کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة" اس بات پر دال ہیں کہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ کوئی بدعت حسنہ وغیرہ نہیں ہے کیونکہ لفظ "کل" الفاظ عموم میں سے ہے۔ جیسا کہ کتب اصولِ فقہ میں ہے۔ جو ہر بدعت کو شامل ہے۔

سُنّت کی پیروی کیوں ناگزیر ہے

واضح ہو کہ اصل مطاع صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کا حکم اور اطاعت بندوں پر واجب ہے، اس نے قرآن مجید اپنا حکم، اور قانون اطاعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی پاک میں تمام قرآن پر عمل کر کے دکھایا۔ پس جس طرح حضورؐ نے قرآن پر عمل کیا۔ خدا کا حکم مانا۔ اور اس کی اطاعت کی۔ خدائے قدوس تمام اُمت سے عمل بالقرآن یا اپنے حکم کی اطاعت رسول اللہ کے طریق کے مطابق چاہتا ہے۔ ہر شخص کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی اپنی مرضی اور رائے سے قرآن میں دخل دے کر عبادت، اور قانون کے مختلف طریقے وضع کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے پھوٹ اور اختلاف یقینی ہے۔ جو موجب ہلاکتِ قوم ہے۔ اس لیے خدا نے اَطِيعُوا الرَّسُولَ کا حکم دیا۔ کہ احکامِ

ــــــــــ محمد بن نصر المروزی نے "السنۃ" (۸۲) میں اور لالکائی نے "شرح الاصول" (۱/ ۹۲) میں بسند صحیح ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے۔

"كُلّ بدعة ضلالة وإن راها الناس حسنة" (عند المروزی "حسنا")۔

"ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے نیکی ہی تصور کریں"

امام مالک نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

"جس شخص نے اسلام میں کوئی نئی چیز ایجاد کی اور اسے نیکی سمجھا تو اس کا گمان یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت میں خیانت سے کام لیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ) (المائدہ آیت ۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیز دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی" ملاحظہ ہو "الاعتصام" للشاطبی (۱/ ۴۹)۔

رہا بخاری (۲۰۱۰) وغیرہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تراویح با جماعت کے بارے میں یہ فرمان "نعمت البدعة هذه" تو اس بدعت سے ان کی مراد لغوی بدعت ہے شرعی بدعت نہیں۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ابن حجر ہیتمی وغیرہ نے کہا ہے۔ تفصیل کے لیے "اقتضاء الصراط المستقیم" لابن تیمیہؒ (۲۷۰-۲۷۶) اور "صلاۃ التراویح" للألبانی (۴-۴۵) دیکھیں۔

بعض علماء نے بدعت کو بدعت واجبہ، محرمہ، حسنہ وغیرہ میں تقسیم کیا ہے۔ بدعت کی یہ تقسیم سب سے پہلے عز بن عبد السلام (متوفی ۶۶۰) نے اپنی کتاب "قواعد الاحکام" (۲/ ۲۰۴) میں کی اور ان سے آگے اس کو نووی نے "تہذیب الاسماء واللغات" (۳/ ۲۲) اور "شرح مسلم" (۶/ ۱۵۴-۱۵۵) میں اور دیگر علماء نے لیا۔

انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول کے علاوہ اپنی تائید میں جمع مصحف وغیرہ کی مثالیں بھی پیش کی ہیں، جب کہ جمع مصحف وغیرہ کا تعلق مصالح مرسلہ سے ہے جو ایک مستقل اصولی مسئلہ ہے۔

←

الٰہی کی بجاآوری کے طریقے اور قاعدے رسول اللہ کی سنّت اور اسوۂ حسنہ سے سیکھو۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ کے ارشادِ خداوندی کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی صورت اتباعِ رسول ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است!

یعنی دین سیکھنا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھو۔ سنت کے خلاف ہر چیز بے دینی اور بولہبی ہے۔

پانی کے احکام

نماز کے لیے وضوء شرط ہے یعنی بغیر وضوء کے نماز قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح وضوء کے لیے پانی کا پاک ہونا شرط ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک پانی کی یہ پہچان بتائی ہے۔

۱۶ — اِنَّ الْمَآءَ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ اِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰی رِیْحِهٖ وَطَعْمِهٖ وَلَوْنِهٖ۔ (بلوغ المرام)

"حضورؐ فرماتے ہیں کہ (اگر نجاست کے گرنے سے) پانی سے بدبو آنے لگے۔ یا اس کا مزہ بگڑ جائے یا رنگ تبدیل ہو جائے (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) تو وہ پانی ناپاک (ہو جاتا) ہے۔

۔ بدعت اور مصالح مرسلہ میں فرق کے لیے "اقتضاء الصراط المستقیم" لابن تیمیۃ (۲۷۸-۲۸۱) اور "الاعتصام" للشاطبی (۱/۳۶....) دیکھیں۔

۱۶ — اس حدیث کا پہلا ٹکڑا "ان الماء لا ینجسه شیء" صحیح اور دوسرا ٹکڑا "الا ما غلب علی ریحه و طعمه ولونه" ضعیف ہے۔

اس حدیث کو ابن ماجہ (۵۲۱) طحاوی (۱/۱۶) طبری نے "تہذیب الآثار" (۲/۱۶-۱۷)، مسند ابن عباس، میں طبرانی (۸/۱۲۳) ابن عدی (۲/۷۹۶، ۳/۱۰۱۵-۱۰۱۶) دار قطنی (۱/۲۸-۲۹) اور بیہقی (۱/۲۵۹-۲۶۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف اور مضطرب ہے۔ اس کو بعض راویوں نے ابوامامہ سے، بعض نے ثوبان سے اور بعض نے ابوامامہ سے اس کے راوی راشد بن سعد سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ جب کہ ابواسامہ نے اسے راشد بن سعد اور ابن عون کا قول قرار دیا ہے۔

ابوحاتم نے موصول روایت کو ضعیف اور مرسل کو صحیح کہا ہے۔

ملاحظہ ہو "علل الحدیث" لابن ابی حاتم (۱/۴۴)۔

اسی طرح دار قطنی نے بھی موصول روایت کو ضعیف کہا ہے۔

ـــــــ امام شافعی فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں۔

بلکہ نووی نے تو کہا ہے کہ اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔ "المجموع" (۱/۱۱۰)

مؤلف رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو "بلوغ المرام" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ حافظ صاحب نے اس میں صراحت کی ہے کہ ابوحاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کے پہلے ٹکڑے " ان الماء طھور لا ینجسہ شیء " کا تعلق ہے تو یہ دوسری احادیث کی بنا پر صحیح ہے ان احادیث میں سے ایک حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ جیسے ابوداؤد (۶۶) ترمذی (۶۶) نسائی (۱/۱۷۴) ابن الجارود (۴۷) ابن ابی شیبۃ (۱/۱۴۱-۱۴۲) احمد (۳/۳۱-۸۶) دارقطنی (۱/۲۹) اور بیہقی (۱/۴، ۲۵۷-۲۵۸) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں بئر بضاعۃ کا واقعہ مذکور ہے اور یہ صحیح حدیث ہے، اسے ترمذی نے حسن، اور احمد، ابن معین اور ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "تلخیص الحبیر" (۱/۱۳)۔

اسی طرح اس کو نووی نے "المجموع" (۱/۸۲، ۸۳، ۱۱۳) میں اور البانی نے بھی ارواء الغلیل (۱۴) میں صحیح کہا ہے۔

بقیہ احادیث "صحیح الجامع" (۱۹۲۲-۱۹۲۴) میں دیکھیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کم ہو یا زیادہ وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب پانی کے رنگ یا ذائقے میں تبدیلی واقع نہ ہو اور نہ ہی اس میں بدبو پیدا ہو، اگر مذکورہ تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف پایا گیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ ابن منذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ دیکھیے "اوسط" (۱/۲۶۰) اور کتاب "الاجماع" (۳۳)۔

اس مسئلے میں اجماع سے حجت لی جائے گی۔ جیسا کہ امام بیہقی اور دیگر ائمہ نے بھی کہا ہے۔ کیونکہ حدیث " الا ما غلب ...." ضعیف حدیث ہے۔ ملاحظہ ہو "مجموع نووی" (۱/۱۶۰-۱۶۱)۔

پانی کے وقوع نجاست سے پاک اور ناپاک ہو جانے کے بارے میں صحیح مذہب یہی ہے کہ پانی قلیل ہو یا کثیر، اگر اس کے رنگ یا ذائقے میں تبدیلی نہیں آتی اور نہ ہی اس میں بدبو پیدا ہوتی ہے تو وہ پاک ہے۔ اسے ہر قسم کے استعمال میں لانا شرعاً جائز ہے۔ اگر اس کے رنگ یا ذائقے میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے یا اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ، میمونہ، عمر بن خطاب، ابن مسعود، ابن عباس، حسین بن علی، ابوہریرہ، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔ ملاحظہ ہو "محلی" (۱/۱۶۸)۔

امام مالک، اوزاعی، لیث بن سعد اور دیگر علماء بھی اسی طرف گئے ہیں۔ دیکھیں "تمہید ابن عبدالبر" (۱/۳۲۷-۳۲۸)۔

اہل مدینہ، جمہور سلف، اکثر محدثین اور اہل ظاہر بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حنابلہ کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے " اغاثۃ اللھفان " (۱/۱۵۶)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریا اور سمندر کے پانی کے متعلق فرمایا:

۱۷ــــ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاۤءُهٗ وَالْحِلُّ مَیْتَتُهٗ۔ (بلوغ المرام)

یعنی دریائی اور سمندری پانی پاک کرنے والا ہے، اس کا مردہ (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

ــــ محققین کی ایک جماعت نے اسی مذہب کو صحیح قرار دیا ہے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر نے "تمہید" (۱/۳۲۸) میں ابن حزم نے "محلی" (۱/۱۳۵ مسئلہ ۱۳۶) میں ابن قیم نے "تہذیب السنن" (۱/۵۶...) اور "اغاثۃ اللهفان" میں، صنعانی نے "سبل السلام" (۱/۲۱) میں شوکانی نے "سیل جرار" (۱/۵۵) میں محمد منیر دمشقی نے حاشیہ إحکام الاحکام شرح عمدہ الاحکام" (۱/۲۲) میں عبدالرحمٰن یمانی نے "تنکیل" (۲/۵۷) میں اور اُلبانی نے "حاشیہ تنکیل" (۷۶۲) میں۔

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ نے یہ کہہ کر (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) غلطی کی ہے (سامحہ اللہ) کیونکہ صرف ایک وصف کے پائے جانے سے ہی بالاجماع پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔

۱۷ــــ صحیح حدیث ہے۔

اسے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ جن میں ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

۱۔ حدیث ابُوہریرہ کو مالک (۱/۲۲) احمد (۲/۲۳۷، ۳۶۱) ابن ابی شیبہ (۱/۱۳۱) ابوداؤد (۸۳) ترمذی (۶۹) نسائی (۱/۱۷۶) ابن ماجہ (۳۸۶) دارمی (۱/۱۸۶) ابن خزیمہ (۱۱۱) ابن الجارُود (۴۳) ابن المنذر نے "الاوسط" (۱/۲۴۷) میں ابن حبان (۱۱۹) دارقطنی (۱/۳۶-۳۷) حاکم (۱/۱۴۰-۱۴۲) اور بیہقی (۱/۳-۴) نے روایت کیا ہے۔

اور اسے ترمذی، ابن خزیمہ، ابن المنذر، ابن حبان، حاکم ذہبی اور نووی نے "المجموع" (۱/۸۲) میں صحیح کہا ہے۔

ابن مندہ، بغوی، ابن الاثیر اور ابن الملقن نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ شوکانی نے "نیل الاوطار" (۱/۱۴) میں ذکر کیا ہے اسی طرح اس کو بخاری نے بھی صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ منذری نے "مختصر السنن" (۱/۸۱) میں، نووی نے "المجموع" (۱/۸۲) میں اور ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" (۴/۳۷-۳۸ ترجمہ سعید بن سلمہ) میں ترمذی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۲۔ حدیث ابن عباس کو دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

جب کہ دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موقوفاً صحیح ہے۔ یعنی صحیح یہ ہے۔ کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مرفوع حدیث نہیں۔

قلت: موقوف روایت کو ابن المنذر نے "الأوسط" (۱/۲۴۸) میں روایت کیا ہے۔

بقیہ احادیث کے لیے "دارقطنی" اور "مستدرک حاکم" دیکھیں۔

۱۸۔۔۔ حضورؐ نے جنبی کے متعلق فرمایا کہ وہ ٹھہرے ہوئے پانی میں بیٹھ کر نہ نہائے (مسلم)۔ (ہاں باہر بیٹھ کر اس میں سے پانی لے لے کر غسل کرے)۔

بول و براز کے آداب

پاخانے میں جاتے وقت کی دعاء

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا جب پاخانہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو فرماتے:۔

۱۹۔۔۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (بخاری و مسلم)

"اے اللہ ہمارے تحقیق مَیں پناہ پکڑتا ہوں۔ ناپاک جنّوں اور ناپاک جنیوں سے"۔

۱۸۔۔۔ اس کو مسلم (۳/۱۸۸۔۱۸۹) ابوعوانہ (۱/۲۷۶) ابن ماجہ (۶۰۵) ابنِ خزیمہ (۹۳) اور دارقطنی (۱/۵۱) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث میں جنبی کو ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

یہ حدیث بخاری (۲۳۹) ابوداؤد (۷۰) ترمذی (۶۸) اور صحیح ابن خزیمہ (۹۴) وغیرہ میں بھی ہے۔

بخاری کی روایت میں پیشاب کرنے اور اس کے بعد غسل کرنے (دونوں کام اکٹھے کرنے) سے منع کیا گیا ہے، ترمذی میں پیشاب کے بعد وضو کرنے سے اور ابنِ خزیمہ کی روایت میں وضوء کرنے یا پینے سے (شک کے ساتھ) روکا گیا ہے۔ جب کہ ابوداؤد میں پیشاب اور غسل دونوں سے علیحدہ علیحدہ منع کیا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی غسل جنابت، مگر واضح رہے کہ یہ ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ ایسے پانی میں پیشاب یا غسل کرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پانی صرف اسی صورت میں ناپاک ہو جاتا ہے۔ جب کہ وقوع نجاست سے اس کے رنگ یا ذائقے میں تبدیلی آجائے۔ یا اس میں بدبو پیدا ہو جائے۔ لہٰذا اس حدیث میں مذکورہ ممانعت استقذار وغیرہ کی بنا پر ہے۔ ملاحظہ ہو "نیل الاوطار" (۱/۲۲)۔

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ نے قوسین میں جو استثنائی صورت ذکر کی ہے۔ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

۱۹۔۔۔ اس کو بخاری نے "صحیح" (۱۴۲) اور "آداب مفرد" (۶۹۳) میں بھی مسلم (۴/۷۰) ابوداؤد (۴۔۵) ترمذی (۵۔۶) نسائی نے "سنن" (۱/۲۰) اور "عمل الیوم واللیلۃ" (۷۴) میں بھی، ابن ماجہ (۲۹۸) دارمی (۱/۱۷۱) ابن ابی شیبہ (۱/۱۱، ۱۱۴/۶) دار التاج)۔ ←

ابو یعلیٰ (۳۸۸۹، ۳۹۰۱، ۳۹۱۸، ۳۹۲۷۔ تحقیق الاثری) ابن الجارود (۲۸) ابو عوانہ (۱/۲۱۶) طبرانی نے "الدعاء" (۳۵۹) میں۔
ابن السنی (۱۷) اور بیہقی (۱/۹۵) نے بھی عبدالعزیز بن صہیب کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
اس کو معمری نے بھی "عمل الیوم واللیلۃ" میں روایت کیا ہے۔ اور اس میں اس دُعا سے پہلے "بسم اللہ" کا اضافہ بھی ہے۔
حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔
ملاحظہ ہو "فتح الباری" (۱/۲۴۴)
اس کی سند اگرچہ مسلم کی شرط پر ہے مگر اس میں "بسم اللہ" کا اضافہ شاذ ہے۔ کیونکہ اس کو عبدالعزیز بن مختار، عبدالعزیز بن صہیب سے بیان کرنے میں متفرد ہے۔
عبدالعزیز بن صہیب سے اس حدیث کو عبدالعزیز بن مختار کے علاوہ نو راویوں نے روایت کیا ہے۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی "بسم اللہ" کا ذکر نہیں کیا۔
اس کے شاذ ہونے پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے۔ وہ یہ کہ عبدالعزیز بن مختار نے ان تمام راویوں کی اس حدیث کے سیاق میں بھی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ سب نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ میں داخل ہوتے وقت یہ دُعا پڑھتے تھے۔
جب کہ عبدالعزیز بن مختار نے اس کو اس سیاق سے روایت کیا ہے۔ "إذا دخلتم الخلاء فقولوا: بسم الله اعوذ بالله من الخبث والخبائث"
جب تم بیت الخلاء میں داخل ہو تو "بسم اللہ ...." کہو۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالعزیز بن مختار اس حدیث کو صحیح طرح سے ضبط نہیں کر سکے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تقصیر ان سے کسی نچلے راوی سے ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تقصیر معمری ہی سے ہوئی ہو۔ کیونکہ ان کے افراد اور غرائب ہیں۔ واللہ اعلم۔
یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے ابن ابی طلحہ کے واسطے سے بھی مروی ہے اور اس میں بھی اس دُعاء کے شروع میں "بسم اللہ" کا اضافہ ہے۔ اس سند سے اس کو ابنِ ابی شیبہ نے (۱/۱۱، ۶/۱۱۴) ابن ابی حاتم نے "علل الحدیث" (۱/۶۴) میں طبرانی نے "الدعاء" (۳۵۷-۳۵۸) میں اور ابن عدی نے "الکامل" (۷/۲۵۱۹) میں روایت کیا ہے۔
اس سند سے بھی یہ حدیث کتاب میں مذکور سیاق سے ہی ہے۔ یہ سند تو ضعیف ہے۔ مگر پاخانہ میں جاتے وقت "بسم اللہ" کہنے کے بارے میں دوسری احادیث بھی ہیں۔
ترمذی (۶۰۶) باب الصلوٰۃ کے آخر میں اور ابن ماجہ (۲۹۷) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ "بنی آدم کی شرمگاہوں اور جنوں کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی پاخانہ میں داخل ہو تو "بسم اللہ" کہے۔
یہ حدیث اسنادی اعتبار سے تو ضعیف ہے۔ مگر شواہد کی بناء پر ثابت ہے۔ ان شواہد کو "ارواء الغلیل" (۵۰)

ملاحظہ :- ۲۰ — ابوداؤد میں زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاخانے جنّوں اور شیطانوں کے حاضر ہونے کی جگہ ہیں۔ اس لیے جب کوئی تم میں سے بیت الخلاء میں جائے تو کہے: میں اللہ کے نام کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں خبیث جنوں اور جنیوں سے۔" (ابوداؤد)

معلوم ہُوا کہ خبیث شیاطین پاخانوں میں حاضر اور منتظر ہوتے ہیں۔ کہ آدمی کو ایذاء پہنچائیں۔ کیونکہ آدمی وہاں ستر کھول کر بیٹھتا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے غافل ہوتا ہے۔ اس لیے سب مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پاخانہ کو جاتے وقت دُعا مذکور پڑھ لینی چاہیئے۔ گھر میں پاخانہ جاتے ہُوئے داخل ہُوتے وقت پڑھیں۔ اور جنگل وغیرہ میں جب زمین پر دامن سمیٹ کر بیٹھنے لگیں تو پڑھیں۔

← میں دیکھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ پاخانے میں جاتے وقت "اللّٰھم انی اعوذ بك .... سے پہلے "بسم اللہ" بھی کہنا چاہیئے۔

۲۰ — صحیح حدیث ہے۔

ابُوداؤد (۶) اس کو طیالسی (۱/ ۴۵-۴۶) احمد (۴/ ۳۶۹، ۳۷۳) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۷۵) میں ابن ماجہ (۲۹۶) ابن خزیمہ (۶۹) ابن حبان (۱۲۷) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۵/ ۲۰۴) اور "الدعاء" (۳۶۱) میں بھی، حاکم (۱/ ۱۸۷) اور بیہقی (۱/ ۹۶) نے بھی روایت کیا ہے۔

سند: "شعبۃ عَنْ قَتَادۃ سمع النضر بن انس عن زید بن اَرْقم"

یہ سند صحیح ہے۔ قتادہ مدلس ہیں۔ لیکن انہوں نے "مسند طیالسی" "صحیح ابن خزیمہ" اور "صحیح ابن حبان" میں سماع کی صراحت کی ہے۔ یہاں اگر قتادہ کے سماع کی صراحت نہ بھی ہو تب بھی یہ سند صحیح ہو، کیونکہ قتادہ سے اس کو شعبہ روایت کرتے ہیں۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی نے بھی "ارواء الغلیل" (۱/ ۹۱) میں صحیح کہا ہے۔

شعبہ کی طرح قتادہ سے اسے معمر بن راشد نے بھی روایت کیا ہے۔ ان کے طریق سے اس کو طبرانی نے "الدعاء" (۳۶۴) میں روایت کیا ہے۔

مگر انھوں نے (معمر نے) زید بن ارقم کی بجائے "انس بن مالک" کہا ہے اور یہ وہم ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا ہے۔

قلت: یہ وہم معمر یا ان کے شاگرد (عبدالرزاق یا عبدالرزاق کے شاگرد (اسحاق دبری سے ہو سکتا ہے۔

معمر کی طرح عدی بن ابی عمارہ نے بھی اس کو قتادہ سے روایت کرتے ہُوئے انس ہی کہا ہے مگر اس نے قتادہ اور انس کے درمیان نضر بن انس کا ذکر نہیں کیا۔ ←

۔۔۔ عدی کے طریق سے اس کو عقیلی (۳/۳۷۱) اور ابن السنی (۲۰) نے روایت کیا ہے۔

اور یہ بھی وہم ہے۔ غالباً یہ وہم عدی بن ابی عمارہ کے شاگرد قطن بن نسیر کو ہوا ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ غلطیاں کرتا ہے۔ بلکہ ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث کی چوری کرتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہم عدی بن عمارہ کی طرف سے ہو۔ اس کو عقیلی نے "ضعفاء" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ اس کے بعد مذکورہ حدیث کو روایت کرنے کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ اس کی اسماعیل بن مسلم نے متابعت کی ہے مگر یہ اس سے بھی نچلے درجے کا راوی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہونا صحیح نہیں، اس کے ضعف کی طرف ابن عدی نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "کامل" (۱/۲۰۷)

اس حدیث میں قتادہ کی ایک دوسری سند بھی ہے۔

اور وہ یہ ہے۔ "قتادہ عن القاسم بن عوف الشیبانی عن زید بن أرقم"

اس سند سے اس کو قتادہ سے روایت کرنے والے سعید بن ابی عروبہ، سعید بن بشیر اور ابان بن یزید العطار ہیں۔

۱۔ سعید بن ابی عروبہ کے طریق سے اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۱۱، ۱۴/۱۱۶) احمد (۴/۳۷۳) نسائی (۷۷۔ ۷۸) ابن ماجہ (۲۹۶) طبرانی نے "کبیر" (۵/۲۰۸) اور "دعاء" (۳۶۳) میں اور حاکم (۱/۱۸۷) نے روایت کیا ہے۔

حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ جب کہ "میزان" (۳/۳۷۶۔ ۳۷۷) میں انہوں نے پہلی سند کو زیادہ صحیح کہا ہے۔

سعید بن ابی عروبہ کے حافظہ میں اختلاط آ گیا تھا مگر جن راویوں نے اس حدیث کو ان سے روایت کیا ہے ان میں یزید بن زریع اور عبدۃ بن سلیمان بھی ہیں اور ان دونوں کا سعید سے سماع ان کے اختلاط سے پہلے ہے۔

تنبیہ: یہ حدیث سعید بن ابی عروبہ سے ایک دوسری سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اس کو ابن عدی (۱/۲۰۷) نے روایت کیا ہے اور یہ اس سند کے ساتھ منکر ہے۔ جیسا کہ ابن عدی نے کہا ہے۔

۲۔ سعید بن بشیر کے طریق سے اسے طبرانی نے "کبیر" (۵/۲۰۸) اور "دعا" (۳۶۴) میں روایت کیا ہے اور یہ سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

۳۔ ابان کے طریق کا ذکر عقیلی نے کیا ہے ملاحظہ ہو (۳/۳۷۱)۔

اور ابان ثقہ ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قتادہ نے اس حدیث کو زید بن ارقم سے دو واسطوں سے (نضر اور قاسم کے ۔۔۔

پاخانے سے نکلتے وقت کی دُعا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ کہ جب رسُول اللہ پاخانے سے نکلتے تو (یہ) فرماتے:

۲۱ — غُفْرَانَكَ۔

"پروردگار! تیری بخشش چاہتا ہوں۔" (ترمذی۔ ابن ماجہ)

← واسطے سے) روایت کیا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں۔ میں نے اس حدیث کے بارے میں محمد (یعنی امام بخاری) سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ممکن ہے۔ کہ قتادہ نے (اس حدیث کو) دونوں سے نضر اور قاسم سے) سُنا ہو۔

ملاحظہ ہو "جامع الترمذی" (۱/۱۱) أيضاً و "سنن البيهقي" (۱/۹۶)۔

قُلت: امام بخاری کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سعید بن ابی عروبہ نے اسماعیل بن علیہ کی روایت میں "قاسم" کی بجائے "نضر" اور شعبہ نے عیسٰی بن یونس کی روایت میں "نضر" کی بجائے "قاسم" کا ذکر کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتادہ کے پاس یہ حدیث دونوں واسطوں سے تھی۔

اسماعیل بن علیہ والی سند کو نسائی (۲۰) اور طبرانی نے "کبیر" (۵/۲۰۵) اور "دُعا" (۳۶۲) میں روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔

عیسٰی بن یونس والی سند کو ابن حبان (۱۲۶) نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ بلکہ انہوں نے اور اسی طرح حاکم نے بھی اسی حدیث کی دونوں ہی سندوں کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند میں بظاہر جو اضطراب ہے۔ وہ ایسا اضطراب نہیں جس سے اس کی صحت متاثر ہو۔

۲۱ — حسن درجے کی حدیث ہے۔

ترمذی (۷) ابن ماجہ (۳۰۰)۔

اس کو بخاری نے "تاریخ کبیر" (۸/۳۸۶) اور "أدب مفرد" (۶۹۳) میں ابوداؤد (۳۰) نسائی نے "عمل اليوم والليلة" (۷۹) میں ابن ابی شیبہ (۱/۱۱۔ ۱۲، ۱۱۴/۹۰۔ دارالتاج) احمد (۶/۱۵۵) دارمی (۱/۱۷۴) ابن جارود (۴۲) ابن خزیمہ (۹۰) ابن المنذر نے "اوسط" (۱/۳۵۸) میں ابن حبان (۲/۲۹۱) طبرانی "الدعاء" (۳۶۹) میں، ابن السنی (۲۳) حاکم (۱/۱۵۸) اور بیہقی (۱/۹۷) نے بھی روایت کیا ہے۔

←

دُعائے ذیل کا پڑھنا بھی حدیث شریف میں حضورؐ سے ثابت ہے :

۲۲ — اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیَ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔ (ابن ماجہ)۔

سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ جس نے دُور کیا مجھ سے پلیدی کو اور عافیت دی مجھے ۔"

ملاحظہ : ناظرین دونوں دعاؤں میں سے جونسی چاہیں پڑھ لیا کریں۔ یا دونوں پڑھیں۔

— ترمذی نے اس کو حسن، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور نووی نے "المجموع" (۲/ ۷۵) اور "الاذکار" (۳۰) میں اسے صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ ابن علان نے "الفتوحات الربانیہ" (۱/ ۴۰۳) میں نقل کیا ہے۔

ابُو حاتم نے کہا ہے کہ اس باب میں سب سے اچھی حدیث یہی ہے۔

یہ حدیث علی اور بریدہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اس کو ابن عدی (۲/ ۹۴) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند حفص بن عمر بن میمون کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

اس حدیث میں "غفرانك" کے بعد "ربنا و الیك المصیر" کا بھی اضافہ ہے۔

یہی اضافہ "صحیح ابن خزیمہ" کے ایک نسخے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے۔ مگر اس میں یہ اضافہ باطل ہے۔ تفصیل کے لیے "سنن بیہقی" (۱/ ۹۷) دیکھیں۔

۲۲ — حسن درجے کی حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۳۰۰) نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم مکی ہے، جس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے "دیوان الضعفاء" (۱/ ۹۱) میں اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۱۲۰) میں کہا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علامہ شوکانی کا "السیل الجرار" (۱/ ۱) اور "الدراری المضیہ" (۱/ ۴۴) میں اس کی سند کو صالح کہنا صحیح نہیں۔

اس حدیث کے بعض شواہد ہیں۔ جن سے اس کو تقویت پہنچتی ہے۔ وہ شواہد یہ ہیں۔

۱۔ حدیث ابُوذر رضی اللہ عنہ۔

یہ ان سے مرفوعًا اور موقوفًا دونوں طرح مروی ہے۔

مرفوع کو نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ" میں۔ جیسا کہ "تحفۃ الاُشراف" (۹/ ۱۹۴-۱۹۵) میں ہے۔ ابن السنی نے بھی "عمل الیوم واللیلۃ" (۲۲) میں اور ابن جوزی نے "العلل المتناہیۃ" (۱/ ۲۹-۳۰۰) میں روایت کیا ہے۔

ابن جوزی کے بیان راوی نے ابُوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو بھی ذکر کیا ہے۔ ←

موقوف کو ابن ابی شیبہ (۱/۱۲، ۱۱۵/۶۰ - دار التاج) ابن المنذر نے "الأوسط" (۱/۳۵۹) میں طبرانی نے "الدعاء" (۲، ۳) میں اور نسائی نے بھی "عمل الیوم واللیلۃ" میں روایت کیا ہے۔

دار قطنی نے موقوف کو زیادہ صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ ابن الجوزی نے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ جیسا کہ ابن علان نے "الفتوحات الربانیہ" (۱/۴۰۲، ۴۰۳) میں ذکر کیا ہے اور علامہ شوکانی نے "السیل الجرار" (۱/۷) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ انہوں نے اس کی تصحیح غالباً سیوطی پر اعتماد کرتے ہوئے کی ہے۔ دیکھیں "نیل الاوطار" (۱/۴۷) اور "الدراری المضیۃ" (۱/۴۴)۔

مگر اسے حسن یا صحیح کہنا محل نظر ہے۔ بہر حال شواہد میں اسے ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۲- ابراہیم التیمی (جو تابعی ہیں) کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام پاخانے سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اس قول کو ابن ابی شیبہ (۱/۱۲، ۱۱۴/۶۰ - دار التاج) نے روایت کیا ہے۔

یہی بات مرفوع حدیث میں بھی آئی ہے۔ مگر اس میں الفاظ ذرا مختلف ہیں۔

یہ پوری حدیث یوں ہے عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نوح کبیر الانبیاء جب بھی پاخانے سے نکلتے تو یہ کہتے۔

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذَاقَنِيْ طَعْمَهُ وَأَبْقَىٰ مَنْفَعَتَهُ فِيْ جَسَدِيْ وَأَخْرَجَ عَنِّيْ أَذَاهُ "

" سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے مجھے اس کھانے کا مزہ چکھایا اور اس کے فائدے کو میرے جسم میں باقی رکھا اور اس کی تکلیف کو مجھ سے دور کیا۔"

اس کو ابن ابی الدنیا نے "کتاب الشکر" (۲۴) میں اور خرائطی نے "فضیلۃ الشکر" (۲۱) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند حارث بن شبل کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس حدیث کو عقیلی (۱/۲۱۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

مگر ان کے یہاں اس دعا کو کھانے سے فراغت کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے۔

۳- حدیث ابن عمر۔

اس کے الفاظ بھی مذکورہ حدیثِ عائشہ سے ملتے جلتے ہیں اور اسے طبرانی نے "الدعا" (۳۷۰) میں اور ابن السنی (۲۵) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس میں دو راوی ضعیف ہونے کے علاوہ انقطاع بھی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔

ملاحظہ ہو "الفتوحات الربانیۃ" (۱/۴۰۵)۔

۴- طاؤس کی مرسل روایت:

اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَ اَمْسَكَ عَلَیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ"

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے نقصان دہ چیز کو دور کیا اور نفع بخش چیز کو باقی رکھا۔"

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۲، ۲/ ۱۱۵) اور طبرانی نے "الدعاء" (۳۷۱) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ زمعہ بن صالح کی وجہ سے ضعیف بھی ہے۔

۵۔ حذیفہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ وہ اس دعاء کو پڑھا کرتے تھے۔

ان کے یہ آثار مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۲، ۲/ ۱۱۵) میں ہیں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اثر کی سند سخت ضعیف اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کے اثر کی سند ضعیف ہے۔

خلاصہ: مذکورہ تمام احادیث انفرادی طور پر اگرچہ ضعیف ہیں۔ مگر ان سب کو ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ اس دعاء کی کوئی اصل ہے۔

حافظ ابن حجر نمبر ۳ میں مذکورہ حدیث ابن عمر کی سند کے بارے میں یہ کہنے کے بعد کہ اس کی سند میں دو راوی ضعیف اور انقطاع بھی ہے۔ فرماتے ہیں:

"لکن للحدیث شواهد" لیکن اس کے شواہد ہیں۔

ملاحظہ ہو "الفتوحات الربانیۃ" (۱/ ۴۰۵)۔

حافظ صاحب کے اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس حدیث کی تقویت کی طرف گئے ہیں، بلکہ حدیث ابوذر کی سند کو تو انھوں نے حسن کہا ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔

امام نووی نے "مجموع" (۱/ ۷۶) میں جو یہ کہا ہے کہ اس مقام پر بہت سی احادیث ہیں۔ مگر ان میں سے سوائے حدیث عائشہ کے (جس میں "غفرانک" کہنے کا ذکر ہے) کوئی حدیث بھی ثابت نہیں ہے تو یہ بات ہر حدیث کی انفرادی حیثیت کے بارے میں تو کہی جا سکتی ہے مگر مجموعہ احادیث کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان تمام کو آپس میں ملانے سے ان میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

اس بارے میں ایک دعاء ان الفاظ سے بھی وارد ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْسَنَ اِلَیَّ فِیْ اَوَّلِهٖ وَ اٰخِرِهٖ۔"

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے شروع اور آخر میں مجھ پر احسان کیا۔

اس کو ابن السنی (۲۴) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

بَول وبُراز کے مسائل

۲۳ــــ حضور انورؐ نے فرمایا۔ جب تم پاخانہ میں جاؤ۔ تو قبلہ کی طرف نہ تو منہ کرو اور نہ پیٹھ۔ (بخاری)

۲۳ــــ یہ ممانعت دس یا دس سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں آئی ہے۔ جن میں سے ایک حدیثِ ابو ایُوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ امام ترمذی کے کہنے کے مطابق یہ سب سے اچھی و صحیح ترین حدیث ہے۔

اس کی ابُو ایُّوب رضی اللہ عنہ سے تین سندیں ہیں۔

۱۔ عطاء بن یزید عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ۔

اس سند سے اس کو احمد (۵/۴۲۱) بخاری (۱۴۴، ۳۹۴) مُسلم (۳/۱۵۲-۱۵۳) ابُو عوانہ (۱/۱۹۹) ابُو داؤد (۹) ترمذی (۸) نسائی (۱/۲۲-۲۳) ابنِ ماجہ (۳۱۸) ابن خزیمہ (۵۷) دارمی (۱/۱۷۰) ابنِ حبان (۴/۲۶۳-۲۶۵) اور بیہقی (۱/۹۱) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ رافع بن اسحاق عنہ۔

اس سند سے اسے مالک نے (۱/۱۹۳) "کتاب القبلہ" میں اور مالک سے ابن ابی شیبہ (۱/۱۳۹)، احمد (۵/۴۱۴) نسائی (۱/۲۱-۲۲) اور ابن منذر نے "الأوسط" (۱/۳۲۵) میں روایت کیا ہے اور یہ سند بھی صحیح ہے۔

۳۔ عمر بن ثابت عنہ۔

اس سند سے اس کو دارقطنی (۱/۶۰) نے روایت کیا ہے اور یہ سند سعد بن سعید الأنصاری کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

مسئلہ: حدیث میں قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرنے کی جو ممانعت ہے یہ عام ہے۔ یہ صحراء بنیان دونوں کو شامل ہے یعنی عمارت ہو یا چٹیل میدان۔ دونوں ہی جگہ میں قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنی منع ہے۔

اکثر صحابہ، تابعین اور ائمہ میں سے امام ابو حنیفہ اور مشہور روایت میں امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

اسی کو ابنِ حزم نے "المحلی" (۱/۱۹۳) میں، ابن العربی نے "عارضۃ الأحوذی" (۱/۲۷) میں شوکانی نے "نیل الأوطار" (۱/۷۷-۸۳) اور "السیل الجرار" (۱/۶۹) میں مبارک پوری نے "تحفۃ الاحوذی" (۱/۱۹-۲۰) میں اور البانی نے "تمام المنۃ" (۶۰) میں اختیار کیا ہے۔

ابن القیم نے کہا ہے کہ دس سے کچھ زائد دلائل کی بناء پر صحیح ترین مذہب یہی ہے کہ بنیان اور فضاء میں کچھ فرق نہیں ہے۔

زاد المعاد (۱/۴۹)۔

←

تنبیہ : بعض احادیث میں دونوں قبلوں کا ذکر ہے۔ یعنی بیت اللہ اور بیت المقدس۔

یہ احادیث معقل الاسدی، عمرو العجلانی اور ایک نامعلوم انصاری صحابی رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

۱۔ حدیث معقل کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۳۹، ۱۴۰) ابوداؤد (۱۰) ابن ماجہ (۳۱۹) طبرانی (۲۰/ ۲۲۴) اور بیہقی (۱/ ۹۱) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ابو زید ہے۔ جو مجہول ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۱/ ۲۴۶) میں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام نووی کا "المجموع" (۲/ ۸۰) میں اس کی سند کو جید کہنا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ حدیث عمرو کو طبرانی (۱۷/ ۱۲) اور ابن عدی (۴/ ۱۴۸۳) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں عبداللہ بن نافع مولیٰ ابن عمر ہے جو ضعیف ہے اسے حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں اور حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۱/ ۲۱۰) میں ضعیف کہا ہے۔

۳۔ حدیث انصاری کو احمد (۵/ ۴۳۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

اس تخریج سے معلوم ہوا کہ علامہ شوکانی کا "السیل الجرار" (۱/ ۶۹) میں یہ کہنا کہ بیت المقدس کے بارے میں صرف حدیث معقل ہی ہے صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کے بارے میں دو اور حدیثیں بھی ہیں۔ جن کی تخریج ابھی ہوئی ہے۔ مگر یہ تینوں حدیثیں ہی ضعیف ہیں۔

ان کے ضعف پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ صحیح احادیث میں اسی طرح اس سلسلہ کی دیگر ضعیف احادیث میں صرف ایک ہی قبلہ کا ذکر ہے۔

مسند احمد (۵/ ۴۱۵) میں حدیث ابوایوب کے ایک طریق میں بھی دونوں قبلوں کا ذکر ہے۔ مگر یہ ہمام بن یحییٰ کا وہم ہے کیونکہ مالک کی سند میں اسی طرح اس حدیث کی دوسری دو سندوں میں ایک ہی قبلہ کا ذکر ہے۔

بعض فقہائ نے بیت المقدس کو بیت اللہ پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ اس کا حکم بھی بیت اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس قیاس کا رد "السیل الجرار" (۱/ ۶۹۔ ۷۰) میں پڑھیے۔

دوسری تنبیہ : ایک طویل حدیث میں سورج اور چاند کی طرف بھی منہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ مگر یہ حدیث من گھڑت ہے ملاحظہ ہو "المجموع" (۲/ ۹۴) اور "تلخیص الحبیر" (۱/ ۱۰۳)۔

بہت سے شافعیہ نے اس حدیث کے پیش نظر سورج اور چاند کی طرف منہ نہ کرنے کو مستحب کہا ہے۔ مگر یہ

۲۴ حضورؐ نے گوبر، ہڈی اور کوئلے سے استنجا کرنا منع فرمایا ہے۔ (دارقطنی)

۔۔۔۔۔۔ حدیث من گھڑت ہے۔ اسی لیے امام نووی نے کہا ہے کہ اس قول کی دلیل ضعیف بلکہ باطل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے "المجموع" دیکھیں۔

غزالی وغیرہ نے سورج اور چاند کو ان کے شرف کی بناء پر بیت اللہ پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی طرف بھی منہ نہیں کیا جانا چاہیئے ملاحظہ ہو "احیاء علوم الدین" (۱/ ۱۵۶) اور نیل الاوطار" (۱/ ۸۲-۸۴)۔

اس قیاس کے بہترین رد کے لیے "السیل الجرار (۱/ ۷۰) دیکھیں۔

۲۴ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۳۹) دارقطنی (۱/ ۵۵) بیہقی (۱/ ۱۰۹-۱۱۰) اور بغوی (۱۸۰) نے عبداللہ بن فیروز کے واسطے سے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش شامی ہیں۔ ان کی اہل حجاز اور اہل عراق سے بیان کردہ احادیث ضعیف اور اہل شام سے روایت کردہ احادیث صحیح ہیں۔ جیسا کہ امام احمد، ابن معین، بخاری اور دیگر کبار محدثین نے صراحت کی ہے۔

اسماعیل نے یہ حدیث یحیٰی بن عمرو السیبانی سے روایت کی ہے اور یہ شامی ہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے اسی لیے اس کو ابن الترکمانی نے بھی "الجوہر النقی" (۱/ ۱۱۰) میں صحیح کہا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دارقطنی، بیہقی اور اسی طرح نووی کا بھی "المجموع" (۲/ ۱۱۶) میں اس کو ضعیف کہنا صحیح نہیں۔

دارقطنی اور بیہقی نے اس کو علی بن رباح کے واسطے سے بھی ابن مسعود سے روایت ہے۔ علی بن رباح کا اگر ابن مسعود سے سماع ہے تو یہ سند بھی صحیح ہے۔

اس حدیث پر عبداللہ بن حارث بن جزء کی حدیث شاہد بھی ہے۔ جس کو بزار (۲۴۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

کوئلے کے علاوہ گوبر اور ہڈی سے استنجاء کی ممانعت دوسری احادیث میں بھی آئی ہے جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

۱۔ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ : اس کو احمد (۵/ ۴۳۸، ۴۳۹) مسلم (۳/ ۱۵۲) ابو عوانہ (۱/ ۲۱۷-۲۱۸) ابوداؤد (۷) ترمذی (۱۶) نسائی (۱/ ۲۸-۲۹، ۴۴) اور ابن ماجہ (۳۱۶) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ : اس کو مسلم (۴/ ۱۷۰) "الصلاۃ" باب "الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن" ابو عوانہ (۱/ ۲۱۸-۲۱۹) اور ترمذی (۱۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں ان دونوں چیزوں سے استنجاء کی ممانعت کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ جنوں کا کھانا ہیں۔ ←

۲۵ ــــ حضورؐ نے فرمایا۔ دو لعنت والے کاموں سے بچو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کیا ہیں ؟ فرمایا۔ لوگوں کے راستے میں یا ان کے سایہ میں (یعنی سایہ دار درختوں کے نیچے) پاخانہ پھرنا۔ (مسلم)

ــــــــ ہڈی کے اپنے لیے اور گوبر ان کے چوپائوں کے لیے ہے۔
یہی وجہ حدیث ابوہریرہ میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ جسے بخاری نے "کتاب المناقب" (۳۸۶۰) باب "ذکر الجن" میں روایت کیا ہے۔
جب کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ... سند سے مروی حدیث میں ہے کہ یہ دونوں چیزیں پاک نہیں کرتی ہیں۔
اس حدیث کو ابن عدی (۲/۱۷۹) اور دارقطنی (۱/۵۶) نے روایت کیا ہے۔
دارقطنی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ مگر یہ حسن درجے کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی "الدرایہ" (۱/۹۷) میں اس کو حسن ہی کہا ہے۔

۲۵ ــــ یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ جسے مسلم (۱/۱۶۱) اسی طرح احمد (۲/۳۷۲) ابوداؤد (۲۵) ابن الجارود (۳۳) ابن خزیمہ (۶۷) ابوعوانہ (۱/۱۹۴) ابن المنذر نے "الأوسط" (۱/۳۳۰) میں ابن حبان (۴/۲۶۲-۲۶۳) حاکم (۱/۱۸۵-۱۸۶) بیہقی (۱/۹۷) اور بغوی (۱۹۱) نے بھی روایت کیا ہے۔
ابن الجارود، ابن المنذر اور ابوعوانہ کے ہاں "سایہ" کی بجائے "مجلس قوم" "لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ" اور ابن حبان میں "أفنیتم" کا ذکر ہے۔

أفنیۃ، فناء کی جمع ہے اور فنا صحن کو کہتے ہیں۔
یہ حدیث، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس میں "گھاٹ" کا بھی اضافہ ہے۔
اسے ابوداؤد (۲۶) ابن ماجہ (۳۲۸) حاکم (۱/۱۶۷) اور بیہقی (۱/۹۷) نے روایت کیا ہے۔
یہ اسنادی اعتبار سے تو ضعیف ہے مگر مسند احمد (۱/۲۹۹) میں مذکور حدیث ابن عباس سے اس کو تقویت پہنچتی ہے۔
حدیث ابن عمرؓ میں پھل دار درخت اور نہر کے کنارے پر بھی پاخانہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
اس حدیث کو عقیلی (۳/۴۵۸) ابن عدی (۶/۲۰۵۰) اور ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۴/۹۳) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند فرات بن سائب کی وجہ سے نہایت ضعیف ہے۔
تاریخ بغداد (۸/۳۵۶) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔
"جس شخص نے نہر کے ایسے کنارے پر پاخانہ کیا۔ جہاں سے وضو کیا جاتا اور پانی پیا جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔"
مگر اس کی سند داؤد بن عبدالجبار کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ ←

۲۶ - آپؐ نے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا منع فرمایا۔ (بخاری)

۲۷ - حضورؐ نے تین پتھروں (ڈھیلوں) سے استنجا کا حکم دیا۔ (دارمی)۔

← ابُوہریرۃ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں ہے۔

"جو شخص مسلمانوں کے چلتے ہُوئے راستے پر پاخانہ کرے۔ اس پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو"۔

اسے عقیلی (۴/۱۱۱) ابنِ عدی (۶/۲۲۳۰) حاکم (۱/۱۸۶) اور بیہقی (۱/۹۸) نے روایت کیا ہے۔

مگر اس کی سند محمد بن عمرو الانصاری کی وجہ سے ضعیف ہے۔

طبرانی کبیر (۳/۲۰۰) میں حذیفہ بن اُسید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "جو شخص مسلمانوں کے راستوں میں ان کو ایذا پہنچائے اس پر ان کی لعنت واجب ہوجاتی ہے۔

اس کی سند میں اگر قتادہ کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو حسن درجہ کی ہے۔

منذری نے "ترغیب وترہیب" (۱/۱۳۴) میں ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۱/۲۰۹) میں اور شوکانی نے "السیل الجرار" (۱/۶۵) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

۲۶ - دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرنے کے بارے میں ابُو قتادہ، سلمان فارسی اور ابُوہریرۃ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں۔

۱۔ حدیث ابُو قتادہ کو بخاری (۱۵۳-۱۵۴) مُسلم (۳/۱۵۹) ابُوعوانہ (۱/۲۲۰-۲۲۱) ابُوداؤد (۳۱) ترمذی (۱۵) نسائی (۱/۴۳-۴۴) ابن ماجہ (۳۱۰) دارمی (۱/۱۷۲) ابن خزیمہ (۷۸-۷۹) ابن حبان (۴/۲۸۲-۲۸۳) بیہقی (۱/۱۱۲) اور احمد (۴/۳۸۳، ۵/۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۹-۳۱۰، ۳۱۱) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث سلیمان کی تخریج نمبر ۲۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ حدیث ابُوہریرہ کی تخریج نمبر ۲۷ میں آرہی ہے۔

۲۷ - صحیح حدیث ہے۔

اس کو دارمی (۱/۱۷۲-۱۷۳) اسی طرح ابُوداؤد (۸) نسائی (۱/۲۸) ابن ماجہ (۳۱۲) ابن خزیمہ (۸۰) ابوعوانہ (۱/۲۰۰) ابن حبان (۱۲۸-۱۳۰) اور بیہقی (۱/۱۰۲، ۱۱۲) نے ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند محمد بن عجلان کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

دارقطنی اسی طرح نووی نے بھی "المجموع" (۲/۹۵-۹۶) میں اسے صحیح کہا ہے۔

حدیثِ سلمان میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سے کم ڈھیلوں سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی تخریج (۲۴) میں دیکھیں۔

۲۸ ـــ حضورؐ جب رفع حاجت کو جاتے تو (اتنی دُور جا کر) بیٹھتے۔ کہ کوئی آپ کو نہ دیکھتا۔ (ابوداؤد)

۲۹ ـــ آپؐ نے سوراخ میں (یعنی بلوں میں) پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

ملاحظہ: سوراخوں میں پیشاب کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں سانپ، بچھو وغیرہ پیشاب کرتے وقت ایذاء نہ پہنچادے، یا کسی جانور کو پیشاب سے تکلیف ہوگی سبحان اللہ! اسلام کی کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔ کہ جانوروں کے گھروں تک کی حفاظت، اور سلامتی مدِ نظر ہے۔

---

۲۸ ـــ صحیح حدیث ہے۔

جس حدیث کا یہاں ترجمہ ذکر ہوا ہے یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس کو ابوداؤد (۲) ابنِ ماجہ (۳۳۵) ابنِ ابی شیبہ (۱/۱۰۱، ۲۲۱/۲ - دارالتاج) ابن عدی (۱/۲۷۷) حاکم (۱/۱۴۰)، بیہقی (۱/۹۳) اور بغوی (۱۸۵) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند اسماعیل بن عبدالملک کی وجہ سے کچھ کمزور ہے۔ مگر یہ حدیث اپنے شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔ ان شواہد میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ حدیث مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ: اس کی مغیرہ سے تین سندیں ہیں۔

پہلی سند سے یہ بخاری (۳۶۳) کتاب الصلوٰۃ" باب "الصلوٰۃ فی الجبتہ الشامیہ" مسلم (۳/۱۶۹) "الطہارۃ" باب "المسح علی الخفین" اور "صحیح ابوعوانہ" (۱/۱۹۴) میں ہے۔

دوسری سند سے اس کو احمد (۴/۲۴۸) ابوداؤد (۱) نسائی (۱/۱۸) ترمذی (۲۰) ابن ماجہ (۳۳۱) دارمی (۱/۱۶۹) ابن الجارود (۲۷) اور حاکم (۱/۱۴۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ سند محمد بن عمرو بن علقمہ کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

حاکم، ذہبی اور نووی نے "المجموع" (۲/۷۷) میں اسے صحیح کہا ہے۔

تیسری سند سے اس کو دارمی (۱/۱۶۹) اور ابن المنذر نے "الاوسط" (۱/۲۲۱) میں روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔

۲۔ حدیث عبدالرحمٰن بن ابی قراد:

اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۱۰۰) احمد (۳/۴۴۳، ۴/۲۲۴، ۲۳۷) نسائی (۱/۱۷-۱۸) اور ابنِ خزیمہ (۵۱) نے روایت کیا ہے اس کی سند صحیح ہے ابن خزیمہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

۲۹ ـــ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۲۹) احمد (۵/۸۲) نسائی نے "سنن کبریٰ" (۱/۷۰/۳۰) اور "صغریٰ" (۱/۳۳-۳۴) میں ابن الجارود (۳۴) ابن المنذر نے "الاوسط" (۱/۳۳۰) میں، حاکم (۱/۱۸۶) بیہقی (۱/۹۹) اور بغوی (۱۹۲) نے۔ قتادہ کے واسطے ـــ

۳۰ ـــ حضورؐ نے فرمایا۔ جو دو آدمی پاخانہ پھرنے جائیں اور ستر کھول لیں۔ (پاخانہ بیٹھتے وقت) اور باتیں کرنے لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ (ان کے) اس فعل سے غضب میں آتا ہے۔ (ابُو داؤد)۔

ملاحظہ:۔ بعض بے علم لوگ کھیتوں میں جا کر ایک دوسرے کے قریب قریب ہی پاخانہ بیٹھنے لگ جاتے ہیں۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دُور دُور ہو کر بیٹھیں۔ کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں اور عورتیں تو کھیتوں میں جا کر ایک دوسری سے بہت ہی قریب ہو کر بیٹھتی ہیں اور ایسے اطمینان سے باتیں کرتی ہیں۔ کہ شاید اس جگہ کے سوا پھر کہیں بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملنا، انہیں اس فعل سے توبہ کر کے آئندہ باز آجانا چاہیئے۔ کہ رسُولِ خدا اس فعل کو موجب غضب الٰہی فرماتے ہیں۔

ـــ سے عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو حاکم، ذہبی، نووی نے "المجموع" (۲/۸۵) میں شوکانی نے "السیل الجرار" (۱/۶۶) میں صحیح کہا ہے۔

اسی طرح ابن خزیمہ اور ابن السکن نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ "تلخیص الحبیر" (۱/۱۰۶) میں ہے۔

مگر یہ حدیث صحیح نہیں۔ کیونکہ قتادہ کا عبداللہ بن سرجس سے سماع نہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "مجھے نہیں معلوم کہ قتادہ نے انس کے علاوہ کسی اور صحابی سے بھی روایت کی ہے۔ جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ عبداللہ بن سرجس سے سماع کے بارے میں کیا خیال ہے، تو انہوں نے گویا نفی ہی کی۔

امام صاحب کے اس قول کو ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ حدیث نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو "المراسیل" (۱۶۸-۱۶۹)۔

اور امام حاکم نے "معرفۃ علوم حدیث" (۱۱۱) میں کہا ہے کہ قتادہ نے انس کے علاوہ کسی دوسرے صحابی سے نہیں سُنا۔

جب کہ انہوں نے "مستدرک" میں مذکورہ حدیث کے بعد کہا ہے کہ قتادہ نے صحابہ کی ایک جماعت سے سُنا ہے۔

اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ قتادہ کا عبداللہ بن سرجس سے سماع ہے۔ جیسا کہ علی بن مدینی نے کہا ہے۔ تب بھی اس حدیث کو صحیح نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ قتادہ مدلس ہیں۔

ان کو حافظ ابنِ حبان نے "الثقات" (۵/۳۲۲) میں امام حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" (۱۰۳) میں علامہ ذہبی نے "میزان الاعتدال" (۳/۳۸۵) میں اور حافظ ابنِ حجر نے "طبقات المدلسین" (۹۲) میں مدلس کہا ہے ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی انہیں مدلس کہا ہے۔ انہوں نے (قتادہ نے) چونکہ اس حدیث میں عبداللہ بن سرجس سے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

---

۳۰ ـــ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۱۵) احمد (۳/۳۶) نسائی نے "سنن کبریٰ" (۱/۷۰/۳۲-۳۳) میں ابن ماجہ (۳۴۲) ابن خزیمہ (۷۱) ابن المنذر نے "الأوسط" (۱/۳۲۳، ۳۴۰) میں ابن حبان (۱۴۰۷) حاکم (۱/۱۵۷-۱۵۸) بیہقی (۱/۹۹-۱۰۰) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۲/۱۲۲) اور "الموضح" (۲/۳۱۰) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سند: "عکرمہ بن عمار عن یحیی بن ابی کثیر عن عیاض بن ھلال عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔"

یہ اس حدیث کی سند ہے اور یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ عیاض بن ہلال (اکثر کتب میں ہلال بن عیاض ہے۔ مگر صحیح عیاض بن ہلال ہے جیسا ذہبی، ابوحاتم، ابن خزیمہ، حاکم اور خطیب وغیرہ نے کہا ہے) مجہول ہے۔ اس کو منذری نے "ترغیب وترہیب" (۱/۱۲۷) میں ذہبی نے "میزان الاعتدال" (۳/۳۰۷) میں اور ابن حجر نے "تقریب" (۲/۹۶) میں مجہول کہا ہے۔

نیز عکرمہ بن عمار کی یحییٰ بن ابی کثیر سے جو روایات ہیں ان میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ جیساکہ حافظ ابن حجر نے "تقریب میں کہا ہے۔

قلت: عکرمہ کی اس روایت میں بھی اضطراب ہے۔ کیونکہ اس نے بعض روایات میں اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر سے ابوسلمہ کے واسطے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس طرح اس حدیث کو نسائی نے "سنن کبریٰ" (۱/۷۰/۳۱) میں اور طبرانی نے "الأوسط" (۱۲۸۶) میں روایت کیا ہے۔

اس سند کے عکرمہ کے علاوہ باقی سب راوی ثقہ ہیں۔

اسی طرح اس حدیث کے راوی یحییٰ بن ابی کثیر پر بھی اختلاف ہوا ہے۔ عکرمہ نے تو ان سے اس کو مذکورہ دو مختلف سندوں اور راویوں سے روایت کیا ہے۔ جب کہ ابان بن یزید العطار نے اسے یحییٰ سے عبداللہ بن ابی قتادہ کے واسطے سے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے اور یزید بن سنان الرہاوی نے ان سے خلاد بن سائب کے واسطے سے سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن عدی (۱/۲۲۶۳) نے روایت کیا ہے۔

اور اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ ابان بن یزید سے اس کو محمد بن ابی نعیم الواسطی نے روایت کیا ہے۔ اس کو احمد اور ابوحاتم نے تو "صدوق" کہا ہے۔ جب کہ ابن معین نے اسے کذاب اور خبیث کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی اکثر روایات پر ثقہ راوی متابعت نہیں کرتے ہیں۔

غالباً یہاں واسطی سے غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ "الموضح" میں خطیب بغدادی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ ابان بن یزید نے اس حدیث کو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دولابی نے "الکنی" (۱/۲۶-۲۷) میں اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" ←

۳۱ — پیشاب کرتے وقت شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے پکڑنا۔ اور دائیں ہاتھ سے ڈھیلے پونچھنے کو حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ (بلوغ المرام)

۳۲ — جس شخص کو پاخانہ یا پیشاب آیا ہو۔ تو پہلے وہ حاجت سے فراغت پائے اور پھر نماز پڑھے۔

(ابو داؤد)

ملاحظہ:۔ بول و بُراز کے دباؤ کی حالت میں اگر نماز پڑھے گا۔ تو نماز میں چین، حضور، اور اطمینان حاصل نہ ہوگا اور ویسے بول و بُراز کو روکنا بھی حدوث امراض کا موجب ہے۔ یعنی بول و براز کے روکنے سے جسمانی نقصان بھی ہے اور روحانی بھی اس لیے حضورؐ نے ان سے فراغت حاصل کرنے کو مقدم فرمایا۔

— (۷/ ۱۶۷) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند یزید بن سنان اور ان کے بیٹے محمد بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ: اس حدیث میں استقبال قبلہ اور استنجاء وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح سے مفصل اس کو دولابی نے روایت کیا ہے جب کہ طبرانی نے صرف استنجاء کا ہی ذکر کیا ہے۔ اس میں محل شاہد نہیں اور میں نے طبرانی کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ "الکنیٰ" کے مطبوعہ نسخے میں اس کی سند میں ایک غلطی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے کی بڑی علت اس کی سند میں اضطراب ہے، اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ممکن ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے یہ حدیث مختلف سندوں سے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہو۔ اس لیے کہ یہ بات تب کہی جا سکتی تھی۔ جب اس کی سب سندیں صحیح ہوتیں۔

اور نہ ہی یہاں کسی ایک سند کو دوسری سندوں پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ترجیح اس صورت میں ممکن ہوتی۔ جب ان سندوں میں سے کوئی ایک سند صحیح یا زیادہ صحیح ہوتی ہے۔ جب کہ یہاں یہ صورت بھی نہیں ہے۔

اس مضمون کی ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جسے ابن السکن نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اسی طرح ابن القطان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ معلول ہے۔ ملاحظہ ہو "بلوغ المرام" (۲۴)۔

۳۱ یہ ممانعت متعدد احادیث میں آئی ہے۔ جن ابو قتادہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کی حدیثیں بھی ہیں اور دونوں کی حدیثوں کی تخریج نمبر ۲۶ میں گزر چکی ہے۔

۳۲ صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۸۸) "الطھارۃ" اسی طرح مالک (۱/ ۱۵۹) "قصر الصلاۃ" عبدالرزاق (۱/ ۴۵۰-۴۵۱) ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۲۲-۴۲۳) احمد (۳/ ۴۸۳، ۴/ ۳۵) ترمذی (۱۴۲) "الصلاۃ" نسائی (۲/ ۱۱۰-۱۱۱) "الامامۃ" ابن ماجہ (۶۱۶) —

پیشاب سے بچنے کی سخت تاکید

۳۳ ـــ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔ ان دونوں قبروں کو عذاب ہو رہا ہے اور باعثِ عذاب کوئی بڑی چیز نہیں۔ پھر دونوں میں سے ایک کے متعلق فرمایا۔ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ۔ کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ (بخاری)۔

انتباہ

اس حدیث سے معلوم ہُوا۔ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے سخت پرہیز کرنا چاہیئے۔

ـــ "الطہارہ" دارمی (۱/۲۳۲) "الصلوٰۃ" ابنِ خزیمہ (۳۲) ابن حبان (۱۹۴) حاکم (۱/۱۶۸، ۲۵۷) اور بیہقی (۳/۷۲) نے عبداللہ بن أرقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور اسی طرح ابن عبدالبر نے بھی صحیح کہا ہے۔ تفصیل "تحفۃ الأحوذی" (۱/۱۳۱) میں دیکھیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب کھانا حاضر ہو یا پاخانہ و پیشاب کا زور ہو تو نماز نہیں۔

یہ حدیث "صحیح مسلم" وغیرہ میں ہے اس کی مفصل تخریج حدیث (۴۵۴) میں آئے گی۔

۳۳ ـــ بخاری (۲۱۶، ۲۱۸) "الوضوٗ" اس کو مسلم (۳/۲۰۰) "الطہارہ" ابوعوانہ (۱/۱۹۶) ابوداؤد (۲۰-۲۱) ترمذی (۷۰) نسائی (۱/۲۸-۳۰، ۴/۱۰۶) "الطہارۃ والجنائز" ابن ماجہ (۳۴۷) دارمی (۱/۱۸۸) "الطہارۃ" ابن خزیمہ (۵۵-۵۶) ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/۱۳۷) میں ابن حبان (۷/۳۹۸-۴۰۰) بیہقی (۱/۱۰۴، ۲/۴۱۲) ابن ابی شیبہ (۳/۵۱، ۵۲۰ - دارالتاج) احمد (۱/۲۲۵) اور عبد بن حمید نے بھی "المنتخب من المسند" (۶۲۰) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث جابر، ابوبکرۃ، ابوامامہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

۱۔ حدیث جابر کو بخاری نے "الادب المفرد" (۷۳۶) میں اور ابن ابی الدنیا نے "الصمت" (۱۷۶) اور "الغیبۃ والنمیمۃ" (۳۷) میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث ابوبکرہ کو ابن ابی شیبہ (۳/۵۲) احمد (۵/۳۵، ۳۹) بخاری نے تاریخ کبیر (۲/۱۲۷) میں ابن ماجہ (۳۴۹) عقیلی (۱/۱۵۴) اور ابن عدی (۲/۴۸۷) نے روایت کیا ہے

اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

۳۴ — ابو موسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دیوار کے پاس نرم زمین میں پیشاب کیا (کہ چھینٹیں نہ پڑیں) اور فرمایا جب کوئی تم میں سے پیشاب کا ارادہ کرے فلیرتد لبولہ۔ تو پیشاب کے لیے نرم زمین تلاش کرے۔ (ابو داؤد)

وہ لوگ جو پیشاب کرتے وقت چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتے، اپنے کپڑوں کو نہیں بچاتے۔ پیشاب کر کے بغیر پونچھے فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کے پاجامے، پتلونیں اور جسم وغیرہ پیشاب سے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح جو مستورات بھی پیشاب سے اپنے کپڑوں اور جسم کو نہیں بچاتیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تخویف اور تہدید سے خوف کھائیں کہ پیشاب سے نہ بچنا باعثِ عذاب ہے اور بڑا گناہ ہے۔ وہ آئندہ پیشاب، اور اس کی چھینٹوں سے سخت پرہیز کریں۔ پاکی اور طہارت ہمیشہ مدنظر رکھیں۔ ایک دوسری حدیث میں حضور انور ﷺ فرماتے ہیں۔

۳۔ حدیث ابو امامہ کو طبرانی (۸/ ۲۵۷۔ ۲۵۸) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

۳۴۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابو داؤد (۳) اسی طرح طیالسی (۱/ ۴۵) احمد (۴/ ۳۹۶، ۳۹۹، ۴۱۴) ابن المنذر نے "الاوسط" (۱/ ۳۲۹) میں اور بیہقی (۱/ ۹۳۔ ۹۴) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ضعیف ہے۔

منذری نے "مختصر السنن" (۱/ ۱۵) میں اور شوکانی نے بھی "نیل الاوطار" (۱/ ۸۴) میں اس کی یہی علت ذکر کی ہے۔

نووی نے بھی "المجموع" (۲/ ۸۴) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ اسی طرح ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس کی سند میں مقال ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتبوأ لبولہ کما یتبوأ بمنزلہ"۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے لیے نرم زمین تلاش کرتے۔

مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اس کو ابو ہریرہ اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔

۱۔ حدیث ابو ہریرہ کو طبرانی نے "الاوسط" میں۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۱/ ۲۰۹) میں ہے اور قطیعی نے "الأمالی" میں۔ جیسا کہ "الاصابہ" (۲/ ۴۳۶) میں ہے۔ روایت کیا ہے۔

اس کی سند یوں ہے۔ "یحیی بن عبید بن دجی عن أبیہ عن ابی ھریرۃ"۔

حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو یحییٰ بن عبید بن دجی نے اپنے باپ۔ عبید بن دجی۔ سے روایت ←

کیا ہے اور ان دونوں کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

قلت : عبید بن دجی کو بعض مؤرخین نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔

مثلاً: حافظ ابن عبدالبر نے انہیں "الاستیعاب" (۲/۴۳۳) میں ذکر کیا ہے اور ان کے ترجمے میں اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔

مگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبید بن دجی کے درمیان ابُوہریرہؓ کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ دیگر کتب میں بھی یہ حدیث ابُوہریرہؓ کے واسطے کے بغیر ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

اسی طرح حافظ ابنِ حجر نے "الاصابہ" میں کہا ہے۔ کہ انھیں ابن قانع وغیرہ نے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔

جب کہ ابُوزرعہ نے کہا ہے کہ انھیں صحبت حاصل نہیں ہے۔ جیسا کہ ابنِ ابی حاتم نے "المراسیل" میں (ملاحظہ ہو ترجمۃ (۴۸۸، ۶۰۷)۔ ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔

جن لوگوں نے عبید کو صحابہ میں شمار کیا ہے انہوں نے غالباً اسی حدیث ہی کے پیشِ نظر ایسا کیا ہے۔ کیونکہ عبید نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابُوہریرہ کے واسطے کے بغیر بھی روایت کی ہے۔

اس طرح سے اس کو ابن عدی (۴/۱۲۱۲) نے اسی طرح ابنِ قانع حارث بن اسامہ، ابراہیم حربی، ابن مندہ اور ابُونعیم نے بھی روایت کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابنِ حجر نے "الاصابہ" (۲/۴۳۶) میں ذکر کیا ہے۔

مگر اس حدیث کی بنا پر انھیں صحابی تصور کرنا دو وجوہ کی بنا پر صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

۱۔ انہوں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بھی روایت کی ہے۔ جیسا کہ طبرانی کی اوسط اور قطیعی کی "امالی" میں ہے۔

۲۔ اس حدیث کی سند صحیح نہیں، یحییٰ بن عبید کو ابنِ ابی حاتم نے ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی۔ ملاحظہ ہو "الجرح والتعدیل" (۹/۱۷۲)۔

عبید کو صحابی تسلیم نہ کرنے کی صورت میں ان کا شمار مجہولین میں ہوگا۔ اس لیے کہ ان سے صرف ان کے بیٹے یحییٰ ہی نے روایت کی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابنِ عبدالبر نے کہا ہے اور اس صورت میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دوسری علت عبید کی جہالت بھی ہوگی۔

حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس کی سند میں کلام ہے۔ ملاحظہ ہو "الاوسط" لابن المنذر (۱/۳۲۹)۔

البانی نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "ضعیف الجامع" (۴۵۲۶) ←

۳۵ ـ "إِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ".
"یعنی پاکی حاصل کرو پیشاب سے کیونکہ اکثر عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے"۔

ـــــ تنبیہ : عبید بن دجی کو بعض نے عبید بن رجی (دال کی بجائے را) اور بعض نے عبید بن صیفی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو الاصا۔

۲۔ حدیث ابُو قتادہ کو ابن عدی (۷/۱۶۸۹) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند عمر بن ہارون البلخی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ پہلی حدیث کے لیے تقویت کا سبب نہیں بن سکتی۔

۳۵ ـــ صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث کو دارقطنی (۱/۱۲۸) نے محمد بن سیرین کی سند سے ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مُرسل ہے۔

ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے مگر اس میں "استنزھوا من الْبَوْلِ" کے الفاظ نہیں اس کو احمد (۲/۲۸۸، ۳۸۹) ابن ماجہ (۳۴۸) ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/۱۳۸) میں دارقطنی (۱/۱۲۸) ابُو نعیم نے "أخبار أصفھان" (۲/۱۴) میں اور بیہقی (۲/۴۱۲) نے ابُو صالح کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ سند صحیح ہے۔ اس کو دارقطنی اور بوصیری نے بھی "مصباح الزجاجہ" (۱۴۱) میں صحیح کہا ہے اور امام بخاری سے بھی اس کی صحت نقل کی ہے۔

اس حدیث کے شواہد بھی ہیں۔ ان شواہد میں انس، ابن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱۔ حدیث انس کو دارقطنی (۱/۱۲۷) نے قتادہ کی سند سے أنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مُرسل ہونا محفوظ ہے۔

مگر یہ حدیث، انس رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔ کیونکہ یہ ان سے ثمامہ کی سند سے بھی مروی ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ اس سند سے اس کو ابو حاتم نے "علل الحدیث" (۱/۲۶) میں ذکر کیا ہے۔

ابُو سلمہ نے اس کو ثمامہ سے مُرسلاً روایت کیا ہے۔ جب کہ حبان بن ہلال، حرمی اور ابراہیم بن حجاج نے اس کو ثمامہ سے موصولاً روایت کیا ہے۔ ابُو حاتم نے مُرسل روایت کو ترجیح دی ہے اور ابو زرعہ نے موصول روایت کو صحیح کہا ہے اور ابو زرعہ کا قول ہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس کو موصولاً روایت کرنے والے تین راوی ہیں اور وہ تینوں ہی ثقہ ہیں۔

۲۔ حدیث ابن عباس کو عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۶۴۲) میں بزار (۲۴۳) طبرانی (۱۱/۸۴) دارقطنی (۱/۱۲۸) اور ابُو نعیم نے "اخبار اصفھان" (۲/۲۷۵) میں مجاہد کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کو مجاہد سے روایت کرنے والے ابُو یحییٰ القتات ہیں۔ جن کی بنا پر یہ سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔ ـــــ

←دارقطنی نے اس سند کے بارے میں "لا باس بہ" (اس میں کوئی ایسی بات نہیں) کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" (۱/۱۰۶) میں اس کو حسن کہا ہے۔

طبرانی (۱۱/۷۹) نے اس حدیث کو مجاہد سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر وہ سند عبداللہ بن خراش کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس حدیث کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک دوسری سند ہے اس سند سے اس کو بزار (۲۲۱۰) نے روایت کیا ہے۔

اور یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے وسوسوں اور عذاب قبر سے پناہ پکڑتے تھے آپ سے ان چیزوں کے بارے میں پناہ پکڑنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے عذاب قبر سے تعوذ کی وجہ یہ بیان کی کہ اکثر عذاب قبر پیشاب سے ہوگا۔

مگر وہ سند سعید بن محمد الوراق اور رشدین بن کریب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو طبرانی (۲۰/۲۴۴) نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے خود بھی بچتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس سے بچنے کا حکم فرماتے۔

اس کے بعد معاذ فرماتے ہیں کہ اکثر عذاب قبر پیشاب سے ہوگا۔

مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشاب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "جب تم کو یہ ذرا سا بھی لگ جائے تو اسے دھو ڈالو۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ عذاب قبر اسی سے ہوگا۔

اس کو بزار (۲۴۹) نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" (۱/۱۰۶) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ جب کہ حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۱/۲۱۲) میں کہا ہے کہ اس کی سند میں یوسف بن خالد السمتی ہے۔ جس پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہے۔

اس کے بارے میں خود حافظ صاحب نے یہ کہا ہے "محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا اور ابن معین نے اس کو کذاب کہا ہے۔"

لہٰذا اس کی سند حسن درجہ کی کیسے ہوئی۔

تنبیہ: ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ پیشاب سے بچو، کیونکہ قبر میں سب سے پہلے اسی کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

اس حدیث کو ابو عاصم نے "الاوائل" (۹۲) میں اور طبرانی نے "معجم کبیر" (۸/۱۵۷/۷۶۰۵) میں روایت کیا ہے۔ ←

نجاستوں کی تطہیر کا بیان

۳۶ — حضرت ابی ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک گنوار نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اور لوگ اس کے پیچھے پڑے رسُول اللہ نے ان کو کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ اور (جگہ کو پاک کرنے کے لیے) اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دو۔" (بخاری)

← اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ مگر طبرانی نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حدیث (۷۰۶)۔

اس سند میں اس مجہُول آدمی کا نام ایوب لیا گیا ہے اور یہ ایوب، ایوب بن مدرک الحنفی ہے۔ اس کو ابُوحاتم اور نسائیؒ نے متروک اور ابن معین نے ایک روایت میں کذاب کہا ہے "میزان الاعتدال" (۱/۲۹۳)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوُا کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

۳۶ — بخاری (۲۲۰) "الوضوء" اس کو احمد (۲/۲۳۹) ابوداؤد (۳۸۰) "الطہارۃ" ترمذی (۱۴۷) "الطہارۃ" نسائی (۱/۱۷۵) "المیاہ" ابن الجارُود (۱۴۱) ابن خزیمہ (۲۹۰-۲۹۸) ابنِ حبان (۴/۲۴۴ - ۲۴۵) اور بیہقی (۲/ ۴۲۸) نے بھی روایت کیا ہے ان کتب میں یہ حدیث زہری کے طریق سے ہے۔

اس کو احمد (۲/۵۰۳) ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۷۷ - دارالتاج)

ابن ماجہ (۵۲۹) اور ابن حبان (۴/۲۴۶) نے ابوسلمہ کے طریق سے بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ سند حسن درجہ کی ہے۔

اس حدیث کے شواہد بھی ہیں۔ ان شواہد میں انس اور واثلہ رضی اللہ عنہما کی موصول حدیثیں اور عبداللہ بن معقل بن مقرن کی مُرسل روایت ہے۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ کو بخاری (۲۲۱) مسلم (۳/۱۹۰) ترمذی (۱۴۸) نسائی (۱/۱۷۵) ابن ماجہ (۵۲۸) دارمی (۱/۱۸۹) ابن خزیمہ (۲۹۶) ابُوعوانہ (۱/۲۱۳ - ۲۱۵) ابن حبان (۴/۲۴۶) بیہقی (۲/۴۱۲-۴۱۳، ۴۲۷، ۴۲۸) ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۶) احمد (۳/۱۱۰ - ۱۱۱، ۱۴۰، ۱۶۷، ۱۹۱) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی انس رضی اللہ عنہ سے تین سندیں ہیں۔

حدیث واثلہ رضی اللہ عنہ کو ابن ماجہ (۵۳۰) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

عبداللہ بن معقل کی مُرسل روایت کو ابُوداؤد (۳۸۱) اور بیہقی (۲/۴۲۸) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے مگر یہ روایت مُرسل ہے۔

حیض آلود کپڑا

۳۷۔ اسماء بنتِ ابی بکر روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسُول اللہ سے پوچھا کہ جس کپڑے کو خونِ حیض لگ جائے تو کیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اس کو چٹکیوں سے مل کر پانی سے دھوڈالنا چاہیئے اور پھر اس میں نماز ادا کر لی جائے۔ (بخاری و مُسلم)

تر منی کا دھونا

۳۸۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَیں منی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھوڈالتی تھی۔ اور حضورؐ (اس کپڑے سے) نماز پڑھنے تشریف لے جاتے تھے اور دھونے کا نشان کپڑے پر ہوتا تھا۔ (بخاری و مُسلم)

خشک منی کا کھرچنا

۳۹۔ اُم المومنین حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ مَیں (خشک) منی کو رسُولِ خدا کے کپڑے سے کھُرچ ڈالتی تھی۔ اور حضورؐ اس میں نماز گزارتے تھے۔ (مُسلم)

۳۷۔ بخاری (۲۲۷، ۳۰۷) "الوضوء والحیض" مُسلم (۳/۱۹۹)۔
اسس کو مالک (۱/۶۰-۶۱) احمد (۶/۳۴۵، ۳۴۶، ۳۵۶) ابوداؤد (۳۶۰-۳۶۲) ترمذی (۳۸) نسائی (۱/۱۵۵
۱۹۵) ابن ماجہ (۶۲۹) دارمی (۱/۱۹۷) ابنِ خزیمہ (۲۷۵-۲۷۶) ابوعوانہ (۱/۲۰۶-۲۰۷) ابنِ حبان (۴/۲۴۱-۲۴۳) اور بیہقی
(۱/۱۳، ۱۳۹، ۲۴۴، ۲/۴۰۲، ۴۰۶) نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۸۔ بخاری (۲۲۹-۲۳۲) مُسلم (۳/۱۹۷)۔
اسی طرح اسس کو ابوداؤد (۳۷۳) ترمذی (۱۱۷) نسائی (۱/۱۵۶) اور ابن ماجہ (۵۳۶) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۹۔ مُسلم (۳/۱۹۶) ابوداؤد (۳۷۲)۔
اسی طرح ترمذی (۱۱۶) نسائی (۱/۱۵۶-۱۵۷) اور ابن ماجہ (۵۳۷-۵۳۹) وغیرہ نے بھی مختلف طرق اور الفاظ سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

شیر خوار بچے کا پیشاب

۴۰ — اُمّ قیسؓ اپنے چھوٹے (شیر خوار) بچے کو جس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ رسُول اللہؐ کے پاس لائی، اور حضورؐ نے اس کو اپنی گود میں بٹھا لیا، بچے نے آپؐ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ تو حضورؐ نے پانی منگوا کر کپڑے پر چھینٹا دیا اور نہ دھویا۔ (بخاری، مسلم)

۴۱ — لبابہ بنت حارث روایت کرتی ہیں۔ کہ حسین بن علیؓ نے رسُولِ خدا کی گود میں پیشاب کر دیا۔ (جو ابھی شیر خوار ہی تھے) میں نے عرض کیا کہ کوئی اور کپڑا پہن لیں اور تہ بند مجھے دیں۔ کہ دھو ڈالوں، تو حضورؐ نے فرمایا۔ لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے، اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹا دیا جاتا ہے۔

(ابُو داؤد۔ ابنِ ماجہ)

---

۴۰ — بخاری (۲۲۳) مسلم (۱۹۴/۳)۔

اسی طرح اسے مالک (۶۴/۱) احمد (۳۵۵/۶، ۳۵۶) ابُو داؤد (۳۷۴) ترمذی (۷۱) نسائی (۱۵۷/۱) ابنِ ماجہ (۵۲۴)۔ دارمی (۱۸۹/۱) ابنِ خزیمہ (۲۸۵-۲۸۶) ابوعوانہ (۲۰۲/۱-۲۰۳) ابنِ حبان (۲۰۹/۴-۲۱۱) طبرانی (۱۷۸/۲۵-۱۸۱) ابنِ حزم (۱۰۱/۱) اور بیہقی (۴۱۴/۲) نے بھی عبید اللہ بن عبد اللہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔

ابنِ عدی (۲۷۴۴/۷) نے اس کو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ طریق ضعیف ہے۔

۴۱ — صحیح حدیث ہے۔

ابُو داؤد (۳۷۵) ابنِ ماجہ (۵۲۲) اسی طرح احمد (۳۳۹/۶) ابن ابی شیبہ (۱۱۳/۱) ابُو یعلیٰ (۷۰۴) ابنِ خزیمہ (۲۸۲) طحاوی نے "معانی الآثار" (۹۲، ۹۴) میں طبرانی (۹۰۵/۳، ۲۵/۲۵-۲۶) حاکم (۱۶۶/۱) اور بیہقی (۴۱۴/۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

ان کتب میں یہ حدیث قابُوس بن ابی المخارق کی سند سے مروی ہے اور یہ سند ضعیف ہے، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

احمد (۳۳۹/۶) اور بیہقی (۴۱۵/۲) نے اس کو عطاء خراسانی کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور یہ سند حسن درجہ کی ہے۔

احمد (۳۴۰/۶) نے اس کو ایک تیسری سند سے بھی روایت کیا ہے اور وہ سند صحیح ہے۔

یہ واقعہ حدیث زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حدیث انس رضی اللہ عنہ میں بھی ہے۔ حدیث زینب کو طبرانی (۵۴/۲۴، ۵۵، ۵۷) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

حدیث انس کو طبرانی (۴۴/۲۳) ہی نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند نافع ابُو ہرمز کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ ←

← لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں تفریق کے بارے میں، علی، ابوالسمح، عبداللہ بن عمرو، اُمّ سلمہ، اُمّ کرز اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔

۱۔ حدیث علی کو احمد (۱/ ۷۶، ۹۷، ۱۳۷) ابُوداوُد (۳۷۷ - ۳۷۸) ترمذی (۶۱۰) (کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں) ابن ماجہ (۵۲۵) ابویعلیٰ (۳۰۷) ابن خزیمہ (۲۸۴) طحاوی (۱/ ۹۲) ابن حبان (۲۴۷) دارقطنی (۱/ ۱۲۹) حاکم (۱/ ۱۶۵ - ۱۶۶) اور بیہقی (۲/ ۴۱۵) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح حافظ ابنِ حجر نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور پھر اس حدیث کی صحت بخاری اور دارقطنی سے بھی نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو "تلخیص الحبیر" (۱/ ۳۸)۔

نووی نے "المجموع" (۲/ ۵۸۹) میں اس کو حسن کہا ہے۔

۲۔ حدیث ابوالسمح کو ابُوداوُد (۳۷۶) نسائی (۱/ ۱۵۸) ابن ماجہ (۵۲۶) ابنِ خزیمہ (۲۸۳) طبرانی (۲۲/ ۳۸۴ - ۳۸۵) دارقطنی (۱/ ۱۳۰) حاکم (۱/ ۱۶۶) ابنِ حزم (۱/ ۱۰۱) اور بیہقی ۲/ ۴۱۵) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند یحییٰ بن ولید طائی کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔

امام بخاری نے بھی اس کو حسن کہا ہے۔ جیسا کہ بیہقی (۲/ ۴۱۶) نے نقل کیا ہے۔

ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ حدیث عبداللہ بن عمرو کو ہیثمی نے طبرانی "اوسط" کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ "مجمع الزوائد" (۱/ ۲۹۰)۔

۴۔ حدیثِ اُمّ سلمہ کو ابُویعلی (۶۹۲۱، ۶۹۶۳) اور طبرانی (۲۳/ ۳۶۶) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

بیہقی (۲/ ۴۱۵) نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند میں حسن یا حسین رضی اللہ عنہما (شک راوی سے ہے) کے پیشاب کا واقعہ بھی ہے۔

بیہقی اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اُمّ سلمہ کے فعل سے صحیح ثابت ہے۔

اُمّ سلمہ کے فعل والی روایت کو بیہقی، ابُوداوُد (۳۷۹) اور ابن عبدالبر نے "التمہید" (۹/ ۱۱۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کو بیہقی نے اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/ ۳۸) میں صحیح کہا ہے۔ مگر اس تصحیح میں نظر ہے۔

۵۔ حدیث اُمّ کرز کو احمد (۶/ ۴۶۴) اور ابنِ ماجہ (۵۲۷) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند میں انقطاع اور اختلاف ہے۔ تفصیل "تلخیص" میں دیکھیں۔

۶۔ حدیث عائشہؓ کو ابن عدی (۲/ ۴۹۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند بدیع بن حسان کی وجہ سے ←

نجاست آلود جوتی

۴۲۔ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔ جب کوئی تم میں سے اپنی جوتی کے ساتھ گندگی پر چلے۔ (یعنی جوتی کو نجاست لگ جائے)۔ تو مٹی اس کو پاک کر دینے والی ہے۔ (یعنی زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہے)۔ (ابوداؤد)

← سخت ضعیف ہے۔

خلاصہ: مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ بچے اور بچی کے پیشاب میں تفریق والا مسئلہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ ان میں سے بعض احادیث صحیح اور بعض حسن ہیں اور جن کی سندیں ضعیف ہیں ان کا ضعف صحیح اور حسن احادیث کے مل جانے سے دُور ہو جاتا ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق کے بارے میں جو احادیث ہیں۔ انہیں آپس میں ملا لینے سے قوی ہو جاتی ہیں۔

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔ کہ بچے اور بچی کے پیشاب کے درمیان تفریق کا مذہب اُمّ سلمہ اور علی رضی اللہ عنہما کا ہے اور صحابہ میں سے ان کا کوئی مخالف بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے تابعین میں سے قتادہ، زہری، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، اتباع تابعین میں سے ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری، اوزاعی اور ائمہ میں سے شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد بن علی اور ابن وہب کے نام ذکر کیے ہیں "محلی" (۱/۱۰۱۔ ۱۰۲)۔

۴۲ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد نے "سنن" (۳۸۵) اور "مسائل الامام احمد" (۲۱) میں ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/۱۶۸) میں ابن حبان (۲۴۸) حاکم (۱/۱۶۶) اور بیہقی (۲/۴۳۰) نے روایت کیا ہے۔

سند: " الأوزاعی قال أنبئت أن سعید بن ابی سعید المقبری حدث عن أبیه عن ابی هریرة "

اوزاعی کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ سعید نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی۔

اوزاعی کے اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سعید سے نہیں سُنا۔ بلکہ کسی دوسرے سے سنا ہے جس کا ذکر انہوں نے نہیں کیا۔ ابن المنذر اور ابن حبان کے بیاں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ←

نیند سے جاگ کر

۴۲ — ابُوہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نیند سے جاگے وہ اپنے ہاتھ

— سعید سے بلا واسطہ روایت کیا ہے)

اسی انداز سے اوزاعی سے اس حدیث کو متعدد راویوں نے روایت کیا ہے۔ جب کہ محمد بن کثیر صنعانی نے ان سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے ان کے (اوزاعی کے) اور سعید کے درمیان محمد بن عجلان کا واسطہ ذکر کیا ہے۔

اسی طریق سے اس کو ابُو داؤد (۳۸۶) عقیلی (۲/۲۵۷) ابن خزیمہ (۲۹۲) ابن حبان (۲۴۹) حاکم (۱/۱۶۶) ابن حزم (۱/۹۳) اور بیہقی (۲/۴۳۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے

امام حاکم فرماتے ہیں کہ محمد بن کثیر صدوق ہے اس نے محمد بن عجلان کے واسطے کو یاد رکھا ہے

قُلت: محمد بن کثیر کے بارے میں نسائی اور ساجی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔ لہذا ان پر اس واسطے کے بارے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

مگر اس حدیث کے شواہد ہیں۔ جن کی بناء پر یہ صحیح حدیث ہے۔

ان شواہد میں سے دو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث عائشہ: اس کو ابُوداؤد (۳۸۷) اور بیہقی (۲/۴۳۰) نے روایت کیا ہے اور منذری نے "مختصر السنن" (۱/۲۲۸) میں اس کو حسن کہا ہے۔

اسے عقیلی (۲/۲۵۶ - ۲۵۷) اور ابن المنذر نے بھی "الأوسط" (۲/۱۶۸) میں روایت کیا ہے۔

عقیلی کی سند عبداللہ بن زیاد بن سمعان کی وجہ سے اور ابن المنذر کی سند خارجہ بن مصعب کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

۲۔ حدیث ابُوسعید: اس کو احمد (۳/۲۰، ۹۲) ابُوداؤد (۶۵۰) دارمی (۱/۳۲۰) ابن خزیمہ (۷۸۶) ابن حبان (۳۶۰) اور حاکم (۱/۲۶۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

ابو حاتم نے۔ ملاحظہ ہو "علل الحدیث" لابن ابی حاتم" (۱/۱۲۱)۔ اور نووی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

بقیہ شواہد کے لیے "نیل الأوطار" (۱/۴۴) دیکھیں۔

۴۳ — اس کو بخاری (۱۶۲) مسلم (۳/۱۸۷ - ۱۸۱) ابوداؤد (۱۰۳ - ۱۰۵) ترمذی (۲۴) نسائی (۱/۶-۷) ←

تین بار دھولے۔ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں لگ چکا ہے۔ (بلوغ المرام)

ــــــــ ابن ماجہ (۳۹۳) دارمی (۱/ ۱۹۶) مالک (۱/ ۲۱) ابن ابی شیبہ (۱/ ۹۸-۹۹) احمد (۲/ ۲۴۱، ۲۵۳، ۲۵۹، ۲۶۵، ۲۸۴) ابن خزیمہ (۹۹-۱۰۰، ۱۴۵) ابوعوانہ (۱/ ۲۶۳-۲۶۵) ابن حبان (۳/ ۳۴۴-۳۴۷) دارقطنی (۱/ ۴۹، ۵۰) اور بیہقی (۱/ ۴۵-۴۶، ۴۷) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق سے مروی ہے۔

اسی طرح یہ ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

۱۔ حدیث ابن عمر کو ابن ماجہ (۲۹۴) ابن خزیمہ (۱۴۶) دارقطنی (۴۹-۵۰) اور بیہقی (۱/ ۴۶) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ نے صحیح اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۱۶۱) میں مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور دارقطنی نے حسن کہا ہے اور بیہقی نے ان کی تائید کی ہے۔

۲۔ حدیث جابر کو ابن ماجہ (۳۹۵) اور دارقطنی (۱/ ۴۹) نے ابوالزبیر کے واسطے سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

دارقطنی نے اس کی سند کو بھی حسن اور بوصیری نے صحیح کہا ہے۔

ابن عدی (۶/ ۲۳۶۴) نے اس کو جابر رضی اللہ عنہ سے عطاء بن ابی رباح کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر انہوں نے کہا ہے کہ یہ اس سند سے باطل ہے۔

فائدہ: ان تمام احادیث میں یہ صراحت ہے کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اسے تین بار دھونا چاہیئے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے یہ حدیث بیان کی تو کسی نے یہ کہہ دیا کہ اگر برتن کی بجائے حوض ہو تب بھی ہاتھ کو دھونا چاہیئے۔ ابن عمر نے اس کی جب یہ بات سنی تو اسے کنکریوں سے مارا اور فرمایا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو، کہ اگر حوض ہو تو پھر۔

امام ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث پر یوں باب باندھا ہے۔ باب "كراهية معارضة خبر النبي صلى الله عليه وسلم بالقياس والرأي والدليل على أن أمر النبي صلى الله عليه وسلم يجب قبوله اذا علم المرء به وإن لم يدرك ذلك عقله ورأيه قال الله عز وجل ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾.

(أحزاب: ۳۶)

یہ باب اس بارے میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلے میں قیاس اور رائے کو ــــــ

کتے کا پینا

۴۴ سیدنا ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتا کسی برتن میں پانی پی لے تو برتن کو ایک بار مٹی سے مانجھے، پھر چھ بار پانی سے دھو ڈالے۔ (مسلم)

← کو پیش کرنا مکروہ ہے اور اس بات کی دلیل کے بارے میں ہے کہ آدمی کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان معلوم ہو جائے تو اسے قبول کرنا واجب ہوتا ہے۔ خواہ اس کی عقل اس حکم کی کنہ کا ادراک نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں)۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرتبہ فرمایا "بھتیجے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کوئی حدیث سنو تو اس کے مقابلے میں ادھر ادھر کی مثالیں پیش نہ کیا کرو۔"

اس قول کو ترمذی (۷۹) ابن ماجہ (۴۸۵) طحاوی نے "شرح معانی" (۶۳/۱) میں "ابوسلمہ بن عبدالرحمن کی سند سے، عبدالرزاق (۱۷۴/۱) اور ابن حزم نے "الاحکام" (۴۴/۳، ۱۵۲/۷) میں جعفر بن برقان کی سند سے روایت کیا ہے، ابوسلمہ والی سند حسن درجے کی ہے اور جعفر والی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تفصیل قصہ کے لیے مذکورہ کتب دیکھیں۔

۴۴ اس کو مسلم (۱۶۳/۳) ابوعوانہ (۲۰۷/۱ - ۲۰۸) ابوداؤد (۷۱) ابن ابی شیبہ (۱۷۳/۱) احمد (۴۲۷/۲، ۵۰۸) ابن خزیمہ (۹۵، ۹۷) ابن حزم (۱۱۰/۱) اور بیہقی (۲۴۰/۱) نے روایت کیا ہے۔

حدیث عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ میں ایک بار مٹی سے مانجھنے اور سات بار پانی میں دھونے کا ذکر ہے۔

اس کو احمد (۸۶/۴، ۵۶/۵) نسائی (۱۷۷/۱) ابن ماجہ (۳۶۵) مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ابن ترکمانی نے کہا ہے کہ اس کو ابن مندہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت پر تمام علماء کا اجماع ہے اس حدیث کی رو سے برتن کو ایک بار مٹی سے مانجھا جائے اور سات بار پانی سے دھویا جائے۔ یہی مذہب ہے حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا بروایت کرمانی، اور حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ فتح الباری (۲۷۷/۱)۔

صنعانی، حسن بصری کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حق ان ہی کے ساتھ ہے۔ سبل السلام (۳۰/۱)۔

فائدہ: یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور محدثین کی صداقت و عدالت کی دلیل ہے۔

طب جدید سے یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ کتے کے لعاب سے کئی ایک امراض پھیلتے ہیں۔ اس بارے میں میں نے یہاں عرب امارات میں وزارت اوقاف کی طرف سے شائع ہونے والے مجلے "منار الاسلام" میں ایک ڈاکٹر کا تحقیقی مضمون پڑھا تھا جس میں انہوں نے کتے کے لعاب سے پھیلنے والے مرض پر روشنی ڈالتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ اس مرض سے ←

مُردار کا چمڑا

۴۵ ـــ حضرت میمونہؓ روایت کرتی ہیں۔ کہ حضورؐ نے فرمایا۔ یطھرھا الماء والقرظ۔ مردار کا چمڑا دباغت دینے سے پاک ہوجاتا ہے۔ (ابوداؤد)

ـــ سے ہندوستان میں پندرہ ہزار سے زائد سری لنکا میں ہر دس لاکھ میں سے تیس اور فلپائن میں ہر دس لاکھ میں سے بارہ آدمی سالانہ ہلاک ہورہے ہیں۔ (منار الاسلام رجب ۱۴۰۶ھ عدد ۷)۔

شیخ احمد شاکر علیہ الرحمہ نے محلی ابن حزم کے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ طبی طور پر یہ ثابت ہُوا ہے کہ کتے کے لعاب سے پیدا ہونے والے بعض ایسے امراض ہیں جن کا مٹی کے علاوہ کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔

چند ماہ قبل میں نے یہاں دوبئی سے شائع ہونے والے عربی جریدہ الاتحاد ۱۹۸۷ء میں پڑھا تھا کہ طب جدید نے یہ انکشاف کیا ہے کہ کتے کے جراثیم مٹی کے علاوہ کسی دوسری چیز سے مرتے ہی نہیں۔ صدق اللہ حیث یقول (وما ینطق عن الھوٰی ہ ان ھو الا وحی یوحٰی) (النجم آیت رقم ۴-۳)۔

یہ حدیث ایک ڈاکٹر صاحب کے مسلمان ہونے کا سبب بھی بنی، تفصیل واقعہ کے لیے " فتاوٰی اہلحدیث " للمحدث روپڑی (۵۹۲/۲) دیکھیں۔

۴۵ ـــ صحیح حدیث ہے۔

ابوداؤد (۴۱۲۶) کتاب " اللباس "

اس کو احمد (۳۳۴/۶) نسائی (۱۷۴/۷ - ۱۷۵) " الفرع والعتیرہ " طبری نے " تہذیب الآثار " (۸۱۵/۲ - مسند ابن عباس) میں طحاوی (۴۷/۱ - ۱۷۴) ابن المنذر نے " الاوسط " (۲۶۱/۲ - ۲۶۲) میں، ابن حبان (۱۰۶/۴) طبرانی (۱۴/۲۴ - ۱۵)، دارقطنی (۴۵/۱) بیہقی (۱۹/۱) اور مزی نے بھی " تہذیب الکمال " (۵۰۷/۱۵) میں روایت کیا ہے۔

اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے " تلخیص الحبیر " (۴۹/۱) میں ابن السکن اور حاکم سے بھی اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

مگر یہ اپنے شاہد کی بناء پر صحیح ہے یہ شاہد حدیث ابن عباس ہے۔ جسے دارقطنی (۴۱/۱) اور بیہقی (۲۰/۱) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند یحییٰ بن ایوب الغافقی کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔

امام نووی نے بھی " المجموع " (۲۲۲/۱) میں اور حافظ ابن حجر نے " تلخیص الحبیر " میں اسے حسن ہی کہا ہے۔

بلّی کا جُوٹھا

۴۶ــــ بلّی کا جُوٹھا پاک ہے۔ (بلوغ المرام)

۴۶ــــ صحیح حدیث ہے۔

یہ حدیث ابُوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس میں ہے کہ بلّی ناپاک نہیں اور یہ تمہارے پاس آنے جانے والے مردوں اور عورتوں میں سے ہے۔" مراد خدام ہیں۔

اس کو مالک (۱/۲۲-۲۳) اور مالک ہی کی سند سے عبدالرزاق (۱/۱۰۱) ابن ابی شیبہ (۱/۳۱) احمد (۵/۳۰۳، ۳۰۹) ابُوداؤد (۷۵)، ترمذی (۹۲) نسائی (۱/۱۷۸) ابن ماجہ (۳۶۷) دارمی (۱/۱۸۷-۱۸۸) ابن خزیمہ (۱۰۴) ابن منذر نے "الأوسط" (۱/۳۰۲-۳۰۳) میں ابن حبان (۱۲۱) دارقطنی (۱/۷۰) حاکم (۱/۱۵۹-۱۶۰) ابن حزم (۱/۱۱۷) اور بیہقی (۱/۲۴۵) نے روایت کیا ہے۔

اس کو مالک۔ جیسا کہ حاکم نے ذکر کیا ہے۔ ترمذی، ابن خزیمہ ابن المنذر، ابن حبان۔ حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

اسی طرح عقیلی نے "الضعفاء" (۲/۴۲) میں، ابن عبدالبر نے "التمہید" (۱/۳۲۴) میں اور نووی نے بھی "المجموع" (۱/۱۷۱، ۱۷۳) میں اسے صحیح کہا ہے، نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ بیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" (۱/۴۱) میں امام بخاری سے بھی اس کی صحت نقل کی ہے۔

مولانا شمس الحق نے "التعلیق المغنی" (۱/۷۰) میں کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت پر علماء کا اجماع ہے اور یہ حدیث بلی کے جوٹھے کی طہارت پر دلالت کرتی ہے۔ اکثر علماء کا یہ قول ہے اور یہی حق ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والے اکثر علماء۔ مثل۔ شافعی، احمد اور اسحاق۔ کے نزدیک بلی کے جھوٹے میں کچھ حرج یا قباحت نہیں۔

اس حدیث کو البانی نے بھی صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اس کے دوسرے طرق بھی ہیں۔ جن کو میں نے "صحیح ابُوداؤد" میں ذکر کیا ہے۔ "ارواء الغلیل" (۱/۱۹۲/۱۷۳)۔

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ جسے ابوداؤد، ابن خزیمہ، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے نیز اس کے بعض شواہد بھی ہیں۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بلی جس برتن میں منہ ڈال دے اسے ایک یا دو مرتبہ دھونا چاہیئے۔ مگر یہ روایات صحیح نہیں۔ تفصیل مسئلہ کے لیے "دارقطنی" "بیہقی" "مجموع" (۱/۱۷۳-۱۷۵) اور "نیل الاوطار" (۱/۳۵-۳۶) وغیرہ دیکھیں۔

سونے چاندی کے برتن میں کھانا

۴۷ــــ حضرت اُمّ سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ جمع کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

غسلِ جنابت کے احکام

مندرجہ ذیل حالتوں میں مُسلمان مرد اور عورت پر غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ وجوُبِ غسل کی حالت کو حالتِ جنابت کہتے ہیں، مجامعت کے بعد، حیض کے بعد، نفاس (وہ خون جو بچّے کی پیدائش پر جاری ہوتا ہے) کے بعد منی کے دفق سے خارج ہونے کے بعد اور اس میں احتلام بھی داخل ہے۔

پردے اور شرم کے ضروری مسائل

بعض باتیں بڑی شرم اور حیا کی ہوتی ہیں جن کو بیان کرتے حجاب آتا ہے۔ لیکن جب ایسی باتیں دین اور شریعت سے متعلق ہوں تو ان کو ظاہر کرنا اشاعتِ دین ہے۔ ان ہی معنوں میں کہا جاتا ہے۔ کہ شرع میں شرم نہیں۔ اگر ایسے مسائل بوجہ شرم بیان نہ کیے جائیں تو دین میں حرج اور نقصان واقع ہوتا ہے۔

۴۷ــــ بخاری (۵۶۳۴) "الأشربة" مسلم (۱۴/ ۲۷ - ۳۰) "اللباس والزینة"۔

اسی طرح اس کو مالک (۲/ ۹۲۴ - ۹۲۵) "صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ احمد (۶/ ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۶)، ابن ماجہ (۳۴۱۳) "الأشربہ" دارمی (۲/ ۱۲۱) "الأشربة" ابن حزم (۲/ ۲۲۳) اور بیہقی (۱/ ۲۷) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں سونے کے برتنوں کا ذکر صرف مُسلم اور ابنِ حزم کے ہاں ہے۔ باقی سب کے ہاں صرف چاندی کے برتنوں کا ہی ذکر ہے۔

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے وغیرہ کی ممانعت کے بارے میں دوسری حدیثیں بھی ہیں، جن میں ایک حدیثِ حذیفہ بھی ہے۔ جسے بخاری و مُسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

غسلِ جنابت کا مسئلہ

خدا تعالیٰ صحابہ پر بے شمار رحمتیں نازل کرے، کہ انہوں نے بڑی کوشش سے دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیکھا اور پھر اسے بڑے خلوص اور نہایت خیر خواہی سے اپنے مسلمان بھائیوں تک پہنچایا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

۴۸ — بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً۔ "میری طرف سے (لوگوں کو) پہنچا دو۔ خواہ ایک حکم ہی ہو۔" (مشکوٰۃ)

مہاجرین اور انصار کے درمیان غسلِ جنابت کا ایک مسئلہ زیرِ بحث آگیا۔ ایک گروہ کہتا تھا۔ کہ غسل صرف دخول پر ہی فرض ہو جاتا ہے۔ انزال شرط نہیں۔ دوسرا گروہ بیان کرتا تھا۔ کہ وجوبِ غسل کے لیے دخول کے ساتھ انزال شرط ہے۔ یہ طویل مباحثہ کسی فیصلہ کُن صورت پر منتج نہ ہوا۔ آخر قرار پایا۔ کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا جائے۔

صدیقہ طاہرہؓ بڑی عالمہ اور فاضلہ خاتون تھیں، مدینہ منورہ میں ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ صحابہؓ پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے اکثر آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، چنانچہ اس مسئلہ کے لیے حضرت اُم المومنینؓ کے مقدس باب الافتاء کو دستک دی گئی۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچا دی۔

۴۹ — قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مرد کا محلِ ختنہ عورت کے محلِ ختنہ میں تجاوز کرے۔ تو غسل واجب

---

۴۸ — اس کو احمد (۲/ ۱۵۹، ۲۰۲، ۲۱۴) بخاری (۳۴۶۱) "احادیث الانبیاء" باب "ما ذکر عن بنی اسرائیل" ترمذی (۲۶۶۹) "العلم" باب "الحدیث عن بنی اسرائیل" دارمی (۱/ ۱۳۶) "المقدمۃ" باب "البلاغ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعلیم السنن" ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (۲/ ۷) میں ابن حبان نے "المجروحین" (۱/ ۶) میں طبرانی نے "المعجم الصغیر" (۱/ ۱۶۶) میں حاکم نے "المدخل الی الصحیح" (۸۴، ۱۰۲) اور "المدخل فی اُصول الحدیث" (۶۰۔ مع المنار المنیف) میں ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۶/ ۷۸) میں قضاعی نے "مسند الشہاب" (۶۶۲) میں، بیہقی نے "الآداب" (۱۰۴۹) میں اور بغوی نے "شرح السنۃ" (۱۱۳) میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۴۹ — صحیح حدیث ہے۔

ترمذی (۱۰۸۔ ۱۰۹) ابن ماجہ (۶۰۸)۔

ہو جاتا ہے۔"

تو مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ صرف دخول پر ہی مرد اور عورت دونوں جنبی ہو جاتے ہیں اور ان پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ انزال شرط نہیں۔

اسے مالک (۱/۴۵-۴۶) عبدالرزاق (۱/۲۴۵-۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸-۲۴۹) ابن ابی شیبہ (۱/۸۴، ۸۵- دارالتاج) احمد (۶/۴۷، ۹۷، ۱۱۲، ۱۲۳، ۱۳۵، ۱۶۱، ۲۲۷، ۲۳۹، ۲۶۵) اور دارقطنی (۱/۱۱۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف طرق سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے اور یہ ان سے دونوں طرح ہی ثابت ہے۔

واضح رہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ میں مہاجرین و انصار کے اختلاف کا واقعہ مذکور نہیں۔ جیسا کہ مؤلف کے انداز سے بظاہر پتہ چلتا ہے۔

یہ واقعہ تفصیل سے "صحیح مسلم" (۴/۴۰-۴۱) "صحیح ابوعوانہ" (۱/۲۸۸-۲۸۹) "صحیح ابن خزیمہ" (۲۲۷) اور "سنن بیہقی" (۱/۱۶۳-۱۶۴) میں ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعض شواہد بھی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ حدیث ابن عمرؓ اس کو ابن عدی (۵/۱۸۶۸) نے بسند ضعیف روایت کیا ہے۔

یہ حدیث ابن عمر سے موقوفاً بھی مروی ہے اس کو مالک (۱/۴۷) عبدالرزاق (۱/۲۴۷) اور ابن ابی شیبہ (۱/۸۶) نے روایت کیا ہے اور یہ ان سے موقوفاً صحیح ثابت ہے۔

۲۔ حدیث رافع بن خدیج: اس کو طبرانی (۴/۲۶۷) اور ابن عدی (۳/۱۰۱۶) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث عبداللہ بن عمرو: اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۸۶) اور ان سے ابن ماجہ (۶۱۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی بھی سند ضعیف ہے۔

۴۔ حدیث ابوامامہ: اس کو طبرانی (۸/۲۹۱) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند جعفر بن زبیر کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث عائشہ کے لیے ترمذی کے ساتھ ابن ماجہ کا بھی حوالہ دیا ہے۔ جب کہ یہ درست نہیں کیونکہ ابن ماجہ میں یہ حدیث ان سے موقوفاً ہے۔ مرفوعاً نہیں۔

موصوف نے درحقیقت اس حدیث کو "مشکاۃ" سے نقل کیا ہے اور "مشکاۃ" میں اسے ابن ماجہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔

شیخ البانی "حاشیہ مشکاۃ" (۱/۱۳۸) میں رقمطراز ہیں۔

←

عورت بھی محتلم ہوتی ہے

۵۰ــــ اُمِّ سلمہؓ (حضورؐ کی بیوی) روایت کرتی ہیں۔ کہ (ایک عورت) اُمِّ سلیمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا۔ اے خدا کے رسُولؐ! یقیناً اللہ حق سے نہیں شرماتا۔ (میں بھی آپ سے حقیقت مسئلہ پوچھتی ہُوں) کیا عورت پر غسل ہے۔ جب کہ اس کو احتلام ہو؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں (لیکن) جب پانی دیکھے (یعنی منی کا نشان) اس پر اُمِّ سلمہؓ نے (شرم سے) مُنہ ڈھانک لیا۔ اور عرض کیا۔ اے خدا کے رسُول! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں (ہوتا ہے) تیرا داہنا ہاتھ خاک آلودہ ہو"

(مسلم)

نوٹ:۔ یہ کلمہ تعجّب کے وقت اہلِ عرب بولتے ہیں۔ تو حضورؐ نے ازراہِ تعجب اُمِّ سلمہؓ کو ہاں سے جواب دیا کہ تجھے اتنا پتہ نہیں۔ کہ مرد کی طرح عورت کی بھی منی ہوتی ہے۔ اور پیدائشِ انسان، مرد، عورت کی ملی جُلی منی سے ہوتی ہے تو سوتے میں اگر مرد کی منی خارج ہونے سے احتلام ہو سکتا ہے۔ تو عورت کی منی بھی نیند میں نکل کر اس کو محتلم بنا سکتی ہے۔ تو مسئلہ یہ ہُوا کہ عورت یا مرد نیند سے اُٹھ کر اگر تری یعنی نشان منی دیکھیں تو ان پر غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اور اگر احتلام کی کیفیت انہیں یاد ہو۔ لیکن نشان نہ پائیں تو غسل فرض نہیں ہوگا اور نہ شک کرنا چاہیئے؛ ہاں اپنی مرضی سے غسل کرنا چاہیں۔ یا غسل کا معمول ہے تو کر سکتے ہیں۔

ملاحظہ، اس شرم اور پردے کے مسئلے کو ہم نے یہاں اس لیئے بیان کیا ہے کہ لوگوں کو اس کی واقفیت ہو جائے۔ کیونکہ بعض بڑے بڑے اہم مسائل پر لوگ لاعلمی کی وجہ سے عمل نہیں کر سکتے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حیاء اور شرم کے مالک تھے، آپ کے متعلق حدیث میں آتا ہے۔

ـــــ اس کتاب کے نسخوں میں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا اضافہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مؤلف رحمہ اللہ کی طرف سے سبقت قلم ہے اس لیئے کہ ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً ہے۔

شیخ نے اس طرح کہا ہے حالانکہ ترمذی میں یہ حدیث ان سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے۔

۵۰ــــ اس حدیث کو مُسلم (۲/۲۲۳-۲۲۴) اسی طرح مالک (۱/۵۱-۵۲) احمد (۶/۲۹۲، ۳۰۲، ۳۰۶) بخاری (۱۳۰، ۲۸۲) "العلم والغسل" نسائی (۱/۱۱۴-۱۱۵) ابن ماجہ (۶۰۰) ابن خزیمہ (۲۳۵) ابوعوانہ (۱/۱۱۴-۱۱۵) ابن حبان (۲/۲۴۰، ۲۴۱) اور بیہقی نے بھی (۱/۱۶۷-۱۶۸) روایت کیا ہے مگر مؤلف کے یہاں مذکورہ سیاق بخاری کا ہے۔

یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ جب کہ مؤلف نے اسے صرف مُسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔

۵۱ — كَانَ اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا ۔ (بخاری مسلم)

" یعنی حضورؐ پردہ نشین باکرہ عورت سے سخت تر حیادار تھے ۔" (متفق علیہ)

حضورؐ انتہائی حیاء کے مالک ہوتے ہوئے عورتوں کو احتلام کا مسئلہ بتاتے ہیں۔ حضورؐ کی بیویوں سے بڑھ کر اور کون عورت حیاء والی ہو سکتی ہے؟ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک پردے کا مسئلہ شرعی صحابہؓ کو بتایا اور صحابہؓ کی مستورات جو شرم وحیاء کا پیکر تھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ کی تمہید سے ایسے مسائل دریافت کر لیتی تھیں، پس اگر ایسے مسائل کی پوچھ گچھ میں یہ حیاء کے مجسمے شرم نہیں کرتے تھے۔ تو ہمیں بھی ان مسائل کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کے اظہار و تبلیغ، اور افہام و تفہیم میں بے جا شرم نہیں کرنی چاہیئے۔

غسلِ جنابت میں مبالغہ درکار ہے

۵۲ — حضرت علیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ ۔

(ابوداؤد۔ دارمی)

---

۵۱ — اس کو بخاری نے "صحیح" (۳۵۶۲) میں "المناقب" اور "الادب المفرد" (۵۹۹) میں بھی مسلم (۱۵/۷۷-۷۸) "الفضائل" ابن ماجہ (۴۱۸۰) "الزہد" ترمذی نے "الشمائل" (۳۴۱) میں، طیالسی (۲/۱۲۰) احمد (۳/۸۸، ۹۱، ۹۲) ابو یعلی (۱۱۵۶) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۹۷۸) میں، ابوالشیخ نے "اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۳۸-۳۹) میں اور بیہقی نے "الآداب" (۱۸۰) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

بزار (۱۹۶۸، ۲۴۵۸) ابو یعلی (۳۱۴۴) اور ابوالشیخ (۳۹) نے اس حدیث کو انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

بزار نے کہا کہ مشہور حدیث، ابوسعید رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث ہے۔

ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۲/۲۵۱) میں اس کو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مگر محفوظ حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ ہی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۶/۵۷۰) میں کہا ہے۔

۵۲ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۲۴۹) دارمی (۱/۱۹۲) ابن ماجہ (۵۹۹) ابن ابی شیبہ (۱/۱۰۰) احمد (۱/۹۴، ۱۰۱) طیالسی (۱/۶۱) ←

"جس نے غسل جنابت سے بال برابر جگہ دھوئے بغیر چھوڑ دی، (یعنی بال برابر جگہ بھی خشک رہ گئی) تو اس کو ایسا اور ایسا عذاب کیا جائے گا۔" (ابوداؤد۔ دارمی)

انتباہ

حضورؐ کے کذا وکذا یعنی ایسا اور ایسا عذاب فرمانے سے کنایہ ہے بہت عذاب سے۔ اس لیے جنبی کو چاہیئے کہ وہ غسل کرنے میں مبالغے یعنی بہت کوشش سے کام لے۔ اور بدن کو خوب مل کر نہائے کہ ذرہ برابر جگہ خشک نہ رہے۔ ایک اور حدیث میں سیدنا ابوہریرہؓ کی روایت سے حضور انور فرماتے ہیں۔

ــــــ ابن عدی (۵/ ۲۰۰۲) بیہقی (۱/ ۱۷۵) ابن جریر نے "تہذیب الآثار" (مسند علی رضی اللہ عنہ ص ۲۷۶) میں اور ابونعیم نے "حلیۃ الأولیاء" (۴/ ۲۰۰) میں روایت کیا ہے۔

سند: حماد بن سلمۃ عن عطاء بن السائب عن زاذان عن علی رضی اللہ عنہ۔

یہ سند صحیح ہے۔ عطاء بن السائب کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا۔ مگر جمہور محدثین کے نزدیک حماد بن سلمہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عطاء سے ان کے اختلاط سے قبل احادیث روایت کی ہیں۔

جن محدثین نے یہ صراحت کی ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ابن معین، ابوداؤد، طحاوی اور حمزہ الکتانی۔

ملاحظہ ہو "شرح مقدمہ ابن الصلاح" (۴۴۳۔ ۴۴۴) للعراقی اور "تدریب الراوی" (۲/ ۳۲۴)۔

اسی طرح منذری نے "ترغیب و ترہیب" (۲/ ۲۵۴) باب "الترغیب فی قول" "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" میں ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۲/ ۱۰۸، ۱۰/ ۱۰۰ موسسۃ المعارف) اور ابن حجر نے بھی "تلخیص" (۱/ ۱۴۲) اور "فتح الباری" (۳/ ۴۶۲) کتاب الحج باب "ما ذکر فی الحجر الأسود" میں یہی کہا ہے کہ حماد بن سلمہ کا عطاء سے سماع عطاء کے اختلاط سے قبل کا ہے۔

اور شیخ احمد شاکر نے کہا ہے کہ راجح قول کے مطابق حماد بن سلمہ کا سماع عطاء سے ان کے اختلاط سے پہلے کا ہے۔

یہ بات انہوں نے "مسند احمد" کے حاشیے (۶/ ۲۳/ ۵۱ ۹ ۳) میں کہی ہے۔ جیسا کہ شیخ البانی نے "ارواء الغلیل" (۸/ ۱۲۴، ۳۵/ ۲۴۷۹) میں ذکر کیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ سند صحیح ہے۔ اس کو ابن جریر اور ابن حجر نے بھی صحیح کہا ہے۔

"طبرانی صغیر" (۲/ ۸۱) میں عطاء بن سائب سے اس حدیث کو عبدالعزیز بن ابی رواد نے بھی روایت کیا ہے۔

طبرانی اسے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ اس کو عطاء سے حماد نے روایت کیا ہے۔ ــــــ

—— اس حدیث کی زاذان سے ایک دوسری سند بھی ہے جس کو دارقطنی نے "علل" (۳/ ۲۰۷/ ۳۶۵) میں ذکر کیا ہے اور وہ سند شواہد میں حسن دیکھی ہے۔

نیز اس حدیث کا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف شاہد بھی ہے۔

انہوں (حذیفہ) نے اپنی بیوی سے فرمایا "اپنے بالوں کا پانی سے خلال کرو تاکہ انہیں آگ نہ پہنچے۔

اس اثر کو دارمی (۱/ ۲۶۳) ابن جریر نے "تہذیب الآثار" میں اور "بیہقی" (۱/ ۱۸۰) نے ہمام بن الحارث کے واسطے سے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔

دارمی (۱/ ۲۶۱-۲۶۲) اور ابن جریر نے اس کو ابراہیم نخعی کے واسطے سے بھی حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر سند منقطع ہے۔

تنبیہ: حدیث علی رضی اللہ عنہ کو نووی نے "المجموع" (۲/ ۱۸۴) میں ضعیف کہا ہے۔

اور صنعانی نے "سبل السلام" (۱/ ۱۵۰) میں کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ (حماد بن سلمہ) نے اس حدیث کو عطاء کے اختلاط سے پہلے عطاء سے روایت کیا ہے یا کہ اختلاط کے بعد، لہذا جب اس کی تصحیح اور تضعیف میں اختلاف ہے تو حق یہ ہے جب تک صحیح صورتِ حال سامنے نہ آئے اس حدیث کی تصحیح و تضعیف کے بارے میں توقف سے کام لیا جائے۔

البانی نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک حماد بن سلمہ کا سماع عطاء سے اختلاط کے بعد ہے اور یہ بات انہوں نے "تہذیب التہذیب" (۷/ ۱۸۲) میں مذکور حافظ ابن حجر کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کہی ہے۔ اسی لیے انہوں نے حافظ صاحب کی "تلخیص" میں اس حدیث کی تصحیح کو رد کیا ہے اور صنعانی کے کلام کو سراہا ہے۔

ملاحظہ ہو "الاحادیث الضعیفہ" (۹۳۰) ایضاً "تحقیق المشکاۃ" (۱/ ۱۳۹)۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت میں میں نے بھی نووی، صنعانی اور البانی پر اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف کہا تھا مگر میں مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کے نزدیک حماد بن سلمہ کا سماع عطاء سے ان کے اختلاط سے پہلے ہی ہے۔ بعد میں نہیں، تو میں نے اپنی پہلی رائے تبدیل کر لی۔

کچھ پہلے شیخ احمد شاکر کا یہ قول گزرا ہے کہ راجح قول کے مطابق حماد بن سلمہ کا عطاء سے سماع ان کے اختلاط سے پہلے ہے شیخ البانی نے ان کے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد اس کا یوں تعاقب کیا ہے۔

" میں کہتا ہوں کہ ان (حماد بن سلمہ) کا عطاء سے سماع اختلاط کے بعد بھی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب" میں بیان کیا ہے۔ اس لیے حماد بن سلمہ کی عطاء سے روایت قابلِ احتجاج نہیں اِلا یہ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کا سماع اختلاط سے پہلے ہے حقیقت شیخ احمد رحمہ اللہ پر مخفی رہی ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ جو حماد ——

بن سلمہ، عطاء بن سائب سے روایت کرتے ہیں۔"

"ارواء الغلیل" (۸/۱۳۵) أیضاً "احادیث ضعیفہ" (۲/۲۷۲/۸۸۰)۔

قلت: شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ پر حقیقت مخفی نہیں رہی۔ بلکہ شیخ البانی حفظ اللہ پر مخفی رہی ہے۔

اس حدیث کی بعض دوسری علتیں بھی بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ حدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر موقوفاً مروی ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

" وروی عن حماد بن زید عن عطاء عن زاذان عن علی موقوفًا وکذلك قال الأسود بن عامر عن حماد بن سلمة "۔ " العلل" (۳/۲۰۸)۔

" عطاء سے حماد بن زید کے واسطے سے یہ علی (رضی اللہ عنہ) پر موقوفاً روایت ہوئی ہے۔ اسی طرح حماد بن سلمہ سے اسود بن عامر نے بھی اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر اس کی سند کو صحیح کہنے کے بعد فرماتے ہیں۔

مگر کہا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ علی (رضی اللہ عنہ) پر موقوف ہے۔" تلخیص الحبیر" (۱/۱۴۲)۔

اس علت کے دو جواب ہیں۔

۱۔ حماد بن زید کی روایت کو امام دارقطنی نے بصیغہ تمریض ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی موقوف کو صحیح کہنے والے قول کو بصیغہ تمریض روایت کیا ہے۔

رہا اسود بن عامر کا اس کو حماد بن سلمہ سے موقوفاً روایت کرنا تو یہ کوئی علت نہیں۔ کیونکہ دس راویوں نے اس کو حماد بن سلمہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بلکہ ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ میں اسود بن عامر نے بھی اسے حماد بن سلمہ سے مرفوعاً ہی روایت کیا ہے۔

۲۔ اگر اس حدیث کو موقوفاً ہی صحیح تسلیم کرلیں تب بھی اس کا حکم مرفوع حدیث کا حکم ہوگا۔ کیونکہ اس میں رائے و قیاس کو تو دخل نہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسری **علت** یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ غسل جنابت میں سر پر دو مرتبہ پانی ڈال لینا ہی کافی ہے۔

اس قول کو ابن جریر نے "تہذیب الآثار" میں روایت کیا ہے۔

اس علت کے بھی دو جواب ہیں۔

۱۔ یہ قول مذکورہ حدیث کے منافی نہیں۔ اگر بالفرض منافی بھی ہو تو عمل ان کی روایت پر ہوگا نہ کہ ان کے قول پر۔

۵۳ ۔ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعَرَ وَانْقُوا الْبَشَرَةَ ۔ (ترمذی وابن ماجہ)

ارشاد ہوتا ہے (جنبی کے) ہر بال کے نیچے جنابت ہے (اس لیے) بالوں کو (خوب دھوؤ اور بدن کو (اچھی طرح) پاک کرو۔" (ترمذی ۔ ابن ماجہ)

← ۲۔ اس قول کی سند ضعیف ہے ۔ اس میں حارث ضعیف، ابو اسحاق مدلس اور شریک بہت زیادہ غلطیاں کرنے والے ہیں۔

بقیہ علل کی تفصیل اور ان کا رد بھی "احادیث ضعیفہ" (۹۳۰) میں دیکھیں۔

۵۳ ـــ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۱۰۶) ابن ماجہ (۵۹۷) ابوداؤد (۲۴۸) عقیلی (۲۱۶/۱) ابن عدی (۶۱۲/۲) ابن جریر نے "تہذیب الآثار" (۲۷۸ مسند علی رضی اللہ عنہ) میں سہمی نے "تاریخ جرجان" (۱۰۲) میں ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۳۸۷/۲) میں، بیہقی (۱۷۵/۱، ۱۷۹) ابن الجوزی نے "علل" (۳۷۵/۱) میں اور ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" (۹۴۲/۳) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند حارث بن وجیہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، طبری، شافعی، ابن معین، بخاری، ابوحاتم اور دیگر محدثین نے ضعیف کہا ہے دیکھیں "سنن بیہقی" (۱۷۹/۱) "مجموع نووی" (۱۸۴/۱) "تلخیص ابن حجر" (۱۴۲/۱) اور "علل ابن ابی حاتم" (۲۹/۱)۔

اس حدیث کی سند یہ ہے

"الحارث بن وجيه عن مالك بن دينار عن ابن سيرين عن ابی هريرة۔"

اور یہ سند حارث کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔

اس حدیث کے ضعیف ہونے پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ مالک بن دینار نے اس کو حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے، جیساکہ دارقطنی نے "علل" میں کہا ہے۔ دیکھیں "تلخیص" (۱۴۲/۱)۔

حسن بصری سے اس حدیث کو یونس بن عبید اور قتادہ نے بھی روایت کیا ہے۔

یونس سے سفیان ثوری اور ہشیم نے اس کو مرسلاً اور اسماعیل بن علیہ نے اسے حسن بصری کا اپنا قول بتایا ہے۔

اور قتادہ نے اس کو حسن بصری سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے۔ دیکھیں "مصنف عبدالرزاق" (۲۶۲/۱) "مصنف ابن ابی شیبہ (۹۵/۱ ۔ دارالتاج) اور "تلخیص الجبیر" (۱۴۲/۱)۔

امام بیہقی حدیث ابوہریرہؓ کو روایت کرنے اور اس کے راوی حارث کے سلسلے میں کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "یہ تو حسن سے مرسلاً اور ان سے ابوہریرہ کا قول مروی ہوا ہے۔ ←

۔ اس حدیث کے پہلے ٹکڑے " تحت کل شعرة جنابة " کے بعض شواہد بھی ہیں۔ شاید ان سے اس کو تقویت پہنچے۔

ان شواہد میں ابو ایوب انصاری، عائشہ اور انس رضی اللہ عنہم کی مرفوع احادیث، ابوالدرداء اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کے آثار ہیں۔

۱۔ حدیث ابوایوب کو ابن ماجہ (۵۹۸)، مروزی نے " الصلاۃ " (۱/۴۸۰) میں ابن جریر نے " تہذیب الآثار " (۲۸۰ مسند علی رضی اللہ عنہ) میں طبرانی نے " معجم کبیر " (۴/۱۵۵) میں اور بیہقی نے " شعب الایمان " (۶/۴۹) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند کو حافظ ابن حجر نے " تلخیص " میں ضعیف اور طبری نے واہی (سخت ضعیف) کہا ہے۔

۲۔ حدیث عائشہ کو احمد (۶/۱۱۰-۱۱۱، ۲۵۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند بھی ضعیف ہے بلکہ سخت ضعیف ہے۔ اس میں شریک کثیر الغلط، خصیف سیئ الحفظ اور ایک مجہول راوی ہے۔

۳۔ حدیث انس کو ابن جریر نے " تہذیب الآثار " اور سمرقندی نے " تنبیہ الغافلین " (۶۷) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند ابو محمد الثقفی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ ابن جریر نے بھی اس کو سخت ضعیف کہا ہے۔

ثقفی کے بارے میں حدیث (۱۴) کا تیسرا طریق دیکھیں۔

۴۔ ابوالدرداء کے اثر کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند سعید بن بشیر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۵۔ حذیفہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ (۱/۹۶ - دار التاج) اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ابوالبختری کی حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔

اس حدیث کے آخری ٹکڑے " فاغسلوا الشعر وانقوا البشرة " کے بھی بعض شواہد ہیں۔

ان شواہد میں عائشہ اور انس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیثیں اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہے۔

۱۔ حدیث عائشہ کو ابن المنذر نے " الأوسط " (۲/۱۲۷) میں اور ابونعیم نے " أخبار أصبهان " (۱/۲۱۱) میں روایت کیا ہے

اس کی سند حارث بن شبل کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس میں ام النعمان الکندیہ بھی ہے، جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

۲۔ حدیث انس، اس کی دو سندیں ہیں۔ ایک ضعیف ہے اور دوسری سخت ضعیف۔ تفصیل کے لیے حدیث (۱۴) کا پہلا اور دوسرا طریق دیکھیں۔

۳۔ ابوالدرداء کی موقوف روایت کو عبدالرزاق (۱/۲۶۲) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حدیث ابوہریرہ کو اگر ان شواہد کی بنا پر حسن یا قوی مان بھی لیا جائے۔ تب بھی اس سے بدن کو ملنا ثابت نہیں ہوتا۔

دیکھیں " معلی " (۲/۳۲)۔

جنبی عورت کے بالوں کا مسئلہ

۵۴۔ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ امْرَاَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَاْسِيْ اَفَاَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا يَكْفِيْكِ اَنْ تَحْثِيْ عَلٰى رَاْسِكِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ (مسلم)

"اُمّ سلمہؓ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! میں عورت ہوں۔ کہ اپنے سر کے بال خوب گوندھتی ہوں۔ کیا میں انہیں غسل جنابت کے وقت کھول لیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ (ان کا کھولنا تجھے لازم) نہیں۔ تیرے لیے یہی کافی ہے کہ تین لپیں پانی تو اپنے سر پر ڈال لے (اور) پھر اپنے (سارے بدن کے) اوپر پانی بہادے۔ پس تو پاک ہو جائے گی۔ (مسلم)

ملاحظہ: یہ حکم صرف عورتوں کے سر کے بالوں سے متعلق ہے۔ مرد ایسا نہیں کر سکتے۔

۵۴۔ مسلم (۴/۱۱) اسے ابوداؤد (۲۵۱) ترمذی (۱۰۵) نسائی (۱/۱۳۱) ابن ماجہ (۶۰۳) عبدالرزاق (۱/۲۷۲) ابن ابی شیبہ (۱/۷۳) ابن الجارود (۹۸) ابوعوانہ (۱/۳۰۱) ابن خزیمہ (۲۴۶) ابن حبان (۳/۴۷۰) ابن المنذر (۲/۱۳۲) طبرانی نے "کبیر" (۲۳/۲۹۶) اور "اوسط" (۱۸۴۲) میں دارقطنی (۱/۱۱۴) بیہقی (۱/۱۸۱) احمد (۶/۳۱۴ - ۳۱۵) ابویعلیٰ (۶۹۵۷) حمیدی (۲۹۴) ابن حزم (۲/۳۰) اور البغوی (۲۵۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

تنبیہ: صحیح مسلم، محلی (۲/۳۸) اور "بیہقی" کی ایک روایت میں "للحيضة" (یعنی غسل جنابت اور غسل حیض کے لیے بال کھولوں) کا بھی اضافہ ہے۔ مگر اس حدیث میں یہ اضافہ شاذ ہے۔

اس کے شاذ ہونے کی طرف امام مسلم اور ابوعوانہ نے اشارہ کیا ہے۔ جبکہ ابن القیم نے اس کے شاذ اور غیر محفوظ ہونے کی صراحت کی ہے۔ تفصیل "تہذیب السنن" (۱/۱۶۷ - ۱۶۸) میں دیکھیں۔

صحیح ابوعوانہ، صحیح ابن خزیمہ میں عبید بن عمیر سے روایت ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر ملی کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص عورتوں کو غسل جنابت کے لیے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں، آپ فرمانے لگیں تعجب ہے ابن عمرو پر اس نے عورتوں کو تو تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ وہ انہیں اپنے سروں کو منڈوا دینے کا حکم کیوں نہیں دے دیتا۔ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے اور میں اپنے سر پر تین چلو سے زیادہ پانی نہ ڈالتی (السیاق لابن خزیمہ)۔

یہ روایت مسلم، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ وغیرہ کے ہاں بھی ہے۔ مگر ان کے ہاں مطلق غسل کا ذکر ہے غسل جنابت کی صراحت نہیں۔

۵۵ ۔ حضرت علی رضؓ سر کے بالوں کی جڑوں کے خشک رہ جانے کے خوف سے فرماتے ہیں۔ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاسِيْ ۔ (دارمی) میں نے اس کے سبب اپنے سر (کے بالوں) سے دشمنی کر لی ۔"
یعنی آپ ہمیشہ بالوں کو منڈا ڈالتے تھے کہ غسل جنابت میں کوئی جڑ بال کی خشک نہ رہ جائے۔ لیکن وہ عورتیں جو اپنے سر کے بالوں کو مضبوط گوندھ کر رکھتی ہیں۔ انہیں غسل جنابت میں یہ اجازت ہے۔ کہ اگر وہ سر کے بال نہ کھولنا چاہیں تو نہ کھولیں۔ اور تین لپیں پانی سر میں ڈال کر غسل باقی بدن کا پورا کر لیں۔ اور جو بالوں کو گوندھتی نہیں ہیں۔ جیساکہ آج کل رواج ہے۔ انہیں بالوں کو منتشر کر کے خوب اچھی طرح سر دھونا چاہیئے۔

ــــ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی معلوم ہوا کہ غسل جنابت کے لیے عورتوں کو بال کھولنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ حکم صرف غسل جنابت کا ہے۔ غسل حیض کے لیے بالوں کو کھولنا ہوگا۔ کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں غسل حیض کے لیے فرمایا" انقضی شعرك واغتسلی" اپنے بالوں کو کھولو اور غسل کرو۔ اس کو ابن ماجہ (۱۱/۶۴) ابن ابی شیبہ (۱/۷۹) اور ابن حزم (۲/۳۸) نے بسند صحیح روایت کیا۔ یہ اصل حدیث یا قصہ بخاری (۲۱۶ - ۲۱۷) "حیض" اور مسلم (۸/۱۳۸ - ۱۳۹) "حج" میں بھی ہے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل حیض کے لیے نقض شعر ضروری ہے۔ طاؤس، حسن بصری، احمد بن حنبل اور ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے کہ غسل حیض کے لیے بالوں کا کھولنا ضروری ہے۔
ابن قیم رحؒ نے اسی مذہب کو صحیح قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے "تہذیب السنن" (۱/۱۶۵ - ۱۶۸) دیکھیں۔
غسل جنابت اور غسل حیض میں اس تفریق کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ غسل جنابت بکثرت کرنا ہوتا ہے بخلاف غسل حیض کے، اور ہر مرتبہ بالوں کو کھولنا باعث مشقت ہے۔ ملاحظہ ہو "عارضۃ الاحوذی" (۱/۱۶۰) اور "مغنی" (۱/۲۲۷)

۵۵ــ یہ حدیث (۵۲) میں گزر چکی ہے۔
حدیث ام سلمہ میں گزر چکا ہے کہ غسل جنابت کے لیے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ سر پر تین مرتبہ پانی ڈال لینا ہی کافی ہے۔ اس حدیث میں جو حکم ہے۔ وہ مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے۔
ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ عورت کے سوال سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہو۔ دیکھیے نیل الأوطار (۱/۲۴۸)۔
علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کو غسل کی جو تعلیم دی ہے۔ اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اور کوئی ایسی صحیح دلیل نہیں ہے۔ جس سے دونوں کے درمیان تفریق ثابت ہو۔
اسی طرح مؤلف نے حدیث (۵۲) میں کہا ہے کہ جنبی کو چاہیئے کہ وہ غسل کرنے میں مبالغے یعنی بہت ←

جگہ خشک رہ جانے کا مسئلہ

۵۶۔ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے غسلِ جنابت کے بعد نمازِ فجر پڑھی پھر میں نے دیکھا۔ کہ ناخن برابر جگہ پر پانی نہیں پہنچا۔ (یعنی خشک رہ گئی ہے) حضورؐ نے فرمایا اگر تم گیلا ہاتھ اس پر پھیر دیتے تو تمہارے لیے کافی ہوتا" (ابن ماجہ)

معلوم ہوا کہ غسل کرتے وقت اگر جنبی کی کوئی جگہ خشک رہ جائے۔ اور نماز پڑھنے سے پہلے اس پر تر ہاتھ پھیر دے تو کافی ہے۔

۔۔۔۔ کوشش سے کام لے اور بدن کو خوب مل کر نہائے کہ وہ ذرہ برابر جگہ خشک نہ رہے۔ جہاں تک جگہ خشک نہ رہ جانے کا مسئلہ ہے تو یہ بجا ہے کہ جسم کا کوئی حصہ خشک نہیں رہنا چاہیئے اور یہ بدن کو ملے بغیر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ رہا غسلِ جنابت کرتے وقت جسم کو مل مل کر نہانا تو یہ ضروری نہیں ہے۔ سفیان ثوری، اوزاعی، ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل اور داؤد علیہم الرحمہ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک دلک (ملنا) ضروری ہے۔ مگر احادیث صحیحہ کی رُو سے جمہور کا مذہب ہی راجح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ غسل کے بارے میں جتنی روایات ہیں۔ کسی ایک روایت میں بھی دلک کا ذکر نہیں ہے۔ ان روایات میں ایک حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہے جو (۷۱) میں آ رہی ہے۔

مسئلہ کی تفصیل کے لیے محلی ابن حزم (۲/۳۰ مسئلہ رقم ۱۸۹) اور مغنی ابن قدامہ (۱/۲۱۹) ملاحظہ ہو۔

۵۶۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابنِ ماجہ (۶۶۴) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۰/۳۰۵-۳۰۶) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند محمد بن عبیداللہ عزرمی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ جنابت کیا بعد میں دیکھا کہ کچھ جگہ خشک تھی تو آپ نے اپنے بالوں سے پانی نچوڑ کر اسے تر کر لیا۔

یہ حدیث ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے موصولاً اور علاء بن زیاد سے مرسلاً مروی ہے۔

۱۔ حدیث ابنِ عباس کو ابن ماجہ (۶۶۳)، ابن ابی شیبہ (۱/۴۶۔ دار التاج) اور عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۵۷۰) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ابو علی الرحبی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

۲۔ حدیثِ عائشہ کو دارقطنی (۱/۱۱۲) نے روایت کیا ہے۔ اس کی بھی سند عطاء بن عجلان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

۳۔ علاء بن زیاد کی مرسل کو عبدالرزاق (۱/۲۶۵) اور ابن ابی شیبہ (۱/۴۵) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ←

جنبی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۵۷ ـــ "اِنِّی لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّ لَا جُنُبٍ۔" (بلوغ المرام)

"میں (خدا کے حکم سے) حائضہ عورت اور جنبی کا مسجد میں آنا حلال نہیں کرتا ہوں۔"

ـــ صحیح ہے۔ مگر یہ مرسل روایت ہے اور یہ محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث ابن جریج سے بھی مروی ہے۔ مگر اس کی سند معضل ہے۔ کیونکہ ابن جریج اتباع تابعین سے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک آدمی غسل جنابت کرتا ہے اور اس کے جسم کا کچھ حصہ خشک رہ جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ خشک جگہ کو دھوئے اور نماز ادا کرلے۔

اس حدیث کو طبرانی (۱۰/۲۸۴) اور بیہقی (۱/۱۸۴) نے جابر بن سبلان کی سند سے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند جابر کی وجہ سے ثبوت کے درجے کو تو نہیں پہنچتی۔ مگر یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ ایسی صورت میں خشک جگہ کا دھو لینا یا تر کرلینا ہی کافی ہے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں۔

اگر جگہ خشک رہنے کی صورت میں نماز ادا کرلی تو یہ نماز غسل درست کرکے لوٹانا ہوگی۔

رہی حدیث انس رضی اللہ عنہ جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز فجر ادا کی۔ آپ نے غسل جنابت کیا تھا مگر ایک درہم کے برابر جگہ خشک رہ گئی تھی۔ آپ کو جب تبلایا گیا تو آپ نے اپنے بالوں سے اس جگہ کو تر کرلیا اور نماز نہ لوٹائی تو یہ حدیث ضعیف ہے اس کو دارقطنی (۱/۱۱۲) نے روایت کیا ہے اس کی سند میں متوکل بن فضیل اور اس کا شیخ ابوظلال دونوں ضعیف ہیں۔

۵۷ ـــ ضعیف حدیث ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۲۳۲) ابن خزیمہ (۱۳۲۷) بیہقی (۲/۴۴۲) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۲/۶۷) میں اور دولابی نے "الکنیٰ" (۱/۱۵۰-۱۵۱) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنی والی جسرہ ہیں۔ ان کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ اس کے پاس عجائب ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسرے سیاق سے حدیث ذکر کرکے ←

فرماتے ہیں " وھذا أصح " یہ پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

اور عمر بن عمیر (جس کی کنیت ابوالخطاب ہے) کے ترجمے میں کہا ہے

" ولا یصح ھذا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم " " تاریخ کبیر " (۶/ ۱۸۳-۱۸۴)۔

یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں ہے۔"

امام احمد بن حنبل، ابن المنذر (ملاحظہ ہو " الأوسط " لابن المنذر ۲/ ۱۱۰) اور اہل ظاہر کی ایک جماعت نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ بلکہ ابن حزم نے تو اس کو باطل کہا ہے ملاحظہ ہو محلی" (۲/ ۱۸۵)۔

بیہقی نے بھی اس کی عدم صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور عبدالحق اشبیلی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ نووی نے " المجموع " (۲/ ۱۶۰) میں نقل کیا ہے اور نووی کا اپنا رجحان بھی اس حدیث کی تضعیف کی طرف ہے۔

تنبیہ : ابن المنذر اور ابن حزم وغیرہ نے اس حدیث کو جسرہ سے روایت کرنے والے راوی افلت کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو " معالم السنن " (۱/ ۷۷-۷۸) اور " شرح السنۃ " (۲/ ۴۶)۔

مگر اس کی علت افلت نہیں بلکہ جسرہ ہے۔

ابن خزیمہ، ابن القطان، ابن سید الناس اور شوکانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو " نیل الأوطار " (۱/ ۲۲۹)۔

البانی نے " ارواء الغلیل " (۱/ ۲۱۰/ ۱۹۳) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ " ضعیف سنن ابی داؤد " (۳۲) میں ہم نے اس کو صحیح کہنے والوں کا رد کیا ہے۔

اس حدیث کے ضعیف ہونے پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ اس کی سند میں بھی اختلاف ہے۔

افلت نے اس کو جسرۃ کے واسطہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ جب کہ محدوج الذہلی اور اسماعیل بن امیہ نے اس کو جسرۃ کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی بجائے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

محدوج کی سند سے اس کو ابن ماجہ (۶۴۵) ابن ابی حاتم نے " علل الحدیث " (۱/ ۹۹) میں اور ابونعیم نے " اخبار أصبہان " (۱/ ۲۹۱) میں اور بیہقی (۷/ ۶۵) نے روایت کیا ہے۔

یہ سند ضعیف ہے۔ کیونکہ محدوج مجہول ہے۔ جیسا کہ " تقریب " میں ہے۔

محدوج سے اس حدیث کو ابوالخطاب الھجری نے روایت کیا ہے اور یہ بھی مجہول ہے۔ جیسا کہ ابن حزم نے " محلی " (۲/ ۱۸۶) میں اور ابن حجر نے " تقریب " میں کہا ہے۔

اسماعیل بن أمیہ والی سند سے اس کو " بیہقی " نے روایت کیا ہے اور یہ سند بھی ضعیف ہے۔

ابوزرعہ نے کہا ہے کہ بعض راوی اس کو جسرۃ کے واسطے سے ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں

---اور صحیح یہ ہے یہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے ہے "علل الحدیث" لابن ابی حاتم (۱/ ۹۹)۔

اسی معنی کی حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور مطلب بن عبداللہ سے بھی مروی ہے۔

حدیث ابوسعید کو ترمذی (۲،۲۷/ ۲) "المناقب" باب (۲۱) بیہقی (۷/ ۶۶) اور ابن الجوزی نے "الموضوعات" (۱/ ۳۶۷-۳۶۸) میں روایت کیا ہے۔

مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اس کو بیہقی، ابن الجوزی، نووی نے "المجموع" (۲/ ۲۶۱، ۲۶۲) میں ابن کثیر نے "تفسیر" (۱/ ۵۱۳) میں اور البانی نے "ضعیف الجامع" (۶۴۱۹) میں ضعیف کہا ہے۔

امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ مگر انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بخاری نے مجھ سے یہ حدیث سُنی تو انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔

حدیث مطلب بن عبداللہ کو ابن حزم نے ذکر کیا ہے اور یہ انتہائی ضعیف ہے۔ ایک تو یہ مرسل ہے۔ نیز اس کی سند میں محمد بن حسن بن زبالہ ہے جسے محدثین نے کذاب کہا ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

مسئلہ: جنبی مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں، اس مسئلے میں علماء کے پانچ أقوال ہیں۔

پہلا قول: مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔

صحابہ میں سے یہ قول علی رضی اللہ عنہ کا ہے اور ایک روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

تابعین میں سے قتادہ، حسن بن مسلم اور ایک روایت میں سعید بن جبیر اور مجاہد اور آئمہ میں سے مزنی، اہل ظاہر کی ایک جماعت اور ابن المنذر بھی اسی طرف ہی گئے ہیں۔

دیکھیں "أوسط ابن المنذر" (۲/ ۱۰۷ - ۱۰۸)، "معالم السنن" (۱/ ۷۷)، "محلی ابن حزم" (۲/ ۱۸۴، ۱۸۷) "بدایۃ المجتہد" (۱/ ۴۸) اور "مجموع نووی" (۲/ ۱۶۰) وغیرہ۔

دوسرا قول: جنبی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ قول مالک اور ان کے اصحاب کا ہے۔ ملاحظہ ہو "محلی" اور "بدایۃ المجتہد"

جبکہ ابن المنذر نے مالک سے ایک دوسرا قول بھی نقل کیا ہے۔ جس کی تفصیل تیسرے قول میں آرہی ہے۔

تیسرا قول: مسجد سے گزرنے کی خاطر اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

یہ گزرنا بطورِ ضرورت ہو یا بلا ضرورت، مگر بیٹھنے وغیرہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔

صحابہ میں سے یہ قول ابن مسعود، انس رضی اللہ عنہما تابعین میں سے سعید بن مسیب، حسن بصری، زہری، عکرمہ، ابو عبیدۃ اور عمرو بن دینار وغیرہ کا ہے۔ ←

ــــــــ ہ ایک روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہا، مجاہد اور سعید بن جبیر۔ اسی طرح امام شافعی اور شافعیہ کا بھی یہی قول ہے۔
غرضیکہ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ ابن منذر نے مالک کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

چوتھا قول: بلا ضرورت مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ مگر، بوقتِ ضرورت تیمم کرکے داخل ہوسکتا ہے۔

یہ احناف کا مذہب ہے۔ سفیان ثوری اور اسحاق بن رہویہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو "بدائع الصنائع" (۱/ ۳۸)۔
أوسط ابن المنذر" (۲/ ۱۰۷) اور مغنی ابن قدامہ" (۱/ ۱۴۵)۔

پانچواں قول: بلا وضوء داخل ہونا ناجائز اور وضوء کرکے داخل ہونا جائز ہے۔ یہ حنابلہ کا مذہب ہے "مغنی ابن قدامہ" (۱/ ۱۴۶)۔

دلائل: پہلے قول کے قائلین کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث "ان المومن لا ینجس ....." مؤمن ناپاک نہیں ہوتا۔

۲۔ أصحاب صفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں سویا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض وہ بھی تھے جنہیں احتلام ہوتا اس کے باوجود ان کو مسجد میں سونے سے منع نہیں کیا گیا۔

۳۔ مشرک کا مسجد میں داخل ہونا اور ٹھہرنا جائز ہے۔ لہٰذا مسلم جنبی کا اس میں داخل ہونا بالاولی جائز ہوگا۔

ملاحظہ ہو "اوسط ابن المنذر" (۲/ ۱۰۹-۱۱۰) اور محلی ابن حزم" (۲/ ۱۸۴)۔

۴۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس مذہب کی طرف سے بہترین دلیل یہ دی جاسکتی ہے کہ درحقیقت عدم تحریم ہے۔ جنہوں نے داخل ہونے کو حرام کہا ہے۔ ان کے پاس کوئی صحیح صریح دلیل نہیں ہے" المجموع" (۲/ ۱۶۰)۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا انہوں نے جواب یہ دیا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور قرآن مجید کی جس آیت سے جمہور علماء نے حجت لی ہے اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ یہاں (الا عابری سبیل) سے مراد مسافر ہے۔

دوسرے اور چوتھے قول کی دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ جیسا کہ تفصیلاً ذکر ہوا۔

دوسرے قول کے قائلین نے قرآن مجید کی اس آیت سے بھی دلیل لی ہے۔

(یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُکَارَیٰ حَتَّیٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِیلٍ ...) النساء (۴۳)۔

وجہ الاستدلال: کہتے ہیں کہ اس آیت میں (ولا جنبا الا عابری سبیل) سے مراد یہ ہے کہ جنبی مسجد میں داخل نہ ہو مگر اس میں سے گزر سکتا ہے۔

(وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِیلٍ) کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں۔

۱۔ اس کی ایک تفسیر تو وہی کی گئی ہے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے اور یہ تفسیر جمہور علماء کی ہے۔ ←

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے یہ تفسیر ابن مسعودؓ اور انس رضی اللہ عنہما سے ۔ تابعین میں سے ابو عبیدہ، سعید بن مسیب، عکرمہ، زہری، عمرو بن دینار اور حسن بصری وغیرہ سے اور ائمہ میں سے امام شافعی سے مروی ہے۔

ابن جریر، ابن کثیر اور شوکانی وغیرہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے ملاحظہ ہو "تفسیر طبری" (۴/ ۹۷۔ ۱۰۰) "تفسیر ابن کثیر" (۱/ ۵۱۲) "فتح القدیر" (۱/ ۴۲۲۔ ۴۲۳) اور "نیل الأوطار" (۱/ ۲۲۸)۔

۲۔ اس آیت میں (إلا عابری سبیل) سے مراد مسافر ہے۔ اس میں جنبی کو مسجد سے گزرنے کی اجازت مذکور نہیں ہے۔

یہ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے علی رضی اللہ عنہ اور غیر صحابہ میں سے حسن بن مسلم، ابن زید، مقاتل اور زجاج وغیرہ سے مروی ہے۔

دیکھیں "تفسیر طبری" اور "زاد المسیر" لابن الجوزی" (۲/ ۹۰۔ ۹۱) وغیرہ۔

اسی تفسیر کو ابن العربی نے "احکام القرآن" (۱/ ۴۳۸) میں اختیار کیا ہے۔

احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ "بدائع الصنائع" (۱/ ۳۸)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے دونوں قسم کی روایتیں ہیں۔

ابن عباس کی جس روایت میں (الا عابری سبیل) کا معنی مسافر ذکر ہوا ہے۔ اس کو دارمی (۱/ ۲۶۵) ابن جریر (۴/ ۹۷) اور ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/ ۱۰۸) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں اگر بعض راویوں کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو صحیح ہو اور ان کی جس روایت میں "الصّلاۃ" سے مراد مسجد کا ذکر ہوا ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند نہشل بن سعید کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے اور ضحاک بن مزاحم کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عدم سماع کی بنا پر منقطع بھی ہے۔

ابن ابی حاتم نے۔ جیسا کہ "تفسیر ابن کثیر" میں ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی (۲/ ۴۴۳) نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔

سعید بن جبیر کی جس روایت میں (إلا عابری سبیل) کی تفسیر مسافر ذکر ہوئی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اور یہ روایت سعید سے سالم الأفطس نے اور سالم سے سفیان ثوری نے بیان کی ہے۔

جب کہ ثوری کی شریک نے مخالفت کی ہے اور انہوں نے مسافر کی بجائے مسجد کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ روایت شریک کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

ان دونوں روایتوں کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیر کی طرح مجاہد سے بھی دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔

پانچویں قول کی دلیل عطاء بن یسار کا یہ قول ہے۔

"رأیت رجالا من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجلسون فی المسجد وھم مجنبون إذا توضؤوا وضوء الصلاۃ۔"

میں نے کچھ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو دیکھا کہ بحالتِ جنابت وضوء کر لینے کے بعد مسجد میں بیٹھا کرتے۔"

اس اثر کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ "نیل الأوطار" (۱/۲۲۹-۲۳۰) میں ہے اور اس کی سند کو حسن درجے کی سند کہا جا سکتا ہے۔

راجح: دلائل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قوی مذہب انہی لوگوں کا ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ جنبی مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس کی ممانعت پر کوئی صحیح وصریح دلیل نہیں ہے۔

بلکہ اس کے جواز پر حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا دلالت کرتی ہے۔ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "ناولینی الخمرۃ من المسجد" "مجھے مسجد سے جائے نماز پکڑاؤ"۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو حائضہ ہوں آپ نے فرمایا "إن حیضتك لیست فی یدك" تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں۔

اس کو مسلم (۳/۲۰۹) ابوداؤد (۲۶۱) ترمذی (۱۳۴) نسائی (۱/۴۶، ۱۴۶، ۱۹۱) "الطہارۃ والحیض" اور ابن ماجہ (۶۳۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے بعض علماء نے بوقت ضرورت حائضہ کے مسجد میں دخول پر دلیل لی ہے۔ ملاحظہ ہو "نیل الاوطار" (۱/۲۲۷)۔

جب حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز ہوا تو جنبی کے لیے یہ بالاولی جائز ہوگا۔

مگر اس حدیث سے حائضہ کے مسجد میں دخول پر دلیل لینا محل نظر ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے دو معنے بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسجد میں جائے نماز پکڑانے کو فرمایا تھا۔

اس معنے کے مطابق جواز دخول پر اس حدیث سے دلیل بنتی ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ نے انہیں اپنے حجرے سے جائے نماز پکڑانے کو کہا تھا۔

اور یہی معنی درست ہے۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور یہ حدیث مسلم اور نسائی میں ہے۔

جن علماء نے جنبی کے داخلے کو مسجد میں ممنوع قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجت لی ہے جو کہ اس کتاب کے متن میں مذکور ہے اور بعض نے مذکورہ آیت سے دلیل لی ہے۔

حدیث سے دلیل لینا اس لیے درست نہیں کہ وہ ضعیف ہے اور جہاں تک اس آیت سے حجت لینے کا تعلق ہے تو یہ استدلال صریح نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے ظاہری سیاق کے مطابق ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ کا معنی یہ ہے کہ جب تم بحالت جنابت ہو تو غسل کیے بغیر نماز ادا نہ کرو۔

ابن جریر (۴/۹۷) ابن المنذر (۲/۱۰۸) اور بیہقی (۱/۲۱۶) وغیرہ نے علی رضی اللہ سے روایت کی ہے۔ ←

←― فرماتے ہیں کہ یہ آیت (ولا جنبا إلا عابری سبیل حتّٰی تغتسلُوا) مسافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ جب جنبی ہو جائے تو اسے پانی میسر نہ آئے تو وہ تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ یہاں تک کہ اسے پانی مل جائے۔ جب اسے پانی مل جائے تو غسل کرے" اور اس روایت کی سند صحیح ہے۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو دو مختلف روایتیں مروی ہیں۔ ان میں سے اسنادی اعتبار سے زیادہ قوی وہی روایت ہے۔ جس میں (الا عابری سبیل) کی تفسیر مسافر سے کی گئی ہے۔

رہی عبداللہ بن مسعود اور انس رضی اللہ عنہما کی روایات جن میں (إلا عابری سبیل) کی تفسیر مسجد میں سے گزرنے والے سے کی گئی ہے تو یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔

ابن مسعود کی روایت کو عبدالرزاق (۱/۴۱۲) ابن جریر (۴/۹۸) اور بیہقی (۲/۴۴۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ابُو عبیدہ کا اپنے باپ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو دارمی (۱/ ۲۶۵) اور "بیہقی" نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن بن ابی جعفر اور سلم بن قیس علوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس آیت کے شانِ نزُول کے بارے میں یزید بن ابی حبیب والی جو روایت ہے۔ جس میں ہے کہ کچھ انصاریوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھُلتے تھے اور انہیں غسل جنابت کے لیے پانی لانے کی خاطر مسجد میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس لیے اللہ عزّو جل نے یہ آیت نازل فرمائی تو یہ روایت مُرسل ہے۔ کیونکہ یزید بن ابی حبیب تابعی ہیں۔ نیز اس کی سند میں کاتب لیث بن سعد (عبداللہ بن صالح) کی وجہ سے ضعف بھی پایا جاتا ہے۔

خوفِ طوالت کی وجہ سے اس آیت کی مزید تفصیل میں جانے سے گریز کیا جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مانعین کے پاس کوئی صحیح صریح دلیل نہیں ہے۔ بلکہ دارمی (۱/ ۲۶۵) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جنبی ہونے کی حالت میں مسجد میں چلتے پھرتے تھے۔ اس میں ہم کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے۔

مگر اس اثر کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعف پایا جاتا ہے۔ بلکہ نووی نے "المجموع" (۲/ ۱۶۲) میں اس سند کو ضعیف کہا ہے۔ نیز ہشیم بن بشیر نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے اس اثر کو یوں روایت کیا ہے "ہم میں سے بعض جنبی ہونے کی حالت میں مسجد میں سے گزرتے تھے۔"

اس سیاق سے اس اثر کو ابن المنذر (۲/۱۰۶) اور بیہقی (۲/ ۴۴۳) نے روایت کیا ہے۔ ہشیم مدلس ہیں۔ مگر انہوں نے "بیہقی" میں "سماع" کی صراحت کی ہے۔

اگر کوئی بطور احتیاط جمہور کے مذہب کو اختیار کرے تو دوسری بات ہے ورنہ جمہور کے پاس کوئی صحیح صریح دلیل ―→

جنبی کو قرآن پڑھنے کی ممانعت

۵۸ ـ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ مَالَمْ یَكُنْ جُنُبًا۔ (بلوغ المرام)

"حضرت علیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا جب تک غسل کی حاجت والے نہ ہوتے ہمیں قرآن پڑھاتے تھے۔

اس لیے معلوم ہوا کہ جنبی کو بحالت جنابت قرآن کی تلاوت نہ کرنی چاہیئے۔ہاں قرآن سن سکتا ہے۔

→ نہیں ہے۔

جن علماء کے نزدیک جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ان کے نزدیک حیض اور نفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہوگا۔ دیکھیں "تفسیر ابن کثیر" (۱/۵۱۳)۔

حائضہ کے مسجد میں عدمِ دخول پر بخاری اور مسلم وغیرہ میں موجود اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی دلیل لی گئی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ایامِ حج میں میں حائضہ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "افعلی ما یفعل الحاج غیر أن لا تطوفی بالبیت"

"طواف کے علاوہ ہر وہ کام کر جو حاجی کرتا ہے"

مگر اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ طواف کرنے کی ممانعت اس لیے تھی کہ طواف نماز کے قائم مقام ہے۔ اور حائضہ کو نماز کی ممانعت ہے۔

۵۸ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابو داؤد (۲۲۹) ترمذی (۱۴۶) نسائی (۱/۱۴۴) ابن ماجہ (۵۹۴) طیالسی (۱/۵۹) حمیدی (۵۷) ابنِ ابی شیبہ (۱/۹۷،۹۹ - دار التاج) احمد (۱/۸۳، ۸۴، ۱۲۴، ۱۳۴) بزار (۷۰۶-۷۰۸) مسند ابو یعلی (۲۸۷، ۳۴۸، ۴۰۶، ۵۲۴، ۵۷۹، ۶۲۳) ابن الجارود (۹۴) ابن خزیمہ (۲۰۸) ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/۹۹-۱۰۰) میں، طحاوی نے "شرح المعانی" (۱/۸۷) میں۔ ابن حبان (۱۹۲-۱۹۳) آجری نے "اخلاق حملۃ القرآن" (۵۳) میں، ابن عدی (۴/۱۴۸۷) دارقطنی نے "سنن" (۱/۱۱۹) اور "علل" (۳/۲۵۱) میں حاکم (۱/۱۵۲، ۴/۱۰۷) بیہقی (۱/۸۸-۸۹) خطیب بغدادی نے "الموضح" (۲/۴۲۰) میں بغوی نے "شرح السنۃ" (۲/۲۷) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۵/۵۴) میں روایت کیا ہے۔

سند: "عمرو بن مرۃ عن عبد اللہ بن سلمۃ عن علی رضی اللہ عنہ" ←

ــــــــ یہ سند ضعیف ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن سلمہ کا کبر سنی کی وجہ سے حافظہ خراب ہوگیا تھا اور اس حدیث کو انہوں نے کبر سنی میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ "کامل ابن عدی" (۴/۱۴۸۷) وغیرہ میں امام شعبہ کی صراحت موجود ہے۔

عبداللہ بن سلمہ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے عمرو بن مرہ اور اسی طرح دیگر بعض ائمہ نے بھی عبداللہ بن سلمہ میں کلام کیا ہے۔

ابن المنذر فرماتے ہیں کہ ان سے اس حدیث کے راوی نے جب ان میں کلام کیا ہے تو ان سے حجت لینا باطل ہوا۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے۔ جیسا کہ خطابی نے "معالم السنن" (۱/۷۶) میں ذکر کیا ہے اور ابن المنذر نے ضعیف کہا ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں۔

نووی نے کہا ہے کہ محققین حفاظ حدیث نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "المجموع" (۲/۱۵۹) اور "تلخیص الحبیر" (۱/۱۳۹)۔

ان ائمہ نے تو اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ جب کہ ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی، ابن السکن، بغوی اور عبدالحق اشبیلی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۱/۴۰۸) میں کہا ہے۔ کہ حق یہ ہے کہ حسن درجے کی حدیث ہے۔

مگر مذکورہ بالا تفصیل کی بنا پر راجح بات یہی ہے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن سلمہ نے اس کو حالت اختلاط میں روایت کیا ہے اور اصولِ حدیث کے قاعدے کے مطابق اس حالت میں بیان کی گئی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

اسی معنی کی ایک حدیث ابو موسیٰ الغافقی رضی اللہ عنہ (جن کا نام مالک بن عبادہ، مالک بن عبداللہ یا عبداللہ بن مالک ہے) سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"میں جنبی ہونے کی حالت میں وضوء کر کے کھاتا پیتا تو ہوں مگر غسل کیے بغیر نماز پڑھتا ہوں اور نہ ہی قرارت کرتا ہوں"

اس کو طحاوی (۱/۸۸) طبرانی (۱۹/۲۹۵) دارقطنی (۱/۱۱۹) اور بیہقی (۱/۸۹) نے روایت کیا ہے۔

مگر یہ شاہد بننے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ نووی نے بھی "المجموع" (۲/۱۵۹) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

اس میں درج ذیل علتیں ہیں۔

۱. عبداللہ بن لہیعہ، یہ ضعیف ہیں۔

۲۔ اس حدیث میں ابن لہیعہ کا استاد ثعلبہ بن ابی الکنود ہے اور ثعلبہ کا استاد عبداللہ بن سلیمان ہے۔ ←

--- ان دونوں کو ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (۲/۴۶۳، ۵/۵۰) میں ذکر کیا ہے۔ مگر ان کے بارے میں کسی قسم کی جرح وتعدیل نقل نہیں کی۔

ابن حبان نے "ثعلبہ کو" الثقات "(۴/۹۹) میں ذکر کیا ہے اور ان کا، توثیق رواۃ کے بارے میں جو قاعدہ ہے وہ معروف ہے۔

مسئلہ: حدیث علی رضی اللہ عنہ کو اگر ہم حسن یا صحیح تسلیم کر بھی لیں تب بھی اس سے جنبی کے لیے قرارت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث پر عنوان قائم کیا ہے۔ یا جیسے دیگر علما نے بھی اس سے استدلال کیا ہے

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں۔

"لا حجة في هذا الحديث لمن منع الجنب من القراءة لانه ليس فيه نهي وانما هي حكاية فعل، ولا يبين أن النبي صلى الله عليه وسلم إنه إنما امتنع من ذلك لأجل الجنابة" تلخيص (۱/۱۳۹)۔

"اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں ہے جو جنبی کو قرارت سے منع کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں ممانعت نہیں ہے۔ اس میں تو صرف (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) فعل کا بیان ہے اس میں یہ صراحت تو نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرارت سے اجتناب جنابت کی وجہ سے تھا۔

امام ابن المنذر فرماتے ہیں۔

"ولو ثبت خبر علي، لم يجب الامتناع من القراءة من أجله لانه لم ينهه عن القراءة فيكون الجنب ممنوعا منه" الأوسط (۲/۱۰۰)۔

"اگر حدیثِ علی رضی اللہ عنہ ثابت بھی ہو تب بھی اس کی وجہ سے قرارت سے اجتناب ضروری نہیں۔ کیونکہ اس نے اس سے منع نہیں کیا کہ جنبی کو اس سے منع کیا جائے۔

علامہ ابن حزم نے بھی اس قسم کا جواب دیتے ہوئے بعض مثالیں ذکر کرکے وضاحت کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو "المحلی" (۱/۷۸)۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث سے حجت لینا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ اس میں تو مجرّد فعل ہے جو حرمت پر دلالت نہیں کرتا۔ "فتح الباری" (۱/۴۰۸)۔

تنبیہ: یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے بھی مروی ہے

"اقرأ القرآن على كل حال ما لم تكن جنبا۔

"سوائے حالت جنابت کے ہر حال میں قرآن پڑھو۔" ←

← ان الفاظ سے اس کو ابن عدی (۲/۹۲۵) نے روایت کیا ہے، اس سیاق سے یہ حدیث قراءت کی حرمت پر دلالت کرتی ہے مگر اس سیاق سے یہ حدیث باطل ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ خارجہ بن مصعب کے ہیں اور یہ سخت ضعیف ہے۔

ذہبی نے کاشف" (۱/۲۰۱) میں اس کو "واہٍ" کہا ہے اور ابن حجر نے کہا ہے "متروک" ہے، جھوٹے راویوں سے تدلیس کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ابن معین نے اسے کذاب کہا ہے "تقریب" (۱/۲۱۰-۲۱۱)۔

نیز اس نے اور اس کے بعض دوسرے ساتھیوں نے بھی اس کی سند میں بھی غلطی کی ہے تفصیل "کامل ابن عدی" (۳/۱۰۴۹) اور "علل دارقطنی" (۳/۲۴۸/۳۸۷) میں دیکھیں۔

ان الفاظ سے اس حدیث کے بطلان پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ ابن ابی شیبہ (۱/۹۹ - دار التاج) نے ایک دوسری سند سے مذکورہ سیاق سے اس روایت کو علی رضی اللہ عنہ پر موقوفاً روایت کیا ہے۔ یعنی ان کا قول ذکر کیا ہے۔ مرفوع حدیث نہیں۔

اور یہ سند پہلی سند سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔

دوسری تنبیہ:

دیلمی نے "الفردوس" (۱/۵۲۴/۱۸۶۵) میں اس حدیث کو علی رضی اللہ عنہ کی بجائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے۔

جب کہ سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں۔ دیکھیں "ضعیف الجامع" ۱۱۶۳۔ اور حافظ ابن حجر نے "تسدید القوس" میں اسے علی رضی اللہ عنہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔

البانی نے "ضعیف الجامع" میں اس کو سخت ضعیف کہا ہے۔

واضح رہے کہ سیوطی نے اس کو "فوائد ابی الحسن بن صخر" کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں بھی بحالتِ جنابت قراءت کی ممانعت آئی ہے۔ اس حدیث کو بزار (۳۲۱) اور دارقطنی (۱/۱۱۸) نے روایت کیا ہے۔

اور یہ اس سند سے سخت ضعیف ہے۔ اس میں درج ذیل علتیں ہیں۔

۱۔ حارث اعور: یہ ضعیف ہیں۔

۲۔ ابو اسحاق السبیعی: یہ مدلس ہیں۔

۳۔ ابو مالک عبد الملک بن حسین: اس کو علامہ ذہبی نے "دیوان" (۲/۵۰۹) میں اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۲/۴۶۸) میں "متروک" کہا ہے اور حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔ "مجمع الزوائد" (۱/۲۸۱) ←

۴۔ ابو نعیم النخعی عبدالرحمٰن بن ہانی؛

اس کو ابوداؤد، نسائی اور فضل بن دکین نے ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی اکثر احادیث پر ثقہ راوی اس کی متابعت نہیں کرتے، کامل (۴/۱۶۲۴)۔

امام احمد نے کہا ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں، ابن معین نے اس کو کذاب کہا ہے۔

بخاری نے کہا ہے کہ یہ محل نظر ہے۔ اصل میں صدوق ہے۔ ابو حاتم نے اس کے بارے میں یہ کہا ہے "لا بأس به یکتب حدیثه" ملاحظہ ہو "تہذیب التہذیب" (۶/ ۲۵۹)۔

مذکورہ کتب میں یہ حدیث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ مگر اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں بھی مذکورہ عبدالملک بن حسین اور عبدالرحمٰن بن ہانی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ہانی نے اس کو عبدالملک بن حسین سے روایت کیا ہے۔

دارقطنی میں عبدالرحمٰن بن ہانی نے اس کو موسیٰ انصاری سے بھی روایت کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن ہانی کے بارے میں محدثین نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ابن حبان نے اس کو "الثقات" (۸/ ۳۷۷) میں ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ یہ بعض دفعہ غلطی کر جاتا ہے اور اس کی ایک حدیث ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کی وجہ سے اس کے بارے میں دل میں شبہ ہے۔

موسیٰ انصاری یہ کون ہے اس کا مجھے پتہ نہیں چلا۔

مسند احمد (۱/ ۱۱۰)، مسند ابو یعلیٰ (۳۶۵) اور "تہذیب مزی" (۱۴/ ۲۷) میں ابوالغریف سے مروی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ علی رضی اللہ عنہ نے وضوء کیا اور پھر فرمایا۔

" هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ثم قرأ شيئا من القرآن ثم قال: هذا لمن ليس بجنب فاما الجنب فلا ولا آية۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے اسی طرح سے وضوء کرتے ہوئے دیکھا اس کے بعد انہوں نے کچھ آیات کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا یہ اس کے لیے ہے۔ جو جنبی نہیں، اور جو جنبی ہے۔ اس کے لیے ایک آیت کی بھی قرارت نہیں۔

اس حدیث کی سند کو شیخ احمد شاکر نے صحیح اور جید کہا ہے اور اس سے بحالت جنابت قرارت کی ممانعت پر دلیل لی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"ترمذی بتحقیق احمد شاکر" (۱/ ۲۷۵-۲۷۶)

مگر اس حدیث سے چار وجوہ کی بناء پر دلیل لینا صحیح نہیں۔ یہاں صرف دو وجوہ ذکر کی جاتی ہیں۔

غسل کا وضوء کافی ہے

۵۹۔ حضرت عائشہؓ روایت کرکے کہتی ہیں۔ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ۔ (ترمذی)

رسول خدا غسل کے بعد وضوء نہیں کرتے تھے۔

یعنی غسل کے شروع میں جو وضوء کرتے تھے۔ اسی کو کافی جانتے اور نہانے کے بعد دوبارہ وضوء نہ فرماتے تھے۔

← بقیہ دو کے لیے "ارواءالغلیل" (۲/۲۴۳-۲۴۴) دیکھیں۔

پہلی وجہ: اس حدیث میں محل شاہد "ثم قرأ شیئا من القرآن ثم قال ....." صراحۃً مرفوع نہیں ہے۔

دوسری وجہ: مذکورہ سیاق سے اس روایت کو عامر بن سمط سے عائذ بن حبیب نے روایت کیا ہے۔ جب کہ اس سے أوثق راویوں نے عامر سے اس کو روایت کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول بیان کیا ہے۔

اور وہ راوی یہ ہیں۔

۱۔ یزید بن ہارون، دارقطنی (۱/۱۱۸/۶)۔

دارقطنی نے اسے موقوفاً روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ علی رضی اللہ عنہ سے صحیح ہے۔

۲۔ ثوری۔ عبدالرزاق (۱/۳۳۶/۱۳۰۶)۔

اس اثر کو روایت کرنے کے بعد عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق بھی اسی کو لے گا۔

۳۔ خالد بن عبداللہ "اوسط ابن المنذر" (۲/۹۶/۶۱۹) اور "سنن البیہقی" (۱/۹۰)۔

۴۔ حسن بن صالح بن حی۔ بیہقی (۱/۸۹)۔

۵۔ شریک بن عبداللہ، ابن ابی شیبۃ (۱/۹۷/ ۱۰۸۶، ۱۰۹۱۔ دارالتاج)۔

۶۔ اسحاق بن ابراہیم الأوسط (۲/۹۷/۶۲۰)۔

واضح رہے کہ یزید بن ہارون کی روایت مفصل ہے باقی سب راویوں کی روایت مختصر ہے۔

جنبی یا حائضہ عورت قرآن پڑھ سکتی ہے یا نہیں اس مسئلہ کی تفصیل حدیث (۶۶) میں آرہی ہے۔

۵۹۔ صحیح حدیث ہے۔ →

اس کو ترمذی (۱۰۷) نسائی (۱/ ۱۳۷، ۲۰۹) کتاب "الطہارۃ والغسل" ابن ماجہ (۵۷۹) طیالسی (۱/ ۶۱) ابنِ ابی شیبہ (۱/ ۶۸) احمد (۶/ ۶۸، ۱۹۲، ۲۵۸) ابویعلی (۱۳۰۵، ۴۳۴۴، ۴۸۴۳) ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/ ۱۲۹) میں ابن شاہین نے "الناسخ والمنسوخ" (۴۷ ـ ۴۸) میں ابُونعیم نے "حلیتہ الاولیاء" (۷/ ۳۳۵) میں حاکم (۱/ ۱۵۳) بیہقی (۱/ ۱۷۹) اور ابُوداوُد نے بھی (۲۵۰) روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ ابُوداوُد کے الفاظ دوسروں سے مختلف ہیں۔

احمد (۶/ ۱۱۹، ۱۵۴) اسی طرح حاکم اور بیہقی کی ایک روایت کے بھی ابُوداوُد والے ہی الفاظ ہیں۔

یہ حدیث مختلف سندوں سے ابُواسحاق سے اور انہوں نے اسے اسود بن یزید کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی، حاکم، ذہبی اور مبارک پُوری نے "تحفتہ الاحوذی" (۱/ ۱۰۹) میں صحیح کہا ہے۔

ابن سید الناس نے کہا ہے کہ بیہقی نے اس کو اچھی سندوں سے روایت کیا ہے۔ اور البانی نے اس کو "صحیح ابی داوُد" (۲۲۵) میں ذکر کیا ہے۔

بخاری اور مُسلم وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ غسل کے بارے میں عائشہ اور میمونہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیثیں ہیں ان سے بھی بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے ملاحظہ ہو "بخاری" (۱/ ۳۶۰ ـ ۳۶۱ ـ الفتح) اور "مسلم" (۳/ ۲۲۸ ـ ۲۳۱ ـ شرح النووی)۔

مصنف عبدالرزاق (۱/ ۲۷۱/ ۱۰۴۰) میں نافع سے اور "مصنف ابن ابی شیبہ" (۱/ ۶۹/ ۷۴۳) میں غنیم بن قیس سے روایت ہے کہ ابنِ عمر سے غسل کے بعد وضو کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ غسل سے بڑھ کر بھی کوئی وضوء ہے۔

نافع والی سند حسن درجہ کی ہے اور غنیم والی سند صحیح ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہا سے یہ بات مرفوع حدیث میں بھی مروی ہے۔ جس کو طبرانی (۱۲/ ۳۰۱/ ۱۳۳۷۷) اور حاکم (۱/ ۱۵۳ ـ ۱۵۴) نے روایت کیا ہے۔

حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن بزیع کے علاوہ دوسروں نے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔

ذہبی نے اپنی "تلخیص" میں کہا ہے کہ یہی درست ہے یعنی اس حدیث کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے۔

مصنف عبدالرزاق (نمبر ۱۰۳۹) میں نافع کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابنِ عمرؓ فرمایا کرتے کہ اگر غسل کے بعد شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگے تو پھر غسل سے بڑھ کر کونسا وضوء ہے اور یہ سند صحیح ہے۔

اسی "مصنف" ہی میں سالم سے روایت ہے کہ میرے والد (عبداللہ بن عمر) غسل کے بعد وضو کرتے، میں ان

جنبی سے میل جول اور مصافحہ جائز ہے

۶۰۔۔۔ حضرت ابی ہریرہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ (ایک روز) بحالتِ جنابت میں نے رسول اللہؐ سے

۔۔۔ سے کہتا کہ غسل کافی نہیں، غسل سے بڑھ کر بھی کوئی مکمل وضوء ہے وہ کہتے درست ہے کہ جنبی کے لیے غسل سے بڑھ کر کوئی مکمل وضوء نہیں۔ مگر مجھے شک پڑ جاتا ہے۔ کہ میری شرم گاہ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے۔ تو میں اسے چھوتا ہوں، لہٰذا اس چھونے کی وجہ سے وضوء کرتا ہوں" اس اثر کی سند بھی صحیح ہے۔

مصنف عبدالرزاق (۲/ ۲۷۲/ ۱۰۴۵) میں اور "اوسط" ابن المنذر" (۲/ ۱۳۰/ ۶۷۴) میں ابوسفیان سے روایت ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ سے جنبی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ غسل کے بعد وضوء کرے آپ نے جواب دیا، نہیں الّا یہ کہ وہ چاہے اسے غسل ہی کافی ہے۔

اس اثر کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

امام ترمذی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

بہت سے صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور تابعین کا یہی قول ہے کہ غسل کے بعد وضوء نہ کیا جائے۔

تنبیہ: ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

"من توضأ بعد الغسل فليس منا" جو شخص غسل کے بعد وضوء کرے وہ ہم سے نہیں۔

اس کو بحشل واسطی نے "تاریخ واسط" (۲۴۳) میں طبرانی نے "معجم کبیر" (۱۱/ ۲۶۷/ ۱۱۶۹۱) اور "صغیر" (۱/ ۱۰۶) میں بھی، ابنِ عدی نے "کامل" (۳/ ۱۱۴۰) میں ابوالشیخ نے "طبقات المحدثین" (۳/ ۵۰) میں اور ابن شاہین نے "الناسخ والمنسوخ" (۴۹) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے اور ابنِ عدی نے اس حدیث کو سخت ضعیف کہا ہے۔

طبرانی نے "معجم کبیر" (۱۱/ ۲۶۱/ ۱۹-۱۲) میں اور ابن عدی نے "کامل" (۷/ ۲۶۱۸) میں اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے اور یہ سند بھی سخت ضعیف ہے۔ نیز اس سند میں اختلاف بھی ہے۔ کیونکہ ابراہیم بن ادھم نے اس کو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی بجائے یزید بن نعامہ الضبی (یہ تابعی ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو صحابی کہا ہے۔ مگر علامہ ذہبی نے "کاشف" میں اور حافظ ابنِ حجر نے "تقریب" میں ان کا رد کیا ہے) سے مرسلاً روایت کیا ہے یہ سند مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ سخت ضعیف بھی ہے۔

اس طرح سے اس کو ابنِ مندہ نے "مسند ابراہیم بن ادھم" (۲۹) میں اور ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۸/ ۵۱-۵۲) میں روایت کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

۶۰۔۔۔ اس حدیث کو بخاری (۲۸۳، ۲۸۵) "الغسل" مسلم (۴/ ۶۶، ۶۷) "الحیض" ابوعوانہ (۱/ ۲۷۵) ابوداؤد (۲۳۱) ۔۔۔

ملاقات کی حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپؐ ایک جگہ بیٹھ گئے اور میں چپکے سے نکل گیا۔ اور گھر جا کر غسل کیا، اور پھر واپس آیا۔ اور حضورؐ (ابھی) بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے پوچھا۔ کہاں (گیا) تھا تو اے ابوہریرہؓ! میں نے سارا حال کہہ سنایا۔ (یعنی جنبی تھا۔ اور چاہا کہ نہا کر آپؐ کے پاس بیٹھوں۔ اس لیے غسل کر کے حاضر ہوا ہوں) تو حضورؐ نے فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ۔ (صحیح بخاری)

سبحان اللہ! تحقیق مومن ناپاک نہیں ہوتا۔"

ملاحظہ: حضورؐ نے جو فرمایا "کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن حقیقتاً نجس اور پلید نہیں ہوتا۔ جنابتِ نجاست حکمی ہے۔ شریعت (قانونِ خدا) نے بر بنائے مصلحت ایک حالت میں حکماً اس پر غسل واجب کیا ہے۔ پس جنبی کے ساتھ ملنا جلنا۔ اُٹھنا بیٹھنا، اختلاط، ارتباط، کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہے۔

حائضہ سے صحبت کرنے کی ممانعت

حیض کی حالت میں عورت سے مجامعت کرنا سخت گناہ ہے۔ اور موجب امراض ہے۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ۔ (البقرہ آیت: ۲۲۲)

عورتوں سے حیض میں کنارہ کشی کرو۔" (یعنی صحبت نہ کرو) اگر کوئی اس گناہ کا مرتکب ہو جائے، تو اسے نادم ہو کر توبہ کرنی چاہیئے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا:

۶۱ ـــ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِينَارٍ۔ (رواہ الترمذی)

ـــــ ترمذی (۱۲۱) نسائی (۱/ ۱۴۵-۱۴۶) ابن ماجہ (۴/ ۵۳) (سب نے الطہارۃ میں) ابن الجارود (۹۶) ابن حبان (۴/ ۶۹-۷۰) ابن حزم (۱/ ۱۲۹) بیہقی (۱/ ۱۸۹) بغوی (۲۶۰-۲۶۱) اور احمد (۲/ ۲۲۵، ۳۸۲، ۴۷۱) نے روایت کیا ہے۔

یہی واقعہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا، ان کی حدیث کو مسلم، ابوعوانہ، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابنِ خزیمہ (۱۲۵۹) ابن حبان (۴/ ۶۸-۶۹، ۲۰۴-۲۰۵) بیہقی اور احمد (۵/ ۳۸۴، ۴۰۲) نے روایت کیا ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے ان کی حدیث کو طبرانی نے "معجم کبیر" (۱۲/ ۱۹۴/ ۱۲۸۷۱) میں بسند صحیح روایت کیا ہے "مجمع الزوائد" (۱/ ۲۸۰) بھی دیکھیں۔

۶۱ ـــ صحیح حدیث ہے۔ ←

"جو شخص بحالتِ حیض اپنی عورت سے صحبت کرے۔ تو اسے چاہیئے کہ نصف دینار خیرات کرے۔

دینار ساڑھے چار ماشے سونے کا ہوتا ہے۔ تو نصف دینار سوا دو ماشے سونا ہوا۔ وقت کے لحاظ سے سوا دو ماشے سونا جتنی قیمت کا ہو۔ اتنی قیمت صدقہ کرے۔ یعنی کسی مستحق کو دے دے اور آئندہ کے لیے توبہ کرے۔

← اس کو ترمذی (۱۳۶) ابوداؤد (۲۶۴، ۲۶۶، ۲۱۶۸) "الطهارة والنكاح" نسائی (۱/۵۲) ابن ماجہ (۶۴۰) دارمی (۱/۲۵۴-۲۵۶) عبدالرزاق (۱/۳۲۸-۳۲۹) احمد (۱/۲۳۰، ۲۳۷، ۲۷۲، ۳۱۲، ۳۲۵، ۳۳۹) ابن الجارود (۱۰۸-۱۱۱) ابن المنذر نے "الأوسط" (۲/۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱-۲۱۲) میں طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۱/۲۶۹، ۳۶۴، ۳۸۲، ۴۰۱-۴۰۲) میں دارقطنی (۲/۲۸۶-۲۸۸) حاکم (۱/۱۷۱-۱۷۲) اور بیہقی (۱/۳۱۴-۳۱۸) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ بعض راویوں نے اس کو مرسلاً اور بعض نے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔

اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو حاکم ذہبی اور ابن قیم نے "تہذیب السنن" (۱/۱۷۳-۱۷۴) میں ابن ترکمانی نے "الجوہر النقی" (۱/۳۱۴-۳۱۹) میں شیخ احمد شاکر نے "تحقیق الترمذی" میں اور البانی نے "ارواء الغلیل" (۱۹۷) اور "آداب الزفاف" (۴۵) میں صحیح کہا ہے۔

اس کو امام احمد بن حنبل، ابن القطان، ابن دقیق العید اور حافظ ابن حجر نے بھی صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "تلخیص الحبیر" (۱/۱۶۵-۱۶۶)۔

شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کی اسانید و طرق پر مفصل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ مجھے اس کے پچاس سے زائد طرق ملے ہیں؟ ملاحظہ ہو "ترمذی بشرح احمد شاکر" (۱/۲۴۶-۲۵۴)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام نووی کا شرح مسلم (۳/۲۰۵) میں اور "شرح المهذب" (۲/۲۷۵) میں اس حدیث کو ضعیف کہنا صحیح نہیں، انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ بلکہ اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق بھی نقل کیا ہے۔

تنبیہ: ترمذی اسی طرح دارمی، طبرانی ابن المنذر اور احمد کی بعض روایات میں بھی صرف "فليتصدق بنصف دينار" ہے۔ یعنی وہی الفاظ ہیں۔ جو مؤلف رحمہ اللہ نے ذکر کیے ہیں۔

جب کہ دوسروں کے ہاں اسی طرح ترمذی کے علاوہ مذکورین کی بھی بعض روایات میں "فليتصدق بدينار او بنصف دينار" (ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے) کے الفاظ ہیں۔ یعنی شک کے ساتھ ہے۔ ←

۶۲ــــ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ فرماتے ہیں۔ جب خون سرخ ہو۔ یعنی اگر سرخ خون کی حالت میں جماع کیا۔ جو ابتدائے حیض میں آتا ہے) تو ایک دینار خیرات کرے، اور اگر خون زرد ہو۔ (یعنی اگر زرد خون کی حالت میں جماع کیا ہو جو آخر حیض میں آتا ہے، تو نصف دینار خیرات کرے۔

مذی کے اخراج سے غسل واجب نہیں ہوتا

۶۳ــــ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت طاقت ور جوان تھے، اور آپ کو مذی کثرت سے آتی تھی۔ آپ کو مسئلہ معلوم

ــــــ۔ امام ابو داؤد نے اسی شک والی روایت کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح شیخ احمد شاکر نے بھی اسی روایت کو زیادہ صحیح کہا ہے۔

۶۲ ــــ یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا اور موقوفًا دونوں طرح ہی مروی ہے۔

مرفوع کو ترمذی (۱۳۷) دارمی (۱/۲۵۵)، دارقطنی (۳/ ۲۸۷ / ۲۵۷ - ۲۵۸) بیہقی (۱/۳۱۷) اور ابو یعلی (۲۴۳۲) نے روایت کیا ہے۔

اور موقوف کو ابو داؤد (۲۶۵، ۲۱۶۹) اور ابن المنذر (۲/۲۱۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے موقوف ہی کو صحیح کہا ہے۔

بعض روایات میں حالتِ حیض میں مجامعت کی صورت میں دینار اور حیض ختم ہو جانے اور غسل سے قبل مجامعت کی صورت میں نصف دینار کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو "مصنف عبد الرزاق" (۱/۳۲۹) "مسند احمد" (۱/۳۶۷) "دارقطنی" (۳/ ۲۸۷-۲۸۸/۱۵۹) "مستدرک حاکم" (۱/۱۷۲) اور "سنن بیہقی" (۱/۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸)۔

اور بعض روایات میں یہ تفریق آدمی کی استطاعت اور عدم استطاعت کی بنا پر ہے۔ ملاحظہ ہو "طبرانی کبیر" (۱۱/۲۸۱، ۳۸۲/۱۲۰۶۵) "سنن بیہقی" (۱/۳۱۷)۔

مگر یہ روایات بھی صحیح نہیں ہیں ان کے بارے میں شیخ احمد شاکر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ تفصیل و تفسیر درحقیقت بعض راویوں کی طرف سے تھی۔ مگر بعض راویوں نے غلطی سے اسے متن حدیث میں ذکر کر دیا۔

تنبیہ: مجروحین ابن حبان (۲/۵۵) میں طبرانی کبیر (۱۱/ ۴۴۳/ ۱۲۲۵۶) میں اور "علل ابن الجوزی" (۱/۳۸۶) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے بحالت حیض اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہے۔ آپ نے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا اور غلام کی قیمت اس وقت ایک دینار تھی مگر یہ حدیث عبد الرحمن بن یزید بن تمیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۶۳ ــــ اس حدیث کو بخاری (۱۳۲، ۱۷۸، ۲۶۹) "العلم والوضوء والغسل" مسلم (۳/ ۲۱۲ - ۲۱۳) ابو عوانہ (۱/ ۲۷۲-۲۷۳)۔ ابو داؤد (۲۰۶ - ۲۰۹) نسائی (۱/ ۹۶-۹۷، ۲۱۳ - ۲۱۵) "الطہارۃ والغسل" ابن ماجہ (۵۰۵) ابن الجارود (۵-۶) ←

نہ تھا، کہ اخراجِ مذی پر غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں، چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ اس لیے بالمشافہ مسئلہ دریافت کرتے حجاب آیا۔ تو اپنے دوست مقدادؓ کو کہا، کہ وہ مسئلہ دریافت کریں۔ مقدادؓ نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ اخراجِ مذی پر غسل واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف وضو کر کے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ (بلوغ المرام)

مذی، منی، اور ودی کا فرق

مذی: اس چپکتے ہُوئے لیس دار پانی کو کہتے ہیں۔ جو شہوت کے وقت سرِ ذکر پر نمودار ہوتا ہے۔ عام طور پر نوجوانوں اور طاقت ور انسانوں کو ہنگام نعوظ ـــــ مذی آتی ہے۔ جو سکون و فراغ کے بعد ختم ہو جاتی ہے

منی: عضوِ مخصوص سے بالذت و دفق خارج ہونے والا مادہ ہوتا ہے۔ جس سے حضرت انسان پیدا ہوتا ہے اور اس کے اخراج سے آدمی پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔

ودی: وہ گاڑھا سفید پانی جو پیشاب سے قبل یا بعد خارج ہوتا ہے۔ اس کے نکلنے پر غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔

سیلانِ رحم موجب غُسل نہیں

جن عورتوں کو سفید رطوبت یعنی لیکوریا کی شکایت ہوتی ہے۔ اس سے بھی غسل لازم نہیں ہوتا۔ حسبِ معمُول نمازیں ادا کرنی چاہئیں۔

ـــــ ابن خزیمہ (۲۰ - ۲۳) ابن حبان (۳/ ۳۸۴ - ۳۸۵، ۳۸۸ - ۳۹۱) اور بیہقی (۱/ ۱۱۵) نے مختلف طرق اور مختلف سیاق سے روایت کیا ہے۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی طرح عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اور مذی کا یہی حکم ذکر ہوا ہے۔

حدیث سہل کو احمد (۳/ ۴۸۵) ابوداؤد (۲۱۰) ترمذی (۱۱۵) ابن ماجہ (۵۰۶) دارمی (۱/ ۱۸۴) ابن خزیمہ (۲۹۱) ابن حبان (۲۴۰ موارد) بیہقی (۲/ ۴۱۰) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱/ ۵۴۷) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ اس میں ابن اسحٰق ہیں جو مدلس ہیں۔ مگر ترمذی اور دارمی کے علاوہ باقی سب کتب میں ان کی تحدیث کی صراحت موجود ہے ترمذی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ←

حائضہ کو چھونا اور اس کے ساتھ کھانا جائز ہے

۶۴ — "وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ" (رواہ مسلم)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ جب عورت حیض سے ہوتی۔ تو یہودی اس کے ساتھ کھاتے نہ تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (حائضہ سے) کرو ہر کام سوائے جماع کے۔" (مسلم)

یعنی حائضہ سے کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا، اسے چھونا اور بوس وکنار وغیرہ سب باتیں جائز ہیں۔ سوائے ایک بات کے اور وہ مجامعت ہے۔

۶۵ — عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنِيْ فَاَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِيْ وَاَنَا حَائِضٌ۔" (متفق علیہ)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے حکم کرتے تھے۔ (بحالتِ حیض ازار باندھنے کا) سو میں ازار باندھتی۔ پس آپ مجھے گلے لگاتے تھے۔ اور میں حیض والی ہوتی تھی۔"

(بخاری ومسلم)

— حدیث عبداللہ بن سعد کو احمد (۴/۳۴۲) ابو داؤد (۲۱۱) ابن جارود (۷) اور بیہقی (۲/۴۱۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی حسن درجہ کی ہے۔

۶۴ — اس حدیث کو مسلم (۳/۲۱۱) ابو عوانہ (۱/۳۱۲) ابو داؤد (۲۵۸، ۲۱۶۵) "الطہارۃ والنکاح" ترمذی (۲۹۷۷-۲۹۸۰) "التفسیر" نسائی (۱/۱۵۲، ۱۸۷) "الطہارۃ والحیض" ابن ماجہ (۶۴۴) دارمی (۱/۲۴۵) ابن حبان (۴/۱۹۵-۱۹۶) ابن حزم (۲/۱۸۲) بیہقی (۱/۳۱۳) اور احمد (۳/۱۳۲-۱۳۳، ۲۴۶) نے روایت کیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اختصار سے ذکر کیا ہے۔ مسلم وغیرہ میں ہے کہ وہ اس سے صحبت بھی نہ کرتے اور ابو داؤد وغیرہ میں ہے کہ وہ اس کے ساتھ نہ ہی بیٹھتے۔ لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں سوال کیا تو قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ آیت (۲۲۲) نازل ہوئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " اصنعوا کل شیء الا النکاح"

۶۵ — اس کو بخاری (۳۰۰، ۳۰۲) مسلم (۳/۲۰۲) ابو عوانہ (۱/۳۰۹) ابو داؤد (۲۶۸، ۲۷۳) ترمذی (۱۳۲) ابن ماجہ (۶۳۵-۶۳۶) دارمی (۱/۲۴۲) ابن حبان (۴/۱۹۹، ۲۰۲-۲۰۳) اور بیہقی (۱/۳۱۰-۳۱۱) وغیرہ نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

حائضہ کو قرآن پڑھنے کی ممانعت

۶۶ ـــ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَیْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (رواہ الترمذی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیض والی عورت اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔"

---

۶۶ ـــ ضعیف حدیث ہے۔

اس حدیث کو ترمذی (۱۳۱) ابن ماجہ (۵۹۵) طحاوی نے "شرح المعانی" (۱/۸۸) میں، عقیلی (۱/۹۰) آجری نے "اخلاق حملۃ القرآن" (۵۴) میں ابن عدی (۱/۹۴، ۴/۱۲۹۰-۱۳۹۱) دارقطنی (۱/۱۱۷) بیہقی (۱/۸۹، ۳۰۹) خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۲/۱۴۵) میں اور خطیب بغدادی سے ابن تیمیہ نے "الأربعین" (۱۴۷-۱۴۸ - روایۃ الذہبی) میں روایت کیا ہے۔

سند: اسماعیل بن عیاش عن موسیٰ بن عقبہ عن نافع عن ابن عمر۔

یہ سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اسماعیل بن عیاش کی حجازیوں اور عراقیوں سے بیان کردہ احادیث ضعیف ہیں۔ جیسا کہ کبار ائمہ و محدثین نے صراحت کی ہے اسماعیل نے یہ حدیث موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے۔ جو حجازی ہیں۔ لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

ابن عدی اور دارقطنی کے ہاں اسماعیل نے اس حدیث کو عبید اللہ بن عمر سے بھی روایت کیا ہے اور یہ بھی حجازی ہیں۔

نیز ابن عدی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی عبید اللہ بن عمر سے کوئی اصل نہیں ہے۔

اس حدیث کی موسیٰ بن عقبہ سے اسماعیل کی سند کے علاوہ دو اور سندیں بھی ہیں۔ مگر وہ دونوں سندیں بھی ضعیف ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے "نصب الرایہ" (۱/۱۹۵) "تلخیص الحبیر" (۱/۱۳۸) اور "ارواء الغلیل" (۱/۲۰۷-۲۰۹/۱۹۲) دیکھیں۔

چونکہ اس حدیث کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عمر مرفوعاً سب طرق سے ضعیف ہے۔" فتح الباری (۱/۴۰۹)

عقیلی نے عبد اللہ بن احمد کے حوالے سے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو باطل کہا ہے۔

امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ حدیث خطا ہے یہ تو ابن عمر کا اپنا قول ہے۔" علل الحدیث" لابن ابی حاتم (۱/۴۹)

یہ حدیث جابر بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حدیث جابر کو ابن عدی (۶/۲۱۴۳) دارقطنی (۲/۸۷) (کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں اور کتاب الزکوٰۃ سے کچھ پہلے) اور ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۴/۲۲) میں روایت کیا ہے۔

←

ـــــــ ابن عدی اور دارقطنی میں جنبی کی بجائے نفاس والی عورتوں کا ذکر ہے۔

مگر یہ حدیث سخت ضعیف بلکہ من گھڑت ہے اس کی سند میں محمد بن الفضل بن عطیہ ہے۔ بعض محدثین نے اس کو متروک اور بعض نے کذاب کہا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ اس کی احادیث جھوٹوں کی احادیث ہیں۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں کہا ہے کہ محدثین نے اس کو کذاب کہا ہے۔

علامہ ذہبی نے "دیوان" (۲/ ۳۲۹) میں کہا ہے کہ یہ بالاتفاق متروک ہے اور "کاشف" (۳/ ۷۹) میں کہا ہے کہ لوگوں نے اس کو ترک کر دیا ہے اور "مغنی" (۲/ ۶۲۴) میں یہ اضافہ بھی کیا ہے۔ کہ بعض نے اسے کذاب کہا ہے۔

دارقطنی (۱/ ۱۲۱) میں یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ اس موقوف میں حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت تینوں کا ذکر ہے۔

اس کی سند میں یحیٰی بن ابی اُنیسہ ہے۔ دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/ ۱۳۸) میں اسے کذاب کہا ہے۔

اور بیہقی نے اس اثر کے بارے میں کہا ہے کہ یہ قوی نہیں (۱/ ۸۹)

قُلت: یہ اثر صحیح ثابت ہے۔ کیونکہ اسے ابوالزبیر سے یحیٰی روایت کرنے میں متفرد نہیں ہے۔ بلکہ ابن لہیعہ نے اس کی متابعت کی ہے۔

ابن لہیعہ کی سند سے یہ اثر اس طرح ہے کہ ابوالزبیر نے جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ کیا حائضہ اور نفاس والی عورت قرآن کی کچھ تلاوت کر سکتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں"۔

اس کو ابن المنذر نے "الأوسط" (۲/ ۹۷/ ۶۲۱) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس میں اگرچہ ابن لہیعہ ہیں مگر ان سے اس روایت کو بیان کرنے والے عبداللہ بن وہب ہیں۔

غالباً یہ جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہی تھا۔ جسے محمد بن فضل نے مرفوع بیان کر دیا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو یعقوب بن سفیان نے "المعرفۃ والتاریخ" (۱/ ۲۵۹) میں دارقطنی نے "سنن" (۱/ ۱۲۰) میں اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (ص ۴۔ ۳۰۔ تراجم حرف العین، عبداللہ بن جابر۔ عبداللہ بن زید) میں روایت کیا ہے یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔ جیسا کہ امام النووی نے "المجموع" (۲/ ۱۵۹) میں کہا ہے۔

عمر بن رزیق نے اس کو موصولاً بھی روایت کیا ہے۔ مگر مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا۔ اس کی سند سے یہ روایت "دارقطنی" میں ہے۔

اس حدیث (حدیث عبداللہ بن رواحہ میں) صرف جنبی کا ذکر ہے۔ "دارقطنی" میں اس میں ایک قصہ بھی ہے۔ ـــــــ

مسئلہ: جنبی اور حائضہ قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ان کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اس کے قائل حضرت علی اور جابر رضی اللہ عنہم ہیں۔

اثر علی رضی اللہ عنہ کی تخریج حدیث (۵۸) میں گزر چکی ہے اور اثر جابر رضی اللہ عنہ کی تخریج ابھی گزری ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۹۷۔ دار التاج) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قصے سے اور "شرح المعانی" (۱/۹۰) میں سلمان رضی اللہ عنہ کے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی جنبی کے لیے قرارت جائز نہیں، مگر ان دونوں قصوں کی سندیں منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابن ابی شیبہ (۱/۹۸) میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے حائضہ کے لیے قرارت کی ممانعت مروی ہے۔ مگر اس کی سند بھی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نیز اسی سند سے یہ روایت "بیہقی" (۱/۸۹) میں بھی ہے۔ مگر اس میں ہے کہ آپ جنبی کے لیے قرارت کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اس اثر کے راوی شعبہ کہتے ہیں کہ میرے صحیفے میں حائضہ کا بھی ذکر ہے۔

اور اسی سند سے یہ اثر "دارمی" (۱/۲۳۵) میں بھی ہے۔ مگر اس میں ہے کہ آپ جنبی اور حائضہ کے لیے قرارت کو مکروہ جانتے تھے یا ان کو قرارت سے منع کرتے تھے۔

دارمی میں اس طرح شک کے ساتھ ہے۔ مگر درج ذیل وجوہ کی بنا پر صحیح یہ ہے کہ آپ جنبی اور حائضہ کے لیے قرارت کو مکروہ جانتے تھے۔ اس سے منع نہیں کرتے تھے۔

۱۔ اس اثر کے بعض راویوں نے کراہت کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ اس اثر کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی لیے امام بیہقی اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "و ھذا مرسل" یہ مرسل ہے۔ یعنی منقطع ہے۔

۳۔ ان سے دوسری صحیح سند سے حالت جنابت میں قرارت کی کراہت مروی ہے۔ اس سند سے اس اثر کو عبدالرزاق (۱/۲۲۷) ابن ابی شیبہ (۱/۹۷) ابن المنذر (۲/۹۶) طحاوی (۱/۹۰) اور بیہقی (۱/۸۹) نے روایت کیا ہے۔

اسے امام بیہقی اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۱۳۸) میں صحیح کہا ہے۔ کنیٰ دولابی (۱/۳۵) میں ابو سعد الخیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وضو کر لینے کے بعد جنبی ایک دو آیات کی تلاوت کر سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو سعد رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی جنبی کے لیے مطلق طور پر قرارت درست نہیں۔

اس اثر میں ایک قصہ بھی مذکور ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے زمانے میں عام خیال یہ تھا کہ جنبی کے لیے قرآن کی تلاوت جائز نہیں، مگر اس کی سند میں ایک راوی ابو فراس شعبانی ہے۔ جسے ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے بارے

میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل نقل نہیں کی اور اس سے صرف ایک ہی راوی کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیں "الجرح والتعدیل" (۷/۹۱ ترجمہ فراس) ایضاً "تاریخ بخاری" (۷/۱۳۸)۔

اس سے جب ایک ہی راوی نے روایت کی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ یہ مجہول ہے۔

میزان (۳/۳۴۳/۳) اور "مغنی" (۲/۲/۵۰۹) میں علامہ ذہبی کے اسلوب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجہول ہے لہٰذا اس اثر کی سند ضعیف ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۹۸) میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جنبی ایک دو آیات کی تلاوت کر سکتا ہے۔ مگر اس قول کی سند عمر بن عبداللہ بن یعلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

یہ تو رہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال، اب ان تابعین کے بھی اسمائے گرامی معلوم کریں جو جنبی یا حائضہ کے لیے قراءت کو ممنوع کہتے ہیں۔ وہ تابعین یہ ہیں۔

اسود بن یزید، حسن بصری، زہری، شعبی، قتادہ، مجاہد، محمد بن سیرین، ابوالعالیہ اور ابو وائل رحمہم اللہ جمیعًا۔

اسود بن یزید کے اثر کی سند حسن درجہ کی ہے۔ شعبی کے اثر میں شریک کی وجہ سے کچھ کمزوری ہے۔ باقی تمام آثار کی سندیں صحیح ہیں۔

دیکھیں "مصنف عبدالرزاق" (۱/۳۳۵-۳۳۷) "مصنف ابن ابی شیبہ" (۱/۹۷-۹۸) دارمی (۱/۲۳۵-۲۳۶) اور "بیہقی (۱/۸۹)

بعض تابعین سے ایک آدھی آیت کی تلاوت کی اجازت مروی ہے۔

عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ حائضہ قرآن کی بالکل تلاوت نہیں کر سکتی۔ مگر جنبی ایک آیت پڑھ سکتا ہے۔

اس قول کو عبدالرزاق (۱/۳۳۶) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

ان سے ایک دوسری روایت کے مطابق حائضہ کے لیے آیت کے کچھ حصہ کی اجازت مروی ہے۔ یہ روایت دارمی (۱/۲۳۶) میں ہے اور اس کی سند جید ہے۔

ان سے "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ایک تیسری روایت بھی ہے۔ اس میں دونوں کے لیے یہ اجازت منقول ہے اور یہ حجاج بن ارطاۃ کی روایت ہے۔

امام باقر اور عکرمہ سے جنبی کے لیے ایک دو آیات کی تلاوت کی اجازت مروی ہے۔

ان کے آثار "مصنف ابن ابی شیبہ" (۱/۹۷) میں ہیں اور ان کی سندوں کے راوی ثقہ ہیں۔

اتباع تابعین میں سے ابراہیم نخعی سے جنبی کے لیے قراءت کی ممانعت مروی ہے۔

اور بعض روایات میں ان سے بھی جنبی اور حائضہ کے لیے ایک آدھی آیت کی تلاوت کی اجازت مروی ہے اور یہ دونوں روایتیں ان سے صحیح ثابت ہیں۔

دیکھیں "مصنف عبدالرزاق" (۱/۳۴۱/۱۳۱۹) "مصنف ابن ابی شیبہ" (۱/۹۷، ۹۸/۱۰۸۷، ۱۰۹۰، ۱۰۹۷ - دار التاج) اور دارمی (۱/۲۳۵)

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لیے قرآن کی تلاوت جائز نہیں۔

دیکھیں "الہدایہ مع فتح القدیر" (۱/۱۴۷) "بدائع الصنائع" (۱/۳۷-۳۸) "مجموع نووی" (۲/۱۵۸) اور "مغنی ابن قدامہ" (۱/۱۴۳-۱۴۴)۔

امام مالک اور محمد بن مسلمہ وغیرہ سے حائضہ کے لیے قرآن پڑھنے کی اجازت مروی ہے، دیکھیں "معالم السنن" (۱/۷۶) اور "اوسط ابن المنذر" (۲/۹۹) وغیرہ۔

ان سے اور اسی طرح بعض دیگر فقہا سے بھی بعض تابعین کی طرح ایک دو آیات کی اجازت مروی ہے۔

جمہور علماء نے اپنے مذہب کی تائید کے لیے حضرت علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی احادیث سے حجت لی ہے۔

مگر یہ تمام حدیثیں ضعیف ہیں نیز علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حرمت قرات پر دلیل لینا بھی درست نہیں اور ان کی وہ روایت جو حرمت پر صریح دلیل ہے وہ مرفوع روایت نہیں، بلکہ وہ ان کا اپنا قول ہے۔ جیسا کہ حدیث (۵۸) میں تفصیل گزر چکی۔

جن علماء نے ایک یا دو آیات پڑھنے کی اجازت دی ہے یہ محض رائے و قیاس پر مبنی ہے۔ اسی لیے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس تخصیص کی کوئی سند نہیں "مجموع" (۲/۱۵۹) ان کا مزید رد "محلی ابن حزم" (۱/۷۸-۷۹) میں دیکھیں۔

جنہوں نے حائضہ کو قرآن پڑھنے کی اجازت فراہم کی ہے وہ اس بنا پر کہ چونکہ حیض کچھ ایام رہتا ہے۔ اس لیے قرآن کے بھول جانے کا خطرہ ہے۔

نووی اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دل میں تفکر کرنے سے اس خطرہ سے بچا جا سکتا ہے "مجموع" (۱/۱۵۹) محلی ابن حزم (۱/۷۹) بھی دیکھیے۔

یہاں تک گفتگو تو جمہور کے مذہب اور ان کے دلائل کے بارے میں تھی۔ اب ان کے مدمقابل علماء کا موقف اور ان کے دلائل ملاحظہ کرتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے سعید بن جبیر، سعید بن المسیب اور ربیع بن ابی عبدالرحمٰن اس طرف گئے ہیں۔ کہ جنبی کے لیے قرآن کی تلاوت جائز ہے۔ ←

ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/۹۹) میں اور خطابی نے "معالم السنن" (۱/۷۷) میں عکرمہ کی طرف بھی یہی قول منسوب کیا ہے۔

ائمہ میں سے اس مذہب کے قائل اہلِ ظاہر، بخاری، طبری اور ابن المنذر ہیں۔

محقق شوکانی اور البانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ دیکھیں "صحیح البخاری" (۱/۴۰۷-۴۰۸- فتح الباری) "اوسط ابن المنذر" (۲/۹۸-۱۰۰) "محلی" (۱/۷۷-۸۰) "نیل الاوطار" (۱/۲۲۶) "تمام المنۃ" (۱۱۷-۱۱۸) و ارواء الغلیل" (۲/۲۴۴-۲۴۵)

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو ابن المنذر نے تین سندوں سے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے اس اثر کو تعلیقاً مگر بصیغۂ جزم ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "صحیح البخاری" (۱/۴۰۷- الفتح)

ابن عباس سے یہ اثر جن مختلف روایات سے مروی ہے۔ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے حالت جنابت میں کچھ آیات کی تلاوت کی تو ان سے اس کے بارے میں کہا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے پیٹ میں جو ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

ابن حزم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ایک چوتھی سند سے نقل کیا ہے کہ وہ حالت جنابت میں سورۂ بقرہ تلاوت کرتے۔

مگر یہ سند یوسف بن خالد سمتی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

تنبیہ: ابن المنذر نے عبدالرحمٰن بن مکمل کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جنبی اگر ایک آدھ آیت تلاوت کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر اس سند میں بقیہ ہیں جو مدلس ہیں۔ نیز عبدالرحمٰن بن مکمل کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

مذکورہ بالا سطور لکھنے کے چند روز بعد مجھے اس کا ترجمہ مل گیا۔ یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مکمل ہے۔

اسے بخاری نے "تاریخ کبیر" (۵/۳۰۱) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے ان کا قول سنا ہے۔

اس سے ان کی مراد غالبًا یہی قول ہے۔

اس کو ابنِ ابی حاتم نے بھی "الجرح والتعدیل" (۵/۲۵۰) میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے بارے میں کوئی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی۔

یہ مجہولین کے زمرے میں آتا ہے۔ کیونکہ ان سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہے۔

ابن حبان نے اپنے قاعدے کے مطابق اس کو "الثقات" (۵/۹۷) میں ذکر کیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس اثر کی سند صحیح نہیں۔ نیز ان الفاظ سے یہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کے منافی

ہے جو ان سے تین چار اسانید سے مروی ہے۔

۲۔ سعید بن جبیر کے اثر کو ابن حزم نے روایت کیا ہے۔ حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے جنبی کی قرات کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس میں کوئی حرج خیال نہ کیا اور کہا کہ کیا اس کے پیٹ میں قرآن نہیں۔ اس اثر کی سند جید ہے۔

تنبیہ: اس اثر کو حماد بن ابی سلیمان سے شعبہ نے روایت کیا ہے۔ جب کہ سلیمان بن حیان ابو خالد الاحمر نے حماد سے روایت کرتے ہوئے سعید بن جبیر سے یہ نقل کیا ہے کہ جنبی اور حائضہ مکمل آیت کی تلاوت تو نہیں کر سکتے۔ مگر اس کے کچھ حصے کی تلاوت کر سکتے ہیں۔

ان الفاظ سے یہ اثر ابن ابی شیبہ (۱/ ۹۷) اور دارمی (۱/ ۲۲۵) میں ہے۔ ہمارے نزدیک ان الفاظ سے یہ اثر شاذ ہے اور جو شعبہ نے حماد سے روایت کی ہے وہی صحیح روایت ہے۔

عمر بن عبداللہ بن یعلی نے سعید بن جبیر سے حائضہ اور جنبی کے لیے ایک دو آیات کی اجازت نقل کی ہے۔ ان الفاظ سے یہ اثر ابن ابی شیبہ (۱/ ۹۸) میں ہے۔ مگر اس کی سند عمر بن عبداللہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

حاصل کلام یہ کہ صحیح یہ ہے کہ سعید بن جبیر کے نزدیک جنبی کے لیے مطلق طور پر قرآن کی تلاوت جائز ہے۔ واللہ اعلم

۳۔ سعید بن مسیب کے اثر کو عبدالرزاق (۱/ ۳۳۷) نے روایت کیا ہے

محمد بن طارق کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے سوال کیا کہ جنبی قرآن سے کچھ پڑھ سکتا ہے۔؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

محمد بن طارق نے تو سعید بن مسیب سے یوں روایت کی ہے۔ جب کہ ابن ابی شیبہ (۱/ ۹۸) میں حماد بن ابی سلیمان کی سعید بن مسیب سے روایت میں ہے کہ جنبی قرآن نہ پڑھے۔ مگر پہلی روایت کی سند زیادہ صحیح ہے۔ نیز ابن حزم نے "محلی" (۱/ ۷۹) میں حماد بن ابی سلیمان سے یوں روایت کی ہے۔ وہ (حماد) کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے سوال کیا کہ جنبی قرآن پڑھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ کیسے نہیں پڑھ سکتا۔ جب کہ وہ اس کے پیٹ میں ہے۔

مگر اس کی سند یوسف بن خالد سمتی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس اثر کو ابن المنذر نے بھی "الاوسط" (۲/ ۹۹) میں ذکر کیا ہے۔ مگر انہوں نے اس کی سند ذکر نہیں کی۔

حاصل کلام یہ کہ حماد کی جس روایت میں سعید بن مسیب سے جنبی کو قرآن پڑھنے کی ممانعت ہے وہ میرے نزدیک دو وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے۔

۱۔ حماد غلطیاں کرتے ہیں۔ جیسا کہ ذہبی اور ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر "تقریب" (۱/ ۱۹۷) میں فرماتے ہیں: صدوق لہ اوہام صدوق ہیں۔ (مگر) اس کے کچھ اوہام ہیں۔

۳۔ ابن ابی شیبہ نے اس اثر کو باب "من رخص للجنب أن یقرأ من القرآن" جس نے جنبی کو قرآن پڑھنے کی رخصت دی ہے۔" میں ذکر کیا ہے۔

اگر یہ اثر واقعتًا اسی طرح ہوتا تو پھر ابن ابی شیبہ اس کو اس باب میں نہ لاتے، بلکہ اس سے پہلے باب "من کرہ أن یقرأ الجنب القرآن" جس نے جنبی کے لیے قرآن پڑھنے کو مکروہ جانا ہے" میں ذکر کرتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے اثر کو ابن حزم نے روایت کیا ہے۔

ان کا قول ہے کہ جنبی کے قرآن پڑھنے میں کچھ حرج نہیں۔

جو علماء قرارت کو جائز کہتے ہیں انہوں نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں۔

۱۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ جنہوں نے جنبی کے لیے قرارت کو جائز کہا ہے انہوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجت لی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان کی یہ حدیث روایت کی ہے۔

"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل أحیانہ"

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ (عزوجل) کا ذکر کرتے تھے"

اس حدیث کو مسلم (۴/ ۶۸) ابوداؤد (۱۸) ترمذی (۳۳۸۴) "الدعوات" ابن ماجہ (۳۰۲) ابن خزیمہ (۲۰۷) ابن حبان (۳/۸۱) اور بیہقی (۱/ ۹۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے دلیل یوں لی گئی ہے کہ اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں جس میں بظاہر حالت جنابت بھی ہے۔ اللہ عزوجل کا ذکر کرتے تھے اور قرآن کی تلاوت بھی ایک ذکر ہی ہے۔

۲۔ دوسری دلیل "براءۃ أصلیۃ" ہے۔ یعنی انسان اصل میں بری ہے۔ کسی چیز کا مکلف نہیں صرف اسی چیز کا مکلف ہوگا۔ جس کا شارع اسے مکلف بنائے۔

حالتِ جنابت وغیرہ میں قرارت کی حرمت پر چونکہ کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ اس لیے "براءۃ اصلیۃ" پر عمل کرتے ہوئے جنبی و حائضہ کے لیے دوسرے امور کی طرح قرآن کی تلاوت کرنا بھی جائز ہوگا۔

اور یہ انتہائی قوی دلیل ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

" قرارت قرآن اور اللہ عزوجل کا ذکر وغیرہ یہ تمام امور اعمال صالحہ میں سے ہیں جن کے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ان کے فاعل کو اجر ملتا ہے۔

جو شخص بعض حالات میں ان کے کرنے سے منع کرتا ہے۔ وہ اس بات کا مکلف ہے کہ دلیل پیش کرے۔" "محلی" (۱/ ۷۷-۷۸)۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔

" ویؤیدہ التمسک بعموم حدیث عائشۃ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کان یذکر اللہ علیٰ کلّ احیانہ و بالبراءۃ الأصلیۃ حتیٰ یصح ما یصلح لتخصیص ہذا العموم وللنقل عن ہذہ البراءۃ" "نیل الأوطار" (۱/۲۲۶)

"اس کی (جنبی کے لیے قراءۃ کے جواز کی) تائید اس حدیث عائشہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے۔) کے عموم سے اور برأت أصلیہ سے بھی ہوتی ہے (اس عموم اور برأت أصلیہ کو اس وقت تک ترک نہیں کیا جائے گا) جب تک کوئی ایسی صحیح دلیل نہ آجائے جو اس عموم کی تخصیص کرے اور اس براءت سے نقل کرے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جنبی اور اسی طرح حائضہ کے لیے بھی قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے مگر واضح رہے کہ یہ جواز مع الکراہیہ ہے کیونکہ "مسند احمد (۴/ ۳۴۵، ۵/ ۸۰) ابوداود (۱۷) "صحیح ابن خزیمہ" (۲۰۶) "صحیح ابن حبان (۲/ ۸۲) اور "مستدرک حاکم" (۱/ ۱۶۷، ۳/ ۴۷۹) میں مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کررہے تھے۔ کہ کسی نے آپ پر سلام کہا آپ نے جواب نہ دیا، فراغت کے بعد وضوء کیا۔ اس کا جواب دیا، اور فرمایا " انہ لم یمنعنی أن ارد علیک إلا انی کرہت أن اذکر اللہ عزوجل إلا علیٰ طہر "؛ مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے کوئی چیز مانع نہ تھی۔ صرف یہ کہ طہارت حاصل کیے بغیر میں نے اللہ عزوجل کے ذکر کو مکروہ سمجھا"۔

بعض راویوں نے پیشاب کی بجائے یہ کہا ہے کہ آپ وضوء کررہے تھے اور وضوء مکمل کرنے کے بعد اس کا جواب دیا اور فرمایا مسند احمد میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حسن بصری اس حدیث کے پیش نظر وضوء کیئے بغیر قراءت قرآن اور ذکر کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے "صحیح ابن خزیمہ" اور "صحیح ابن حبان" میں ہے کہ ان کا اس حدیث پر عمل تھا۔

اس حدیث کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور نووی نے "مجموع" (۲/ ۸۸) میں صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے پیش نظر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب حدثِ اصغر کی حالت میں سلام کا جواب دینا مکروہ ہے تو بحالت جنابت قراءت تو بالأولیٰ مکروہ ہوگی۔

تنبیہ: واضح رہے کہ مہاجر بن قنفذ کی یہ حدیث مذکورہ حدیثِ عائشہ کے مخالف نہیں۔ کیونکہ حدیث مہاجر میں افضلیت کا ذکر ہے اور یہ افضلیت ہر حال میں اللہ عزوجل کے ذکر کرنے کے منافی نہیں، دیکھیں "صحیح ابن خزیمہ" (۱/ ۱۰۳) اور "صحیح ابن حبان" (۲/ ۸۳)۔

فائدہ: جنبی اور حائضہ قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں، اس میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ صرف قراءت کے بارے میں ہے رہا تلاوت کے علاوہ دوسرا ذکر۔ تہلیل، تسبیح اور تحمید وغیرہ۔ تو یہ بالاجماع جائز ہے۔ جیسا کہ امام نووی نے "شرح مسلم" (۴/ ۶۸) "المجموع" (۲/ ۱۶۴)، "الأذکار" (۱۰) اور "التبیان" (۲۹) میں نقل کیا ہے۔

ذکر کے جواز پر متعدد احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔

خونِ استحاضہ کا مسئلہ

خونِ استحاضہ وہ خون ہوتا ہے، جو خونِ حیض کے معتاد دنوں کے بعد خاکی یا زرد رنگ کا جاری ہوتا یہ ایک مرض ہے۔ جب عورت اپنے خونِ حیض کی عادت کے دن پورے کرے، پھر اسے غسل کر کے نماز وغیرہ شروع کر دینی چاہیئے۔ کیونکہ خونِ استحاضہ کا حکم خونِ حیض کے حکم میں نہیں ہے۔

۶۷۔۔۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رسولِ خدا کی خدمت میں آئی۔ اور عرض کیا۔ اے خدا کے رسولؐ! مجھے خون استحاضہ آتا ہے۔ اور میں پاک نہیں ہوتی ہوں (بوجہ خون استحاضہ) تو کیا

۱۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا۔ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ"
اس حدیث کی تخریج اور ترجمہ کچھ پہلے گزر چکا ہے۔

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی دوسری حدیث جس میں وہ فرماتی ہیں کہ مجھے ایام حج میں حیض آ گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

" افعلی ما یفعل الحاج غیر الا تطوفی بالبیت " (بخاری اور مسلم وغیرہ)

" بیت اللہ کے طواف کے علاوہ باقی ہر وہ کام کر و جو حاجی کرتا ہے۔

حج میں اذکار اور دعائیں بھی ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صرف طواف سے منع فرمایا۔

۳۔ نمبر (۵۸۲) میں آنے والی حدیث اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض والی عورتوں کو بھی عید کے روز عید گاہ میں جانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی بعض روایات میں اس حکم کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔

" فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم "

"تاکہ وہ لوگوں کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور ان کی دعاء کے ساتھ دعاء کریں۔

۴۔ دارمی (۱/ ۲۳۵) میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا حالتِ حیض میں اسماء رضی اللہ عنہا کو دم کیا کرتی تھیں۔ اس کی سند صحیح ہے۔

۶۷ ۔۔۔ بخاری (۳۰۶، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۳۱) مسلم (۴/ ۱۶-۲۲)

اسی طرح اس کو مالک (۱/ ۶۱) ابوداؤد (۲۸۲-۲۸۳) ترمذی (۱۲۵) نسائی (۱/ ۶۵، ۱۸۰) ابن ماجہ (۶۲۱) دارمی (۱/ ۱۹۸-۱۹۹) ابوعوانہ (۱/ ۳۱۹) ابن حبان (۴/ ۱۸۰، ۱۸۳) دارقطنی (۱/ ۲۰۶) اور بیہقی نے بھی (۱/ ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۰) روایت کیا ہے۔

میں (خونِ حیض کے حکم کی طرح) نماز چھوڑ دوں؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں یہ خونِ استحاضہ ایک رگ ہے اور نہیں ہے خونِ حیض، پس جب تجھ کو خونِ حیض آئے۔ تو نماز چھوڑ دے اور جس وقت خون حیض جاتا رہے (یعنی حیض کی عادت کے دن ختم ہو جائیں۔ پس اپنے سے خون کو دھو (یعنی غسل کرے) اور نماز پڑھ۔

(بخاری، مسلم)

حاصل کلام یہ کہ مستحاضہ پاک عورت کی طرح ہے۔ معتاد ایامِ حیض کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو تازہ کرتی رہے۔ رسولِ خداؐ نے صحیح بخاری میں اُمّ حبیبہ بنت جحش ایک مستحاضہ عورت کو فرمایا۔

۶۸ — "تَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ" یعنی ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کرو۔"

حائضہ کو نماز، روزہ کی ممانعت

ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

۶۹ — اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ" (متفق علیہ)

"کیا نہیں ہے (یہ بات) کہ جب عورت حیض سے ہوتی ہے تو (بحکم شرع) نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جب کہ حضورؐ عورتوں کو وعظ سنا رہے تھے تو آپ نے عورتوں کو ناقص الدین فرمایا — تو عورتوں نے اپنے نقصان دین کی وجہ پوچھی۔ تو حضورؐ نے جواب میں یہ بات ارشاد فرمائی۔ کہ ایامِ حیض

---

۶۸ — اس کو بخاری (۲۲۸) "الوضوء" "باب" غسل الدم" ترمذی (۱۲۵) نسائی (۱/ ۱۸۵) دارمی (۱/ ۱۹۹) ابن حبان (۴/ ۱۸۰، ۱۸۸) دارقطنی (۱/ ۲۰۶) اور بیہقی (۱/ ۳۴۴) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے لیے "ترمذی لبشرح الشیخ احمد شاکر" (۱/ ۲۱۸- ۲۱۹) دیکھی جائے۔

۶۹ — اس حدیث کو بخاری (۳۰۴) "الحیض" مسلم (۲/ ۶۷) "الایمان" ابن المنذر نے الاوسط (۱/ ۲۰۲-۲۰۳) میں ابن مندہ نے "کتاب الایمان" (۲/ ۶۸۰/ ۶۷۴) میں اور بیہقی نے "سنن" (۱/ ۳۰۸، ۴/ ۲۳۵ - ۲۳۶) اور "الآداب" (۱۷۱) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حدیث ابن عمر کو مسلم، ابوداؤد (۴۶۷۹) "السنۃ" ابن ماجہ (۴۰۰۳) "الزہد" اور ابن مندہ نے روایت ←

میں ان کو نماز روزہ کی ممانعت ہے۔

ملاحظہ :- حائضہ کو بحالتِ حیض نماز اور روزہ کی ممانعت ہے۔ لیکن طہارت کے بعد روزہ کی قضاء کرے اور نماز معاف ہے [1]

نفاس کا حکم

۷۰ — بچے کی پیدائش پر جو خون آتا ہے، اسے نفاس کہتے ہیں۔ اس کی اکثر مدت بلوغ المرام میں چالیس روز ہے یعنی اگر چالیس روز تک جاری رہے، تو اس کا بھی خون حیض کی طرح ہی حکم ہے [1] یعنی نفاس والی عورت کو نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، جماع، مسجد کے اندر جانا، کعبہ کا طواف کرنا۔ قرآن پڑھنا، اور قرآن کا چھونا حرام ہے۔ پاک ہو کر روزہ کی قضاء کرے اور نماز معاف ہے۔ اگر چالیس روز سے خون زیادہ جاری رہے تو وہ استحاضہ ہو گا۔ جو مانع نماز، روزہ، جماع وغیرہ نہیں ہے۔

← کیا ہے۔

حدیث ابوہریرہؓ کو مسلم ترمذی (۲۶۱۲) و کتاب الایمان اور ابن مندہ نے روایت کیا ہے۔

[1] صحیح مسلم (۴/۲۸) کتاب الحیض صحیح ابی عوانہ (۱/۳۲۴) مسند احمد (۶/۲۳۱-۲۳۲) وغیرہم میں ہے کہ (ایک عورت) معاذہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزہ کی تو قضاء کرتی ہے، نماز کی نہیں۔ آپ فرمانے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں حیض آیا کرتا تھا تو ہمیں روزہ کی قضاء کا تو حکم دیا جاتا تھا۔ مگر نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

۷۰ — حسن درجہ کی حدیث ہے۔

بلوغ المرام (۱/۱۴۳/۱۴۷ سبل السلام) میں اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ نفاس والی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چالیس دن یا چالیس رات بیٹھا کرتی تھیں (یعنی نماز وغیرہ نہیں پڑھتی تھیں)۔

اس حدیث کو احمد (۶/۳۰۰، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۹، ۳۱۰) ابوداؤد (۳۱۱-۳۱۲) ترمذی (۱۳۹) ابن ماجہ (۶۴۸) دارمی (۱/۲۲۹) ابن المنذر نے "الاوسط" (۲/۲۵۰) میں، ابن حبان نے "المجروحین" (۲/۲۲۴-۲۲۵) میں طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۲۳/۳۷۰، ۳۷۲) میں دارقطنی (۱/۲۲۱-۲۲۲، ۲۲۳) حاکم (۱/۱۷۵) بیہقی (۱/۳۴۱) اور بغوی (۳۲۳) نے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد، حاکم اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام نفاس کی نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں دیتے تھے۔

←

۔اس حدیث کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والی مُسَّہ ہیں جن کی وجہ سے اس میں کلام کیا گیا ہے۔
ملاحظہ ہو "محلی" (۲/۲۰۴) "میزان" (۴/۶۱۰) اور "تلخیص" (۱/۱۷۱)۔
جب کہ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
خطابی نے کہا ہے کہ محمد بن اسماعیل (امام بخاری) نے اس حدیث کو سراہا ہے۔
نووی نے "المجموع" (۲/۵۲۵) میں اور البانی نے "ارواء الغلیل" (۲۰۱) میں اس کو حسن کہا ہے، بلکہ نووی نے چند سطور کے بعد اس کو جید بھی کہا ہے۔

اس حدیث کے شواہد ہیں جن کی بنا پر یہ بلاشبہ حسن درجہ کی حدیث ہے۔
ان شواہد میں انس، جابر، عثمان بن ابی العاص اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔
حدیث انس کو بیہقی (۱/۳۴۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند شاہد بننے کے قابل ہے۔
ابن ماجہ (۶۴۹) ابو یعلی (۳۷۷۹-تحقیق الاثری) ابن عدی (۳/۱۱۴۸) دارقطنی (۱/۲۲۰) اور ابن حزم (۲/۲۰۶) نے اس کو ایک دوسری سند سے اور ابن حبان نے "المجروحین" (۲/۳۱۴) میں اس کو ایک تیسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ دونوں سندیں سخت ضعیف ہیں۔
بوصیری کو ابن ماجہ وغیرہ کی سند کے ایک راوی کے بارے میں اشتباہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے اس سند کو صحیح کہہ دیا۔ دیکھیں "مصباح الزجاجہ" (۲۴۶)
اور شیخ احمد شاکر نے وہم کی بنا پر "محلی" کے حاشیے میں بوصیری کی تصحیح کو ہیثمی سے منسوب کر دیا۔
حدیث جابر کو طبرانی نے "الاوسط" (۴۶۵) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔
عثمان بن ابی العاص کی حدیث کو حاکم (۱/۱۷۶) اور دارقطنی (۱/۲۲۰) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اس میں دو تین علل ہیں۔
حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ عثمان پر موقوف ہے۔ "تلخیص" (۱/۱۷۱)
حدیث عائشہ کو ابن حبان نے "المجروحین" (۲/۱۳۰) میں ابن عدی (۵/۲۰۰۳) اور دارقطنی (۱/۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۳) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند عطاء بن عجلان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔
ابن حبان نے "المجروحین" (۱/۲۴۵) میں اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ سند بھی حسین بن علوان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

مسئلہ: نفاس کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مدت کتنی ہے اس کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ ←

← اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین وغیرہم کے نزدیک اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "معالم السنن" (۱/۹۵) اور "المجموع" (۲/۵۲۴)

بلکہ امام ترمذی تو فرماتے ہیں۔کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد میں آنے والے اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن تک نماز ادا نہیں کرے گی، اِلّا یہ کہ اس مدت سے قبل ہی اس کا خون رک جائے تو وہ غسل کرلے گی اور نماز شروع کردے گی۔

اگر چالیس روز کے بعد بھی اس کا خون جاری رہتا ہے۔ تو اکثر اہل علم کا قول ہے کہ وہ ان دنوں کے بعد نماز ترک نہیں کرے گی، اور اکثر فقہاء کا بھی یہی قول ہے، سفیان ثوری، ابن المبارک شافعی، احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ "ترمذی" (۱/۲۵۸)

یعنی چالیس روز کے بعد جاری رہنے والا خون، نفاس نہیں بلکہ استحاضہ متصور ہوگا اور خون استحاضہ کا جو حکم ہے وہ حدیث (۶۷) میں گزر چکا ہے۔

اسی طرح نفاس کی کم از کم مدت میں بھی اختلاف ہے۔ مگر اس کے بارے میں صحیح یہی ہے کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ اگر اسے ولادت کے بعد خون آتا ہی نہیں تو اس پر ضروری ہے کہ وہ غسل کرے اور نماز پڑھے، ابن المنذر نے کہا ہے۔ کہ یہ شافعی کا قول ہے، "الاوسط" (۲/۲۵۲)۔

نووی نے شافعی اور اپنے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے۔ "المجموع" (۲/۵۲۲)

اسی کو ابن منذر، ابنِ حزم، صنعانی اور شوکانی وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو "الاوسط" (۲/۲۵۳) "المحلی" (۲/۲۰۳) "سبل السلام" (۱/۱۷۴) "نیل الاوطار" (۱/۲۸۳-۲۸۴) اور "الدراری المضیئۃ" (۱/۹۱)

مذکورہ حدیث کی بعض روایات سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حدیثِ انس میں ہے "اِلّا ان تری الطھر قبل ذلک" یعنی نفاس کی مدت چالیس دن ہے۔ اِلّا یہ کہ اس سے پہلے خون ختم ہو جائے۔

"کامل ابن عدی" (۵/۱۸۶۱) میں ابوالدرداء اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے۔

"نفاس والی عورت چالیس دن انتظار کرے اِلّا یہ کہ وہ اس سے قبل پاک ہو جائے۔ اگر چالیس دن گزرنے کے باوجود پاک نہ ہو تو اسے غسل کرلینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مستحاضہ ہے"

مگر اس کی سند علاء بن کثیر شامی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

۱۔ حدیث میں خونِ حیض پر نفاس کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ یہ اس لیے کہ ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "صحیح البخاری کتاب الحیض، باب: من سمی النفاس حیضا" ←

غسلِ جنابت کا طریقہ

۱/ ـــ "وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُوْلَ شَعْرِهِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلٰثَ غُرُفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ ـ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جب رسُولِ خدا غسلِ جنابت کا ارادہ فرماتے تو (اس طرح) شروع کرتے، کہ (پہلے) دونوں ہاتھ (پہنچوں تک) دھوتے، پھر وضوء کرتے، جس طرح نماز کے لیے وضوء کرتے ہیں۔ پھر اپنی انگلیاں پانی میں (تر کرنے کے لیے) داخل کرکے نکالتے اور ان سے اپنے بالوں کی جڑوں کو خلال کرتے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ تین چلو پانی اپنے سر پر ڈالتے اس کے بعد اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔"

ـــ ابن جریر نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت کا حکم ایک ہی ہے "المجموع" للنووی (۲/۵۲۴)

فائدہ: حیض و نفاس والی عورت کے لیے بحالت اضطراری بیت اللہ کا طواف کرنا جائز ہے۔

مثلاً: کسی عورت کو طواف افاضہ کرنے سے قبل حیض یا نفاس کا خون آجاتا ہے اور ان ایام کے اختتام سے قبل اس کے قافلہ کی واپسی کی تاریخ ہے اور تاریخ میں اس قدر تاخیر بھی ممکن نہ ہو کہ وہ طہارت کے بعد طواف کر سکے تو ایسی صورت میں اس کے لیے اسی حالت میں طواف کرنا جائز ہے۔ تفصیل کے لیے اعلام الموقعین" (۳/۱۴ ....) دیکھیں۔

اگر کسی دوا کے استعمال سے وقتی طور پر خون روکا جا سکتا ہو تو یہ بحالتِ حیض یا نفاس طواف کرنے کی نسبت بہتر ہے واضح رہے کہ یہ حکم طواف افاضہ کا ہے۔ اگر اس پر طوافِ وداع ہے تو وہ یہ طواف کیے بغیر ہی سفر کر سکتی ہے۔ جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ابن عباس، ابن عمر اور دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی احادیث سے پتہ چلتا ہے۔

۱/ ـــ بخاری (۲۴۸، ۲۶۲، ۲۷۲) مسلم (۳/۲۲۸-۲۳۰) اسی طرح اس کو مالک (۱/۴۴) ابو عوانہ (۱/۲۹۰-۲۹۹) ابوداؤد (۲۴۲) ترمذی (۴/۱۰۴) نسائی (۱/۱۳۴-۱۳۵، ۲۰۵) "الطہارۃ والغسل" دارمی (۱/۱۹۱) اور ابن خزیمہ (۲۴۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

کتاب میں مذکور سیاق مالک کا ہے اور مالک کے طریق سے اسے بخاری (۲۴۸) اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں وضوء کا مجمل طور پر ذکر ہوا ہے۔

←

مِسواک کا بیان

مسواک والی نماز

۷۲ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔ کہ رسُول اللہ نے فرمایا، جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے۔ وہ بغیر

← میمونہ رضی اللہ عنہا نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ غسل بیان کیا ہے۔

ان کی حدیث کو بخاری (۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱) مُسلم، ابُوعوانہ، ابُوداؤد، نسائیُ ابن ماجہ (۵۷۳) دارمی اور ابن خزیمہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے اکثر طرق میں وضوء کا مفصل ذکر موجُود ہے۔ مگر اس کے کسی طریق میں بھی سر پر مسح کا ذکر نہیں ہوُا۔ بلکہ پانی ڈالنے ہی کا ذکر ہوُا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اسی سے مالکیہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ غسل کے وضوء میں سر کا مسح نہ کیا جائے بلکہ سر پر جو پانی ڈالا جاتا ہے وہی کافی ہے "فتح الباری" (۱/۳۶۲)

امام ابُوداوُد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سوال کیا کہ کیا جنبی وضوء میں سر کا مسح بھی کرے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مسح کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ وہ سر پر پانی ڈالے گا۔ "مسائل الامام احمد" لابی داؤد (۱۹)

قلت: رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کے وضوء میں سر کا مسح نہیں کیا۔ اس کے بارے میں ایک صریح حدیث بھی ہے۔ یہ حدیث عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اس حدیث میں وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسلِ جنابت میں وضوء کا ذکر کرتے ہوُئے فرماتے ہیں" حتی إذا بلغ رأسه لم يمسح وأفرغ عليه الماء فهكذا كان غسل رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

یعنی سر کا مسح نہیں کیا بلکہ اس پر پانی ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل اسی طرح تھا۔

اس حدیث کو نسائیُ (۱/ ۲۰۵-۲۰۶) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث پر انہوں نے یہ باب باندھا ہے۔

" ترك مسح الرأس في الوضوء من جنابة "

" جنابت کے وضوء میں سر کے مسح کو ترک کرنا۔"

حدیث عائشہ اور حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا میں لفظ افاضہ، غسل، صبّ اور افراغ مستعمل ہوُا ہے۔ ان سب الفاظ کے معنے پانی بہانے کے ہیں۔ لہذا غسل کرتے وقت بدن کو ملنا ضروری نہیں ہے۔ دیکھیں" نیل الاوطار" (۱/ ۲۲۰، ۲۴۵)۔

۷۲ ــــ صحیح حدیث ہے۔ ←

مسواک والی نماز سے ستر درجے فضیلت میں زیادہ ہے۔ (شعب الایمان)

← اس کو بیہقی نے "شعب الایمان" (۲/ ۶۹) میں اور "سنن" (۱/ ۳۸) میں بھی اسی طرح اسے احمد (۲۷۲/۶) بزار (۵۰۱) ابن خزیمہ (۱۳۷) اور حاکم (۱۴۶/۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

سند: محمد بن اسحاق قال ذکر محمد بن مسلم الزهری عن عروة عن عائشة؛

یہ سند ضعیف ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق مدلس ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے جو اسلوب اپنایا ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہاں تدلیس کی ہے۔ اسی لیے امام ابن خزیمہ اس حدیث کو روایت کرنے سے پہلے فرماتے ہیں۔

"ان صح الخبر" بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو۔

اور اسے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی صحت کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ مجھے یہاں خدشہ ہے۔ کہ محمد بن اسحاق نے یہ حدیث زہری سے نہ سُنی ہو۔

اسی خدشے کا اظہار امام بیہقی نے بھی "سنن" میں کیا ہے۔

قلت: ابنِ اسحاق نے واقعۃً ہی اس حدیث کو زہری سے نہیں سُنا بلکہ انہوں نے اسے معاویہ بن یحیی صدفی سے سُنا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو "مسئلہ رفع الیدین" کے ضمن میں بھی ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو، حدیث (۳) اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں اس مقام پر میں نے یہ کہا تھا کہ میری رائے یہ تھی کہ ممکن ہے کہ ابن اسحٰق نے اس حدیث کو معاویہ بن یحیٰی صدفی سے سنا ہو۔ مگر پہلے مقام پر میں نے اس رائے کا اظہار نہیں کیا۔ اب میں نے یہ حدیث "المقاصد الحسنۃ" میں دیکھی ہے اس میں حافظ سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ابن اسحاق نے اس حدیث کو معاویہ بن یحیٰی سے سُنا ہے۔

حافظ سخاوی نے یہ بات بیہقی سے نقل کی ہے اور انہوں نے یہ بات "شعب الایمان" (۷۰/۲) میں کہی ہے۔ پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت میرے پاس "شعب الایمان" نہ تھی۔

اس (پہلے) ایڈیشن کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد میں نے "الجرح والتعدیل" کا ایک مقام دیکھا۔ اس میں ابن ابی حاتم نے "محمد بن یحیٰی نیساپوری سے نقل کیا ہے کہ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ محمد بن اسحاق عراق سے رَیّ جاتے ہوئے معاویہ بن یحیی الصدفی کے ہم سفر تھے۔ اور انہوں نے اس سفر میں معاویہ سے یہ حدیث سُنی تھی" الجرح والتعدیل (۱/ ۳۲۰)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن اسحٰق نے اس حدیث کو زہری سے معاویہ بن یحیٰی الصدفی کے واسطے سے سُنا ہے مگر تدلیس کرتے ہوئے انہوں نے صدفی کے واسطے کو حذف کر دیا۔ ←

ـــــــ ، صدفی کی سند سے اس کو بحشل واسطی نے "تاریخِ واسط" (۱۷۹ ۔ ۱۸۰) میں بزار (۵۰۲) اُبویعلی (۴۷۲۸) ابنِ حبان نے "مجروحین" (۵/۳) میں ، ابنِ عدی نے "کامل" (۲۳۹۵/۶) میں ، بیہقی نے "شعب" (۷۰/۶) میں اور ابن جوزی نے "علل" (۳۲۷ ۔ ۳۲۶/۱) میں روایت کیا ہے ۔

معاویہ بن یحییٰ ضعیف ہے ۔ بخاری نے کہا ہے کہ اس کی زہری سے بیان کردہ احادیث مستقیم ہیں ۔ جیسے کہ وہ کتاب سے ہیں ۔ مگر اُبوزرعہ نے کہا ہے کہ اس کی "رِیّ" میں بیان کردہ احادیث منکر ہیں اور شام میں بیان کردہ قدرے اچھی ہیں ۔

مذکورہ حدیث اس نے "رِیّ" میں بیان کی ہے ۔ جیساکہ ذکر ہوا ۔

مگر معاویہ اس کو زہری سے بیان کرنے میں متفرد نہیں ہے ۔ کیونکہ اس کی منصور بن معتمر نے متابعت کی ہے ۔ منصور کی سند سے اس کو ابونعیم نے "کتاب السواک" میں روایت کیا ہے ۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ابن عیینہ تک اس کی سند محلِ نظر ہے ۔

جس طرح معاویہ بن یحییٰ اس حدیث کو زہری سے روایت کرنے میں متفرد نہیں ۔ اسی طرح زہری بھی اس کو عروہ سے بیان کرنے میں متفرد نہیں ہیں ۔ ان کی متابعت ابوالاسود نے کی ہے ۔

ابوالاسود کی سند سے اس کو بیہقی نے "سنن" (۳۸/۱) اور "شعب الایمان" (۷۱/۶) اور حارث بن ابی اُسامہ نے اپنی "مسند" میں ۔ جیساکہ "تلخیص" (۶۷/۱) میں ہے ۔ روایت کیا ہے ۔ مگر اس کی سند میں واقدی ہے ۔

خطیب بغدادی نے "المتفق والمفترق" میں اس کو ابنِ لہیعہ کی سند سے بھی ابوالاسود سے روایت کیا ہے ۔

اس سند کے ابن لہیعہ سے نیچے والے راوی اگر ثقہ ہیں تو یہ سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے ، ابن لہیعہ سے اسے سعید بن عفیر نے روایت کیا ہے ۔ اور یہ قابلِ غور ہے ۔

اس حدیث کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو اور سندیں بھی ہیں ایک عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن کی دوسری قاسم بن محمد کی سند ۔

عمرہ کی سند سے اس کو بیہقی (۳۸/۱) نے روایت کیا ہے ۔

مگر یہ حماد بن قیراط اور فرج بن فضالہ کی وجہ سے ضعیف ہے ۔

قاسم بن محمد کی سند سے اس کو ابن حبان نے "مجروحین" (۳۳/۳) میں ذکر کیا ہے ۔ مگر یہ سند مسلمہ بن علی خشنی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے ۔ ذہبی نے "میزان" (۱۰۹/۴) میں اس کو "واہ" اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۲۴۹/۲) میں "متروک" کہا ہے ۔

یہ حدیث مسلمہ بن علی نے اوزاعی کی سند سے روایت کی ہے ۔ حافظ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ تو اوزاعی کی سند سے حسان بن عطیہ سے مروی ہے ۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کو ابن مبارک کی سند سے حسان بن عطیہ سے ـــــــ

ـــــــــ سے روایت کیا ہے ۔

اور یہ مُرسل بلکہ معضل ہے ۔ نیز زہد ابن المبارک (۱۲۲۶) میں بھی یہ حدیث ہے ۔ مگر اس میں حسان بن عطیہ نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں کیا ۔ بلکہ یُوں کہا ہے ؛ کہا جاتا تھا کہ مسواک سے ادا کی گئی دو رکعت بغیر مسواک والی ستر رکعتوں سے افضل ہیں ۔

جب کہ وکیع اور یحیٰی ابن عبداللہ بن الضحاک نے اوزاعی سے روایت کرتے ہُوئے اس کو حسان بن عطیہ کا اپنا قول ذکر کیا ہے ۔ دیکھیں مصنف ابن ابی شیبہ " (۱/ ۱۵۶ - ۱۵۷ - دار التاج) اور " حلیۃ الاولیاء " (۶/ ۷۵)

اور اس قول کی سند صحیح ہے ۔ مگر اوزاعی کی سند سے یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً صحیح نہیں ۔ لیکن یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی مذکورہ دوسری سندوں اور شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے ۔

ان شواہد میں ابن عباس ، جابر ، ابُو ہریرہ ، ابن عمر ، انس اور ام الدرداء رضی اللہ عنہم کی موصول حدیثیں اور نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما اور جبیر بن نفیر کی مُرسل حدیثیں ہیں ۔

۱ - ۲ - حدیث ابن عباس اور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہم کو ابو نعیم نے " کتاب السواک " میں روایت کیا ہے ۔

حافظ منذری نے حدیث ابن عباس کی سند کو جید اور حدیثِ جابر کی سند کو حسن کہا ہے ۔ " ترغیب و ترہیب (۱/ ۱۶۸)

حدیثِ ابن عباس کی سند کو حافظ سخاوی نے بھی جید کہا ہے ۔ دیکھیں " المقاصد الحسنۃ " (ص ۲۶۳ - حدیث ۶۲۵)

۳ - حدیث ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ابن عدی نے " کامل " (۶/ ۲۳۱۷) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند مسلم بن علی خشنی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے ۔

۴ - نافع کی مُرسل روایت کو بحشل واسطی نے " تاریخ واسط " (ص ۲۳) میں روایت کیا ہے اس کی سند میں حسن بن راشد اور اس کا باپ راشد بن عبدربہ ہیں جن کا ترجمہ مجھے نہیں ملا ۔

ابن عمر ، انس ، اُم الدرداء رضی اللہ عنہم کی حدیثوں کو اور جبیر بن نفیر کی مُرسل روایت کو بھی ابو نعیم نے روایت کیا ہے ۔ دیکھیں " المقاصد الحسنۃ "

حافظ ابن حجر حدیث ابن عمر ، حدیث ابن عباس اور حدیث جابر رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی سندیں معلول ہیں ۔ ملاحظہ ہو " تلخیص " (۱/ ۶۸)

اگرچہ ان کی سندیں معلول ہیں ، مگر ان سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو تقویت پہنچتی ہے ۔ اسی لیے حافظ سخاوی فرماتے ہیں ۔

" وبعضها يعتضد ببعض ولـذا اورده الضياء فی " المختارة " المقاصد الحسنة (۲۶۴) ۔

" یہ آپس میں مل جانے سے قوی ہو جاتی ہیں ۔ اسی لیے ضیاء نے اس حدیث کو " مختارہ " میں ذکر کیا ہے ۔

ابن معین نے اس حدیث کو باطل کہا ہے ۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا ان طرق کی نسبت ہو گا ۔ جو ان تک پہنچے ۔

جاگ کر مسواک کرنا

۴۳ ۔ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسولؐ اللہ رات کو اور دن کو سو کر اُٹھنے کے بعد وضوء سے پہلے مسواک کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

ـــــــ۔ ابن القیم نے "المنار المنیف" میں اس حدیث کی سند پر جو کلام کیا ہے۔ یا اس کی صحت کے بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے تو وہ حدیث عائشہ ہی کی نسبت ہے۔ اس میں اس کے دوسرے شواہد ان کے پیشِ نظر نہیں ہیں۔
ابن القیم کے کلام پر اعتماد کرتے ہوئے "فتاویٰ علمائے حدیث" (۱/ ۵۲-۵۳) میں بھی اس حدیث کو ضعیف تبلایا گیا ہے۔ مگر مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف نہیں۔ بلکہ صحیح ہے۔
تنبیہ: انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ مسواک والی نماز بغیر مسواک والی چار سو نمازوں کے برابر ہوتی ہے اور گویا اس نے (مسواک کر کے نماز پڑھنے والے نے) اولادِ اسماعیل سے ایک غلام آزاد کیا اور وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔ اگر دجال آگیا تو وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔
اس کو دیلمی نے روایت کیا ہے یہ من گھڑت حدیث ہے۔ اس کو جلال الدین سیوطی نے "ذیل اللآلی" (۱۰۲) میں ذکر کیا ہے۔

۴۳ ۔ اس کو ابُوداؤد (۵۷) ابن سعد (۱/ ۴۸۳) ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۶۹) احمد (۶/ ۱۲۱، ۱۶۰) اور بیہقی (۱/ ۳۹) نے روایت کیا ہے۔
اس کی سند علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس کو اسی علت کی بنا پر ضعیف کہا ہے۔ دیکھیں "تلخیص" (۱/ ۶۲)
نیز اس کی سند میں اُمّ محمد بھی ہے۔ جس کا نام امیہ یا امینہ ہے۔ اس کے بارے میں علامہ ذہبی نے "میزان" (۴/ ۶۰۴) اور کاشف" (۳/ ۴۲۱) میں اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۲/ ۵۹۰) میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی۔
جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو مسواک کرنا ہے تو یہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے، حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کے لیے اُٹھتے تو مسواک کرتے۔ بخاری (۲۴۵، ۸۸۹، ۱۱۳۶) مسلم (۲/ ۱۴۵-۱۴۶)۔
حدیثِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ہر دو رکعت کے بعد مسواک کرتے
اس کو ابن ماجہ (۲۸۸) احمد (۱/ ۲۱۸) طبرانی (۳/ ۱۷) اور حاکم (۱/ ۱۴۵) نے روایت کیا ہے، اسے ←

مسواک سے رضائے الٰہی

۴۷ ۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسواک منہ کے لیے طہارت کا سبب ہے اور پروردگار کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔ (دارمی۔ نسائی)

۔۔۔۔ حاکم، ذہبی اور ابن حجر نے صحیح کہا ہے، ابوداؤد (۵۸، ۱۳۵۲) میں یہی حدیث تفصیل سے مروی ہے اور اصل حدیث "صحیح مسلم" میں بھی ہے۔

۴۷ ۔۔ صحیح حدیث ہے۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے چار سندوں سے مروی ہے۔

پہلی سند: اس سند سے (یہ ابن ابی عتیق کی سند ہے) اس کو شافعی نے "اُم" (۱/ ۲۰) اور "مسند" (۱۴) میں احمد (۶/ ۴۷، ۶۲، ۱۲۴، ۲۳۸) حمیدی (۱۶۲) ابویعلی (۴۵۹۸) ابن المنذر نے "اوسط" (۱/ ۳۶۳ ۔ ۳۶۴) میں ابونعیم نے "حلیۃ الأولیاء" (۷/ ۱۵۹) میں، بیہقی نے "سنن" (۱/ ۳۴) اور "شعب الایمان" (۶/ ۴۳) میں بغوی نے "شرح السنۃ" (۱۹۹، ۲۰۰) میں اسی طرح نسائی (۱/ ۱۰) ابن حبان (۱۴۳) احمد (۶/ ۱۲۴) بیہقی اور طبرانی نے بھی "أوسط" (۲۰۸) میں روایت کیا ہے۔

پہلی دس کتابوں میں ابن ابی عتیق سے یہ حدیث ابن اسحاق کی سند سے، ان دس کے بعد والی چار کتابوں میں یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عتیق کی سند سے اور "اوسط طبرانی" میں محمد بن عبداللہ بن ابی عتیق کی سند سے مروی ہے۔

ابن اسحاق والی سند حسن درجہ کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے "مسند احمد" (۶/ ۴۷) میں تحدیث کی صراحت کی ہے۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عتیق والی سند جید ہے اور محمد بن عبداللہ بن ابی عتیق والی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

دوسری سند: یہ قاسم بن محمد کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۵۶ ۔ دار التاج) احمد (۶/ ۱۴۶) دارمی (۱/ ۱۷۴) ابویعلی (۴۵۶۹) اور ابن عدی (۱/ ۲۳۶) نے روایت کیا ہے۔

مگر یہ سند قاسم سے نیچے ایک راوی ابراہیم بن اسماعیل ابن ابی حبیبہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

لیکن قاسم سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عتیق کی سند ہے۔ انہوں نے یہ حدیث قاسم بن محمد سے بھی روایت کی ہے۔ اس سند سے یہ بیہقی (۱/ ۳۴) میں ہے۔

تنبیہ: پہلی سند میں گزرا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عتیق نے اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ابی عتیق کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ مگر یہاں انہوں نے یہ حدیث ان سے قاسم کے واسطے سے روایت کی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث دونوں ہی سے سنی ہے۔

تیسری سند: یہ عبید بن عمیر کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو ابن خزیمہ (۱۳۵) ابونعیم نے ۔ ←

"أخبار أصبهان" (۲/ ۱۰۵) میں اور بیہقی نے "سنن" (۱/ ۳۵) میں روایت کیا ہے۔ اس سند میں ابن جریج کی تدلیس کا اگر خدشہ نہ ہو تو یہ سند صحیح ہے۔

ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

چوتھی سند: یہ سند عروۃ کی ہے۔ اس سند سے اسے ابن عدی (۱/ ۲۹۴) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ عبدالوہاب بن ضحاک حمصی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ حافظ نے "تقریب" میں اس کے بارے میں کہا ہے۔

"متروک ہے ابو حاتم نے اس کو جھوٹا کہا ہے"۔

اس سند میں ایک اور علت بھی ہے مگر بڑی علت یہی ہے۔

حاصل کلام یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کی پہلی سند صحیح، دوسری جید ہے اور تیسری میں ابن جریج کی تدلیس کا اگر خدشہ نہ ہو تو وہ بھی صحیح ہے۔

اس حدیث کو بخاری، ابن خزیمہ، ابن حبان اور نووی نے "المجموع" (۱/ ۲۷۶) میں صحیح کہا ہے۔

امام بخاری نے اس کو "صحیح" میں بصیغہ جزم تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ دیکھیں (۴/ ۱۵۸ - فتح الباری۔ کتاب الصیام)

حافظ منذری نے "ترغیب وترہیب" (۱/ ۱۰۵) میں کہا ہے کہ بخاری کی جو تعلیقات بصیغہ جزم ہیں وہ صحیح ہیں۔ یہ بات امام نووی نے بھی "مجموع" میں کہی ہے اور کہا ہے کہ علوم حدیث میں یہ مذکور ہے۔ یعنی بخاری کی جو تعلیقات بصیغہ جزم ہیں۔ وہ صحیح ہیں۔

نیز اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ ان شواہد کا ذکر کیا جائے۔ ایک تنبیہ ملاحظہ کر لیں۔ وہ یہ کہ "مسند احمد (۱/ ۳، ۱۰) مسند ابو یعلی (۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۰، ۱۵ و۴۹) "مسند ابی بکر" للمروزی (۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۱)" اور "کامل ابن عدی" (۲/ ۶۷۸) میں حماد بن سلمہ نے اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بجائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مگر صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

دیکھیں "علل ابن ابی حاتم" (۱/ ۱۲) "کامل ابن عدی" "علل دارقطنی (۱/ ۲۷۷/ ۶۹) اور "فتح الباری" (۴/ ۱۵۹)

اب اس حدیث کے شواہد ملاحظہ کریں۔ یہ شواہد ابن عمر، ابو ہریرہ، ابن عباس اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

۱۔ حدیث ابن عمرؓ کو ابن عدی (۶/ ۲۲۸۰) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند محمد بن معاویہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے کیونکہ یہ متروک ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

مگر مسند احمد (۲/ ۱۰۸) میں اس کی ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ ابن لہیعہ کی وجہ سے شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

۲۔ حدیث ابو ہریرہؓ کو ابن حبان (۱۴۳) نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر حافظ نے "تلخیص" (۱/ ۶۰) میں اس کی سند کو شاذ قرار دیا ہے۔

جبریلؑ کی تاکیدِ مسواک

۷۵۔ ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہؐ نے فرمایا۔ جب بھی میرے پاس جبریلؑ آئے۔ تو مجھے مسواک کرنے کا سخت حکم کرتے تھے۔ البتہ ڈرا میں اس چیز سے۔ کہ چھیل ڈالوں میں اگلی جانب اپنے مُنہ کی۔

(رواہ احمد)

مطلب یہ ہے کہ حضورِ انور پھر جبریلؑ کی تاکید پر مسواک بہت کرنے لگ گئے اور کثرتِ مسواک سے مُنہ چھل جانے کا اندیشہ ہو گیا۔

۷۴۔ حدیث ابن عباس کو بخاری نے تاریخ کبیر" (۸/ ۳۹۶) میں طبرانی نے "معجم کبیر" (۱۱/ ۴۲۸) میں حنین کی سند سے ابن عدی (۳/ ۹۲۹) بیہقی نے شعب الایمان" (۶/ ۷۱-۷۲) میں عطا بن ابی رباح کی سند سے۔

دارقطنی (۱/ ۵۸) اور ان سے ابن الجوزی نے "علل" (۱/ ۳۳۵ - ۳۳۶) میں عکرمہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کی پہلی دونوں سندیں ضعیف ہیں۔

اور عکرمہ والی سند معلی بن میمون کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

تنبیہ: دارقطنی میں یہ حدیث عکرمہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوفاً مروی ہے۔ جب کہ ابن الجوزی نے دارقطنی سے بعینہ اسی سند سے "علل" میں اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔

دوسری تنبیہ: عطا اور عکرمہ والی سند میں مسواک کے حدیث عائشہ میں مذکورہ دو فوائد کے علاوہ مزید بہت سے فوائد ذکر ہوئے ہیں مثلاً: مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے۔ نظر کو تیز کرتی ہے اور بلغم کو ختم کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

مگر یہ حدیث اس اضافے سے ضعیف ہے۔

اسی طرح ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ یہ آدمی کی فصاحت میں اضافہ کرتی ہے۔

اس کو عقیلی (۳/ ۱۵۶) ابن عدی (۶/ ۲۳۶۸) اور ابن جوزی نے "علل" (۱/ ۳۳۶) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں عمر بن داؤد اور سنان بن ابی سنان دونوں مجہول ہیں۔ جیسا کہ عقیلی نے کہا ہے اور معلی بن میمون ضعیف متروک ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے حدیث ابن عباس روایت کرنے کے بعد کہا ہے۔

۷۵ — صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث کو احمد (۵/ ۲۶۳) ابن ماجہ (۲۸۹) اور طبرانی (۸/ ۲۴۹، ۲۶۲) نے روایت کیا ہے۔

مسواک کی اہمیت

۷۶۔ روایت ہے ابی سلمہؓ سے۔ نقل کی زید بن خالدؓ جہنی نے، کہا اس نے کہ سُنا میں نے رسُول اللہؐ سے، فرمایا آپ نے اگر مشکل نہ جانتا میں اپنی اُمت پر تو میں انھیں ہر نماز کے نزدیک مسواک کرنے کا حکم کر دیتا، (کہ مسواک کرنی واجب ہے)۔ (رواہ الترمذی)

ـــــــ اس کی سند ضعیف ہے۔ مگر یہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔ ان شواہد میں اُم سلمہ، عائشہ، انس، سہل ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱۔ حدیثِ ام سلمہ کو طبرانی (۲۳/ ۲۵۱) اور بیہقی (۷/ ۴۹) نے روایت کیا ہے۔
منذری نے طبرانی کی سند کے بارے میں کہا ہے کہ یہ کچھ کمزور ہے اور بیہقی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

۲۔ حدیثِ عائشہ کو بیہقی نے روایت کیا ہے
منذری نے اس کو طبرانی اوسط کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں "ترغیب وترہیب (۱/ ۱۶۷)

۳۔ انس کی حدیث کو بزار (۹۰/۴) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند عمران بن خالد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۴۔ حدیث سہل کو طبرانی (۶/ ۲۰۵) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند عبید بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۵۔ حدیث ابن عباس کو طبرانی (۱۱/ ۴۵۳-۴۵۴) نے روایت کیا ہے۔ اس میں عطار بن سائب ہیں جو اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔
نیز اس میں ایک راوی حسین بن سعد بن علی ہے اس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا تاہم حافظ ابن حجر نے علی بن حسین بن واقد کے ترجمے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیں "تہذیب التہذیب" (۷/ ۲۷۱)

۶۔ حدیث ابن عمرؓ کو ابن عدی (۹/ ۲۰۵۰) نے روایت کیا ہے اس کی سند فرات بن سائب کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔
حاصل کلام یہ کہ اس حدیث کے علاوہ مذکورہ باقی تمام حدیثیں، حدیث ابوامامہ کے لیے شواہد بننے کے قابل ہیں۔ لہٰذا ان شواہد کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔

۷۷ ـــــ صحیح حدیث ہے۔
اس کو ترمذی (۲۳) اسی طرح احمد (۴/ ۱۱۴، ۱۱۶، ۵/ ۱۹۳) ابوداؤد (۴۷) بیہقی (۱/ ۳۷) اور بغوی (۱۹۸) ←

وضوء کا بیان

تین بار ناک جھاڑیں

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"— "اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلٰثًا فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيْتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهٖ"

(مشکوٰۃ شریف)

——— نے روایت کیا ہے

یہ صحیح حدیث ہے۔ نیز اس کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ ان شواہد میں ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جسے بخاری (۸۸۷) "کتاب الجمعہ" اور مُسلم (۲/۱۴۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث زید بن خالد کی سند پر بحث، حدیث ابُوہریرہ کے مفصل طرق اور ان دونوں حدیثوں کے شواہد کا مفصل ذکر ہم نے "نزہتہ الخاطر" میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۱)

فائدہ: ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مجھے مسواک کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں مجھ پر یہ فرض کر دی جائے۔

یہ حدیث واثلہ بن أسقع، ابُوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ان سب احادیث کی انفرادی طور پر تو سندیں ضعیف ہیں مگر سب اسانید کو ملا لینے سے یہ حسن یا صحیح حدیث ہے۔

۱۔ حدیث واثلہ کو احمد (۳/۴۹۰) اور طبرانی (۲۲/۷۶-۷۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے۔

۲۔ حدیث ابو ہریرہ کو ابن عدی (۵/۱۹۲۱) نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عبدالعزیز بن ابراہیم ہے اس میں ابن عدی نے کلام کیا ہے۔

۳۔ حدیث ابن عباس کو احمد (۱/۲۳۷، ۲۸۵، ۳۰۷، ۳۱۵، ۳۳۷، ۳۳۹-۳۴۰) طیالسی (۱/۴۸) اور بیہقی (۱/۳۵) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی بعض روایات کے الفاظ کچھ مختلف ہیں، اس میں ابُواسحاق مدلس ہیں اور تیمی مجہول ہے۔

"— اس کو بخاری (۳۲۹۵) "بدء الخلق" مسلم (۳/۱۲۷) ابُوعوانہ (۱/۲۴۸) نسائی (۱/۶۷) ابن خزیمہ (۱۴۹) بیہقی (۱/۴۹) اور بغوی (۲۱۲) نے روایت کیا ہے۔

←

"جب جاگے ایک تمہارا اپنی نیند سے۔ پھر ارادہ کرے وضوء کا۔ تو ناک جھاڑے (پانی کھینچ کر) تین بار۔ پس شیطان رات گزارتا ہے۔ اس کی ناک کے بانسے پر"

ملاحظہ:۔ سونے والے کے بانسے پر شیطان کے رات گزارنے کی اصلیت اور حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمارا فرض ایمان لانا ہے۔ کہ واقعی شیطان رات گزارتا ہے۔

کچھ اس طرح سمجھ آتی ہے۔ کہ سونے کی حالت میں فضلات، بخارات، اور غبار اور رینٹ (RANT) دماغ کے قریب جمع ہو جاتے ہیں۔ جن سے حواس میں تکدر آجاتا ہے۔ اور پھر ہر طرح کی عبادت میں کسل و کاہلی آجاتی ہے۔ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ کہ گویا رات بھر وہاں رہا ہے۔ اس لیے صاحب۔ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی۔ نے فرمایا۔ کہ نیند سے بیدار ہو کر جب وضوء کرنے لگو۔ تو ناک میں پانی کھینچ کر خوب جھاڑو اور سنکو۔ تین بار۔ ایسا ہی کرو۔ تاکہ شیطان کا عمل دخل دُور ہو جائے اور سارا دن اور اگلی رات کے سونے کے وقت عبادات اور دُنیا کے دوسرے کاموں میں تمہاری ہمت بندھی رہے۔ چستی اور مستعدی کے ساتھ سب کام ہو۔

نیند سے جاگ کر پہلے ہاتھ دھوئیں

۷۸ — حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جاگے ایک تمہارا اپنی نیند سے۔ تو نہ ڈبوئے ہاتھ اپنا (پانی کے) برتن میں۔ یہاں تک کہ دھوئے اس کو تین بار۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔

(مشکوٰۃ شریف)

مطلب یہ ہے کہ نیند سے جاگ کر پہلے ہاتھوں کو پہنچوں تک تین بار دھو کر پھر انہیں پانی کے برتن میں ڈالنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ رات کو ہاتھ بدن کے کسی حصّہ کو لگ کر پلید ہو گیا ہو۔ استنجا کی جگہ لگ گیا ہو۔ یا ذکر کو مس کرتا رہا ہو۔ طہارت اور پاکیزگی کی کتنی اعلیٰ تعلیم ہے۔

—— تنبیہ: مُسلم کے علاوہ باقی تمام کتب میں "من منامہ" کے بعد "فتوضأ" (سو وضوء کرے) کے الفاظ بھی ہیں۔ خطیب تبریزی نے "مشکاۃ" (۱/۱۲۵) میں الفاظ تو بخاری کے نقل کیے ہیں۔ مگر نہ معلوم کہ انہوں نے یہ الفاظ کیوں ذکر نہیں کیے۔

۷۸ — اس حدیث کی تخریج نمبر ۴۳ میں دیکھیں۔

مسنون وضوء کی مکمل ترکیب

رحمت عالم کا وضوء

(۱) وضوء کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ ضرور پڑھنی چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

۷۹۔ "لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔" (ترمذی)

"جو (وضوء کے شروع میں) اللہ کا نام نہیں لیتا۔ اس کا وضوء (پورا) نہیں ہوتا۔"

(۲) پھر دونوں ہاتھ پہنچوں تک تین بار دھوئیں۔

---

۷۹ ـــ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ، ابوسعید خدری، سعید بن زید اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حدیث ابوہریرہؓ مسند احمد (۲/۴۱۸) ابوداؤد (۱۰۱) ابن ماجہ (۳۹۹) دارقطنی (۱/۷۹/۱) باب الحث علی التسمیۃ مستدرک (۱/۱۴۶) اور بیہقی (۱/۴۳) میں ہے۔

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مگر ذہبی نے "تلخیص المستدرک" میں منذری نے "الترغیب" (۱/۱۶۴) میں نووی نے المجموع "۱/۳۴۹" میں اور ابن حجر نے "التلخیص" (۱/۷۲) میں حاکم کی تصحیح کو رد کیا ہے۔

منذری نے مختصر سنن (۱/۸۸) میں کہا ہے کہ اس کے بارے میں جتنی احادیث ہیں سب سے اچھی سند اسی حدیث کی ہے۔

البانی نے شواہد کی بنا پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے منذری، عسقلانی نے قوی، ابن الصلاح، ابن کثیر اور عراقی نے حسن کہا ہے۔ ارواء الغلیل (۸۱)

حدیث ابی سعید مصنف ابن ابی شیبۃ (۱/۲-۳) مسند احمد (۳/۴۱) دارمی (۱/۱۷۶) مسند ابی یعلی (۱۰۶۰ و ۱۲۲۱) دارقطنی اور بیہقی میں ہے۔ امام احمد نے اسے سب سے اچھی حدیث کہا ہے۔ جیساکہ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ بوصیری نے اسے حسن کہا ہے۔ مصباح الزجاجۃ (۵۹)۔

حافظ ابن حجر سب روایات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مجموعہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔

اس کے بعد ابن ابی شیبۃ کا قول نقل کرتے ہیں۔ کہ ہمارے لیے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔

جس حدیث کا مؤلف نے حوالہ دیا ہے یہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسے احمد (۴/۷۰) ترمذی (۲۵) ابن ماجہ (۳۹۸) ابویعلی نے معجم الشیوخ" (۲۵۵) میں عقیلی نے "ضعفاء" (۱/۱۷۷) میں شاشی نے "مسند" (۱/۲۵۸) ←

۸۰ ـــ فَاَفْرَغَ عَلٰى كَفَّيْهِ ثَلٰثَ مِرَارٍ۔ (بخاری شریف)

(۳) پھر ایک چلو لے کر آدھے سے کلی کریں اور آدھا ناک میں ڈالیں۔ اور ناک کو بائیں ہاتھ سے جھاڑیں پھر ایک چلو لے کر آدھے سے کلی کریں اور آدھا ناک میں دیں۔ پھر ایک چلو لے کر آدھے سے کلی کریں اور آدھا ناک میں دیں۔

ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فِى التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ مِّنْ غُرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ

(بخاری شریف)

(۴) پورے تین چلوؤں سے تین بار کلی کرنا۔ پھر تین چلوؤں سے تین بار ناک میں پانی ڈالنا بھی درست ہے۔ جامع ترمذی بابُ فی وُضُوءِ النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کیفَ کانَ میں ہے۔

ـــــــ میں دارقطنی (۱/۷۲-۷۳)، حاکم (۴/۶۰) اور ابن جوزی نے "علل" (۱/۳۳۷) میں روایت کیا ہے۔

بقیہ احادیث "تلخیص الحبیر" (۱/۷۴-۷۵) اور نیل الاوطار (۱/۱۳۴-۱۳۵) میں دیکھیں۔

واضح رہے کہ وضوء اور اسی طرح دیگر امور کی ابتداء کے وقت بھی صرف "بسم اللہ" ہی کہنا چاہیئے ساتھ "الرحمٰن الرحیم" کے الفاظ کا اضافہ نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مسنون طریقہ صرف "بسم اللہ" ہی کہنا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "مسنون تسمیہ و خطبہ"۔

تنبیہ: سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس کا وضوء نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھتا۔ اس کو طبرانی (۶/۱۲۱) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ (۴۰۰) اور مستدرک حاکم (۱/۲۶۹) میں بھی ہے۔ لیکن ان میں وضوء کی بجائے نماز کا ذکر ہے۔ اسی طرح طبرانی کی دوسری روایت میں بھی نماز ہی کا ذکر ہے۔ یعنی جو شخص نماز میں درود نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں۔ مگر نماز کے ذکر کے ساتھ بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

۸۰ ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ وضوء کو اکیس صحابہ نے بیان کیا ہے، جن میں عبداللہ بن زید، عثمان اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

حدیث عبداللہ بن زید مؤطا مالک (۱/۱۸)، صحیح بخاری (۱۸۵ و ۱۸۶ و ۱۹۱ و ۱۹۲ و ۱۹۹)، صحیح مسلم (۳/۱۲۱-۱۲۳)، صحیح ابوعوانہ (۱/۲۴۱) و ۲۴۳ و ۲۴۸ و ۲۴۹)، ابوداؤد (۱۱۸-۱۱۹)، نسائی (۱/۷۱-۷۲)، ترمذی (۲۸ و ۳۲ و ۳۵ و ۴۷)، ابن ماجہ (۴۰۵ و ۴۳۴)، دارمی (۱/۱۷۷)، صحیح ابن خزیمہ (۱۵۴-۱۵۷) و دیگر کتب میں ہے۔

حدیثِ عثمان اور عبداللہ بن عباس کی تخریج نمبر (۹۳) میں آرہی ہے

فائدہ: وضوء کرتے وقت ہاتھ اور دیگر اعضاء دھوتے ہوئے ابتداء دائیں جانب سے کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۸۱ ــــ ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا ۔

" پھر تین بار کلی کی ۔ اور تین بار پانی ناک میں ڈالا "

(۵) پھر تین بار منہ دھوئیں ۔

ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ۔ (بخاری شریف)

ــــــ " إِذَا لَبِسْتُم وَإِذَا تَوَضَّأْتُم فَابْدَؤُا بِأَيَامِنِكُمْ "

" جب پہنو اور وضو کرو تو دائیں جانب سے ابتداء کرو "

اسس کو احمد (۲/ ۳۵۴) ابو داؤد (۴۱۴۱) " اللباس " ابن ماجہ (۴۰۲) " الطہارۃ " ابن خزیمہ (۱۷۸) ابن حبان (۱۴۷) طبرانی نے " اوسط " (۱/۱۰۱) میں اور ابن سنی (۱۶) نے روایت کیا ہے ۔ اس کی سند صحیح ہے ۔ اسے ابن خزیمہ ، ابن حبان اور نووی نے بھی " ریاض الصالحین " (۷۲۳) میں صحیح کہا ہے اور " مجموع " (۱/ ۳۸۲) میں اسس کو حسن بلکہ کچھ سطور کے بعد جید کہا ہے ۔

ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ یہ اسس لائق ہے کہ اس کو صحیح کہا جائے " تلخیص " (۱/ ۸۸) ۔

۸۱ صحیح حدیث ہے ۔

یہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ، جس کو ابُو داؤد (۱۱۱ - ۱۱۲) ترمذی (۴۸) نسائی (۱/ ۶۸ ، ۷۰ ، ۷۹) ابن خزیمہ (۱۴۷) ابن حبان (۱۵۰ - ۱۵۲) دارقطنی (۱/ ۸۹ - ۹۰) اور بیہقی (۱/ ۴۷ ، ۴۸ ، ۵۰) نے روایت کیا ہے ۔

مؤلف رحمۃ اللہ نے ان الفاظ سے جو استدلال کیا ہے وہ واضح نہیں ہے ۔ کیونکہ ان میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) کے لیے علیحدہ علیحدہ پانی لیا ۔ جیسے کہ ان میں یہ صراحت بھی نہیں کہ آپ نے کُلی کے لیے الگ اور استنشاق کے لیے الگ پانی لیا ۔

مگر اسس حدیث کی دوسری روایت میں یہ صراحت موجُود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اور استنشاق ایک ہی چلو سے کیا ۔

دیکھیں " مُصنف ابن ابی شیبہ " (۱/ ۲۲) ابُو داؤد (۱۱۳) نسائی (۱/ ۶۸ - ۶۹) ابن ماجہ (۴۰۴) اور " بیہقی " (۱/ ۵۱)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسنُون یہی ہے کہ کُلی اور استنشاق ایک ہی چلو سے ہو ۔ جیسے کہ اسس حدیث میں صراحت ہے اور یہ صراحت حدیث عبداللہ بن زید وغیرہ میں بھی ہے ۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بخاری اور مُسلم کی صحیح احادیث میں یہی وارد ہُوا ہے " شرح مُسلم " (۳/ ۱۰۶)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کلی اور استنشاق میں وصل (ملانا) ہی تھا ، حدیث عبداللہ بن زید ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ کہ کلی اور استنشاق (کی کیفیت) کے بارے میں یہ صحیح ترین حدیث ہے ۔ زاد المعاد (۱/ ۱۹۲) ←

۸۲ - (۶) پھر ایک چلو لے کر اسے ٹھوڑی کے نیچے داخل کر کے ڈاڑھی کا خلال کریں۔ (ابوداؤد)

⟵ ابوداؤد (۱۳۹) کی ایک روایت میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلی اور استنشاق کے لیے علیحدہ علیحدہ پانی لیتے۔

علامہ عینی نے اس حدیث سے حجت لیتے ہوئے کہا ہے کہ ابُوداوُد نے اس پر سکوت کیا ہے اور ان کا کسی حدیث پر سکوت اس کی صحت کی علامت ہے۔

مولانا مبارک پوری نے ان کا رد کرتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اس کی تضعیف کے بارے میں محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں۔

قلت: امام ابُوداوُد نے اس کو ضعیف کہا ہے یہ قاعدہ کہ امام ابوداوُد جس حدیث پر سکوت اختیار کریں وہ حدیث صحیح یا حسن درجے کی ہوتی ہے محل نظر ہے تفصیل "النکت للحافظ" (۱/۴۳۵-۴۴۵) اور توضیح الأفکار" (۱/۱۹۷-۱۹۹) میں دیکھیں، نیز ابُوداوُد نے اس حدیث پر سکوت اختیار نہیں کیا بلکہ اس کو ضعیف کہا ہے کیونکہ جس سند سے یہ حدیث مروی ہے ابوداوُد نے اسی سند سے مسح گردن کے بارے میں ایک حدیث روایت کی ہے اس کے بعد انہوں نے یحیٰی قطان اور احمد بن حنبل سے اس سند کی تضعیف نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۱۳۲)

امام ابوداوُد نے چند احادیث قبل جب اس سند کی تضعیف نقل کر دی تو عین ممکن ہے کہ متیقظ کے لیے انہوں نے اسے دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ ابوداوُد نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

بعد میں میں نے یہی حدیث بیہقی (۱/۵۱) میں بھی دیکھی، امام بیہقی نے اس کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوداوُد کا وہی کلام نقل کیا ہے۔ جو کہ انہوں نے حدیث (۱۳۲) کی سند پر کیا ہے۔

اس حدیث کو ابُوحاتم نے "علل" (۱/۵۳) میں نووی نے "شرح مسلم" (۳/۱۰۶) میں ابن القیم نے "زاد المعاد" (۱/۱۹۳) میں اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۸۷-۸۸) میں ضعیف کہا ہے۔

اس مسئلے پر شاندار بحث کے لیے "تحفۃ الأحوذی" (۱/۴۱-۴۲) دیکھیں۔

۸۲ ــــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداوُد (۱۴۵) ابُویعلیٰ (۴۲۶۹) بیہقی (۱/۵۴) اور بغوی (۲۱۵) نے ولید بن زوران کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، ولید کا انس رضی اللہ عنہ سے اگر سماع ہے تو یہ سند حسن درجے کی ہے مگر یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کی انس رضی اللہ عنہ سے مزید آٹھ سندیں ہیں۔

ان مختلف سندوں سے اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۲۰ - دار التاج) ابن سعد (۱/۳۸۶) ابن ماجہ (۴۳۱) ابویعلی (۴۴۸۷) عقیلی (۳/۱۵۵، ۱۵۶) ابن عدی (۲/۵۶۱، ۶۷۹، ۷/۲۵۶۱، ۲۵۶۴) حاکم (۱/۱۴۹) بیہقی (۱/۵۴) ابن ابی حاتم نے "علل" (۱/۴۰) میں ابن حبان نے "الثقات" (۸/۴۰۳) میں طبرانی نے "الأوسط" (۴۵۵، ۵۲۴) میں ابن جمیع نے "معجم الشیوخ" (۲۷۹) میں اور خطیب بغدادی نے "الموضح" (۲/۴۵۳) میں روایت کیا ہے۔ ⟵

۸۳ - (۷) پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھوئیں۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کہنی تک تین بار دھوئیں۔ (ترمذی شریف)

۸۴ - (۸) پھر ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کریں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ـــــــ نیز اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ ان شواہد میں حضرت عثمان، عمار بن یاسر، ابُوایوب، ابُوامامہ، ابوالدرداء، ابن عباس، ابنِ عمر، اُمّ سلمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱۔ حدیثِ عثمان کو ابن ابی شیبہ (۱/۱۳) عبد بن حمید (۶۲) ترمذی (۳۱) ابنِ ماجہ (۴۳۰) دارمی (۱/۱۷۸-۱۷۹) ابن الجارود (۲) ابنِ خزیمہ (۱۵۱) ابنِ حبان (۱۵۴) دارقطنی (۱/۸۶) حاکم (۱/۱۴۹) اور بیہقی (۱/۵۴) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث عمار کو ترمذی (۲۹-۳۰) ابنِ ماجہ (۴۲۹) ابن ابی شیبہ (۱/۱۹-۲۰) اور حاکم (۱/۱۴۹) نے روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیث ابُوایوب کو ابن ماجہ (۴۳۲) عقیلی (۴/۲۲۷) اور ابن عدی (۷/۲۵۴۷) نے روایت کیا ہے۔

۴۔ ابُوامامہ کی حدیث ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر (۸/۳۳۴) میں ہے۔

۵۔ ابودرداء کی حدیث کو ابن عدی (۲/۵۱۴) نے روایت کیا ہے۔

۶۔ ابن عباس کی حدیث "ضعفاء عقیلی" (۴/۲۰۵) میں ہے۔

۷۔ ابن عمر کی حدیث ابن ماجہ، بیہقی اور اوسط طبرانی (۱۳۸۵) میں ہے۔

۸۔ حدیث اُمِ سلمہ کو طبرانی (۲۳/۲۹۰) اور ابن عدی (۲/۶۹۴) نے روایت کیا ہے۔

۹۔ حدیث عائشہ کو احمد (۶/۲۳۴) حاکم (۱/۱۵۰) اور خطیب نے "تاریخ بغداد" (۱۲/۱۴) میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابنِ حجر نے "تلخیص" (۱/۸۶) میں اس کو حسن کہا ہے اور حدیث عثمان کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے مگر ذہبی نے حاکم کا تعاقب کیا ہے۔

بخاری نے اس کو حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ تخلیل کے بارے میں یہ حسن ترین حدیث ہے۔

۸۳ ـــ یہ حدیث عثمان رضی اللہ عنہ میں ہے۔ دیکھیئے بخاری (۱۹۳۴) الصیام: باب السواک الرطب والیابس و مسلم (۳/۱۰۵-۱۰۶) اس کی مفصل تخریج نمبر (۸۸) میں آ رہی ہے۔ ترمذی میں مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں دائیں بائیں کی صراحت ہو۔ واللہ اعلم۔

۸۴ ـــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابُوداؤد (۱۴۲) ترمذی (۳۸، ۷۸۸) نسائی (۱/۷۹) ابن ماجہ (۴۰۷، ۴۴۸) دارمی (۱/۱۷۹) ابن خزیمہ (۱۵۰، ۱۶۸) ابن الجارود (۸۰) ابن حبان (۱۵۹) حاکم (۱/۱۴۷، ۱۴۸، ۱۸۲) بیہقی (۱/۵۰، ۷۶) عبدالرزاق (۱/۲۶/۷۹-۸۰) ابن ابی شیبہ (۱/۱۱) طبرانی (۱۹/۲۱۵-۲۱۷) ابن عدی (۱/۹۳) احمد (۴/۳۳، ۲۱۱) طیالسی (۱/۵۲) خطیب بغدادی نے "الموضح" (۲/۳۳۴) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" ۳/۱۲۴/۵۴۰-۵۴۱) میں لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۸۵۔(۹) اگر انگوٹھی پہنی ہو۔ تو اس کو ہلا لیں ۔ (مشکوٰۃ باب سنن الوضوء)

۔۔۔ اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی، نووی نے "مجموع" (۱/ ۲۵۲۔ ۲۶۴) اور "شرح مسلم" (۳/ ۱۰۵) میں، اسی طرح ابن القطان، بغوی اور ابن حجر نے بھی صحیح کہا ہے ۔ دیکھیں "تلخیص الجبیر" (۱/ ۸۱)

نیز نمبر (۸۹) میں آنے والی حدیث ابن عباس اس پر شاہد بھی ہے ۔

تنبیہ: ایک حدیث میں ہے کہ انگلیوں کا خلال نہ کرنے سے اس جگہ کو آگ جلائے گی۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے ۔

یہ واثلہ بن أسقع، ابُو ہریرہؓ اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ۔

حدیث واثلہ کو طبرانی (۲۲/ ۶۴) نے اور حدیث ابُو ہریرہ و عائشہ کو دارقطنی (۱/ ۹۵) نے روایت کیا ہے۔ مگر ان تینوں حدیثوں کی سندیں انتہائی ضعیف ہیں۔

حدیث ابوہریرہ کو سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" (حدیث ۴۴۴) میں اور البانی نے بھی "ضعیف الجامع" (۵۴۲۸) میں سخت ضعیف کہا ہے۔

اس مضمون کی بعض موقوف روایات بھی ہیں۔ دیکھیں، "تلخیص الجبیر" (۱/ ۹۴) ۔

۸۵ ۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۴۴۹) ابن عدی (۶/ ۲۴۴۳) دارقطنی (۱/ ۸۳، ۹۴) اور بیہقی (۱/ ۵۷) نے عبید اللہ بن ابی رافع کے واسطے سے ابُو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ۔

عبید اللہ بن ابی رافع سے اس کو ان کے بیٹے محمد نے اور محمد سے ان کے بیٹے معمر نے روایت کیا ہے اور یہ سند ضعیف ہے۔

دارقطنی فرماتے ہیں کہ معمر اور اس کا باپ (محمد) دونوں ضعیف ہیں اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے ۔

قلت: عبید اللہ بن ابی رافع سے اس کی دوسری سند بھی ہے اور یہ سند ابراہیم بن عبید اللہ بن ابی رافع کی ہے۔ اس سند سے اس کو طبرانی (۱/ ۳۲۱) نے روایت کیا ہے ۔

ابراہیم بن عبید اللہ کا مجھے ترجمہ نہیں ملا، ابراہیم سے اس کو محمد بن خالد بن حرملہ العبدی نے روایت کیا ہے۔ اس کو ابن حبان نے "الثقات" (۹/ ۱۱۹) میں ذکر کیا ہے مگر اس کی نسبت ذکر نہیں کی۔ معلوم نہیں کہ یہ عبدی ہی ہے ۔ یا کہ کوئی دوسرا۔

حاصل کلام! ابراہیم اور عبدی اگر ثقہ ہیں تو یہ حدیث صحیح ہے ۔ ورنہ ...... !

ابن ابی شیبہ (۱/ ۳۹) اور "بیہقی" میں حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے کہ وہ دوران وضوء انگوٹھی کو حرکت دیتے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں آثار پر اعتماد کیا جائے گا۔

۸۶-(۱۰) پھر سر کا مسح کریں۔ اس طرح کہ دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصّہ سے شروع کر کے پیچھے کو لے جائیں اور صحیح مسلم میں "اِلٰی قَفَاہُ" یعنی ہاتھوں کو گدی تک لے جانا بھی آیا ہے۔ پھر پیچھے سے اسی جگہ لے آئیں جہاں سے شروع کیا تھا۔ (بخاری ومسلم)

۸۷-(۱۱) پھر کانوں کا مسح اس طرح کریں کہ شہادت کی انگلیاں دونوں ہاتھوں کی دونوں کانوں کے سوراخوں میں ڈال کر کانوں کی پیٹھ پر انگوٹھوں کے ساتھ مسح کریں۔ (مشکوٰۃ باب سنن الوضوء)

۸۸-(۱۲) اور کانوں کے مسح کے لیے پانی نیا لیں۔ (بلوغ المرام باب الوضوء)

(۱۳) پھر اپنا دایاں پاؤں ٹخنوں تک تین بار دھوئیں اور بایاں پاؤں بھی ٹخنوں تک تین بار دھوئیں۔

(بخاری شریف)

← ابن ابی شیبہ میں تابعین وغیرہ کے بھی آثار ہیں۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ دوران وضوء انگوٹھی کو ہلانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ انگوٹھی اگر تنگ ہو تو اسے ہلانا ضروری ہے۔ "مسائل الامام احمد" لابی داوٗد (۸)۔

۸۶ — مسح کی یہ کیفیت حدیثِ عبداللہ بن زید میں ہے جو نمبر ۸۰ میں مذکور ہے۔

۸۷ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۳۶) نسائی (۱/۷۴) ابن ماجہ (۴۳۹) ابن ابی شیبہ (۱/۱۸) ابویعلی (۲۴۸۶) ابن خزیمہ (۱۴۸) اور بیہقی (۱/۵۵) نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند ابن عجلان کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے بعض شواہد ہیں ان شواہد میں ایک عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث ہے جو حدیث (۹۴) میں آرہی ہے۔

۸۸ — کانوں کے مسح کے لیے نئے پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الاذنان من الرّاس" رواہ الدارقطنی (۱/۹۸) من طریق کامل بہ۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کانوں کا تعلق سر سے ہے۔ یعنی ان کے لیے نئے پانی کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث کو ابن قطان، عبدالحق اشبیلی، ابن الجوزی، ابن ترکمانی، زیلعی اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "جوہر نقی" (۱/۶۷) نصب الرایہ (۱/۱۹) اور "احادیث صحیحہ" (۳۶۰)

مؤلف نے جس روایت سے نیا پانی لینے کی دلیل لی ہے۔ اسے حاکم نے مستدرک (۱/۱۵۱، ۱۵۲) اور علوم الحدیث (۹۷-۹۸) میں اور بیہقی (۱/۶۵) نے روایت کیا ہے اور اسے حاکم، بیہقی اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ ←

۸۹-(۱۴) پھر پاؤں کی اُنگلیوں کا خلال کریں۔ (مشکوٰۃ)

نوٹ ۱۔ گردن کے مسح کا احادیث میں کہیں ذکر نہیں آیا۔(۱) اُوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ سر کا مسح کرتے وقت حضورؐ اپنے ہاتھوں کو گُدی تک لے جاتے تھے اور گدی سر کا پچھلا حصّہ ہوتا ہے جس میں کچھ گردن بھی آجاتی ہے۔

مگر حافظ ابن حجر اس روایت کو بلوغ المرام (۱/۲۷) لشرح السبل میں بیہقی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت اِسی طریق سے مُسلم میں ان الفاظ سے ہے: "مسح براسہ بماءٍ غیر فضل یدیہ" (آپ نے اپنے سر کے مسح کے لیے نیا پانی لیا)

اس کے بعد فرماتے ہیں "وہو المحفوظ" حافظ صاحب کی اس بات کا مطلب یہ ہوُا کہ بیہقی والی روایت شاذ ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے شاذ قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے احادیثِ ضعیفہ (۹۹۵) ایضاً "التلخیص" (۱/۸۹-۹۰)۔

جب یہ روایت شاذ ہوئی تو اس سے دلیل لینا درست نہ ہوُا۔ لہٰذا کانوں کے مسح کے لیے صحیح حدیث کی رُو سے نئے پانی کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ: صنعانی کہتے ہیں کہ مؤلف نے تلخیص میں یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ حدیث صحیح مُسلم میں ہے اور نہ ہی ہم نے اسے مُسلم میں دیکھا ہے

قُلت: یہ صنعانی کا وہم ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح مُسلم میں موجُود ہے۔ دیکھیے مُسلم (۳/۱۲۴-۱۲۵) لشرح النووی۔ اسی طرح یہی حدیث صحیح ابی عوانہ (۱/۲۴۹) ابوداؤد (۱۲۰) ترمذی (۳۵) دارمی (۱/۸۰) صحیح ابن خزیمۃ (۱۵۴) اور صحیح ابن حبان (۲/۲۶۶) میں بھی ہے۔

صنعانی کی بات اس حد تک درست ہے کہ مؤلف نے اسے تلخیص میں مُسلم کی طرف نہیں بلکہ ترمذی اور صحیح ابن حبان کی طرف منسُوب کیا ہے۔

۸۹ — یہ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۱/۲۸۷) ترمذی (۳۹) ابن ماجہ (۴۴۷) اور حاکم (۱/۱۸۲) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کے الفاظ یُوں ہیں۔

"إذا توضأت فخلل بين أصابع يديك ورجليك"

جب وضو کرو تو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو"

یہ حدیث حسن ہے۔ جیسا کہ امام بخاری اور ترمذی نے کہا ہے۔ تفصیل کے لیے "تلخیص الحبیر" (۱/۹۴) دیکھیں۔

مگر یہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔ ان شواہد میں مستورد بن شداد وائل بن حجر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱۔ حدیثِ مستورد کو احمد (۴/۲۲۹) ابوداؤد (۱۴۸) ترمذی (۴۰) ابن ابی حاتم نے "جرح وتعدیل" (۱/۱/۳۱-۳۲) میں طبرانی (۲۰/۲۴۶) و بیہقی (۱/۷۶-۷۷) نے روایت کیا ہے۔

←

ــــــــــــ مستورد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں کی انگلیاں چھنگلی (چھوٹی انگلی) سے مل رہے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہؤا کہ خلال کے لیے چھوٹی انگلی کا استعمال کیا جائے۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ امام مالک نے اس کو حسن کہا ہے۔ جیسے کہ "الجرح والتعدیل" اور "بیہقی" میں ہے۔

اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں مگر "طبرانی" میں عبداللہ بن یزید ابو عبدالرحمٰن نے "جرح وتعدیل" اور "بیہقی" میں عبداللہ بن وہب نے ان سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جن کی ان سے حدیث صحیح ہوتی ہے۔

نیز "علل" اور "بیہقی" میں لیث بن سعد اور عمرو بن حارث نے ابن لہیعہ کی متابعت بھی کی ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہؤا کہ نووی کا "مجموع" (۱/۴۲۴) میں اس حدیث کو ضعیف کہنا صحیح نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ حدیثِ مستورد صحیح حدیث ہے۔

۲۔ وائل بن حجر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کا خلال اپنی انگلیوں سے کیا۔

اس کو طبرانی (۲۲/۳۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔

۳۔ حدیثِ ابن عمر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء میں اپنی ڈاڑھی کا اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا۔

اس کو طبرانی نے "الاوسط" (۱۳۸۵) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

تنبیہ: بعض علماء نے۔ جن میں غزالی بھی ہیں دیکھیں۔ "احیاء علوم الدین" (۱/۱۵۹)۔ کہا ہے کہ خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے ہونا چاہیئے۔

مگر واضح رہے کہ اس کے بارے میں کوئی نص نہیں۔ بعض نے اس کو استنجاء پر قیاس کیا ہے۔ لیکن امام حرمین نے اس قیاس کا رد کیا ہے۔ دیکھیں "مجموع" (۱/۴۲۵)۔

قُلت: اس کو ایک حدیث پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ صحیح حدیث ہو۔ مگر وہ صحیح حدیث نہیں ہے بلکہ اس کی سند انتہائی ضعیف ہے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس میں وضوء کرتے وقت پاؤں کی تلیوں کو دائیں ہاتھ سے دھونے کی ممانعت ہے۔ اس کو ابن عدی (۲/۴۰۱۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند انتہائی ضعیف ہے لہٰذا اس حدیث کی کچھ حیثیت نہیں۔

فائدہ: "جرح وتعدیل" اور "سنن بیہقی" میں عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ مالک سے پاؤں کی انگلیوں کے خلال کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے جواب دیا کہ لوگوں کا اس پر عمل نہیں ہے۔ ←

—— لوگ جب کچھ کم ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے انہوں نے کہا وہ کونسی؟ میں نے مستورد بن شداد کی حدیث بیان کر دی۔ وہ فرمانے لگے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ میں نے اس کو ابھی سنا ہے۔

ابن وہب کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان سے جب خلال کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ خلال کرنے کا حکم دیتے۔

حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" (۱۳۹) میں بیہقی نے "سنن" (۳۱/۸) میں اور خطیب بغدادی نے "الفقیہ والمتفقہ" (۲/۵۷) میں عبدالواحد بن زیاد سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے زفر سے کہا کہ تم تو لوگوں میں موضوع گفت گو اور باعثِ تضحیک بن گئے ہو انہوں نے کہا بات کیا ہے؟

میں نے کہا کہ تم ہر چیز میں کہتے ہو کہ شبہات کی وجہ سے حدود نافذ نہ کی جائیں اور سب سے بڑی حد کے بارے میں تم کہتے ہو۔ شبہات کی وجہ سے لاگو کی جائے۔ انہوں نے پوچھا کونسی؟

میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کافر کے بدلے میں مومن کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ قتل کیا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ تم میرے گواہ بن جاؤ کہ میں نے اپنے اس مسلک سے رجوع کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ "علوم الحدیث" میں رجوع کا ذکر نہیں کیا۔

اس واقعہ کی سند صحیح ہے اسے ابوعبید نے بھی روایت کیا ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کو ابوعبید کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے دیکھیں "فتح الباری" (۲۶۲/۱۲)۔

امام مالک اور امام زفر رحمہما اللہ کے ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ان ائمہ کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آجاتا تو وہ اسے بلاچون وچرا قبول کر لیتے اور اپنی رائے کو فوراً ترک کر دیتے۔

لہٰذا ان ائمہ کے متبعین کو بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بغیر کسی حیلے بہانے کے قبول کر لینا چاہیئے۔

خطیب بغدادی اس واقعہ کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"زفر بن ہذیل أفاضل أصحاب ابوحنیفہ میں سے ہیں۔ لیکن عبدالواحد ان پر جب دلیل میں غالب آگئے تو انہوں نے ان کو اپنے رجوع پر شاہد مقرر کیا۔ اس خوف سے کہ کہیں (بعد میں) کوئی مدعی یہ دعویٰ نہ کر دے کہ وہ اپنے پہلے قول کی غلطی اور خطا واضح ہو جانے کے باوجود اس پر ثابت رہے۔

اسی طرح ہر شخص پر یہ واجب ہے کہ اس کے سامنے جب حق آجائے تو اس کو تسلیم کرے۔

۱۔ مؤلف نے یہاں مطلق طور پر نفی کر دی ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس بارے میں بعض ضعیف اور من گھڑت روایات وارد ہیں۔ اسی لیے حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ گردن کے مسح کے بارے میں قطعاً کوئی صحیح حدیث نہیں ——

خصالِ فطرت

۹۰ ــ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْفِطْرَۃُ خَمْسٌ۔

فطرت پانچ چیزیں ہیں۔

اَلْخِتَانُ	ختنہ کرنا۔
وَالْاِسْتِحْدَادُ۔	زیرِ ناف کے بال مونڈنا
وَتَقْلِیْمُ الْاَظْفَارِ۔	اور ناخن کاٹنا
وَنَتْفُ الْاِبْطِ۔	اور بغل کے بال اکھیڑنا
وَقَصُّ الشَّارِبِ۔	اور مونچھ کترانا۔ (صحیح مسلم)

مذکورہ باتیں دین کی ہیں اور سب پیغمبروں کی سُنّت ہیں۔ اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر عمل کرنے کو فرمایا ہے یہ باتیں طہارت، صفائی اور ستھرائی کی ہیں۔

ــــــــ ہے۔ زاد المعاد (۱/۱۹۵)۔

اس بارے میں ایک حدیث ابوداؤد (۱۳۲) اور بیہقی (۱/۶۰) میں ہے۔ قریب ہی اس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ امام نووی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے۔ المجموع (۱/۴۶۴)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے گردن کا مسح کیا وہ قیامت کے روز طوق پہنائے جانے سے محفوظ رہے گا۔

یہ روایت "مسند الفردوس" دیلمی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حافظ عراقی نے "تخریج الاحیاء" (۱/۱۵۹) میں اسے ضعیف کہا ہے۔ امام نووی نے "المجموع" میں اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے السلسلۃ الضعیفۃ للالبانی رقم (۶۹ و ۷۴۴) ملاحظہ فرمائیں۔

۹۰ ــ اخرجہ احمد (۲/۲۳۹ و ۲۸۳) والبخاری (۵۸۸۹ و ۵۸۹۱) فی اللباس ومسلم (۳/۱۴۶) فی الطہارۃ وابوعوانہ (۱/۱۹۰) وابوداؤد (۴۱۹۸) فی الترجل والنسائی (۱/۱۳-۱۵/۸/۱۸۱) فی الطہارۃ وفی الزینۃ، والترمذی (۲۷۵۶) وابن ماجہ (۲۹۲) والبیہقی فی "السنن" (۱/۱۴۹) وفی "الشعب" (۶/۵۷) وفی "الآداب" (۶۹۳)۔

مؤلف نے اس حدیث کو صرف مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب کہ یہ بخاری میں بھی ہے۔

۹۱ ــــ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أُمِرْنَا بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَ إِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ۔ (صحیح مسلم)

"ہم کو حکم ہوا مونچھوں کو میٹ دینے کا اور داڑھی کو چھوڑ دینے کا۔"

---

۹۱ ــــ اس کو مسلم (۱۴۷/۳) ابو عوانہ (۱۸۹/۱) ابو داؤد (۴۱۹۹) ترمذی (۲۷۶۴) اور بیہقی نے "سنن" (۱۵۱/۱) "شعب" (۶۱/۶) اور "آداب" (۱۷۹) میں روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام کتب میں ابن عمر رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا۔

اس طرح نہیں۔ جیسے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہم کو حکم ....."

اس حدیث کی دوسری روایات کے الفاظ یوں ہیں۔

" داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ"۔

ان الفاظ سے اس کو بخاری (۵۸۹۲-۵۸۹۳) مسلم، ابو عوانہ، ترمذی، ابن عدی (۱۴۶۰/۴) اور بیہقی (۱۴۹/۱-۱۵۰) نے روایت کیا ہے۔

بخاری، مسلم، اور بیہقی میں یہ اضافہ بھی ہے۔

" خالفوا المشرکین " مشرکین کی مخالفت کرو۔

ابو عوانہ میں مشرکین کی بجائے مجوس کا ذکر ہے۔

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں بھی مجوس کی مخالفت کا ذکر ہے۔

۱۔ حدیث ابو ہریرہ کو احمد (۳۶۶/۲) مسلم، ابو عوانہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اس کو بزار (۲۹۷۰-۲۹۷۱) اور ابن عدی (۱۱۲۵/۳) نے دوسری سندوں سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان میں مجوس یا مشرکین کی مخالفت کا ذکر نہیں۔

۲۔ حدیث انس کو بزار (۲۹۷۲) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

ابن عدی (۱۶۳۸/۴) نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس میں اس مخالفت کا ذکر نہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہا میں عجمیوں کی مخالفت کرنے کا حکم ہے۔ اس کو ابن عدی (۲۱۲۹/۶) نے روایت کیا ہے۔

مگر اس کی سند کلبی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

طبرانی کبیر (۷۷/۱۱) میں اس کی دوسری سند بھی ہے مگر اس میں کسی کی مخالفت کا ذکر نہیں۔ ←

وضوء کے بعد یہ پڑھیں

۹۲ — اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔
(صحیح مسلم)

میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ بندہ اس کا اور رسول اس کا ہے۔"

ملاحظہ: وضوء کے بعد شہادتین کے ساتھ ترمذی نے دعائے ذیل کا پڑھنا بھی روایت کیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (ترمذی)

"بارِ خدایا کر مجھے توبہ کرنے والوں سے اور کر مجھے (باطن کی) طہارت کرنے والوں سے۔"

← مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ یہ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
ان کی حدیث کو ابن عدی (۲/۹۹) اور بیہقی نے "شعب" (۶/۶۲) میں روایت کیا ہے۔ اس کی بھی سند ضعیف ہے۔
حاصل کلام یہ کہ داڑھی چھوڑنے اور مونچھیں کٹوانے کی حدیث ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے صحیح ثابت ہے۔ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں کی تائید ابن عمر اور ابوہریرہ کی حدیثوں سے ہوتی ہے۔
ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی مونچھیں نہیں کترواتا وہ ہم سے نہیں۔
حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو قوی کہا ہے۔ "فتح الباری" (۱۰/۳۳۷)۔

۹۲— اس دعا کو مسلم (۲/۱۱۸-۱۱۹) ابوعوانہ (۱/۲۲۴-۲۲۶) ابوداؤد (۱۶۹) نسائی (۱/۹۲-۹۳) ابن ماجہ (۴۷۰) ابن ابی شیبہ (۱/۱۳) ابن خزیمہ (۲۲۲-۲۲۳) ابن حبان (۲/۳۲۶) اور بیہقی (۱/۷۸) نے روایت کیا ہے۔
اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس دعاء کو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر پڑھنے کا ذکر ہے۔
اس روایت کو ابن ابی شیبہ (۱/۱۳، ۶/۱۱۳) احمد (۱/۱۹) ابویعلی (۱۸۰، ۲۴۹) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۸۴) میں ابوداؤد (۱۷۰) دارمی (۱/۱۸۳) ابن السنی (۳۱) طبرانی (۱۷/۳۳۲) اور دولابی نے "الکنی" (۲/۳۳) میں روایت کیا ہے۔
مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ابوعقیل کا چچا زاد بھائی مجہول ہے۔
وضوء کے بعد اس دعاء کے پڑھنے کا ذکر انس، عثمان ابن عمر اور ثوبان رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں بھی ہے۔
۱۔ حدیث انس کو ابن ماجہ (۴۶۹) ابن ابی شیبہ (۱/۱۳، ۶/۱۱۳) ابن السنی (۳۳) طبرانی نے "دعاء" (۳۸۵-۳۸۶) میں اور خطیب نے "الموضح" (۲/۱۰۵) میں روایت کیا ہے۔ ←

وضوء کی وضعی دُعائیں

رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پاک سے وضوء کے شروع میں بسم اللہ، اور بعد میں شہادتین کا پڑھنا ثابت ہے[1] جیسا کہ آپ ابھی اُوپر پڑھ آئے ہیں۔ لیکن بعض لوگ وضوء میں ہر ہر عضو دھوتے وقت ایک ایک دُعا پڑھتے ہیں[2] اور وہ دُعائیں مروجہ کتب نماز میں بھی پائی جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دُعائیں سُنّت پاک اور صحابہؓ کے عمل سے ثابت نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جب اپنے رسُول کے ہاتھوں دین مکمل کر دیا۔ تو پھر دینی اور شرعی امور میں نقص و ایزاد اور کمی و بیشی کرنا کسی امتی کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔

---

[1] اس حدیث میں اس دُعا کو تین مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ مگر اس کی سند زید العمی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۱/ ۵۰-۱۷۶) میں اس کو انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند میں اس کو تین بار پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس کو آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر پڑھنے کا ذکر ہے۔ مگر یہ سند بھی محلِ نظر ہے۔

۲۔ حدیثِ عثمان کو طبرانی نے "دُعاء" (۳۸۷) میں ابُویعلیٰ (۱/ ۱۵۰/ ۱۹ تحقیق الاثری) اور دارقطنی (۱/ ۹۲) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث ابن عمر کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے۔ اس کی اور حدیث عثمان کی سند ایک ہی ہے۔

۴۔ حدیثِ ثوبان، اس کی تخریج عنقریب آرہی ہے۔

اس دُعا کے بعد مؤلف رحمہ اللہ نے ترمذی کے حوالے سے جو دُعا ذکر کی ہے۔ یہ بھی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہی میں ہے۔ مگر یہ اضافہ صرف ترمذی (۵۵) میں ہے۔

ترمذی نے اس حدیث میں اضطراب کا ذکر کیا ہے، شیخ احمد شاکر نے اس اضطراب کو رد کیا ہے۔ لیکن "اللھم اجعلنی ....." کے اضافے کی صحت کو انہوں نے قبول نہیں کیا۔ دیکھیں "تحقیق الترمذی" (۱/ ۷۹-۸۲)۔

اس اضافے کا ذکر ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے۔ لہٰذا اس سے اس کو تقویت پہنچتی ہے۔

حدیثِ ثوبان کو ابن السنی (۲۱) طبرانی نے "کبیر" (۲/ ۱۰۰) اور "اوسط" میں خطیب نے "تاریخ بغداد" (۵/ ۲۷۰) میں اور ابن بخار نے "ذیل تاریخ بغداد" (۱/ ۹۰) میں روایت کیا ہے۔ ←

ــــــــ واضح رہے کہ "طبرانی کبیر" میں اس حدیث میں یہ اضافہ نہیں۔ دیکھیں "مجمع الزوائد" (۱/۲۴۴)
مذکورہ دُعاء کے بعد "اللّٰھم اجعلنی ... " کے الفاظ کا پڑھنا حضرت علی اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے بھی مذکور ہے۔
اثر علی کو عبدالرزاق (۱/۱۸۶۔۱۸۷) ابن ابی شیبہ (۱/۱۳، ۶/۱۱۲) اور طبرانی نے "دُعاء" (۳۹۲) میں روایت کیا ہے۔
یہ اثر اپنی دو سندوں کی بناء پر قوی ہو جاتا ہے۔
اثر حذیفہ کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف اور منقطع بھی ہے۔
۱۔ وضوء کے بعد ایک اور دُعاء کا بھی پڑھنا ثابت ہے جو یہ ہے۔
" سبحانك اللّٰھم وبحمدك اشھد ان لا الٰه الا انت استغفرك واتوب اليك۔"
اس کو نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ" (۸۱۔۸۳) میں ابن السنی (۳۰) حاکم (۱/۵۶۴) طبرانی "الاوسط" (۱۴۷۸) اور "الدّعاء" (۳۸۸۔۳۹۱)، عبدالرزاق (۱/۱۸۶) اور ابن ابی شیبہ (۱/۱۳، ۶/۱۱۲ - دار التاج) نے روایت کیا ہے۔
اس کو حاکم، ذہبی اور ابن حجر نے صحیح کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔
"الفتوحات الربانیہ" (۲/۲۰۔۲۱) ایضاً "تلخیص الحبیر" (۱/۱۰۱۔۱۰۲)
دورانِ وضوء یا وضوء کے بعد درج ذیل دُعا بھی پڑھنے کے لیے ذکر کی جاتی ہے۔
" اللّٰھم اغفر لی ذنبی ووسع لی فی داری و بارك لی فی رزقی۔"
اس کو نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۸۰) میں ابن السنی (۲۸) احمد اور عبداللہ بن احمد نے "زوائد المسند" (۴/۳۹۹) میں اور ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔
لیکن اس دُعاء کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ نماز کے بعد پڑھی جائے۔ وضوء کی دُعاؤں سے اس کا تعلق نہیں، اس کی تفصیل ہم نے اس کتاب کے پہلے اڈیشن میں کی تھی۔ اگر ممکن ہو تو دیکھیں (ص ۱۱۵۔۱۱۶، ۵۴۴۔۵۴۶)۔
۲۔ یہ دُعائیں انس اور علی رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں آئی ہیں۔
حدیثِ انس کو ابن حبان نے "المجروحین" (۲/۱۶۵) میں اور ابن الجوزی نے "العلل" (۱/۳۳۸۔۳۳۹) میں روایت کیا ہے۔ حدیث علی کو مستغفری وغیرہ نے روایت کیا ہے۔
اور یہ دونوں حدیثیں ہی انتہائی ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں۔ تفصیل کے لیے "علل ابن الجوزی" اور "الفتوحات الربانیہ" (۲/۲۷۔۲۸) دیکھیں۔
مستغفری نے "الدعوات" میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ مرفوع سے مرفوعاً روایت کی ہے جس میں ہر عضو دھوتے وقت اَشھد ان لآ الٰه اِلا اللّٰه ...... اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین " پڑھنے کا ذکر ــــــــ

وضوء کے دیگر مسائل وفضائل

۹۳۔ بخاری شریف کی روایات میں وضوء کے اعضاء کا دو دو بار اور ایک ایک بار دھونا بھی آیا ہے۔ واضح ہو کہ اعضاء کا تین تین بار دھونا افضل ہے اور تین تین بار دھونے سے ہی کامل وضوء ہوتا ہے۔ حضورؐ اور آپ کے صحابہ کا عمل کثرت سے تین تین بار دھونے پر ہی رہا ہے۔ دو دو بار، یا ایک ایک بار دھونا جواز کے لیے ہے۔

اعضاء کے تین بار سے زیادہ دھونے کی ممانعت

۹۴۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَآءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ۔ (رواہ النسائی وابن ماجہ)

← ہے مستغفری نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

دیکھیں "الفتوحات الربانیہ" (۲/۱۶) ایضاً "حاشیہ ابن عابدین" (۱/۸۶)۔

اس حدیث کی سند جب تک سامنے نہ آئے اس وقت تک اس کے بارے میں یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر بظاہر یہ حدیث صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔

نیز متعدد احادیث میں اس دُعا کا وضوء کے بعد پڑھنا ذکر ہوا ہے۔ اور یہ احادیث ابھی (۹۲) میں گزری ہوئی ہیں۔

۹۳۔ اعضاء کا ایک ایک بار دھونا اس بارے میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے۔ جو بخاری (۱/۱۴۰ و ۱۵۷) باب غسل الوجہ والیدین وباب الوضوء مرۃ مرۃ ابوداؤد (۱/۱۳۷ و ۱۳۸) نسائی (۱/۶۲) ترمذی (۴۲) ابن ماجہ (۱۱۱) دارمی (۱/۱۷۷) میں ہے۔ وضوء کے اعضاء کو دو دو بار دھونا یہ حدیث عبداللہ بن زید میں ہے۔ جو نمبر ۸۰ میں گزر چکی ہے۔ اور وضوء کا تین تین بار دھونا حدیث عثمان میں ہے۔ جو بخاری مسلم (۳/۱۰۵-) ابو عوانہ (۱/۲۳۸) ابو داؤد (۱۰۶) وغیرہ میں ہے۔ اسی طرح اگر بعض اعضاء دو اور بعض تین یا بعض کو ایک مرتبہ دھویا جائے۔ تب بھی درست ہے، حدیث عبداللہ بن زید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعضاء کو تین مرتبہ اور بعض کو دو مرتبہ دھویا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ترمذی (۱/۵۳) بشرح التحفہ۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ سب علماء کا اتفاق ہے کہ اعضاء کا ایک ایک بار دھونا کفایت کرتا ہے۔ (مراتب الاجماع لابن حزم ۱۹)۔

۹۴۔ اس کو نسائی (۱/۸۸) ابن ماجہ (۴۲۲) اسی طرح ابوداؤد (۱۳۵) احمد (۲/۱۸۰) ابن الجارود (۷۵) ابن خزیمہ ←

روایت ہے عمرو بن شعیب سے، نقل کی اس نے اپنے باپ سے، اس نے اپنے دادا سے، کہا اس نے کہ ایک اعرابی نے رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر وضوء کی کیفیت دریافت کی۔ تو حضورؐ نے اُسے اعضاء کا تین تین بار دھونا دکھایا۔ اور فرمایا۔ اسی طرح ہے (کامل) وضوء، پھر جو شخص اس پر (تین تین بار دھونے پر) زیادہ کرے۔ پس تحقیق اس نے بُرا کیا۔ (کیونکہ ترکِ سُنّت کیا) اور تعدی کی (کیونکہ سُنّت کی حد سے تجاوز کیا) اور ظلم کیا (اپنی جان پر رسولِ خدا کی مخالفت کر کے)۔"

پہلے انبیاء کا وضوء

۹۵ ۔ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ۔ (مشکوٰۃ باب سنن الوضوء)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے وضوء کیا۔ (اور دھوئے اعضاء) تین تین بار۔ اور فرمایا۔ یہ ہے وضوء میرا اور وضوء پہلے انبیاء کا۔ اور وضوء ابراہیم کا۔"

پس ثابت ہوا۔ کہ تین تین بار اعضاء کا دھونا افضل ہے، اور اس سے زیادہ دھونا افضلیّت سے ہاتھ دھونا ہے کیونکہ تین بار سے زیادہ دھونا حضرت ابراہیم علیہ السلام، تمام انبیاء اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر زیادتی ہے۔

(۱/۴) اور بیہقی (۱/۷۹) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، نووی "مجموع" (۱/۴۳۸) اور "شرح مسلم" (۳/۱۲۹) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی "تلخیص" (۱/۱۳) میں صحیح کہا ہے اور "فتح الباری" (۱/۲۳۲) میں اس کی سند کو جید کہا ہے۔

نیز حدیث ابن عباس اور حدیث عدی بن حاتم سے اس کے شواہد بھی ہیں۔

حدیث ابن عباس کو طبرانی (۱۱/۵۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

حدیث عدی بن حاتم کو حکیم ترمذی نے "الصلاۃ" (۱۶۸) میں روایت کیا ہے۔

یہ ایک طویل حدیث ہے، اس کی سند میں ایک راوی قاسم بن عبداللہ ہے اگر یہ قاسم بن عبداللہ بن عمر العمری ہے تو یہ سند انتہائی ضعیف ہے۔ بہرحال اس سند کی تحقیق مطلوب ہے۔

تنبیہ: حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں ابوداؤد اور بیہقی کی ایک روایت میں "او نقص" (یا جس نے تین بار سے کم کیا) کا اضافہ بھی ہے۔ مگر یہ اضافہ شاذ ہے۔ دیکھیں "فتح الباری" (۱/۲۳۳)۔

۹۵ ۔ حسن درجہ کی حدیث ہے۔

حدیث عثمان رضی اللہ عنہ کو حافظ زیلعی اور نہ ہی حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔ ←

؎ خطیب تبریزی نے "مشکاۃ المصابیح" (۱/۱۲۲) میں کہا ہے کہ اس کو رزین نے روایت کیا ہے اور نووی نے "شرح مسلم" میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

مگر یہ نسبت یا تخریج صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ رزین کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے۔ کہ جس میں انہوں نے احادیث کو اپنی اسانید سے روایت کیا ہو۔

بلکہ انہوں نے اصول ستہ (معروف صحاح ستہ) کی احادیث کو ایک مستقل کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے علامہ شوکانی کے کہنے کے مطابق ان کی اس کتاب میں ایسی حدیثیں بھی آگئی ہیں جو ان کتب میں موجود نہیں ہیں۔

آگے چل کر شوکانی کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے بعض اہل علم نے ان میں کلام کیا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک زبردست طعن ہے وہ اگرچہ علماء اسلام ہی سے ہیں۔ مگر انہوں نے ایسا کام کیا ہے جو ثقات نہیں کرتے دیکھیں "السیل الجرار" (۱/۷۷-۷۸)

اس حدیث کو ابن اثیر نے بھی "جامع الأصول" (۷/۴۷/۱۷۱۵) میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس کتاب کی تالیف کے وقت رزین کی کتاب بھی ان کے پیش نظر تھی۔ مگر انہوں نے اس حدیث کو کسی کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا۔ بلکہ خالی جگہ چھوڑ دی ہے۔

بہر حال یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ کیونکہ یہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ جن میں انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

۱۔ حدیث انس کو ابن سکن نے اپنی "صحیح" میں اور ابن شاہین نے "ترغیب و ترہیب" میں روایت کیا ہے۔
البانی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

۲۔ حدیث ابن عمرؓ کو طیالسی (۱/۵۴) احمد (۲/۹۸) ابن ماجہ (۴۱۹) دارقطنی (۱/۸۰-۸۱) اور بیہقی (۱/۸۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند زید العمی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز زید سے آگے اس کی تین سندیں ہیں جو کہ سخت ضعیف ہیں۔ دیگر اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔

ایک چوتھے راوی نے اس کو زید سے بیان کرتے ہوئے ابن عمر کی بجائے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے اس طرح سے یہ حدیث "ابن ماجہ" اور "دارقطنی" وغیرہ میں ہے۔

حدیث ابن عمر کی دارقطنی اور بیہقی میں ایک دوسری سند بھی ہے۔ مگر یہ سند بھی کچھ ضعیف ہے۔

صنعانی نے "سبل السلام" (۱/۵۰) میں کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے طرق کی بنا پر قوی ہو جاتی ہے۔ ←

مسنون وضوء سے گناہوں کی بخشش

۹۶ــــ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ فَاِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ اَنْفِهٖ فَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ يَدَيْهِ فَاِذَا مَسَحَ بِرَاْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَاْسِهٖ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ قَالَ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ اِلَی الْمَسْجِدِ وَصَلٰوتُهٗ نَافِلَةً لَّهٗ ؎ (موطا۔نسائی)

حضرت عبداللہ بن صنابحی روایت کرتے ہوئے کہتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت شروع کرتا ہے بندہ مؤمن وضوء۔ پھر کلی کرتا ہے نکل جاتے ہیں۔ گناہ اس کے منہ سے۔ پھر جس وقت ناک جھاڑتا ہے۔ نکل جاتے ہیں گناہ اس کے ناک سے۔ پھر جس وقت منہ دھوتا ہے۔ نکل جاتے ہیں گناہ اس کے منہ سے یہاں تک کہ نکل جاتے ہیں اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے۔ پھر جس وقت ہاتھ دھوتا ہے۔ نکل جاتے ہیں گناہ اس کے دونوں ہاتھوں سے۔ یہاں تک کہ نکل جاتے ہیں اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے۔ پھر جس وقت مسح کرتا ہے نکل جاتے ہیں گناہ اس کے سر سے۔ یہاں تک کہ نکل جاتے ہیں اس کے دونوں کانوں سے۔ پھر جس وقت پاؤں دھوتا ہے نکل جاتے ہیں گناہ اس کے دونوں پاؤں سے۔ یہاں تک کہ نکل جاتے ہیں اس کے دونوں پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے۔ پھر چلنا اس کا (بعد وضو کے) طرف مسجد کے۔ اور پڑھنا اس کا نماز۔ اس کے لیے (درجات کی بلندی میں) زیادتی ہوتی ہے۔"

(موطا امام مالک۔ نسائی شریف)

ملاحظہ:۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کامل اور سنوار کر مسنون وضوء کرنے سے آدمی پورے طور پر گناہوں

؎ البانی نے کہا ہے کہ کثرت شواہد کی بناء پر یہ حدیث کم ازکم حسن درجہ کی ہے۔ " احادیث صحیحہ " (۲۶۱) ۔
" الدرایہ " (۱/۲۵) میں حافظ ابن حجر کا کچھ میلان بھی اس کے ثبوت کی طرف معلوم ہوتا ہے۔
بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کے لیے "نصب الرایہ" (۱/ ۲۷ - ۲۸) اور "تلخیص الجبیر" (۱/ ۸۲-۸۳) دیکھیں۔

۹۶ــــ صحیح حدیث ہے۔

سے پاک ہوجاتا ہے اور پھر اس کا گھر سے باوضو (گناہوں سے پاک) ہوکر مسجد کی طرف چلنا، اس کے درجات کو بلند کرتا ہے اور مسجد میں پہنچ کر پھر نماز کا پڑھنا درجات کی بلندی اور قرب خداوندی کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

حشر میں چہرے کا نور

۹۷۔ حضرت ابی الدرداء روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

كَيْفَ تَعْرِفُ أُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ۔

"(حضورؐ!) آپ اپنی اُمت کو (میدانِ حشر میں) دوسری اُمتوں کے (بے شمار لوگوں کے) درمیان کیونکر پہچانیں گے۔"

"قَالَ هُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُونَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوْءِ لَيْسَ أَحَدٌ كَذٰلِكَ غَيْرُهُمْ۔

"فرمایا! وہ (میری اُمت کے لوگ) وضوء کے اثر سے سفید (نورانی) چہرے اور سفید (نورانی) ہاتھ پاؤں والے ہوں گے۔ اس طرح (نورانی چہرے اور روشن ہاتھ پاؤں والا) سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہوگا۔ (رواہ احمد)

← اس کو مالک (۱/۳۱) نسائی (۱/۴۷-۷۵) ابن ماجہ (۲۸۲) احمد (۴/۳۴۹) حاکم (۱/۱۲۹-۱۳۰) بیہقی نے "سنن" (۱/۸۱-۸۲) اور "شعب" (۶/۲۵) میں اور بکری نے "اربعین" (۱۱۸) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ مگر اس کے مرسل اور موصول ہونے میں اختلاف ہے۔ بات جو بھی ہو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے شواہد ہیں، ان شواہد میں عمرو بن عبسہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں بھی ہیں۔

عمرو بن عبسہ کی حدیث کو مسلم (۶/۱۱۷-۱۱۸) ابو عوانہ (۱/۲۴۵-۲۴۶) اور ابن ماجہ (۲۸۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث ابو ہریرہؓ کو مالک (۱/۲۲) مسلم (۲/۱۲۲-۱۲۳) ترمذی (۲) اور ابو عوانہ (۱/۲۴۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۹۷۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۵/۱۹۹) مروزی نے "الصلاۃ" (۱/۲۶۹) میں اور بیہقی نے "شعب" (۶/۴۶) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں۔ مگر مروزی کے یہاں اسی طرح احمد کی ایک روایت میں بھی ان سے اس حدیث کو عبداللہ بن مبارک نے روایت کیا ہے۔

نیز بیہقی کے یہاں لیث بن سعد نے ان کی (ابن لہیعہ کی) متابعت کی ہے۔

اس حدیث کے شواہد بھی ہیں اور ان شواہد میں ابو ہریرہ، حذیفہ اور عبداللہ بن بسر مازنی، ابن مسعود اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

پیارے بھائیو اور بہنو! اگر آپ نمازیں پڑھیں گے۔ تو نمازوں کے لیے لامحالہ وضوء بھی کریں گے۔ پھر وضوء کے اثر سے آپ کے چہرے میدانِ حشر میں روشن ہوں گے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ کو پہچان لیں گے۔ کہ یہ اُمتی ہیں۔ اس لیے آپ وضوء کا بہت شوق پیدا کریں اور بڑی محبت اور خلُوص سے نہایت سنوار کر وضوء کر کے نمازیں پڑھیں، تاکہ آپ کے چہرے میدانِ محشر میں نورانی ہوں۔

خشک ایڑیوں کو عذاب

۹۸ — وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّاُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ۔

حضرت ابن عمرو نے روایت کرتے ہوئے ہُوئے کہا۔ کہ ہم رسُولِ خدا کے ساتھ مکے سے مدینے کی طرف لوٹے یہاں تک کہ راستے میں ہم ایک پانی پر پہنچے۔ تو ایک جماعت نے (ہم میں سے) وضوء کرنے میں جلدی کی نمازِ عصر کے نزدیک۔ پس انہوں نے وضوء کیا۔ اور وہ جلدی کرنے والے تھے (یعنی چلنے میں جلدی کی

۱۔ حدیث ابُوہریرہ کو بخاری (۱۳۶) اور مُسلم (۳/۱۲۵-۱۲۶، ۱۳۷-۱۴۰) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث حذیفہ کو مُسلم اور ابن ماجہ (۴۳۰۲) "الزہد" نے روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیث عبداللہ بن بسر کو احمد (۴/۱۸۹) ترمذی (۶۰۷) اور بیہقی نے "شعب" (۶/۴۵) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ترمذی نے بھی اس کو صحیح کہا۔

۴۔ حدیث ابنِ مسعُود کو احمد (۱/۴۰۳، ۴۵۱-۴۵۲، ۴۵۳) ابن ماجہ (۲۸۴) ابُویعلیٰ (۵۰۴۸، ۵۳۰۰) اور ابن حبان (۱۴۶) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ بوصیری نے بھی اس کو حسن کہا ہے "مصباح الزجاجہ" (۱۱۵)۔

۵۔ حدیث ابوامامہ کو منذری نے احمد اور طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو جیّد کہا ہے "ترغیب وترہیب" (۱/۱۵۱/۵)۔

۹۸ — اس کو مُسلم (۳/۱۲۸) ابُوعوانہ (۱/۲۲۹-۲۳۰، ۲۵۰) ابُوداؤد (۹۷) نسائی (۱/۷۸) ابن ماجہ (۴۵۰) دارمی (۱/۱۷۹) ابن خزیمہ (۱۶۱) ابن حبان (۳/۳۳۵) بیہقی (۱/۶۹) اور احمد (۲/۱۹۳، ۲۰۱) نے ابُویحییٰ کی سند سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور ہم سے آگے بڑھ گئے۔ کہ وضوء پہلے کرلیں) پھر ہم (بھی) پہنچے ان کی طرف، اور ان کی ایڑیاں چمکتی تھیں (یعنی خشک تھیں) ان کو پانی نہیں پہنچا تھا۔ پھر رسُولِ خُدا نے فرمایا خرابی ہے واسطے (خشک) ایڑیوں کے آگ سے خبردار! پورا کرو وضوء" (مسلم)۔

انتباہ

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا، کہ وضوء بڑی احتیاط سے سنوار کر پورا کرنا چاہیئے، اعضاء کو خوب مل مل کر دھونا چاہیئے اور تین تین بار دھونا چاہیئے۔ تاکہ ذرہ برابر جگہ بھی اعضائے وضوء کی خشک نہ رہے۔

وضوء نصف ایمان ہے

۹۹ ــ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ (مُسلم)

حضرت ابی مالک اشعری روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وضوء آدھا ایمان ہے۔

۔ اس کو بخاری (۱۶۳) مُسلم، ابوعوانہ، بیہقی اور احمد (۲/۲۱۱، ۲۲۶) نے یوسف بن ماہک کی سند سے بھی روایت کیا ہے اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہے۔

۹۹ ــ اس کو مُسلم (۳/۹۹ ــ ۱۰۰) ابوعوانہ (۱/۲۲۳) ترمذی (۳۵۱۷) "الدعوات" نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۶۸) میں دارمی (۱/۱۶۷) طبرانی (۲/۳۲۲) ابن مندہ نے کتاب الایمان" (۱/۳۷۴-۳۷۵) میں لالکائی نے "شرح الاصول (۵/۹۰۳) میں بیہقی نے "سنن" (۱/۴۲) اور "شعب" ۲، ۵/۶، ۹۵) میں بغوی نے شرح السُّنہ" (۱۴۸) میں اور احمد (۵/۳۴۲، ۳۴۳ - ۳۴۴) نے ابوسلام کی سند سے ابُومالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابُوعوانہ (۱/۲۲۳) نسائی نے "سنن" (۵/۵-۶) "الزکاۃ" باب "وجوب الزکاۃ" اور "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۶۹) میں بھی، ابن ماجہ (۲۸۰) ابنِ حبان (۳۶۱) طبرانی (۳/۳۲۲) اور بیہقی نے بھی "شعب" (۱۹/۲) میں اسی سند سے روایت کیا ہے مگر ان کتب میں ابُوسلام اور ابُومالک کے درمیان، عبدالرحمٰن بن غنم کا واسطہ ہے۔ دیکھیں "شرح مسلم"۔

یہ حدیث ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کو ترمذی (۳۵۱۹) دارمی (۱/۱۶۷) عبدالرزاق (۱۱/۲۹۶) احمد (۴/۲۶۰، ۵/۳۶۳، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۷۲) اور بیہقی نے شعب (۲/۳۳-۵۳۴، ۷/۱۶۷) میں روایت کیا ہے اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

مومن کا زیور

۱۰۰ ـ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ خَلِیْلِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَبْلُغُ الْحِلْیَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ یَبْلُغُ الْوُضُوْءُ۔

سیدنا ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جانی دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (بہشت میں) مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا۔ جہاں تک وضوء کا پانی پہنچے گا۔" (رواہ مسلم)

ملاحظہ:۔ مومن کے لیے بہشت کا زیور خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوگی، ہم اس کی کیفیت دنیا میں نہیں جانتے اس حدیث سے یہ ثابت ہوا۔ کہ وضوء کامل خدا تعالیٰ کی بڑی عبادت ہے۔ اور اس عبادت کے سبب اللہ تعالیٰ بہشتی زیور کے انعام سے بندے کو نوازے گا۔

مشقت کے وضوء سے بلندئ درجات

۱۰۱ ـ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَا یَمْحُوا اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَكَارِهِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابی ہریرۃؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ جس کے سبب خدا گناہوں کو دور، اور درجات کو بلند کرتا ہے؟ صحابہؓ نے کہا۔ ہاں اے رسولِ خدا! (فرمایئے!) آپؐ نے فرمایا۔ کامل (اور سنوار کر) کرنا وضوء کا مشقت (یعنی بیماری یا شدت کے جاڑے) کے وقت۔ (رواہ مسلم)

۱۰۰ـــ اس کو مسلم (۳/ ۱۴۰) اسی طرح احمد (۲/ ۳۷۱) نسائی (۱/ ۹۳) ابن خزیمہ (۷) ابوعوانہ (۱/ ۲۴۴) ابو یعلی (۲/ ۶۲۰) ابن حبان (۳/ ۳۲۰) اور بیہقی (۱/ ۵۷) نے روایت کیا ہے۔

۱۰۱ ـ اس کو مسلم (۳/ ۱۴۱) اسی طرح مالک (۱/ ۱۶۱) احمد (۲/ ۲۳۵، ۲۷۷، ۳۰۱، ۳۰۳) ترمذی (۵۱-۵۲) نسائی (۱/ ۸۹-۹۰) ابن خزیمہ (۵) ابوعوانہ (۱/ ۲۳۱) ابن حبان (۳/ ۳۱۲) بیہقی نے "سنن" (۱/ ۸۲) اور "شعب" (۶/ ۲۹-۳۰، ۱۸۰-۱۸۱) میں عبدالرحمٰن کی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تحیۃ الوضوء سے بہشت واجب

۱۰۲ ـ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ ـ (رواہ مسلم)

عقبہ بن عامر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص وضوء کرے اور خوب سنوار کر اچھا وضوء کرے۔ پھر کھڑا ہو کر دل اور منہ سے (ظاہری، باطنی طور پر) متوجہ ہو کر دو رکعت نماز (نفلی) پڑھے۔ تو اس کے لیے بہشت واجب ہو جاتی ہے۔" (مسلم) ۔

شکر الوضوء سے بلال بہشت میں

۱۰۳ ـ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَا بِلَالُ حَدِّثْنِيْ بِاَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْاِسْلَامِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ اَنِّيْ لَمْ اَتَطَهَّرْ

← ابن ماجہ (۴۲۸) نے اس کو ولید بن رباح کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور یہ سند حسن درجہ کی ہے۔

اس حدیث کے ابوسعید خدری، جابر، علی اور خولہ رضی اللہ عنہم کی احادیث سے شواہد بھی ہیں۔

۱۔ حدیث ابوسعید کو احمد (۳/۳)، ابن ماجہ (۴۲۷) دارمی (۱/) ابویعلی (۱۳۵۵) ابن خزیمہ (۱۷۷) ابن حبان (۱۶۲، ۱۶۲) عبد بن حمید (۹۸۴۔ المنتخب من المسند) حاکم (۱/۱۹۱۔۱۹۲) اور بیہقی (۲/۱۶) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

۲۔ حدیث جابر کو بزار (۴۴۹۔۴۵۰) اور ابن حبان (۱۶۱) نے روایت کیا ہے۔ ابن صباغ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ حدیث علی کو بزار، ابویعلی (۴۸۸) عبد بن حمید (۹۱) حاکم (۱/۱۳۲) اور بیہقی نے "شعب" (۶/۴۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

۴۔ حدیث خولہ کو طبرانی (۲۴/۲۳۴۔۲۳۵) نے روایت کیا ہے۔

۱۰۲ ـ یہ حدیث (۹۲) ہی کا ٹکڑا ہے۔ لہٰذا اس کی تخریج وہاں دیکھی جائے۔

۱۰۳ ـ اس کو بخاری (۱۴۹) "تہجد" مسلم (۱۶/۱۳) "فضائل" احمد (۲/۳۳۳، ۴۲۹) اور ابن خزیمہ (۱۲۰۸) وغیرہ نے ←

طُهُورًا فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَالِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابُو ہریرہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت بلالؓ کو کہا۔ اے بلالؓ میرے سامنے (اپنا) وہ عمل، جو تو نے اسلام میں کیا۔ اور جس پر تجھے (ثواب) کی بہت امید ہے بیان کر، کیونکہ میں نے اپنے آگے بہشت میں تیری جوتیوں کی آواز سُنی ہے۔ بلالؓ نے عرض کیا میرے نزدیک جس عمل پہ مجھے (ثواب کی) بہت امید ہے، یہ ہے کہ رات یا دن میں جب (بھی) میں نے وضو کیا۔ تو اس وضوء کے ساتھ جس قدر نماز (نفل) میرے مقدر میں تھی ضرور پڑھی۔ (یعنی کسی وضوء کو میں نے بغیر نفلوں کے خالی نہ چھوڑا۔) (بخاری و مسلم)۔

بارگاہِ ایزدی کا پرمٹ

نماز بغیر وضوء کے قبول نہیں ہوتی۔ یعنی بے وضوء کو خدا کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے تو گویا وضوء احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونے کے لیے پرمٹ ہے اور جس شخص کو خدا وضو کی توفیق دے، یا اپنی بارگاہ کی حاضری کا پرمٹ عطا فرمائے، وہ جتنا بھی شکر کرے تھوڑا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ جب بھی وضوء کریں۔ دو رکعت

← روایت کیا ہے۔

فائدہ: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "عند صلوٰۃ الفجر" کے الفاظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مُسلم کی روایت میں "سمعت" کے بعد "اللیلۃ" کا بھی اضافہ ہے جس سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ یہ نیند کا واقعہ ہے۔ فتح الباری (۳/۳۴)۔

قُلت: خواب کا یہ واقعہ ایک بار ہی نہیں بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متعدد بار پیش آیا۔

مسند احمد (۵/۳۵۴) اور ترمذی (۳۶۸۹) وغیرہ میں بسند صحیح بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔

"أصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا بلالا فقال يا بلال بم سبقتني إلى الجنة ما دخلت الجنة قط إلا سمعت خشخشتك أمامي اني دخلت البارحة الجنة فسمعت خشخشتك۔"

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو بلایا اور فرمانے لگے کہ اے بلال تو کس عمل کی بنا پر مجھ سے جنت میں جانے سے سبقت لے گیا ہے۔ میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے تیری آواز سنی خشخشۃ ہتھیار وغیرہ کی آواز کو کہتے ہیں۔ مختار الصحاح ۱۷۶) آج کی رات میں بھی جنت میں داخل ہوا۔ اور تیری آواز سُنی۔ ←

نمازِ نفل شکرِ وضو کی نیت سے پڑھ لیا کریں۔ کہ اس شکرانہ سے بھی بہشت ملتی ہے اور قربِ خدا حاصل ہوتا ہے۔[۱]

بہشت کی بشارت

۱۰۴ — وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ یَتَوَضَّأُ فَیُبْلِغُ اَوْ فَیُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ الثَّمَانِیَۃُ یَدْخُلُ مِنْ اَیِّھَا شَآءَ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تم میں سے وضوء کرے۔ پس انتہاء کو پہنچائے۔ یا فرمایا پورا کرے وضوء (یعنی اعضاء خوب مل کر تین تین بار دھوئے اور خوب سنوار کر وضوء کرے)۔ پھر کہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اشھد اَنّ محمداً عبدہ ورسولہ۔ تو اس کے لیے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ جس سے چاہے داخل ہو۔" (مسلم)

ناظرین! آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔ کہ وضوء کرنے سے مؤمن کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ پورے طور پر گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ پھر وضوء کے بعد کلمات شہادتین پڑھنے سے اس کے لیے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور شکرانہ وضوء کے نفل پڑھنے سے بہشت واجب ہو جاتی ہے۔ یہ تو صرف وضو ہی کی برکات ہیں۔ پھر جب اس وضوء سے آدمی خدا کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور نماز فرض سے فارغ ہوتا ہے، تو اس کے درجات کی بلندی اور خدا کی رضامندی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

؎ اس حدیث سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ بار بار اور خواب میں پیش آیا۔ ایسا نہیں۔ جیسا کہ عام مشہور ہے۔ کہ یہ واقعہ معراج کا ہے۔

اس بارے میں، میں نے ایک مستقل مضمون بھی لکھا تھا جو مؤقر جریدہ "الاعتصام" ۱۲ اپریل ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔

[۱] حدیث عثمان رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جس شخص نے وضوء کیا اور پھر دو رکعت نماز پڑھی اور دوران نماز ادھر اُدھر کی باتوں میں مشغول نہ ہوا تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس حدیث کی تخریج (۹۳) میں گزر چکی ہے۔

۱۰۴ — اس کی تخریج کے لیے حدیث (۹۲) دیکھیے۔

ایک وضوء سے کئی نمازیں

۱۰۵ــــ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلٰوتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهٗ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ يَا عُمَرُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نمازیں ایک وضوء سے پڑھیں۔ اور موزوں پر مسح (بھی) کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ (حضورؐ!) آج کے دن آپ نے وہ چیز کی۔ جسے آپ نہ کرتے تھے۔ (پہلے)۔ فرمایا آپ نے! اے عمر! میں نے اسے قصداً کیا۔ (تا کہ لوگوں کو ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز معلوم ہو جائے۔) (مسلم)

نواقضِ وضوء

بے وضوء نماز نہیں

۱۰۶ــــ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ۔ (رواہ مسلم)

" ابن عمرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نماز بغیر وضوء کے قبول نہیں کی جاتی۔ (مسلم)

---

۱۰۵ ــــ اس کو مسلم (۳/ ۱۷۶۔ ۱۷۷) اسی طرح احمد (۵/ ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۸) ابوداؤد (۱۷۲) ترمذی (۶۱) نسائی (۱/ ۸۶) دارمی (۱/ ۱۶۹) ابنِ خزیمہ (۱۲) ابوعوانہ (۱/ ۲۳۷) ابن حبان (۴/ ۶۰۶۔ ۶۰۸) اور بیہقی (۱/ ۱۶۲) نے روایت کیا ہے۔

۱۰۶ ــــ اس کو مسلم (۳/ ۱۰۲) ترمذی (۱) ابن ماجہ (۲۷۲) ابنِ خزیمہ (۸) ابن الجارود (۶۵) ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۳) احمد (۲/ ۲۰، ۳۹، ۵۱، ۵۷، ۷۳) طیالسی (۱/ ۴۹) اور بیہقی (۱/ ۴۲) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو "ابوعوانہ" (۱/ ۲۳۵۔ ۲۳۷) اور "مجمع الزوائد" (۱/ ۲۲۲۔ ۲۲۳) وغیرہ

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کے علاوہ اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث ذکر کرتے تو ←

مذی سے وضوء

۱۰۷ — عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِیِّ فَقَالَ مِنَ الْمَذِیِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِیِّ الْغُسْلُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ میں نے (مقداد کے واسطہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کا حال دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ مذی نکلنے سے وضو (لازم) آتا ہے، اور منی نکلنے سے غسل (لازم) آتا ہے۔

ملاحظہ: شدت شہوت کے وقت سرِ ذکر پر جو لیس دار قطرہ آجاتا ہے۔ اس کو مذی کہتے ہیں۔ پس اس مذی سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اور منی لذّت و دفق سے خارج ہونے والا مادہ ہوتا ہے۔ جس سے انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔ اس کے خارج ہونے سے آدمی پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

— زیادہ مناسب تھا کیونکہ نواقض وضوء کا بیان ہے۔

" لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلٰوۃَ مَنْ أَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ "

"اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کا وضوء ٹوٹ جائے یہاں تک کہ وضوء کرے۔"

اس کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۱۰۷ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۲/۱۱۴) ابن ماجہ (۵۰۴) ابن ابی شیبہ (۱/۹۰) احمد (۱/۸۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۲۱) ابو یعلی (۴/۳۱۴، ۳۵۷) اور خطیب نے "الموضح" (۲/۱۷۰-۱۷۱) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جب کہ مولانا مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کی وجہ سے ان کی تصحیح کو رد کیا ہے۔

مگر اس حدیث کا پہلا ٹکڑا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ دوسری صحیح اور حسن سندوں سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث (۶۳)

اسی طرح اس کا آخری ٹکڑا بھی دوسرے دلائل کی بناء پر صحیح ہے۔

نیند سے وضوء

۱۰۸ ـ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت علیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ کہ دونوں آنکھیں سرین کی سربند ہیں، پھر جو شخص سوگیا اسے چاہیئے کہ (از سرِ نو) وضوء کرے" (ابوداؤد)

وضاحت

مطلب یہ ہے۔ کہ جب آدمی جاگتا رہتا ہے، تو مقعد سے خروج ہوا پر کنٹرول رہتا ہے۔ گویا مقعد پر بند بندھا ہے۔ لیکن جب سوگیا۔ تو اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔ اور بند کھل گیا۔ پس وضوء ٹوٹ گیا۔ یا شرعاً ٹوٹنے کے حکم میں ہوگیا۔ اس لیے جاگنے پر وضوء لازم آیا۔ اور نیند ناقض وضوء ہوئی۔

---

۱۰۸ ـ حسن درجہ کی حدیث ہے۔

اس کو احمد (۱/۱۱۱) ابوداؤد (۲۰۳) ابن ماجہ (۴۷۷) ابویعلی نے "معجم الشیوخ" (۲۶۰) میں ابن المنذر نے "اوسط" (۱/۱۴۴) میں طحاوی نے "مشکل الآثار" (۴/۲۵۴) میں عقیلی نے "ضعفاء" (۴/۲۲۹) میں ابن عدی (۷/۲۵۵۱) دارقطنی (۱/۱۶۱) حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" (۱۳۳) میں اور بیہقی نے "سنن" (۱/۱۱۸) میں روایت کیا ہے۔

اس کو ابن الصلاح منذری، نووی اور البانی نے حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "مجموع نووی" (۲/۱۳) "تلخیص الجبیر" (۱/۱۱۸) اور "ارواء الغلیل" (۱/۱۴۸/۱۱۳) ۔

اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہیں مگر "مسند احمد" اور "اوسط ابن المنذر" میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے اس کو علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے عبدالرحمٰن بن عائذ ہیں۔ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ ان کی علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت مرسل ہے۔

مگر حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ بات محل نظر ہے۔

دیکھیں "علل ابن ابی حاتم" (۱/۴۷) اور "تلخیص الجبیر" (۱/۱۱۸)۔

اس حدیث پر حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شاہد بھی ہے۔

جس کو احمد (۴/۹۷) دارمی (۱/۱۸۴) ابویعلی (۷۳۷۲) طحاوی نے "مشکل الآثار" (۴/۲۵۵) میں طبرانی (۱۹/۲۷۳) ابن عدی (۲/۷۴) دارقطنی (۱/۱۶۰) ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۵/۱۵۴، ۹/۳۰۵) میں بیہقی (۱/۱۱۸ - ۱۱۹) اور ←

گوز سے وضوء

۱۰۹۔ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ

۔۔۔ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۹۲/۷) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ "آنکھ سرین کی سربند ہے۔ جب آنکھ سو جاتی ہے تو سربندھ ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔

طبرانی اور ابُو نعیم کی ایک روایت میں " فَمَنْ نَامَ فلیتوضأ " کا بھی اضافہ ہے۔ یعنی جو سو جائے وہ وضو کرے۔

اس حدیث کی سند ابُو بکر بن عبداللہ بن ابی مریم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ترکمانی نے " الجوہر النقی" میں اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" میں کہا ہے کہ اس کی سند میں بقیہ بھی ہے۔

مگر اس کی علت یہ نہیں کیونکہ "مسند احمد" اور "تاریخ بغداد" میں بحر بن یزید نے بقیہ کی متابعت کی ہے۔ بحر کو علی بن مدینی نے صدوق کہا ہے اور ابن حبان نے "ثقات" میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ نے "تعجیل المنفعۃ" (۵۵-۵۶) میں کہا ہے۔

اسی طرح طبرانی وغیرہ میں ولید بن مُسلم نے بھی بقیہ کی متابعت کی ہے۔ مگر یہ بھی بقیہ کی طرح مدلس ہیں۔

اس کی ایک دوسری علت ہے وہ یہ کہ مروان بن جناح نے ابو بکر کی مخالفت کی ہے اور اس نے اس کو مرفوع کی بجائے موقوف روایت کیا ہے۔ ولید بن مُسلم کہتے ہیں کہ یہ ابو بکر بن ابی مریم سے زیادہ ثابت ہے۔

البانی نے "تحقیق المشکاۃ" (۱۰۳/۱) میں حدیث علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے اس کی اسناد اور طرق پر میں نے "صحیح ابوداؤد" میں کلام کیا ہے۔

تنبیہ: "معجم شیوخ ابی یعلی" اور "ضعفاء عقیلی" میں اس حدیث کے آخر میں "فمن نام فلیتوضأ" کی بجائے فَإِذَا نَامَتِ العَیْنُ اسْتَطْلَقَ الوِكَاءُ" (جب آنکھ سو جاتی ہے تو سربند ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ کے الفاظ ہیں۔

امام حاکم اس حدیث کو ابراہیم بن مُوسٰی کی سند سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں " فمن نام فلیتوضأ " کے الفاظ صرف ابراہیم بن مُوسٰی رازی ہی نے ذکر کیے ہیں۔ اور یہ ثقہ مامُون ہیں "معرفۃ علوم الحدیث" (۱۴۳)۔

قلت: یہ الفاظ صرف رازی کے نہیں بلکہ علی بن بحر، حیوہ بن شریح، محمد بن مصفی، اسحاق، یزید بن عبد ربہ اور سلیمان بن خالد اقطع کے بھی یہی الفاظ ہیں۔

۱۰۹۔ اس کو ترمذی (۱۱۶۴، ۱۱۶۶) "الرضاع" باب "ما جاء فی کراهیة إتیان النساء فی إدبارهن" ابوداؤد (۲۰۵) عبدالرزاق (۱۳۹/۱) ابن حبان نے "صحیح" (۲۰۳-۲۰۴۔ موارد) اور "ثقات" (۲۶۲/۳، ۲۶۳) میں اور دارقطنی ۔۔۔

فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

" علی بن طلق روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس وقت حدث کرے۔ (یعنی ہوا مارے) کوئی تم میں سے۔ تو اسے چاہیئے۔ کہ وضو کرے۔ کیونکہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے)۔"

قے، نکسیر وغیرہ سے وضو

۱۱۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَصَابَهٗ قَيْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلَسٌ اَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ۔ (بلوغ المرام)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی سے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو قے آتے یا نکسیر پھُوٹے یا کچھ کھانا پیٹ سے مُنہ میں آئے۔ یا مذی نکلے۔ تو وہ شخص پھر جائے۔ (وضو کرنے کے لیے)"۔

← (۱/۱۵۳) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی نے حسن اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ جب کہ ابن القطان نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسلم بن سلام (علی بن طلق سے اس حدیث کا راوی ہے) مجہول ہے۔ دیکھیں "تلخیص الحبیر" (۱/۲۷۴)۔

جہاں تک اس حدیث میں مذکورہ مسئلہ کا ذکر ہے تو وہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ یعنی ہوا کے خارج ہو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۱۱۰۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۲۲۱) ابن عدی (۱/ ۲۹۲-۲۹۳) دارقطنی (۱/ ۱۵۳-۱۵۵) بیہقی (۱/ ۱۴۲-۱۴۳) اور ابن الجوزی نے "علل" (۱/ ۳۶۷) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث موصولاً اور مرسلاً دونوں طرح مروی ہے مگر یہ موصولاً ضعیف ہے اور مرسلاً صحیح ہے کیونکہ ثقہ راویوں نے اس کو مُرسل ہی روایت کیا ہے۔ اسی لیے امام شافعی، احمد بن حنبل، محمد بن یحییٰ الذہلی، ابوحاتم، ابُو زرعہ، ابن عدی، دارقطنی اور بیہقی نے مُرسل ہی کو صحیح کہا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "کامل" (۱/ ۲۸)، ۵/ ۱۹۲۷-۱۹۲۸) "علل ابن ابی حاتم" (۱/۱۷۹) دارقطنی، بیہقی، "مجموع نووی (۲/ ۵۵) اور "تلخیص الحبیر" (۱/ ۲۷۵)۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو "بلوغ المرام" کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ جب کہ حافظ صاحب نے اس میں یہ صراحت کی ہے۔ کہ احمد وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے دیکھیں "بلوغ المرام" (۱/ ۱۰۶- سبل)۔

جب یہ معلوم ہُوا کہ یہ حدیث مُرسل ہے تو اس سے حجت نہیں لی جا سکتی۔ کیونکہ مرسل روایت محدثین کے ←

—— نزدیک ضعیف ہے۔

چنانچہ امام مسلم "مقدمہ صحیح مسلم" (۱/۱۳۲) میں فرماتے ہیں۔

" والمُرسل من الروایات فی قولنا وقول أھل العلم بالأخبار لیس بحجة "

" مُرسل روایات ہمارے اور محدثین کے قول کے مطابق حجت نہیں ہیں۔

خون وغیرہ سے وضوء ٹوٹ جانے کے بارے میں ابن عباس، سلمان اور ابوہریرہ وغیرہ سے بھی روایت مروی ہیں مگر یہ تمام کی تمام سخت ضعیف ہیں۔ ان میں سے اکثر کے راوی متروک، بعض کے مجہول اور بعض کے کذاب یا سخت ضعیف ہیں۔

تفصیل "دارقطنی" (۱/۱۵۱-۱۵۲، ۱۵۵-۱۵۷) "نصب الرایہ" (۱/۳۷-۴۲) اور "تلخیص الحبیر" (۱/۱۱۳، ۱۱۷، ۲۷۵) میں دیکھیں۔

دارقطنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت بھی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ خون جس قدر بھی بہنے لگے۔ وضوء نہیں ٹوٹتا۔ مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

حاصل کلام خون وغیرہ سے وضوء کے فاسد ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ لہذا برارت اصلیہ پر عمل کرتے ہوئے خون سے وضوء فاسد نہ ہوگا۔

اس کی تائید صحابہ رضی اللہ عنہم کے درج ذیل واقعات سے بھی ہوتی ہے۔

پہلا واقعہ: غزوۂ ذاتِ رقاع کا واقعہ ہے۔ کہ ایک انصاری صحابی رات کو نماز پڑھ رہے تھے۔ کسی دشمن نے ان پر یکے بعد دیگرے تین تیر چلائے جن کی وجہ سے وہ سخت زخمی ہوگئے اور ان کے جسم مبارک سے خون بہنے لگا۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنی نماز میں مشغول رہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم نہ ہوا ہو۔ یا آپ نے انہیں نماز لوٹانے یا خون سے وضوء ٹوٹ جانے کا بتایا ہو۔ مگر ہم تک یہ خبر نہ پہنچی ہو۔ " فمن ادعی ذٰلك فلا اجھل منه "

یہ واقعہ بخاری (۱/۲۸۰) لبشرح الفتح باب " من لم یر الوضوء الا من المخرجین " میں مختصراً تعلیقاً ابوداؤد (۱۹۸) صحیح ابن خزیمہ (۳۶) صحیح ابن حبان (۲۵۰ موارد) دارقطنی (۸۲۳) مستدرک (۱/۱۵۶) اور بیہقی (۱/۱۴۰) میں موصولاً اور مفصل موجود ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اور نووی نے "مجموع" (۲/۵۵) میں اس کو حسن کہا ہے۔ علامہ شمس الحق نے "عون المعبود" (۱/۷۰) میں اس کو قابل حجت قرار دیا ہے۔

دوسرا واقعہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اونٹ ذبح کیا۔ جس کی وجہ سے وہ خون اور گوبر سے لت پت ہوگئے اس کے بعد جماعت کھڑی ہوگئی تو انھوں نے وضوء کیے بغیر ہی نماز ——

→ ادا کی۔

اس کو عبدالرزاق (۱/۱۲۵) اور ان سے طبرانی (۹/۳۸۴) نے روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے "تمام المنۃ" (۵۲) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

تیسرا واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب زخمی کیے گئے تو آپ اسی حالت میں نماز میں مشغول رہے اور آپ کے جسم سے خون جاری تھا۔

اس کو مالک (۱/۳۹)، عبدالرزاق (۱/۱۵۰-۱۵۱) دارقطنی (۱/۲۰۶) اور بیہقی (۱/۳۵) نے روایت کیا ہے اور یہ اثر بھی صحیح ثابت ہے۔

اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ خون ناقض وضو نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ناقض ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ قطعاً اس حالت میں نماز میں مشغول نہ رہتے اور یہ بعید ہے کہ وضوء جیسی عبادت جس سے ہر نمازی کو رات اور دن میں پانچ دفعہ واسطہ پڑتا ہے کے مسائل کا حضرت عمرؓ اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو علم نہ ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"وہ احکام جن کی معرفت کی اُمت کو حاجت ہے۔ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بیان عام فرمائیں اور اُمت ان کو آگے نقل بھی کرے۔"

آگے چل کر رقمطراز ہیں۔

اس طریقے سے معلوم ہوا کہ آپ نے عورتوں کو چھونے سے اور نہ ہی قبل و دبر کے علاوہ نکلنے والی نجاستوں سے وضو فاجب کیا ہے۔ کیونکہ آپ سے کسی صحیح سند سے منقول نہیں کہ آپ نے یہ حکم دیا ہو۔ جب کہ یہ معلوم بھی تھا کہ لوگ پچھنے لگواتے ہیں، قے کرتے ہیں۔ جہاد میں زخمی بھی ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

آپ نے ایک مرتبہ ایک صحابی کی خون نکالنے کی غرض سے رگ کاٹی جس کو فصاد کہتے ہیں مگر کسی مسلمان نے یہ نقل نہیں کیا کہ آپ نے صحابہ کو اس سے وضوء کرنے کا حکم دیا ہو۔ (حقیقۃ الصیام (۴۱، ۴۴))۔

بخاری (۱/۲۸۰۔ فتح) میں تعلیقاً مگر مجزوماً حسن بصری کا قول ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نمازیں ادا کرتے رہے ہیں۔

خون کو ناقضِ وضوء قرار دینے والوں نے نمبر ۶ میں مذکور استحاضہ والی حدیث پر قیاس بھی کیا ہے، مگر حافظ ابن عبدالبر نے "تمہید" (۱/۱۹۰) میں اس قیاس کو ضعیف کہا ہے اور علامہ ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ قیاس باطل ہے۔ اس لیے کہ جب دم استحاضہ کو دم حیض پر قیاس کرنا درست نہیں۔ حالانکہ دونوں ہی خون ہیں۔ دونوں کا مخرج بھی ایک ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان دونوں خونوں کا حکم جدا جدا رکھا ہے تو غیر فرج سے نکلنے والے خون کو فرج (شرم گاہ) سے نکلنے والے خون ←

سکر وجنابت اور بول و براز سے وضوء

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۔

(النساء آیت: ۴۳)

اس آیت میں خدا تعالٰے نے وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ سے بے ہوشی کی حالت کو مانع نماز فرمایا ہے معلوم ہوا کہ مستی اور بے ہوشی ناقض وضوء[۱] ہے۔ خواہ کسی منشّی چیز سے ہو۔ نیند سے ہو۔ یا مرض سے ہو۔ بے ہوش ہونے پر وضوء ٹوٹ جائے گا۔ ہوش آنے پر وضوء کرکے نماز پڑھنی ہوگی۔

← پر قیاس کرنا باطل ہوگا۔ محلی (۱/ ۲۵۹) ۔

اسی طرح قے سے بھی وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ مذکورہ بالا حدیث ضعیف ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی احناف کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ ان کے خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں یہ صراحت کہاں ہے۔ کہ جب قے تھوڑی ہو تو عدم ناقض اور منہ بھر کر آنے کی صورت میں ناقض وضو ہوگی۔

ترمذی (۱/ ۸۹) بشرح التحفہ میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قاء فتوضأ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قے کی اور وضوء کیا۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مذکور ہے۔ جو وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ سے محفوظ ہے " قاء فافطر " قے کی اور روزہ افطار کر دیا۔ ان الفاظ سے یہ روایت دارقطنی (۱/ ۱۵۸/ ۳۶) وغیرہ میں ہے۔ تفصیل کے لیے تحفۃ الاحوذی اور تحقیق الترمذی شیخ احمد شاکر (۱/ ۱۴۳ - ۱۴۶) دیکھیے۔

فائدہ : قے قصداً کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اگر بغیر ارادہ وقصد کے آئے تو ایسی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ حدیث ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " من ذرعه القئ فلیس علیه قضاء ومن استقاء فلیقض " (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والحاکم وغیرہم وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی وابن تیمیۃ فی "حقیقۃ الصیام" (۱۴) ۔
"جس پر قے غالب آجائے (خود بخود آجائے) اس پر قضاء نہیں اور جو شخص جان بوجھ کر قے کرے وہ قضا دے "۔

۱۔ مؤلف علیہ الرحمہ کا یہ اپنا اجتہاد ہے۔ یہ اشیاء ناقض وضوء ضرور ہیں۔ اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہے جیسا کہ ←

وَلَا جُنُبًا۔ سے حالتِ جنابت مانع نماز ہوئی۔ تو جنبی ہونا ناقض وضوء ہُوا۔ جُنبی نماز پڑھنا چاہے تو نہ صرف وضو ہی کرے گا، بلکہ اس پر غسل بھی واجب ہوگا۔

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَائِطِ۔ میں ”جائے ضرور“ (بول وبراز) سے آنا مانع نماز ہو کر ناقض وضوء ہُوا۔ اس لیے پاخانہ اور پیشاب سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔ میں مجامعت بھی ناقض وضوء ہے۔ اس سے نہ صرف وضوء ہی کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ غسل کرنا بھی واجب ہے۔

استحاضہ[1] سے وضوء

۱۱۱ــــ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ کہ ایک مستحاضہ عورت فاطمہ بنت ابی حبیش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”تَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ“ ہر نماز کے لیے وضوء کر۔ (اس لیے کہ تجھے خونِ استحاضہ آتا ہے) معلوم ہُوا کہ استحاضہ ناقض وضوء ہے۔

بیٹھے ہُوئے سونا، ناقض وضوء نہیں ہے

۱۱۲ــــ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی عَھْدِہٖ

---

[1] ماہواری معتاد ایام کے بعد خون جاری رہے۔ اس کو استحاضہ کہتے ہیں۔ (محمد صادق)

ــــ نووی نے شرح مسلم (۴/۴۱)، میں ذکر کیا ہے۔ مگر کسی نے بھی (کما اعلم) ان اشیاء کو ناقض وضوء قرار دیتے ہُوئے اس آیت سے دلیل نہیں لی اور نہ ہی اس آیت سے دلیل لی جا سکتی ہے۔ علامہ صنعانی نے ذکر کیا ہے کہ ان اشیاء کو نیند کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے اس کے بعد "بلوغ المرام" کے اصل شارح کا یہ کلام کہ ان چیزوں کے نواقض ہونے پر اتفاق ہے۔ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر یہ اتفاق صحیح ہے تو (ان اشیاء کے نواقض ہونے کی) دلیل اجماع ہوگا۔ سبل السلام (۱/ ۹۷) ۔

علامہ شوکانی نے بھی ان اشیاء کو نیند پر ہی قیاس کیا ہے۔ السیل الجرار (۱/ ۹۶) ۔

۱۱۱ــــ یہ وہی حدیث ہے جو نمبر ۶۸ میں مذکور ہے۔

۱۱۲ــــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۲۰۰) اور بیہقی (۱/ ۱۱۹- ۱۲۰) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو احمد (۳/ ۲۷۷) مسلم (۴/ ۷۲) ــــ

يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَآءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُءُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّئُوْنَ۔

(بلوغ المرام)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کے زمانہ میں انتظار کرتے تھے نمازِ عشاء کا۔ یہاں تک کہ ان کے سر جھک جاتے تھے، (یعنی بیٹھے بیٹھے سو جاتے اور اونگھتے تھے) پھر نماز پڑھتے تھے اور وضوء نہ کرتے تھے"

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بغیر تکیہ لگائے بیٹھے بیٹھے سو جانے یا اُنگھنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا، اور اگر متوضی دیوار وغیرہ سے تکیہ لگا کر یا کروٹ وغیرہ پر سو گیا۔ تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔

← اور ترمذی (۷۸) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں "علی عہدہ" کے الفاظ نہیں۔

عبدالرزاق (۱/۱۳۰) دارقطنی (۱/۱۳۱) اور بیہقی کی ایک روایت میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں بعض کے خراٹے بھی سُنتا۔

حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۱۱۹) میں اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر یہ ترمذی میں نہیں۔

اس حدیث کی ایک روایت کے الفاظ یوں بھی ہیں۔

" كان أصحاب النبي عليه السلام يضعون جنوبهم فينامون فمنهم من يتوضأ ومنهم من لا يتوضأ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب لیٹ کر سو جاتے۔ ان میں سے بعض وضوء کرتے اور بعض نہ کرتے"

اس کو ابوداؤد نے "مسائل احمد" (۳۱۸) میں، بزار (۲۸۲) ابویعلی (۳۱۹۹) ابن المنذر نے "اوسط" (۱/۱۴۴) میں اور ابن حزم (۱/۲۲۴) نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت بھی صحیح ہے اسے حافظ ابنِ حجر نے بھی "فتح الباری" (۱/۲۱۵) میں صحیح کہا ہے۔

مسئلہ: نیند سے وضوء فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں آٹھ اقوال ہیں ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ نیند سے مطلق طور پر وضوء فاسد ہو جاتا ہے۔ یعنی نیند بیٹھ کر ہو یا لیٹ کر۔ زیادہ ہو یا کم ہر صورت میں ناقضِ وضوء ہے۔

اس کے قائل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس، انس، ابورافع، حسن بصری، مزنی، ابوعبید قاسم بن سلام، اسحاق بن راہویہ، ابن المنذر اور ابن حزم وغیرہ ہیں ملاحظہ ہو "محلی" (۱/۲۲۳) اور "شرح مسلم" (۴/۷۳)۔

نمبر ۱۰۸ میں گزرنے والی حدیث علی اور حدیثِ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اور نمبر ۱۱۴ میں آنے والی حدیث صفوان رضی اللہ عنہ سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ کیوں کہ ان احادیث میں مطلق طور پر نیند کو ناقضِ وضوء کہا گیا ہے ان میں قلیل ←

کثیر، بیٹھ یا لیٹ کر کی قید نہیں لگائی گئی ہے۔

جب کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

علامہ صنعانی نے اس حدیث کی نہایت عمدہ توجیہ کی ہے۔ وہ اس کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ان کی (صحابہ رضی اللہ عنہم کی) قدر و منزلت بہت بلند ہے۔ جن اشیاء سے وضوء فاسد ہو جاتا ہے۔ وہ ان سے ناواقف نہ تھے۔

یہ بات انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے تمام صحابہ کے بارے میں نقل کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان میں دین کے مسائل کا علم رکھنے والے علماء بھی تھے۔ خاص کر نماز جو کہ اسلام کا رکن عظیم ہے۔

آپ کے ساتھ نماز کا انتظار کرنے والے کبار صحابہ تھے۔ جب ان کی حالت یہ تھی تو حدیث صفوان کے عموم کو ایسی گہری نیند پر محمول کیا جائے گا جس میں ذرا بھی ادراک باقی نہ رہے اور انس (رضی اللہ عنہ) نے جو خراٹے، لیٹ کر سونے اور اٹھائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ تو اسے خفیف نیند پر محمول کیا جائے گا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ آدمی نیند میں مستغرق ہونے سے اس کے اوائل ہی میں خراٹے مارنے شروع کر دیتا ہے۔

لیٹ کر سونے سے استغراق لازم نہیں آتا۔ لیٹنے سے نیند کا عدم لزوم معلوم ہی ہے۔ اور جگایا کبھی ایسے شخص کو بھی جاتا ہے جو ابھی نیند کی ابتداء ہی میں ہوتا کہ گہری نیند نہ سو جائے۔ "سبل السلام" (۱/ ۹۷)۔

اس مسئلے کے بقیہ اقوال اور تفصیل کے لیے درج ذیل کتب دیکھی جائیں۔

"اوسط ابن المنذر" (۱/ ۱۴۲ - ۱۵۵) "محلی ابن حزم" (۱/ ۲۲۲ - ۲۳۱) "مجموع نووی" (۲/ ۱۳ - ۲۱) "شرح مسلم" (۴/ ۷۳ - ۷۴) "سبل السلام" (۱/ ۹۵ - ۹۷) اور "نیل الاوطار" (۱/ ۱۹۰ - ۱۹۴)۔

واضح رہے کہ مذکورہ حکم نیند کا ہے اونگھ کا یہ حکم نہیں یعنی اس سے وضوء فاسد نہیں ہوتا۔

نیند اور اونگھ میں جو فرق ہے۔ وہ یہ ہے۔ جیسا کہ علامہ خطابی نے "غریب الحدیث" میں ذکر کیا ہے۔

"نیند کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بھاری قسم کی غشی جو دل پر اس قدر اثر انداز ہوتی ہے کہ اسے ظاہری امور کی حقیقت سے منقطع کر دیتی ہے۔ اور اونگھ وہ ہے جو باطنی امور کے احوال سے غافل بنا دے"

منقول از "تمام المنۃ" (۱۰۱)۔

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

۱۱۳ ۔ عَنْ شُرَيْحِ ابْنِ هَانِي قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ ۔ (رواہ مسلم)

"شریح بن ہانی روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے علیؓ ابن ابی طالب سے موزوں پر مسح کرنے (کی مدت) سے متعلق پوچھا۔ تو حضرت علیؓ نے کہا۔ کہ رسول اللہؐ نے (مسح کی مدت) مسافر کے لیے تین دن اور تین رات، اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی۔"

مسح کا طریق

پانچوں انگلیاں دائیں اور بائیں ہاتھ کی تر کر کے دونوں پاؤں کے پنجوں سے شروع کر کے ٹخنوں کے اوپر تک کھینچ لے جائیں (۱)

مقیم آدمی کے لیے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات تک ہے، یعنی ایک دن اور ایک رات وضوء میں بغیر پاؤں دھوتے مسح سے ہی نمازیں پڑھ سکتا ہے اور مسافر تین دن اور تین راتوں تک اپنی نمازوں کے وضوء میں پاؤں دھونے کی بجائے مسح کر سکتا ہے۔ مدت مسح کی ابتداء اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب وضوء ٹوٹے۔ مثلاً ایک شخص نے ظہر کے وقت وضوء کیا ہے، اور وضوء میں پاؤں دھو کر موزے یا جرابیں پہن لی ہیں اور اس کا وضوء شام کو ٹوٹ گیا۔

---

۱۱۳ ۔ اس کو مسلم (۲/۱۶۵) اسی طرح نسائی (۱/۸۴) ابن ماجہ (۵۵۲) دارمی (۱/۱۸۱) ابن خزیمہ (۱۹۴-۱۹۵) ابو عوانہ (۱/۲۶۱-۲۶۲) ابن حبان (۴/۱۵۱، ۱۵۷، ۱۶۰) بیہقی (۱/۲۷۲، ۲۷۵) احمد (۱/۹۶، ۱۰۰، ۱۱۳، ۱۲۰، ۱۳۴) طیالسی (۱/۵۵) ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۷)۔

اور ابو یعلی (۲۶۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۱)۔ مسح کی کیفیت کے بارے میں بعض روایات وارد ہیں۔ مگر سخت ضعیف ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ نصب الرایۃ (۱/۱۸۰-۱۸۱) و تلخیص الحبیر" (۱/۱۶۰-۱۶۱)۔

لہٰذا مسح کرتے وقت جس طرح بھی ہاتھ پھیر لیا جاتے اور اسے لغت میں مسح کہا جائے تو مسح درست ہوگا۔ دیکھیں ←

تواب شام سے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات شمار کی جائے گی۔(۲)

نقضِ مسح

جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ نواقض وضوء میں بیان ہو چکی ہیں۔ مسح بھی ان سے ٹوٹ جاتا ہے یعنی وضوء کے نواقض ہی مسح کے نواقض ہیں۔

مدتِ مسح کا خاتمہ

۱۱۴ــــ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا

ــــ سبل السلام (۱/۸۹)۔

(۲) ظاہر حدیث کے مطابق مدت مسح، مسح کے کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ وضوء کے ٹوٹ جانے سے نہیں۔ علی سبیل المثال ایک مقیم شخص نماز فجر کے لیے وضوء کرتا ہے اور موزے یا جرابیں پہن لیتا ہے۔ اسی وضوء کے ساتھ وہ عشاء کی نماز ادا کرتا ہے اس کے بعد اس کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ رات گزرنے کے بعد دوسرے دن کی فجر کے لیے وہ وضوء کرتا ہے۔ اور مسح بھی کر لیتا ہے۔ اگر مسح کی مدت وضوء کے ٹوٹ جانے سے شمار کی جائے تو اس صورت میں اسے باقی صرف ایک دن مسح کرنے کا اختیار رہ جاتا ہے۔ جب کہ حدیث کہہ رہی ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات مسح کر سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں اس کے لیے صرف ایک دن کی مدت باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن اگر مسح کی مدت کی ابتداء وضوء کے ٹوٹ جانے سے نہیں بلکہ مسح کے کرنے سے شمار کی جائے۔ تو اس صورت میں اسے ایک دن اور ایک رات مسح کرنے کا اختیار رہے اور حدیث بھی یہی کہہ رہی ہے۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ یہ مدت مسح کے کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ وضوء کے ٹوٹ جانے سے نہیں۔

ابو ثور، اوزاعی، ابن المنذر، ایک روایت کے مطابق احمد اور داؤد کا بھی یہی قول ہے۔

نووی نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ حدیث کے ظاہر اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

امیر المومنین کے قول کو عبد الرزاق (۱/۲۰۹) ابن المنذر (۱/۴۴۳) اور بیہقی (۱/۲۷۶) نے روایت کیا ہے اس کی سند صحیح ہے۔

تفصیل مسئلہ کے لیے ملاحظہ کریں "اوسط ابن المنذر" (۱/۴۴۲۔۴۴۵) اور "مجموع نووی" (۱/۴۸۶۔۴۸۷)۔

۱۱۴ ــــ حسن درجہ کی حدیث ہے۔ ←

اِذَا کُنَّا سَفَرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَّلَیَالِیْھُنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَّلٰکِنْ مِنْ غَائِطٍ وَّبَوْلٍ وَّنَوْمٍ۔ (رواہ الترمذی والنسائی۔

"صفوان بن عسال روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ جب ہم سفر میں ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے کہ ہم اپنے موزے تین دن اور تین رات تک (پاؤں سے) نہ نکالیں۔ سوائے جنابت کے ولیکن (حکم نہ دیتے نکالنے) پاخانہ سے، یا پیشاب سے، یا سونے سے۔ (ترمذی، نسائی)

اس حدیث شریف سے معلوم ہُوا۔ کہ جنبی ہونا مسح کی مدت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے غسل جنابت کے لیے موزے اتارنے چاہئیں۔ اور جنابت کے برعکس بول وبراز اور نیند کے بعد موزے نہیں اتارنے چاہئیں۔ اور مدت معین تک مسح کر سکتے ہیں۔

جرابوں پر مسح کرنے کا بیان

۱۱۵ — حضرت بلال رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ وَالْجُوْرَبَیْنِ۔ (معجم طبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے موزوں اور جرابوں پر مسح کیا کرتے۔

اس حدیث کی صحت کے متعلق درایہ میں ہے اخرجه الطبرانی باسنادین رجال احد ھما ثقات .... یعنی اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے دو سندوں سے وارد کیا ہے۔ جن میں سے ایک کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

— اس حدیث کو ترمذی (۹۶، ۳۵۲۵) "الطھارۃ والدعوات" نسائی (۱/۸۳-۸۴، ۹۸) ابن ماجہ (۴۷۸) ابن خزیمہ (۱۷، ۱۹۳، ۱۹۶) ابن حبان (۱۷۹-۱۸۰) بیہقی (۱/۱۱۴-۱۱۵، ۱۱۸، ۲۷۶، ۲۸۲، ۲۸۹) طیالسی (۱/۵۵-۵۶) احمد (۴/۲۳۹، ۲۴۰) عبدالرزاق (۱/۲۰۴، ۲۰۵-۲۰۶) اور ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۷-۱۷۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور نووی نے بھی "مجموع" (۱/۴۷۹) میں صحیح کہا ہے اور بخاری نے اس کو حسن کہا ہے۔ جیسا کہ "تلخیص" (۱/۱۵۷) میں ہے۔

۱۱۵ — اس کو طبرانی نے "معجم کبیر" (۱/۳۵۰-۳۵۱) میں روایت کیا ہے

اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کا متن شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ یہ شواہد (۱۱۶-۱۱۷) میں آ رہے ہیں۔

اس کی سند کے بارے میں تفصیل "نصب الرایہ" (۱/۱۸۵) اور "تحفۃ الاحوذی" (۱/۱۰۱) میں دیکھیں۔

۱۱۶- وَعَنْ مُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجُوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الطہارت)

"مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت اپنی جرابوں پر مسح کیا اور جوتیوں پر (بھی)۔"

حضرت ابی موسیٰ اشعری روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

---

۱۱۶ صحیح حدیث ہے۔

اسں کو احمد (۴/ ۲۵۲) ترمذی (۹۹) ابوداؤد (۱۵۹) ابن ماجہ (۵۵۹) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۸۸) عبد بن حمید (۳۹۸- المنتخب من المسند) ابن خزیمہ (۱۹۸) ابن المنذر (۱/ ۴۶۵- اوسط) طحاوی (۱/ ۹۷) عقیلی (۲/ ۲۲۷) ابن حبان (۱۷۶) طبرانی (۲۰/ ۴۱۵) ابن حزم (۲/ ۸۲) اور بیہقی (۱/ ۲۸۳-۲۸۴) نے روایت کیا ہے۔

سند: ابوقیس الاودی عن ھزیل بن شرحبیل عن المُغِیْرَۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ"

یہ سند جید ہے۔ اسں کو ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ جب کہ عبدالرحمٰن بن مہدی اور مسلم وغیرہ نے اسں حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسں لیے کہ مغیرہ بن شعبہ سے جو چیز معروف ہے۔ وہ موزوں پر مسح ہے۔ جرابوں پر نہیں۔ مگر یہ بات ایک ثقہ راوی کی روایت کو رد کرنے کے لیے کافی نہیں۔

ابن الترکمانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اسں پر سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ ابوقیس کو ابن معین نے ثقہ اور عجلی نے ثقہ ثبت کہا ہے۔ ہزیل کو بھی عجلی نے ثقہ کہا ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں دونوں سے روایت لی ہے۔

دوسری بات ان دونوں نے کوئی ایسی چیز بھی بیان نہیں کی جس میں دوسرے (رواۃ) کی مخالفت ہو۔ بلکہ دونوں نے ایک مستقل طریق سے دوسروں سے ایک زائد چیز بیان کی ہے۔ جو کسی دوسری چیز کے معارض، و مخالف نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دونوں حدیثیں (موزوں پر مسح والی اور جرابوں پر مسح والی حدیثیں) الگ الگ حدیثیں ہیں۔ "الجواہر النقی" (۱/ ۲۸۴)۔

قلت: ابوقیس (ان کا نام عبدالرحمٰن بن ثروان ہے) کی ابن حبان، ابن نمیر اور دارقطنی وغیرہ نے بھی توثیق کی ہے۔ دیکھیں "تہذیب التہذیب" (۶/ ۱۳۸)۔

اسی طرح ہزیل بن شرحبیل کو ابن سعد، ابن حبان، دارقطنی، ذہبی اور ابن حجر نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "طبقات ابن سعد" (۶/ ۱۷۷) ثقات ابن حبان (۵/ ۵۱۴) سؤالات الحاکم للدارقطنی (۵۰۸) کاشف ذہبی (۳/ ۱۹۴) اور تقریب حافظ (۲/ ۳۱۷)۔

قلت: ایک راوی نے اس حدیث کو مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے تینوں چیزوں (موزے، ←

۱۱۷ــــ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَی الْجَوْرَبَیْنِ وَالنَّعْلَیْنِ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کرتے ہوئے جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

۱۱۸ــــ حضرت ابوموسیٰ اشعری ایک اور روایت میں کہتے ہیں۔

"اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ عَلَی الْجَوْرَبَیْنِ وَالنَّعْلَیْنِ وَالْعِمَامَۃِ"

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اپنی دونوں جرابوں پر مع جوتیوں کے مسح کیا۔ اور عمامے پر (بھی)" (معجم طبرانی)۔

مسح نعلین کی تفہیم

جوتیوں پر مسح کا جو ذکر ان حدیثوں میں آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کی جوتی میں صرف تسمہ ہی لگا

ــــ پگڑی اور جرابوں پر مسح کرنے کا ذکر کیا ہے۔

یہ راوی عمر بن وہب ہے اس کی سند سے اس حدیث کو ابوالشیخ نے "طبقات" (۴/۲۶۴) میں روایت کیا ہے۔

ابوالشیخ نے اس کو طیالسی کی سند سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث "مسند طیالسی" (۱/۵۶) میں بھی ہے۔ مگر اس میں جرابوں کا ذکر نہیں۔

ابوبکر اسماعیلی نے "معجم" (۲/۷۰۴) میں اس حدیث کو فضالہ بن عمرو زہرانی کی سند سے بھی مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس سند میں بھی جرابوں پر مسح کا ذکر ہے۔ اس میں جرابوں کے ساتھ جوتے پر مسح کا ذکر بھی ہے۔ مگر مجھے اس سند کا حال معلوم نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث مغیرہ صحیح حدیث ہے۔ اس کی تائید میں اس کے بعد آنے والی ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔

۱۱۷ــــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۵۶۰) بیہقی (۱/۲۸۵) اسی طرح طحاوی نے "شرح المعانی" (۱/۹۷) میں "عقیلی نے "ضعفاء" (۳/۲۴۳) میں اور طبرانی نے "اوسط" (۱۱۱۲) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔ مگر حدیث مغیرہ سے مل جانے سے صحیح حدیث ہے۔

ابوداؤد اور بیہقی نے اس کی سند میں انقطاع کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر ابن ترکمانی نے "الجوہر النقی" میں اس علت کو رد کیا ہے۔

۱۱۸ــــ اس حدیث کی تخریج ابھی (۱۱۷) میں گزری ہے۔

ہوا ہوتا تھا۔اور وہ جرابوں پر مسح کرنے میں مانع نہ تھا۔اور حضورؐ نے جرابوں والے پاؤں کو (چپل نما) پاپوشوں میں رکھے ہوئے ہی مسح فرما دیا تو حدیث بیان کرنے والے راویوں نے مسح میں جوتیوں کا ذکر بھی کر دیا یعنی حضورؐ جرابوں پر مسح کرتے وقت (جو اصل چیز ہے) جوتیوں کے تسموں پر بھی مسح کر دیتے تھے۔چنانچہ امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں۔[1]

"والظاهر ان النبى صلى الله عليه وسلم انما مسح على سيور النعل التى على ظاهر القدم فعلى هذا المراد مسح على سيور نعليه و ظاهر الجوربين اللذين فيهما قدماه۔

"یعنی جوتیوں پر مسح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی جوتی کے تسموں اور جرابوں پر مسح کیا"

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ عموماً وضوء گھر سے کر کے مسجد میں آیا کرتے تھے،اور گھروں میں وضوء کرتے وقت جوتیاں نہیں اتارتے تھے،اور وضوء میں جب پاؤں کی باری آتی تھی،تو اگر پاؤں ننگے ہوتے۔تو ان کو دھوتے اور اگر پاؤں میں جرابیں ہوتیں۔تو جوتی سمیت ہی ان پر مسح کر دیتے،اور ان کی جوتیوں کی بناوٹ ہی ایسی ہوتی تھی،کہ پاؤں کے اوپر کا حصّہ قریباً سارا ننگا رہتا تھا۔اس لیے وہ جوتیاں یا ان کے تسمے مسح کرنے میں رکاوٹ کا باعث نہیں ہوتے تھے۔

ہم لوگ وضوء عموماً مسجدوں میں جا کر کرتے ہیں اور مسجدوں میں خواہ مخواہ جوتیاں اتارنی پڑتی ہیں۔اس لیے ہمارے لیے جوتیوں پر مسح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اور ہم اگر گھروں میں بھی وضوء کریں۔تو پھر فل سلیپر یا بوٹ وغیرہ اتار کر ہی پاؤں پر (جرابوں کی صورت میں) مسح کرنا پڑے گا۔کیونکہ ہماری مروجہ جوتیوں میں ہمارے پاؤں ڈھکے رہتے ہیں۔اس لیے یہ جوتیاں مسح میں مانع ہوتی ہیں۔

مسح عمامہ

جوتیوں پر مسح کرنے کے ساتھ عمامے پر مسح کا ذکر بھی حدیثِ بالا میں آیا ہے۔[1] یعنی حضور اکرمؐ نے عمامے پر مسح

---

[1] ابن قدامہ کی مغنی میں عبارت یوں ہے۔

"والظاهر ان النبى صلى الله عليه وسلم انما مسح على سيور النعل التى على ظاهر القدم فاما اسفله وعقبه فلا يسن مسحه من الخف فكذلك النعل" (المغنی ۱/۲۹۶)

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتی کے تسموں پر مسح کیا۔رہا پاؤں کے نیچے اور پچھلی جانب (ایڑیوں) کا مسح تو وہ موزوں کی حالت میں بھی مسنون نہیں۔لہٰذا جوتی کا حکم بھی یہی ہوگا۔

[1] مسح عمامہ کی احادیث بخاری،مسلم اور سنن اربعہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

فرمایا۔ سُنیئے! خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں "وَاَرْجُلَكُمْ"[1] نازل فرما کر پاؤں کے دھونے کا حکم دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تشریح اپنے عمل سے یُوں فرمائی۔ کہ پاؤں ننگے ہونے کی صُورت میں آپ نے انھیں دھویا اور پاؤں کو موزوں یا جرابوں میں ملفوف ہونے کی حالت میں ان پر مسح فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ[2] کی تنزیل سے سروں کے مسح کا حکم دیا۔ اور وحی الٰہی کے شارحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کی تعمیل یُوں فرمائی۔ کہ سر ننگا ہونے کی صُورت میں اس پر مسح فرمایا۔ اور سر پر عمامہ ہونے کی حالت میں عمامے ہی پر (بذریعہ وحی خفی) مسح فرمایا۔ پس اگر ملفوف پاؤں پر حضور انور ؐ کے مسح کرنے پر تعجب نہیں ہو سکتا، تو ڈھکے ہُوئے سر پر آپ کے مسح فرمانے پر بھی حیرانی کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیئے۔ اور نہ کسی اُمتی کو آپ کے کسی فعل پر حرف گیری کا حق پہنچتا ہے۔ حضور ؐ کے فعل مسح عمامہ سے ہمارے لیے یہ آسانی ہو گئی کہ اگر وضو کرتے وقت ننگے سر ہوں، تو حسب معمول مجبس سر پر مسح کرنا چاہیئے۔ اور اگر سر پر پگڑی وغیرہ ہو۔ اور کسی وجہ سے ہم اُتارنا نہ چاہیں۔ تو معلم رفق و لیسر، اور پیغمبرِ رحمت ؐ کی سُنت کی پیروی میں اس پر مسح کر سکتے ہیں۔

مسح جوربین مکرر

جوتیوں اور عمامے پر مسح کی تشریح تو بصورت جُملہ معترضہ درمیان میں آگئی۔ اصل موضوع جرابوں پر مسح کرنے سے متعلق ہے، جس طرح صحیح احادیث میں خفین (چمڑے کے موزے) کا لفظ مسح کے لیے آیا ہے۔ اسی طرح متذکرۃ الصدر مرفوع احادیث میں جوربین (جرابیں) کا لفظ مسح کرنے کے لیے موجُود ہے، چونکہ بعض بھائی جرابوں پر مسح کرنے پر معترض ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو مزید مدلل اور مشرح طور پر تحریر کرتے ہیں۔ حضرت ثوبان ؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔

۱۱۹ — بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَاَصَابَهُمُ الْبَرْدُ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَكَوْا اِلَيْهِ مَا اَصَابَهُمْ مِنَ الْبَرْدِ فَاَمَرَهُمْ

— اور یہ احادیث عمرو بن اُمیۃ ضمری مغیرہ بن شعبۃ اور بلال رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

حدیث عمرو بن اُمیۃ بخاری، دارمی (۱/۱۰۰) ابن ماجہ (۵۶۲) اور صحیح ابنِ خزیمۃ (۱۸۱) میں ہے۔

حدیث مغیرہ مسلم (۱۶۳/۳) ابُوعوانہ (۱/۲۵۹) ابُوداؤد (۱۵۰) نسائی (۱/۷۶) اور ترمذی (۱۰۰) میں ہے۔

حدیث بلال مُسلم، ابُوعوانہ، نسائی، ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن ماجہ میں ہے۔

۱۱۹ — اس کو احمد (۵/۲۷۷) ابُوداؤد (۴۶) عبداللہ بن احمد نے "مسائل احمد" (۱۳۳) میں حاکم (۱/۱۶۹) بیہقی (۱/۶۲) اور بغوی (۲۳۳-۲۳۴) نے روایت کیا ہے۔

اَنْ یَّمْسَحُوْا عَلَی الْعَصَائِبِ وَالتَّسَاخِیْنَ۔ (رواہ احمد وابو داؤد)

"حضور انورؐ نے ایک چھوٹی سی جماعت باہر بھیجی۔ انہیں (سفر میں) سردی لگی، واپس آنے پر انہوں نے آپ کی خدمت میں (سردی) کی شکایت کی۔ تو آپؐ نے انہیں عماموں اور تساخین پر مسح کرنے کا حکم دیا۔" (رواہ احمد، ابوداؤد)

تساخین کی تشریح

تسخین ضد ہے تبرید کی، تبرید کے معنی ہیں سردی پہنچانا اور تسخین کے معنی گرمی پہنچانا۔ تو تساخین پاؤں کے ہر اس لباس کو کہتے ہیں جس سے پاؤں کو (گرم کرکے) سردی سے بچایا جائے۔ خواہ وہ لباس چمڑے کے موزے ہوں خواہ سُوتی یا اونی جرابیں ہوں۔ تساخین سے متعلق امام ابن رسلانؒ فرماتے ہیں۔ "اصل ذلك كل ما يسخن به القدم من خف وجورب ونحوهما"۔ یعنی تساخین ہر اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس سے پاؤں سردی سے بچایا جائے (خواہ وہ چمڑے کے موزے ہوں یا کپڑے وغیرہ کی جرابیں ہوں۔"

پس اس حدیثِ تساخین سے ثابت ہُوا کہ پاؤں جس چیز سے ملفوف ہوں، اسی پر مسح کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا جرابوں پر مسح کرنا

تہذیب سنن لابن القیمؒ میں روایت ہے۔

۱۲۰ — "اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَسَحَ عَلٰی سُیُوْرِ النَّعْلِ الَّتِیْ عَلٰی ظَاهِرِ الْقَدَمِ مَعَ الْجَوْرَبِ۔"

"حضرت عمرؓ نے اپنی جرابوں پر مع چپل کے اُوپر کے تسموں کے مسح کیا۔"

— حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ مگر اس کی سند منقطع ہے۔ کیونکہ ثوبان رضی اللہ عنہ سے اس کو راشد بن سعد نے روایت کیا ہے، ابو حاتم اور حربی نے کہا ہے کہ اس نے ثوبان سے نہیں سنا۔ اور امام احمد کا کہنا ہے کہ اس کا ثوبان سے سماع نہیں ہو سکتا۔ "تہذیب التہذیب" (۱۹۶/۳)

۱۲۰ — ان الفاظ سے یہ اثر ابن القیم نے "تہذیب السنن" (۱۲۳/۱) میں ذکر کیا ہے۔ مگر انہوں نے اس کو کسی کتاب کے حوالے سے ذکر نہیں کیا اور نہ ہی مجھے یہ ان الفاظ سے ملا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے جو یہ کہا ہے کہ "تہذیب سنن" لابن القیم میں روایت ہے، یہ کہنا درست نہیں کیونکہ —

حضرت علیؓ کا جرابوں پر مسح کرنا

حضرت کعب بن عبداللہ فرماتے ہیں۔

۱۲۱ — رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ بَالَ فَمَسَحَ عَلَى جَوْرَبَيْهِ وَنَعْلَيْهِ۔

حضرت علیؓ نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کرتے ہوئے آپ نے اپنی جرابوں پر جو جوتیوں میں تھیں مسح کیا۔

(محلی ابن حزمؒ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جرابوں پر مسح

۱۲۲ — "إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى جَوْرَبَيْهِ وَنَعْلَيْهِ"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا کرتے تھے۔

(محلی ابن حزم)

← کیونکہ روایت کا معنی دوسرا ہوتا ہے۔ لہذا انہیں منقول یا مذکور وغیرہ کا لفظ لانا چاہیے تھا۔

ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۱۔ دارالتاج) میں یہ اثر ہے مگر دوسرے سیاق سے اس میں ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے جمعہ کے روز وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔

مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اس اثر کے ضعیف ہونے کی طرف امام ابوداؤد نے بھی اشارہ کیا ہے دیکھیں "سنن ابی داؤد" (۱۵۹)

۱۲۱ — اس کو عبدالرزاق (۱/۱۹۹) ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۲) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۷/۲۲۴) میں اور بیہقی (۱/۲۸۵) نے روایت کیا ہے۔

یہ اثر علی رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے۔ کیونکہ اس کی ان سے دوسری دو سندیں بھی ہیں۔ جن میں سے ایک سند جید ہے ملاحظہ ہو ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۲) اور "اوسط ابن منذر" (۱/۴۶۲) -

۱۲۲ — اس اثر کو ابن حزم نے "محلی" (۲/۸۴) میں تعلیقاً اور عبدالرزاق (۱/۱۹۹) نے موصولاً روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کی اور (۱۲۰) میں مذکور اثر عمر رضی اللہ عنہ کی سند ایک ہی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند سے مروی اثر میں ہے "جرابوں پر مسح، موزوں پر مسح کی طرح ہے۔

اس کو عبدالرزاق (۱/۲۰۱) ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۳۔ دارالتاج) اور ابن المنذر (۱/۴۶۲، ۴۶۳) نے روایت کیا ہے مگر اس کی بھی سند ضعیف ہے۔

حضرت انس بن مالک کا جرابوں پر مسح

امام ابنِ حزمؒ اپنی مایۂ ناز کتاب میں روایت لائے ہیں۔ کہ حضرت انس بن مالک نے وضو کرتے ہوئے اپنی ٹوپی اور سیاہ رنگ کی جرابوں پر مسح کیا۔ اور نماز پڑھی۔ الفاظ یہ ہیں۔

۱۲۳ ـ وَمَسَحَ عَلَى الْقَلَنْسُوَةِ وَعَلَى الْجَوْرَبَيْنِ لَهُ مِنْ خَزٍّ عَرَبِيٍّ اَسْوَدَ ثُمَّ صَلّٰى ۔ (محلّٰی)

---

۱۲۳ ـ اس اثر کو ابن حزم نے "محلّٰی" (۲/۸۴ ـ ۸۵) میں تعلیقاً مگر عبدالرزاق (۱/۱۹۰) ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۲) اور بیہقی (۱/۲۸۵) نے سعید بن عبداللہ بن ضرار کی سند سے اس کو موصولاً روایت کیا ہے۔

سعید کے بارے میں ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو "الجرح والتعدیل" (۴/۳۶)۔

مگر یہ اثر صحیح ہے۔ کیونکہ انس رضی اللہ عنہ سے اس کی دیگر متعدد سندیں بھی ہیں اور ان میں سے اکثر سندیں صحیح ہیں۔

دیکھیں "مصنف عبدالرزاق" (۱/۲۰۰) "مصنف ابن ابی شیبہ" (۱/۱۷۲) "اوسط ابن المنذر" (۱/۴۶۲) "سنن بیہقی" (۱/۲۸۵) اور محلّٰی ابن حزم" (۲/۸۵)۔

انس رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو ایک ضعیف راوی نے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس مرفوع کی کچھ حیثیت نہیں۔ جیسا کہ امام بیہقیؒ نے کہا ہے۔

جرابوں پر مسح کرنا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ عقبہ بن عمرو ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ۔

ان کے اثر کو عبدالرزاق (۱/۱۹۹/۷۷۴) ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۱/۱۹۶۲) اور بیہقی (۱/۲۵۸) نے خالد بن سعد کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور یہ سند صحیح ہے۔

عبدالرزاق (۱/۲۰۰/۷۷۷) ابن المنذر نے "اوسط" (۱/۴۶۲) میں اس کو ہمام بن حارث کی سند سے اور ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۲/۱۹۸۰ - ۱۹۸۷) نے ابو وائل اور بشیر بن عقبہ کی سندوں سے بھی روایت کیا ہے اور یہ تینوں سندیں بھی صحیح ہیں۔

۲۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

ان کے اثر کو عبدالرزاق (۱/۲۰۰) ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۲) ابن المنذر (۱/۴۶۳) اور بیہقی (۱/۲۸۵) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

۳۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔

یہ اثر ابن ابی شیبہ (۱/۱۷۳) اور "اوسط ابن المنذر" میں ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ←

لغت عرب سے جورب کے معنی

لغت عرب کی معتبر کتاب قاموس میں ہے: "اَلْجَوْرَبُ لِفَافَةُ الرِّجْلِ"[1] ہر وہ چیز جو پاؤں پر پہنی جائے جورب ہے۔ تاج العروس میں ہے "اَلْجَوْرَبُ لِفَافَةُ الرِّجْلِ"[2] جو چیز لفافے کی طرح پاؤں پر پہن لیں۔ وہ جورب ہے۔ علامہ عینی جورب سے متعلق لکھتے ہیں۔ وَهُوَ يُتَّخَذُ مِنْ غَزْلِ الصُّوفِ الْمَفْتُولِ يُلْبَسُ فِي الْقَدَمِ إِلٰى مَا فَوْقَ الْكَعْبِ جورب بٹے ہوئے اون سے بنتی ہے اور پاؤں میں پہنی جاتی ہے۔ ٹخنے سے اوپر تک۔ "امام سیوطیؒ" قوۃ المغتذی میں بھی یہی تحریر فرماتے ہیں یعنی کہ عربی زبان میں جورب اسے کہتے ہیں۔ جو پاؤں کو ڈھانپنے کے لیے اون کی بنائی جاتی ہے "عارضۃ الاحوذی" میں شارح حدیث امام ابوبکرؒ تحریر فرماتے ہیں "اَلْجَوْرَبُ غِشَاءٌ لِلْقَدَمِ مِنْ صُوْفٍ"[3]۔ جورب وہ چیز ہے جو پاؤں کو ڈھانپنے کے لیے اون کی بنائی جاتی ہے۔

۴۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔

ان کے اثر کو ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے روایت کیا ہے اس کی سند بھی حسن درجہ کی ہے۔

۵۔ ۶۔ بلال اور عمار رضی اللہ عنہما۔

ان کے آثار اوسط ابن المنذر میں ہیں۔ مگر ان دونوں کی سندیں ضعیف ہیں۔

۷۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ان کا اثر "طبرانی کبیر" (۹/۲۸۸) میں ہے۔

۸۔۔۱۰۔ عمرو بن حریث، ابن عباس اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔

ان کا ذکر ابوداؤد اور ابن حزم نے کیا ہے دیکھیں "سنن ابوداؤد" حدیث (۱۵۹) اور "محلی ابن حزم" (۲/۸۶)۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ جو صحابہ موزوں پر مسح کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ان کا (جو صحابہ جرابوں پر مسح کرنے کے قائل ہیں) مخالف نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد انھوں نے تابعین میں جو جرابوں پر مسح کرنے کے قائل ہیں ان میں سعید بن المسیب، عطاء، ابراہیم نخعی، اعمش خلاس بن عمرو، سعید بن جبیر اور نافع مولیٰ ابن عمر کے نام ذکر کیے ہیں، پھر فرماتے ہیں۔

سفیان ثوری، حسن بن حی، ابو یوسف، محمد بن حسن، ابو ثور، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور داؤد بن علی وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔

۱۔ قاموس (۱/۴۶)۔

۲۔ تاج العروس (۱/۱۸۱)۔

عمدۃ الرعایہ میں ہے قَدْ یَکُوْنُ مِنَ الْکِرْبَاسِ وَمِنَ الشَّعْرِ۔ "جرابیں روئی یعنی سوت کی ہوتی ہیں، اور بالوں کی بھی بنتی ہیں۔

غایۃ المقصود میں ہے۔ اِنَّ الْجُوْرَبَ یُتَّخَذُ مِنَ الْاَدِیْمِ وَکَذَا مِنَ الصُّوْفِ وَکَذَا مِنَ الْقُطْنِ وَیُقَالُ لِکُلٍّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذَا اِنَّهٗ جَوْرَبٌ۔ یعنی جورب چمڑے کی، صوف کی اور سوت کی بھی ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کو جورب (جراب) کہا جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جورب پاؤں کے لفافے یا لباس کو کہتے ہیں، وہ لباس خواہ چرمی ہو، خواہ سوتی، یا اونی وغیرہ، ہم اس پر مسح کر سکتے ہیں، اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی، کہ اگر حضورؐ کے پاؤں ننگے ہوتے تو انہیں دھوتے تھے، اور اگر چرمی موزے پہنے ہوتے، یا پاؤں جرابوں میں ملفوف ہوتے تو آپؐ ان پر مسح کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔

تیمّم کا بیان

لغت میں تیمم کے معنی قصد کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں پانی نہ ملنے کی حالت میں طہارت کی نیت سے پاک مٹی کا قصد کر کے اسے ہاتھوں اور منہ پر ملنا تیمم کہلاتا ہے پانی نہ ملنے کی کئی صورتیں ہیں۔ مسافر کو سفر میں ہو سکتا ہے پانی نہ ملے یا پانی کے مقام تک پہنچنے پر نماز کے فوت ہو جانے کا ڈر ہو یا وضوء کرنے سے مریض کو مرض کی زیادتی کا خوف ہو یا پانی حاصل کرنے میں جان کا ڈر ہو۔ مثلاً گھر میں پانی نہیں، باہر کرفیو نافذ ہے، یا پانی لانے میں کسی دشمن، یا درندے سے اندیشۂ جان ہے۔ تو ایسی صورتوں میں ہم تیمم کر سکتے ہیں، خواہ یہ موانع برسوں قائم رہیں۔ تیمم بھی بدستور روا رہے گا۔ وضوء کے نواقض میں سے جس ناقض سے بھی وضوء ٹوٹے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے متوضی کی طرح ہر قسم کی عبادت کر سکتے ہیں۔

جنابت کی حالت میں تیمم

۱۲۴۔ وَعَنْ عِمْرَانَ قَالَ کُنَّا فِیْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی

۱؎ رسول اللہؐ فرماتے ہیں:

۱۲۵۔ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وُضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَآءَ عَشْرَ سِنِیْنَ۔ (ترمذی)

یعنی پاک مٹی مسلمان کا وضوء ہے۔ اگرچہ دس برس پانی نہ پائے "دس برس سے کثرت مراد ہے۔ (محمد صادق)

بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهٖ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهٗ يَكْفِيْكَ ۔ (متفق علیہ)

"عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ ہم رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی ۔ جب نماز سے پھرے، تو اچانک آپ کی نظر ایک آدمی پر پڑی، جو لوگوں سے الگ بیٹھا ہُوا تھا اور اس نے لوگوں کے ساتھ نماز (بھی) نہ پڑھی تھی ۔ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو) فرمایا ۔ اے فلاں! لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں تجھے کس چیز نے روکا؟ اس نے کہا مجھے جنابت پہنچی ۔ اور پانی نہ مل سکا ۔ فرمایا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ لازم ہے تجھ پر مٹی (تیمم کے لیے) پس وہ تیرے لیے کافی ہے ۔"

(بخاری ومسلم)

۳۔ مؤلف نے یہاں جو تعریف ذکر کی ہے ۔ یہ ناقص ہے ۔ عارضۃ الاحوذی (۱/ ۱۴۹) میں یہ الفاظ ہیں ۔ "الجورب غشاء للقدم من صوف يتخذ للوفاء وهو التسخان"

۱۲۴ ۔ اس کو بخاری (۳۴۴) مسلم (۵/ ۱۸۹ ۔ ۱۹۱) ابوعوانہ (۱/ ۳۰۷ ۔ ۳۰۸) نسائی (۱/ ۱۷۱) دارمی (۱/ ۱۸۹ ۔ ۱۹۰) ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۵۶) ابن خزیمہ (۱/ ۲۷) ابن حبان (۴/ ۱۲۱، ۱۲۴ ۔ ۱۲۵) بیہقی (۱/ ۲۱۸، ۲۱۹ ۔ ۲۲۰) اور احمد (۴/ ۴۳۴) نے روایت کیا ہے ۔

۱۲۵ ۔ صحیح حدیث ہے ۔

یہ ابوذر، ابوہریرہؓ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ۔

۱ ۔ حدیث ابوذر کو ابوداؤد (۳۳۲ ۔ ۳۳۳) ترمذی (۱۲۴) نسائی (۱/ ۱۷۱) ابن حبان (۱۹۶ ۔ ۱۹۸) اور حاکم (۱/ ۱۷۶ ۔ ۱۷۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے ۔

اس کو ترمذی، ابن حبان، حاکم، نووی نے "مجموع" (۲/ ۱۸۵، ۲۰۸، ۲۴۴) میں اور احمد شاکر نے "تحقیق الترمذی" میں صحیح کہا ہے ۔ تفصیل کے لیے "تحقیق الترمذی" (۱/ ۲۱۳ ۔ ۲۱۶) دیکھیں ۔

۲ ۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بزار (۳۱۰) اور طبرانی نے "اوسط" (۱۳۵۵) میں روایت کیا ہے ۔ اس کی سند صحیح ہے ۔

۳ ۔ حدیث عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوالشیخ نے "طبقات المحدثین" (۳/ ۱۴۴) میں روایت کیا ہے ۔ اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں ۔

احتلام میں تیمم اور زخموں پر مسح

۱۲۶ - وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَاَصَابَ رَجُلاً مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَاسِهٖ فَاحْتَلَمَ فَسَاَلَ اَصْحَابَهُ هَلْ تَجِدُوْنَ لِيْ رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوْا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَّاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَآءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرَ بِذٰلِكَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَا سَاَلُوْا اِذَا لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَآءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيُعَصِّبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهٖ۔

(رواہ ابوداؤد)

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ ہم سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگا، اور اس کے سر میں زخم کر ڈالا۔ پھر اس کو احتلام ہو گیا (جس سے حاجت نہانے کی ہوئی)۔ اس نے اپنے رفقاء سے دریافت کیا، کہ کیا آپ میرے لیے شریعت میں تیمم کی رُخصت پاتے ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہم تیرے لیے کوئی رُخصت نہیں پاتے (کیونکہ) تو پانی پر قادر ہے (یعنی پانی موجود ہے، پھر تیمم کیسا؟) پھر وہ (زخمی) نہایا اور مر گیا۔ پھر جب ہم لوٹ کر رسولِ خدا کے پاس آئے۔ تو حضورؐ اس امر سے مُطلع ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ مارا اس کو لوگوں نے، مارے اللہ ان کو، کیوں نہ پُوچھا انہوں نے (مسئلہ) جب خود نہ جانتے تھے؟ سوائے اس کے نہیں کہ مرضِ نادانی کی شفا پوچھنا ہے۔ یقیناً کفایت کرتا (مرنے والے کو) یہ کہ تیمم کرتا۔ اور اپنے زخم پر پٹی باندھتا، پھر اس پر مسح کرتا۔ اور اپنا (باقی) بدن دھو ڈالتا۔ (ابوداؤد)

---

۱۲۶ - اس کو ابوداؤد (۳۳۶) دارقطنی (۱/ ۱۸۹-۱۹۰) بیہقی (۱/ ۲۲۷، ۲۲۸) اور قضاعی نے "مسند الشہاب" (۱۱۶۳) میں روایت کیا ہے۔

سند: الزبیر بن خریق عن عطاء عن جابر رضی اللہ عنہ۔

اس سند میں زبیر بن خریق کی وجہ سے کچھ کمزوری پائی جاتی ہے۔ نیز اوزاعی نے اس کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے عطاء سے جابر رضی اللہ عنہ کی بجائے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

مگر اوزاعی نے اس کو عطاء سے بلاواسطہ نہیں۔ بالواسطہ سُنا ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے۔ اور یہ واسطہ اسماعیل بن مسلم ہے۔ جیسا کہ ابو زرعہ اور ابو حاتم نے کہا ہے۔ دیکھیں "تلخیص الحبیر" (۱/ ۱۴۷)۔ ←

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کمزور یا بیمار آدمی کو احتلام ہو جائے۔ اور غسل کرنا (خاص کر سردیوں میں) اس کے لیے موجب مرض، یا باعث ازدیاد مرض دکھائی دے۔ تو اسے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہیئے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ زخموں اور پھوڑوں وغیرہ کی پٹی پر مسح کر لینا درست ہے۔ اور محتلم، حائض اور نفاس والی عورتیں بھی بوقت ضرورت تیمم کر کے نماز وغیرہ پڑھ سکتی ہیں۔ اس لیے کہ تیمم عذر کی حالت میں وضو اور غسل دونوں کے قائم مقام ہیں۔

← یہ اسماعیل بن مسلم ابو اسحاق مکی ہے۔ جو ضعیف ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔ لہٰذا اوزاعی والی سند ضعیف ہے۔

اس سند سے اس روایت کو دارمی (۱/۱۹۲) ابن ماجہ (۵۷۲) عبد الرزاق (۱/۲۲۳) احمد (۱/۳۳۰) ابو یعلیٰ (۲۴۲۰) طبرانی (۱۱/۱۹۴) ابو نعیم نے "حلیہ" (۳/۳۱۷-۳۱۸) میں حاکم (۱/۱۷۸) ابو داؤد، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ اس روایت میں "انما کان یکفیہ التیمم" سے لے کر آخر تک کا حصہ نہیں ہے، ہاں ابن ماجہ، ابو یعلیٰ، عبد الرزاق اور دارقطنی میں عطاء سے مرسل روایت میں سر کو چھوڑ کر بقیہ جسم کے غسل کرنے کا ذکر ہے۔

اس واقعہ کی عطاء سے ایک اور سند بھی ہے اور یہ ولید بن عبید اللہ بن ابی رباح کی سند ہے۔

اس سند کے مطابق ابن عباس فرماتے ہیں کہ سردی کے موسم میں ایک شخص کو غسل کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ اس نے اس بارے میں دریافت کیا تو اسے غسل ہی کرنے کو کہا گیا۔ غسل سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس حادثہ کی خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے فرمایا۔

"مالھم قتلوہ، قتلھم اللہ، ثلاثا۔ قد جعل اللہ الصعید او التیمم طھورا"

"کیا ہوا کہ ان لوگوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ ان کو مارے۔ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے مٹی کو پاک کرنے والا بنایا ہے"

اس کو ابن خزیمہ (۲۷۳) ابن حبان (۲۰۱) حاکم (۱/۱۶۵) اور بیہقی (۱/۲۲۶-۲۲۷) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ جب کہ دارقطنی نے ولید بن عبید اللہ کو ضعیف کہا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جنہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ انہوں نے ولید کو قوی قرار دیا ہے "تلخیص الحبیر" (۱/۱۴۸)۔

خلاصہ: ابن عباس کی حدیث کی مذکورہ دونوں سندوں کو ملا لینے سے یہ حدیث صحیح ہے۔

مگر اس میں سردی وغیرہ کے خطرے کے پیش نظر تیمم کرنے کا ذکر ہے۔ اس پر عمرو بن عاص کی حدیث شاہد بھی ہے۔

اس حدیث کو ابو داؤد (۳۳۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے دیکھیں "ارواء الغلیل" (۱/۱۸۱/۱۵۴) ←

تیمّم کا طریقہ

۱۲۷ــــ صحیح بخاری میں حضرت عمارؓ سے ایک روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سفر کی حالت میں جُنبی ہوگیا۔ اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے، خاک پر لوٹا۔ اور نماز پڑھی۔ پھر (سفر سے آکر) یہ حال رسُولِ خدا کے سامنے بیان کیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔

"اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْكَ هٰکَذَا فَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِکَفَّیْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِیْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَکَفَّیْهِ۔"

"سوائے اس کے نہیں کہ کفایت کرتا تجھ کو اس طرح سے (یعنی تیمم کا طریقہ یہ ہے) پھر مارے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اور پھونک ماری ان میں، پھر ان کے ساتھ اپنے مُنہ پر مسح کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر۔" (بخاری)

رسُولِ خدا کے کرکے دکھائے ہوئے طریقہ تیمم سے معلوم ہوا کہ تیمم کرنے والے کو طہارت کی نیت کرکے بسم اللہ پڑھ کر) دونوں ہاتھ پاک مٹی پر مارنے چاہئیں، پھر پھونک کر مُنہ پر ملے، اور پھر دونوں ہاتھوں پر۔ بس تیمم ہوگیا۔ قرآن مجید کے حکم (فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا) کی رُو سے تیمم پاک مٹی سے کرنا چاہیئے (۱) اور کپڑے، پتھر، لکڑی، لوہے۔ اور کوئلے وغیرہ پر تیمم جائز نہیں ہے۔ ایک تیمم سے وضو کی طرح کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ تیمم کرنے والا پُورا پُورا متوضی کے حکم میں ہوجاتا ہے۔

←ــــ رہا زخم وغیرہ کی پٹی پر مسح کرنا تو اس سلسلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر ہے۔

نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر نے ایک مرتبہ وضوء کیا اور اُن کی ہتھیلی پر پٹی بندھی ہوئی تھی تو انہوں نے پٹی والی جگہ پر مسح کیا اور باقی اعضاء کو دھویا۔

اس اثر کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابن عمر سے بسند صحیح ثابت ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں اس اثر پر اور تابعین و فقہاء کے قول پر اعتماد کیا جائے گا۔

۱۲۷ــــ اس کو بخاری (۳۳۸، ۳۴۲) مُسلم (۴/۶۲) ابُوعوانہ (۱/۲۰۶-۲۰۷) ابوداؤد (۳۲۶) نسائی (۱/۱۶۹-۱۷۰) ابن ماجہ (۵۶۹) ابن خزیمہ (۲۶۶-۲۶۸) بیہقی (۱/۲۰۹) اور احمد (۴/۲۶۵، ۳۲۰) نے روایت کیا ہے۔

۱۔ تیمم جیسے مٹی سے جائز ہے اسی طرح شور والی زمین اور ریت وغیرہ سے بھی جائز ہے۔ کیونکہ لُغت عرب میں صعید سے فقط مٹی مراد نہیں، بلکہ اس کا اطلاق ریت وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ "المصباح المنیر" میں ہے " الصعید وجه الأرض ــــ→

———— ترابا کان او غیرہ"

امام لُغت زجاج کا کہنا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اس معنی میں اہلِ لُغت میں اختلاف ہو۔" المصباح المنیر" (۲۳۹-۲۴۰) ایضاً" فتح الباری" (۸/ ۲۵۲) ۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ جس لُغت میں قرآن نازل ہؤا اس میں صعید سے مُراد وجہ الارض ہے۔ ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے کہ ریت اور پتھر وغیرہ سے بھی تیمم جائز ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محلی (۲/ ۱۵۹) ۔

شور والی زمین سے تیمم جائز ہے، اس مسئلہ کے لیے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں باندھا ہے۔

باب اباحة التیمم بتراب السباخ ضد قول من زعم من اهل عصرنا ان التیمم بالمدینة غیر جائز إذ أرضها سبخة وقد أخبر النبیّ صَلّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إنّها طیبة أو طابة۔ (صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۱۳۳)۔

مسند احمد (۵/ ۲۴۸) میں بسند صحیح ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"حیثما ادرکت رجلا من أمتی الصّلاة فعنده مسجده وطهوره ......" ابن قیم رح فرماتے ہیں کہ یہ نص صریح ہے کہ جو شخص ریت میں ہو اور نماز کا وقت آجائے تو اس کے لیے ریت باعثِ طہارت ہے۔ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے تبوک کا سفر کیا دوران سفر ان کا گزر ریتیلے علاقے سے بھی ہوا اور ان کے پاس پانی انتہائی قلت میں تھا اور آپ سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے اپنے ساتھ مٹی اٹھائی ہو یا اس کے اُٹھانے کا حکم دیا ہو اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی نے ایسا کیا۔ جبکہ قطعاً معلوم تھا کہ اس راستے میں مٹی سے ریت کہیں زیادہ ہے۔ حجاز وغیرہ کی زمین بھی اسی طرح کی ہے۔ جو اس بارے میں تدبر کرے وہ یقیناً اس بات کا قائل ہوگا کہ آپ ریت سے بھی تیمم کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم" زاد المعاد (۱/ ۲۰۰) نسائی (۱/ ۲۱۱) میں حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ "فأینما أدرك الرّجل من أمتی الصلٰوة یصلی" یہ حدیث بخاری مُسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

ابُوالحسن سندھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا عموم ظاہر ہے۔ خصوصاً بلاد حجاز میں کیونکہ بلاد حجاز اکثر پہاڑی اور پتھریلا علاقہ ہے۔ لہٰذا اگر ہم یہ کہیں کہ حجاز میں چند مخصوص اماکن ہیں جن میں تیمم جائز ہے اور باقی میں نہیں تو پھر اس حدیث کا عموم صحیح و مناسب نہیں رہتا۔ حاشیۃ النسائی۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہؤا کہ تیمم صرف مٹی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۔ تیمم وضوء کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا اس کا حکم وضوء کا حُکم ہے۔ رہی وہ حدیث جس کو عبدالرزاق (۱/ ۲۱۵) طبرانی (۱۱/ ۶۲) دارقطنی (۱/ ۱۸۵) اور بیہقی (۱/ ۲۲۱-۲۲۲) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں۔ کہ ————

غسلِ مسنون کا بیان

جمعہ کے دِن غسل

۱۲۸ ــــ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ اَحَدُکُمُ الْجُمُعَۃَ فَلْیَغْتَسِلْ ۔ (متفق علیہ)

"ابن عمرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے نمازِ جمعہ کو آئے پس اسے غسل کرنا چاہیئے"۔ (بخاری مسلم)

۱۲۹ ــــ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَغْسِلُ فِیْہِ رَاْسَہٗ وَجَسَدَہٗ (متفق علیہ)۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر مسلمان پر

← "سنت سے یہ ہے کہ تیمم سے صرف ایک نماز ادا کی جائے دوسری نماز کے لیے دوبارہ تیمم کیا جائے"۔ تو یہ حسن بن عمارہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ مگر اس موقوف روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔

دارقطنی، بیہقی (۱/ ۲۲۴) اور "علل ابن جوزی" (۱/ ۳۸۱) میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "الناسخ والمنسوخ" لابن شاہین (۱۴۴) میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، مصنف عبدالرزاق (۲/ ۳۵۲) کامل ابن عدی (۱/ ۲۱۶) دارقطنی اور بیہقی میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت میں ہے کہ "تیمم والا وضوء والوں کی جماعت نہ کرائے"۔

مگر یہ حدیث بھی صحیح نہیں دونوں مرفوع حدیثوں کی سندیں سخت ضعیف ہیں اور موقوف روایت کی سند ضعیف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تیمم کا حکم وضوء کا حکم ہے ایک تیمم سے آدمی متعدد نمازیں ادا کر سکتا ہے۔ اسی طرح نماز بھی پڑھا سکتا ہے۔

۱۲۸ ــــ اخرجہ مالک (۱/ ۱۰۲) واحمد (۲/ ۳ و ۹ و ۳۵ و ۴۱ و ۴۸ و ۵۵ و ۵۷ و ۶۴) والبخاری (۸۷۷) ومسلم (۶/ ۱۳۰-۱۳۱) والنسائی (۳/ ۹۳) والترمذی (۴۹۲) وابن ماجہ (۱۰۸۸) والدارمی (۱/ ۳۶۱) وابن خزیمہ (۱۷۴۹-۱۷۵۱) والبیہقی (۱/ ۲۹۳)۔

۱۲۹ ــــ اخرجہ البخاری (۸۹۷) ومسلم (۶/ ۱۳۳) والبیہقی (۱/ ۲۹۷)۔

حق (مستحب مؤکد) ہے کہ ہر ہفتے میں ایک دن (جمعہ کو) غسل کرے، دھوئے اس میں سر اپنا اور بدن اپنا۔
(بخاری ومسلم)

۱۳۰ — وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ۔ (متفق علیہ)

ابُوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کے دن ہر بالغ مسلمان پر نہانا واجب ہے۔ (بخاری مسلم)

اس حدیث میں واجب کے معنی ثابت اور لائق تر کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا نہایت ہی اچھا ہے۔ بروئے شرع مستحب تاکیدی اور پسندیدہ ہے۔ نہ ایسا لازمی، کہ تارک اس کا گناہگار ہو۔

غاسل میت غسل کرے

۱۳۱ — وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَیِّتًا

---

۱۳۰ — اخرجہ مالک (۱/ ۱۰۲) والبخاری ومسلم وابُوداؤد (۳۴۱) فی الطہارۃ والنسائی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی (۱/ ۲۹۴)

تنبیہ: مؤلف علیہ الرحمہ نے غسل کے بارے میں تین احادیث ذکر کی ہیں۔ جو سب کی سب وجوب پر دال ہیں۔ اور آخر میں غُسل جمعہ کو مستحب تاکیدی کہہ دیا ہے۔ اگر یہ تاویل مقصود تھی تو کم از کم ان روایات میں سے جو عدم وجُوب پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک ہی روایت بیان کر دیتے۔ تاکہ تاویل کی معقول وجہ نکل آتی۔

دیگر واجب کی تاویل لفظ تاکید وغیرہ سے کرنا سخت ضعیف ہے۔ جیسا کہ ابن دقیق العید نے کہا ہے۔ دیکھیے احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام" (۲/ ۱۰۹)۔

واضح رہے کہ غُسل جمعہ کے بارے میں قوی مذہب وجُوب والا ہی ہے۔ ابن جوزی نے کہا ہے کہ وجُوب والی احادیث زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہیں۔ "نصب الرایہ" (۱/ ۸۸)۔

ابن حزم اور علامہ شوکانی نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "المحلی" (۲/ ۸-۱۹) و "نیل الاوطار" (۱/ ۲۳۱)۔

۱۳۱ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۴۶۳) اسی طرح ابوداؤد (۳۱۶۱-۳۱۶۲) ترمذی (۹۹۳) عبدالرزاق (۳/ ۴۰۷) ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۶۹، ۲۶۹) احمد (۲/ ۲۸۰، ۴۳۳، ۴۵۴، ۴۷۲) طیالسی (۱/ ۱۶۰) ابن حبان (۷۵۱)، طبرانی نے "اوسط" (۹۸۱) ←

فَلْیَغْتَسِلْ ۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مُردے کو غسل دے (پھر) اسے چاہیئے کہ آپ بھی نہائے۔

نوٹ: غاسل میت کو نہانا مستحب ہے۔ تاکہ اگر چھینٹیں وغیرہ پڑی ہوں۔ تو صفائی اور طہارت حاصل ہو جائے۔

← میں ابن شاہین نے " الناسخ والمنسوخ " (۳۱-۳۶، ۲۹۸-۳۰۳) میں ابونعیم نے " حلیہ " (۱۵۸/۹) میں ابن حزم نے " محلی " (۲۳/۲) میں بیہقی نے " سنن " (۳۰۰/۱-۳۰۳) میں خطیب بغدادی نے " الموضح " (۱۷۲/۲) میں اور بغوی نے " شرح السنہ " (۳۳۹) میں مختلف سندوں سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی، بغوی نے حسن، ابن حبان، ابن حزم اور البانی نے " ارواء الغلیل " (۱۷۲/۱-۱۷۵) میں صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ طرق کی بنا پر کم از کم حسن درجہ کی ہے۔ " دیکھیں " تلخیص الحبیر " (۱۳۷/۱)۔

عبدالرزاق اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق اس حدیث پر عمل کرے گا۔

اس حدیث کے آخر میں " ومن حمله فليتوضأ " بھی ہے یعنی جو میت کو اٹھائے وہ وضوء کرے۔

اس حدیث سے بظاہر غسل اور وضو کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بصیغہ امروارد ہے۔ مگر یہ امر استحباب پر محمول ہے۔ اس لیے کہ حدیث ابن عباس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ليس عليكم في غسل ميتكم غسل اذا غسلتموه، ان ميتكم يموت طاهرا وليس بنجس فحسبكم ان تغسلوا أيديكم "

میت کو غسل دینے سے تم پر کوئی غسل نہیں، کیونکہ تمہاری میت طاہر مرتی ہے نجس نہیں، لہٰذا تمہیں ہاتھ ہی دھو لینے کافی ہیں۔

اس حدیث کو دارقطنی (۷۲/۲)، ابن شاہین (۳۸) حاکم (۳۸۶/۱) اور بیہقی (۳۰۶/۱) نے روایت کیا ہے، حاکم نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی مروی ہے اس کو ابن شاہین اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ مرفوع کو بیہقی نے ضعیف کہا ہے۔ مگر ابن حجر نے ان کا رد کیا ہے اور مرفوع کی سند کو حسن کہا ہے۔ دیکھیں " تلخیص " (۱۳۸/۱) ایضاً " تہذیب " (۱۱۹/۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل واجب نہیں۔ امام حاکم اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے حدیث " من غسل ميتا فليغتسل " کا رد ہوتا ہے۔

علامہ ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے غسل کو مستحب کہیں گے۔ اس جمع کو حافظ ابن حجر نے بھی اختیار کیا ہے۔ اس کی تائید کے لیے انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول سے دلیل لی ہے۔ ←

نومسلم غسل کرے

۱۳۲ ـ وَعَنْ قَیْسِ بْنِ عَاصِمٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّغْتَسِلَ بِمَآءٍ وَّسِدْرٍ۔ (رواہ الترمذی)

قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ غسل کریں۔ ساتھ پانی اور بیری کے پتوں کے ۔" (ترمذی)

نوٹ :۔ بیری کے پتے پانی میں ملا کر غسل کرنے سے خوب طہارت حاصل ہوتی ہے اور جسم کی بدبو دور ہو جاتی ہے۔

ـــ "کُنَّا نغسل المیت فمنا من یغتسل ومنا من لا یغتسل"

"ہم میت کو غسل دیتے (اس سے) ہم میں سے بعض غسل کرتے اور بعض نہ کرتے۔"

اس کو بیہقی (۱/۳۰۶) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۵/۴۲۴) میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

علامہ شوکانی نے بھی اسی جمع کو ترجیح دی ہے دیکھیں "نیل الاوطار" (۱/۲۳۸)۔

مصنف عبدالرزاق (۳/۴۰۸) اور بیہقی (۱/۳۰۷) میں بسند صحیح نافع سے روایت ہے کہ "ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن زید کو خوشبو لگائی، ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی اور انہیں اُٹھایا بھی، اس کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور بغیر وضو کیے نماز پڑھنا شروع کی۔ یعنی میت کو اُٹھانے کی وجہ سے دوبارہ وضو نہ کیا۔

۱۳۲ ـــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۶۰۵) ابوداؤد (۳۵۵) نسائی (۱/۱۰۹) احمد (۵/۶۱) ابن خزیمہ (۲۵۴ - ۲۵۵) ابن المنذر (۲/۱۱۴-۱۱۵) ابن حبان (۲۳۴) طبرانی (۱۸/۳۲۸) ابونعیم (۷/۱۷۱ - حلیہ) بیہقی (۱/۱۷۱ - ۱۷۲) اور بغوی (۳۴۰ - ۳۴۱) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی، بغوی، نووی نے بھی "المجموع" (۲/۱۵۲) میں حسن، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ان کی حدیث کو طبرانی نے "کبیر" (۲۲/۸۲) اور "صغیر" (۲/۴۲ - ۴۳) میں، حاکم (۳/۵۷۰) اور خطیب نے ←

عیدین کے روز غسل

۱۳۳۔ موطا امام مالکؒ میں حضرت نافع کی روایت سے عیدین کے روز عیدگاہ کو جانے سے قبل نہانا سنت ہے۔

احرام حج کا غسل

۱۳۴۔ زید بن ثابت کی روایت سے ترمذی میں حج کا احرام باندھتے وقت غسل سُنّت ہے۔

داخلہ مکّہ کا غسل

۱۳۵۔ بلوغ المرام کے باب صفتِ حج و دخول مکّہ میں ابنِ عمرؓ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے مکّہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مشروع ہے۔

۔۔۔۔۔ "تاریخ بغداد" (۱۳/۱۷۰-۷۲) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

اسی طرح ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولِ اسلام کے وقت غسل کا حکم دیا۔ جیسا کہ ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابن المنذر اور بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ یہ اصل قصہ بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔

۱۳۳۔ اس مسئلہ کی تفصیل حدیث (۵۹۵) میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

۱۳۴۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۸۳۰) دارمی (۲/۳۱) ابن خزیمہ (۲۵۹۵) عقیلی (۲/۱۳۸) طبرانی (۴۸۰۵/۵) دارقطنی (۲/۲۲۰) اور بیہقی (۵/۳۲) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے مگر یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ ابنِ عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیثیں اس پر شاہد ہیں۔

۱۔ حدیث ابن عمر کو بزار (۱۰۳۱) دارقطنی (۲/۲۲۰) حاکم (۱/۴۴۷) اور بیہقی (۵/۳۳) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اس کو حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

۲۔ حدیث ابن عباس کو دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند یعقوب بن عطاء بن ابی رباح کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۳۵۔ اس کو بخاری (۳/۱۵۵۳، ۱۵۷۳) مسلم (۴/۶۲) ابوداؤد (۱۸۶۵) ابن خزیمہ (۲۶۹۵) اور بیہقی (۵/۷۱) نے روایت کیا ہے۔

نماز کی تاکید کا بیان

اولاد کو نماز سکھاؤ

۱۳۶ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَآءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔ (رواہ ابوداؤد)

" روایت ہے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے نقل کی اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے۔ کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کرو اپنی اولاد کو ساتھ نماز کے جب وہ ہوں سات برس کے اور مارو ان کو ترکِ نماز پر، جب وہ ہوں دس برس کے اور جدا کرو ان کو خوابگاہوں میں "

(ابوداؤد)

اس حدیث شریف میں رسولِ خدا بچوں کے والدین کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کو سات برس کی عُمر میں ہی نماز کی تعلیم دے کر نماز کا عادی بنانے کی کوشش کریں اور اگر دس برس کے ہو کر نماز نہ پڑھیں۔ تو والدین تادیبی کارروائی کریں، انہیں سزا دے کر نماز کا پابند بنائیں۔ اور دس کی عُمر کا زمانہ چونکہ بلوغ کا قرب ہے۔ اس لیے بہن بھائیوں وغیرہ کو اکٹھا نہ سونے دیں۔

---

۱۳۶ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابُوداؤد (۴۹۵۔ ۴۹۶) اسی طرح ابنِ ابی شیبہ (۱/ ۳۴۷) احمد (۲/ ۱۸۰، ۱۸۷) بخاری نے "تاریخِ کبیر" (۳/ ۱۶۸) میں عقیلی (۲/ ۱۶۷) دارقطنی (۱/ ۲۳۰۔ ۲۳۱) حاکم (۱/ ۱۹۷) ابُونعیم نے "حلیہ" (۱۰/ ۲۶) میں اور بیہقی (۳/ ۸۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند سوار بن داؤد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔ کامل ابن عدی (۳/ ۹۲۹) میں لیث بن ابی سلیم نے اس کی متابعت بھی کی ہے۔ مگر اس سند میں دو تین راوی ضعیف ہیں۔

اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں۔ جن کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے۔ ان شواہد میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو احمد (۳/ ۴۰۴) ترمذی (۲/ ۴) دارمی (۱/ ۳۳۳) ابن خزیمہ ←

ترکِ نماز سے کفر

۱۳۷ـــ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ رسُولِ خدا نے فرمایا! درمیان بندہ (مومن) کے اور درمیان کُفر کے چھوڑ دینا نماز کا ہے۔" (مُسلم)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مُسلمان اور کُفر کے درمیان نماز دیوار کی طرح حائل ہے، جب نماز ترک کی تو نماز جو کفر میں روک تھی۔ اُٹھ گئی۔ اور مُسلمان کُفر سے بے حجاب ہو کر ملاقی ہوا۔ یا دوسرے لفظوں میں نماز کا ترک مسلمان کو کفر تک پہنچانے والا ہے۔

ـــــ (۱۰۰۲) طبرانی (۷/۱۲۵) حاکم (۱/۲۰۱) ابن ابی شیبہ، ابُوداؤد، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔
اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔ ترمذی، ابن خزیمہ حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔
۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو بزار (۳۴۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔
ابُو ہریرہ سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے۔ مگر وہ سخت ضعیف ہے۔ اس سند کا ذکر ابن حبان نے "مجروحین" (۲/۱۵۸) میں کیا ہے۔
تنبیہ: ابوداؤد (۴۹۷) اور بیہقی (۳/۸۴) کی ایک حدیث میں ہے کہ بچہ جب دائیں بائیں ہاتھ کی شناخت کرنے لگ جائے تو اسے اس وقت سے نماز کا حکم دو۔
لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ جیسا کہ "ضعیف الجامع" (۶۹۳) میں ہے۔
یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ یعنی ان کا یہ اپنا قول ہے۔ اس قول کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔
۱۳۷ـــ اس کو مُسلم (۲/۷۰-۷۱) "الایمان" ابُوعوانہ (۱/۶۱) ابُوداؤد (۴۶۷۸) "السنہ" باب "الارجاء" ترمذی (۲/۲۶) "الایمان" ابن ماجہ (۱۰۷۸) "الصلاۃ" ابن ابی شیبہ نے "مصنف" (۱۱/۴۷) - دارالتاج) اور "کتاب الایمان" (۴۴-۴۵) میں ابُویعلیٰ نے "مسند" (۳/۱۷۸۳، ۲-۲۱) اور "معجم الشیوخ" (۱۷۹) میں آجری نے "شریعہ" (۱۳۳) میں دارقطنی نے "سنن" (۲/۵۳) میں مروزی نے "صلاۃ" (۲/۸۴۴-۸۷۶-۸۷۷) میں لالکائی نے "شرح الاصول" (۴/۸۲۰) میں قضاعی نے "مسند الشہاب" (۲۶۶-۲۶۷) میں بیہقی نے "سنن" (۳/۳۶۶) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۰/۱۸۰) ـــــ

بے نمازسے متعلق صحابہؓ اور ائمہؒ دین کا فتویٰ

واضح ہو کہ تارک الصلوٰۃ اصحاب ظواہر کے نزدیک کافر ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت عبداللہ بن مسعودؓ وحضرت عبداللہ بن عباسؓ وحضرت معاذ بن جبلؓ وحضرت جابر بن عبداللہؓ وابو دردارؓ وحضرت ابو ہریرہؓ و حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور غیر صحابہؓ میں امام احمد بن حنبلؒ واسحاق بن راہویہؒ ۔ وایوب السختیانیؒ وابوداودؒ الطیالسیؒ وابوبکر بن ابی شیبہؒ کے قول کے مطابق تارک الصلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے، اور امام حمادؒ ومکحولؒ وامام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر (ان کا فتویٰ ہے کہ) قتل[1] کیا جائے۔ اور امام اعظمؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا۔ مگر (ان کے فتوےٰ کی رُو سے) قیدِ شدید میں رکھنا چاہیئے اور خوب سزا دینی چاہیئے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے، یہاں تک کہ توبہ کرے۔ یا اس حالت میں مر جائے۔

(فتاویٰ اشرفیہ بحوالہ تفسیر مظہری، نفع المفتی ودر مختار)

---

[1] سزاؤں، حدود اور تعزیروں کے نفاذ کا کام حکومت کے فرائض سے ہے، منہ۔

← میں روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق (۳/۱۲۴) اور لالکائی کی ایک روایت میں کفر کی بجائے شرک کا ذکر ہے۔

احمد (۳/۳۷۰، ۳۸۹) عبد بن حمید (۱۰۴۳۔ المنتخب من المسند) ابو نعیم (۸/۲۵۶) اسی طرح "ایمان ابن مندہ" (۱/۳۸۳) ابو عوانہ اور ترمذی کی ایک روایت میں کفر یا شرک شک کے ساتھ ہے۔

جبکہ مسلم، صلاۃ مروزی، ایمان ابن مندہ، سنن بیہقی اور شعب بیہقی (۶/۸۲) کی ایک روایت میں کفر اور شرک دونوں کا ذکر ہے۔

اس حدیث کی ایک روایت کے الفاظ یوں بھی ہیں۔

"لیس بین العبد وبین الکفر إلا ترك الصلاۃ"

بندے اور کفر کے درمیان (فرق) صرف ترک نماز ہے۔

ان الفاظ سے اس کو ابو عوانہ، مروزی، ابن مندہ، دارقطنی، بیہقی، دارمی (۱/۲۸۰) اور طبرانی نے "صغیر" (۲/۱۴) میں روایت کیا ہے۔ مروزی کے یہاں کفر کی بجائے شرک کا ذکر ہے۔

ترمذی اور عبد بن حمید (۱۰۲۲) کی ایک روایت کے الفاظ یوں بھی ہیں: بین الکفر والایمان ←

—— ترک الصلوٰۃ "

" کفر اور ایمان میں (فرق) ترک نماز ہے۔

آجُرّی کی ایک روایت میں " العبد" کے بعد " المسلم" کا اضافہ ہے۔ یعنی "مسلمان بندے"۔

عبدالرزاق (۳/۱۲۴) اور عبد بن حمید کی ایک روایت میں مطلق نماز کی بجائے فرض نماز کا ذکر ہے۔

اس حدیث کو عبدالرزاق، ابُویعلیٰ (۱۹۵۳) اور ابُونعیم (۸/۱۲۱) نے دیگر الفاظ سے بھی روایت کیا ہے۔

مسئلہ:

سب علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نماز کی فرضیت کا منکر، مرتد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

مگر وہ شخص جو نماز کی فرضیت کا تو قائل ہے مگر عملاً اس کا تارک ہے۔

اس کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

پہلا قول: نماز کا تارک کافر ہے اور اس کی سزا مرتد کی سزا ہے۔

صحابہ میں سے اس کے قائلین، عمر بن الخطاب، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف۔ عبداللہ بن عباس معاذ بن جبل، جابر بن عبداللہ اور ابُودرداء رضی اللہ عنہم ہیں۔

تابعین اور ائمہ میں سے سعید بن جبیر، شعبی، حسن بصری، اوزاعی، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ، ایوب سختیانی، عبداللہ بن مبارک اسحاق بن راہویہ، ابوداؤد طیالسی، ابوبکر بن ابی شیبہ، حماد بن زید، ابُوخیثمہ، زہیر بن حرب رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

دیکھیئے "التمہید لابن عبدالبر (۴/۲۲۵) "المغنی" لابن قدامہ (۲/۴۴۲) "الترغیب والترہیب" ۱/۲۲۵ صحیح الترغیب) کتاب الصلوٰۃ " لابن القیم (۳۱)۔

صحیح روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ دیکھیے "الانصاف" ۱/۴۰۲)۔

دوسرا قول: ترکِ نماز بے شک کبیرہ گناہ ہے مگر تارکِ نماز کافر نہیں ہے۔

یہ قول جمہور علماء کا ہے، جن میں امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی بھی ہیں۔ حنابلہ میں سے ابُوعبداللہ بن بطہ اور ابن قدامہ کا بھی یہی قول ہے۔ دیکھئے " المغنی"۔

جو علماء تارک نماز کی تکفیر کے قائل ہیں۔ انہوں نے جابر اور بریدہ رضی اللہ عنہما کی حدیث اور عبداللہ بن شقیق کے اثر کے علاوہ بعض قرآنی آیات سے بھی استدلال کیا ہے۔ حدیث بریدہ اور عبداللہ بن شقیق کے اثر کو (۱۲۸-۱۲۹) میں دیکھیں۔

جمہور علماء جو تارکِ نماز کو کافر قرار نہیں دیتے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾۔ النساء (۴۸، ۱۱۶)۔ ←

← اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث سے دلیل لی ہے۔

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ سو جو شخص ان کو ادا کرے اور ان میں سے کسی چیز کو بھی ان کے حق کو ہلکا سمجھ کر ضائع نہ کرے تو اس کے لیے اللہ تعالٰے کے ہاں عہد ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اور جو ان کی ادائیگی نہ کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عہد نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اسے جنت میں داخل کر دے"

اس حدیث کی تخریج کے لیے (۱۴۰) نمبر دیکھیں۔

حافظ عراقی نے "طرح التثریب" (۲/۱۴۸) میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ نیز اس کی تائید میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جس کو احمد (۴/۲۴۴) عبد بن حمید (۱/۲۷) طحاوی نے "مشکل" (۴/۲۲۵-۲۲۶) میں اور طبرانی (۱۹/۱۴۲-۱۴۳) نے روایت کیا ہے اور یہ حسن درجے کی حدیث ہے۔

اس کے علاوہ انہوں نے عام احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان احادیث میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ ... "فإن الله حرم على النار من قال: لا إله إلا الله" يبتغي بذلك وجه الله"

رواہ البخاری (۴۲۵) فی الصلاۃ: باب المساجد فی البیوت، ومسلم (۵/۱۶۰) فی المساجد: الرخصۃ فی التخلف عن الجماعۃ لعذر وابوعوانہ (۱/۱۲) عن عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ۔

"جو شخص اللہ کی رضامندی کی خاطر "لا إلہ إلا اللہ" کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ پر حرام کر دیا ہے"۔

۲۔ "لكل نبي دعوة مستجابة فتعجل كل نبي دعوته، وإني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيامة فهي نائلة إن شاء الله من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا"

رواہ مسلم (۳/۷۴) وابوعوانہ (۱/۹۰) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

ہر نبی کے لیے ایک مستجاب دُعا تھی جسے ہر نبی نے دُنیا ہی میں استعمال کر لیا۔ مگر میں نے اپنی دُعاء کو قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کی خاطر محفوظ کر رکھا ہے اور یہ دُعا ہر اس شخص کو نصیب ہوگی جو بغیر شرک کیے فوت ہوا"۔

۳۔ "اسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لا إله إلا الله خالصا من قبله"

رواہ البخاری (۹۹) فی العلم: باب الحرص علی الحدیث، وابن مندہ فی "کتاب الایمان" (۹۰۴ و ۹۰۵ و ۹۰۶) والآجری فی الشریعۃ (۳۴۰) وعثمان الدارمی فی "الرد علی المریسی" (۱۴۴) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

"قیامت کے دن میری شفارش کا مستحق وہ شخص ہوگا جس نے خلوصِ دل سے "لا الہ الا اللہ" پڑھا"۔

جن احادیث سے تارک نماز کو کافر قرار دینے والوں نے دلیل لی ہے۔ ان احادیث کا انہوں نے جواب یہ دیا ہے۔ کہ ان احادیث میں کفر سے مراد کفر حقیقی نہیں ہے بلکہ کفر دون کفر ہے اور اس تاویل پر انہوں نے دلائل بھی دیتے ہیں۔ دیکھیے ←

"التمہید" (۴/۲۳۶) وغیرہ۔

علامہ ابن قدامہ جمہور کے مذہب کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"ہم نہیں جانتے کہ کسی زمانہ میں بھی باوجود اس کے کہ بہت سے تارکین نماز رہے ہیں، کسی تارکِ نماز کی تغسیل اور نمازِ جنازہ ترک کی گئی ہو یا اسے وراثت سے محروم کر دیا گیا ہو۔ اگر یہ کافر ہوتا تو (اس پر) یہ احکام ضرور جاری ہوتے۔"

رہیں وہ احادیث جن میں "قصدًا" نماز ترک کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے، تو انہیں تغلیظ اور تشبیہ بالکفار پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" اور یہ فرمان "من حلف بغير الله فقد اشرك۔"

"جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی یقیناً اس نے شرک کیا۔"

اور اسی طرح نبی کریمؐ کے دیگر فرامین۔ تفصیل کے لیے "مغنی" (۲/۴۴۶ - ۴۴۷) دیکھیں۔

اسی مذہب کو حافظ ابن عبدالبر نے "التمہید" (۴/۲۳۹) اور ابوالبرکات ابن تیمیہؒ نے "المنتقی" (۱/۲۹۵) "شرح النیل" میں ترجیح دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ آپ "الفتاوٰی الکبرٰی" (۲/۲۱۳) میں فرماتے ہیں۔

وأما من كان مظهرا للاسلام فانه يجرى عليه احكام الاسلام الظاهرة من المناكحة والموارثة۔ و تغسيله والصلاة عليه ودفنه فى مقابر المسلمين ونحو ذلك۔

حافظ ابن قیم نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کفر کی کئی ایک اقسام بیان کی ہیں۔ اور ترکِ نماز کو انہوں نے کفرِ عملی کی اس قسم میں شمار کیا ہے۔ جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور فرماتے ہیں کہ تارکِ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کافر ہے۔ مگر یہ کفر، کفرِ عملی ہے اعتقادی نہیں اور یہ ممتنع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تارکِ نماز کو کافر فرمائیں اور پھر اس پر کفر کا اطلاق نہ کیا جائے۔ کتاب الصلوٰۃ (۵۵)۔

علامہ شوکانی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ تارکِ نماز کافر ہے۔ رہے وہ معارضات جنہیں پہلوں (تارکِ نماز کو کافر نہ کہنے والوں) نے وارد کیا ہے وہ ہم پر وارد نہیں ہوتے۔ کیونکہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ کفر کی بعض اقسام ایسی بھی ہیں جو مغفرت اور استحقاق شفاعت کے منافی نہیں ہیں۔ نیل الاوطار (۱/۲۹۲)۔

علامہ شوکانی کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں وہ بھی علامہ ابن قیم کے ساتھ ہیں۔

واضح رہے کہ ابن قیم، شوکانی اور جمہور کے درمیان لفظی نزاع ہے۔ حقیقی نہیں۔ کیونکہ تارک نماز جیسے جمہور کے نزدیک ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا۔ اور نہ ہی شفاعت سے محروم ہوگا۔

اسی طرح ابن قیم اور شوکانی کے نزدیک بھی وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی نہیں اور نہ ہی شفاعت سے محروم ہونے والا ہے۔

بے نماز کافر نہیں، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو ابن ماجہ (۴۰۴۹) کتاب الفتن، باب ذہاب القرآن والعلم اور مستدرک حاکم (۴/۴۷۳) میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" یدرس الاسلام کما یدرس وشی الثوب حتی لا یدری ما صیام ولا صلاۃ ولا نسك ولا صدقة ولیسری علی کتاب اللہ عز وجل فی لیلة فلا یبقی منه آیة ۔ وتبقی طوائف من الناس الشیخ الکبیر والعجوز ۔ یقولون ادرکنا آباءنا علی ھذہ الکلمة " لا الٰہ الا اللہ " ونحن نقولها۔

یعنی اسلام پر ایک ایسا وقت آجائے گا کہ لوگ "لا إلٰہ الا اللہ" کے علاوہ نماز، روزہ، حج اور صدقہ وغیرہ بھول جائیں گے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ صلہ بن زفر نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب لوگ نماز، روزہ، حج اور صدقہ وغیرہ کو بھول جائیں گے تو پھر " لا الٰہ الا اللہ " انہیں کیا فائدہ دے گا۔ یہ سن کر حذیفہ اپنا رخ بدل لیتے ہیں۔ حتی کہ صلہ تیسری دفعہ سوال کرتے ہیں تو حذیفہ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ اے صلہ! یہ کلمہ انھیں آگ سے نجات دلوائے گا۔

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اہلِ ظاہر کے نزدیک بے نماز کافر ہے۔ مگر اس مسئلہ کے لیے جن کتب کا میں نے مراجعہ کیا ہے ان میں سے کسی میں بھی یہ ذکر نہیں کہ اہل ظاہر کے نزدیک بے نماز کافر ہے۔

بلکہ حافظ ابن عبدالبر نے "التمہید" (۴/۲۴۰) میں اور ابن قیم نے "کتاب الصلاۃ" (۱۷) میں داؤد بن علی (امام اہل ظاہر) کا ان لوگوں میں ذکر کیا ہے۔ جن کے نزدیک بے نماز کافر نہیں۔ اور اس کی سزا ضرب اور قید ہے۔

اسی طرح امام ابن حزم کے نزدیک بھی بے نماز کافر نہیں۔ آپ فرماتے ہیں: " من ضیع الاعمال کلھا فھو مؤمن عاص ناقص الایمان لا یکفر " المحلی (۱/۴۰) ان کی اس تصریح سے پتہ چلا کہ نماز وغیرہ کا تارک گناہگار ناقص الایمان ہے۔ کافر نہیں ہے۔

بلکہ انہوں نے (۲/۲۴۳) میں یہ صراحت بھی کی ہے کہ عمداً نماز کا ترک کرنے والا فاسق ہے اور اس کی شہادت مجروح ہے اور وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔

علامہ ابن رشد اس مسئلہ میں علماء کے مذاہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱۳۸ - وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عہد کہ درمیان ہمارے اور درمیان منافقوں کے ہے۔ (وہ) نماز ہے۔ پھر جس نے وہ چھوڑ دی۔ پس تحقیق وہ کافر ہوا۔"

(رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں کو جو امن ہے اور وہ قتل نہیں کیے جاتے، اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا سلوک روا رکھا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں تو ان کا نماز پڑھنا گویا مسلمانوں کے درمیان ایک عہد ہے جس کے سبب منافقوں کی جان اور ان کا مال مسلمانوں کی تلوار اور یلغار سے مامون ہے اور جس نے نماز ترک کی تو اس نے اپنے کفر کا اظہار کر دیا۔ مسلمان بھائیو! غور کرو! کس قدر خوف کا مقام ہے کہ ترک نماز کفر کا اعلان ہے۔

ـــــ فان قوما قالوا: يقتل، وقومًا قالوا: يعزر ويحبس، والذين قالوا: يقتل، منهم من اوجب قتله كفراً، وهو مذهب احمد واسحاق وابن المبارك ومنهم من اوجبه حدا، وهو مالك والشافعي وابو حنيفة واصحابه واهل الظاهر ممن راى حبسه وتعزيره حتى يصلي" بداية المجتهد (۱/۹)۔

ابن رشد کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ اہل ظاہر کے نزدیک بے نمازی کی سزا حبس (قید) اور تعزیر ہے۔ اگر ان کے نزدیک بے نماز کافر ہوتا تو اس کی سزا قتل ہونی چاہیئے تھی۔

۱۳۸ــــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد نے "مسند" (۵/۳۴۶، ۳۵۵) اور "سنۃ" (۱۰۴) میں ترمذی (۲۶۲۱) نسائی (۱/۲۳۱-۲۳۲) ابن ماجہ (۱۰۷۹) اسی طرح ابن ابی شیبہ نے "مصنف" (۶/۱۶۷- دار التاج) اور "ایمان" (۴۶) میں ابن حبان (۲۵۵) آجری نے "شریعۃ" (۱۳۳) میں ابن عدی (۳/۸۹۶) دارقطنی (۲/۵۲) مروزی نے "صلاۃ" (۲/۸۷۷-۸۷۹) میں حاکم (۱/۶-۷) لالکائی نے "شرح الأصول" (۴/۸۲۱-۸۲۲) اور بیہقی نے "سنن" (۳/۳۶۶) اور "شعب" (۶/۸۴) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

اور لالکائی نے کہا ہے کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ یہی بات ابن قیم نے بھی "کتاب الصلوٰۃ (۴۶) میں کہی ہے۔ انہوں نے یہ بات غالبًا لالکائی پر اعتماد کرتے ہوئے ہی کہی ہے۔

۱۳۹۔ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْکُہٗ کُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوۃِ۔ (رواہ الترمذی)

"عبداللہ بن شقیق روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اعمال میں سے کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں دیکھتے تھے۔ سوائے (ترک) نماز کے"! (ترمذی)

معلوم ہُوا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سوائے ترکِ نماز کے کسی اور عمل کے ترک کو کفر نہ جانتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک نماز کا چھوڑنا کفر کے برابر گناہ تھا۔

---

۱۳۹ — یہ اثر صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۲۶۲۲) مروزی نے "صلاۃ" (۲/۹۰۴-۹۰۵) میں اور اسی طرح ابن ابی شیبہ نے بھی "ایمان" (۱۳۷) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ اس میں اگرچہ سعید جریری ہیں۔ جن کا وفات سے تین سال قبل حافظہ بگڑ گیا تھا۔ مگر ابن ابی شیبہ کے یہاں ان سے اس اثر کو عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ نے روایت کیا ہے اور انہوں نے جریری سے ان کی وفات سے آٹھ سال قبل احادیث سنی ہیں۔

ایک راوی نے اس اثر کو اسی سند سے عبداللہ بن شقیق سے آگے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس طرح سے یہ اثر "مستدرک حاکم" (۱/۷) میں ہے۔ حاکم نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے "تلخیص مستدرک" (۱/۶) میں اس کی سند کو صالح کہا ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے نزدیک کونسا عمل تھا۔ جو کہ کفر اور ایمان میں فرق کرتا تھا۔؟

انہوں نے فرمایا: نماز۔

اس اثر کو لالکائی نے "شرح الأصول" (۴/۸۲۹) میں بسندِ حسن روایت کیا ہے۔

اور ابوالزبیر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ لوگ گناہ کو کفر تصور کرتے تھے۔

انہوں نے جواب دیا نہیں۔ بندے اور کفر کے درمیان فرق صرف ترکِ نماز ہے۔

اس کو بھی لالکائی نے اور اسی طرح مروزی نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ترجمہ لالکائی کے الفاظ کا ہے۔

اس اثر کی جابر رضی اللہ عنہ سے سند صحیح ہے۔

۱۴۰۔ حضرت ابی درداء رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ابن ماجہ میں آئی ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ۔"

"یعنی جو کوئی چھوڑ دے نماز کو عمداً۔ پس تحقیق بری ہوا اس سے ذمہ۔"

مطلب یہ کہ تارک نماز سے اسلام کا عہد جو اس کو قتل اور تعزیر وغیرہ سے امن میں رکھنے کا ضامن تھا۔ بوجہ ترکِ نماز جاتا رہا۔ اور اب وہ اسلام کی ذمہ داری ختم ہونے کے سبب اسلام کی تلوار سے مامون نہیں ہوسکتا۔ مسلمان بھائیو! خدارا غور کرو۔ نماز کا ترک کتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بے نماز سے اسلام بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے اپنا تعلق واسطہ اور ذمہ داری ختم کر دیتا ہے۔ کاش مسلمان نماز کی اہمیت کو سمجھیں۔

فرعون کے ساتھ حشر

۱۴۱۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔

(رواہ احمد والدارمی والبیہقی)

۱۴۰۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۴۰۳۴) "الفتن" باب "الصبر علی البلاء"۔ اسی طرح بخاری نے "ادب مفرد" (۱۸) میں مروزی نے "صلاۃ" (۲/۸۸۵) میں لالکائی نے "شرح الاصول" (۴/۸۲۳) میں اور خطیب نے "موضح" (۱/۱۱۸) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند شہر بن حوشب کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔ علامہ ذہبی نے "دیوان الضعفاء" میں اور حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں ایک مقام پر کہا ہے کہ اس کی حدیث حسن درجہ کی ہے۔

مگر اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں، جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔ ان شواہد کو "صلاۃ مروزی" (۲/۸۸۵ - ۸۹۱/۹۱۲ - ۹۱۴، ۹۱۶ - ۹۱۷، ۹۲۰ - ۹۲۱) اور "ترغیب وترہیب" (۱/۳۸۲ - ۳۸۵/۱۲ - ۱۳، ۱۵، ۱۸، ۱۹) میں دیکھیں۔

۱۴۱۔ حسن درجے کی ہے۔

"جو کوئی نماز پر محافظت نہیں کرتا۔ (یعنی مداومت نہیں کرتا، ہمیشہ نہیں پڑھتا، نماز کے فرائض، واجبات اور سنتیں پوری طرح ادا نہیں کرتا۔ تو ایسی غیر مستقل اور بے قاعدہ نماز) نہ ہوگی واسطے اس کے نور، اور نہ (ایمان کی) دلیل اور نہ بخشش (کا سبب) اور قیامت کے دن ہوگا وہ (عذاب[1] میں) ساتھ قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے۔"

مسلمان بھائیو! اور بہنو! غور کرو کہ یہ حال اس شخص کا ہوگا جو پوری پانچ نمازیں نہیں پڑھتا۔ یا کبھی پڑھتا ہے اور کبھی چھوڑ دیتا ہے اور نماز کے رکوع وسجود اور قومے جلسے کو اطمینان اور آرام سے پورا ادا نہیں کرتا۔ نماز پر محافظت نہ کرنے والے ایسے آدمی کے حشر کے تصور سے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو جو بالکل نماز پڑھتا ہی نہیں ہے۔ اس کا کیا انجام ہوگا۔

پیارے بھائیو! اور بہنو! اس آنی فانی اور ہنگامی دنیا میں بیٹھ نہیں رہنا۔ ایک دن خدا کے حضور پیش ہونا ہے، اس لیے تہیہ کر لو۔ کہ آئندہ کبھی کوئی نماز نہیں چھوڑیں گے، اور اپنی تمام اولاد کو نماز سکھاؤ پڑھاؤ اور اس کا عادی بنا دو۔ اپنی جانوں اور سب بچوں پر کڑی نگرانی رکھو کہ کوئی نماز چھوٹنے نہ پائے کہ یہی مسلمانی کی نشانی ہے۔

---

[1] صحاح کی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ لیکن گناہگار مسلمان بلا توبہ مرے ہوئے سزائے معین کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ (محمد صادق)

۔ اس کو احمد نے "مسند" (۲/۱۶۹) اور "سنہ" (۱۰۷) میں دارمی (۲/۳۰۱-۳۰۲) بیہقی نے "شعب" (۶/۱۱۶) میں اسی طرح اس کو عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۳۵۲) میں طحاوی نے "مشکل الآثار" (۴/۲۲۹) میں ابن حبان (۲۴۵) طبرانی نے "اوسط" (۱۷۸۸) میں آجری نے "شریعہ" (۱۳۵) میں اور مروزی نے بھی "صلاۃ" (۱/۱۳۳-۱۳۴) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند کو حافظ منذری نے "ترغیب وترہیب" (۱/۳۸۶) میں اور ابن عبدالہادی نے "تنقیح التحقیق" (۲/۱۲۶۷) میں جید کہا ہے اور حافظ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کی سند میں عیسی بن ہلال صدفی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو صدوق کہا ہے۔
حافظ ابن حبان کی طرح امام حاکم اور علامہ ذہبی نے بھی اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "ستدرک" (۴/۲۲۳-۲۲۴) حدیث۔ "أمرت بیوم الاضحیٰ عیداً....."

عیال ومال کی بربادی

۱۴۲۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِيْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ۔ (متفق علیہ)

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص کہ فوت ہو جائے اس کی نماز عصر پس گویا کہ لوٹا گیا اہل اس کا اور مال اس کا۔ (بخاری۔ مسلم)

جس طرح مال، جان، بیوی عیال اور گھر بار کی بربادی سے (خدا سب کو محفوظ رکھے) انسان خوف کھاتا ہے نماز عصر کے فوت ہونے سے کہیں اس سے زیادہ ڈرے، رسولِ خدا تو عصر کی ایک نماز کے فوت ہو جانے کو اہل وعیال اور مال ومنال کے لٹ جانے سے تعبیر فرما رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم نے کبھی اس بات کا جائزہ نہیں لیا کہ گھر کے افراد میں سے آج کس نے عصر چھوڑ دی ہے۔

اعمال کی بربادی

۱۴۳۔ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نمازِ عصر چھوڑ دی۔ پس تحقیق باطل ہوئے عمل اس کے۔" (بخاری)

۱۴۲۔ اس کو بخاری (۵۵۲) مسلم (۵/۱۲۵) ابوعوانہ (۱/۳۵۴ - ۳۵۵) ابوداؤد (۴۱۴) ترمذی (۱۷۵) نسائی (۱/۲۵۵) ابن ماجہ (۶۸۵) دارمی (۱/۲۸۰) مالک (۱/۱۱) طیالسی (۱/۷۲) احمد (۲/۸، ۱۳، ۲۷، ۴۸، ۵۴، ۶۴، ۷۵، ۷۶، ۱۰۲، ۱۲۴، ۱۳۴، ۱۴۵) ابن خزیمہ (۳۳۵) ابن حبان (۴/۳۳۱) اور بیہقی (۱/۴۴۴) نے روایت کیا ہے۔

۱۴۳۔ اس کو بخاری (۵۵۳، ۵۹۴) اور نسائی (۱/۲۳۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی مفصل تخریج میں نے دادا رحمہ اللہ کے رسالے "فلاح دارین" کی تخریج میں کی ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کی ایک روایت میں "جس نے نمازِ عصر چھوڑ دی۔ اس کے اعمال برباد ہو گئے کی بجائے" جس نے نماز (مطلق نماز) چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا "ہے۔ مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند اس کے متن پر تفصیل کلام میں نے مذکورہ کتاب میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص ۴۰۔ حدیث ۲۷)۔

مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز چھوڑنے سے بندے پر خدا تعالیٰ کی ناراضگی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے اس دن دوسرے اعمال اور نمازوں وغیرہ کی خوبیوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ رسول خدا کی اس حدیثِ پاک سے نمازِ عصر کی اہمیت بے حد اُجاگر ہو گئی ہے۔ نمازوں کی پابندی اور ان کے قیام کے استقلال و استحکام کے تقاضوں سے قرآن و حدیث کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ طوالت کے خوف سے تاکیدِ نماز کے بیان کو ہم ان ہی چند سطور پر اکتفا کرتے ہوئے گزارش کرتے ہیں کہ قارئین کرام اس بات کا عزم بالجزم کرلیں۔ کہ وہ خدا کی توفیق سے ایمان کی سفید اور پاک چادر پر ترکِ نماز کا سیاہ دھبہ نہ لگنے دیں گے۔

نماز کے فضائل کا بیان

ترکِ نماز سے متعلق کفر و عذاب کی تہدیدی اور تخویفی احادیث تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب قیامِ نماز کی برکتوں، رحمتوں، اور بشارتوں کا عسلِ مصفّٰی بھی نوشِ جان کرلیں۔

۱۴۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوتُ الْخَمْسُ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ۔

(رواہ مسلم)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نمازیں پانچ مٹا دیتی ہیں گناہوں کو جو کہ درمیان ان کے ہوئے ہیں۔ جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا ہو“ (مسلم)

مثلاً فجر کی نماز کے بعد جب ظہر پڑھیں گے تو دونوں نمازوں کے درمیانی زمانے میں جو گناہ، لغزشیں اور خطائیں ہو چکی ہونگی۔ خدائے غفور بخش دے گا۔ اسی طرح رات اور دن کے تمام گناہ سوائے کبائر کے نمازِ پنجگانہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور اس طرح پانچوں نمازوں کی مداومت مسلمانوں کے نامۂ اعمال کو ہر وقت صاف اور سفید رکھتی ہے اور پھر انسان نماز کی برکت سے آہستہ آہستہ صغائر سے باز رہتے ہوئے کبائر کے تصوّر سے ہی کانپ اُٹھے گا۔

۱۴۴۔ اس کو مسلم (۳/۱۱۷۔۱۱۸) ابو عوانہ (۲/۲۰) ترمذی (۲۱۴) طیالسی (۱/۶۲) احمد (۲/۳۵۹، ۴۰۰، ۴۱۴، ۴۸۴) ابن خزیمہ (۳۱۴) ابن حبان (۵/۲۵) اور بیہقی (۲/۴۶۶۔۴۶۷) نے روایت کیا ہے۔

۱۴۵ — حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک اور حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ جس میں رسولِ خدا نے صحابہؓ کو فرمایا، بھلا مجھے بتاؤ؟ اگر تمھارے دروازے کے باہر نہر ہو۔ اور تم ہر روز پانچ بار نہاؤ۔ کیا میل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا نہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔

فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔

"یہ مثال ہے پانچوں نمازوں کی۔ اللہ ان کے سبب سے معاف کرتا ہے۔ گناہوں کو۔"

(متفق علیہ)

۱۴۶ — صحیح مسلم میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ تحقیق میں حد کو پہنچا ہوں پس قائم کر واس کو مجھ پر، حضورؐ نے اس سے حد کا حال دریافت نہ کیا۔ (یعنی یہ نہ پوچھا کہ کونسا گناہ کیا ہے)۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا اور اس شخص نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضورؐ نماز پڑھ چکے، تو وہ شخص کھڑا ہو کر پھر کہنے لگا۔ اے خدا کے رسولؐ! تحقیق میں حد کو پہنچا ہوں۔ (یعنی گناہ کیا ہے)۔ پس قائم کرو مجھ پر حکم اللہ کا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں پڑھی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ أَوْ حَدَّكَ۔ تحقیق اللہ نے بخش دیا واسطے تیرے گناہ تیرا یا حد تیری"۔ خدائے قدوس کی رحمت اور بخشش کتنی وسیع ہے کہ نماز پڑھنے کے سبب خدا نے اس کا گناہ، جسے وہ اپنی سمجھ کے مطابق "حد کو پہنچنا" کہہ رہا تھا۔ معاف کر دیا۔ معلوم ہوا نماز مکفر الذنوب ہے۔

---

۱۴۵ — اس کو بخاری (۵۲۸) مسلم (۵/۱۷۰) ابو عوانہ (۲/۲۰) ترمذی (۲۸۶۸) "امثال" نسائی (۱/۲۲۱) ابن حبان (۵/۱۴) مروزی نے "صلاۃ" (۱/۱۵۴) میں اور بیہقی نے "سنن" (۱/۳۶۱) اور "شعب" (۶/۱۰۱) میں روایت کیا ہے۔

۱۴۶ — اس کو مسلم (۱۷/۸۱) "توبہ" میں اسی طرح بخاری نے بھی (۶۸۲۳) "حدود" میں روایت کیا۔

یہ واقعہ ابو امامہ اور واثلہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

۱۔ حدیث ابو امامہ کو احمد (۵/۲۶۲-۲۶۳، ۲۶۵) مسلم، ابوداؤد (۴۳۸۱) "حدود" ابن خزیمہ (۳۱۱) اور طبرانی (۸/۱۶۳-۱۶۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث واثلہ کو احمد (۳/۴۹۱) اور طبرانی (۲۲/۷۰) نے روایت کیا ہے اس کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔ ابن حبان (۲۵۹) اور طبرانی (۲۲/۲۷) نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس سند سے یہ ابو امامہ سے ہے واثلہ سے نہیں۔ دیکھیں "تحفۃ الاشراف" (۹/۷۷/۴۲، ۱۱) اور ابن حبان (۵/۱۵-۱۶ تحقیق شعیب)۔

عفوِ بندہ نواز

۱۴۷ـ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَآءِ وَالْوَرَقُ یَتَھَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَۃٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِکَ الْوَرَقُ یَتَھَافَتُ فَقَالَ اَبَا ذَرٍّ فَقُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ فَتَھَافَتُ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا یَتَھَافَتُ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ۔ (رواہ احمد)

"حضرت ابی ذرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاڑے کے موسم میں (باہر) نکلے۔ درآنحالیکہ پت جھڑ ہو رہی تھی۔ پھر حضورؐ نے درخت سے دو شاخیں لیں۔ راوی حدیث کہتے ہیں۔ کہ پھر پتے (زیادہ) جھڑنے لگے (جیسے ہلانے سے زیادہ جھڑا کرتے ہیں) پھر حضورؐ نے فرمایا اے ابا ذرؓ! میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ! حاضر ہوں آپؐ نے فرمایا، تحقیق بندہ مُسلمان (جب) پڑھتا ہے نماز (اور صرف) ارادہ کرتا ہے۔ ساتھ اس کے خاص اللہ تعالیٰ (کی رضا) کا، پس گرتے ہیں اس سے گناہ اس کے، جس طرح جھڑتے ہیں یہ پتے (جو حضورؐ نے درخت سے جھاڑ کر دکھائے) اس درخت سے۔" (احمد)

۱۴۸ـ عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے نسائی شریف میں حضور اکرمؐ فرماتے ہیں، پانچ نمازیں ہیں، کہ فرض

۱۴۷ـ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۵/ ۱۷۹) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کو منذری نے "ترغیب" (۱/ ۱۴۸) میں اگرچہ حسن کہا ہے۔ مگر وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں مزاحم بن معاویہ ایک راوی ہے۔ جو مجہول ہے۔ جیسا کہ ابوحاتم نے کہا ہے۔ جب کہ ابن حبان نے حسب عادت اس کو "ثقات" میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "تعجیل المنفعۃ" (۳۹۸)۔

مگر یہ حدیث صحیح اس لیے ہے کہ اس کے متعدد شواہد ہیں جن میں ایک حدیث سلمان رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ جسے ۵/ ۴۳۷، ۴۳۸ - ۴۳۹) اور طبرانی (۶/ ۲۵۰) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

۱۴۸ـ صحیح حدیث ہے۔

اس سیاق سے یہ حدیث "نسائی" میں نہیں بلکہ "ابوداؤد" میں ہے۔

کہ فرض کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے (پھر) جس نے اچھا کیا، (خوب سنوار کر) وضو ان کا۔ اور پڑھا ان کو وقت پر، اور پورا کیا رکوع ان کا اور خشوع ان کا (تو) واسطے اس (نمازی) کے اللہ پر عہد ہے، کہ یہ بخش دے اس کو۔ (یعنی اخلاص سے وقت پر سنت کے مطابق نماز پڑھنے والے کے لیے خدا نے بخشش کا عہد کر رکھا ہے)

۱۴۹۔ عمارہ بن رویبہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا کو فرماتے ہوئے سنا۔ کہ وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہ ہوگا۔ جو آفتاب کے طلوع و غروب سے پہلے نماز پڑھے گا۔ یعنی فجر اور عصر کی۔ (صحیح مسلم)

۱۵۰۔ حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا۔ جو شخص پڑھے نماز عشاء کی جماعت میں (تو اتنا ثواب ہے) گویا آدھی رات تک قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی (تو اتنا ثواب پایا) گویا کہ نماز پڑھی تمام رات (صحیح مسلم)

۔ دیکھیں حدیث (۴۲۵) باب "المحافظة علی وقت الصلاۃ" نسائی (۱/۲۳۰) میں یہ حدیث اسی سیاق سے ہے۔ جس سیاق کا ترجمہ حدیث (۱۴۷) کے مسئلہ کی ابتداء میں ذکر ہوا ہے۔

اسی سیاق سے اس کو مالک (۱/۱۲۳) "صلاۃ اللیل" باب "ماجاء فی فرض الصلوات الخمس ...... ابوداؤد (۱۴۲۰) باب "فیمن لم یوتر" ابن ابی شیبہ (۲/۲۹۶) اور ابن حبان (۲۵۲-۲۵۳) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۴۹۔ اس کو مسلم (۵/۱۳۵) ابوعوانہ (۱/۳۷۶) ابوداؤد (۴۲۷) نسائی (۱/۲۳۵) ابن خزیمہ (۳۱۸-۳۲۰) ابن حبان (۵/۳۱، ۳۴) طبرانی نے "اوسط" (۱۸۵۱) میں بیہقی نے "سنن" (۱/۴۶۶) اور "شعب" (۶/۱۴۵-۱۴۷) میں احمد (۴/۱۳۶، ۲۶۱) اور حمیدی (۶۱-۸۶۲) نے روایت کیا ہے۔

۱۵۰۔ مسلم (۵/۱۵۷) اسی طرح اس کو ابوعوانہ (۲/۴) ابوداؤد (۵۵۵) ترمذی (۲۲۱) ابن خزیمہ (۳/۱۴) ابن حبان (۵/۴۰۷-۴۰۹) بیہقی نے "سنن" (۱/۴۶۳-۴۶۴) اور "شعب" (۶/۴۵-۱۴۷) میں بغوی (۳۸۵) احمد (۱/۵۸) اور عبید بن حمید (۵۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کو طبرانی (۱/۹۲) نے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں ہے کہ عشاء کی نماز با جماعت ادا کرنا۔ تمام رات کے قیام کی مانند ہے اور فجر کی نماز با جماعت ادا کرنے کو تمام دن نوافل پڑھنے کے برابر کہا گیا ہے۔

مگر اس حدیث کو اس طرح سے بیان کرنا غالباً عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی عمرہ کی غلطی یا وہم ہے۔ اس عبداللہ کا حال معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسری تنبیہ: انس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں عشاء کی نماز با جماعت ادا کرنے کا ثواب حج اور عمرہ کرنے کے برابر اور فجر کی نماز با جماعت کا ثواب سورۃ "لیلۃ القدر" پڑھنے کے برابر بیان کیا گیا ہے۔ مگر یہ ———

۱۵۱ ۔ حضرت جندب کسرٰی روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی فَهُوَ فِیْ ذِمَّةِ اللّٰهِ۔ پس وہ اللہ کے ذمہ (عہد و امان) میں ہے۔

(صحیح مسلم)

ــــــــ حدیث من گھڑت ہے۔ اس کو ابن عدی (۳/ ۹۷۸) نے دینار بن عبداللہ مولی انس کی سند سے روایت کیا ہے اور اس نے انس رضی اللہ عنہ سے جھوٹی حدیثیں بیان کی ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حبان نے کہا ہے۔

۱۵۱ ۔ اس کو مسلم (۵/ ۱۵۸) ابو عوانہ (۲/ ۱۱) طیالسی (۱/ ۴۳) طبرانی (۲/ ۱۶۶ - ۱۶۷) بیہقی (۱/ ۴۶۴) اور خطیب نے "موضح" (۲/ ۲۲) میں انس بن سیرین کی سند سے۔

ابن عدی (۲/ ۸۶۰) اور طبرانی نے بھی (۲/ ۱۶۲) ابوالسوار کی سند سے۔

احمد (۴/ ۳۱۲، ۳۱۳) ابویعلی نے "مسند" (۱۵۲۶) اور "مفاریدٗ" (۳۸) میں ترمذی (۲۲۲) ابن حبان (۵/ ۳۶-۳۷) طبرانی (۲/ ۱۵۸-۱۶۰) حکیم ترمذی نے "صلاۃ" (۱/ ۱۷) میں ابونعیم نے "حلیہ" (۳/ ۹۶، ۵/ ۵۲۰) میں خطیب نے "تاریخ بغداد" (۱۱/ ۳۰۴) اور "موضح" (۲/ ۸۹) میں اسی طرح مسلم، ابو عوانہ اور بیہقی نے بھی "سنن" اور "شعب (۲/ ۱۳۸) میں حسن بصری کی سند سے جندب بن عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی حسن بصری والی سند میں کچھ اختلاف ہوا ہے۔ وہ یہ کہ بعض راویوں نے اس کو جندب بن عبداللہ کی بجائے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث جندب بن عبداللہ سے مروی ہے۔ مگر اس مقام پر ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل ہم نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں کی تھی۔ دیکھیں (ص ۱۹۶، حدیث : ۴۶)

سمرہ بن جندب سے یہ حدیث "مسند احمد" (۵/ ۱۰) "ابن ماجہ" (۳۹۴۶) کتاب الفتن، باب "المسلمون فی ذمۃ اللہ" اور "طبرانی کبیر" (۷/ ۲۷۱) میں ہے۔

حدیث جندب رضی اللہ عنہ کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ ان شواہد میں ایک ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث ہے جس کو ترمذی (۲۱۶۴) "الفتن" نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند معدی بن سلیمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابوالشیخ نے "طبقات المحدثین" (۳/ ۳۰) میں اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس طریق میں نماز مغرب کا بھی ذکر ہے مگر یہ سند بھی ضعیف ہے۔ بقیہ شواہد "مجمع الزوائد" (۱/ ۲۰۱-۲۰۲) میں دیکھیں۔

تنبیہ : کتاب میں جندب کسری تھا یعنی کسری چھوٹے کاف سے تھا۔ مگر صحیح "قسری" ہے یعنی بڑے قاف سے ہے قسری کے بارے میں تفصیل کے لیے "شرح مسلم" (۵/ ۱۵۸) دیکھیں۔

کراماً کاتبین کی شہادت

۱۵۲ ـــ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمھارے پاس فرشتے آتے ہیں رات کو۔ اور فرشتے دن کو۔ (یعنی کراماً کاتبین تمھارے اعمال لکھنے اور لے جانے کو) اور جمع ہوتے ہیں (فرشتے آنے والے اور جانے والے) نماز فجر میں۔ اور نماز عصر میں۔ پھر چڑھتے ہیں (آسمان کو) وہ فرشتے کہ رات کو رہے تھے۔ تمھارے پاس۔ پھر ان کا ربّ ان سے پوچھتا ہے، اور وہ خُوب جانتا ہے حال بندوں کا۔ کس طرح چھوڑا تم نے (آتی دفعہ) میرے بندوں کو، پس وہ کہتے ہیں۔ ہم نے ان کو چھوڑا اس حال میں۔ کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔ اور گئے ہم ان کے پاس اس حال میں، کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری و مُسلم)

حضورؐ خیر البشر کی اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتے صبح اور عصر کی نماز کے وقت تبدیل ہوتے ہیں۔ جو فرشتے رات کو رہتے ہیں وہ صبح کی نماز کے وقت آسمان پر چلے جاتے ہیں اور جو صبح کے وقت آتے ہیں وہ عصر کی نماز کے وقت صعود کر جاتے ہیں، اسی طرح آنے اور جانے والے فرشتوں کا میل فجر اور عصر کی نمازوں میں ہوتا ہے۔ جب فرشتے خدا کے حضور جاتے ہیں تو وہ علام الغیوب (انسان کی بزرگی اور فضیلت کا اظہار فرشتوں کی زبان سے کرانے کے لیے) ان سے بندوں کا حال پوچھتا ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم کبھی نماز ترک نہ کریں۔ اور ان وقتوں میں نہایت خضوع و خشوع سے عبادت کا التزام کریں، تاکہ فرشتے خدا کی بارگاہ میں پہنچ کر ہمیں نیکی سے یاد کریں۔

فجر اور عشاء کا ثواب

۱۵۳ ـــ "حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منافقوں پر فجر اور عشاء سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں ہے، اگر جانیں اس ثواب کو جو ان نمازوں میں ہے۔ تو ضرور

---

۱۵۲ ـــ اس کو بخاری (۵۵۵) المواقیت، مُسلم (۵/ ۱۳۳) اسی طرح مالک (۱/ ۱۷۰) ابُوعوانہ (۱/ ۳۷۵) نسائی (۱/ ۲۴۰، ۲۴۱) احمد (۲/ ۲۵۷، ۳۱۲، ۳۴۴، ۴۸۶) ابنِ خزیمہ (۳۲۱، ۳۲۲) ابن حبان (۵/ ۲۹-۳۰، ۴۰۹-۴۱۰) اور بیہقی نے "سنن" (۱/ ۴۶۴-۴۶۵) اور "شعب" (۶/ ۱۳۰) میں روایت کیا ہے۔

۱۵۳ ـــ اس کو بخاری (۶۵۷) مُسلم (۵/ ۱۵۴) ابُوعوانہ (۲/ ۵) ابن ماجہ (۷۹۷) دارمی (۱/ ۲۹۱) ابنِ خزیمہ ←

ان میں پہنچیں۔ اگرچہ چلیں سرین پر" (بخاری مسلم)

سرین پر چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر طاقت اور قوت پاؤں سے چلنے کی نہ ہو۔ تو ان نمازوں کے ثواب اور اجر کی کشش انہیں چوتڑوں کے بل چل کر مسجد میں پہنچنے پر مجبور کر دے۔ یعنی بہر حال ضرور پہنچیں، فجر کی نماز کے لیے چونکہ بستر سے اُٹھنا پڑتا ہے، اور عشاء کی نماز کے وقت کھانے کے بعد نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور کسل و کاہلی کے سبب ان دونوں نمازوں کے چھوٹ جانے کا ڈر ہے۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کے اجر کی عظمت بیان کر کے، ان کے ترک کو نفاق پر محمول فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ عصر کی نماز لوگوں کے انتہائی مصروف اوقات میں واقع ہوئی ہے۔ مستورات کو بھی اس وقت گھروں کے مشاغل میں سر کھجلانے کی فرصت نہیں ہوتی۔ ایسے انتہائی مصروف اوقات میں نمازِ عصر کا بر وقت قیام مردوں اور عورتوں کے ایمان کا امتحان ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نمازِ عصر کو جو آفتاب زرد ہو جانے کے وقت پڑھی جائے۔

۱۵۴۔ مشکوٰۃ شریف میں صلاۃ المنافق فرمایا ہے۔ تو نمازِ عصر اتنی فضیلت والی ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر پیاری تھی کہ جب خندق کے دن کفّار کے حملے اور تیر اندازی کے سبب یہ نماز فوت ہو گئی تو آپؐ کو اس درجہ رنج پہنچا کہ حضورؐ نے کفار سے انتہائی تکلیف پانے پر بھی کبھی بد دُعا نہ کی تھی۔ لیکن نمازِ عصر کی فضیلت کے پیشِ نظر اس کے فوت ہو جانے پر آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

۱۵۵۔ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا (بخاری مسلم)

"باز رکھا کافروں نے ہم کو درمیانی نماز سے۔ کہ وہ نمازِ عصر ہے۔ بھرے اللہ تعالےٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے۔" (متفق علیہ)

(۱۴۸۴) ابن حبان (۵/۵۵۴) بیہقی (۳/۵۵) ابن ابی شیبہ (۱/۳۳۲) اور احمد (۲/۴۲۴) نے روایت کیا ہے۔
اس پر ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث شاہد بھی ہے، جس کو ابُوداؤد (۵۵۴) نسائی (۲/۱۰۴) عبد بن حمید (۱۷۲)
ابن خزیمہ (۱۴۷۶) بیہقی (۳/۶۱) اور احمد (۵/۱۴۰-۱۴۱) نے روایت کیا ہے۔
یہ بھی صحیح حدیث ہے اس کو ابن خزیمہ نے بھی صحیح کہا ہے۔

۱۵۴۔ اس حدیث کی تخریج (۶) میں گزر چکی ہے۔

۱۵۵۔ اس کو بخاری (۲۹۳۱) "الجہاد" باب "الدعاء علی المشرکین بالہزیمۃ والزلزلۃ" مُسلم (۵/۱۲۷-۱۲۸) اسی طرح ابوعوانہ (۱/۳۵۵-۳۵۶) اور ابوداؤد (۴۰۹) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

نمازی اور شہید کا داخلہ بہشت

نماز کی بزرگی اور فضیلت سے نصوص و اخبار کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ اختصار کے ساتھ ہم کچھ خوبیاں اور بیان کرتے ہیں۔ تاکہ یارانِ تیز گام لیلائے نماز کی طلب میں محمل کو جالیں۔

دربارِ خداوندی کی حاضری، نماز کی بزرگی اور فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ

۱۵۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ایک قبیلہ کے دو شخص ایک ساتھ مسلمان ہوئے، ان میں سے ایک صاحب جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب ایک سال بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ طلحہؓ نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا۔ اس شہید سے (کچھ) پہلے جنت میں داخل ہو گئے، مجھے بڑا تعجب ہوا، کہ شہید کا رتبہ تو بہت بلند ہے۔ اس لیے جنت میں اسے پہلے داخل ہونا چاہیے تھا۔ میں نے خود ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ (یعنی اس تقدیم و تاخیر کی وجہ پوچھی)۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس شخص کا بعد میں انتقال ہوا۔ کیا تم اس شخص کی نیکیاں نہیں دیکھتے، کہ کس قدر زیادہ ہو گئیں۔ ایک رمضان المبارک کے روزے بھی (شہید سے زیادہ) رکھے گئے۔ اور چھ ہزار اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی بھی ایک سال میں زیادہ بڑھ گئیں۔ (رواہ احمد و ابن حبان)

ملاحظہ: اگر ایک سال کے تمام مہینوں کو انتیس دن کے حساب سے شمار کریں۔ اور صرف فرض اور وتر کی بیس رکعتیں پانچوں نمازوں کی گنیں تو چھ ہزار نو سو ساٹھ رکعتیں سال کی ہوئیں۔ اور اگر سنن و نوافل بھی شمار کریں۔ غور فرمائیں، کہ ثواب کہاں تک جا پہنچے گا۔ یہی قصہ ذرا تفصیل سے ابن ماجہ میں بھی آیا ہے۔ ناظرین ملاحظہ کریں۔ کہ کس درجہ ایمان افروز اور نماز کی رغبت دلانے والا ہے۔

---

۱۵۶ ـــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۲/ ۳۳۳) نے ابو سلمہ کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ابو سلمہ سے روایت کرنے والے محمد بن عمرو بن علقمہ کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

منذری نے بھی "ترغیب" (۱/ ۲۴۴) میں اور ہیثمی نے "مجمع" (۱۰/ ۲۰۷) میں اس کو حسن کہا ہے۔

مگر یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ ابو سلمہ سے اس کی دوسری سند بھی ہے۔ نیز اس کے بعض شواہد بھی ہیں۔ جیسا کہ حدیث (۱۵۷) میں تفصیل آ رہی ہے۔

اسی سند سے اس کو بیہقی نے بھی "زہد" (۶۲۲) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کے یہاں ابو ہریرہؓ کی ←

۱۵۷ حضرت طلحہؓ بن عبداللہ جو خواب دیکھنے والے ہیں۔ خود بیان کرتے ہیں۔ کہ دو آدمی ایک ہی قبیلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اکٹھے ہی مسلمان ہوئے۔ ایک صاحب نہایت مستعد اور ہمت والے تھے۔ وہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے، اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا اور وہ دونوں صاحب بھی وہاں ہیں۔ ایک شخص اندر سے آیا۔ اور ان صاحب کو جن کا انتقال ایک سال بعد ہوا تھا، بہشت میں جانے کی اجازت ہو گئی اور جو صاحب شہید ہوئے تھے وہ وہیں کھڑے رہ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اندر سے ایک شخص آیا۔ اور ان شہید صاحب کو بھی اندر جانے کی اجازت ہو گئی۔ اور مجھ (طلحہؓ) سے کہا گیا۔ کہ تیرا ابھی وقت نہیں آیا تم واپس چلے جاؤ۔ ——

(طلحہؓ کہتے ہیں) میں نے صبح لوگوں کو اپنا خواب سنایا۔ سب کو اس بات پر تعجب ہوا۔ کہ شہید کو کیوں بعد میں اجازت ہوئی۔ حالانکہ ان کو پہلے ہونی چاہیئے تھی۔ بالآخر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، بتاؤ! کیا بعد والے شخص نے ایک سال عبادت (زیادہ) نہیں کی۔ اس نے ایک رمضان کے روزے نہیں رکھے۔ اس نے ایک سال کی نمازوں کے اتنے اتنے سجدے زیادہ نہیں کیے؟ سب نے عرض کیا۔ ہاں حضورؐ! تو آپ نے فرمایا۔ پھر تو ان دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا۔

مسلمان بھائیو! اپنی زندگی کو غنیمت جانو۔ اور خوب ذوق شوق، محبت اور اہتمام سے نمازوں کو ادا کرو۔ خبردار! کوئی نماز فوت نہ ہو۔ روزے بھی رکھو۔ اور خوب نیکیاں کر لو کہ زندگی کی گنگا بہہ رہی ہے۔ حدیث مذکور میں آپ نے غور کیا کہ ایک شخص شہید ہو گیا، اور ایک شخص سال کے بعد فوت ہوا۔ چونکہ سال کے بعد فوت ہونے والا اس شہید سے نمازیں زیادہ پڑھ چکا تھا اور دوسری نیکیاں بھی وافر کر چکا تھا۔ اس لیے شہید سے پہلے اسے بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ملی، اس سے آپ نمازوں کی برکتوں اور فضیلتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

—— بجائے طلحہ بن عبیداللہ کا ذکر ہے۔

درحقیقت ابوسلمہؓ نے یہ حدیث ابوہریرہؓ سے سنی ہے۔ طلحہ سے نہیں۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس کو ابن حبان سے بھی منسوب کیا ہے۔ مگر اس میں اس کے بعد میں آنے والی حدیث ہے یہ نہیں۔

۱۵۷—— صحیح حدیث ہے۔

اسے کو ابن ماجہ (۳۹۲۵) "تعبیر الرؤیا" ابن حبان (۲۴۶۶) بیہقی (۳/۳۷۱-۳۷۲) اور طحاوی نے ——

اعمال نامہ دُھلتا ہے

۱۵۸ ــ حضرت ابُو امامہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے۔ تو اللہ تعالیٰ اس دن (نماز پنجگانہ کے سبب) وہ گناہ جو چلنے سے ہُوئے ہوں اور وہ گناہ جو اس کے ہاتھوں نے کیے ہوں اور وہ گناہ جو اس کی آنکھوں سے صادر ہُوئے ہوں اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہُوئے ہوں۔ سب معاف کر دیتا ہے ۔" (مجمع الزوائد)

ملاحظہ۔ آدمی گناہگار ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ اس سے کم از کم صغیرے گناہ سرزد نہ ہوں۔ خطاء و نسیان کے پُتلے کی آنکھوں کانوں، ہاتھوں، پاؤں، اور زبان سے ضرور بھُول چوک اور لغزش ہوتی رہتی ہے۔ پھر

ـــــــ "مشکل الآثار" (۳/۱۰۰) میں ابُو سلمہ کی سند سے طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے۔ کیونکہ علی بن مدینی اور ابن معین کے کہنے کے مطابق ابُوسلمہ کا طلحہ سے سماع نہیں۔ جیسا کہ بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۲/۱۲۷) میں نقل کیا ہے۔

ابُو سلمہ نے یہ حدیث طلحہ سے نہیں بلکہ ابُو ہریرہؓ سے سُنی ہے۔ جیسا کہ حدیث (۱۵۶) میں ذکر ہوا۔ لہٰذا ان دونوں کے درمیان جو واسطہ ہے وہ ابُو ہریرہ ہیں۔ اس لیے اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔

نیز طحاوی نے اس حدیث کو مُوسیٰ بن طلحہ کی سند سے بھی طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور پھر اس کے شواہد بھی ہیں۔ جن کی بناء پر یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ وہ شواہد یہ ہیں۔

۱۔ خالد بن عبید سلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو ابُو داؤد (۲۵۲۴) "الجہاد" باب "النوریری عند قبر الشہید" نسائی (۱/۲۸۴) "الجنائز" باب "الدعاء" احمد (۳/۵۰۰) ابن مبارک نے "مسند" (۷۹) اور "زہد" (۱/۱۳۴) میں طحاوی نے "مشکل الآثار" (۳/۱۰۰-۱۰۱) میں اور بیہقی نے "زہد" (۶۳۳) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

۲۔ سعد وغیرہ رضی اللہ عنہم کی حدیث جس کو احمد (۱/۱۷۷) ابن خزیمہ (۳۱۰) حاکم (۱/۲۰۰) اور بیہقی نے "شعب" (۶/۱۰۶) میں روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

منذری نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ "ترغیب" (۱/۲۴۳)

۱۵۸ ــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۵/۲۶۳) طبرانی نے "معجم کبیر" (۸/۳۱۹) میں اور بیہقی نے "شعب" (۶/۲۷-۳۸) ←

جو شخص سنوار کر وضو کر کے خلوص دل سے مسنون طریق پر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی روزمرہ کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ گویا نمازوں سے ہر روز اعمال نامہ دھلتا رہتا ہے۔ پس خطا کار، اور گناہگار انسان کو ہر روز پانچ دفعہ خدا کے حضور سجدہ ریز رہنا چاہیئے۔

نماز کے لامثال محاسن

نماز کی خوبیوں، اچھائیوں، برکتوں، رحمتوں، اور فائدوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ صحاح ستہ سے ہم اختصار کے ساتھ اس کے مزید محاسن بیان کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام کا ایمان تازہ ہو۔ اور نماز پر مداومت کرنے کا شوق بڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

۱۵۹۔۔ا۔۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے میری اُمت پر نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔

← میں ابو مسلم ثعلبی کی سند سے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۱/ ۳۰۵) میں اس کو طبرانی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں ابو مسلم ثعلبی ہے۔ جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

قلت: ابو مسلم کو بخاری نے "کنی" (۶۸) میں اور ابن ابی حاتم نے "جرح و تعدیل" (۹/ ۴۳۶) میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی "تعجیل المنفعۃ" (۵۱۹) میں اس کو ذکر کیا ہے۔

مگر ان میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی۔ اور اس سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ مجہول ہوا۔

احمد البنا نے "بلوغ الأمانی" (۱/ ۲۴۳) میں اس حدیث کی سند کو جید کہا ہے۔

قلت: اس کی سند کو جید قرار دینے کے لیے ابو مسلم کی ثقاہت کا علم ضروری ہے ورنہ سند ضعیف ہے۔

بہر حال یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے دوسری سندیں بھی ہیں اور شواہد بھی۔

دیکھیں "معجم کبیر" (۸/ ۱۴۵ - ۱۴۸، ۲۹۷، ۳۰۰ - ۳۰۱، ۳۰۶) "ترغیب و ترہیب" (۱/ ۱۵۱، ۱۵۴ - ۱۵۶) اسی طرح اس کتاب کی حدیث (۹۶)

۱۵۹۔۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابو یعلی (۴۱۲/ ۴) اور مروزی نے "صلاۃ" (۱/ ۲۱۸) میں یزید الرقاشی کی سند سے انس رضی اللہ عنہ ←

---- سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند یزید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ طبرانی نے "اوسط" (۱۸۰۰) میں اس کو دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں اس حدیث کا پہلا جملہ نہیں ہے۔ نیز یہ سند بھی ضعیف ہے۔ مگر یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

اس کے پہلے جملے کا شاہد ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کو ابو نعیم نے "حلیہ" (۵/۲۲۳) میں اور حاکم نے "کنی" میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ دیکھیں "ضعیف الجامع" (۲۱۳۵)

اس کے دوسرے جملے کے متعدد شواہد ہیں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ، جس کو ابو داؤد (۴۹۴۴) دارمی (۲/۳۱۳) ابن ماجہ (۱۴۲۶) طبرانی (۲/۵۱) مروزی (۱/۲۱۶) حاکم (۱/۳۶۲ - ۳۶۳) بیہقی نے "سنن" (۲/۳۸۷) اور "شعب" (۶/۵۲۴) میں اور احمد (۴/۱۰۳) نے روایت کیا ہے۔

اس کو دارمی، حاکم، ذہبی، اسی طرح ابن حجر۔ دیکھیں "تحفۃ الاحوذی" (۱/۳۱۹)۔ اور البانی نے بھی "صحیح الجامع" (۱/۲۵۰۷) میں صحیح کہا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے "ایمان" (۱۱۲) میں اور مروزی نے اس کو موقوفاً بھی روایت کیا ہے، بلکہ حماد بن سلمہ کے علاوہ باقی تمام راویوں نے اس کو تمیم داری سے موقوفاً ہی روایت کیا ہے۔ مگر اس سے اس کی صحت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ موقوف ہونے کی صورت میں بھی اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہوگا، کیونکہ اس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔

۲۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،

اس کو احمد (۲/۲۹۰، ۴/۱۰۳) ابن مبارک نے "مسند" (۲۴۴) اور "زہد" میں بھی (۹۱۵) ترمذی (۱۳۱۴) نسائی (۱/۲۳۲ - ۲۳۳) ابو یعلی (۶۲۲۵) ابن عدی (۲/۵۷۱) مروزی (۱/۲۱۰-۲۱۶) ابو الشیخ نے "طبقات" (۲/۲۷۸) میں بیہقی نے "سنن" (۲/۳۸۷) اور "شعب" (۶/۵۳۴-۵۴۴) میں مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۲/۵۰۸) میں اسی طرح ابو داؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

البانی نے اس کو "صحیح الجامع" (۲۵۶۸) میں صحیح کہا ہے۔

۳۔ ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کو احمد (۴/۶۵، ۱۰۳، ۵/۷۲، ۷۷۴) اور مروزی (۱/۲۱۴) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

غالباً یہ نامعلوم صحابی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں، کیونکہ نسائی (۱/۲۳۳-۲۳۴) نے اس کو اسی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۶۰ــ ۲ ــ نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو! نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو! نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو!

ــــــ ۴ - حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ -

اس کو نسائی (۷/۸۳) "تحریر الدم" باب "تعظیم الدم" ابو عاصم نے "اوائل" (۴۴) میں ابو یعلی نے "مسند" (۴۱۴) اور "معجم الشیوخ" (۲۰۶) میں طبرانی نے "کبیر" (۱۰/۲۲۵) میں مروزی نے "صلاۃ" (۱/۲۰۹) میں اور قضاعی نے "مسند الشہاب" (۲۱۳) میں روایت کیا ہے۔ شریک کی وجہ سے اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

تنبیہ: ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے وضو کا حساب ہوگا اور اس کے بعد نماز کا۔

مگر یہ حدیث مُرسل ہے۔ مرسل ہونے کے علاوہ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس کو بیہقی نے "شعب" (۶/۷۲) میں روایت کیا ہے۔

۱۶۰ ــ صحیح حدیث ہے۔

اس سیاق سے اس کو بیہقی نے "شعب" میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

عبد الرؤف مناوی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں بشر بن منصور حناط ہے، جس کو ذہبی نے "متروکین" میں۔ دیکھیں "دیوان الضعفاء والمتروکین" (۱/۱۲۱) مجہول کہا ہے۔ "فیض القدیر" (۱/۱۲۹)۔

قلت: حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۱/۱۰۱) میں اس کو صدوق کہا ہے۔ لہٰذا اس کی سند جید ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی اور علت نہ ہو۔

اس حدیث کی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو اور سندیں بھی ہیں۔ ایک سند سے اس کو ابن عدی (۲/۴۸۴) نے روایت کیا ہے اور یہ زہری کی سند ہے۔ مگر یہ سند ضعیف بلکہ سخت ضعیف ہے۔

دوسری سند سے اس کو نسائی نے "کتاب الوفاۃ" (۱۸-۲۰) میں، ابن ماجہ (۲۶۹۷) "وصایا" احمد (۳/۱۱۷) عبد بن حمید (۱۴۱۲) ابن حبان (۱۲۲۰) مروزی نے "صلاۃ" (۱/۳۲۲) میں ابو الشیخ نے "طبقات" (۲/۲۲۲) میں حاکم (۳/۵۷) اور اصبہانی نے "ترغیب" (۲/۸۱۱) میں روایت کیا ہے۔

ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے اور بوصیری نے ابن ماجہ کی سند کو حسن کہا ہے۔ دیکھیں "مصباح الزجاجہ" (۹۵۵) مگر اس کی تصحیح یا تحسین محل نظر ہے۔ کیونکہ اس کے ایک راوی قتادہ نے اس حدیث کو ایک نامعلوم آدمی کے واسطے سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دیکھیں "کتاب الوفاہ" (۲۰)

قتادہ سے اس حدیث کو سلیمان بن طرخان تیمی نے روایت کیا ہے۔ جب کہ سعید بن ابی عروبہ اور ہمام بن یحییٰ وغیرہ نے تیمی کی مخالفت کی ہے۔ اسی لیے بزار کہتے ہیں۔

←

"میں نہیں جانتا کہ تیمی کی کسی نے متابعت کی ہو، بلکہ دوسرے راوی تو اس کو قتادہ از صالح ابوالخلیل کی سند سے اُم سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو "النکت الظراف" (۱/ ۳۲۰)

قلت: حدیثِ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو نسائی نے "کتاب الوفاۃ" (۱ ۲-۲۴) میں ابن ماجہ (۱۶۲۵) جنائز، احمد (۶/ ۲۹۰، ۳۱۱، ۳۱۵، ۳۲۱) عبد بن حمید (۱۵۴۲) ابُو یعلیٰ (۶۹۲۶، ۶۹۷۹) طبری نے "تہذیب الآثار" (۱۶۶- مسند علی رضی اللہ عنہ) میں طحاوی نے "مشکل الآثار" (۴/ ۲۳۵-۲۳۶) میں طبرانی (۲۳/ ۳۷۹) اور بیہقی نے "آداب" (۶۲) میں روایت کیا ہے۔

بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۵۹۷) میں اس کی سند کو بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، طبری اور البانی نے بھی "ارواء الغلیل" (۷/ ۲۳۸-۲۳۹) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

قلت: اس کی سند صحیح نہیں، بلکہ منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ صالح ابُوخلیل نے اس کو سفینہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور صالح کی سفینہ سے روایت مُرسل ہے۔ جیساکہ حافظ مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۳/ ۹۰) میں اور حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" (۴/ ۳۵۳) میں کہا ہے۔

مگر اس حدیث کے بعض شواہد ہیں جن کی بنا پر یہ صحیح ہے اور وہ شواہد یہ ہیں:

۱۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

اس کو احمد (۱/ ۷۸) بخاری نے "ادب مفرد" (۱۵۸) میں ابُوداؤد (۵۱۵۶) "ادب" باب "حق المملوک" ابن ماجہ (۲۶۹۸) مروزی نے "صلاۃ" (۱/ ۲۳۲) میں طبری نے "تہذیب الآثار" (۱۶۶) میں بیہقی نے "سنن" (۸/ ۱۱) اور "آداب" (۶۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔ بلکہ یہ حدیث مطلق طور پر حسن درجے کی ہے۔ کیونکہ اس کی دو اور سندیں بھی ہیں، اس کو احمد (۱/ ۹۰) نے نعیم بن یزید کی سند سے، اور ابن عدی (۲/ ۶۰۶) نے ابُوسعید عقیصاء کی سند سے بھی علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی ابن عدی والی سند ضعیف ہے اور احمد کی سند بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ نعیم بن یزید مجہول ہے۔ جیساکہ "تقریب" (۲/ ۳۰۶) میں ہے۔ جب کہ احمد شاکر نے اس سند کو حسن کہا ہے۔ اس لیے کہ ان کے کہنے کے مطابق تابعین میں صریح جرح قبول کی جائے گی، اس حدیث کی جو پہلی سند جو کہ اُم مُوسیٰ کی سند ہے۔ اس کو انہوں نے صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۲/ ۵۸۴، ۶۹۲/ ۵۸۵، ۶۹۳)

۲۔ حدیث ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جس کو بزار (۳۲۹) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں بزار کے شیخ عسان اور عسان کے شیخ یوسف بن نافع اگر یہ دونوں ثقہ ہیں، تو اس کی سند جید ہے۔

۱۶۱ـــ ۳ـــ آدمی کے اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل ہے۔

۱۶۲ـــ ۴ـــ نماز دین کا ستون ہے۔

۳۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما، جس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی متروک ہے۔ دیکھیں مجمع الزوائد" (۴/۲۴۰)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ البانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو

"ارواء الغلیل" (۷/۷، ۲۳/ ۲۱۷۸) اور "احادیث صحیحہ" (۸۶۸)

۱۶۱ـــ اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی مفصل تخریج حدیث (۱۲۷) میں ملاحظہ کریں۔

۱۶۲ـــ صحیح حدیث ہے۔

یہ حدیث امیر المومنین عمر بن خطاب، علی ابن ابی طالب، معاذ بن جبل، ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اسی طرح یہ بلال بن یحییٰ سے بھی مروی ہے۔ مگر ان کی روایت مرسل ہے۔

۱۔ حدیث عمر بن خطاب کو بیہقی نے "شعب" (۱/۴/۹۸) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس انقطاع کی صراحت بیہقی نے خود ہی کر دی ہے۔

۲۔ حدیث علی کو اصبہانی نے ترغیب (۲/ ۸۱ا) میں اور دیلمی نے "مسند الفردوس" میں روایت کیا ہے دیکھیں "فردوس"

(۲/۵۶۳) اور "تخریج الکشاف" (۴/۴/۲۷)

اس کی سند حارث اعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تخریج الکشاف" میں اس کو حدیث عمر کے لیے بطور شاہد ذکر کیا ہے۔

۳۔ حدیث معاذ بن جبل کو عبدالرزاق (۱۱/ ۱۹۴) ابن ابی شیبہ نے "ایمان" (۱-۲) میں احمد (۵/۲۳۱-۲۳۷)

عبد بن حمید (۱۱۲) ترمذی (۲۶۱۶) "ایمان" ابن ماجہ (۳۹۷۳) "فتن" طیالسی (۲/ ۲۹) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۷/ ۲۲۶) میں

طبرانی نے "معجم کبیر" (۲۰/ ۳/ ۷۰، ۱۳۰۰، ۱۴۲-۱۴۳، ۱۴۷) میں ابن عدی نے "کامل" (۵/ ۱۸۱۳) میں مروزی نے "صلاۃ" (۱/ ۲۱۹-۲۲۱)

میں حاکم (۲/ ۷۶، ۴۱۲-۴۱۳) اور بیہقی نے "سنن" (۹/۲۰) "شعب" (۲/ ۹۷، ۵۲/۷، ۱۵۵) اور "آداب" (۳۶۷) میں روایت کیا ہے۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مختلف سندوں سے مروی ہے۔

حاکم نے اپنی سند کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے

اسی طرح اس کو ترمذی، ابن قیم نے "کتاب الصلوٰۃ" (۴۷) میں اور البانی نے بھی تحقیق ایمان ابن ابی شیبہ (۱-۲)

میں اور "صحیح الجامع" (۵۰۱۲) میں بھی صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کی ایک سند میں نماز کی بجائے جہاد کو اسلام کا ستون کہا گیا ہے دیکھیں "مسند احمد" ←

۱۶۳ — ۵ — نماز افضلِ جہاد ہے۔

۱۶۴ — ۶ — نماز مومن کا نور ہے۔

۱۶۵ — ۷ — نماز شیطان کا مُنہ کالا کرتی ہے۔

(۲۲۴/۵) اور "حلیۃ الاولیاء" (۱۵۴/۵)۔

مگر شیخ البانی نے کہا ہے کہ یہ ابو بکر (ایک راوی) کی غلطی ہے۔ "ارواء الغلیل" (۱۴۰/۲)

۴۔ حدیثِ ابوہریرہ کو مروزی نے "صلاۃ" میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

۵۔ ابوذر کی حدیث کو بھی مروزی ہی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

۶۔ بلال بن یحییٰ کی مرسل روایت کو شیخ بخاری ابونعیم نے "کتاب الصلوٰۃ" میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۴۷) میں اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

تنبیہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نماز کو اسلام کا جھنڈا کہا گیا ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے

اس کو ابنِ عدی (۱۴۳۷/۴) ابوشیخ نے طبقات (۴۳) میں تمام نے "فوائد" (۲/۴/۱) میں قضاعی (۱۶۵) اور

خطیب نے "تاریخ بغداد" (۱۰۹/۱۱) میں روایت کیا ہے۔

۱۶۳ — یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔

۱۶۴ — ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابویعلیٰ (۳۶۵۵، ۳۶۵۶) ابنِ عدی (۱۸۰۷/۵) مروزی نے "صلاۃ" (۲۰۷/۱) میں تمام نے "فوائد" (۲۷۳/۱)

میں قضاعی نے "مسند الشہاب" (۱۴۴) میں اور خطیب نے "موضح" (۱۴۵/۱-۱۴۶) میں انس رضی اللہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں عیسیٰ بن میسرہ غفاری ہے، جس کی وجہ سے یہ سخت ضعیف ہے۔ اس کو حافظ ابنِ حجر نے "تقریب"

(۱۰۱/۲) میں "متروک" کہا ہے۔

ابن عدی (۲۵۵۴/۷) اور مروزی نے اس کو انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اور

یہ سند واقد بن سلام اور یزید رقاشی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں نماز کو مومن کا نور تو نہیں، بلکہ مطلق طور پر نور کہا گیا ہے۔ اور اس حدیث

کی تخریج (۹۹) میں گزر چکی ہے۔

۱۶۵ — سخت ضعیف ہے۔

←

۱۶۶۔۔ ۸ ۔۔ جب کوئی آفت آسمان سے اُترتی ہے تو مسجد آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے۔

۱۶۷۔۔ ۹ ۔۔ اللہ نے سجدہ کی جگہ کو آگ پر حرام کر دیا ہے۔

۱۶۸۔۔ ۱۰ ۔۔ اللہ تعالیٰ کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ اس کو سجدہ میں پڑا ہوا دیکھے کہ پیشانی زمین پر رگڑ رہا ہے۔

← اس کو دیلمی نے "مسند الفردوس" میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ دیکھیں "فردوس" (۲/۵۶۴)۔
اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن وہب ہے۔ دار قطنی نے ایک روایت میں اس کو متروک اور ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ یہ حدیث گھڑتا تھا اور عمر بن سہل نے اس پر جھوٹ کا الزام لگایا ہے۔

اسی طرح اس کی سند میں ثابت ثمالی ہے۔ ذہبی نے "مغنی" (۱/۱۲۰) میں اس کو سخت ضعیف کہا ہے۔

۱۶۶ ۔۔ ضعیف ہے۔

یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کو ابن عدی (۲/۱۰۸۰) ابو نعیم نے "اخبار اصبہان" (۱/۱۵۹) میں اور بیہقی نے شعب الایمان" (۶/۲۱۰) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند زافر بن سلیمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے اس کو عبداللہ بن ابی صالح نے روایت کیا ہے۔ یہ عبداللہ بن ابی صالح اگر السمان المدنی ہے تو اس سند میں انقطاع بھی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میں اہل زمین کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب اپنے گھروں کو (مراد مسجدیں) آباد کرنے والوں، میری خاطر آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں، اور سحری کے وقت استغفار کرنے والوں کی طرف دیکھتا ہوں تو ان سے پھر جاتا ہوں، پھر جاتا ہوں۔

اس کو بیہقی نے "شعب" (۶/۲۱۰) میں روایت کیا ہے، مگر ان الفاظ سے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

۱۶۷ ۔۔ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل وعریض حدیث میں ہے۔

اس کو بخاری (۸۰۶) "اذان" باب "فضل السجود" مسلم (۲/۲۲) "ایمان" ابو عوانہ (۱/۱۶۰) نسائی (۲/۲۲۹) "افتتاح" ابن ماجہ (۴۳۲۶) "زہد" باب "صفۃ النار" احمد (۲/۲۷۶، ۲۹۳، ۵۳۴) ابن ابی عاصم نے "سنۃ" (۴۷۵) میں اور مروزی نے "صلاۃ" (۱/۲۹۳) میں روایت کیا ہے۔

۱۶۸ ۔۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو طبرانی نے "اوسط" میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ←

۱۶۹ــ ۱۱ــ جب آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اور اس نمازی کے درمیان کے پردے دُور ہو جاتے ہیں۔ جب تک کہ (نمازی) کھانسی وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔

۱۷۰ــ ۱۲ــ نمازی شہنشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ جو دروازہ کھٹکھٹاتا رہے۔ وہ (آخر) کھلتا ہی ہے۔

ــــــ البانی نے "ضعیف الجامع" (۱۶۹۷/۵) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

۱۶۹ ــ یہ ابُو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو طبرانی (۲۹۹/۸) نے روایت کیا ہے۔
اس کی سند میں طریف بن صلت اور حجاج بن عبداللہ ہیں۔ جن کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ مجھے ان کا ترجمہ نہیں ملا۔ "مجمع الزوائد (۲/ ۲۲-۲۳)۔
مجھے بھی اپنے پاس موجود کتب میں ان دونوں کا ترجمہ نہیں ملا۔
اس حدیث کو ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے۔ اسماعیل شامی نے روایت کیا ہے اور یہ بھی قابل غور ہے۔

۱۷۰ــ سخت ضعیف ہے۔
اس کو قضاعی نے "مسند الشہاب" (۱۱۵۰) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔
اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں ایک راوی یحیٰی بن صالح ایلی ہے عقیلی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں منکر ہیں اور یہ عمر بن قیس جیسا ہے۔
عمر بن قیس کے بارے میں امام احمد نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں باطل ہیں۔ دیکھیں " ضعفاء عقیلی "(۱۸۶/۳، ۴۰۹/۴)
یحیٰی بن صالح سے اس حدیث کو یحیٰی بن بکیر نے روایت کیا ہے۔
ذہبی نے یحیٰی بن صالح کے ترجمے میں عقیلی سے نقل کیا ہے کہ اس سے یحیٰی بن بکیر نے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے یہی حدیث ذکر کی ہے۔ میزان الاعتدال (۳۸۶/۴)
یہ مرفوع حدیث تو صحیح نہیں مگر یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔ جو ان سے بسند صحیح ثابت ہے
اس قول کو ابن مبارک نے "زہد" (۲۱) میں عبدالرزاق (۴۷/۳) طبرانی (۹/ ۲۳۱-۲۳۲) اور بیہقی (۴۸۶/۲) نے روایت کیا ہے۔
عبدالرزاق (۱۰/ ۴۴۲) نے یہ قول ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند میں انقطاع ہے۔ نیز اس میں نمازی کا ذکر نہیں۔

۱۷۱ــ ۱۳ــ نماز جنت کی چابی ہے۔

۱۷۲ــ ۱۴ــ نماز کا مرتبہ دین میں ایسا ہے جیسا کہ سر کا مرتبہ بدن پر۔

۱۷۱ــ ضعیف حدیث ہے۔

یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کو احمد (۳/۳۴۰) طیالسی (۱/۴۹) ترمذی (۴) عقیلی (۲/۱۳۷) طبرانی نے "معجم صغیر" (۱/۲۱۴) میں ابن عدی (۳/۱۱۰۷) ابو شیخ نے "طبقات" (۲/۲۹۲) میں مروزی نے "صلاۃ" (۱/۲۰۶) میں ابونعیم نے "اخبار اصبھان" (۱/۱۷۶) میں بیہقی نے "شعب" (۶/۹-۱۰) میں خطیب نے "موضح" (۱/۳۵۲) میں اور اصبہانی نے "ترغیب وترہیب" (۲/۸۰۰) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں سلیمان بن قرم ہے جس کو حافظ نے "تقریب" میں "سیٔ الحفظ" (خراب حافظے والا) کہا ہے۔

نیز اس میں ابویحیٰی قتات ہے۔ جسے حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں "لین الحدیث" (کمزور حدیث والا) کہا ہے، بلکہ "تلخیص" (۱/۲۱۶) میں انہوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔

ذہبی نے "کاشف" میں کہا ہے کہ ابن معین نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں ضعف پایا جاتا ہے اور نسائی نے اس کو غیر قوی کہا ہے۔

البانی نے اس حدیث کو "ضعیف الجامع" (۹۲۷۰) میں ضعیف کہا ہے۔

تنبیہ: یہ حدیث ترمذی کے تمام نسخوں میں نہیں ہے۔ شیخ احمد شاکر نے اس کو شیخ عابد سندھی نزیل مدینہ منورہ کے نسخے کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس اضافے کی صحت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کو حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (ص ۸۰) میں ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "ترمذی" تحقیق احمد شاکر (۱/۱۰)

قلت اس حدیث کو حافظ مزی نے بھی "تحفۃ الاشراف" (۲/۲۶۴/۲۵۷۶) میں ذکر کیا ہے اور ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث (میرے) سماع میں نہیں اور نہ ہی اس کو ابوقاسم (ابن عساکر دمشقی) نے "الاشراف علی معرفۃ الأطراف میں" ذکر کیا ہے۔

۱۷۲ــ سخت ضعیف ہے۔

اس کو طبرانی نے "اوسط" میں۔ دیکھیں "ترغیب" (۱/۲۸۱)۔ اسی طرح "صغیر" (۱/۶۰-۶۱) میں بھی اور قضاعی نے "مسند الشہاب" (۲۶۸) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

محقق "مسند الشہاب" شیخ حمدی عبدالمجید نے کہا ہے کہ اس کی سند میں مندل ضعیف اور حسن بن حسین منکر الحدیث ہے لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

۱۷۳ — ۱۵ — زمین کے جس حصہ پر نماز کے ذریعہ سے اللہ کی یاد کی جاتی ہے وہ حصہ زمین کے دوسرے حصّوں پر فخر کرتا ہے۔

۱۷۴ — ۱۶ — جو شخص تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے، جس کو اللہ تعالٰے اور اس کے فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے تو اس کو آتش جہنم سے نجات کا پروانہ مل جاتا ہے۔

۱۷۵ — ۱۷ — جو پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا ہے۔ اور ان کے رکوع سجدے اور وضوء وغیرہ کو اچھی طرح (سنوار کر) ادا کرے تو جنّت اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے اور دوزخ اس پر حرام۔

---

۱۷۳ — ضعیف حدیث ہے۔

یہ انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حدیث انس کو ابو یعلی (۱۰۱۴) نے اور ابو شیخ نے "عظمة" (۵/۱۲/۱۷۱-۱۲-۱۷۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ اور یزید رقاشی ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

اس کو اسی سند سے ابن مبارک نے بھی "زہد" (۳۳۹) میں روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ انس رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔

حدیث ابن عباس کو طبرانی (۱۱/۱۹۴) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند احمد بن بکر بالسی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے بلکہ ازدی نے تو کہا ہے کہ یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ دیکھیں "میزان" (۱/۸۶)۔

اسی طرح اس کی سند میں محمد بن مصعب قرقسانی ہے۔ اس میں کچھ کمزوری ہے۔

۱۷۴ — یہ من گھڑت روایت ہے اس کو ابن عساکر نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھیں "ضعیف الجامع" (۵۱۲۴)۔

۱۷۵ — اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ حدیث حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کو احمد (۴/۲۶۷) طبرانی (۴/۱۲) حکیم ترمذی نے "صلاۃ" (۴۶-۴۷) میں اور بیہقی نے "شعب" (۲/۱۱۷) میں قتادہ کی سند سے حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند کو اگرچہ منذری نے "ترغیب" (۱/۲۴۷) میں جید کہا ہے۔ مگر یہ سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے سنا نہیں۔ جیسا کہ حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" (۱۱۱) میں کہا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے بھی تقریبًا یہی کچھ کہا ہے دیکھیں "مراسیل" لابن ابی حاتم (۱۶۸)۔

۱۷۶ــ ۱۸ــ سب سے افضل عمل اول وقت پر نماز پڑھنا ہے۔

۱۷۷ــ ۱۹ــ صبح کو جو شخص نماز کو جاتا ہے۔ تو اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے، اور جو شخص (بغیر نماز پڑھے) بازار کو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔

۱۷۸ــ ۲۰ــ نماز ہر متقی کی قربانی ہے۔

۱۷۶ــ صحیح حدیث ہے۔

اس کی تخریج حدیث (۱۹۲) میں آ رہی ہے۔

۱۷۷ــ سخت ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۲۲۳۴) "تجارات" عقیلی (۳/۴۱۸) طبرانی (۶/۲۵۵) نے اور اصبہانی نے "ترغیب" (۲/۸۰۴) میں سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند عبیس بن میمون کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ اس کی احادیث منکر ہیں۔
عقیلی نے اس کے ترجمے میں ایک یہ حدیث اور دو اور حدیثیں روایت کرنے کے بعد عبداللہ بن احمد سے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ تمام حدیثیں منکر ہیں۔

عبیس کے بارے میں تفصیل کے لیے "تہذیب التہذیب" (۷/۸۱-۸۲)۔ ترجمہ عبیدہ بن میمون) دیکھیں۔

تنبیہ: ایمان کے جھنڈے کا ذکر صرف ابن ماجہ میں ہے۔ جبکہ عقیلی، طبرانی اور اصبہانی کے یہاں اس کی بجائے یہ ہے کہ اس شخص کو چوتھائی ایمان عطا کر دیا جاتا ہے۔

۱۷۸ــ ضعیف ہے۔

اس کو قضاعی نے "مسند الشہاب" (۲۶۵) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

البانی نے اس حدیث کو "ضعیف الجامع" (۳/۷۵) میں ذکر کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نماز مؤمن کی قربانی ہے۔ اس کو ابن عدی (۵/۱۸۵۸-۱۸۵۹) اور ان سے سہمی نے "تاریخ جرجان" (۳۰۲) میں روایت کیا ہے۔

مگر اس کی سند علی بن ابراہیم بصری کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، ابن عدی نے کہا ہے کہ اس نے ثقہ راویوں سے باطل روایات بیان کی ہیں۔

ذہبی نے "مغنی" (۲/۴۴۲) اور "دیوان" (۲/۱۶۷) میں اس کو متہم کہا ہے۔ ←

ـــــــ ابنِ عدی نے اس کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ اس سند اور لفظ سے باطل ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی مراد یہ حدیث "الصلاۃ نور المومن" (نماز مومن کا نور ہے) تھی مگر اس سے غلطی ہوگئی یا کہ جان بوجھ کر اس نے یہ سند اور متن بنالیا۔

ذہبی نے "میزان" (۳/۱۱۱) میں اس کو موضوع کہا ہے۔

جہاں تک نماز کے باعثِ تقرب الٰہی ہونے کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"یا کعب بن عجرہ الصلاۃ قربان۔"

"اے کعب بن عجرہ، نماز، قربانی (تقرب الٰہی کا سبب) ہے۔

اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے اور اسی طرح جابر رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

حدیث کعب کو ابن حبان (۱۶۲۔ موارد) طبرانی نے "کبیر" (۱۹/۱۰۵۔۱۰۶۔۱۳۵۔۱۳۶، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۶۲) اور "صغیر" (۱/۲۲۴۔۲۲۵) میں اسی طرح ترمذی (۶۱۴۔۶۱۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کی کعب بن عجرہ سے چار پانچ سندیں ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اس کی اکثر سندوں میں "الصلاۃ قربان" کی بجائے "الصلاۃ برہان" (نماز دلیل ہے) ہے۔ چنانچہ ترمذی، طبرانی صغیر اور کبیر کی بھی اکثر روایات میں یہی الفاظ ہیں۔

طبرانی کبیر کی ایک روایت میں "الصلاۃ نور" (نماز نور ہے) کے بھی الفاظ ہیں۔ مگر یہ ایک ہی سند میں ہیں۔ جب کہ اکثر اسانید میں "الصلاۃ برہان" ہی ہے۔

حدیثِ جابر کو عبدالرزاق (۱۱/۳۴۵۔۳۴۶) احمد (۳/۳۲۱، ۳۹۹) بزار (۱۶۰۹) ابویعلیٰ (۱۹۹۹) ابن حبان (۵/۹۔ تحقیق شعیب)

حاکم (۴/۱۲۷، ۴۲۲) اور قضاعی نے "مسند الشہاب" (۱۰۵) میں عبدالرحمٰن بن سابط کی سند سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن حبان، حاکم، ذہبی اور شعیب نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن سابط کا جابر سے سماع نہیں۔ جیسا کہ ابن معین نے کہا ہے۔ ان کا یہ قول ذہبی نے بھی "کاشف" (۲/۱۴۶۔۱۴۷) میں نقل کیا ہے۔

۱۷۹۔۔۔ ۲۱ ۔۔۔ جب آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو رحمت الٰہی اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں بھی حدیث کعب کی طرح لفظ "قربان" اور "برہان" میں اختلاف ہے۔

بعض راویوں نے لفظ "قربان" اور بعض نے لفظ "برہان" ذکر کیا ہے اور معمر کی روایت میں "قربان" یا "برہان" اس طرح شک کے ساتھ ہے اور یہ روایت "مصنف عبدالرزاق" "مسند احمد (۳/ ۳۲۱) اور "مستدرک حاکم" کی ہے۔

مگر اس حدیث میں لفظ "برہان" ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کعب بن عجرہ کی حدیث کے اکثر طرق میں یہی لفظ ہے۔

نیز یہ حدیث عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں کعب بن عجرہ سے کہی ہیں۔ اس حدیث میں آپ نے وہی باتیں عبدالرحمٰن بن سمرہ سے بھی کہی ہیں۔

ان کی حدیث کو حاکم (۴/ ۱۲۶) نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ مگر اس کی تصحیح محل نظر ہے۔ لیکن شواہد میں اسے ذکر کیا جا سکتا ہے۔

مروزی نے "صلاۃ" (۱/ ۱۸۵) میں نماز کی فضیلت اور آداب سے متعلق ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ایک طویل قول روایت کیا ہے۔ جس کی ابتداء میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

"الصلاۃ قربان" نماز قربانی (تقرب الٰہی کا باعث) ہے۔"

محقق کتاب ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے کہا ہے کہ ابن ھبیرہ کا اگر ابوہریرہ سے سماع ہے تو اس کی سند صحیح ہے..."

۱۷۹۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۹۴۵) ترمذی (۳۷۹) نسائی (۲/ ۶) ابن ماجہ (۱۰۲۷) دارمی (۱/ ۳۲۲) ابن جارود (۲۱۹) ابن خزیمہ (۹۱۳-۹۱۴) ابن حبان (۴۸۱-۴۸۲) بیہقی (۲/ ۲۸۴) عبدالرزاق (۲/ ۳۸) عبداللہ بن مبارک نے "مسند" (۵۴) اور "زہد" (۱۸۵) میں احمد (۵/ ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹) حمیدی (۱۲۸) اور ابن حزم (۴/ ۹۵) نے زہری کی سند سے اور زہری نے ابوالاحوص کے واسطے سے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو اگرچہ ترمذی نے "حسن"، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن حجر نے "بلوغ المرام" (۴۵) میں اور احمد شاکر نے "تحقیق ترمذی" (۲/ ۲۱۹، ۲۲۰) میں صحیح کہا ہے۔

اور نووی نے "مجموع" (۴/ ۹۸) میں اس کی سند کو جید کہا ہے۔

مگر اس حدیث کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ ابوالاحوص سے صرف زہری ہی نے روایت کی ہے۔ اسی لیے ابن قطان نے کہا ہے کہ اس کا حال معلوم نہیں۔ ←

ـــــــــ ذہبی نے "میزان" (۴/ ۴۸۷) "دیوان" (۲/ ۴۷۹) اور "مغنی" (۲/ ۷۶۸) میں یہ کہہ کر کہ "اس سے زہری کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کی۔ یہ اشارہ دیا ہے کہ یہ مجہول ہے۔

اسی طرح امام نووی نے بھی "مجموع" (۴/ ۹۶) میں اس کی ایک دوسری حدیث کے بارے میں کہا ہے۔ "فیه رجل فیه جهالة) اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے۔ جس میں جہالت ہے (یعنی اس کا حال معلوم نہیں)۔

اس کے بعد انہوں نے (ص ۹۸) میں جو اس کی سند کو جید کہا ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے۔ جس کا علماء نے حال بیان نہیں کیا۔

ذہبی نے "مغنی" میں مذکورہ قول کے بعد یہ بھی کہا ہے۔ "وثق" اس کی توثیق کی گئی ہے۔

اور ابن حجر نے "تقریب" میں اس کو مقبول کہا ہے۔ یعنی جب کوئی دوسرا راوی اس کی متابعت کرے تو اس کی حدیث مقبول ہے۔

ذہبی اور ابن حجر یہ کلمہ عام طور پر اس راوی کے بارے میں کہتے ہیں، جس سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہو اور اس کی ابن حبان یا عجلی نے توثیق کی ہو۔

ابن حبان نے اس کو "ثقات" (۵/ ۵۶۴) میں ذکر کیا ہے اور ان کا رواۃ کی توثیق کے بارے میں جو منہج ہے۔ محققین علماء اس سے متفق نہیں ہیں۔

ابوالاحوص نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں روایت کی ہیں، ایک یہ حدیث اور دوسری حدیث وہ ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ جب تک وہ نماز میں ادھر اُدھر نہ جھانکے۔ لیکن اگر وہ ادھر اُدھر جھانکے تو اللہ تعالیٰ اس سے توجہ ہٹا لیتے ہیں۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۹۰۹) نسائی (۲/ ۸) اور حاکم (۱/ ۲۳۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ زہری نے اس کی توثیق کی ہے اور اس سے روایت کی ہے، زہری اور سعد بن ابراہیم کے درمیان اس کے بارے میں مناظرہ بھی ہوا

حاکم نے جو کچھ کہا ہے اس پر ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

قلت: حاکم نے جس مناظرہ کا ذکر کیا ہے اس کا تذکرہ حمیدی نے "مسند" میں کیا ہے۔ جو یوں ہے۔

سفیان کہتے ہیں کہ زہری نے جب یہ حدیث (کتاب میں مذکور حدیث) بیان کی ان سے سعد بن ابراہیم نے غصّے میں کہا کہ یہ ابوالاحوص کون ہے۔ کیونکہ انہوں نے ایسے مجہول راوی سے روایت کی جسے سعد نہیں جانتے تھے تو زہری نے جواباً کہا کہ اس شیخ کو آپ نہیں جانتے یہ بنی غفار کا آزاد کردہ غلام ہے جو "روضہ" میں نماز پڑھایا کرتا تھا۔ ـــــــــ

۱۸۰ ـــ ۲۰۲ ـــ میرے پاس (حضورؐ فرماتے ہیں) جبریل علیہ السلام آئے۔ اور کہنے لگے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ کتنا ہی آپ زندہ رہیں۔ آخر ایک دن مرنا ہے، اور جس سے چاہیں کتنی ہی محبت کریں۔ آخر ایک دن جدا ہو جانا ہے۔ اور آپ جیسا بھی عمل کریں اس کا بدلہ ضرور ملنا ہے۔ اور یاد رکھیں) اس میں کوئی تردد نہیں۔ کہ مومن کی شرافت تہجد کی نماز میں ہے۔ اور مومن کی عزت لوگوں سے استغنا میں ہے۔

← انہوں نے مزید اس کا تعارف کروایا۔ مگر سعد نے اسے نہ پہچانا۔

یہ قصہ ہے جس سے دلیل نہیں لی جا سکتی کہ زہری نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کے پیشِ نظر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زہری اس کی ذات سے تھوڑے بہت واقف تھے۔

ابو اُحوص کی جو دوسری حدیث ہے۔ جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اس میں زہری نے اس کو ابو احوص سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس نے یہ حدیث سعید بن مسیب کی مجلس میں بیان کی اور سعید بن مسیب موجود تھے۔

ابن قطان کہتے ہیں کہ زہری کے اس قول سے اس کی توثیق نہیں ہوتی۔ دیکھیں "میزان" (۴/۸۷)

ایک طرف تو ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ جب کہ دوسری طرف ابُو احمد حاکم نے کہا ہے کہ یہ ان کے (محدثین کے) نزدیک متین نہیں، اور ابن معین نے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ نسائی نے کہا ہے کہ ہم اس کو نہیں جانتے۔

یہ اُقوال ذہبی نے "میزان" میں اور ابن حجر نے "تہذیب" میں نقل کیے ہیں۔

ذہبی نے "مغنی" اور "کاشف" (۳/۲۶۹-۲۷۰) میں بھی ابن معین کا قول ذکر کیا ہے اور "کاشف" میں اس کے بعد نسائی کا قول بھی نقل کیا ہے۔

معلوم نہیں کہ انہوں نے "معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم بما لا یوجب الرد" میں ابواحوص کو کس بنا پر ذکر کیا ہے دیکھیں ترجمہ (۳۸۷)۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس میں انہوں نے ابن معین ہی کا قول نقل کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہی۔

حاصل کلام یہ کہ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ البانی نے بھی "ارواء الغلیل" (۲/۹۸) میں اس کو ضعیف کہا ہے اور منذری نے بھی "مختصر السنن" (۱/۴۴۳-۴۴۴ ایضاً ۴۲۹) میں ابواحوص کی وجہ سے اس کی سند میں کلام کیا ہے۔

نیز بعض دوسرے راویوں نے اس حدیث کو ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ابواحوص کی متن میں مخالفت کی ہے۔ اس کی تفصیل "ارواء الغلیل" میں دیکھی جائے۔

۱۸۰ ـــ حسن درجے کی حدیث ہے۔ ـــــــ ۲

۱۸۱ــــ ۲۳ــــ تہجد صالحین کا داب (طریقہ) ہے۔ اللہ کے قرب کا سبب اور خطاؤں کا کفارہ ہے۔

۱۸۲ــــ ۲۴ــــ خدا کا ارشاد ہے۔ (حدیث قدسی میں) اے آدم کی اولاد۔ تو دن کے شروع میں چار رکعتوں (اشراق) سے عاجز نہ بن، میں تمام دن تیرے کام کے لیے کافی رہوں گا۔

(انتخاب از کتب صحاح)

۱۸۳ــــ ۲۵ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں اپنے پروردگار بابرکت اور بلند

ــــــــ یہ سہل بن سعد، جابر اور علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

۱۔ حدیث سہل کو طبرانی نے "اُوسط" میں۔ ترغیب وترہیب (۱/۲۳۱)۔ حاکم (۴/۳۲۴-۳۲۵) سہمی نے "تاریخ جرجان" (۱۰۲) میں قضاعی نے "مسندِ شہاب" (۱۵۱) میں خطیب نے "تاریخ بغداد" (۴/۱۰) میں اور ابن جوزی نے "موضوعات" (۲/۱۰۸) میں روایت کیا ہے۔

اسس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح، منذری نے "ترغیب" میں اور عراقی نے "الرد علی الصغانی" میں۔ یہ رسالہ "مسند شہاب" کے آخر میں (۲/۳۵) دیکھیں۔ حسن کہا ہے۔

۲۔ حدیثِ جابر کو طیالسی (۲/۵۲) اور ان سے ابو الشیخ نے "طبقات" (۲/۲۶۲) میں روایت کیا ہے۔
اس کی سند حسن بن ابی جعفر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث علی کو طبرانی نے "صغیر" (۱/۲۵۱) میں روایت کیا ہے۔
شیخ البانی نے کہا ہے کہ ان سب حدیثوں کو ملانے سے یہ حسن درجہ کی حدیث ہے "احادیث صحیحہ" (۵۱۸)۔
صنعانی نے اسس حدیث کو "موضوعات" (۱۰۴) میں ذکر کیا ہے۔ مگر عراقی نے ان کا رد کیا ہے۔
عقیلی (۲/۳۷-۳۸) اصبہانی نے "ترغیب وترہیب" (۲/۸۲) میں اور ابن جوزی (۲/۱۰۷-۱۰۸) نے اس حدیث کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند میں داؤد بن عثمان ہے، جس نے اوزاعی وغیرہ سے باطل روایتیں بیان کی ہیں۔ لیکن "فوائد تمام" (۲/۵) میں ابو منہال جبیش بن عمرو دمشقی نے اسس کی متابعت کی ہے۔

۱۸۱۔ حسن درجہ کی حدیث ہے۔ اسس کی تخریج (۵۲۸) میں آئے گی۔

۱۸۲۔ صحیح حدیث ہے اسس کی تخریج (۶۴۵) میں آئے گی۔

۱۸۳ صحیح حدیث ہے۔
اس کو احمد (۵/۲۴۳) ترمذی (۳۲۳۵) تفسیر باب "سورہ ص" اور طبرانی (۲۰/۱۰۹-۱۱۰، ۱۴۱-۱۴۲) وغیرہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

قدار کو بیچ اچھی صورت کے دیکھا پس کہا اس نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے کہا کہ حاضر ہوں میں اے ربّ میرے! فرمایا پروردگار نے۔ ملاء اعلیٰ (مقرب فرشتے) کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ تین بار اللہ نے یہ پوچھا۔ اور میں نے ہر بار یہی جواب دیا۔ پھر دیکھا، میں نے اللہ کو کہ رکھا اس نے ہاتھ اپنا میرے مونڈھوں کے درمیان۔ یہاں تک کہ پائی میں نے سردی اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی۔ درمیان اپنی چھاتی کے۔ پھر ظاہر ہوئی واسطے میرے ہر چیز اور پہچان لیا میں نے سب کو۔ پھر فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے کہا۔ حاضر ہوں میں۔ اے ربّ میرے۔ فرمایا پروردگار نے۔ کس بات میں جھگڑتے ہیں مقرب فرشتے؟ کہا،

← اسے امام بخاری ترمذی اور ابوحاتم نے صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ اسی طرح ترمذی اور دارمی (۲/۱۲۶) "کتاب تعبیر الرؤیا" میں یہ عبدالرحمٰن بن عائش سے بلا کسی واسطہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے مگر حدیثِ معاذ بن جبل ہی صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے "جامع ترمذی" اور "علل الحدیث" لابن ابی حاتم (۱/۲۰) ملاحظہ فرمائیں۔

تنبیہ: مؤلف علیہ الرحمۃ نے "نماز کے لاثانی محاسن" عنوان کے تحت پچیس احادیث نقل کی ہیں۔ اور ان کو نقل کرنے سے قبل و بعد "صحاح ستہ" کا حوالہ دیا ہے۔ جب کہ ان میں سے تیرہ احادیث ایسی ہیں جو کتب ستہ میں نہیں۔ بلکہ دوسری کتب میں ہیں۔ دیکھیں۔ درج ذیل نمبر۔

۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵ اور ۱۷۸۔

کس قدر افسوس کن امر ہے کہ ان پچیس حدیثوں میں سے پہلی حدیث کا پہلا حصّہ ہی صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا تمام احادیث کے لیے "صحاح ستہ" کا حوالہ دینا قطعاً صحیح نہیں۔ معلوم نہیں مولف رحمہ اللہ سے یہ تساہل کیسے ہو گیا۔ غفر اللہ لہ۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ مؤلف نے ان سب احادیث کو تبلیغی نصاب سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ یہ سب احادیث اس کتاب میں موجود ہیں۔ مگر واضح رہے کہ مولانا زکریا نے ان احادیث کے لیے صحاح ستہ کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ مطلقاً حدیث کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں نماز کے بارے میں بہت ہی تاکید اور بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ تبرکاً چند احادیث کا صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے فضائل نماز کے بارے میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں۔ جن میں سے مؤلف علیہ الرحمہ نے بعض کو حذف کر دیا ہے۔ اور بعض کی ترتیب میں تبدیلی کی ہے واللہ اعلم۔

ملاحظہ ہو تبلیغی نصاب فضائل نماز ص (۲۲-۲۵)

میں نے (اب تیرے جتانے سے معلوم ہو گیا ہے) کہ کفارات میں جھگڑتے ہیں! — فرمایا اللہ نے کیا ہیں وہ؟ کہا میں نے چلنا ساتھ قدموں کے طرف (نماز کی) جماعتوں کے۔ اور بیٹھنا مسجدوں میں پیچھے نمازوں کے۔ اور پورا کرنا وضوء کا وقت کراہت کے۔ (یعنی سردی یا بیماری کے وقت وضوء کرنا جب طبیعت کو ناخوش لگتا ہے) — فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ — کہا میں نے بیچ درجوں کے! — فرمایا اللہ تعالیٰ نے وہ کیا ہیں — کہا میں نے کھانا کھلانے میں اور نرمی کرنی بات میں اور نماز پڑھنی رات میں۔ درحالیکہ لوگ سوتے ہوں — کہا اللہ تعالیٰ نے — دعا کر اپنے لیے جو چاہ! — کہا حضورؐ نے۔ پھر دعا کی میں نے یہ —

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاكِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَ اِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَ اَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ۔

"اے اللہ! تحقیق میں سوال کرتا ہوں تجھ سے نیکیوں کے کرنے کا۔ اور برائیوں کے چھوڑنے کا۔ اور مسکینوں کی دوستی کا۔ اور یہ کہ بخشے تو واسطے میرے، اور رحم کرے مجھ پر۔ اور جس وقت تو ارادہ کرے فتنے کا کسی قوم میں۔ پس مار مجھ کو غیر فتنہ میں، اور مانگتا ہوں میں تجھ سے محبت تیری اور محبت اس شخص کی جو تجھ سے محبت رکھے۔ اور مانگتا ہوں میں محبت اس عمل کی جو قریب کرے مجھ کو طرف تیری محبت کے"

حضورؐ نے فرمایا۔ یہ خواب (میرا) حق ہے۔ پس یاد رکھو اس کو۔ اور سکھاؤ اس کو لوگوں کو۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی۔ احمد)

ملاحظہ:- نماز کی بزرگی اور فضیلت معلوم ہوئی آپ کو؟ یاد رکھیں کہ نماز خدا تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔ فرشتوں کی نہایت پیاری چیز ہے۔ تمام انبیاء کی سنت ہے۔ اس سے نور معرفت پیدا ہوتا ہے۔ دعا قبول ہوتی ہے۔ رزق میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایمان کی جڑ ہے۔ بدن کی راحت ہے۔ دشمن کے مقابلہ میں زبردست ہتھیار ہے۔ قبر کا چراغ، اور اس کی وحشت کو دور کرنے والی ہے۔ نکیرین کے سوال کا جواب یاد دلانے والی ہے۔ قیامت کے دن کی دھوپ اور شدت کی گرمی میں سایہ اور ٹھنڈک ہوگی۔ اندھیرے میں روشنی جہنم کی آڑ۔ ترازوئے اعمال کا بوجھ، اور پل صراط سے گزارنے والی ہے۔ پھر آپ فریضہ نماز کی ادائیگی میں ہرگز کوتاہی نہ کریں۔ خود بھی نماز کی پابند کریں اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کا پابند بنائیں۔ غور کریں کہ خدا تعالیٰ

حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے متعلق قرآن میں یوں حکم دیتے ہیں۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ (طٰہٰ آیت ۱۳۲)

"اے پیغمبرؐ! اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہیئے!"

نماز کے اوقات کا بیان

پانچوں نمازوں کا وقت

۱۸۴۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وقت ظہر کا ہے جب آفتاب ڈھلے۔ اور (رہتا ہے اس وقت تک کہ) ہو سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر، جب تک نہ آئے وقت عصر کا، اور وقت عصر کا ہے جب تک کہ نہ ہو آفتاب زرد۔ اور وقت نماز مغرب کا ہے۔ جب تک کہ نہ غائب ہو شفق، اور وقت نماز عشاء کا ہے، ٹھیک آدھی رات تک اور وقت نماز صبح کا ہے ظہور فجر سے طلوعِ آفتاب تک۔" (صحیح مسلم)

نماز عصر کا وقت

۱۸۵۔ حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ

۱۸۴۔ اس کو مسلم (۵/۱۰۹-۱۱۳) ابو عوانہ (۱/۳۴۹-۳۵۰) ابو داؤد (۳۹۶) نسائی (۱/۲۶۰) ابن خزیمہ (۳۲۶) ابن حبان (۳۳۶/۴) احمد (۲/۲۱۰، ۲۱۳، ۲۲۳) طیالسی (۱/۶۹) ابن حزم (۳/۱۶۶) اور بیہقی (۱/۳۶۵، ۳۶۷، ۳۷۱، ۳۷۴، ۳۷۸) نے روایت کیا ہے۔

۱۸۵۔ مسلم (۵/۱۱۴) اسی طرح اس کو ترمذی (۱۵۲) نسائی (۱/۲۵۰) ابن ماجہ (۶۶۷) ابن خزیمہ (۳۲۳) ←

نَقِيَّةٌ۔ (رواہ مسلم)

یعنی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی نماز عصر درحالیکہ آفتاب تھا بلند سفید صاف (یعنی زرد نہ تھا)

۱۸۶ ـ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ۔ (متفق علیہ)

روایت ہے حضرت انسؓ سے، وہ کہتے ہیں، کہ رسولِ خدا نماز عصر پڑھتے تھے اور آفتاب ہوتا تھا بلند، زندہ، (یعنی روشن بغیر زردی کے)۔

منافق کی نماز

۱۸۷ ـ حضرت انس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ رسول خدا نے فرمایا:

تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔

(رواہ مسلم)

یہ منافق کی نماز عصر ہے۔ (جو اخیر وقت پڑھی جائے) کہ بیٹھ رہتا ہے، انتظار کرتا ہے آفتاب کا۔ یہاں تک کہ جب ہو جاتا ہے، زرد، اور ہوتا ہے درمیان دو سینگوں شیطان کے (یعنی غروب کے وقت) کھڑا ہوتا ہے (نماز کے لیے) پھر ٹھونگیں مارتا ہے چار، نہیں یاد کرتا اس میں اللہ کو مگر تھوڑا۔

ابن حبان (۴/ ۳۶۰، ۳۹۱) دارقطنی (۱/ ۲۶۲-۲۶۳) بیہقی (۱/ ۳۷۱) اور احمد (۵/ ۳۴۹) نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۸۶ـ بخاری (۵۵۰) مسلم (۵/ ۱۲۱-۱۲۲) اسی طرح اسے ابو عوانہ (۱/ ۳۵۱) - ۳۵۲) ابوداؤد (۴۰۴) نسائی، (۱/ ۲۵۲-۲۵۳) ابن ماجہ (۶۸۲) دارمی (۱/ ۲۷۴) ابن حبان (۴/ ۳۸۵ - ۳۸۷) دارقطنی (۱/ ۲۵۴) بیہقی (۱/ ۴۴۰) احمد (۳/ ۱۶۱، ۲۱۴، ۲۱۷، ایضاً ۱۳۱، ۱۶۹، ۱۸۴) طیالسی (۱/ ۷۱) اور ابو یعلیٰ (۳۵۹۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۸۷ـ اس حدیث کی تخریج حدیث (۹) میں دیکھیں۔

گرمی میں ظہر ٹھنڈے وقت

۱۸۸۔ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ۔ (متفق علیہ)

جب گرمی سخت ہو تو نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

ملاحظہ:۔ ٹھنڈے وقت کا یہ مطلب نہیں چار بجادو۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ شدت کی گرمی میں سورج ڈھلتے ہی فوراً نہ پڑھو۔ تھوڑی دیر کرلو۔

۱۸۹۔ اور نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ"۔

یعنی جب سردی ہوتی تو حضورؐ ظہر پڑھنے میں جلدی کرتے۔

نماز اوّل وقت پڑھنے کا بیان

فجر اندھیرے میں

۱۹۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسولِ خدا (جب) نماز صبح پڑھتے تھے۔ پس

۱۸۸۔ انس کو بخاری (۵۳۳-۵۳۴، ۵۳۶) مسلم (۵/۱۱۷) ابوعوانہ (۱/۳۴۶) ابوداؤد (۴۰۲) ترمذی (۱۵۷) نسائی (۱/۲۴۸-۲۴۹) ابن ماجہ (۶۷۷-۶۷۸) دارمی (۱/۲۷۴) احمد (۲/۲۲۹، ۲۳۸، ۲۵۶، ۲۶۶، ۲۸۵، ۳۱۸، ۳۴۸، ۳۹۳، ۳۹۴، ۴۶۲، ۵۰۱، ۵۰۷) ابن جارود (۱۵۶) ابن خزیمہ (۳۲۹) ابن حبان (۴/۲۷۲، ۳۷۴، ۳۷۵-۳۷۸) اور بیہقی (۱/۴۳۷) نے روایت کیا ہے۔

۱۸۹۔ اخرجہ النسائی (۱/۲۴۸) وعنہ الدولابی فی "الکنی" (۱/۱۶۵) واسنادہ صحیح۔

۱۹۰۔ اخرجہ مالک بھذا اللفظ (۱/۵/۴) ومن طریقہ اخرجہ احمد (۶/۱۷۹) والبخاری (۸۶۷) فی الاذان باب ←

پھر تیں عورتیں (مسجد سے آپ کے ساتھ نماز پڑھ کر) اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نہ پہچانی جاتی تھیں، بسبب اندھیرے کے۔ (بخاری و مسلم)

ملاحظہ: معلوم ہوا۔ کہ حضورؐ اندھیرے میں اوّل وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگرچہ نماز کا وقت صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔ لیکن اوّل وقت پر پڑھنا افضل ہے۔ رسولِ خدا نے اپنی تمام زندگی میں وفات تک سب نمازیں ہمیشہ اوّل وقت ہی پر پڑھی ہیں۔ سوائے ایک بار کے، اور وہ جواز کے لیے۔ کہ اگر اتفاقًا نماز کا اوّل وقت جاتا رہے۔ اور آخر وقت آجائے۔ تو پڑھ لی جائے، چھوڑی نہ جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

۱۹۱۔ مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً لِوَقْتِھَا الْاٰخِرِ مَرَّتَیْنِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ (رواہ الترمذی)

"کہ رسول خدا نے نہیں پڑھی کوئی نماز آخر وقت دو بار یہاں تک کہ وفات دی اللہ تعالیٰ نے۔ (یعنی ہمیشہ اوّل وقت ہی پڑھتے رہے۔ اور جواز کے لیے ساری عمر میں ایک بار آخر وقت پڑھی"

بھائیو اور بہنو! غور کرو کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں پانچوں نمازیں اوّل وقت پڑھیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ بستر سے صبح ہمیں سورج جگاتا ہے۔ اور ظہر کی نماز ایسے وقت جا پڑھتے ہیں کہ عصر کا شبہ ہونے لگتا ہے اور آفتاب زرد ہونے کے وقت عصر کی مرغی اور ڈبلی نماز اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ نمازوں کی رکھوالی کے ساتھ ان کے اوقات کی محافظت بھی کریں اور پوری کوشش کریں، کہ نمازیں اوّل وقت ادا ہوں۔

← اسفار الناس قیام الامام مسلم (۵/۱۴۴) وابوعوانہ (۱/۳۷۰) وابوداؤد (۴۲۳) والنسائی (۱/۲۷۱) والترمذی (۱۵۴) وابن حبان (۲۶۶/۴، ۲۶۸) والبیہقی (۱/۴۵۴)

۱۹۱۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۱۷۴) اسی طرح دار قطنی (۱/۲۴۹) حاکم (۱/۱۹۰) اور بیہقی (۱/۴۳۵) نے بھی اسحاق بن عمر کی سند سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

یہ سند منقطع ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے۔ اس انقطاع کی وضاحت کرتے ہوئے امام بیہقی نے کہا ہے کہ اسحٰق بن عمر نے عائشہ کا زمانہ نہیں پایا۔

نیز اسحاق بن عمر کے بارے میں دار قطنی نے "ضعفاء" (۱۰۲) میں یہ کہا ہے۔ ←

۱۹۲۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں رسولِ خدا فرماتے ہیں:

أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الصَّلٰوةُ فِیْ أَوَّلِ وَقْتِهَا۔ (رواہ الترمذی والحاکم وصحاہ واصلہ فی الصحیحین)

کہ افضل عمل نماز کو اس کے اوّل وقت میں پڑھنا ہے۔

← "مجھول یترک" مجہول ہے، اس کو ترک کیا جائے۔

دارقطنی حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو عمرہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اسی طرح شیخ احمد شاکر نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ "تحقیق ترمذی" (۱/ ۳۲۸-۳۲۹)

۱۹۲۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن خزیمہ (۳۲۷) ابن حبان (۲۸۰) طبرانی (۱۰/ ۲۴) حاکم نے "مستدرک" (۱/ ۱۸۸-۱۸۹) اور "علوم الحدیث" میں بھی (۱۳۰-۱۳۱)۔

ابن حزم (۳/ ۱۸۲-۱۸۳) اور بیہقی (۱/ ۴۳۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے اس کو ابن خزیمہ، ابنِ حبان اور احمد شاکر نے "تحقیق ترمذی" (۱/ ۳۲۶-۳۲۷) میں صحیح کہا ہے حاکم نے اس کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اس کو حاکم اور خطیب نے "تاریخ بغداد" (۱۲/ ۶۶) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

عیاض بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

" اپنے رب کے ذکر کو لازم پکڑو اور اوّل وقت میں نماز ادا کرو۔"

اس کو طبرانی (۱۷/ ۳۷۰) نے روایت کیا ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

تنبیہ: حدیث ابن مسعود مذکورہ الفاظ سے ترمذی میں نہیں۔ حافظ صاحب کو "بلوغ المرام" (۲۶۱) میں وہم ہوا ہے۔ کہ انہوں نے اس کو ترمذی کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور مؤلف نے اس حدیث کو "بلوغ المرام" سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ "واصلہ فی الصحیحین" یہ مذکورہ کتاب میں حافظ صاحب کے الفاظ ہیں۔

ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہوں میں روایت کیا ہے اور دونوں مقاموں میں ہی "فی اول وقتھا" کے الفاظ نہیں ہیں پہلے مقام پر "الصلوٰۃ علیٰ مواقیتھا" اور دوسرے مقام پر "الصلاۃ لمیقاتھا" کے الفاظ ہیں۔ یعنی "وقتوں پر نماز ادا کرنا افضل عمل ہے۔"

ملاحظہ ہو کتاب "الصلاۃ" حدیث (۱۷۳)، کتاب "البر والصلۃ" حدیث (۱۸۹۸)۔ ←

۱۹۳۔ ام فروہ سے ایک اور روایت اسی مضمون کی احمد، ترمذی، اور نسائی میں موجود ہے۔ کہ نبی کریمؐ پوچھے گئے کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔
"اَلصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا۔"
یعنی "نماز اوّل وقت پڑھنی"

اماموں کو نماز اوّل وقت پڑھانی چاہیئے

۱۹۴۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتَ

←ان الفاظ سے یا ان سے ملتے جلتے الفاظ سے یہ حدیث بخاری (۵۲۷) "مواقیت" اور مسلم (۲/۴۳-۴۴) "ایمان" وغیرہ میں بھی ہے۔

"واصلہ فی الصحیحین" سے حافظ کی مراد بھی یہی ہے۔ یعنی یہ کہ اصل حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔

حافظ صاحب نے "بلوغ المرام" میں تو اس حدیث کو ترمذی کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ جب کہ انہوں نے "تلخیص" (۱/۱۸۱) میں اس کو حاکم کی طرف، "مختصر ترغیب" (۴۵-۴۶) میں ابن خزیمہ اور ابن حبان کی طرف اور "فتح الباری" (۲/۱۰) میں ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱۹۳۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۶/۴۴۰) ترمذی (۱۷۰) اسی طرح ابوداود (۴۲۶) ابن ابی شیبہ (۱/۳۱۶) عبد بن حمید (۱۵۶۹) حکیم ترمذی نے "صلاۃ" (۱۵۵) میں عقیلی (۳/۴۷۵-۴۷۶) طبرانی نے "کبیر" (۲۵/۸۲-۸۳) اور اوسط (۸۶۴) میں بھی دارقطنی (۱/۲۴۷-۲۴۸) حاکم (۱/۱۸۹-۱۹۰) ابونعیم (۲/۴۳۔ حلیہ) اور بیہقی (۱/۴۳۴) نے روایت کیا ہے اس کی سند مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس اضطراب کی اگر تفصیل مطلوب ہو تو "نصب الرایہ" (۱/۲۴۱) اور "تحقیق ترمذی" (۱/۳۲۳-۳۲۵) دیکھیں۔

واضح رہے کہ یہ حدیث فقط سنداً ضعیف ہے، جہاں تک اس کے متن کا تعلق ہے تو اس کی تائید اس سے پہلے والی حدیث ابن مسعود سے ہوتی ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نسائی کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ مگر یہ نسائی میں نہیں ہے اور نہ ہی مزی نے "تحفۃ الاشراف" (۱۳/۹۵/۱۸۳۴۱) میں اس کو نسائی سے منسوب کیا ہے۔

۱۹۴۔ اس سیاق سے اس کو مسلم (۵/۱۴۷) ابوعوانہ (۱/۳۴۴) ابوداود (۴۳۱) دارمی (۱/۲۷۹) ابن حزم←

إِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أُمَرَاءُ يُمِيتُونَ الصَّلٰوةَ أَوْ يُؤَخِّرُونَ عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَإِنْ أَدْرَكْتَهَا فَصَلِّ فَإِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابی ذرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا نے مجھے فرمایا۔ تیرا کیا حال ہوگا۔ جس وقت ہوں گے تجھ پر امام جو دیر کریں گے نماز کو، یا دیر کریں گے۔ اس کے مختار وقت سے! میں نے کہا۔ آپ مجھے (ایسے حال میں) کیا حکم کرتے ہیں؟ فرمایا! ۔ نماز پڑھ تو اس کے (اول) وقت پر۔ پھر اگر پائے تو اس نماز کو ان کے ساتھ۔ پس پڑھ تو نماز۔ پس تحقیق یہ نماز تیرے لیے نفل ہوگی۔ (مسلم)

۱۹۵۔ ترمذی شریف میں حضرت علیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا۔"

"اے علیؓ تین چیزیں (ایسی) ہیں کہ نہ دیر کرنا ان کو (پہلی) نماز۔ جب کہ آئے وقت اس کا۔ (دوسری) جنازہ جب کہ تیار ہو۔ (تیسری) عورت بن خاوند کے۔ جب کہ پائے تو اس کے لیے کفو"

(۲/۲۶۲) اور بیہقی (۳/۱۲۴) نے روایت کیا ہے۔

مذکورہ سیاق کے علاوہ یہ دوسرے سیاق سے بھی مروی ہے۔ اس سیاق سے اس کو نسائی (۲/۱۱۳) ابن ماجہ (۱۲۵۶) ابن حبان (۴/ ۳۴۶، ۶۲۲، ۶۲۴) طبرانی (۲/۱۵۱) احمد (۵/۱۶۱، ۱۷۱)

اسی طرح مسلم اور ابوعوانہ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کے بعض شواہد بھی ہیں، جن میں ایک حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہے، جس کو ابو داؤد (۴۳۲) ابن حبان (۴/۳۴۵) بیہقی (۳/۱۲۴۔ ۱۲۵) اور احمد (۵/۲۳۱۔ ۲۳۲) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابنِ حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔

۱۹۵۔ ضعیف ہے۔

اس کو ترمذی (۱/۱۷۱) اسی طرح ابن ماجہ (۱۴۸۶) "جنائز" احمد (۱/۱۰۵) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱/۱۷۷) میں حکیم ترمذی نے "صلاۃ" (۱۵۵) میں ابن حبان نے "مجروحین" (۱/۳۲۳) میں حاکم (۲/۱۶۲۔ ۱۶۳) خطیب نے "تاریخ بغداد" (۸/۱۷۰) میں اور مزی نے بھی "تہذیب الکمال" (۲/۵۱۹) میں روایت کیا ہے۔

← واضح رہے کہ ابن ماجہ نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے اس میں صرف جنازے کا ذکر ہے۔
اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی سعید بن عبداللہ جہنی ہے، جس کو ابوحاتم نے "جرح و تعدیل" (۲/۴۷) - ذہبی نے "مغنی" (۱/۲۶۲) میں اور ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۱۰۷) میں مجہول کہا ہے۔
اور ذہبی نے "دیوان" (۱/۲۲۸) میں کہا ہے کہ یہ معروف نہیں۔
اس سے صرف ابن وہب ہی نے روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ مجہول ہی ہے۔ عجلی نے اس کو "تاریخ الثقات" (۱۸۶) میں اور ابن حبان نے "کتاب الثقات" (۸/۲۶۱) میں ذکر کیا ہے۔ مگر یہ دونوں توثیق کے معاملے میں متساہل ہیں۔
تنبیہ: امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
انہوں نے غالباً اس کی تصحیح اس بنا پر کی ہے کہ حاکم کے یہاں سعید بن عبداللہ جہنی کی بجائے سعید بن عبدالرحمن جمحی ہے اور یہ صحیح مسلم وغیرہ کا راوی ہے اور ثقہ ہے۔
مگر حاکم کے یہاں جہنی کی بجائے جمحی کا ہونا غلطی ہے۔ اس لیے کہ دوسری تمام کتب میں سعید بن عبداللہ جہنی ہی ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ حاکم نے اس حدیث کو امام احمد کی سند سے روایت کیا ہے اور "مسند احمد" میں سعید بن عبداللہ جہنی ہی ہے۔
حافظ ابن حجر نے اس غلطی کو امام حاکم کی فحش غلطیوں میں شمار کیا ہے۔
امام حاکم کی طرح حافظ ابن حبان سے بھی یہی غلطی ہوئی ہے انہوں نے سعید بن عبدالرحمن جمحی کو "مجروحین" میں ذکر کیا ہے اور ان پر جرح کرنے کے بعد ان کے ترجمے میں جو بعض احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں مذکورہ حدیث بھی ہے۔ یہ بلاشبہ ان کا وہم ہے۔ اس کتاب میں ان سے اس قسم کے بعض دوسرے وہم بھی ہوئے ہیں۔
مثلاً: حدیث "المدبر من الثلث" کو انہوں نے اس کتاب میں علی بن غراب کے ترجمے میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ جب کہ اس حدیث کو روایت کرنے والا علی بن ظبیان ہے۔ علی بن غراب نہیں۔ اس کے ترجمے سے پہلے انہوں نے علی بن ظبیان کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ مگر اس کے ترجمے میں انہوں نے یہ حدیث ذکر نہیں کی۔
دوسری تنبیہ: عجلونی نے "کشف الخفاء" (۲/۵۱۷، ۸/۱۳) میں اس حدیث کو ابونعیم، ترمذی، امثال عسکری، حاکم اور شیخین کی طرف منسوب کیا ہے۔
مگر شیخین (بخاری و مسلم) کی طرف اس حدیث کو منسوب کرنا وہم ہے۔

۱۹۶۔ حضورؐ نے ابی ذرؓ کو فرمایا۔ تیرا کیا حال ہوگا۔ جب تجھ پر نماز کو دیر سے پڑھانے والے امام مسلط ہوں گے؟ ابی ذرؓ نے کہا۔ آپ ہی فرمائیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ امام اگر اوّل وقت سے نماز کو متاخر کریں۔ تو تم اپنی نماز اکیلے ہی اوّل وقت پڑھ لینا۔ بعد ازاں اگر تجھے ان کے ساتھ جماعت کے شمول کا موقع ملے تو ان کے ساتھ نماز پھر پڑھ لے کہ یہ نفل ہو جائے گی۔ معلوم ہوا۔ کہ اوّل وقت کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

۱۹۷۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خداؐ نے مجھے فرمایا۔

إِنَّهَا سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي أُمَرَآءُ يَشْغَلُهُمْ أَشْيَآءُ عَنِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا حَتّٰى يَذْهَبَ وَقْتُهَا فَصَلُّوا الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُصَلِّي مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

"تحقیق تم پر میرے بعد ہوں گے امام، باز رکھیں گی ان کو چیزیں (نفسانی خواہشات وغیرہ) وقت (اوّل) پر نماز پڑھنے سے، یہاں تک کہ جاتا رہے گا وقت اس کا (اور مکروہ وقت آجائے گا) پس پڑھو نماز اس کے وقت پر (اگرچہ تنہا پڑھنی پڑے۔ لیکن ایسی روش سے کہ مسجد میں فتنہ پیدا نہ ہو)۔ پھر ایک شخص بولا۔ اے خدا کے رسول نماز پڑھوں میں ان کے ساتھ بھی؟ فرمایا۔ ہاں! (تا کہ اجر بھی ملے اور فتنہ بھی نہ اُٹھے)۔"

ملاحظہ:۔ ائمہ مساجد کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کے مطابق وہ نمازیں اوّل وقت پر پڑھا کریں، اس سے خدا خوش ہوگا۔ اور سُنت کی پیروی کے سبب رحمۃ للعالمین حشر میں شفاعت فرمائیں گے۔

نماز کے فوت ہو جانے کا بیان

۱۹۸۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً

۱۹۶۔ یہ حدیث ابھی گزری ہے۔ ملاحظہ ہو نمبر ۱۹۴۔

۱۹۷۔ اس کو ابُو داؤد (۴۳۳) ابن ماجہ (۱۲۵۷) اور ابن ابی شیبہ (۲/۳۸۱) نے روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے "تحقیق مشکاۃ" (۱/۱۹۵) میں اس کو صحیح کہا ہے نمبر ۱۹۴ میں مذکور حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ اس کی شاہد ہے۔

۱۹۸۔ مؤلف رحمہ اللہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کی یہاں دو روایتیں ذکر کی ہیں۔

اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ اِلَّا ذٰلِكَ۔

(متفق علیہ)

"حضرت انسؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُولِ خداؐ نے فرمایا۔ جو شخص بھُول جائے نماز کو۔ یا سو جائے (غافل ہو کر) اس سے پس بدلہ اس کا یہ ہے۔ کہ نماز پڑھے جس وقت کہ یاد آئے وہ، اور ایک روایت میں ہے۔ کہ نہیں بدلہ اس کا مگر یہ (نماز ہی)۔" (بخاری ومسلم)

اس حدیث شریف سے معلوم ہُوا کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھُول جائے۔ اور اس کا وقت گزر جائے، تو جس وقت یاد آئے وہ اسی وقت پُوری نماز پڑھے۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص سو جائے۔ یا صبح جاگ ہی ایسے وقت آئے کہ سُورج نکل چکا ہو۔ اور اس طرح نماز کا وقت بھی گزر گیا ہو، تو جاگنے والے کو اسی وقت پوری نماز پڑھ لینی چاہیئے اور اس پر کسی قسم کی تعزیر۔ یا کفارہ نہیں ہے۔

پہلی روایت: "من نسی صلاۃ أو نام عنها فکفارتها ان یصلیها اذا ذکرها۔"

اس کو مسلم (۵/۱۹۳) ابن ابی شیبہ (۲/۶۳-۶۴) دارمی (۱/۲۸۰) احمد (۳/۱۰۰، ۱۶۷) بحشل واسطی نے "تاریخِ واسط" (۹۵) میں ابن خزیمہ (۹۹۲) ابن جارود (۲۳۹) طحاوی (۱/۴۶۶) ابن حبان (۴/۴۲۲-۴۲۳) اور بیہقی (۲/۲۱۸) نے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ ابن حبان اسی طرح احمد کی ایک روایت میں کفّارہ کا ذکر نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نائم اور ناسی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"کفارتها اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذکرها"

اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ یاد آنے پر اسے (نماز کو) ادا کرے۔

اس کو نسائی (۱/۲۹۴) ابن خزیمہ (۹۹۱) ابُو عوانہ (۱/۳۸۵) اور ابن حزم (۲/۱۴) نے روایت کیا ہے۔

سوال کا ذکر ابنِ ماجہ (۶۹۵) کی ایک روایت میں بھی ہے۔ مگر اس میں کفارہ کا ذکر نہیں مطلق نماز ادا کرنے کا ذکر ہے

دوسری روایت: یہ مکمل روایت اس طرح ہے۔

"من نسی صلوۃ فلیصلها اذا ذکرها لا کفارۃ لها إلا ذلک۔

اس کو بخاری (۵۹۷) مُسلم، ابُوعوانہ (۱/۳۸۵، ۲/۲۵۲) ابوداؤد (۴۴۲) احمد (۳/۲۶۹) ابن خزیمہ (۲) طحاوی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

"لا کفارۃ لها إلّا ذٰلِكَ" ان الفاظ کے بغیر اس کو ترمذی (۱۷۸) نسائی (۱/۲۹۳)

← اور ابن ماجہ (۶۹۶) نے بھی روایت کیا ہے

احمد (۳/ ۲۴۳) اور طحاوی کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ اس حدیث کی ایک تیسری روایت بھی ہے۔ جو یوں ہے۔

تیسری روایت: من نام عن صلوٰة فلیصل إذا استیقظ ومن نسی صلوٰة فلیصل إذا ذکر "

جو شخص نماز سے سو جاتے وہ بیدار ہونے پر ادا کرے اور جو نماز بھول جاتے وہ یاد آنے پر ادا کرے۔

اس کو ابوعوانہ (۱/ ۳۸۵) نے روایت کیا ہے۔

ان الفاظ سے یہ حدیث ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کو ابویعلی (۸۹۵) طبرانی (۲۲/ ۱۰۷) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۱۱-۴۱۲- دار التاج) نے بھی روایت کیا ہے اس کی سند صحیح ہے۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ کے مزید شواہد بھی ہیں، ان شواہد میں ابوہریرہ، ابوقتادہ، ابوبکرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱- حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسلم (۵/ ۱۸۳) ابوعوانہ (۲/ ۲۵۳) ابوداؤد (۴۳۵) نسائی (۱/ ۲۹۵-۲۹۶) اور ابن ماجہ (۶۹۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۲- حدیث ابوقتادہ کو ابوداؤد (۴۳۷) ترمذی (۱۷۷) نسائی (۱/ ۲۹۴) ابن ماجہ (۶۹۸) ابن خزیمہ (۴۱۰، ۹۸۹) اور ابن حزم (۳/ ۱۵، ۲۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح یہ مسلم میں بھی ہے مگر کچھ دوسرے سیاق سے۔

۳- ابوبکرہ کی حدیث کو بزار (۳۹۴) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

۴- حدیث عمران کو طبرانی (۱۸/ ۱۷۹-۱۸۰) نے بسند ضعیف روایت کیا ہے۔

مسئلہ: مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نیند سے بیدار ہونے پر اور یاد آنے پر فوراً نماز کی ادائیگی کی جائے۔

اور حدیث انس میں "کفارتھا ان یصلیھا إذا ذکرھا" یا لا کفارة لھا إلا ذالك" کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں نماز کی ادائیگی کے بعد انسان بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے فوت شدہ نماز کو دوسرے روز اس کے وقت میں دوبارہ بھی پڑھنا ہوگا۔

مثلاً: ایک شخص نماز فجر کے وقت سویا رہا یا بھول گیا تو بیدار ہونے یا یاد آنے پر اس نماز کی ادائیگی تو وہ کریگا مگر اسے دوسرے روز فجر کے وقت اس نماز کو دوبارہ پڑھنا ہوگا۔ ←

اسی طرح کچھ لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کو بیدار ہونے یا یاد آنے پر نماز ادا نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ اس فوت شدہ نماز کے بعد والی جو نماز ہے، اس کے ساتھ اسے ادا کرے۔

ان لوگوں کی دلیل سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کو بزار (۳۹۰) طحاوی (۱/۲۶۵) اور طبرانی (۷/۳۰۶) نے روایت کیا ہے۔

اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیا کرتے تھے کہ جب کوئی نماز سے غافل ہو جائے یا بھول جائے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے تو اسے اس نماز کو اس کے بعد والی نماز کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے

مگر یہ حدیث ضعیف ہے اس میں متعدد راوی مجہول ہیں۔ اسی لیے ابن قطان نے کہا ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی حال معلوم نہیں (یعنی جعفر اس کا شیخ اور اس کے شیخ کا شیخ) حالانکہ محدثین نے ان کا حال معلوم کرنے کے لیے کافی کوشش صرف کی ہے۔ دیکھیں "تہذیب التہذیب" (۲/۸۰۔ ترجمہ جعفر بن سعد بن سمرہ)۔

جنہوں نے کہا ہے کہ فوت شدہ نماز کو دوسرے روز اس کے وقت میں دوبارہ بھی پڑھا جائے، ان کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں۔

۱۔ حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ صبح سو رہے۔ جب سورج طلوع ہوا تو بیدار ہوئے۔ جب نماز فجر ادا کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"فمن ادرك منكم صلاة الغداة من غد صالحا فليقض معها مثلها"

تم میں سے جو شخص اگلے روز نماز فجر تندرستی کی حالت میں پاتے تو اس کے ساتھ اسی جیسی ایک اور نماز فجر قضا کرے۔

اس کو ابوداؤد (۴۳۸) اور بیہقی (۲/۲۱۷) نے روایت کیا ہے۔

مگر اس حدیث میں یہ جملہ راوی کی غلطی سے آگیا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے کہا ہے دیکھیں "فتح الباری" (۲/۱)

شیخ احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس قصہ کو ہم اصحابہ نے روایت کیا ہے اسی طرح ابو قتادہ سے بھی بہت سے راویوں نے اس کو روایت کیا ہے۔ مگر انہوں نے دوسرے دن قضا کا ذکر نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جملہ غلطی ہے "حاشیہ محلی ابن حزم" (۳/۱۹)

اس جملے کے غلط ہونے پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ یہ قصہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۔ ان کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ کہا کہ ہم دوسرے روز بھی اس کی قضا کریں تو آپ نے فرمایا:

"أ ینھاکم اللہ عن الربیٰ و یقبلہ منکم"

اللہ تعالیٰ تم کو تو سُود سے منع کرے اور (خود) تم سے سُود لے"۔

اس کو دارقطنی (۱/ ۳۸۶، ۳۸۷) ابن خزیمہ (۹۹۴) ابن حزم نے "الاحکام فی اصول الاحکام" (۷/ ۱۰۸) میں اور بیہقی (۲/ ۲۱۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں اس کو ابن خزیمہ اور ابن حزم نے "محلی" (۳/ ۲۰۲) میں صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی صحت محلِ نظر ہے۔

مُسلم (۵/ ۱۸۷) نسائی (۱/ ۲۹۵) ابن ماجہ (۶۹۸) ابن خزیمہ (۹۸۹-۴۱۰) دارقطنی (۱/ ۳۸۶) اور بیہقی (۱/ ۲۱۶) میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ فاذا کان الغد فلیصلھا عند وقتھا۔

اور بعض کے یہاں "ولو قتھا من الغد" وغیرہ کے الفاظ بھی ہیں۔

ان کا معنی یہ ہے کہ دوسرے روز وہ اس کو اس کے وقت میں ادا کرے۔

ان الفاظ کے پیشِ نظر بعض عُلماء اس طرف گئے ہیں کہ فوت شدہ نماز کو دوسرے روز بھی اس کے وقت میں دوبارہ پڑھنا چاہیئے۔

اس طرف ابن خزیمہ اور خطابی وغیرہ گئے ہیں۔ مگر انہوں نے اس امر کو وجُوب کی بجائے استحباب پر محمُول کیا ہے۔ دیکھیں "صحیح ابن خزیمہ" (۲/ ۹۶) اور "معالم السنن" (۱/ ۱۳۹) مگر اس لفظ سے یہ حجت لینا غیر واضح ہے۔ بلکہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دوسرے روز اس نماز کو آج کی طرح تاخیر سے نہیں۔ بلکہ وقت پر ادا کرنا چاہیئے محققین علماء نے اس کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ جیسا کہ امام نووی نے "شرح مُسلم" (۵/ ۱۸۷) میں کہا ہے۔

۲۔ ان کی دوسری دلیل ذی مخبر حبشی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز دوسرے روز بھی ادا کی اور فرمایا کہ یہ ہماری کل والی نماز ہے۔

اس حدیث کو طحاوی نے "شرح المعانی" (۱/ ۴۶۴ - ۴۶۵) میں روایت کیا ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ ذی مخبر سے اس کو عباس بن عبدالرحمٰن مولی بنی ہاشم نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں اس کو "مستور" کہا ہے نیز اس میں مسلمہ بن علقمہ بھی ہے جو متکلم فیہ ہے

خلاصہ یہ ہُوا کہ نیند کی وجہ سے یا نسیان کی وجہ سے فوت ہو جانے والی نماز کو نیند سے بیدار ہونے پر یا یاد آنے

ــــــ پر فوراً ادا کرنا چاہیئے اس کی ادائیگی کے لیے اس کے بعد والی نماز کے وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ اور نیند سے بیدار ہونے پر یا یاد آنے پر اسی نماز کو ادا کرلینے کے بعد دوسرے روز اسی نماز کے وقت میں اسے دوبارہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ نہیں پڑھنی چاہیئے کیونکہ اس کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ: دوسرا مسئلہ قضائے عُمری والا ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اس بارے میں جو روایات ہیں وہ من گھڑت ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا، میں نے نماز چھوڑے رکھی۔ آپ نے فرمایا جتنی نمازیں تم نے چھوڑی ہیں ان کی قضا کر۔ اس نے کہا وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے ساتھ ایک اور نماز بھی ادا کرو۔ اس نے کہا پہلے کہ بعد میں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ پہلے۔

اس کو ابن جوزی نے "موضوعات" (۲/ ۱۰۲) میں روایت کیا ہے اور اس کو موضوع کہا ہے۔

۲۔ حدیث ابُوہریرہ میں ہے کہ طائف سے ایک جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہا کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور نمازیں بھی ضائع کیں۔ اب میرا کیا بنے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے توبہ کرلی ہے اور تجھے اپنے کیے ہوئے پر ندامت بھی ہے۔ اب ایسا کرو کہ جمعرات کو آٹھ رکعت نماز ادا کرو۔ ہر رکعت میں ایک مرتبہ فاتحہ اور پچیس بار (قل ھو اللہ أحد) پڑھو اور نماز سے فراغت کے بعد ہزار بار صلی اللہ علی محمد النبی الأمی" کہو۔

یہ تمھاری نمازوں کا کفارہ ہوگا۔ خواہ تم نے دوسو برس کی نمازیں ہی کیوں نہ ترک کی ہوں"

اس کو ابن جوزی (۲/ ۱۲۵۔ ۱۲۶) نے ہی روایت کیا ہے اور اسے بھی من گھڑت کہا ہے۔

۳۔ "نہایہ" وغیرہ میں ایک بے اصل و باطل روایت یُوں بھی ذکر ہُوئی ہے۔

" جو شخص رمضان کے آخری جُمعہ کو کسی فرض نماز کی قضا کرے گا۔ تو یہ ستر برس کی فوت شدہ نمازوں کی کمی کو پورا کردے گی۔ اس روایت کو ملا علی قاری نے "الموضوعات الکبریٰ" (۵۱۹) میں باطل کہا ہے اور مزید یہ بھی کہا ہے کہ یہ اس اجماع کے خلاف ہے کہ عبادات میں سے کوئی عبادت بھی کئی برس کی فوت شدہ عبادت کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔

صاحب "نہایہ" اور باقی شارحین "ہدایہ" کا اس کو اپنی کتب میں ذکر کرنا معتبر نہیں کیونکہ یہ محدث نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے اس کو کسی کتاب کی طرف منسُوب کیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ قضائے عُمری کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے۔ شرعاً اس مسئلے میں جو اصل ملتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔ نفل وغیرہ بکثرت ادا کرے اور دیگر نیکی کے ــــــ

نیند میں سورج نکل آیا پھر فجر پڑھی

۱۹۹۔ حضرت نافع بن زبیرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے اپنے باپ سے سُنا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں فرمایا۔ دیکھو آج رات کون ہماری حفاظت کرے گا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ ہم فجر کی نماز کو نہ جاگیں بلالؓ نے کہا۔ کہ میں خیال رکھوں گا۔ پھر انہوں نے مشرق کی طرف مُنہ کیا۔ (جدھر سے سُورج نکلتا ہے) تو۔ فَضُرِبَ عَلٰی آذَانِھِمْ۔ پس ان سے کان ٹھپک دیئے گئے۔ (یعنی غافل ہو کر سو رہے) پھر جب آفتاب گرم ہوا تو جاگے اور کھڑے ہوئے پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وضوء کرو، پھر بلالؓ نے اذان دی آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں، اور سب لوگوں نے دو رکعتیں (دو سنتیں) پڑھیں، پھر فجر کی نماز پڑھی۔"

(النسائی شریف)

← کاموں میں بھی سبقت لے۔ ملاحظہ ہو (سورۃ مریم آیت ۵۹۔ ۶۰) اور "محلی ابن حزم" (۲/ ۲۳۵)

فائدہ: مذکورہ حدیث انس کی ایک روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں۔

"لا کفارۃ لھا إلا ذلک"

یعنی نماز سے سو رہنے یا اسے بھول جانے کا کفارہ یہ ہے کہ بیدار ہونے پر یا یاد آنے پر اس کو ادا کیا جائے۔

ان الفاظ کے بارے میں علامہ خطابی لکھتے ہیں۔

"اس میں یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، جیسا کہ وہ اس کی طرف سے حج کر سکتا ہے یا قرض وغیرہ ادا کر سکتا ہے" "معالم السنن" (۱/ ۱۴۰)

مجد بن تیمیہؒ "منتقی" میں لکھتے ہیں کہ ان الفاظ میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر کسی نماز کی ادائیگی باقی ہو تو اس کی طرف سے اس نماز کی قضا نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی اس کے عوض میں اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے گا۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"لا کفارۃ لھا إلا ذلک" اس کا صرف یہی کفارہ ہے" نیل الاوطار" (۲/ ۲۷)

۱۹۹ ۔ صحیح حدیث ہے۔

اخرجہ احمد (۴/ ۸۱) والنسائی (۱/ ۲۹۸) وابو یعلی (۷۴۱۰) والطبرانی (۲/ ۱۲۳۔ ۱۲۴) عن نافع بن جبیر بن مطعم عن ابیہ بسند صحیح۔

مؤلف کے ہاں نافع بن زبیر ہے جو صحیح نہیں۔ ←

سفر میں اذان دے کر نماز پڑھنا

۲۰۰۔ عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ تمہارا پروردگار تعجب کرتا ہے بکریاں چرانے والے سے۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر رہ کر اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ دیکھو میرے بندے کو۔ اذان دیتا ہے۔ اور اقامت کہتا ہے۔ واسطے نماز کے۔ ڈرتا ہے مجھ سے۔ میں نے اس کو بخش دیا اور جنّت میں داخل کیا۔

(ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا۔ کہ اگر کوئی شخص سفر میں ہو۔ تو وہ اذان دے کر۔ اقامت کہہ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کو بڑا اجر اور ثواب ہوگا۔

نمازیں مجبورًا فوت ہو جائیں تو کیونکر پڑھیں۔

۲۰۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (غزوۂ احزاب میں) تو ہم روکے گئے ظہر اور عصر، اور مغرب اور عشاء سے۔ (یعنی کافروں نے ہم کو نمازیں پڑھنے

← سفر کا یہ واقعہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ جن میں ابُوقتادہ اور عمران بن حصین بھی ہیں۔

حدیث ابُوقتادہ بخاری (۵۹۵) مواقیت: باب الاذان لبعد ذہاب الوقت، مسلم (۵/۱۸۴) المساجد: باب قضاء الفائتۃ، ابُوعوانہ (۲/۲۵۷) ابُوداؤد (۴۳۷) ابن خزیمۃ (۴۱۰) وغیرہ میں ہے۔

حدیث عمران بن حصین بخاری (۱/۴۴۴۔۴۴۸) کتاب التیمم، مُسلم، ابُوعوانہ، ابوداؤد، ابن خزیمہ (۹۸۷ و ۹۹۷ و ۹۹۴) اور دارقطنی (۱/۳۸۳/۷۔۸ وص ۳۸۵/۱۱ وص ۳۸۷/۱۵۔۱۶) میں ہے، لقبیہ احادیث کے لیے نصب الرایہ (۱/۲۸۱) دیکھیے۔

۲۰۰ اخرجہٗ احمد (۴/۱۴۵، ۱۵۷۔۱۵۸، ۱۵۸) وابُوداؤد (۱۲۰۳) فی الصّلاۃ: باب الاذان فی السفر والنسائی (۲/۲۰) فی "الاذان": الاذان لمن یصلی وحدہ۔ وابن حبان (۲۶۰) والطبرانی (۱۷/۲۰۱۔۲۰۲، ۳۱۰) والبیہقی (۱/۴۰۵) بسند صحیح وصححہ ابن حبان۔

۲۰۱۔ صحیح حدیث ہے۔

اخرجہٗ الطیالسی (۱/۷۶۔۷۷) وابن ابی شیبہ (۱/۴۱۶۔ دارالتاج) واحمد (۱/ ۳۷۵، ۴۲۳) والنسائی (۱/۲۹۷ و ۲/۱۷۔۱۸) فی "المواقیت" و فی "الاذان" والترمذی (۱۷۹) والطبرانی (۱۰/۱۸۵۔۱۸۶) والبیہقی (۱/۴۰۳) ←

کی مہلت نہ دی۔ اور ان نمازوں کا وقت گزر گیا)۔ میرے دل پر یہ امر (نمازوں کا فوت ہونا) بہت سخت گزرا لیکن میں نے اپنے جی میں کہا۔ کہ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں ہیں۔ پھر (جب فرصت ہوئی تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ تو انہوں نے اقامت کہی۔ تو حضور نے ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے اقامت کہی۔ تو حضور نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے اقامت کہی۔ تو حضور نے مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے اقامت کہی۔ تو حضور نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر حضور نے ہماری طرف منہ کر کے فرمایا۔ (اس وقت) روئے زمین پر کوئی جماعت ایسی نہیں ہے۔ جو اللہ کو یاد کرتی ہو سوائے تمہارے۔" (نسائی شریف)

اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا۔ کہ اگر کسی سخت مجبوری کے باعث نمازیں فوت ہو جائیں تو ان سب کو بصورتِ مذکور پڑھ لینا چاہیئے۔ لیکن یاد رکھیں۔ کہ عمداً ایسا نہ کریں۔

← اس کی سند منقطع ہے، ابو یعلیٰ (۲۶۲۸) نے اس کو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے مگر اس سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔ لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس پر ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث شاہد ہے۔

اس حدیث کو نسائی (۲/۱۷) دارمی (۱/۳۵۸)، شافعی نے "اُم" (۱/۲۵) "مسند" (۲۲) اور "سنن ماثورہ" (۱۱۱) میں طیالسی (۱/۷۸) احمد (۳/۲۵، ۴۹، ۶۷، ۶۸) ابو یعلیٰ (۱۲۹۶) ابن خزیمہ (۹۹۶) ابن حبان (۲۸۵) ابنِ حزم (۳/۱۲۴)۔ اور بیہقی (۱/۴۰۲) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابنِ حبان، نووی، ابن سید الناس اور شیخ احمد شاکر نے بھی صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "ترمذی" (۱/۲۲۷-۲۲۸ تحقیق احمد شاکر)

تنبیہ: یہ حدیث مسند بزار (۳۶۵۔ زوائد) میں اور "أوسط طبرانی" (۱۳۰۷) میں جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس میں ہر نماز کے لیے اقامت کے ساتھ اذان دینے کا بھی ذکر ہے۔ مگر اس کی سند دو ضعیف راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

یہ حدیث اختصار کے ساتھ دوسری سند سے بخاری (۵۹۶) اور مسلم (۵/۱۳۱) میں بھی ہے۔

مسئلہ: مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نمازوں کو بالترتیب ادا کرنا مسنون ہے۔ مگر واجب نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ہے جو وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔

وجوب ترتیب کے بارے میں جو روایات ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں یہ روایات یا احادیث ابن عمر، ابنِ عباس اور حبیب بن سباغ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ←

اذان کا بیان

۲۰۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ اِلَّا الْاِقَامَةَ ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذکر کیا صحابہؓ نے آگ کا اور ناقوس کا (اوقاتِ نماز کے اعلام کے لیے) پھر ذکر کیا یہود اور نصاریٰ کا (کہ یہ اعلام ان کے ساتھ مشابہت ہوگی) پھر حکم کیے گئے حضرت بلالؓ (رسول اللہ کی طرف سے) یہ کہ جفت کہیں اذان (کے کلمات) اور طاق کہیں تکبیر

ـــــــ حدیثِ ابن عمر کو ابو یعلیٰ نے "معجم شیوخ" (۱۱۰) میں ابن حبان نے "مجروحین" (۱/ ۲۲۳) میں ابن عدی (۲/ ۱۲۲۶) طحاوی (۱/ ۸۴) دارقطنی (۱/ ۴۲۱) بیہقی (۲/ ۲۲۱-۲۲۲) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد (۹/ ۶۷) میں روایت کیا ہے۔

مگر اس حدیث کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے۔ مرفوع حدیث نہیں ملاحظہ ہو "علل ابن ابی حاتم (۱/ ۱۰۸) دارقطنی اور بیہقی۔

حدیث ابن عباس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اس کی سند ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حدیث حبیب بن سباغ کو احمد (۴/ ۱۰۶) طبرانی (۴/ ۲۳-۲۴) اور بیہقی (۲/ ۲۲۰) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف اور محمد بن یزید مجہول ہے دیکھیں "نصب الرایہ" (۲/ ۱۶۴) اور ارواء الغلیل" (۲۶۱)

ایک حدیث میں ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس پر پہلی کوئی نماز ہے۔ مگر یہ بے اصل حدیث ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کی کوئی اصل معلوم نہیں، ابن العربی نے اس کو باطل کہا ہے۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ ان آثار میں سے کوئی اثر بھی ثابت نہیں۔ حدیث ابن عباس ضعیف اور مقطوع ہے اور حدیث ابن عمر موقوفاً صحیح ہے " عارضۃ الاحوذی" (۱/ ۲۹۲)

۲۰۲ــــ اس کو بخاری (۶۰۳، ۶۰۵-۶۰۷) مسلم (۴/ ۷۷-۷۹) ابو عوانہ (۱/ ۳۲۶) ابوداود (۵۰۸-۵۰۹) ترمذی (۱۹۳) نسائی (۲/ ۳) ابن ماجہ (۷۲۹-۷۳۰) طیالسی (۱/ ۷۹) دارمی (۱/ ۲۷۰) احمد (۳/ ۱۸۹) ابو یعلیٰ (۲۷۹۲-۲۷۹۳) ابن خزیمہ (۳۶۱، ۳۶۹) ابن حبان (۴/ ۵۶۶، ۵۶۸) دارقطنی (۱/ ۲۳۹-۲۴۰) اور بیہقی (۱/ ۳۹۰، ۴۱۲) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم کس نے دیا۔ لیکن آپ کو یہ حکم دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کیونکہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم کو فلاں چیز کا حکم دیا گیا۔ یا فلاں کام سے منع ←

(سکے کلمات) سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ کے۔ (بخاری، مسلم)

← کیا گیا۔ تو حکم دینے والے یا منع کرنے والے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہیں۔

نیز اس حدیث کے ایک طریق میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ بلال کو یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، اس طریق سے اس حدیث کو نسائی، دارقطنی، حاکم (۱/۱۹۸) اور بیہقی (۱/۴۱۳) نے روایت کیا ہے۔

حاکم نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس امر کی مزید تفصیل کے لیے "صحیح ابن خزیمہ" (۱/۱۹۰-۱۹۱) صحیح ابن حبان (۴/۵۷۲) اور "فتح الباری" (۲/۸۰) بھی دیکھیں۔

اس مسئلے کے بارے میں علامہ ابن حزم کا شاندار کلام ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"مؤرخین میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف ایک مرتبہ شام میں اذان دی، جسے وہ مکمل بھی نہیں کر پائے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو حکم دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے نہ کہ کوئی دوسرا شخص" محلی (۳/۱۵۲)

تنبیہ: حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ خلافتِ صدیقی میں بھی اذان دیتے تھے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ بدایہ والنہایہ (۷/۱۰۴)

دوسری تنبیہ: ابو درداء رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر انہوں نے اذان دی اور ان کی اذان کی وجہ سے مدینہ حرکت میں آگیا۔ الخ

اس کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ قصہ من گھڑت ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "لسان المیزان" (۱/۱۰۷-۱۰۸) میں کہا ہے۔ اسی طرح "ذیل اللآلی" للسیوطی (۱۰۴) بھی دیکھیں۔

فائدہ: اس روایت میں "الا الاقامۃ" ہے۔ مصنف عبدالرزاق (۱۷۹۴) میں "معمر عن ایوب عن ابی قلابہ عن انس" کے طریق میں اس روایت میں "الا قد قامت الصلاۃ قد قامت الصلاۃ" کی صراحت ہے۔

عبدالرزاق کے طریق سے یہ روایت صحیح ابوعوانہ (۱/۳۲۸) صحیح ابن خزیمہ (۳۷۵) اور دارقطنی (۱/۲۳۹/۱۶) میں بھی ہے۔ "قد قامت الصلاۃ" کی صراحت "سماک بن عطیہ عن ایوب" کے طریق میں بھی ہے اور اس طریق سے یہ روایت صحیح ابن خزیمہ (۳۷۶) اور معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (۱۲۴) میں ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ←

تشریح :

۲۰۲۔ پیغمبرِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرما کر مسجد بنائی۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ اوقاتِ نماز کے اعلام کے لیے کیا انتظام کرنا چاہیئے ؟ بعضوں نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ نماز کے وقت بلند مقام پر آگ روشن کرنی چاہیئے۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ کر مسجد میں نماز کے لیے آجائیں یا ناقوس بجایا جائے۔ تاکہ اس کی آواز سن کر لوگ جمع ہو جائیں۔ لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ آگ کا جلانا، یا ناقوس کا بجانا یہود و نصاریٰ کے کاموں سے ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ مشابہت اچھی نہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا۔ کہ وہ اذان دیں۔ اور فرمایا۔ کہ اذان کے کلمات جفت کہیں اور تکبیر کے کلمات طاق۔

← ایوب سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ مگر سماک بن عطیہ کے علاوہ کسی نے "قد قامت الصلاۃ قد قامت الصلاۃ" نہیں کہا اور یہ بصری ہے اور ثقہ ہے۔

قلت : "قد قامت الصلاۃ" کہنے میں سماک بن عطیہ متفرد نہیں ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے ذکر کرنے میں معمر نے اس کی متابعت کی ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

۲۔ یہ تشریح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، جس کو بخاری (۶۰۴) مسلم (۴/ ۷۵-۷۶) ابو عوانہ (۱/ ۳۲۶) ترمذی (۱۹۰) نسائی (۲/ ۲-۳) اور احمد (۲/ ۱۴۸) نے نافع کی سند سے روایت کیا ہے۔

ابن ماجہ (۷۰۰) طبرانی (۱۲/ ۲۰۸) اور ابن شاہین نے "ناسخ و منسوخ" (۱۷۶) میں سالم کی سند سے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ سند حسن درجہ کی ہے۔

کلماتِ اذان کی تفصیل عبداللہ بن زید بن عبدربہ کی حدیث میں ہے جس کو احمد (۴/ ۴۳) ابوداؤد (۴۹۹) دارمی (۱/ ۲۶۹) ابن ماجہ (۷۰۶) ابن خزیمہ (۳۷۱) ابن جارود (۱۵۸) ابنِ حبان (۲۸۷) اور بیہقی (۱/ ۳۹۰-۳۹۱) نے بسند حسن روایت کیا ہے۔

ترمذی (۱۸۹) ابن خزیمہ (۳۶۳) اور دارقطنی (۱/ ۲۴۱) نے بھی اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی، ابنِ خزیمہ۔ دیکھیں "صحیح ابن خزیمہ (۱/ ۱۹۷)۔ ابن حبان اور نووی نے "مجموع (۳/ ۷۶)" میں صحیح کہا ہے۔

بیہقی نے "ترمذی علل" کے حوالے سے امام بخاری سے بھی اس کی صحت نقل کی ہے۔

تنبیہ : بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسرار کے موقع پر اذان کی تعلیم دی گئی۔ مگر یہ یات سخت ضعیف بھی ہیں۔ نیز ابن عمر اور عبداللہ بن زید کی صحیح احادیث کے خلاف بھی۔ ←

اذان کے جفت کلمات

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ط حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ط حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ط حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ آؤ تم نماز کے لیے۔ آؤ تم نماز کے لیے۔ آؤ تم نجات پانے کے لیے۔ آؤ تم نجات پانے کے لیے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فجر کی اذان میں

۲۰۴ — حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دوبار یہ کلمات زیادہ کریں؛

"اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ط اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ط۔

"نماز بہتر ہے نیند سے۔ نماز بہتر ہے نیند سے۔ (ابو داؤد)

← ان روایات کو بزار (۲۵۲) طبرانی اور ابن شاہین نے "ناسخ و منسوخ" (۱۷۸-۱۸۱) میں روایت کیا ہے۔ تفصیل "فتح الباری" (۲/۷۸) میں دیکھیں۔

۲۰۴ — ان کلمات کا ذکر متعدد احادیث میں ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

اس میں انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کی اذان میں "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کے بعد "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہنا سُنت سے ہے۔

اس کو ابن خزیمہ (۳۸۶) ابن منذر (۳/۲۱/۱) دار قطنی (۱/۲۴۳) اور بیہقی (۱/۴۲۳) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمہ اور بیہقی نے بھی صحیح کہا ہے۔ علامہ شوکانی نے "نیل الاوطار" (۲/۳۸) میں ←

——— ابن سید الناس سے بھی اس کی صحت نقل کی ہے۔

۲۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان کی تعلیم دی اور فرمایا کہ صبح کی اذان میں — "الصّلوٰۃُ خیرمن النوم، الصّلوٰۃ خیر من النّوم" کہا کرو۔

اس کی بعض روایات میں ابو محذورہ فرماتے ہیں کہ میں نے اذانِ فجر میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا۔

یہ حدیث ابو محذورہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، جن کی بنا پر یہ صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور نووی نے اس کی ایک سند کو جید کہا ہے دیکھیں "مجموع" (۹۰/۳)۔

اس کو احمد (۴۰۸/۳) ابوداؤد (۵۰۱) نسائی (۷/۲) ابن خزیمہ (۳۸۵) عبدالرزاق (۴۵۷/۱-۴۵۸) دارقطنی (۲۳۴/۱-۲۳۵) بیہقی (۴۲۲/۱) اور طحاوی نے "شرح المعانی" (۱۳۷/۱) میں سائب اور ام عبدالملک کی سند سے۔

ابن حبان (۲۸۹) بیہقی (۳۹۴/۱) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱۶۳/۱) میں دولابی نے "کنی" (۵۲/۱) میں اسی طرح احمد (۴۰۸/۳) اور ابوداؤد (۵۰۰، ۵۰۴) نے بھی عبدالملک کی سند سے۔

عبدالرزاق (۴۷۲/۱) احمد (۴۰۸/۳) نسائی (۱۴/۲) ابو یعلیٰ نے "معجم شیوخ" (۱۳۶) میں اور ابن منذر نے "اوسط" (۲۲/۳) میں ابوسلیمان کی سند سے۔

طحاوی، دارقطنی (۲۳۷/۱) اور ابونعیم نے "حلیہ" (۳۱۰/۸) میں عبدالعزیز بن رفیع کی سند سے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۳۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث۔

اس حدیث میں ہے کہ فجر کی پہلی اذان میں "الصّلوٰۃ خیر من النّوم، الصّلوٰۃ خیرٌ من النّوم" کہا جاتا۔

اس کو طحاوی (۱۳۷/۱) اور بیہقی (۴۲۳/۱) نے روایت کیا ہے۔ محمد بن عجلان کی وجہ سے اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی "تلخیص" (۲۰۱/۱) میں اس کو حسن کہا ہے۔

اس بارے میں بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے مگر یہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔ اس کی تخریج حدیث (۲۳۳) میں آرہی ہے۔

فائدہ: حدیث ابن عمر میں ہے کہ فجر کی پہلی اذان میں۔ جسے عرف عام میں تہجد یا سحری کی اذان کہا جاتا ہے۔ یہ کلمات دو مرتبہ "**الصّلوٰۃ خیرٌ من النوم**" کہے جائے۔

اسی طرح ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعض طرق میں بھی پہلی اذان کی صراحت ہے۔ ———

مثلاً، سائب اور اُمّ عبد الملک کی سند میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابُو محذورہ کو اذان کی تعلیم دیتے ہُوئے فرمایا۔

" فاذا اذنت بالاولیٰ من الصبح فقل : الصلٰوۃ خیر من النوم مرتین "

واللفظ لعبد الرزاق والدارقطنی وکذا لأحمد۔

" جب فجر کی پہلی اذان دو تو اس میں دو مرتبہ " الصلاۃ خیر من النوم " کہو۔

اور ابُو سلیمان کی سند میں ابُو محذورہ بیان کرتے ہیں کہ میں پہلی اذانِ فجر میں " الصلٰوۃ خیر من النوم، الصلٰوۃ خیر من النوم " کہتا تھا۔

اسی طرح اس کی ایک تیسری سند میں بھی پہلی اذان کی صراحت ہے دیکھیں " تاریخ بخاری " (۲/ ۲۲۳)، مصنف ابنِ ابی شیبہ (۱/ ۱۸۶۔ دار التاج)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ یہ کلمات پہلی اذان میں کہے جائیں نہ کہ دوسری میں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دیکھیں " سبل السّلام " (۱/ ۱۹۸۔ ۱۹۹) أیضاً تمام المنہ " (۱۴۶۔ ۱۴۷)

قُلت : مذکورہ بالا سطور میں جو ذکر ہُوا اس کی تائید بخاری (۶۲۱) اور مسلم (۷/ ۲۰۴) میں موجُود ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے تم سحری کے کھانے سے رکو نہیں۔ کیونکہ وہ رات کو اذان اس لیے دیتا ہے کہ تہجّد ادا کرنے والا نمازِ فجر کی تیاری کے لیے کچھ راحت حاصل کرلے اور جو سویا ہوتا ہے وہ اس نماز کی تیاری کے لیے بیدار ہو جائے۔

اس حدیث کے الفاظ کی نص حدیث (۲۳۱) میں آرہی ہے وہاں اس حدیث کے ایک شاہد کا بھی ذکر ہے۔

اس حدیث میں پہلی اذان دینے کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس اذان سے سوئے ہوئے کو آگاہ کیا جائے کہ عنقریب نمازِ فجر کا وقت ہونے والا ہے۔ اس لیے اس کی تیاری کے لیے بیدار ہو جاؤ۔ کیونکہ عام طور پر اس وقت قضائے حاجت اور غسل وغیرہ کی ضرورت رہتی ہے۔

جب اس اذان کے مقاصد میں سے ایک مقصد سوئے ہُوئے کو بیدار کرنا ہے۔ لہٰذا ان کلمات " الصلٰوۃ خیر من النوم " کا تعلق بھی اسی اذان سے جڑتا ہے۔ وھذا بیّن لا یخفی۔

مصنف ابنِ ابی شیبہ (۱/ ۱۸۹۔ دار التاج) میں تابعی کبیر سوید بن غفلہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن سے کہا کہ " حیّ علی الفلاح " کے بعد " الصلٰوۃ خیر من النوم " کہا کرو، کیونکہ یہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان ہے۔

اس اثر کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ مذکورہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں اسی طرح نمبر (۲۳۱) میں آنے ———

تکبیر کے طاق کلمات

۲۰۵ــ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (بخاری ومسلم)

یہ تو آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں۔ کہ رسول اللہ نے حضرت بلال کو حکم دیا۔ کہ اذان کے کلمات دو دو بار اور تکبیر کے ایک بار۔ (طاق) کہیں۔ اب اسی مضمون کی ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:

۲۰۶ــ عَنِ ابْنِ عُمَرَ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَۃُ مَرَّۃً مَرَّۃً غَیْرَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

روایت ہے ابن عمرؓ سے۔ انہوں نے کہا کہ کلمات اذان کے رسولِ خدا کے زمانے میں دو دو بار اور کلمات تکبیر کے ایک ایک بار تھے۔ سوائے اس کے کہ کہتا تھا موذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ" (کھڑی ہوئی نماز) دو بار۔" (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

نوٹ: یہ جو فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے۔ تو یہ تغلیبًا فرمایا۔ یعنی اللہ اکبر شروع میں چار بار اور لا الٰہ الا اللہ اخیر میں ایک بار چھوڑ کر۔ باقی کلمات دو دو بار (جفت) تھے اور اسی طرح

ــــــــ والی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ پہلی اذان دیتے تھے۔

۲۰۵ــ بخاری و مسلم میں ان کلمات کی تفصیل نہیں۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں مجمل طور پر ذکر ہے کہ بلال کو اقامت کے طاق کلمات کہنے کا حکم دیا گیا۔ یہ حدیث (۲۰۲) میں مذکور ہے۔

ان کلمات کی تفصیل (۲۰۳) میں مذکور عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کی حدیث میں ہے۔

۲۰۶ــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۱۰-۵۱۱) نسائی (۲/۲۰-۲۱) دارمی (۱/۲۷۰) اسی طرح طیالسی (۱/۷۹) احمد (۲/۸۵، ۸۷) ابن خزیمہ (۱/۱۹۳-۱۹۴) دولابی نے "کنی" (۲/۱۰۶) میں ابن جارود (۱۶۴) ابن منذر نے "اوسط" (۳/۲۰) میں طحاوی نے "شرح معانی" (۱/۱۳۳) میں ابن حبان (۲۹۰، ۲۹۱) دارقطنی (۱/۲۲۹) حاکم (۱/۱۹۷-۱۹۸) سہمی نے "تاریخ جرجان" (۱۱) میں بیہقی (۱/۴۱۳) بغوی (۴۰۶) اور ابن عساکر (۷/۲۸۲) نے ابو مثنیٰ کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

کلماتِ تکبیر بھی قد قامت الصلوٰۃ، اور اوّل اور آخر کے تکرار کو چھوڑ کر طاق تھے۔

ملاحظہ:

۲۰۷۔ تکبیر کے کلمات دو دو بار کہنے بھی ترجیع والی اذان کے ساتھ آئے ہیں۔ (ابوداؤد) لیکن غیر ترجیع والی اذان کے ساتھ اقامت اکہری ہے۔ تمام زندگی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت اکہری کہی ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ بعض لوگ تکبیر میں اکہرے کلمے کہنے سے روکتے ہیں، حالانکہ دوپہر کے سورج کی طرح کلمات تکبیر کا ایک ایک بار کہنا واضح اور ثابت ہے۔

اذان کا طریقہ اور مسائل

۲۰۸۔ ہر نماز کے وقت اذان دینی چاہیئے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے إِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ۔ جب نماز کا وقت آئے تو تمہارے لیے تم میں سے کوئی اذان کہے۔

(بلوغ المرام)

← یہ سند حسن درجہ کی ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم ذہبی اور نووی نے "مجموع" (۳/۹۵) میں صحیح کہا ہے۔

ابو عوانہ (۱/۲۲۹) اور دارقطنی (۱/۲۳۹) نے اس کو نافع کی سند سے بھی، ابن عمر سے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔

تنبیہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اکہری اقامت کہے وہ ہم میں سے نہیں۔ مگر یہ من گھڑت روایت ہے۔ اس کو ابن جوزی نے "موضوعات" (۲/۹۲) میں روایت کیا ہے اور اس کو من گھڑت کہا ہے۔

اسی طرح ملا علی قاری نے اس کو "موضوعات" (۶۱۴) میں ذکر کیا ہے اور "اللآلی" کے حوالے سے اس کو من گھڑت کہا ہے۔

۲۰۷۔ اس کی تخریج حدیث (۲۱۳) میں دیکھیں۔

۲۰۸ یہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو بخاری (۶۲۸-۶۳۱، ۸۱۹) مسلم (۵/۱۷۴) ابو عوانہ (۱/۳۳۱) اور نسائی (۲/۹-۱۰) نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس کو ابوداؤد (۵۸۹) ترمذی (۲۰۵) نسائی (۲/۲۱، ۷۷) اور ابن ماجہ (۹۷۹) نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۰۹ ۔ اذان ٹھیر ٹھیر کر اور اقامت جلدی کہنی چاہیئے ۔ فرمایا حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو۔
اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ۔ (بلوغ المرام)
"جب اذان کہے تو، تو ٹھیر ٹھیر کر کہہ ۔ اور جب اقامت کہے تُو۔ تو جلدی کہہ"

۲۱۰ ۔ اذان باوضو کہنی چاہیئے۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ لَا یُؤَذِّنُ اِلَّا

---

۲۰۹ ۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۱۹۵) عبد بن حمید (۱۰۰۸) عقیلی (۳/۱۱۱) طبرانی نے "اوسط" (۱۹۷۳) میں ابن عدی (۷/۴۹۲۶) سہمی نے تاریخ جرجان" (۱۵۴) میں اور بیہقی (۱/۴۲۸) نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ایک راوی عبدالمنعم بن نعیم ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سند سخت ضعیف ہے۔ عبدالمنعم کو ذہبی نے کاشف" میں "واہٍ" اور ابن حجر نے "تقریب" میں "متروک" کہا ہے۔

ان دونوں نے اس حدیث کو یحیٰی بن مُسلم سے روایت کیا ہے جو مجہول ہے۔ جیساکہ "تقریب" میں ہے۔

اس حدیث کو حافظ عراقی نے "مغنی" (۱/۲۰۷) اور حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۲۰۰) میں ضعیف کہا ہے۔ اور "بلوغ المرام" (۱/۲۱۲ ۔ سبل) میں ۔ حافظ صاحب نے امام ترمذی سے اس کی تضعیف نقل کی ہے۔

مؤلف نے اس حدیث "بلوغ المرام" سے نقل کیا ہے مگر ترمذی کی تضعیف کا ذکر تک نہیں کیا۔

یہ حدیث ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ۔ مگر اس کی سند غیر معروف ہے۔ جیساکہ امام بیہقی نے کہا ہے۔

اسی مضمُون کی ایک روایت "دارقطنی" (۱/۲۳۸) میں علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ مگر اس کی سند عمرو بن شمر کی وجہ سے سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے۔

ابنِ ابی شیبہ (۱/۲۱۵) دارقطنی اور بیہقی میں یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ مگر اس کی سند میں دو راوی ایسے ہیں جن کی ثقاہت ثابت نہیں۔

فائدہ: نمبر (۲۱۵) میں آنے والی حدیث ابُوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام شافعی نے ٹھہر ٹھہر کر اذان کہنے پر دلیل لی ہے۔ کیونکہ اس میں بلند آواز سے آواز دینے کی ترغیب ہے اور بلند آواز سے اذان دینا ترسیلِ اذان پر دلالت کرتا ہے۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو باب "ترسیل الاذان وحذم الاقامۃ" میں ذکر کیا ہے اور امام شافعی کا مذکورہ قول بھی نقل کیا ہے۔ دیکھیں (۱/۴۲۷)

۲۱۰ ۔ ضعیف ہے۔ ←

مُتَوَضِّئٌ۔ (بلوغ المرام)

"اذان وضوء والا کہے"

۲۱۱ ــ اذانِ شہادت کی دونوں انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں میں دے کر کہنی چاہیئے۔ حضورؐ نے بلال رضؓ کو حکم دیا۔

اَنْ يَجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ اُذُنَيْهِ۔ (ابن ماجہ)

کہ "اذان کہتے وقت اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں دے"۔

۲۱۲ ــ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ کہتے وقت دائیں طرف مڑیں اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاح" کہتے وقت بائیں طرف مڑیں۔ "وَلَا يَسْتَدِرْ" اور گھومیں نہیں" یعنی دائیں اور بائیں طرف گردن موڑیں۔ گھوم نہیں جانا چاہیئے۔

(بخاری و مسلم)

ــــ اس کو ترمذی (۲۰۰) اور بیہقی (۱/ ۳۹۷) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ مرفوعاً اور نہ ہی موقوفاً صحیح ہے دیکھیں "ارواء الغلیل" (۱/ ۲۴۰/ ۲۲۲)۔

مؤلف نے اس حدیث کو "بلوغ المرام" سے نقل کیا ہے۔ جبکہ حافظ صاحب نے اس میں امام ترمذی سے اس کی تضعیف نقل کی ہے۔ مگر انہوں نے اس تضعیف کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

۲۱۱ ــ ضعیف ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۷۱۰) طبرانی نے "کبیر" (۱/ ۳۵۲، ۳۵۳، ۶/ ۲۹) "صغیر" (۲/ ۱۴۲) ابن عدی (۴/ ۱۶۲۱) حاکم (۳/ ۶۰۷) اور بیہقی (۱/ ۳۹۶) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے۔

اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا بلال رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے۔ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا اور وہ ادھر اُدھر گھوم رہے تھے اور انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالی ہوئی تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبہ حمراء میں تشریف فرما تھے۔ یہ حدیث مصنف عبدالرزاق (۱۸۰۶) مسند احمد (۴/ ۳۰۸) ترمذی (۱۹۷) مستدرک حاکم (۱/ ۲۰۲) و دیگر کتب میں ہے اور صحیح حدیث ہے۔ امام ترمذی اور حاکم نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

۲۱۲ ــ اخرجہ ابوداؤد (۵۲۰) ومن طریقہ البیہقی (۱/ ۳۹۵) عن ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ۔

مؤلف نے اس روایت کو بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ ان دونوں کے ہاں "ولا یستدر" کے الفاظ نہیں ملاحظہ ہو بخاری (۶۳۴) الاذان باب ھل یتبع المؤذن فاہ ...... اور مسلم (۴/ ۲۱۸۔ ۲۱۹)۔

تنبیہ: اس روایت میں "استدارہ" یعنی گھومنے کی نفی ہے۔ مگر نمبر (۲۱۱) میں جو روایت مصنف عبدالرزاق ←

اذان میں ترجیع

اذان میں شہادت کے کلموں کو پہلے دھیمی آواز سے کہنا۔ اور پھر دوبارہ بلند آواز سے کہنا ترجیع کہلاتا ہے۔

۲۱۳ - اَبی محذورہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اَلقی عَلَیَّ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّاذِیْنَ ھُوَ بِنَفْسِہٖ فَقَالَ قُلْ ...... الخ۔ (رواہ مسلم)

کہ رسُولِ خدا نے سکھائی مجھ کو اذان کہنی ساتھ ذات اپنی کے بغیر واسطے کے؛ پس فرمایا، حضورؐ نے کہہ (اذان اس طرح)

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

پھر دوبار کہہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ط حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ط حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ط حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط

(صحیح مسلم)

ـــــ وغیرہ کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ اس میں "استدارہ" کا اثبات ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ "رایت بلالا یؤذن ویدور"۔

اسی طرح صحیح ابُو عوانہ، صحیح ابن خزیمہ دارمی اور ابنِ ماجہ کی روایت میں بھی استدارہ کا ذکر ہے۔ دونوں روایات کے مابین وجہ جمع یہ ہے کہ گھومنے سے مراد سر اور گردن کا گھومانا ہے اور جس روایت میں نفی ہے اس سے مراد بدن کا گھومنا ہے دیکھیں "فتح الباری" (۲/ ۱۱۵)

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اذان دیتے وقت مؤذن کا اپنی انگلیوں کو کانوں میں رکھنا سنت سے ہے مگر یہ انتہائی گھٹیا درجے کی روایت ہے۔

اس کو ابن عدی (۲/ ۷۸۶) نے روایت کیا ہے۔

۲۱۳ ـــ اخرجہ مسلم (۲/ ۸۰) وابُو عوانہ (۱/ ۳۳۰) والنسائی (۲/ ۴-۵) والطبرانی فی "الکبیر" (۷/ ۲۰۳ ....) و "الاوسط" (۱۶۸۱) والبیہقی (۱/ ۲۹۲-۲۹۳)۔

مولف کے ہاں جس سیاق سے یہ حدیث ہے۔ یہ ابُو داؤد کا سیاق ہے۔ دیکھیے سُنن ابو داؤد ←

اذان کے فضائل

اذان سے بہشت

۲۱۴ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔ جو شخص اذان دے سات برس طلب ثواب کی نیت سے۔ (نہ مزدوری پر) لکھی جاتی ہے اس کے لیے خلاصی آگ سے (یعنی بہشتی ہو جاتا ہے)۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

حدیث نمبر (۵۰۳) دوسری بات مسلم میں کلمہ اللہ اکبر دو مرتبہ ہے۔ چار مرتبہ نہیں۔ دیکھیں "مشکاۃ" (۱/۲۰۲)
حضرت ابو محذورۃ سے ایک دوسری روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے انیس[19] اور اقامت کے سترہ کلمات سکھائے (جسے عرف عام میں دوہری اقامت سے موسوم کیا جاتا ہے)۔ یہ روایت مصنف ابن شیبۃ (۱/۲۰۳) ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی و دیگر کتب میں بسند صحیح ہے۔

لہٰذا جب اذان میں ترجیع ہو تو اقامت بھی دوہری ہونی چاہیئے۔ دیکھیے صحیح ابن خزیمۃ (۱/۱۹۴)

۲۱۴- ضعیف ہے۔

اخرجہ الترمذی (۲۰۶) وابن ماجہ (۷۲۷) والطبرانی (۱۱/۰۸) والخطیب فی "التاریخ" (۱/۲۴۷)

اس کی سند جابر جعفی کی وجہ سے ضعیف بلکہ سخت ضعیف ہے۔ یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اس کو ابنِ عدی (۲/۷۸۶) نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔

فضیلت اذان کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک صحیح حدیث بھی مروی ہے۔ جسے ابن ماجہ (۷۲۸) دارقطنی (۱/۲۴۰) حاکم (۱/۲۰۵) بیہقی نے "سنن" (۱/۴۳۳) اور "شعب" (۶/۲۰۸) میں روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ جو شخص بارہ سال اذان دے۔ اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اسے ہر اذان کے بدلے میں ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت کے عوض تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

امام حاکم نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ مگر اس کی سند صحیح نہیں۔
دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند میں اگرچہ ابن لہیعہ ہیں مگر وہ سند صحیح ہے۔ کیونکہ ان سے اس کو عبداللہ بن وہب نے روایت کیا ہے۔

۲۱۵ ـــ حضرت ابوسعیدؓ خدری روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ موذن کی آواز کی انتہا کو جو کوئی جنّ، آدمی، اور ہر چیز سُنتے ہیں، قیامت کو اس کے لیے گواہی دیں گے ۔ (بخاری)
مطلب یہ ہے کہ جس جس کے کان میں اذان کی بھنک بھی پہنچے گی ۔ وہ سب موذن کے لیے قیامت کو نیکی کی شہادت دیں گے، اس لیے موذّنوں کو چاہیئے کہ جتنی بلند آواز سے اذان کہہ سکیں کہیں۔

نمازیوں کے برابر ثواب

۲۱۶ ـــ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اور موذّن کے لیے ثواب ہے مانند ثواب اس شخص کے جس نے (اذان سُن کر) نماز پڑھی۔ (نسائی)
مفہوم یہ ہوا کہ موذّن کی آواز سن کر جتنے آدمی مسجد میں آکر نماز پڑھیں گے، ان سب کو اپنی اپنی نماز کا تو ثواب ملے گا ۔ لیکن موذّن ان نمازوں کے ثواب کے برابر اجر پائے گا ۔ کیونکہ اس نے ان کو نماز کی طرف بلایا ہے۔

۲۱۷ ـــ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

---

۲۱۵ ـــ اس کو بخاری (۶۰۹) نسائی (۲/۱۲) ابن ماجہ (۷۲۳) مالک (۱/۶۹) احمد (۳/۶، ۳۵، ۴۳) ابن خزیمہ (۳۸۹) ابن حبان (۵۴۶/۴) اور بیہقی (۱/۳۹۷، ۴۲۷) نے روایت کیا ہے۔

۲۱۶ ـــ صحیح ہے۔
اس کو احمد (۲۸۴/۴) اور نسائی (۱۳/۲) نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کو ابن سکن نے صحیح کہا ہے جیسا کہ "تلخیص" (۱/۲۰۵) میں ہے۔ شیخ البانی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اسے ایک جماعت نے صحیح کہا ہے "تحقیق المشکاۃ" (۱/۲۱۱)
منذری نے اس کی سند کو جید اور حسن کہا ہے "ترغیب" (۱/۱۷۶)
نیز طبرانی کبیر" (۲۸۸/۸) میں حدیث امامہ رضی اللہ عنہ اس کی شاہد بھی ہے۔
تنبیہ: یہ حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں۔ مگر "مشکاۃ" میں خطیب تبریزی کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسی لیے مؤلف نے اس کو ابوہریرہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔
۲۱۷ ـــ یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ان کے اسماء کی تفصیل اور ان کی احادیث کی تخریج درج ذیل ہے۔
۱۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ۔

← ان کی حدیث کو بخاری نے "ادب مفرد" (۲۴۲) میں مسلم (۱۳/ ۳۸ - ۳۹) "امارۃ" باب "فضل اعانۃ الغازی" ابوداؤد (۵۱۲۹) "ادب" باب "الدال علی الخیر" ترمذی (۲۶۷۱) "علم" احمد (۴/ ۱۲۰، ۵/ ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴) طیالسی (۲/ ۳۹) عقیلی (۱/ ۲۳۶) ابن حبان (۴/ ۵۵۴) طبرانی (۱۷/ ۲۲۵ - ۲۲۸) ابن عدی (۲/ ۳۵۴۷) ابوشیخ نے "طبقات" (۳/ ۱۷۸، ۴/ ۳۵۲، ۳۸۰) میں قضاعی نے "مسند شہاب" (۸۲) میں بیہقی نے "سنن" (۹/ ۲۸) اور آداب" (۱۰۶) میں خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۷/ ۳۸۴) میں اور ابن عبدالبر نے "جامع العلم" (۱/ ۱۶) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں اکثر کے یہاں "من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله" کے الفاظ ہیں۔
مؤلف نے یہاں جو الفاظ ذکر کیے ہیں۔ یہ الفاظ ابن عدی، قضاعی، خطیب کے یہاں ہیں۔ اسی طرح ابوشیخ کی ایک روایت اور طبرانی کی بعض روایات کے بھی یہی الفاظ ہیں۔

تنبیہ: بعض راویوں نے اس کو ابومسعود کی بجائے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ دیکھیں "ضعفاء عقیلی" (۱/ ۲۳۶) اور کامل ابن عدی" (۲/ ۳۱۴۷)۔

مگر یہ ایک راوی کا وہم ہے۔ لیکن یہ حدیث ایک دوسری سند سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جس کی تخریج اس کے بعد آ رہی ہے۔

۲۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو بزار (۱۵۴) اور ابوشیخ (۴/ ۲۳۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ وہی ہیں جو اس کتاب میں ہیں۔

۳۔ انس رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو ترمذی (۲۶۷۰) نے شبیب بن بشر کی سند سے، ابن ابی دنیا نے "قضاء الحوائج" (۲۷) میں بزار (۱۵۱) ابویعلی (۴۲۸۰ تحقیق اثری) اور ابن عبدالبر (۱/ ۱۶) نے زیاد کی سند سے ان سے روایت کیا ہے۔

اس کے الفاظ بھی وہی ہیں جو کتاب میں ہیں۔

۴۔ سہل رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو عقیلی (۲/ ۲۰۶) طبرانی (۶/ ۱۸۶) اور ابن عدی (۵/ ۱۷۴۴) نے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ بھی کتاب والے الفاظ ہی ہیں۔

عقیلی نے اس کو طلحہ بن عبیداللہ بن کریز سے مرسلاً بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔

۵۔ بریدہ رضی اللہ عنہ۔ ←

اذان کی اجابت

۲۱۹ — حضرت عمرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا جس وقت مؤذن کہے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط پس کہے (ہر) ایک تمہارا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط پھر جب مؤذن کہے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ط پس کہے (ہر) ایک تمہارا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ط پھر جب مؤذن کہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط پس کہے ہر ایک تمہارا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط پھر جب مؤذن کہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ط پس کہے (ہر) ایک تمہارا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ط پھر جب مؤذن کہے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ پس کہے (ہر) ایک تمہارا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ جب مؤذن کہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط پس کہے (ہر) ایک تمہارا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط پھر جب مؤذن کہے، لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ط پس کہے (ہر) ایک تمہارا۔ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اپنے صدقِ دل سے داخل ہوگا بہشت میں۔ (رواہ مسلم)

—— ان کی حدیث کو ابن عدی (۳/ ۱۱۴۵، ۷/ ۲۴۷۸) اور احمد نے۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۱/ ۱۷۱) میں ہے۔ روایت کیا ہے اس کے الفاظ بھی کتاب والے ہیں۔

۶ - ابنِ عباس رضی اللہ عنہما۔

ان کی حدیث کو حیداوی نے "معجم شیوخ" (۱۸۴) میں روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ بھی حدیثِ بریدہ والے ہیں۔

۷۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۱/ ۳۵۳) میں روایت کیا ہے۔

اس کے الفاظ وہی ہیں جو حدیث ابومسعود کے مسلم وغیرہ میں ہیں۔

اس میں اس سے قبل میت کی طرف سے حج کرنے اور روزہ افطار کروانے والے کا ثواب بھی مذکور ہے۔ مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

۸ - عائشہ رضی اللہ عنہا

ان کی حدیث کو ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۳۴۳ تراجم حرف العین۔ عبداللہ بن جابر۔ عبداللہ بن زید) میں روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ بھی کتاب والے ہیں۔

۲۱۸ — اس کو مسلم (۲/ ۴) ابوعوانہ (۱/ ۳۳۹) ابوداؤد (۵۲۰) نسائی نے "عمل" (۴۰) میں ابن خزیمہ (۴۱۷) ——→

اذان کے جواب پر بہشت

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا۔ کہ اذان کو سُننا چاہیئے اور حضورؐ کے ارشادِ پاک کے مطابق اذان کا جواب دینا چاہیئے۔ خدا کی کس قدر رحمت ہے کہ رسُولِ خدا فرماتے ہیں، کہ صدقِ دل سے اذان کا جواب دینے والا بہشت میں جائے گا۔ بھائیو! جب اذان کی آواز سُنو۔ تو گھر کے تمام افراد کو خاموش کرادو۔ عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے، سب اذان کا جواب دیں۔ مُحدث، جنبی، حائض اور مستحاضہ بھی جواب دیں۔[1]

ملاحظہ: فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں یہی کلمہ کہنا چاہیئے۔ یعنی اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ (۲)

ابن حبان (۴/۵۸۲) اور بیہقی (۱/۴۰۹) نے روایت کیا ہے۔

۱۔ جنبی کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کے علاوہ تسبیح، تحمید، تکبیر اور دیگر دُعائیں واذکار بالاجماع جائز ہے۔ جیسا کہ قدرے تفصیل سے حدیث (۲۶) کے آخر میں ذکر ہوا ہے۔

۲۔ **قلت:** احادیث کے عموم سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً:

ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں ہے، کہ جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو تم بھی وہی کچھ کہو، جو مؤذن کہہ رہا ہو۔

حدیث ابو سعید کو بخاری (۶۱۱) اور مسلم (۸۴/۴) نے روایت کیا ہے۔

حدیث عبداللہ بن عمرو کی تخریج اس کتاب کی حدیث (۲۲۰) میں آرہی ہے۔

ان حدیثوں کے عموم سے پتہ چلا کہ "الصلوۃ خیر من النوم" کے جواب میں الصلوۃ خیر من النوم ہی کہا جائے اور اس عموم سے صرف "حی علی الصلاۃ، حیّ علی الفلاح" کو مستثنیٰ کیا جائے گا اور ان کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہا جائے گا اور اس استثناد کی دلیل نمبر ۲۱۸ میں مذکور حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔

تنبیہ: ان کلمات کے جواب میں "صدقت وبررت" کے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۲۱۰) میں کہا ہے۔

تکبیر کا جواب

۲۱۹ ـــ روایت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہنی شروع کی۔ جب کہا اس نے۔ " قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" تو (جواب میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَقَامَهَا اللّٰہُ وَ اَدَامَهَا اور باقی تکبیر میں (وہی) فرمایا جس طرح اذان (کے جواب دینے) میں حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے اندر ہے۔ (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اذان کا جواب دینا ہے۔ بالکل اسی طرح تکبیر کا جواب دینا بھی ہے۔ صرف تکبیر میں "قد قامت الصلوٰۃ" کے جواب میں یہ کہنا ہے:

"اَقَامَهَا اللّٰہُ وَ اَدَامَهَا"

"قائم رکھے اللہ نماز کو اور ہمیشہ رکھے اس کو"

ـــــ ابن علان نے بعض عارفین سے نقل کیا ہے کہ یہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور اس کے آخر میں " و بالحق نطقت" کا اضافہ بھی ہے "فتوحات ربانیہ" (۲/۱۱۰)

قلت: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے اگر یہ الفاظ صحیح ثابت ہو جائیں۔ تو پھر ان کو " الصلوٰۃ خیر من النوم" کے جواب میں کہہ لینے میں کچھ قباحت نہیں۔ لیکن اگر یہ ان سے ثابت نہیں ہوتے تو پھر ان کا کہنا بلاشبہ بدعت ہوگا۔

رافعی نے " الصلوٰۃ خیر من النوم" کے جواب میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں: صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ خیر من النوم" دیکھیں " فتح العزیز شرح الوجیز" للرافعی (۳/۲۰۵۔ مع المجموع) اور " مجموع نووی" (۳/۱۱۷)

مگر ان الفاظ کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔ حافظ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ عامۃ الناس کا کلام ہے۔ اس کے بعد وہ اس کی معنوی توجیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ راجح یہ ہے کہ " صدقت وبررت " کہا جائے " مقاصد حسنہ" (ص ۲۰۶ حدیث ۶۱۷)

قلت: مذکورہ الفاظ کے کہنے کو انہوں نے ترجیح دی ہے۔ لیکن اس پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ جب کہ حافظ ابن حجر کے حوالے سے گزرا ہے۔ کہ ان الفاظ کی کوئی اصل نہیں۔

۲۱۹ ـــ ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۲۸) طبرانی نے " دعاء" (۴۹۱) میں ابن سنی (۱۰۳) بیہقی نے " سنن" (۱/۴۱۱) اور " دعوات کبیر" (۱۷) میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ یا ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ سے۔ یہ شک کسی راوی سے ہے۔ روایت کیا ہے۔

اذان کے بعد کی دُعائیں

۲۲۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سُنو تم مؤذّن (کی آواز) کو۔ پس کہو تم جیسے وہ کہتا ہے۔ (یعنی مؤذن کو جواب دو۔ اور جب اذان ختم ہو جائے۔) پھر درُود بھیجو مجھ پر۔ پس تحقیق جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا۔ خدا بسبب اس کے اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ (رواہ مسلم)

پس سب مسلمان مردوں، اور عورتوں کو چاہیئے کہ جب مؤذّن اذان ختم کرے تو یہ درود شریف ایک بار پڑھیں
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ

← اس کی سند ضعیف ہے اس میں دو تین علتیں ہیں، تفصیل "مجموع نووی" (۲/۱۲۲) میں دیکھیں۔

امام شافعی نے اقامت کے وقت ان کلمات کے کہنے کو مستحسن جانا ہے۔ "اللّٰھم أقمھا و أدمھا واجعلنا من صالح أھلھا عملاً۔

امام بیہقی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو یہ شافعی کے اس قول کے لیے شاہد ہے۔

قلت: اگر یہ صحیح ثابت بھی ہو یا اسے تسلیم بھی کر لیں تو کیا اس میں " واجعلنا من صالح أھلھا عملاً" کے الفاظ ہیں؟

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ان الفاظ کی کوئی اصل ہی نہیں دیکھیں "تلخیص" (۱/۲۱۰-۲۱۱)

ابن ابی شیبہ (۷/۶۹ ۔ دارالتاج) میں قتادہ سے روایت ہے کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) " قد قامت الصلوٰۃ " کے وقت یہ فرماتے:

"مرحبا بالقائلین عدلاً و بالصلوٰۃ مرحبا و اھلاً"

مگر اس اثر کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ قتادہ کا انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے سماع نہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر (۲۹) میں ذکر ہوا۔

۲۲۰۔ اس کو مسلم (۲/۸۵) ابوعوانہ (۱/۳۳۶-۳۳۷) ابوداؤد (۵۲۳) ترمذی (۴/۲۶۱) نسائی نے "سنن" (۲/۲۵-۲۶) اور "عمل" (۴۵) میں ابن خزیمہ (۴۱۸) ابن حبان (۴/۵۸۸-۵۸۹) ابن سنی (۹۲) ←

مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

یا الٰہی رحمت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر، جیسے رحمت بھیجی تو نے ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر۔ بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔ یا الٰہی برکت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جیسے برکت بھیجی تو نے ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر، بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

۲۲۱ ۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص سُنے اذان (جواب دے) اور پھر اذان ختم ہونے پر کہے (یہ دُعا) واجب ہو جاتی ہے اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت میری ، (رواہ البخاری)

دُعا یہ ہے :

اذان کی دُعا

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ۔[1] (رواہ البخاری)

اے پروردگار! اس پکار پوری (اذان) کے اور نماز (قیامت تک) قائم رہنے والی کے عطا کر محمدؐ کو وسیلہ (بلند درجہ بہشت کا) اور بزرگی اور پہونچا اس مقام محمود میں کہ وعدہ کیا ہے تو نے اس کا۔

دعوتِ تامہ

اس حدیث میں اذان کو دعوت تامہ اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو نماز اور خدا کے ذکر کی طرف بلاتی ہے۔ اور جو اس دعوت (اذان) کو قبول کرے گا۔ ضرور ہے کہ وہ مسجد میں حاضر ہو کر نماز پڑھے گا۔ اور یہ نماز اس کو بہشت

---

[1] بیہقی کی روایت میں وَعَدْتَّهٗ کے بعد اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ بھی ہے۔ (محمد صادق)

← اور بیہقی (۱/ ۴۰۹ - ۴۱۰) نے روایت کیا ہے۔

۲۲۱ ۔ اخرجہ البخاری (۲/ ۶۱۴) وابوداود (۵۲۹) والنسائی فی "السنن" (۲/ ۲۶-۲۷) وایضا فی "عمل الیوم" (۴۶) وعنہ ابن سنی (۹۳) والترمذی (۲۱۱) وابن ماجہ (۷۲۲) وابن خزیمہ (۴۲۰) والبیہقی (۱/ ۴۱۰) والطبرانی فی "المعجم الصغیر" (۱/ ۲۴۰) واحمد (۳/ ۳۵۴) من طرق عن علی بن عیاش بہ عن جابر رضی اللہ عنہ۔

میں لے جائے گی۔ پس ثابت ہُوا کہ اذان دراصل بہشت کی دعوت ہے۔ اور بہشت کی دعوت یقیناً دعوتِ تامہ ہے۔

صلوٰۃ قائمہ

نماز کو صلوٰۃ قائمہ اس لیے فرمایا۔ کہ نماز قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔

وسیلہ کی تشریح

وسیلہ کے متعلق خود حضورِ انورؐ فرماتے ہیں۔

۲۲۲۔ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

پس تحقیق وسیلہ ایک درجہ ہے بہشت میں۔ نہیں لائق۔ مگر واسطے ایک بندے کے بندگانِ خدا سے اور امید رکھتا ہوں میں کہ ہوں میں وہ بندہ۔ پس جس نے مانگا (خدا سے) میرے لیے وسیلہ (بذریعہ دعائے اذان) واجب ہُوئی اس کے لیے شفاعت۔

حضورؐ کے ارشاد سے معلوم ہُوا کہ بہشت کے ایک بلند و بالا درجے کا نام وسیلہ ہے، اور وہ صرف ایک ہی بندے کو ملنا ہے۔ حضورؐ انور اپنی اُمت کو فرماتے ہیں۔ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ (مسلم شریف) کہ تم اللہ سے میرے لیے مانگو (وہ) وسیلہ! اس مانگنے کی صُورت یہ ہے کہ اُوپر والی دُعائے اذان، بعد اذان پڑھا کریں۔ اس دُعا کے اندر پڑھتے وقت خدا سے التجا کی جاتی ہے۔ کہ خداوندا! ہمارے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ یعنی بہشت کا مخصوص بلند درجہ عطا فرما۔ اور لامثال فضیلت اور بزرگی سے نواز۔ اور آپ کو مقامِ محمُود پر کھڑا کر (قیامت کو)

مقامِ محمُود

مقامِ محمُود مقامِ شفاعت کا نام ہے۔ جب حضورؐ خدا کے اذن سے اس مقام پر کھڑے ہوں گے۔ تو تمام نبیوں رسُولوں اور خلق کی زبان پر حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش ہو گی۔ اسی لیے اس مقام

۲۲۲۔ یہ تشریح حدیث عبداللہ بن عمروؓ میں وارد ہے۔ جو نمبر (۲۲۰) میں مذکور ہے۔

کو مقامِ محمود کہا جاتا ہے۔ پس آپ کی اُمت میں سے جو شخص دُعائے اذان (مذکور) ہر اذان کے بعد پڑھے گا۔ وہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق شفاعت کا مستحق ہو گا۔ اس لیے میرے سب بہنوں اور بھائیوں کو چاہیئے کہ جب مؤذن اذان ختم کرے تو درُود شریف مذکور پڑھ کر ساتھ ہی دُعائے اذان بھی پڑھا کریں۔

دُعائے اذان میں اضافہ

مسنون دُعائے اذان میں چند الفاظ لوگوں نے بڑھا رکھے ہیں۔ اور وہ الفاظ مروج کتبِ نماز میں بھی موجود ہیں دُعائے مسنون کے جملہ " وَالْفَضِيْلَةَ" کے بعد وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ " کی زیاتی کرتے ہیں۔ اور آگے " وَعَدْتَّهُ" کے خالص دودھ میں وارزقنا شفاعته يَوْمَ الْقِيَامَةِ " کا پانی ملا رکھا ہے۔ اور پھر اخیر میں دُعائے پاک کے عسلِ مصفّٰی میں "یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن " کی آمیزش کی ہے۔(۱) افسوس! کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ دُعا میں یہ خامی رہ گئی تھی۔ جو بعد کے لوگوں نے اپنے اضافے سے پوری کی ہے؟ مسلمانوں کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پاک میں کمی یا بیشی کرنے کے تصوّر سے کانپ اُٹھنا چاہیئے۔

۱۔ اس دُعا میں کچھ زائد الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ اس حدیث کے بعض طرق میں وارد ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ سیدنا محمد۔ یہ الفاظ شرح معانی الآثار۔ (۱/۱۴۶) میں ہیں شیخ البانی کے کہنے کے مطابق یہ ایک نسخے کے الفاظ ہیں۔

۲۔ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ یہ بیہقی کی روایت میں ہیں۔ سیدنا محمد اور ان الفاظ کو شیخ البانی نے شاذ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (ارواء الغلیل رقم ۲۴۳)

۳۔ " الدرجة الرفيعة: یہ الفاظ حدیث کے کسی طریق میں بھی نہیں ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ "الدرجة الرفيعة: کے الفاظ جو عام مشہور ہیں۔ ان کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث کے کسی طریق میں بھی نظر نہیں آئے۔ تحفة الاحوذی (۱/۱۸۵) حافظ ابنِ حجر نے بھی امام بخاری والی بات کہی ہے۔

تنبیہ: شیخ البانی فرماتے ہیں۔ کہ یہ الفاظ ابن السنی میں ہیں اور یہ بعض نساخ کی طرف سے مدرج ہیں۔ کیونکہ ابن السنی نے اس حدیث کو نسائی سے روایت کیا ہے۔ اور نسائی میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ یہ الفاظ شیخ کے نسخہ میں ہونگے مگر میرے پاس ابن السنی کا جو نسخہ ہے۔ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (طبعة دار المعرفة بیروت)۔

حاصل کلام "الدرجة الرفيعة" کے الفاظ بے اصل ہیں۔

←

۲۲۳۔ بخاری شریف کے باب الوضوء میں ہے۔ کہ حضور اکرم نے رات کو باوضوء پڑھ کر سونے کے لیے ایک دُعا بتائی۔ براء بن عازب نے پڑھ کر سُنائی۔ تو نَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ کی جگہ بِرَسُوْلِكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔ پڑھ دیا۔ یعنی نبی کی جگہ رسُول کہا۔ قَالَ لَا تو حضورؐ نے فرمایا۔ کہ میرے بتاتے ہُوئے لفظ نبی کو رسُول سے مت بدلو۔ بَلْ نَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ بلکہ نَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔ ہی کہو۔

قارئین کرام! دیکھ لیا آپ نے کہ ایک صحابی کو حضورؐ کی بتائی ہوئی دُعاء میں نبی کی جگہ رسُول کہنے کی اجازت نہ ملی۔ بلکہ آپ نے ڈانٹ کر کہا کہ وہی کہو جو میں نے کہا ہے۔ اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ دُعائے اذان میں اپنی طرف سے چند کلمات کا اضافہ کرتا ہے، اسے خدا کے حضور بہت جلد تائب ہو جانا چاہیئے۔ اور تمام مسلمانوں کو صرف پیغمبرِ خدا کی کامل دُعا بغیر اضافوں کے پڑھنی چاہیئے، کیونکہ حضورؐ ہم کو کامل دین دے گئے ہوئے ہیں۔

اذان کی تیسری دُعا

۲۲۴۔ سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں، کہ رسُولِ خدا نے فرمایا۔ جو شخص مؤذن (کی اذان) کو سُن کر (یہ) دُعا پڑھے (تو) بخشے جاتے ہیں گناہ اس کے (رواہ مسلم)

۴۔ "یا ارحم الرّاحمین" یہ الفاظ رافعی نے "المحرر" میں ذکر کیے ہیں۔ ان الفاظ کا بھی کسی طریق میں ذکر نہیں ملتا ہے۔ دیکھیئے۔ التخلیص (۱/۲۱۰)

بیہقی میں محمد بن عوف کے طریق میں اس دُعا کے شروع میں یہ الفاظ بھی ہیں " اللّٰھم انی اسئلك بِحَقِّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ "

شیخ البانی نے ان الفاظ کو بھی اس بنا پر شاذ کہا ہے کہ یہ صرف بیہقی کی روایت میں ہیں۔

ان تمام الفاظ کے بارے میں یہاں کی نسبت قدرے مفصل بحث میں نے "الاعتصام" میں چھپنے والے اپنے ایک مضمون میں کی ہے۔ اگر ممکن ہو تو دیکھیں "الاعتصام" (۱۹۹۰/۸/۲۱) جلد (۴۲) شمارہ (۳۵) ص (۲۱-۲۲)

۲۲۳۔ اخرجہ البخاری فی "صحیحہ" (۲۴۷) باب فضل من بات علی الوضوء وفی "الادب المفرد" ۱۲۱۶ و ۱۲۱۸) ومسلم (۸/۳۲-۳۳) فی کتاب الذکر والترمذی (۳۳۹۴) فی الدعوات۔

۲۲۴۔ اسں کو مسلم (۲/۷) ابو عوانہ (۱/۳۴۰) ابوداؤد (۵۲۵) ترمذی (۲۱۰) نسائی نے "سنن" (۲/۲۶) اور "عمل" (۷۳) میں بھی ابن ماجہ (۷۲۱) احمد (۱/۱۸۱) ابن خزیمہ (۴۲۱-۴۲۲) ابن حبان (۴/۵۹۱) ابن سنی (۹۷) حاکم (۱/۲۰۳) اور بیہقی (۱/۴۱۰) نے روایت کیا ہے۔

دُعا یہ ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا ○ (رواہ مسلم)

میں گواہ ہُوں اس بات کا کہ کسی کی بندگی نہیں سوا اللہ کے وہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور تحقیق محمدؐ اس کا بندہ اور رسُول ہے، راضی ہُوں میں اللہ کے رب ہونے پر اور محمدؐ کے رسُول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر۔

ناظرین؛

اذان کے بعد درود شریف کا پڑھنا آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس کے بعد دُعا جس میں وسیلے کا ذکر ہے وہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ اور یہ تیسری دُعا بھی آپ کے سامنے ہے۔ اگر اذان کے بعد تینوں ہی آپ پڑھ لیا کریں تو سبحان اللہ کیا ہی اچھی بات ہے۔ خدا کی مغفرت اور رحمت کا اتھاہ سمندر جوش میں آ جائے گا۔ اور اگر آپ تینوں نہ پڑھ سکیں تو جونسی ایک یا دو چاہیں۔ پڑھ لیا کریں۔

اذان کے مسائل

مؤذّن اجیر نہ ہو

۲۲۵۔ عثمان بن ابی العاصؓ کی ایک روایت احمد، ابُوداؤد اور نسائی میں ہے کہ حضورِ انور نے ان کو ان کی قوم کا

← حدیث اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا میں مغرب کی اذان کے وقت درج ذیل دُعا کا پڑھنا مذکور ہے۔

"اللّٰهم هذا اقبال ليلك وادبار نهارك واصوات دعاتك فاغفرلی"۔

اس کو ابُوداؤد (۵۳۰) اور ترمذی (۳۵۸۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کی مفصل تخریج میں نے "پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دُعائیں" کی تخریج میں کی ہے۔ دیکھیں نمبر (۲۷)

مگر یہ دُعا اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔

۲۲۵ صحیح حدیث ہے۔

یہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو احمد (۴/۲۱، ۲۱۷) ابُوداؤد (۵۳۱) ←

امام مقرر کیا اور فرمایا وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَأْخُذُ عَلٰی اَذَانِہٖ اَجْرًا۔ مقرر کر مؤذن جو نہ لیوے اپنی اذان پر مزدوری۔

سفر میں اذان

۲۲۶ـــ سفر میں انسان کو چاہیئے۔ کہ وہ اذان اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھے۔ (بخاری)

قبولِ دُعا

۲۲۷ـــ اذان اور تکبیر کے درمیان خدائے قدوس دُعا قبول فرماتا ہے۔ (ترمذی شریف)

ـــــ نسائی (۲/ ۲۳) ابنِ خزیمہ (۴۲۳) ابن منذر نے "اوسط" (۳/ ۶۲) میں طبرانی (۹/ ۴۲-۴۳) حاکم (۱/ ۱۹۹، ۲۰۱) بیہقی (۱/ ۴۲۹) اور بغوی (۴۱۷) نے مطرف بن عبداللہ شخیر کی سند سے۔

ابو عوانہ (۲/ ۸۷) نے موسیٰ بن طلحہ کی سند سے۔

ترمذی (۲۰۹) ابن ماجہ (۷۱۴) ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۲۸) حمیدی (۹۰۶) طبرانی (۹/ ۱۴۷) ابو نعیم نے "حلیہ" (۸/ ۱۳۴) میں اور ابن حزم نے "محلی" (۳/ ۱۴۵) میں حسن بصری کی سند سے عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا ہے اس کی عثمان سے اور سندیں بھی ہیں۔ دیکھیں "حلیۃ الاولیاء"

اس حدیث کی مطرف اور موسیٰ والی دونوں سندیں صحیح ہیں۔ مطرف کی سند میں سعید جریری ہیں مگر ان سے بیان کرنے والے حماد بن سلمہ ہیں جن کا جریری سے سماع ان کے اختلاط سے پہلے کا ہے۔

اور حسن بصری والی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ان کا عثمان بن ابی عاص سے سماع نہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" (۲/ ۲۳۱) میں کہا ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی، ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

نیز مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر شاہد بھی ہے، جس کو بخاری نے "تاریخ کبیر" (۳/ ۴۸۶) میں اور طبرانی نے "معجم کبیر" (۲۰/ ۴۳۴-۴۳۵) میں روایت کیا ہے۔

۲۲۶ ـــ یہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کی تخریج حدیث (۲۰۸) میں گزر چکی ہے۔

۲۲۷ ـــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۲۱۲) (۳۵۹۵) "صلوٰۃ و دعوات" اسی طرح ابوداؤد (۵۲۱)، نسائی نے "عمل الیوم ـــــ

ــــــــ والليلة " (۶۸-۶۹) میں عبدالرزاق (۱/ ۴۹۵) ابنِ ابی شیبہ (ج ۱ ص ۴۸۰) و ج ۱۰ حدیث ۹۲۹۳) احمد (۳/ ۱۱۹) بحشل واسطی نے "تاریخ واسط" (۱۰۹) میں ابو یعلیٰ (۴۱۴۷) طبرانی نے "دعاء" (۴۸۳) میں ابن عدی (۳/ ۱۰۵۶) ابو شیخ نے "طبقات" (۴/ ۲۰۰) میں قضاعی نے "مسند شہاب" (۱۲۰) میں اور بیہقی (۱/ ۴۱۰) نے ابو ایاس کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابو ایاس سے اس کو روایت کرنے والا زید عمی ہے، جس کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے۔ مگر اس کی انس رضی اللہ عنہ سے دیگر پانچ یا چھ سندیں بھی ہیں۔ جن کی بنا پر یہ صحیح حدیث ہے۔ ان سندوں میں سے ایک سند برید بن ابی مریم کی بھی ہے اس سند سے اس کو ابن ابی شیبہ، احمد (۳/ ۱۵۵، ۲۵۴) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۶۷) میں ابو یعلی (۳۶۷۹-۳۶۸۰) ابنِ خزیمہ (۴۲۵، ۴۲۷) ابنِ حبان (۲۹۲) ابن سنی (۱۰۱) اور طبرانی نے "دعا" (۴۸۴) میں روایت کیا ہے۔

اس کو برید بن ابی مریم سے ابو اسحاق نے روایت کیا ہے اور یہ مدلس ہیں، مگر یہ سند صحیح ہے۔ کیونکہ "مسند احمد" (۳/ ۲۲۵) "صحیح ابنِ خزیمہ" (۴۲۶-۴۲۷) اور "شرح السنہ" (۱۳۶۵) میں یونس بن ابی اسحاق نے بھی اس کو برید سے روایت کیا ہے۔

اس کی بقیہ اسانید کے لیے درج ذیل کتب دیکھیں۔

مسند طیالسی (۱/ ۲۵۴) "مصنف ابن ابی شیبہ" مسند ابو یعلی (۴۰۷۲، ۴۱۰۹) "دعاء طبرانی" (۴۸۵-۴۸۸) "کامل ابن عدی" (۱/ ۳۹۱، ۲/ ۷۱۲، ۳/ ۱۱۵۲، ۶/ ۲۰۴۲) "طبقات ابو شیخ" (۴/ ۳۰۶) "مستدرک حاکم" (۱/ ۱۹۸) "حلیہ ابو نعیم" (۳/ ۵۴) "تاریخ بغداد" (۴/ ۲۲۴، ۳۴۷، ۸/ ۷۰، ۲۰۸)۔

اس کی متعدد اسانید کے علاوہ اس کے بعض شواہد بھی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

اس میں ہے کہ اذان اور لڑائی کے وقت دعاء رد نہیں ہوتی۔

اس کو ابو داؤد (۲۵۴۰) "جہاد" دارمی (۱/ ۲۷۲) ابن خزیمہ (۴۱۹) ابنِ حبان (۲۹۷-۲۹۸) طبرانی (۶/ ۱۲۵، ۱۵۹) ابن منذر نے "اوسط" (۳/ ۳۶) میں دولابی نے "کنی" (۲/ ۲۴) میں حاکم (۱/ ۱۹۸، ۲/ ۱۱۳) اور ابو نعیم نے "حلیہ" (۶/ ۳۴۳) میں روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

اس کو مالک (۱/ ۷۰) اور مالک سے عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور ابن منذر نے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔

مگر اس کے موقوف ہونے کی صورت میں بھی اس کا مرفوع حدیث کا حکم ہوگا، کیونکہ اس میں قیاس و رائے ــــــــ

مؤذّن بلند آواز

۲۲۸ — مؤذن وہ مقرر کرنا چاہیئے جو بلند آواز والا ہو اور اذان بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہنی چاہیئے۔ (ابوداؤد)

← کو دخل نہیں۔

اس کی بعض روایات میں اذان اور لڑائی کے ساتھ بارش کا بھی اضافہ ہے۔ دیکھیں ابوداؤد، حاکم، طبرانی اور "حلیۃ الاولیاء"

۲۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو احمد (۳/۳۴۲) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

اسی باب کی ایک ابُو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ مگر اس کی سند میں محمد بن محصن عکاشی ہے جو کذاب ہے اس کو طبرانی (۸/۱۲۰-۱۲۱) نے روایت کیا ہے اور یہ ایک طویل حدیث ہے۔

تنبیہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ مغرب اور عشاء کے مابین دُعا رَد نہیں ہوتی۔ اس کو سہمی نے "تاریخ جرجان" (۷۴) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں محمد بن حمید رازی ضعیف ہیں، بلکہ بعض ائمہ نے ان کو کذاب بھی کہا ہے۔

ابن ابی شیبہ میں محارب سے روایت ہے کہ ابن عمر اذان کے وقت دُعاء کا حکم دیتے۔

اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق ہے اگر یہ قرشی ہے تو اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ اگر واسطی ہے تو ضعیف ہے۔

۲۲۸ — یہ دو مختلف حدیثیں ہیں، جنہیں مؤلف نے ایک کر دیا ہے۔

۱۔ مؤذن کا بلند آواز ہونا۔ یہ عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا کہ بلال کو اذان سکھلاؤ۔ کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہے۔

اس حدیث کی تخریج حدیث (۲۰۳) میں گزر چکی ہے۔

۲۔ مؤذن کا بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دینا یہ ایک صحابیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی حدیث میں ہے۔ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ مسجد کے قریب جتنے بھی گھر تھے ان تمام گھروں سے میرا مکان اُونچا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ اس پر فجر کی اذان دیا کرتے۔

اس کو ابوداؤد (۵۱۹) اور بیہقی (۱/۴۲۵) نے روایت کیا ہے۔

ابن دقیق العید، ابن حجر اور البانی نے اس کو حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "نصب الرایہ" (۱/۲۸۰) فتح الباری (۲/۱۰۳) اور ارواء الغلیل (۲۲۹)۔

تکبیر کا حق

۲۲۹۔ جو شخص اذان دے، تکبیر کا استحقاق بھی اسی کو پہنچتا ہے۔ (بلوغ المرام)

۲۲۹۔ حسن درجہ کی حدیث ہے۔

یہ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابوداؤد (۵۱۴) ترمذی (۱۹۹) ابن ماجہ (۱۷۱) عبدالرزاق (۱/۴۷۵-۴۷۶) ، ابن ابی شیبہ (۱/۲۱۶) احمد (۴/۱۶۹) ابن منذر نے "اوسط" (۳/۵۲) میں طبرانی (۵/۲۶۳) ابن شاہین نے ناسخ ومنسوخ "(۱۶۹-۱۷۱) میں ابونعیم نے "حلیہ" (۷/۱۱۴) میں بیہقی (۱/۳۸۱، ۳۹۹) ابن عساکر نے تاریخ دمشق" (۴۰/۳۰۲) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۹/۴۴۸) میں زیاد بن نعیم کی سند سے روایت کیا ہے۔

زیاد بن نعیم سے اس کو روایت کرنے والے عبدالرحمٰن افریقی ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے۔

مگر اس کی ایک دوسری سند اور ایک شاہد بھی ہے، جس سے اس کو تقویت ملتی ہے۔

اس کو ابوشیخ نے "طبقات" (۴/۲۹۴-۲۹۵) میں داؤد بن میسرہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ مگر داؤد بن میسرہ کا مجھے ترجمہ نہیں ملا۔

یہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اس کو عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۸۱۱) میں طرسوی نے مسند ابن عمر" (۲۵) میں عقیلی نے "ضعفاء" (۲/۱۰۵) میں ابن حبان نے "مجروحین" (۱/۳۲۴) میں طبرانی نے "معجم کبیر" (۱۲/۴۳۵) میں، ابن عدی نے "کامل" (۳/۱۲۱۸) میں ابن شاہین نے "ناسخ ومنسوخ" (۱۶۸) میں بیہقی نے "سنن" (۱/۳۹۹) میں اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اربعین (۱۴۶) میں عطا بن ابی رباح کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند سخت ضعیف ہے، کیونکہ عطاء سے اس کو روایت کرنے والا سعید بن راشد سماک ہے۔ بخاری نے اس کو منکر الحدیث اور نسائی نے متروک کہا ہے۔ اور ابن معین نے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں "میزان" (۲/۱۳۵)

مگر یہ عطاء سے اس حدیث کو بیان کرنے میں متفرد نہیں۔ بلکہ حسام بن مصک نے اس کی متابعت کی ہے۔

اس متابعت سے اس کو ابن عدی (۲/۸۴۱) نے روایت کیا ہے۔ حسام تک اس کی سند صحیح ہے۔ مگر حسام کو حافظ نے "تقریب" میں اور ابوزرعہ عراقی نے "ذیل کاشف" میں ضعیف کہا ہے۔ جب کہ ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ اپنے ضعف کے باوجود حسن الحدیث (اچھی حدیث والا) ہے، ابن عدی کے اس قول کی بناء پر حافظ ابن حجر نے ایک حدیث کو اس حسام کی متابعت کی وجہ سے حسن درجے کی قرار دیا ہے ملاحظہ ہو "القول المسدد" (ص ۲۳، حدیث ۹)

خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۲/۱۴۱) میں اس کو نافع کی سند سے بھی ابن عمر سے روایت کیا ہے ←

مانگ! دیا جائے گا

۲۳۰- عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فرمایا۔ جیسے مؤذن کہتے ہیں۔ تو بھی کہہ۔ (یعنی جواب دے) پھر جب تو جواب سے فارغ ہو جائے۔ پس مانگ! دیا جائے گا۔ (ابُو داؤد)

۔۔۔۔۔ اس سند کے ہیثم بن خلف کے علاوہ باقی سب راوی ثقہ ہیں۔ خطیب نے اس کو ہیثم ہی کے ترجمے میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کے بارے میں انہوں نے کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی تاہم یہ کہا ہے کہ میرے خیال میں یہ ہیثم بن خالد ہی ہے۔ جس کو ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔ مگر روایت میں ہیثم بن خلف فائے سے ہے۔ اھ

اس سے قبل انہوں نے حسن ہیثم بن خالد کا ذکر کیا ہے۔ یہ ابُو حسن قرشی ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر نے یہ کہا ہے۔ "صدوق یغرب"

صدوق ہے (مگر) غرائب بیان کرتا ہے۔

یہ ہیثم، ہیثم بن خالد ہو یا ہیثم بن خلف، اس سند کو اور اس سے پہلے والی سند کو ملانے سے حدیثِ ابن عمر، حدیث صدائی کے لیے شاہد بننے کے قابل ہے۔ کیونکہ صدائی کی حدیث میں زیادہ ضعف نہیں۔ کیونکہ عبدالرحمٰن افریقی صرف حافظہ کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ بلکہ ابن عساکر اور حازمی نے "کتاب الاعتبار" میں اس کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ نیز صدائیؓ سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔

عقیلی حدیثِ ابنِ عمر کو سعید بن راشد کی سند سے روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

"وقد روی هذا المتن بغیر هذا الاسناد من وجه صالح"

یہ حدیث اس سند کے علاوہ دوسری اچھی سند سے مروی ہے۔

"اس سے شاید ان کی مراد نافع والی سند ہو یا کہ افریقی والی سند"

یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اس کو ابن عدی (۲۱۶/۳) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند محمد بن فضل بن عطیہ کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ شاہد بننے کے قابل نہیں۔

۲۳۰ ۔۔۔ حسن درجے کی ہے۔

اس کو ابُو داؤد (۵۲۴)، نسائی نے "عمل" (۴۴) میں ابنِ حبان (۲۹۵) نعیم بن حماد نے "زوائد زہد" (۱۴۴) میں اور بغوی نے "شرح السنہ" (۴۲۷) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ ابنِ حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

سحری کی اذان

۲۳۱ — ابن عمرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔

اِنَّ بِلَالًا یُنَادِیْ بِلَیْلٍ. فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا ؀

تحقیق بلالؓ اذان دیتا ہے رات کو۔ پس تم کھاؤ اور پیو۔ (یعنی بلال کی اذان سن کر سحری کھانا نہ چھوڑا کرو۔ کیونکہ وہ اذان رات کو سحری کے لیے دیتا ہے) (متفق علیہ)

---

۲۳۱ — اس کو بخاری (۶۱۷، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۳) مسلم (۷/۲۰۲-۲۰۳) "صیام" اسی طرح ترمذی (۲۰۳) "صلاۃ" نسائی (۲/۱۰) "اذان" مالک (۱/۷۴-۷۵) احمد (۲/۹، ۵۷، ۶۲، ۶۴، ۷۳، ۷۹، ۱۰۷، ۱۲۳) طیالسی (۱/۱۸۶)۔ حمیدی (۶۱۱) دارمی (۱/۲۷۰) ابن خزیمہ (۴۰۱، ۴۰۹) ابن جارود (۱۶۳) طحاوی نے شرح المعانی (۱/۱۲۷-۱۲۸) میں اور بیہقی (۱/۴۲۶-۴۲۷) نے روایت کیا ہے۔

اس اذان کا ذکر ابن مسعود، عائشہ، انیسہ، انس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں بھی ہے۔

حدیث ابن مسعود اور حدیث عائشہ کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث انیسہ کو نسائی (۲/۱۱) ابن خزیمہ (۴۰۴-۴۰۵) طحاوی ابن حبان (۸۸۷) طبرانی (۲۴/۱۹۱) اور احمد (۶/۴۳۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

حدیث انس کو بزار (۹۸۲) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔

بقیہ احادیث "مجمع الزوائد" (۳/۱۵۶-۱۵۷) میں دیکھیں۔

ان احادیث سے قبل از فجر اذان دینا (جسے عرف میں تہجد یا سحری کی اذان کہتے ہیں) ثابت ہوا، جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے، جن میں امام مالک، اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ بھی ہیں۔

اسی طرح امام ابویوسف کا بھی یہی قول ہے۔ جب کہ امام ابو حنیفہ، ثوری اور محمد بن حسن اس کے جواز کے قائل نہیں۔

حافظ ابن عبدالبر اس مسئلے میں اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

حدیث ابن عمر جب صحیح حدیث ہے تو حدیث کے مقابلے میں، کسی کا بھی قول حجت نہیں۔ اگر قبل از فجر اذان کا دینا ناجائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال کو منع کر دیتے۔ "تمہید" (۱۰/۱۶۱)

ہوتے ہوئے مصطفٰی کی گفتار   مت دیکھ کسی کا قول و کردار

←

وبا میں اذان نہیں

۲۳۲ ـ بیماریوں اور وباء کے موقع پر لوگ گھر گھر اذانیں دیتے تھے۔ یہ سنت سے ثابت نہیں۔

ـــــ **تنبیہ :** اس اذان اور نماز فجر والی اذان کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اتنا وقفہ نہ تھا جتنا کہ آج کیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ وقفہ چند منٹ کا تھا۔ کیونکہ نسائی، ابن خزیمہ اور طحاوی کے یہاں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں یہ اضافہ بھی ہے۔

" ولم یکن بینھما إلا مقدار ما ینزل ھذا و یصعد ھذا۔

دونوں (یعنی مؤذنوں) کے درمیان صرف اس قدر وقفہ ہوتا کہ ایک اذان دے کر اترتا تو دوسرا (دوسری اذان کے لیے) چڑھ جاتا
مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، طبرانی کبیر اور شرح المعانی میں یہ اضافہ انیسہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے۔
اسی طرح "صحیح مسلم" میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی، مگر اس میں یہ اضافہ محل نظر ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔ دیکھیں "فتح الباری" (۲/ ۱۰۵ - ۱۰۶)
پہلی اذان کی جو حکمت یا وجہ تھی اس کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ کی احادیث میں ذکر ہوا ہے چنانچہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے۔

" فانہ یؤذن أو ینادی بلیل لیرجع قائمکم و لینبہ نائمکم "

اور حدیث سلمان میں ہے۔ " لیرجع قائمکم الذی فی صلاتہ . . . "
یعنی بلال پہلی اذان اس لیے دیتے ہیں۔ تاکہ نماز تہجد ادا کرنے والا، نماز فجر کی تیاری کے لیے کچھ آرام کرے اور جو سویا ہوا ہے وہ بھی نماز کی تیاری کے لیے بیدار ہو جائے۔
حدیث ابن مسعود کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔
حدیث سلمان طبرانی کبیر (۶/ ۲۵۲) میں ہے، ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں سہل بن زیاد ہے۔ اس کی ابو حاتم نے توثیق کی ہے۔ اس میں کچھ کلام بھی ہے۔ جو مضر نہیں۔ "مجمع الزوائد" (۳/ ۱۵۶ - ۱۵۷)
واضح رہے کہ طبرانی کبیر کے مطبوعہ نسخے میں زیاد ہے۔ سہل بن زیاد نہیں۔ واللہ اعلم۔
۲۳۲ــ مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں مطلق نفی کر دی ہے۔ جو کہ درست نہیں اگر یوں کہتے کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو درست ہوتا۔ کیونکہ ایک حدیث میں ہے۔

"اذا وقعت کبیرۃ أو ھاجت ریح مظلمۃ فعلیکم بالتکبیر فانہ یجلی العجاج الأسود" ــــ

۲۳۳ -(انوٹ) الصلوٰۃُ خَیرٌ مِنَ النَّوم - سوائے اذان فجر کے کسی اور اذان میں نہیں کہنا چاہیئے۔

"جب کوئی بڑی مصیبت اُتر آئے یا تاریک آندھی چلے تو تمھیں تکبیر کہنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ تاریک غبار کو دُور کر دیتی ہے۔"

اس کو ابُو یعلیٰ (۷۰۴ء۱۹) ابن حبان نے "مجروحین" (۲/۱۷۹) میں ابن عدی نے کامل (۶/۲۲۱۰) میں اور ابن سنی نے "عمل الیوم واللیلہ" (۲۸۵) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مگر یہ من گھڑت حدیث ہے، کیونکہ اس کی سند میں عنبسہ بن عبدالرحمٰن اموی ہے۔ ابُو حاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ من گھڑت روایتوں والا ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں "تہذیب التہذیب" (۸/۱۴۳)

اس نے یہ حدیث محمد بن زازان سے روایت کی ہے اور یہ متروک ہے۔ جیسا کہ تقریب میں ہے۔

بعض راویوں نے اس حدیث کو جابر رضی اللہ عنہ کی بجائے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھیں "کامل ابن عدی" (۵/۱۹۰۱، ۶/۲۲۱۰)۔

حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث، انس سے ہو یا جابر سے مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے موضوع ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ تم بحالت سفر جب کسی جن، بھوت سے، خطرہ محسوس کرو تو اذان دو۔

اس کو احمد (۳/۳۸۲، ۳۰۵) نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ" (۹۵۵) میں ابُو یعلیٰ (۲۲۱۹) ابن خزیمہ (۲۵۴۹) اور ابن سنی (۵۲۳) نے حسن بصری کی سند سے جابر رضی اللہ عنہ سے۔

بزار (۳۱۲۹) اور ابن عدی (۷/۲۶۰۹) نے بھی حسن بصری ہی کی سند سے جابر کی بجائے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے۔

طبرانی نے "اوسط" اور "دعا" (۲۰۰۹) میں ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ اور ابن عدی (۵/۱۶۸۴-۱۶۸۵) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ تفصیل "احادیث ضعیفہ" (۱۱۴۰) میں دیکھی جائے۔

۲۳۳- بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ فجر کے علاوہ کسی اور نماز میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" نہ کہو اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فجر میں" الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنے کا حکم دیا اور عشاء میں اس سے منع کیا۔

اس حدیث کو احمد (۶/۱۴-۱۵) ترمذی (۱۹۸) ابن ماجہ (۷۱۵) طبرانی (۱/۳۵۷-۳۵۸) عبدالرزاق (۱/۴۷۳) اور ابُو شیخ نے "طبقات" (۲/۲۰۰) میں روایت کیا ہے۔ ←

مساجد کا بیان

تعمیر مسجد کا ثواب

۲۲۴۔ حضرت عثمان روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ ۔ (متفق علیہ)

"جو شخص خدا (کی رضا) کے لیے مسجد بنائے۔ اللہ اس کے واسطے بہشت میں گھر بناتا ہے۔"

مسجدیں اللہ کو بڑی پیاری ہیں

۲۲۵۔ ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا۔

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا ۔ (صحیح مسلم)

"زیادہ محبوب مکانوں شہروں کے طرف اللہ کی مسجدیں ان کی ہیں۔ اور بہت مبغوض مکانوں شہروں کے طرف اللہ کی بازار ان کے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ مسجدیں دُنیا کی تمام جگہوں سے خدا کو زیادہ محبوب و پیاری ہیں۔ کیونکہ ان میں خدا کی عبادت ہوتی ہے، اور بازار تمام جگہوں سے خدا کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں۔ کیونکہ وہاں حرص، جھوٹ، مکر، اور لین دین میں فریب وغیرہ کا دَور دورہ ہوتا ہے یاد رہے کہ بازار میں کبھی بغیر ضرورت نہ جائیں۔ اور مسجدوں سے بہت محبت کریں۔

ـــــہ یہ حدیث اسنادی اعتبار سے تو ضعیف ہے مگر اس کا معنی درست ہے۔ یعنی "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنے کی مناسبت یا ضرورت اذان فجر ہی سے متعلق ہے۔

۲۲۴۔ اس کو بخاری (۴۵۰) مسلم (۵/ ۱۴) ابو عوانہ (۱/ ۳۹۱) ترمذی (۳۱۸) ابن ماجہ (۷۳۶) دارمی (۱/ ۳۲۳) ابن خزیمہ (۱۲۹۱) ابن حبان (۴/ ۴۸۸) احمد (۱/ ۶۱، ۷۰) اور بیہقی نے "سنن" (۲/ ۴۳۷) اور "شعب" (۶/ ۲۰۲) میں روایت کیا ہے۔

۲۲۵۔ أخرجہ مسلم (۵/ ۱۷۱) فی "المساجد" وابو عوانہ (۱/ ۳۹۰) وابن خزیمہ (۱۲۹۳) وابن حبان (۴/ ۴۷۷) والبیہقی (۳/ ۶۵) والبزار (۴۰۸) والخطیب فی "الموضح" (۱/ ۸۴-۸۵)

بہشت کی مہمانی

۲۳۶۔ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔

مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْرَاحَ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہٗ نُزُلَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ کُلَّمَا غَدَا اَوْرَاحَ۔ (متفق علیہ)

جو کوئی اوّل روز مسجد کی طرف جائے، یا آخر روز میں، تیار کرتا ہے۔ اللہ اس کے لیے مہمانی اس کی بہشت میں سے جب جاتا ہے اوّل روز کو، یا آخر روز کو۔"

مطلب یہ ہے، کہ مسجد خدا کا گھر ہے اور جو مسجد میں جاتا ہے وہ خدا کا مہمان ہوتا ہے اور خدا اس کی ضیافت اور د بہشت میں تیار کرتا رہتا ہے۔

تحیۃ المسجد

۲۳۷۔ حضرت ابی قتادہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ پیغمبر خدا نے فرمایا۔

اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ۔ (متفق علیہ)

"جب کوئی تمہارا مسجد میں داخل ہو۔ پس چاہیئے۔ کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت (نفل تحیۃ المسجد) پڑھ لے۔"

مساجد میں نمازوں کا حساب

۲۳۸۔ حضرت انس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ آدمی کی نماز اس۔

۲۳۶۔ اس کو بخاری (۶۶۲) مسلم (۵/ ۱۷۰) ابن خزیمہ (۱۴۹۶) ابن حبان (۵/ ۳۸۵) احمد نے "مسند" (۲/ ۵۰۹) اور (۸) میں ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۲/ ۲۲۹) میں اور بیہقی نے "سنن" (۳/ ۶۲) اور "شعب" (۶/ ۱۶۸) میں روایت کیا

۲۳۷۔ اس کو بخاری (۴۴۴، ۱۱۶۳) "صلاۃ وتحجد" مسلم (۵/ ۲۲۵-۲۲۶) اسی طرح ابوداؤد (۴۶۷-۴۶۸) ترمذی (۳۱۶) ا (۲/ ۵۳) ابن ماجہ (۱۰۱۲) مالک (۱/ ۱۶۲) احمد (۵/ ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۰۵) دارمی (۱/ ۳۲۴) ابن خزیمہ (۱۸۲۵-۱۸۲۷ ۱۸۲۹) ابوعوانہ (۱/ ۴۱۵-۴۱۶) ابن حبان (۶/ ۲۴۲، ۲۴۴ - ۲۴۶) اور بیہقی (۳/ ۵۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۳۸۔ سخت ضعیف ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۴۱۳) اسی طرح ضیاء مقدسی نے "فضائل بیت المقدس" (۱۹) میں روایت کیا ہے۔

گھر میں ایک نماز کے برابر ہے (ثواب میں) اور نماز اس کی محلہ کی مسجد میں پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور نماز اس کی جمعہ مسجد میں پانچ صد نمازوں کے برابر ہے اور نماز اس کی مسجد اقصیٰ میں برابر ہے پچاس ہزار نمازوں کے، اور نماز اس کی مسجد میری (مسجد نبویؐ) میں برابر ہے پچاس ہزار نمازوں کے اور نماز اس کی مسجد حرام (مکہ) میں برابر ہے ایک لاکھ نمازوں کے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ)

پیاز، لہسن، کھا کر مسجد میں نہ آؤ

۲۲۹ ـــ روایت ہے معاویہ بن قرہ سے، اس نے نقل کی اپنے باپ سے تحقیق رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

← یہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے اور متن کے اعتبار سے مردُود و باطل ہے۔ کیونکہ یہ ان احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہے۔ جو مسجد نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت کے بارے میں آئی ہیں۔

غالبًا اسی لیے علامہ ذہبی نے "میزان" (۵۲۰/۴) میں اس کو بہت منکر کہا ہے۔

احادیث صحیحہ میں مسجد نبوی میں نماز کی جو فضیلت وارد ہوئی ہے وہ ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور یہ فضیلت متعدد حدیثوں میں آئی ہے، جن کی تعداد تقریبًا ڈیڑھ درجن کے قریب ہے۔

ان میں ابُو ہریرہ اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی ہیں۔ ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بخاری، مُسلم، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تقریبًا ایک درجن سندیں ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہا کی حدیث کو مُسلم، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت کے بارے میں تین حدیثیں ہیں۔ ایک میں ایک ہزار دوسری میں پانچ سو اور تیسری میں اڑھائی سو نماز کے برابر ثواب کا ذکر ہے۔ مگر ان میں صحیح ترین حدیث اڑھائی سو والی ہی ہے۔ اور یہ ابُو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس کو طحاوی نے "مشکل الآثار" میں اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں مَیں نے ایک ہزار نماز کے ثواب والی حدیث کو ترجیح دی تھی اور اس کی تصحیح کے بارے میں حافظ عراقی اور بوصیری کے اقوال نقل کیے تھے، مگر اس وقت میرے پیشِ نظر حدیث ابو ذر نہ تھی۔

مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی فضیلت سے متعلقہ احادیث اور ان کی مفصل تخریج میں نے اپنے زیرِ تالیف رسالے "مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت" میں کی ہے (اسال اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان یوفقنی للاتمام بھا)

۲۲۹ ـــ اخرجہ ابوداؤد (۳۸۲۷) فی الاطعمۃ والبیہقی (۷۸/۳) بسند جید۔

پیاز و لہسن وغیرہ کھا کر مسجد میں آنا اس سے ممانعت کے بارے میں متعدد صحابہ سے روایات وارد ہیں ←

ان درختوں پیاز اور لہسن سے، اور فرمایا جو کوئی کھائے ان دونوں کو، پس نزدیک نہ آئے ہماری مسجد کے (مراد مسلمانوں کی مسجد) اور فرمایا اگر ضرور تم نے انہیں کھانا ہی ہے۔ پس مارو ان کو (یعنی بُو کو) پکا کر (ابوداؤد) پیاز اور لہسن سے مسجد میں فرشتوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ اس لیے منع فرمایا۔

مسجد میں خرید و فروخت منع ہے

۲۴۰۔ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب دیکھو

۔۔۔ دیکھیے صحیح البخاری (۲/۳۳۹) بشرح الفتح کتاب الاذان، صحیح مُسلم (۵/۱۳۹) بشرح نووی کتاب المساجد، صحیح ابُو عوانہ (۱/۴۰۸-۴۱۳) و دیگر کتب حدیث۔

ممانعت کی علت یہ ہے (جیسا کہ صحیح مُسلم اور صحیح ابوعوانہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے) کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لہسن پیاز کھا کر آئے۔ وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے، کیونکہ جس چیز سے بنو آدم اذیت محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے فرشتوں کو بھی اذیت پہنچتی ہے۔

فائدہ: پیاز لہسن کا یہ حکم سگریٹ وغیرہ کو بھی شامل ہے۔

شیخ محمد منیر دمشقی فرماتے ہیں، کیا کسی کے تصور میں یہ بات آسکتی ہے کہ سگریٹ پینے والا اس حکم میں داخل نہیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ سگریٹ کی بدبُو پیاز و لہسن کی بُو سے کہیں زیادہ اذیت دہ ہے۔ ان دونوں چیزوں کے کھانے میں کسی قسم کا ضرر بھی نہیں۔ جب کہ سگریٹ نوشی کے بہت سے نقصانات ہیں اور اس میں کوئی فائدہ ہے ہی نہیں نقلاً عن ہامش صحیح الترغیب للالبانی (۱/۱۳۲)

فائدہ: اگر کوئی شخص معذور ہو، یعنی کسی مرض وغیرہ کی بنا پر اسے لہسن یا پیاز کا استعمال کرنا پڑتا ہو تو اسے ان چیزوں کے استعمال کے بعد مسجد میں آنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ کو سینے میں ایک مرض کی بنا پر اجازت دی تھی اور یہ حدیث "ابُوداؤد" صحیح ابن خزیمۃ (۱۶۷۲) صحیح ابن حبان (۳۱۹ موارد) اور اخلاق ابُو الشیخ (۲۱) میں بسند صحیح موجود ہے۔

طبرانی کبیر (۲۰/۴۳۱) میں یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ مگر وہ سند ضعیف ہے۔

ابن خزیمہ نے اس حدیث پر یوں باب باندھا ہے۔ "باب الرخصۃ فی اکلہ عند الضرورۃ والحاجۃ الیہ۔

۲۴۰۔۔۔ صحیح حدیث ہے۔

←

تم کسی شخص کو کہ مسجد میں بیچتا ہے یا خریدتا ہے کچھ۔ پس تم کہو نہ نفع دے اللہ سوداگری تیری میں۔ اور جس وقت دیکھو تم کسی شخص کو کہ ڈھونڈتا ہے بلند آواز کے ساتھ مسجد میں گم شدہ چیز کو۔ پس تم کہو نہ لوٹائے اللہ تجھ پر۔

(رواہ الترمذی والدارمی)

مساجد بہشت کے باغ ہیں

۲۴۱ ۔ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تمہارا گزر بہشت کے باغوں سے ہو پس میوے کھاؤ۔ دریافت کیا گیا۔ اے خدا کے رسولؐ۔ بہشت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ مسجدیں! دریافت کیا گیا، کہ میوے کھانا کیا ہے؟ اے خدا کے رسولؐ! فرمایا۔ (یہ ہیں میوے) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ (رواہ ترمذی)

مسجدوں کو باغ بہشت اس لیے فرمایا کہ ان میں عبادت کرنا بہشت کے باغوں میں پہنچاتا ہے۔ اور باغوں درخت پھل دار میں جا کر میوے نہ کھانا اچھا نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ مسجد میں جا کر تسبیحات وغیرہ بکثرت پڑھو۔ یہی تسبیحیں آگے چل کر بہشت کے میوے بن جائیں گے۔

۔۔۔۔ اس کو ترمذی (۱۳۲۱) "بیوع" دارمی (۳۲۶/۱) اسی طرح نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۷۶) میں ابن خزیمہ (۱۳۰۵) ابن حبان (۳۱۳) ابن سنی (۱۵۴) حاکم (۵۶/۲) اور بیہقی (۴۴۷/۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کی سند جید ہے، ترمذی نے اس کو حسن، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

اس کے متعدد شواہد بھی ہیں، مسلم (۵۴/۵) "مساجد" ابوعوانہ (۴۰۷-۴۰۶/۱) ابوداؤد (۴۷۳) ابن ماجہ (۷۶۷) اور بیہقی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

اس حدیث کا آخری حصہ ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے۔

"فإن المساجد لم تبن لهذا: مسجدیں اس مقصد کے لیے تو نہیں بنائی گئیں۔"

تنبیہ: ترمذی اور دارمی وغیرہ والی حدیث کو ایک راوی عباد بن کثیر نے ابوہریرہ کی بجائے ثوبان سے روایت کیا ہے اس طرح سے یہ حدیث "طبرانی کبیر" (۱۰۴-۱۰۳/۲) اور ابن سنی (۱۵۳) میں ہے۔ مگر یہ ثوبان سے صحیح نہیں، کیونکہ عباد بن کثیر سخت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے "فتوحات ربانیہ" (۶۹-۶۸/۲) دیکھیں۔

۲۴۱ ۔۔ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۳۵۰۹) نے عطاء بن ابی رباح کی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ←

مسجد میں باوضو جانا حج کو جانا ہے

۲۴۲ — عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِہٖ مُتَطَھِّرًا اِلٰی صَلٰوۃٍ مَکْتُوْبَۃٍ فَاَجْرُہٗ کَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ

(رواہ ابوداؤد)

ابی امامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نکلتا ہے اپنے گھر سے باوضوء ہوکر قصد کرنے والا طرف مسجد کے۔ نماز فرض ادا کرنے کے لیے۔ پس ثواب اس کا مانند ثواب حج کرنے والے احرام باندھنے والے کے ہے۔ (ابوداؤد)

گھر سے وضوء کرکے مسجد کو نماز فرض کے لیے چلنا احرام کے مشابہ ہے اور نماز فرض کا ادا کرنا حج کی مانند ہے۔ جس طرح حاجی حج کو جاتا ہے اور واپس گھر آنے تک ثواب میں رہتا ہے۔ اسی طرح نمازی باوضوء جب گھر سے چلتا ہے تو واپس آنے تک ثواب میں رہتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باوضوء مسجد کو جانے والا محرم حاجی کی مانند ثواب پاتا ہے۔

مسلمان بھائیو! مسجدوں کی قدر کرو۔ اور گھر سے باوضوء ہوکر فرائض کی ادائیگی کی نیت سے مسجدوں کی طرف قصد کیا کرو۔ ذرا غور تو کرو۔ ایسا کرنے میں ثواب کس قدر ہے۔

تنبیہ:

جن پر بیت اللہ کا حج فرض ہوچکا ہے، جب تک وہ وہاں جاکر حج نہ کریں گے۔ ان سے فرضیت ساقط نہ ہوگی، خواہ وہ پوری عمر باوضوء ہوکر پانچوں نمازیں مسجد میں جاکر پڑھتے رہیں، اس لیے خدا کی بخشش، اور اجر و ثواب کی فراوانی سے کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔

← کہا ہے۔ عطار سے اس کو حمید مکی نے روایت کیا ہے اور یہ مجہول ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔ لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

۲۴۲ — جید حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۵۸) اسی طرح احمد (۵/ ۲۶۸) طبرانی (۸/ ۲۰۷، ۲۱۴، الیضا ۲۴۹) بیہقی (۳/ ۶۳) اور بغوی (۲/ ۳۵۷) نے روایت کیا ہے۔

مسجد کا نمازی خدا کے سایہ میں

۲۴۳۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ، اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَاَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ سات شخص ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ اس دن (حشر میں) اپنے سایہ میں رکھے گا۔ جس دن سوائے اس کے سایہ کے سایہ نہ ہوگا۔ (پہلا) حاکم عادل (دوسرا) جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزارے (تیسرا) وہ شخص کہ اس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہے۔ جس وقت (نماز پڑھ کر) نکلتا ہے۔ اس سے، یہاں تک کہ بے تاب ہوتا ہے۔ کہ پھر جاوے اس کی طرف۔ (چوتھا) وہ دو شخص جو (صرف) اللہ کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ (جب) ملتے ہیں تو اسی کی محبت میں اور جدا ہوتے ہیں تو اسی کی محبت میں۔ (پانچواں) وہ شخص جو تنہا اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اور (افراطِ محبت یا خشیت سے) بہتی ہیں اس کی آنکھیں (چھٹا) وہ شخص کہ جسے کسی صاحبِ حسب اور صاحبِ جمال عورت نے (بدی کے لیے) بلایا۔ پھر اس شخص نے کہا۔ تحقیق میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (ساتواں) وہ شخص کہ جس نے دیا کچھ (خدا کے نام پر) پھر چھپایا اس کو، یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہ ہوا۔ کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (یہ کنایہ ہے خیرات کو کمال مخفی رکھنے سے)۔

۲۴۳۔ اس کو بخاری (۶۶۰) "اذان" مسلم (۷/۱۲۰-۱۲۲) "زکاۃ" اسی طرح اس کو ترمذی (۲۳۹۱) "زہد" نسائی (۸/۲۲۲-۲۲۳) "آداب القضاۃ" مالک (۲/۹۵۲) "شعر" ابن مبارک نے "مسند" (۸۰) اور "زہد" (۱۳۴۲) میں بھی احمد (۲/۴۳۹) ابن حزم نے "طوق الحمامہ" (۱۸۸) میں، بیہقی نے "سنن" (۳/۶۵-۶۶) اور "آداب" (۱۰۳۴) میں بھی خطیب نے "تاریخ بغداد" (۱۲/۴۲۹) میں البغوی نے "شرح السنہ" (۴۷۰) میں اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۷/۱۸۵) میں روایت کیا ہے۔

مساجد میں خوشبو

۲۴۴ - حضرت عائشہ رض روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ کہ محلوں میں مسجدیں بناؤ (یعنی جہاں نیا محلہ آباد ہو، وہاں مسجد بھی بناؤ) اور پاک صاف رکھوانہیں۔ اور خوشبو لگاؤ۔

(ابوداؤد وابن ماجہ)

---

۲۴۴ - صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۴۵۵) ابن ماجہ (۷۵۹) اسی طرح ترمذی (۵۹۴) احمد (۲۷۹/۶) ابن خزیمہ (۳۹۴) عقیلی (۳/۲۰۹) طحاوی نے "مشکل الآثار" (۲۵/۴) میں ابن حبان (۳۰۶)۔ ابن عدی (۱۵۶۲/۴، ۱۷۳۸/۵) ابن حزم (۲۴۰/۴) بیہقی، (۴۴۰/۲) اور بغوی (۴۹۹) نے روایت کیا ہے۔

سند: ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔

یہ سند صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔ ہشام بن عروہ سے اس کو زائدہ بن قدامہ، عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری، مالک بن سعیر اور عامر بن صالح زبیری نے موصولاً روایت کیا ہے۔ جب کہ وکیع، عبدہ اور ابن عیینہ نے اس کو موصول کی بجائے مرسلاً روایت کیا ہے۔

امام ترمذی عقیلی اور دارقطنی نے مرسل ہی کو ترجیح دی ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ اس کا موصولاً مروی ہونا ثقہ راویوں کا اضافہ ہے۔ جو قبول کیا جائے گا۔ بلکہ اس کو موصولاً روایت کرنے والوں میں اکثر راوی ثقہ ثبت ہیں اور وہ ہیں۔ زائدہ بن قدامہ، عبداللہ بن مبارک اور سفیان ثوری اور مالک بن سعیر ثقہ ہیں۔ مگر عامر بن صالح متروک۔

اسی طرح اس کو قران بن تمام نے بھی ہشام بن عروہ سے موصولاً روایت کیا ہے۔ مگر انہوں نے اس کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بجائے فرافصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن یہ وہم ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "اصابہ" (۱۹۷/۳) میں بغوی سے نقل کیا ہے۔

قران کے بارے میں حافظ صاحب نے "تقریب" میں کہا ہے کہ صدوق ہے۔ مگر بعض اوقات غلطی کر جاتا ہے۔ "مشکل الآثار" (۲۶/۴) میں عبداللہ بن مبارک سے بھی ایک روایت میں یہ حدیث فرافصہ ہی سے مروی ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کیونکہ اکثر راویوں نے اس کو انہی سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے بعض شواہد بھی ہیں جن سے اس کو تقویت پہنچتی ہے۔ وہ شواہد یہ ہیں۔ ←

۱۔ ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو احمد (۵/۳۷۱) نے عروہ کی سند سے ان سے روایت کیا ہے۔اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔ جب کہ ہیثمی نے اس کو صحیح کہا ہے "مجمع الزوائد" (۲/۱۴)۔

ممکن ہے کہ یہ نامعلوم صحابی، عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہوں۔کیونکہ ہشام نے اپنے باپ عروہ سے اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسرے صحابی ہوں۔ واللہ اعلم۔

پہلی صورت میں یہ حدیث، عائشہ رضی اللہ عنہا کی عروہ سے ایک دوسری سند ہوگی اور دوسری صورت میں یہ ان کی حدیث کی شاہد ہوگی۔

۲۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

یہ ان سے دو سندوں سے مروی ہے۔ اس کو احمد (۵/۱۷) اور ابن عدی (۱/۳۲۹) نے مکحول کی سند سے۔

ابوداؤد (۴۵۶) طبرانی اور بیہقی (۲/۴۴۰) نے سلیمان بن سمرہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

مگر یہ دونوں سندیں ضعیف ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھیں "تعجیل المنفعۃ" (۲۸۔ ترجمہ اسحاق بن ثعلبہ) اور "تہذیب التہذیب" (۲/۸۰۔ ترجمہ جعفر بن سعد بن سمرۃ)

تنبیہ: حافظ منذری نے "ترغیب و ترہیب" (۱/۱۹۸) میں حدیث سمرہ کو احمد اور ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔مگر مجھے یہ ترمذی میں نہیں ملی اور نہ ہی حافظ مزی نے تحفۃ الأشراف" (۴/۴۶۱۶/۴۶۴۱) میں اس کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ انہوں نے اس کو صرف ابوداؤد ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔

۳۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہا۔

اس کو ابن عدی (۶/۲۱۷۳) نے روایت کیا ہے۔مگر اس کی سند محمد بن فضل بن عطیۃ کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔اس لیے یہ شاہد بننے کے قابل نہیں، میں نے اس کو شاہد کے لیے نہیں، بلکہ بطور فائدہ ذکر کیا ہے۔

اس میں صرف خوشبو لگانے کا ذکر ہے۔

تنبیہ: امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ہماری مسجدوں میں روشنی کرے گا، اس کے بدلے میں اللہ عزوجل اس کی قبر میں روشنی کرے گا جو اسے جنت کی طرف لے جائے گی اور جو شخص ان میں اچھی خوشبو کا انتظام کرے گا۔اس کے بدلے میں اللہ عزوجل اس کی قبر میں جنت کی خوشبو بھیجے گا۔

مگر یہ من گھڑت حدیث ہے۔ اس کو ابن عدی (۱/۲۵۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ابراہیم بن براء بن نضر ہے۔ابن عدی نے اس کی احادیث کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس نے ثقہ راویوں سے باطل روایتیں بیان کی ہیں۔

مسجد کے نمازیوں کو خوشخبری

۲۴۵ ــ حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خوشخبری دے اندھیروں میں۔ (نماز کے لیے) مسجد کی طرف چلنے والوں کو، ساتھ پورے نور کے قیامت کے دن۔ (ترمذی)

---

۲۴۵ ــ صحیح حدیث ہے۔

یہ حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ جن کی تعداد بارہ ہے۔ اس کی کوئی سند بھی اگرچہ صحیح نہیں۔ مگر سب حدیثوں کو ملانے سے یہ درجۂ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔

جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی اور ان کی حدیثوں کی تخریج درج ذیل ہے۔

۱۔ بریدہ رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو ابُو داؤد (۵۶۱) ترمذی (۲۲۳) قضاعی نے "مسند شہاب" (۷۵۲، ۷۵۵) میں بیہقی نے "سنن" (۳/۶۴) اور "شعب" (۶/۱۸۶ - ۱۸۷) میں اور خطیب بغدادی نے "موضح" (۱/۴۱۱) میں عبد اللہ بن اوس خزاعی کی سند سے روایت کیا ہے۔

۲۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو ابنِ ماجہ (۷۸۰) ابن خزیمہ (۱۴۹۸ - ۱۴۹۹) طبرانی (۶/۱۴۷) حاکم (۱/۲۱۲) اور بیہقی نے "سنن" (۳/۶۳) اور "شعب" (۶/۱۸۴) میں روایت کیا ہے۔

۳۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو ابنِ ابی شیبہ (۲/۵۹ - دار التاج) دارمی (۴۲۲) ابن حبان (۴۲۲) اور بیہقی نے "شعب" (۱/۱۸۷) میں روایت کیا ہے۔

۴۔ ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو ابن ماجہ (۷۷۹) اور ابن عدی (۱/۲۷۹) نے اسماعیل بن رافع کی سند سے۔ طبرانی نے "اوسط" (۴۸۰۷) میں ابُو عبد اللہ اغر کی سند سے اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۷/۲۹۶) میں سعید بن مسیب کی سند سے روایت کیا ہے۔

تنبیہ ۱:۔ ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث میں ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ابُو ہریرہؓ رات کو مسجدوں کی طرف جایا کرو۔ اس کے بدلے میں تمھیں ہر اس چیز کے وزن کے برابر نیکیاں ←

ملیں گی۔ جن پر تم اپنے قدم رکھو گے۔"

اسس کو ابن عدی (۱/۲۶۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ ضعیف روایت ہے۔ اس کی سند میں ابراہیم بن محمد بن ثابت ہے۔ ذہبی نے "میزان" وغیرہ میں کہا ہے کہ یہ منکر روایتوں والا ہے۔

۵۔ انس رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث کو ابن ماجہ (۸۱)، عقیلی (۲/۱۴۰) دولابی نے "کنی" (۱/۱۹۵) میں، حاکم (۱/۲۱۲) قضاعی نے "مسند شہاب" (۷۵۱) میں اور بیہقی نے "سنن" (۳/۶۳) اور "شعب" (۶/۱۸۵) میں ثابت بنانی کی سند سے۔

ابو شیخ نے "طبقات" (۴/۲۸۸) میں یزید رقاشی کی سند سے اور قضاعی (۷۵۳) نے ابو ہاشم کی بھی سند سے روایت کیا ہے۔

۶۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

ان کی حدیث کو ابو یعلیٰ (۱۱۱۳) عقیلی (۳/۱۰۵) اور ابن عدی (۵/۱۹۷۲) نے روایت کیا ہے۔

۷۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث مسند بزار (۴۳۲۔ زوائد) میں ہے۔

۸۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

ان کی حدیث طبرانی کبیر (۱۰/۳۵۱) اور "مسند شہاب" (۷۵۶) میں ہے۔

۹۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث "طبرانی کبیر" (۵/۸۶) "کامل ابن عدی" (۳/۱۱۴۰) اور "مسند شہاب" (۷۵۴) میں ہے۔

۱۰۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث "طبرانی کبیر" (۸/۱۶۸، ۲۵۳) میں ہے۔

۱۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

ان کی حدیث کو بھی طبرانی (۱۲/۳۵۸) ہی نے روایت کیا ہے۔

۱۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا۔

ان کی حدیث کو عقیلی (۱/۲۳۵) اور طبرانی نے "اوسط" (۱۲۹۷) میں روایت کیا ہے۔

عقیلی نے کہا ہے کہ ان احادیث کا ضعف قریب ہے۔ یعنی ان کی سندیں زیادہ ضعیف نہیں مگر واضح رہے کہ یہ بات مذکورہ تمام احادیث کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ ان میں سے بعض کی سندیں

مسجد کی خبر گیری کرنے والے کو ایمان کا سرٹیفکیٹ

۲۴۶ــ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دیکھو تم کسی شخص کو، کہ مسجد کی خبر گیری کرتا ہے "فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْاِيْمَانِ" پس گواہی دو اس

ــــــ سخت ضعیف ہیں مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہا کی حدیث کی سند میں عباس بن بکار ہے۔ جسے دارقطنی نے کذاب کہا ہے۔

عقیلی کی مراد صرف وہی احادیث ہونگی جو ان کے پیشِ نظر تھیں۔

حاکم نے حدیثِ سہل کی سند کو بخاری و مُسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ مگر اس کی سند نہ تو بخاری و مُسلم کی شرط پر ہے اور نہ ہی صحیح۔

ابنِ حبان نے حدیثِ ابو درداء کو صحیح کہا ہے۔ منذری نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اسی طرح انہوں نے حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طبرانی اوسط والی سند کو بھی حسن کہا ہے اور حدیثِ بریدہ کی سند کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ "ترغیب" (۱/۱۲۲)۔

ہیثمی نے بھی حدیثِ ابوہریرہ کی طبرانی اوسط والی سند کو حسن کہا ہے اور حدیثِ ابُو درداء کی ایک سند کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔

مگر منذری اور ہیثمی کی ان سندوں کی تحسین یا بعض کے راویوں کی توثیق حافظ ابنِ حبان کے قاعدے کے مطابق تو درست ہے۔ مگر......

بوصیری نے کہا ہے کہ ان احادیث میں سے سب سے اچھی حدیث، حدیثِ بریدہ اور حدیثِ ابُو درداء ہے۔ حدیثِ بریدہ کو ابنِ حبان نے اپنی "صحیح" میں اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

"مصباح الزجاجہ" (۱/۱۰۰ تحقیق محمد منتقی)، (۱/۱۶۸۔ تحقیق کمال یوسف)

تنبیہ: "مصباح الزجاجہ" کے ان دونوں ہی نسخوں میں یہ ہے کہ حدیثِ بریدہ کو ابنِ حبان نے روایت کیا ہے۔ جبکہ ابنِ حبان نے حدیثِ ابُو درداء کو روایت کیا ہے۔ حدیثِ بریدہ کو نہیں۔

۲۴۶ــ ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۲۶۱۷) "ایمان" باب "ما جاء فی حرمۃ الصلاۃ" اسی طرح ابنِ ماجہ (۸۰۲) "مساجد" احمد (۶۸/۳، ۷۶) دارمی (۱/۲۷۸) ابنِ خزیمہ (۱۵۰۲) ابنِ حبان (۳۱۰) ابنِ عدی (۳/۹۸۱، ۱۰۱۳) حاکم ←

کے لیے ایمان کی۔ (ترمذی)

مسلمان بھائیو! بہنو! مسجدوں کی خبر گیری کیا کرو۔ انہیں صاف ستھرا رکھو۔ روشنی پانی، کا انتظام کرو۔ مرمت کا خیال رکھو، اور سب سے بڑی خبر گیری اور مسجد کی آبادی یہ ہے۔ کہ وہاں جا کر پانچوں وقت جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھو۔ مساجد میں قرآن وحدیث کے درس کا بندوبست کرو مسنون نماز پڑھانے والے ائمہ کا تقرر، اور پانچوں وقت اذان دینے کے لیے غیر اجیر مؤذن کا انتظام کرو۔

قبرستان اور حمام میں نماز کی ممانعت

۲۴۷۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَۃَ وَالْحَمَّامَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی)

"حضرت ابی سعیدؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ تمام روئے زمین مسجد ہے (یعنی سب جگہ نماز جائز ہے) سوائے قبرستان اور حمام کے۔"

ملاحظہ:۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں فرماتے، تو قبرستان میں پھر مسجدوں کا بنانا بھی جائز نہ ہوا مسجد کے معنی ہیں سجدے کی جگہ، نماز کی جگہ۔ جب قبرستان میں سجدہ اور نماز منع ہوئی، تو نماز اور سجدہ کے لیے مسجد (سجدہ کی جگہ) بھی منع ہوئی۔

←(۱/۲۱۲-۲۱۳) لالکائی نے "شرح اصول" (۵/۹۲۷) میں ابونعیم نے "حلیہ" (۸/۳۲۷) میں بیہقی نے "سنن" (۳/۶۶) اور "شعب" (۶/۲۰۶) میں روایت کیا ہے۔

اس کو ترمذی نے حسن، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ جب کہ ذہبی نے حاکم کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ دراج بہت مناکیر والا ہے۔

ابن عدی نے اس کی مناکیر میں اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

۲۴۷۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۴۹۲) ترمذی (۳۱۷) دارمی (۱/۳۲۳) اسی طرح ابن ماجہ (۷۴۵) ابن خزیمہ (۷۹۱) ابن حبان (۳۳۸-۳۳۹) حاکم (۱/۲۵۱) ابن حزم (۴/۲۷-۲۸) بیہقی (۲/۴۳۴-۴۳۵) احمد (۳/۸۳، ۹۶) اور ابو یعلیٰ (۱۳۵۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

سند: عمرو بن یحییٰ عن ابیہ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ۔ ←

← یہ سند صحیح ہے اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور ابنِ حزم نے بھی صحیح کہا ہے۔

ابنِ خزیمہ (۹۲)، حاکم اور بیہقی نے اس کو عمارہ بن غزیہ کی سند سے بھی یحیٰی سے روایت کیا ہے اور یہ سند بھی صحیح ہے۔

امام حاکم نے ان دونوں سندوں کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حفاظِ حدیث نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے " فتاوٰی کبریٰ " (۱/۱۴۴)

عمرو بن یحیٰی سے سفیان ثوری نے اس حدیث کو موصول کی بجائے مرسلاً روایت کیا ہے۔

امام ترمذی، دارقطنی اور بیہقی نے مرسل ہی کو ترجیح دی ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ عمرو بن یحیٰی سے اس کو ثقات کی ایک جماعت نے موصولاً روایت کیا ہے اور وہ ثقات یہ ہیں۔

عبدالواحد بن زیاد، حماد بن سلمہ، عبدالعزیز بن محمد دراوردی محمد بن اسحاق اور ابُو طوالہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن۔

مذکورہ جن کتب سے اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے۔ ان میں ابُو طوالہ کے علاوہ باقی سب راویوں کی سندیں ہیں اور ابُو طوالہ کا ذکر ابنِ حزم نے بزار کے حوالے سے کیا ہے۔

مجھے امام بیہقی کے اس کلام پر انتہائی تعجب ہے کہ یہ حدیث موصولاً بھی مروی ہے۔ مگر اس کی کچھ حیثیت نہیں۔

حالانکہ انہوں نے اس حدیث کو حماد بن سلمہ، عبدالواحد بن زیاد اور عبدالعزیز بن محمد کی سندوں سے موصولاً روایت کیا ہے۔ اسی طرح یحیٰی سے اس حدیث کی جو عمارہ بن غزیہ والی سند ہے۔ اس سند سے بھی انہوں نے اس کو روایت کیا ہے، تو کیا صرف ایک سفیان ثوری کے اس حدیث کو مرسلاً روایت کرنے کی وجہ سے ان ثقات کی موصول روایت کی کچھ حیثیت نہیں رہے گی۔

درحقیقت بات وہی ہے جو شیخ احمد شاکر نے "محلی کے حاشیے میں کہی ہے اور وہ یہ کہ:

" ولٰکن المهم هو نصر المذهب فقط" اصل مقصد اپنے مذہب کی تائید ہے۔

اس حدیث کو امام شافعی نے بھی" اُم "(۱/۹)، میں سفیان بن عیینہ کی سند سے عمرو بن یحیٰی سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ مگر وہ اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث کو میں نے اپنی کتاب میں دو مقامات پر پایا ہے۔ ایک مقام پر مرسل اور دوسرے مقام پر موصول "۔

اس سے معلوم ہوا کہ انہیں سفیان بن عیینہ کی روایت کے بارے میں اشتباہ ہے کہ یہ موصول روایت ہے۔ یا کہ مرسل۔

جب کہ انہوں نے اپنی ایک دوسری کتاب "سنن ماثورہ" (۲۴۲-۲۴۳) میں بلا کسی شک کے ابنِ عیینہ سے اس حدیث کو موصولاً روایت کیا ہے۔ ←

مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دُعا

۲۴۸ ـ حضرت ابُواسیدؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُولؐ اللہ نے فرمایا۔ جب کوئی تمہارا مسجد میں داخل ہو تو اسے پڑھے (رواہ مسلم)

"اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔" (مسلم)

"یا الٰہی میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

← اس سے معلوم ہُوا کہ دوسرے ثقات کی طرح سفیان بن عیینہ نے بھی اس حدیث کو موصولاً ہی روایت کیا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے، جنہوں نے اس کو مُرسل کہا ہے۔ ان کا علامہ ابن حزم اور شیخ احمد شاکر وغیرہ نے رَدّ کیا ہے۔

دیکھیں "محلی" (۴/۲۸-۲۹ مع حاشیہ شیخ احمد شاکر) اور "شرح الترمذی للشیخ احمد شاکر (۲/۱۲۳-۱۲۴) اور تحقیق المشکاۃ" للألبانی (۱/۲۲۹)

تنبیہ: امام ترمذی اور بیہقی نے کہا ہے کہ سفیان ثوری نے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا ہے۔ جب کہ شیخ احمد شاکر نے "حاشیہ محلی" اور "شرح ترمذی" میں ان دونوں کا رَدّ کیا ہے اور کہا ہے کہ ثوری نے بھی اس حدیث کو موصولاً ہی روایت کیا ہے۔ ان کی مُرسل روایت مجھے نہیں ملی۔ شاید انہیں اشتباہ ہوگیا ہے، کہ انہوں نے سفیان بن عیینہ کو سفیان ثوری تصور کر لیا ہے۔

قلت: امام ترمذی اور بیہقی کو اشتباہ نہیں ہوا، بلکہ یہ شیخ صاحب کا وہم ہے کہ انہوں نے ثوری کی مُرسل روایت کو موصُول سمجھ لیا ہے۔

غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی سند میں حماد بن سلمہ کی موصول روایت اور سفیان ثوری کی مرسل روایت ہے۔ اس لیے بظاہر سرسری نظر دیکھنے سے یہ فرق واضح نہیں ہوتا۔

سفیان ثوری کی مُرسل روایت "سنن ابن ماجہ" (۷۴۵)، "سنن بیہقی" (۲/۴۴۲) اور "مسند ابو یعلی" (۱۲۵۰) میں ہے۔

مسند ابُو یعلی میں تو قدرے وضاحت ہے۔ جب کہ "سنن ابن ماجہ" اور "سنن بیہقی" کو ذرا غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے ورنہ وہی نتیجہ ہوگا۔ جو شیخ احمد شاکر کے الفاظ میں ذکر ہُوا۔

۲۴۸ ـ مُسلم (۵/۲۲۴) اسی طرح اس کو ابُو عوانہ (۱/۴۱۴) ابُوداوٗد (۴۶۵) نسائی (۲/۵۳) ←

مسجد سے نکلتے وقت کی دُعاء

۲۴۹ ۔ حضرت ابو اسیدؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ نے فرمایا۔ اور جب کوئی تمھارا نکلے

← ابن ماجہ (۷۷۲) دارمی (۱/۳۲۴، ۲/۲۹۳) "صلاۃ واستیذان" عبدالرزاق (۱/۴۲۶) احمد (۳/۴۹۷، ۵/۴۲۵) طبرانی نے "دُعا" (۴۲۶) میں اور بیہقی (۲/۴۴۱-۴۴۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو ابُو اسید سے مُسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

جب کہ مُسلم اسی طرح ابوداوٗد، دارمی، بیہقی اور ابُوعوانہ کی بھی ایک روایت میں یہ حدیث ابو اُسید یا ابو حمید رضی اللہ عنہما سے (اس طرح شک کے ساتھ) مروی ہے۔

ابن ماجہ عبدالرزاق، اسی طرح ابُوعوانہ کی بھی ایک روایت میں یہ صرف ابُوحمید سے مروی ہے

جب کہ احمد، نسائی، طبرانی اور اسی طرح ابُوعوانہ کی ایک تیسری روایت میں یہ ابُو اسید اور ابُو حمید دونوں ہی سے مروی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس حدیث کو صرف ابُو اسید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کرنا درست نہیں، درحقیقت یہ تساہل "مشکاۃ" (۱/۲۲۱) میں خطیب تبریزی سے ہوا ہے۔ اور مؤلف نے اس کو "مشکاۃ" سے نقل کیا ہے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں اس دُعاء سے قبل "فلیسلم علی النبی" (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے) کا اضافہ بھی ہے۔

سلام کا ذکر ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے، جس کو نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ" (۹۰) میں، ابن ماجہ (۷۷۳) ابن خزیمہ (۵۲) اور ابن حبان (۲۲۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۱/۹۷۔ تحقیق محمد منتقی) میں صحیح کہا ہے۔

اور ابن سنی (۸۸) میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت یہ پڑھتے "بسم اللہ اللھم صل علی محمد"

البانی نے "صحیح الجامع" (۴۵۹۲) میں اس حدیث کو صحیح کہا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت پڑھی جانے والی دُعاء سے پہلے یہ کلمات بھی پڑھنے جائز: بسم اللہ اللھم صل وسلم علی محمد۔

۲۴۹ ۔ اس حدیث کی تخریج اس سے پہلے والی حدیث میں دیکھیں۔ ←

مسجد سے تو (یہ) پڑھے۔ (رواہ مسلم)

"اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (مسلم)

"یا الٰہی تحقیق میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔"

نماز کے اوصاف اور قواعد کا بیان

بارگاہِ لم یزل میں حاضری

نماز بارگاہِ لم یزل کی حاضری کا نام ہے۔ ابنِ ماجہ کے اندر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں حضورِ انور نے نماز پڑھنے کو رب کے ساتھ سرگوشی کرنا فرمایا ہے، تو گویا نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کرنا ہے۔ مردوں اور عورتوں کا قیامِ نماز، ان کا رکوع سجود، قومہ وجلسہ، اور قعدہ وغیرہ اپنے ربّ کے ساتھ مکالمے کے مختلف موضوع ہیں۔ کبھی سینے پر ہاتھ باندھ کر سینے کی صفائی سے اظہار مدعا ہوتا ہے۔ کبھی عبودیت جھک کر اقرارِ عجز کرتی ہے پھر انسانیت سر و قد ہو کر ربوبیت کی حمد و ستائش کا کلمہ پڑھتی ہے۔ اس کے بعد پیشانی خاک و دھول پر سجدہ ریز ہو کر "ربّ اعلیٰ" کا قرب چاہنے لگتی ہے، پھر سر اُٹھتے ہی دستِ حوائج بابِ اجابت کو دستک دینے لگتا ہے، اور پھر فرطِ محبت اور ذوق تماشا ایک بار پھر بندے کو ربّ الارباب کے حضور سربسجود کر دیتے ہیں۔ سر اٹھا کر پھر غلام اپنے مالک کے سامنے دو زانو بیٹھ کر محبیات سرمدی کی پاکیزہ التجاؤں سے اس کی رضا و رغبت کی تمنا کرتا ہے۔ کہ شانِ کریمی اپنے ملاقی کو فضل و رحمت کے ہدایا سے رخصت کرے۔

آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی شخص جب اپنے سے بڑے صاحبِ اوصاف انسان کی ملاقات کو جاتا ہے تو تہذیب و شائستگی اور ادب احترام کو ضرور ملحوظ رکھتا ہے۔ اگر کسی حاکم کے ہاں جانا ہو تو پیشی کے آداب و قواعد کی پابندی کا التزام کیا جاتا ہے۔ کمرۂ عدالت میں پہنچ کر بے ضابطہ کارروائی کرنا توہینِ عدالت کے مترادف ہے۔ جب تمام امورِ دنیا کی حسین وصحیح انجام پذیرائی ان کے مقررہ قواعد وضوابط کی پابندی پر منحصر ہے، تو کیا احکم الحاکمین کے دربار کی حاضری کے لیے نمازی کے واسطے کوئی قواعد و اصول نہیں ہیں؟ کیوں نہیں! ضرور ہیں۔ اور ان کا التزام قبولِ نماز کے لیے شرط ہے۔

دربارِ الٰہی کی حاضری کے لیے صفائی۔ ستھرائی اور طہارت کے مسائل تو آپ پڑھ چکے ہیں اور وضو کی تکمیل بھی ہو چکی ہے۔ اب بارگاہِ ایزدی کی حضوری کے اصول و قواعد اور مکالمے، مخاطبے کے آداب و شرائط خدا

۲۵۲ ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے، کہ ایک شہید خدا کے سامنے قیامت کو لایا جائے گا۔ خدا اسے پوچھے گا۔ کہ تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا۔ کہ میں تیری راہ میں لڑکر شہید ہوا۔ خدا فرمائے گا۔ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِيْءٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ "جھوٹا ہے تو۔ بلکہ تو اس لیے لڑا۔ کہ کہا جاوے کہ بہادر ہے۔ (یعنی بہادری کی شہرت کی نیت سے لڑا) پس تحقیق کہا گیا (یعنی نیت تیری لوگوں میں پوری ہوئی۔ اب مجھ سے کیا چاہتا ہے) پھر حکم کیا جاوے گا اس کو، پھر منہ کے بل کھینچا جائے گا۔ اور ڈال دیا جائے گا آگ میں"۔ اسی طرح پھر ایک عالم جس نے علم شہرت کی نیت سے پڑھا۔ اور پڑھایا تھا۔ خدا کے حضور پیش ہو کر جہنم میں جھونک دیا جاوئے گا۔ پھر ایک شہرت کی غرض سے سخاوت کرنے والے مالدار کا بھی یہی حشر ہو گا۔

بھائیو اور بہنو! یاد رکھو! جو کام بھی آپ کریں، خالص خدا کی خوشی، اور صرف اس کی اطاعت کی نیت سے کریں۔ خلوص نیت کے بعد اگر کسی کی شہرت بھی ہو جائے تو یہ شہرت اس کے لیے مبارک ہو گی۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار زنی کی شہرت بھی قیامت تک رہے گی۔ پر خالدؓ نے تلوار صرف اعلائے کلمۃ الحق کی نیت سے اٹھائی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر کار خیر میں ہماری نیت میں اخلاص ہو۔ اور خدا ہی کی رضا صرف مقصود ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھیں کہ کوئی عمل بغیر نیت کے نہ کریں۔ یعنی ہر عمل کے ساتھ نیت ضرور ہو۔ اس لیے کہ نیت بنیاد ہے تعمیر عمل کی۔

اسی طرح وضو کرتے وقت بھی دل میں یہ نیت کریں۔ کہ خدا کے حضور (نماز میں) حاضر ہونے کے لیے طہارت، (وضو) کرنے لگا ہوں۔ اور پھر جب نماز پڑھنے لگیں۔ تو دل ہی میں یہ قصد اور نیت کریں کہ صرف اپنے اللہ کی خوشی کے لیے اس کا حکم بجالاتا ہوں۔ اور نیت چونکہ دل سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے زبان سے ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ور نیت کا زبان سے ادا کرنا نہ ہی رسولِ پاکؐ کی سنت سے ثابت ہے۔ اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے۔[1]

۔۔۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: ابونعیم نے "حلیہ" (۳۴۲/۶) میں اور قضاعی نے "مسند الشہاب" (۱۱۷۳) میں اس حدیث کو ابوسعید مدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ ان سے صحیح ثابت نہیں۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔ تفصیل کے لیے "علل الحدیث" لابن ابی حاتم (۱۳۱/۱) دیکھیں۔

۲۵ ۔ اس کو مسلم (۳/ ۵۰ - ۵۱) "امارۃ" نسائی (۲/ ۲۳ - ۲۴) "جہاد" اور احمد (۲/ ۳۲۲) نے روایت کیا ہے۔

۱۔ امام ابن ہمام فرماتے ہیں۔

---"بعض حفاظ نے کہا ہے کہ کسی صحیح یا ضعیف سند سے بھی ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتدا کرتے وقت یہ فرماتے کہ میں فلاں نماز ادا کر رہا ہوں اور نہ ہی صحابہ یا تابعین میں سے کسی سے یہ منقول ہے۔

بلکہ جو منقول ہے وہ یہ کہ آپ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور یہ (زبان سے نیت کرنا) بدعت ہے۔"

"فتح القدیر" شرح الہدایہ "(۱/ ۲۶۶-۲۶۷)

نیت کرتے وقت جو کلمات کہے جاتے ہیں، ان کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔

یہ دس بدعتیں ہیں، ان میں سے ایک لفظ بھی قطعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے بسند صحیح، ضعیف مسند یا مُرسل نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ صحابہ سے بھی ایسا کرنا ثابت نہیں ہے۔ اور نہ ہی تابعین اور ائمہ اُربعہ میں سے کسی نے اِسے مستحسن کہا ہے۔ ..... الخ زاد المعاد (۱/ ۲۰۱)

بعض فقہاء نے وساوس وغیرہ سے بچنے کی خاطر الفاظ سے نیت کو مستحب کہا ہے۔

ابن قیمؒ علیہ الرحمہ اس قول کا مناقشہ کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص قرائن سے دوسرے شخص کی نیت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ کسی دوسرے کو نماز کے وقت صف میں بیٹھے ہُوئے دیکھتا ہے۔ اور لوگ بھی جمع ہیں تو وہ یہ جان لیتا ہے کہ یہ آدمی نماز کے انتظار میں ہے اور جب اسے اقامت کے وقت لوگوں کے ساتھ کھڑا ہوتے دیکھتا ہے تو جان لیتا ہے کہ یہ نماز کیلئے کھڑا ہوا ہے۔ اگر وہ (صف میں کھڑا ہونے کی بجائے) آگے جا کر کھڑا ہوتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ یہ امامت کرانا چاہتا ہے اور اگر اسے صف میں (لوگوں کے ساتھ) کھڑے دیکھتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ اقتداء کرنا چاہتا ہے جب دوسرا شخص اس کی نیت کو ظاہر قرائن سے معلوم کر لیتا ہے تو یہ بذاتِ خود اپنی نیت سے کیسے ناواقف رہ سکتا ہے جب کہ اسے اپنے باطن کی خبر ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اغاثۃ اللھفان (۱/ ۱۳۶-۱۳۹)۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ علیہ الرحمہ کا الفاظ سے نیت کے بارے میں شاندار کلام ہے۔ جس کی نص پیشِ خدمت ہے۔ فرماتے ہیں۔ "الجهر بلفظ النية ليس مشروعًا عِندَ احد من علماء المُسلمين ولا فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا فعله احد من خلفائه واصحابه وسلف الامة وائمتها ومن ادعىٰ ان ذٰلك دين الله وانه واجب فانه يجب تعريفه الشريعة واستتابته من هذا القول فان اصر علىٰ ذٰلك قتل بل النية الواجبة فى العبادات كالوضوء والغسل والصلوٰة والصوم والزكاة وغير ذٰلك محلها القلب باتفاق ائمة المسلمين۔

(الفتاوىٰ الكبرىٰ (۱/ ۱)

"الفاظ سے نیت کرنا علماء مسلمین میں سے کسی کے نزدیک بھی مشروع نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ---

نمازِ رسولؐ کے اس طریقے پر گیارہ صحابیوںؓ کی شہادت

۲۵۴- وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِنِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْکِبَیْهِ ثُمَّ یُکَبِّرُ ثُمَّ یَقْرَءُ ثُمَّ یُکَبِّرُ وَرَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْکِبَیْهِ ثُمَّ یَرْکَعُ وَیَضَعُ رَاحَتَیْهِ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ ثُمَّ یَعْتَدِلُ وَلَا یُصَبِّیْ رَاْسَهٗ وَلَا یُقْنِعُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْکِبَیْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰهُ اَکْبَرُ ثُمَّ یَهْوِیْ اِلَی الْاَرْضِ سَاجِدًا فَیُجَافِیْ یَدَیْهِ عَنْ جَنْبَیْهِ وَیَفْتَحُ اَصَابِعَ رِجْلَیْهِ

← آپ کے خلفاء اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور نہ ہی اس اُمت کے سلف اور ائمہ میں سے کسی نے الفاظ سے نیت کی ہے۔

جو شخص اس کے دین اللہ اور واجب ہونے کا دعویٰ کرے اسے شریعت کی پہچان کروانا اور اس کے اس قول سے توبہ کروانا ضروری ہے اگر پھر بھی وہ اپنے قول پر مُصر رہے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

عبادات میں جیسا کہ وضوء، غسل، نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔ جو نیت واجب ہے با تفاق تمام ائمہ مسلمین اس کی جگہ دل ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: "نیت نماز میں وسوسہ بدعات میں سے ہے۔ یہ (نیت بزبان) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے عمل میں سے نہیں۔ وہ سوائے تکبیر کے نیت کا ایک لفظ تک نہ کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) (سورۂ احزاب، آیت ۲۱) ملاحظہ ہو "الامر بالاتباع والنھی عن الابتداع" (۱۹۸)۔

نیت بزبان کے بارے میں "فتاوی علماء الحدیث" (۳/۸۹-۹۰) میں مجدد الف ثانی اور مولانا عبدالحی لکھنوی کا کلام بھی دیکھیں۔

۲۵۴ — صحیح حدیث ہے۔

اس سیاق سے اور اس قدر مفصل یہ حدیث ابو عاصم کی سند سے مروی ہے۔ ←

ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلٰى مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلٰى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي بَقِيَّةِ صَلٰوتِهِ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِي فِيْهَا التَّسْلِيْمُ أَخْرَجَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ۔

(رواہ ابی داؤد۔ والدارمی وروی الترمذی وابن ماجہ معناہ وقال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح)

"حضرت ابی حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہؓ (کی جماعت) میں کہا کہ میں تم (سب) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقے کو خوب جانتا ہوں۔ کہا صحابہ رضی اللہ عنہم نے، پھر بیان کر (ہمارے رُو برُو نمازِ رسولؐ کو) ابی حمید نے کہا (سنو) کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف کھڑے ہوتے تھے۔ (تو) اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک کہ ان کو اپنے مونڈھوں کے برابر کرتے۔ پھر تکبیر کہتے، پھر قرآن پڑھتے۔ پھر تکبیر کہتے (رکوع کے لیے) اور اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے یہاں تک کہ ان کو اپنے مونڈھوں کے برابر کرتے۔ پھر رکوع کرتے اور رکھتے دونوں ہتھیلیاں اپنی اپنے گھٹنوں پر، پھر سیدھی کرتے کمر

؎ اس سند سے اس کو ابوداؤد (۷۳۰، ۹۶۳) ترمذی (۳۰۵) دارمی (۱/۳۱۳) ابن خزیمہ (۵۸۸، ۶۲۵) ابن جارود (۱۹۲-۱۹۳) طحاوی (۱/۱۹۵، ۲۲۳، ۲۵۸) ابن حبان (۵/۱۸۲-۱۸۴، ۱۹۵-۱۹۶) ابن حزم (۴/۹۱) اور بیہقی (۲/۲۴، ۷۲، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۷) نے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد، ترمذی بخاری (۸۲۸) اور ابن ماجہ (۸۰۳، ۸۶۲-۸۶۳) وغیرہ میں اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔

یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، نووی نے "شرح مہذب" (۳/۴۴۳) اور "شرح مسلم" (۵/۹۵) میں اور ابن قیم نے "تہذیب السنن" میں صحیح کہا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس حدیث پر وارد کیے گئے اعتراضات کا تفصیلاً رد بھی کیا ہے دیکھیں (۱/۲۵۵-۲۶۵) ایضاً "فتح الباری" (۲/۳۰۷) اور "تلخیص الحبیر" (۱/۲۲۳)۔

پس نہ جھکاتے سر اپنا اور نہ بلند کرتے (یعنی بیٹھ) اور سر ہموار رکھتے۔ اور پھر اٹھاتے سر اپنا (رکوع سے) پس کہتے (سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) پھر اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے یہاں تک کہ ان کو اپنے مونڈھوں کے برابر کرتے۔ درحالیکہ سیدھے کھڑے ہوتے (قومہ میں) پھر کہتے اَللّٰہُ اَکْبَرُط پھر جھکتے زمین کی طرف سجدے کے لیے۔ پس دُور رکھتے اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں سے، اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں کھولتے (کہ انگلیوں کے سَر قبلہ رُخ ہوتے) پھر اپنا سر سجدے سے اُٹھاتے، اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا (یعنی بچھا لیتے) پھر اس پر بیٹھتے، پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ پھرتی ہر ہڈی طرف اپنے ٹھکانے کے، درحالیکہ برابر ہوتی (یعنی بڑے اطمینان سے جلسہ میں بیٹھتے) پھر سجدہ کرتے (دوسرا) پھر کہتے اَللّٰہُ اَکْبَرُط اور اُٹھتے اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا۔ پھر بیٹھتے اس پر (جلسہ استراحت کرتے) پھر اعتدال کرتے دِل جمعی سے، یہاں تک کہ پھر آتی ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر، پھر کھڑے ہوتے، پھر اسی کی مانند دوسری رکعت میں کرتے۔ پھر جب کھڑے ہوتے دو رکعت پڑھ کر (یعنی بعد تشہد کے) اللہ اکبر کہتے اور اٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے یہاں تک کہ انہیں اپنے مونڈھوں کے برابر کرتے۔ جیسے کہ تکبیر کہتے تھے نزدیک شروع کرنے نماز کے (یعنی تکبیر اولیٰ کے وقت)، پھر کرتے اسی طرح اپنی باقی نماز میں، یہاں تک کہ جب ہوتا وہ سجدہ کہ جس کے پیچھے سلام ہے (یعنی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ جس کے بعد بیٹھ کر تشہد، درُود، اور دُعا پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں) نکالتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے کولہے پر بائیں جانب، پھر سلام پھیرتے۔ (یہ سُن کر) ان دس صحابہؓ نے کہا۔ سچ کہا تونے (اے ابی حمید ساعدی) اسی طرح رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے"

(ابُوداوٗد، دارمی) اور روایت کیے ترمذی۔ اور ابن ماجہ نے معنے اس کے، اور کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۵۔ اور ابُوداوٗد کی ایک روایت میں ابی حمید کی حدیث میں یہ بھی ہے۔ وَوَضَعَ کَفَّہُ الْیُمْنٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُمْنٰی وَکَفَّہُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُسْرٰی وَاَشَارَ بِاِصْبَعِہٖ یَعْنِی السَّبَّابَۃَ۔ (پھر آخری رکعت کے قعدہ میں) اور رکھا اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں گھٹنے پر اور اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر اور اشارہ کیا اپنی انگلی کے ساتھ یعنی سبابہ کے"

۲۵۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداوٗد (۷۳۴) ابن خزیمہ (۶۸۹) ابن حبان (۵/۱۸۹) اور بیہقی (۲/۱۲۸،۷۲-۱۲۹) نے ←

قابلِ غور باتیں

اس حدیث کو ابی حمید ساعدیؓ نے روایت کر کے رسُولِ خدا کی نماز کی ہیئت بیان کی۔ اور حضورِ انورؐ کے دس صحابہؓ نے اس کی تصدیق اور تائید کی، گویا نمازِ رسُولؐ کی بہ شکل وصُورت گیارہ صحابہؓ کی مصدقہ ہوئی اس صُورت و ہیئت سے موٹی موٹی چند باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ حضورؐ انور نے شروع میں رفع یدین فرمایا۔ یعنی دونوں ہاتھ مبارک اُٹھائے۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اُٹھایا [۱]

۳۔ رکوع میں جاتے ہُوئے تکبیر کہتے وقت پھر رفع یدین فرمایا۔

۴۔ رکوع میں نہ سر جھکاتے اور نہ اونچا کرتے، پیٹھ سیدھی رکھتے، اور رکوع اطمینان سے کرتے۔

۵۔ رکوع سے سر اُٹھاتے ہُوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت رفع یدین فرماتے اور قومہ میں پہنچ جاتے۔

۶۔ قومہ میں سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ اور پورا اطمینان حاصل کر کے سجدے میں آتے۔

۷۔ سجدے کرنے کے بعد بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بڑے اطمینان اور دِل جمعی سے بیٹھتے۔ کہ ہر ہڈی اپنے اپنے مقام اور موضع پر آجاتی۔ یہاں بیٹھنا جلسہ کہلاتا ہے۔

۸۔ دوسرا سجدہ کر کے پھر اُٹھ کر اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر پہنچتی۔ یہ جلسۂ استراحت ہے پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

۹۔ جب آخری رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے اُٹھتے۔ تو قعدہ میں اس طرح بیٹھتے۔ کہ بایاں پاؤں ایک طرف نکال دیتے اور بائیں جانب کولہے پر بیٹھ کر پھر سلام پھیرتے۔

۱۰۔ آخری رکعت کے قعدہ میں تشہد کے وقت انگشت شہادت اُٹھاتے۔

۱۱۔ اور چوتھی بار رفع الیدین۔ دوسری رکعت میں تشہد پڑھ کر اُٹھتے وقت کرتے۔

---

[۱] مالک بن حویرث کی روایت میں صحیحین کے اندر حتی یحاذی بھما اذنیہ۔ یعنی ہاتھوں کا کانوں کے برابر اُٹھانا بھی آیا ہے۔

← فلیح بن سلیمان کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے اگرچہ اس کی سند میں فلیح بن سلیمان کی وجہ سے کچھ کمزوری ہے مگر حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث شاہد ہے اس حدیث کی تخریج حدیث (۲۹۱) میں دیکھیں۔

مسنون نماز کی مفصّل ترکیب

تکبیرِ اُولیٰ

۲۵۵ ـ ① نیت کے ساتھ باوضو قبلہ کی جانب منہ کر کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے رفع الیدین کریں۔ یعنی دونوں ہاتھوں کو اُٹھائیں۔ (بخاری)

۲۵۶ ـ ② ہاتھ اُٹھاتے وقت ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں۔ (مجمع الزوائد)

۲۵۵ـ نیت کے بارے میں حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات" ہے۔ جس کی تخریج حدیث (۲۵۱) میں گزر چکی ہے۔

باوضو قبلہ کی جانب منہ کر کے "اللہ اکبر" کہنا یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کی مفصّل تخریج حدیث (۵) میں گزر چکی ہے۔

اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یدین کا ذکر ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ جس کو بخاری (۷۳۸) اور نسائی (۲/۱۲۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ان کی ایک دوسری روایت میں تکبیر سے پہلے بھی رفع الیدین کا ذکر ہے۔ اس روایت کو مسلم (۴/۹۳-۹۴) ابو عوانہ (۲/۹۱) نسائی (۲/۱۲۱-۱۲۲) اور ابن خزیمہ (۴۵۶) نے تخریج کیا ہے۔

جب کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تکبیر تحریمہ کے بعد بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔ اس حدیث کو مسلم (۴/۹۴) اور ابو عوانہ (۲/۹۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حاصل کلام تینوں ہی صورتیں جائز ہیں تکبیر تحریمہ سے قبل، بعد اور ساتھ بھی۔

۲۵۶ ـ انتہائی ضعیف ہے۔

اس کو طبرانی نے "اوسط" میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عمیر بن عمران ہے جو ضعیف ہے۔ "مجمع الزوائد" (۲/۱۰۲)

قلت: اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا ہے کہ اس نے ثقہ راویوں سے باطل روایات بیان کی ہیں۔ "کامل ابن عدی" (۵/۱۷۲۵)

اور ذہبی نے "دیوان" (۲/۲۱۳) میں کہا ہے کہ اس نے موضوع روایات بیان کی ہیں۔ ←

۲۵۷ — ③ ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیاں کشادہ اور کھلی رکھیں ۔ (ترمذی)

۲۵۸ — ④ دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائیں یا کانوں تک ۔ (بخاری مسلم)

← البانی نے "ضعیف الجامع" (۴۵۶) میں اس کو سخت ضعیف کہا ہے۔

۲۵۷ — ضعیف ہے۔

یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

" كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وسلم۔ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ نَشَرَ أَصَابِعَهُ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے تکبیر کہتے تو اپنی انگلیوں کو پھیلاتے۔

اس کو ترمذی (۲۲۹) ابن خزیمہ (۴۵۸) ابن حبان (۴۴۲) حاکم (۱/۲۳۵) بیہقی (۲/۲۷) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۲/۶۷) میں روایت کیا ہے۔

یہ ضعیف حدیث ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن یمان ہے۔ جسے ان الفاظ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں وہم ہوا ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی اور ابوحاتم نے کہا ہے دیکھیں "علل الحدیث لابن ابی حاتم" (۱/۱۶۱-۱۶۲)

اس لیے کہ اس کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے: " اذا قام إلى الصَّلَاة رفع يديه مدا "

"آپ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو کھینچ کر اٹھاتے۔"

"صحیح ابن خزیمہ" (۴۵۹) میں ایک راوی نے "رفع يديه مدا" کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ انگلیوں کو نہ تو آپس میں ملایا جائے اور نہ ہی انھیں کھلا اور کشادہ رکھا جائے۔

اسی طرح دیکھیں "مستدرک حاکم" (۱/۲۳۴) اور "سنن بیہقی" (۲/۲۷) بھی۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۷۵۳) نسائی (۲/۱۲۴) دارمی (۱/۲۸۱) ابن خزیمہ (۴۶۰) ابن منذر نے "اوسط" میں طحاوی نے "شرح معانی" (۱/۱۹۵) میں، احمد (۲/۳۷۵) طیالسی (۱/۹۰) ترمذی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

شیخ احمد شاکر نے "نشر أصابعه" کا معنی بھی " رفع يديه مدا " والا ہی لیا ہے دیکھیں "تحقیق ترمذی" (۲/۶-۷)

اسی طرح امام حاکم کے انداز سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں روایتوں کا معنی ایک ہی ہے۔

۲۵۸ کندھوں تک ہاتھوں کا اٹھانا، اس کا ذکر ابن عمر اور ابو حمید وغیرہ کی حدیثوں میں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بخاری (۷۳۵) اور مسلم (۴/۹۳-۹۴) وغیرہ میں ہے۔ ←

۲۵۹ — ⑤ پھر بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر سینے پر باندھ لیں ۔ (بلوغ المرام بحوالہ ابن خزیمہ)

سینے پر ہاتھ

۲۶۰ — عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ

← ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج حدیث (۲۵۳) میں دیکھیں۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے بارے میں بھی متعدد احادیث ہیں۔ جن میں ایک مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ جس کو مسلم (۲/۹۴-۹۵) ابوعوانہ (۲/۹۴-۹۵) ابوداؤد (۷۴۵) نسائی (۲/۱۲۲-۱۲۳، ۱۸۲، ۱۹۴، ۲۰۶) اور ابن ماجہ (۸۵۹) نے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلے میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

چنانچہ علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس سنت میں رفع یدین میں مرد اور عورت برابر کے شریک ہیں، کیونکہ کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے دونوں کے مابین فرق ثابت ہو۔

اسی طرح ہاتھ اُٹھانے کی مقدار میں بھی دونوں کے درمیان فرق کی کوئی دلیل نہیں، احناف سے مروی ہے کہ مرد تو کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں۔ لیکن عورتیں کندھوں تک ہی کیونکہ اس میں ان کے لیے ستر (پردہ) ہے۔ دیکھیں "ہدایہ" (۱/۲۸۳) مگر اس تفریق پر بھی کوئی دلیل نہیں۔ "نیل الاوطار" (۲/۱۸۴)۔

قلت : علامہ شوکانی اگر یوں کہتے کہ اس تفریق پر کوئی ٹھوس یا صحیح دلیل نہیں تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ ہاتھ اُٹھانے کی مقدار کی تفریق کے بارے میں ایک حدیث ہے۔ مگر وہ صحیح حدیث نہیں۔ یہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

اے وائل جب نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر لے جاؤ۔ لیکن عورت اپنے ہاتھ ثدی (پستان) تک لائے۔ اس کو طبرانی (۲۲/۱۹-۲۰) نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں میمونہ بنت حجر بن عبدالجبار اور اُم یحیٰی بنت عبدالجبار ہیں۔ جن کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

اُم یحیٰی بنت عبدالجبار کے بارے میں حافظ ہیثمی نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ جیسا کہ "کبیر" کے حاشیے میں ہے۔

۲۵۹ — اس حدیث کی تخریج حدیث (۲۶۰) میں آ رہی ہے۔

۲۶۰ — صحیح حدیث ہے۔ ←

يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ۔

حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھے۔ (صحیح ابن خزیمہ)

۲۶۱ — عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلٰى صَدْرِهٖ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ۔ (مراسیل ابو داؤد)

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ نماز میں اپنے بائیں پر رکھ کر اپنے سینے پر باندھا کرتے تھے۔ گویا یہ حدیث مرسل ہے لیکن دوسری مستند احادیث سے مل کر قوی ہو گئی ہے۔

۲۶۲ — عَنْ هُلْبٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ۔

(مسند احمد)

اخرجہ ابن خزیمۃ (۴۷۹) وابو الشیخ فی "طبقات المحدثین" (۲/۲۵۸) من طریق مؤمل بن اسماعیل بہ عن وائل۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سیئ الحفظ ہے۔ جیسا کہ ابن حجر نے تقریب (۲/۲۹۰) میں کہا ہے ابو زرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ میزان (۴/۲۲۸)

بیہقی (۲/۳۰) بزار (۲۶۸) طبرانی (۲۲/۵۰) اور ابن عدی (۶/۲۱۶۶) میں اس کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے۔ مگر یہ سند بھی ضعیف ہے۔

لیکن اس کے بعد میں آنے والی احادیث اس کی مؤید ہیں جن کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے۔

۲۶۱ — حسن ہے۔

اس کو ابو داؤد نے "سنن" (۷۵۶۔ تحقیق محمد محی الدین) اور "مراسیل" (۳۲) میں سلیمان بن موسیٰ کی سند سے طاؤس سے روایت کیا ہے۔

سلیمان بن موسیٰ کی وجہ سے اس کی سند حسن درجہ کی ہے یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لیے بہترین شاہد ہے۔

۲۶۲ — مسند احمد (۵/۲۲۶)

" ہلب صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا"۔
(مسند احمد)

— اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر شواہد میں یہ قابل ذکر ہے۔

مسند احمد (۴/۳۱۸) ابوداؤد (۷۲۷) نسائی (۲/۱۲۶) صحیح ابن خزیمہ (۴۸۰) اور صحیح ابن حبان (۴۸۵) وغیرہ میں حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں ہے ..... "ثم وضع یدہ الیمنیٰ علی ظھر کفہ الیسریٰ والرسغ والساعد"۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے جس طریقہ وکیفیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ طریقہ وکیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت اور کلائی پر رکھا۔

شیخ البانی فرماتے ہیں کہ اس کیفیت پر عمل کرنے سے لازماً ہاتھ سینے پر آئیں گے۔ تجربہ کیجئے۔ "تحقیق المشکاۃ" (۱/۲۴۹)۔

رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت "السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلاۃ تحت السرۃ"
"سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر زیر ناف رکھا جائے"

- تو یہ ضعیف حدیث ہے۔ اس کو ابوداؤد (۷۵۶) ابن منذر نے "اوسط" (۳/۹۴) میں دارقطنی (۱/۲۸۶) بیہقی (۲/۳۱) ابن ابی شیبہ (۱/۳۴۲ - دارالتاج) اور عبداللہ بن احمد نے "زوائد المسند" (۱/۱۱۰) میں روایت کیا ہے۔

امام نووی نے "شرح مہذب" (۳/۳۱۳) اور "شرح مسلم" (۴/۱۱۵) میں کہا ہے۔ کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے، کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہے جس کے ضعیف ہونے پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے۔

اسی طرح بیہقی اور حافظ ابن حجر نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھیں "نصب الرایہ" (۱/۳۱۴) اور "فتح الباری" (۲/۲۲۴)۔

نیز اس کی سند میں بھی اضطراب ہے۔ کیونکہ بعض راویوں نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور یہ ابوہریرہؓ سے "دارقطنی" اور "اوسط ابن منذر" میں ہے۔ جبکہ "ابوداؤد" میں یہ ابوہریرہؓ کا اپنا قول ہے۔ "تحفۃ الاشراف" (۱۰/۱۱۱/۱۳۴۹۴) بھی ملاحظہ کریں۔

یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں بھی مذکور عبدالرحمٰن ابن اسحاق ہی ہے "تفصیل کے لیے "ارواء الغلیل" (۳۵۳) دیکھیں۔

تنبیہ: مصنف ابن ابی شیبہ کے کسی نسخے میں حدیث وائل کے ایک طریق میں "تحت السرۃ" کے الفاظ ←

۲۶۳۔ طبرانی کی حدیث میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں۔ ثُمَّ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلٰى يَسَارِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا۔

۲۶۴۔ ابنِ ابی حاتم اور بیہقی میں حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں: ضَعْ يَدَكَ الْيُمْنٰى عَلَى الشِّمَالِ عِنْدَ النَّحْرِ یعنی دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ۔

ملاحظہ:

ہم نے سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق یہ احادیث اس لیے تحریر کی ہیں۔ کہ جو بھائی سینے پر ہاتھ باندھنے والوں کو روکتے ٹوکتے ہیں۔ وہ آئندہ روکیں ٹوکیں نہیں۔ اور اس فعل کو برا نہ مانیں اور غور کریں۔ کہ وہ ایسا کرنے میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت اور حضورؐ کے فعل پر معترض ہوتے ہیں۔ بلکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والوں کو چاہیئے کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے والوں کو محبت بھری نظر سے دیکھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیثوں

← ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے بعض احناف نے زیرِ ناف ہاتھ باندھنے پر دلیل لی ہے۔ ملاحظہ ہو "التنقیح الضروری حاشیہ القدوری" (۲۵)۔

مگر اس حدیث سے دلیل لینا صحیح نہیں کیونکہ جس سند سے یہ حدیث "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ہے۔ بعینہ اسی سند سے یہ سند (۴/۳۱۶) میں بھی ہے اور اس میں "تحت السرۃ" کا اضافہ نہیں لہٰذا "مصنف" میں یہ اضافہ کسی ناسخ کی طرف سے سہواً ہوا ہے، دیگر بہت سے امور بھی ایسے ہیں جن سے اس اضافے کا باطل ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ تفصیل کے لیے مولانا محمد حیات سندھی کا رسالہ "فتح الغفور فی تحقیق وضع الیدین علی الصدور" (۳۵-۴۷) اور تحفۃ الاحوذی (۱/۲۱۴-۲۱۵) دیکھیں۔

۲۶۳۔ اس حدیث کی مفصل تخریج حدیث (۲۶۰) میں مذکور ہے۔ لہٰذا وہاں دیکھی جائے۔

۲۶۴۔ ضعیف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول سُورۃ کوثر کے آخری جملے (وَانْحَر) کی تفسیر کے بارے میں مروی ہے۔

اس کو بیہقی (۲/۳۱) نے روایت کیا ہے اس کی سند رُوح بن مسیب کلبی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بیہقی کے علاوہ اس کو ابنِ ابی حاتم، ابنِ شاہین نے "سنہ" میں اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے" دیکھیں "الدر المنثور" (۸/۶۵۰-۶۵۱)

(وَانْحَر) کی یہی تفسیر علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کو ابنِ جریر (۵/۳۲۵-۳۲۶) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۶/۴۳۷) میں ابن منذر نے "اوسط" (۳/۹۱) میں اور بیہقی (۲/۲۹، ۳۰) نے روایت کیا ہے۔ ←

پر عمل کرتے ہیں۔ صحیح حدیث اور سنتِ رسولؐ پر تو مسلمان کو جان چھڑکنی چاہیئے کہ یہی محبتِ رسولؐ کی سند ہے۔ آپ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری ذات آپ سب کو یکساں محبوب اور واجب الاطاعت ہے، پھر حضورؐ کی صحیح سند سے ثابت شدہ حدیثیں سب کو سر آنکھوں پر رکھنی چاہئیں۔ تعصب اور ضد کی بنا پر جھگڑے پیدا کر کے قوم میں تفریق اور پھوٹ ڈالنا بہت بری بات ہے۔ آپس میں محبت کرو۔ سنت کی فضا میں شیر و شکر ہو کر رہو۔ رحمتِ عالم کی احادیث کو جان سے زیادہ عزیز رکھو۔ اور سنت کے اتباع میں سب سینے پر ہاتھ باندھو۔

دیکھو شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیثوں کی تائید میں فرماتے ہیں: وَضَعُوا الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ فوق السُّرَّةِ۔ (میرے مریدو!) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے اوپر (سینے پر) باندھو۔ (غنیۃ الطالبین)

خلوصِ نیت سے آپ نے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کو اٹھا کر یعنی رفع الیدین کر کے پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ان کو سینے کے اوپر باندھ لیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

۲۶۵۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ۔ (بخاری شریف)

"سہل بن سعدؓ سے روایت ہے۔ کہ لوگوں کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں۔" (بخاری شریف)

← یہ تفسیر علی رضی اللہ عنہ سے بھی ضعیف ہے۔ اس کی سند میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ تفسیر صحیح نہیں۔ ابن کثیر (۴/۵۹۷)

اسی طرح یہ تفسیر انس رضی اللہ عنہ سے بھی موقوفاً یا مرفوعاً (شک راوی سے ہے) مروی ہے۔ اس کو ابو الشیخ نے۔ جیسا کہ "الدر المنثور" (۸/۶۵۰) میں ہے۔ اور ابو الشیخ سے بیہقی نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

(والنحر) کی دو اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ اس سے مراد قربانی کرنا ہے۔

ابن جریر اور ابن کثیر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیں "تفسیر ابن جریر" (۱۵/۳۲۸) اور "تفسیر ابن کثیر" (۴/۵۹۷ - ۵۹۸)۔

۲۶۵۔ اخرجہ مالک (۱/۱۵۹/۴۷) ومن طریقہ اخرجہ البخاری (۷۴۰) وابو عوانۃ (۲/۹۷) وابن المنذر فی "الاوسط" (۳/۹۱) والبیہقی (۲/۲۸) والخطیب فی "تاریخہ" (۸/۲۵)

اس روایت کا حکم مرفوع روایت کا حکم ہے کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا یا انہیں حکم دیا گیا جب یہ صیغہ وارد ہو تو اس صورت ←

عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں

۲۶۶ ـ صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے۔ "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ" "پڑھو نماز (اے میری اُمت)، جس طرح دیکھتے ہو تم کہ میں نماز پڑھتا ہوں" یعنی ہو بہو میرے طریقے کے مطابق سب عورتیں، اور سب مرد نماز پڑھیں۔ پھر اپنی طرف سے یہ حکم لگانا کہ عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں اور مرد زیر ناف، اور عورتیں سجدہ کرتے وقت زمین پر کوئی اور ہیئت اختیار کریں۔ اور مرد کوئی اور   یہ دین میں مداخلت ہے۔ یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں اور مردوں کے لیے ایک ہیئت اور شکل کی نماز ہے سب کا قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ استراحت، قعدہ، اور ہر ہر مقام پر پڑھنے کی دُعائیں یکساں ہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکور و اناث کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں بتایا۔ (۱)

عورت کی امامت

عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔ صف کے وسط میں کھڑی ہو کر۔

۲۶۷ ـ عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا۔

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ ورقہؓ کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرائیں (ابوداؤد)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا تَؤُمُّ النِّسَاءَ وَتَقُوْمُ وَسْطَهُنَّ۔

"حضرت عائشہ عورتوں کی امامت کراتی تھیں۔ اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (مستدرک حاکم)

ـــــــ میں حکم دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے۔ جیسا کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں ہے۔ اس حدیث سے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنے کی صورت میں ہاتھ زیر ناف نہیں ہو سکتے۔ فافہم وتدبر۔

۲۶۶ ـ یہ حدیث نمبر (۲) میں گزر چکی۔ لہٰذا اس کی تخریج وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت سجدہ میں مرد سے مختلف ہے۔ مگر یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے حدیث (۲۶۲) کے بعد والا حاشیہ نمبر (۱) دیکھیں۔

۲۶۷ ـ اس مسئلہ سے متعلقہ احادیث وآثار کی تخریج ہم باب "امامت کا بیان" کے آخر میں کریں گے اور یہ تخریج حدیث (۵۰۷) کے بعد آئے گی۔

سینے پر ہاتھ باندھ کر یہ دُعا پڑھیں

۲۶۸ ۔ حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں ۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے درمیان تکبیر (اولٰی) کے اور قرارت کے، تھوڑا سا۔ پس کہا میں نے، میرا باپ اور ماں آپ پر قربان، اے اللہ کے رسُول تکبیر اور قرارت کے درمیان آپ خاموش رہ کر کیا پڑھتے ہیں ۔ فرمایا ! میں یہ پڑھتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔

(بخاری ومسلم)

یا الٰہی دوری ڈال درمیان میرے اور درمیان میرے گناہوں کے ۔ جیسے دوری رکھی تونے مشرق اور مغرب کے درمیان ۔ یا الٰہی پاک کر مجھ کو گناہوں سے ۔ جیسا کہ پاک کیا جاتا ہے سفید کپڑا میل سے یا الٰہی دھو ڈال میرے گناہ (اپنی بخشش کے) پانی اور برف اور اولوں سے ۔

---

۲۶۸ ۔ اس کو بخاری (۴۴۴) مسلم (۵/۹۶) اسی طرح ابُوداؤد (۷۸۱) نسائی (۲/۱۲۹) ابنِ ماجہ (۸۰۵) دارمی (۱/۲۸۴) احمد (۲/۲۳۱، ۴۹۴) ابنِ جارُود (۳۲۰) ابنِ خزیمہ (۴۶۵، ۱۵۷۹) ابُوعوانہ (۲/۹۸) ابنِ منذر (۳/۸۳-۸۴، ۱۱۷) ابنِ حبان (۵/۷۵-۷۶، ۷۸) دارقطنی (۱/۳۳۶) اور بیہقی نے بھی (۲/۱۹۵) روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ کتاب میں مذکور الفاظ بخاری کے ہیں " نقنی من الخطایا " بخاری کے علاوہ دارقطنی اور اسی طرح ابن حبان کی دو روایتوں میں بھی یہی الفاظ ہیں ۔

جب کہ باقی سب کے یہاں " من الخطایا " کی بجائے " مِنَ خطایای " ہے ۔

ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ابن جارُود اور احمد کی ایک روایت میں بھی " کما ینقی الثوب الأبیض " کی بجائے ۔ " کالثوب الابیض " ہے ۔

" اغسل خطایای " یہ بخاری کے الفاظ ہیں ۔ جب باقی سب کے یہاں " اغسلنی من خطایای " ہے ۔

سینے پر ہاتھ باندھ کر یہ دُعا پڑھیں

۲۶۸ ۔ حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں ۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے درمیان تکبیر (اولیٰ) کے اور قراءت کے تھوڑا سا ۔ پس کہا میں نے ، میرا باپ اور ماں آپ پر قربان ، اسے اللہ کے رسُول تکبیر اور قراءت کے درمیان آپ خاموش رہ کر کیا پڑھتے ہیں ۔ فرمایا ! مَیں یہ پڑھتا ہُوں

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ. اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ۔

(بخاری ومسلم)

یا الٰہی دوری ڈال درمیان میرے اور درمیان میرے گناہوں کے ۔ جیسے دوری رکھی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان ۔ یا الٰہی پاک کر مجھ کو گناہوں سے ۔ جیسا کہ پاک کیا جاتا ہے سفید کپڑا میل سے یا الٰہی دھو ڈال میرے گناہ (اپنی بخشش کے) پانی اور برف اور اولوں سے ۔

---

۲۶۸ ۔ اس کو بخاری (۷۴۴) ، مسلم (۵/۹۶) اسی طرح ابُوداؤد (۷۸۱) نسائی (۲/۱۲۹) ابنِ ماجہ (۸۰۵) دارمی (۱/۲۸۴) احمد (۲/۲۳۱ ، ۴۹۴) ابنِ جارُود (۳۲۰) ابنِ خزیمہ (۴۶۵ ، ۱۵۷۹) ابُوعوانہ (۲/۹۸) ابنِ منذر (۳/۸۳-۸۴ ، ۱۱۷) ابنِ حبان (۵/۷۵-۷۶ ، ۷۸) دارقطنی (۱/۳۳۶) اور بیہقی نے بھی (۲/۱۹۵) روایت کیا ہے ۔

واضح رہے کہ کتاب میں مذکور الفاظ بخاری کے ہیں " نقنی من الخطایا " بخاری کے علاوہ دارقطنی اور اسی طرح ابن حبان کی دو روایتوں میں بھی یہی الفاظ ہیں ۔

جب کہ باقی سب کے یہاں " من الخطایا " کی بجائے " من خطایای " ہے ۔

ابوداؤد ، ابنِ ماجہ ، ابن جارُود اور احمد کی ایک روایت میں بھی " کما ینقی الثوب الأبیض " کی بجائے " کالثوب الابیض " ہے ۔

" اغسل خطایای " یہ بخاری کے الفاظ ہیں ۔ جب باقی سب کے یہاں " اغسلنی من خطایای " ہے ۔

یا یہ دُعا پڑھیں

۲۶۹ - سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَىٰ جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ[1]

پاک ہے تو یا الٰہی اور پاکی بیان کرتے ہیں ہم ساتھ تعریف تیری کے اور بابرکت ہے نام تیرا اور بلند ہے بزرگی تیری۔ اور نہیں کوئی معبود سوائے تیرے۔ (مُسلم بسند منقطع)

---

[1] اس دُعا کی سند منقطع ہے، اس لیے بہ نسبت اس دُعا کے اوپر والی صحیحین کی دُعا — اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ — افضل ہے۔

---

۲۶۹ — صحیح حدیث ہے۔

اس دُعا کو عائشہ، انس، جابر، ابوسعید ابن مسعود، حکم بن عمیر اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت کیا ہے۔

۱۔ حدیثِ عائشہ کو ترمذی (۲۴۳) ابن ماجہ (۸۰۶) ابن خزیمہ (۴۷۰) ابن منذر نے "اوسط" (۳/ ۸۱-۸۲) میں طحاوی نے "شرح معانی" (۱/ ۱۹۸) میں عقیلی نے "ضعفاء" (۱/ ۲۸۹) میں طبرانی نے "دُعاء" (۵۰۲) میں اسی طرح دارقطنی (۱/ ۳۰۱) حاکم (۱/ ۲۲۵) اور بیہقی (۲/ ۳۴) نے بھی عمرہ کی سند سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

مگر اس سند میں ایک راوی حارثہ بن ابی رجال ہے جو ضعیف ہے۔ اس میں ابن معین بخاری ترمذی، ابن خزیمہ اور عقیلی وغیرہ نے کلام کیا ہے۔

مگر اس حدیث کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری سند بھی ہے۔ جس سے حارثہ کی سند کو تقویت پہنچتی ہے یہ سند ابُو جوزاء کی ہے۔ اس سند سے اس کو ابُوداؤد (۷۷۶) دارقطنی (۱/ ۲۹۹) اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

مگر اس کی سند میں انقطاع ہے۔ کیونکہ ابو جوزاء کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں۔ جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ دیکھیں "تلخیص الحبیر" (۱/ ۲۱۷، ۲۲۹)۔ حافظ عقیلی نے عمرہ والی سند سے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے۔ کہ یہ حدیث دوسری اچھی سندوں سے بھی مروی ہے۔

اس سے شاید ان کی مراد ابُو جوزاء والی سند یا اس کے شواہد مراد ہیں۔

شیخ البانی نے کہا ہے کہ یہ سند منقطع ہونے کے باوجود پہلی سند کے لیے اچھا شاہد ہے۔

شیخ احمد شاکر بھی اس کی دونوں سندوں کی بنا پر اس کی تقویت کی طرف گئے ہیں۔ اور کہا ہے ←

کہ اس کی حدیث ابو سعید سے بھی تائید ہوتی ہے۔

امام حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

امام ابوداؤد نے ابوجوزار کی سند پر ایک دوسرے ناحیے سے کلام کیا ہے، مگر شیخ احمد شاکر اور شیخ البانی نے ان کے اس کلام سے موافقت نہیں کی۔ دیکھیں "تحقیق ترمذی" (۲/۱۱-۱۲) اور "ارواء الغلیل" (۲/۵۰-۵۱)

اس حدیث کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک تیسری سند بھی ہے اور یہ عطاء بن ابی رباح کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو طبرانی نے "دعاء" (۵۰۳) میں اور دارقطنی (۱/۳۰۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس سند میں سہل بن عامر بجلی ہے، جس کو امام بخاری نے "منکر الحدیث" اور امام ابو حاتم نے "کذاب" کہا ہے۔

دیکھیں "میزان" (۲/۲۳۹)

۲- حدیث انس کو ابو یعلی (۳۷۳۵) اور دارقطنی (۱/۳۰۰) نے ابو خالد الاحمر کی سند سے اور طبرانی نے "دعاء" (۵۰۶) میں فضل بن موسیٰ کی سند سے حمید طویل کے واسطے سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

طبرانی (۵۰۵) نے اس کو عائذ بن شریح کی سند سے بھی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

۳- جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیہقی (۲/۳۵) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس میں اس دعاء کے بعد اس دعاء "وجهت وجهي للذي" کا بھی ذکر ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کو عبداللہ بن عامر اسلمی نے جابر رضی اللہ عنہ کی بجائے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ابن عمر سے اس کو طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۳۵۴) اور "دعاء" (۵۰۰، ۵۰۸) میں روایت کیا ہے۔

مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نہیں کیونکہ اسلمی ضعیف ہے جیسا کہ بیہقی نے اور ابن حجر نے "تقریب" میں کہا ہے۔

۴- ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابوداؤد (۷۷۵)، ترمذی (۲۴۲) نسائی (۲/۱۳۲) ابن ماجہ (۸۰۴) دارمی (۱/۲۸۲) عبدالرزاق (۲/۷۵)، ابن ابی شیبہ (۱/۲۳۲) احمد (۳/۵۰) ابو یعلی (۱۱۰۸) ابن خزیمہ (۴۶۷) طحاوی (۱/۱۹۷-۱۹۸) دارقطنی (۱/۲۹۸) اور بیہقی (۲/۳۴، ۳۵-۳۶) نے روایت کیا ہے۔

شیخ احمد شاکر نے اس کو صحیح کہا ہے "تحقیق ترمذی" (۲/۱۱) مگر اس کی سند کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حسن درجہ کی ہے۔ لیکن اس کو صحیح کہنا مشکل ہے۔

→ شیخ البانی نے بھی اس کو حسن ہی کہا ہے " ارواء الغلیل " (۲/ ۵۳-۵۴ ایضاً ۵۱)

۵- ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو طبرانی نے "کبیر" (۱۰/ ۱۳۳) اور "دعاء" (۵۰۴) میں ابو احوص کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں مسعود بن سلیمان ہے جو مجہول ہے۔ جیسا کہ ابو حاتم اور ذہبی نے کہا ہے۔

طبرانی نے "کبیر" (۱۰/ ۱۸۴ - ۱۸۵) اور "اوسط" (۱۰۳۰) میں اسی طرح ابن عدی (۵/ ۱۸۲۵) نے بھی اس کو ابو عبیدہ کی سند سے بھی ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور یہ سند ضعیف اور منقطع ہے۔

اس سند میں "طبرانی کبیر" میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس دعاء کے پڑھنے کا حکم فرماتے اور اوسط میں ہے کہ اس کی ہمیں آپ نماز کی ابتداء میں پڑھنے کی تعلیم دیتے۔

اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) اس دعاء کو پڑھا کرتے اور ہم کو اس کی تعلیم بھی دیتے۔ اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھا کرتے تھے۔

ابن عدی کے بیان ہے کہ اس دعاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نماز کی ابتداء میں پڑھا کرتے تھے۔ اور ابن مسعود بھی ایسا ہی کرتے۔

۶- حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو طبرانی نے "کبیر" (۳/ ۲۴۶) اور "دعاء" (۵۰۷) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند یحیٰی بن یعلی اسلمی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۷- حدیث واثلہ کو طبرانی (۲۲/ ۶۴) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند عمرو بن حصین عقیلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ متروک ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس دعاء کو ذکر کرنے کے بعد مسلم کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔

ان سے یہاں دو غلطیاں ہوئی ہیں۔

۱- مسلم میں یہ دعاء عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔ جب کہ ان کے اس انداز سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلم میں یہ مرفوع روایت ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ عبدۃ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس دعاء کو جہراً پڑھا کرتے تھے دیکھیں "صحیح مسلم" (۴/ ۱۱۱- شرح نووی) باب "حجة من قال لا يجهر بالبسملة"

اس کی سند میں انقطاع اس لیے ہے کہ عبدۃ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ جیسا کہ نووی نے صراحت کی ہے۔

۲- انہوں نے اس روایت کو "بلوغ المرام" سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ "مسلم بسند منقطع" بلوغ المرام ←

پھر یہ پڑھیں

۲۷۰- اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔
پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ اللہ کے شیطان مردود سے۔ (ابن ماجہ)

ل رسول خدا نے نماز میں اعوذ اس طرح بھی پڑھا ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ۔" (بلوغ المرام) پناہ مانگتا ہوں اللہ سننے والے جاننے والے کی شیطان مردود سے۔اس کے خطرے سے۔ اس کے پھونکنے سے، اور اس کے وسوسے سے۔" (محمد صادق)

← میں یہ حافظ صاحب کا کلام ہے۔

جب کہ حافظ صاحب نے مذکورہ کلام کے بعد یہ بھی کہا ہے۔

" والدارقطنی موصولا وھو موقوف " "بلوغ المرام" (۵۰)

دارقطنی نے اس کو موصولاً روایت کیا ہے اور یہ موقوف ہے۔

حافظ صاحب نے مسلم کی سند میں انقطاع ذکر کرنے کے بعد یہ صراحت بھی کر دی۔ کہ "دارقطنی" میں یہ اثر موصول سند سے مروی ہے

لہٰذا مؤلف کا موصول سند کو چھوڑ کر منقطع سند کو ذکر کرنا قابلِ تعجب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو دارقطنی (۱/۲۹۹) کے علاوہ عبدالرزاق (۲/۷۵-۷۶) ابن ابی شیبہ (۱/۲۳۰-۲۳۲) ابن منذر (۳/۸۲) طحاوی (۱/۱۹۸) حاکم (۱/۲۳۵) اور بیہقی (۲/۳۴، ۳۶) نے بھی مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ نے اپنی "صحیح" (۴۷۱) میں دارقطنی نے "سنن" اور "علل" (۲/۱۴۱/۱۶۵) میں اسی طرح حاکم، ذہبی اور بیہقی نے بھی صحیح کہا ہے۔

دارقطنی نے اس کو عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ مگر مرفوع کی سند صحیح نہیں۔ جیسا کہ دارقطنی اور حاکم نے کہا ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ جس نے اس کو مرفوع روایت کیا ہے۔ اس سے غلطی ہوئی ہے۔

"اوسط طبرانی" میں بھی یہ عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ مگر اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج میں ذکر ہوا ہے۔ ←

پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ اللہ کے شیطان مردود سے۔ (ابن ماجہ)

←— مصنف عبدالرزاق (۲/ ۸۵) میں عکرمہ بن خالد اور قتادہ سے روایت ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دیا کرتے۔

مگر قتادہ کی سند منقطع ہے۔ جب کہ عکرمہ کی سند منقطع ہونے کے علاوہ ضعیف بھی ہے۔

ایک تیسری سند سے بھی ان سے مروی ہے کہ وہ اس دعا کی تعلیم دیتے۔ مگر وہ سند بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ حدیث ابن مسعود کی تخریج میں ذکر ہوا۔

۲۷۰ - صحیح حدیث ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرارت سے قبل " اعوذ باللہِ من الشیطان الرّجیمِ کہتے۔

اس حدیث کو عبدالرزاق (۲/ ۸۶) اور ان سے ابن منذر نے "اوسط" (۳/ ۸۷) میں روایت کیا ہے۔

جب کہ یہ حدیث دیگر کتب میں اسی طرح مصنف عبدالرزاق (۲/ ۸۵) میں بھی "اعوذ باللہ" کے بعد " السمیع العلیم" اور" الرجیم" کے بعد " من ھمزہ ونفخہ ونفثہ" کے اضافے سے مروی ہے۔

اس اضافے سے اس کو ابوداؤد، ترمذی، النسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔

اس کی مفصل تخریج حدیث (۲۶۹) کے نمبر (۴) میں گزر چکی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مکمل تعوذ اس طرح ہے۔

" اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرّجیم من ھمزہ ونفخہ و نفثہ"

مؤلف رحمہ اللہ نے اس تعوذ کے لیے ابن ماجہ کا حوالہ دیا۔

ابن ماجہ میں اس بارے میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث اور دوسری ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث۔ اور ان دونوں ہی حدیثوں کے آخر میں " من ھمزہ ونفخہ ونفثہ" کا اضافہ ہے۔ نیز ان دونوں حدیثوں میں " اللھمّ انی اعوذ بک من الشیطان الرجیم" کے الفاظ ہیں۔

تعوذ کے بارے میں جن احادیث کا مجھے علم ہے۔ ان سب ہی میں " الرجیم" کے بعد مذکورہ الفاظ کا اضافہ ہے۔ بلکہ شیخ البانی نے کہا ہے کہ مجھے صرف ان الفاظ سے " اعوذ باللہ من الشیطان الرّجیم" اس حدیث کی کوئی اصل معلوم نہیں۔

اب ان احادیث کی تخریج ملاحظہ کریں۔

۱۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

اس کو ابن ماجہ (۸۰۸) ابن خزیمہ (۴۷۲) ابن منذر (۳/۸۶-۸۷) حاکم (۱/۲۰۷) بیہقی (۲/۳۶) اور احمد (۱/۴۰۳، ۴۰۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں عطاء بن سائب ہیں۔ جو اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ اور جن راویوں نے ان سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان تمام کا ان سے سماع ان کے اختلاط کے بعد ہے۔

جب کہ حماد بن سلمہ نے اس کو عطاء سے مرفوع کی بجائے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

اس موقوف کو طبرانی (۹/۳۰۱) اور بیہقی (۲/۳۶) نے روایت کیا ہے۔

اور اس کی سند صحیح ہے۔ کیونکہ حماد بن سلمہ کا عطاء سے سماع ان کے اختلاط سے پہلے کا ہے۔ جیسا کہ حدیث (۵۲) میں اس کی تفصیل گذر چکی۔

۲۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

اس کو ابو داؤد (۷۶۴-۷۶۵) ابن ماجہ (۸۰۷) ابن جارود (۱۸۰) ابن خزیمہ (۴۶۸-۴۶۹) ابن حبان (۴۴۳-۴۴۴) طبرانی (۲/۱۳۴-۱۳۵) حاکم (۱/۲۳۵) بیہقی نے "سنن" (۲/۳۵) اور "شعب" (۶/۲۷۰) میں احمد (۴/۸۰، ۸۰-۸۱، ۸۳، ۸۵) طیالسی (۱/۹۰) ابن ابی شیبہ (۱/۲۳۱-۲۳۸) ابو یعلیٰ (۷۳۹۸) ابن حزم (۳/۲۴۸) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۳/۵۲۵-۵۲۶) میں روایت کیا ہے۔

اس کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند میں اضطراب اور جہالت پائی جاتی ہے۔ دیکھیں۔ منتقی ابن جارود" اور "صحیح ابن خزیمہ"۔

اس حدیث میں طیالسی، ابو داؤد، ابو یعلیٰ، ابن حبان اور بیہقی کی ایک روایت میں بھی۔ " اعوذ باللہ ۔۔۔ " ہے جب کہ باقی تمام کتب میں "اللّٰھم انی اعوذ بك ۔۔۔ " ہے۔

حدیث ابن مسعود میں بھی یہی الفاظ " اللّٰھم انی اعوذ بك ۔۔۔" ہیں۔

۳-۴۔ امیر المومنین عمر اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں۔

پہلی حدیث کو دارقطنی (۱/۲۹۹) نے اور دوسری کو احمد (۵/۲۵۳) نے روایت کیا ہے۔ پہلی حدیث کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے اور دوسری کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

۵-۶۔ حسن بصری اور ابو سلمہ رحمہما اللہ کی مرسل روایتیں۔

حسن بصری کی روایت کو عبد الرزاق (۲/۸۴) اور ابو داؤد نے "مراسیل" (۲۱) میں روایت کیا ہے اور یہ مرسل صحیح ہے۔

اس کے بعد۔

۲۷۱۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝

پھر اٰمین کہیں (بخاری)

" شروع ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے بخشش کرنے والے مہربان کے۔ سب تعریف واسطے اللہ کے پروردگار جہانوں کے بخشش کرنے والا مہربان خداوند روز جزا تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ دکھا ہم کو راہ سیدھی راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا نہ جن پر غضب ہوا اور نہ راہ گمراہوں کی۔ (مسلم) قبول کر۔ (بخاری)

لہ ۔ ۲۷۲ ۔ نسائی اور ابنِ خزیمہ کی روایت بلوغ المرام میں ہے کہ نعیم مجمر نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، پھر سورۃ فاتحہ پڑھی (یعنی جہر سے) پس اگر جہری نمازوں میں کوئی امام بسم اللہ پکار کر پڑھے تو انکار نہ کریں۔ اور نہ ہی اس چیز کو بحث کا موضوع بنائیں۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی بھی حدیثیں ہیں۔ تو دونوں طرح جائز ہوا۔ آہستہ بھی اور پکار کر بھی۔ (محمد صادقؒ)

← ابو سلمہ کی مرسل کو احمد (۱۵۶/۶) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں کمزوری ہے جب کہ شیخ البانی نے "ارواء الغلیل" (۲/ ۵۶ - ۵۷) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مکمل تعوذ اس طرح ہے "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزه ونفخه ونفثه"

"الرجیم" کے بعد والے الفاظ تو مذکورہ تمام احادیث میں پائے جاتے ہیں جبکہ "اعوذ باللہ" کے بعد السمیع العلیم" کا اضافہ صرف حدیث ابو سعید میں ہے۔

مگر نماز کے علاوہ دیگر مقامات میں تعوذ کی جو احادیث ہیں ان میں اس اضافہ کا ذکر ہے۔ ان احادیث کی تخریج کے لیے "ارواء الغلیل" (۲/ ۵۷-۵۹) دیکھیں۔

۲۷۱ ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کی ابتداء (یعنی قراءت کی ابتداء) "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے کرتے تھے۔ ←

اس کو ترمذی (۲۴۵) عقیلی (۱/ ۸۰-۸۱) اور ابنِ عدی (۱/ ۳۰۵) نے روایت کیا ہے اور ان سب ہی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ مگر یہ صرف اسناداً ضعیف ہے، کیونکہ اس کے متن کی تائید میں دوسری احادیث ہیں۔

فاتحہ کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ دیکھیں حدیث (۲۸۱ ....)

اور "آمین" کے بارے میں بھی متعدد حدیثیں ہیں اور یہ حدیثیں نمبر (۲۷۳-۲۷۶ ، ۲۷۹) میں دیکھیں۔

مؤلف نے آمین کے بعد بخاری کا حوالہ دیا ہے اور بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس کی تخریج حدیث (۲۷۴) کی تخریج کے ضمن میں آرہی ہے۔

۲۷۲۔ **قلت** : راجح اور قوی مذہب کے مطابق " بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کو سرًّا ہی پڑھنا چاہیئے۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بیٹے (کہا جاتا ہے کہ اس کا نام یزید ہے) بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) پڑھتے ہوئے سنا۔ میں جب نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ بیٹے اسلام میں حدث (بدعت) سے بچو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ وہ قراءت کی ابتداء (بسم اللہ ...) سے نہ کرتے تھے۔

یعنی وہ بسم اللہ کو سرًّا پڑھتے تھے جہرًا نہیں۔

اس حدیث کو احمد (۴/ ۸۵، ۵/ ۵۵) ترمذی (۲۴۴) نسائی (۲/ ۱۳۵) ابنِ ماجہ (۸۱۵) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۸/ ۴۴۱-۴۴۲) میں دولابی نے "کنی" (۲/ ۹۶) میں بیہقی نے "سنن (۲/ ۵۲) میں اور خطیب نے " موضح" (۲/ ۳۲۷-۳۲۸) میں روایت کیا ہے۔

"سنن بیہقی" میں ایک راوی نے اس حدیث کو عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی بجائے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مگر حدیث عبداللہ بن مغفل زیادہ صحیح ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے کہا ہے۔

یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر دوسری سند سے، حدیثِ عبداللہ بن مغفل کو ان سے ان کے بیٹے یزید نے روایت کیا ہے، جس کو حافظ ابنِ حجر نے "تہذیب التہذیب" (۲/ ۳۲۶) میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے بارے میں انہوں نے کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی۔

لیکن ان کی اس حدیث کی تائید انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔

حدیثِ انس کو بخاری (۷۴۳) مسلم (۲/ ۱۱۰-۱۱۱) ابوداؤد (۷۸۲) ترمذی (۲۴۶) نسائی (۲/ ۱۳۳، ۱۳۵) ابن ماجہ (۸۱۳) ابن جارود (۱۸۱-۱۸۳) ابن خزیمہ (۴۹۱-۴۹۲، ۴۹۴-۴۹۸) اور ابن حبان (۵/ ۱۰۱-۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵-۱۰۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ــــــہ اس حدیث میں انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما قراءت کی ابتدا (الحمد للہ رب العالمین) سے کرتے تھے۔

یہی بات عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حدیث میں بیان کی ہے۔ ان کی حدیث کو مسلم (۲/۲۱۳) ابوداؤد (۷۸۳) اور ابن ماجہ (۸۱۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ میں انہیں (بسم اللہ الرحمن الرحیم) جہراً پڑھتے ہوئے نہ سنتا۔

یہ روایت نسائی، ابن جارود اور ابن حبان کی ہے۔

ایک دوسری روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کو جہراً نہ پڑھتے تھے۔

یہ روایت ابن خزیمہ، ابن جارود اور ابن حبان کے یہاں ہے۔

ایک تیسری روایت میں ہے کہ وہ بسملہ کو سراً پڑھتے تھے۔

یہ روایت ابن خزیمہ کی ہے۔ اسی طرح یہ "طبرانی کبیر" (۱/۲۵۵-۲۵۶) اور "کامل ابن عدی" (۳/۱۲۶۳) میں بھی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم "بسم اللہ" کو جہراً نہیں بلکہ سراً پڑھتے تھے۔

بلکہ امام ترمذی حدیث عبداللہ بن مغفل کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"اسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ جن میں ابوبکر، عمر، عثمان اور علی وغیرہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہیں۔ اور تابعین کا عمل ہے۔

سفیان ثوری، ابن مبارک، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ یعنی وہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" جہراً پڑھنے کے قائل نہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس کو آہستہ پڑھا جائے۔" "ترمذی" (۲/۱۴)۔

فقہاء میں سے حنفیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے دیکھیں۔ "ہدایہ مع فتح القدیر" (۱/۲۹۱) اور "مغنی ابن قدامہ" (۱/۴۷۸)۔

کبار اور محققین علماء بھی اسی طرف گئے ہیں۔ کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو نماز میں سراً پڑھنا چاہیئے، جن کے اسمائے گرامی مع حوالجات کتب درج ذیل ہیں۔

ابن العربی "عارضۃ الاحوذی" (۱/۴۴-۴۶)، ابن تیمیہ ؒ۔ مجموعۃ الفتاوٰی الکبرٰی (۲۲/۴۱۰ ...) ایضاً "الفتاوٰی الکبرٰی" (۱/۸۸-۱۰۴)۔ زیلعی۔ "نصب الرایہ" (۱/۳۲۸-۳۶۳) ۔ سید نذیر حسین ومحدث عظیم آبادی۔ "التعلیق المغنی" (۱/۳۱۵-۳۱۶) مبارکپوری "تحفۃ الاحوذی" (۱/۲۰۴)۔ البانی۔ "صفۃ الصلاۃ" (۷۷) "تمام المنۃ" (۱۶۹)۔

---- ابن باز" حاشیہ فتح الباری" (۲/ ۲۲۹)۔ شعیب وعبدالقادر "تحقیق زاد المعاد" (۱/ ۲۰۶)۔

علامہ شوکانی کا رجحان بھی اسی مسلک ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیں "نیل الأوطار" (۲/ ۲۰۴)۔

مؤلف نے جس حدیث سے بسملہ جہراً پڑھنے کی دلیل لی ہے "اس کو نسائی (۲/ ۱۳۴) ابن خزیمہ (۴۹۹) ابن جارود (۱۸۴) ابن حبان (۵/ ۱۰۰، ۱۰۴-۱۰۵) دارقطنی (۱/ ۳۰۵-۳۰۶) حاکم (۱/ ۲۳۲) اور بیہقی (۲/ ۴۶، ۵۸) نے روایت کیا ہے

یہ صحیح حدیث ہے اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی، حاکم بیہقی اور ذہبی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

شیخ البانی نے سعید بن ابی ہلال کی وجہ سے اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے۔ مگر مجھے ان سے اتفاق نہیں۔

بہرحال یہ حدیث تو صحیح ہے۔ لیکن اس میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا اضافہ محل نظر ہے۔

حافظ زیلعی کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کے آٹھ سو شاگردوں میں سے سوائے نعیم مجمر کے کسی نے بھی "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے شاگردوں میں سے کسی ثقہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اس نے ابوہریرہ سے بیان کیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (بسم اللہ) کو جہراً پڑھتے تھے۔

نعیم کے اس اضافے پر طویل کلام کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس کو اگر صحیح بھی تسلیم کرلیں تو اس میں (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) جہراً پڑھنے کی صراحت تو نہیں۔ "نصب الرایہ" (۱/ ۳۳۵-۳۳۷)۔

بسم اللہ جہراً پڑھنے کے بارے میں بعض ضعیف اور متعدد سخت ضعیف اور من گھڑت قسم کی روایات "سنن دارقطنی" وغیرہ میں موجود ہیں۔

ابن تیمیہؒ اور زیلعی نے بھی ذکر کیا ہے کہ دارقطنی جب مصر تشریف لے گئے تو بعض مصریوں نے ان سے، (بسم اللہ ....) جہراً پڑھنے کے بارے میں ایک مستقل رسالہ تالیف کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے جب رسالہ تالیف کرلیا تو کسی مالکی نے ان سے سوال کیا کہ وہ یہ بتائیں کہ اس رسالے میں کتنی صحیح روایات ہیں۔

انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں جتنی بھی مرفوع حدیثیں ہیں۔ سب کی سب غیر صحیح ہیں، رہے آثارِ صحابہ، تو ان میں سے بعض تو صحیح ہیں اور بعض ضعیف۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت اور جان پہچان رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ بسملہ جہراً پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح صریح روایت نہیں اور نہ ہی مشہور سنن کے مؤلفین مثلاً ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اس بارے میں کوئی حدیث روایت کی ہے۔

اس کو جہراً پڑھنے کا ذکر من گھڑت روایات میں ملتا ہے، جن کو ثعلبی، ماوردی، اور ان جیسے مفسرین نے ذکر کیا ہے یا پھر یہ روایات ان فقہاء کی کتب میں ملتی ہیں جو موضوع اور غیر موضوع روایات میں تمیز نہیں کرتے ----

آمین کا مسئلہ

جب آپ اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں۔ تو آمین آہستہ کہیں، جب ظہر اور عصر امام کے پیچھے پڑھیں تو پھر بھی آہستہ ہی کہنی چاہیئے۔ لیکن جب آپ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ہوں تو جس وقت امام "ولا الضالین" کہے تو آپ کو اونچی آواز سے آمین کہنی چاہیئے۔ بلکہ امام بھی سُنّت کی پیروی میں آمین پکار کر کہے۔

رسُولُ اللہ نے آمین پکار کر کہی

۲۷۳ ۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ فَقَالَ اٰمِيْنَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ ۔

(ترمذی۔ ابُوداؤد۔ دارمی۔ ابن ماجہ)

وائل بن حجر روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ میں نے سُنا کہ رسولُ اللہ نے پڑھا "غیر المغضوب علیہم و لا الضّآلّین" پھر کہا "آمین" (اور) دراز کی اس کے ساتھ آواز اپنی۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ ابن ماجہ)

← بلکہ ہر قسم کی احادیث سے حجت لے لیتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر وحضر میں ہر دن اور رات میں پانچوں مرتبہ اگر بسملہ کو جہرًا پڑھتے ہوتے تو یہ خلفاء راشدین اور آپ کے صحابہ پر مخفی نہ رہتا۔ یہ (مخفی رہنا) امحل المحال میں سے ہے حتیٰ کہ اس مسئلے کے ثبوت کے لیے مجمل الفاظ اور انتہائی ضعیف روایات کا سہارا لیا جائے۔

اس مسئلے کی صحیح احادیث صریح نہیں ہیں اور صریح حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ "زاد المعاد" (۱/۲۰۷)۔

واضح رہے کہ ابنِ قیم کا کہنا یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بسملہ کو سرًا پڑھتے مگر لبسا اوقات جہرًا بھی پڑھ لیتے۔

اور علامہ صنعانی کا کہنا ہے کہ آپ کبھی جہرًا پڑھتے اور کبھی سرًا "سبل السلام" (۱/۲۸۹)

مگر ان کے اس دعوے پر کوئی صریح صحیح دلیل نہیں، غالبًا انہوں نے مختلف روایات کو جمع کرنے کی خاطر یہ کہا۔ جب کہ "بسم اللہ" جہرًا پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح صریح دلیل نہیں۔

۲۷۳ ۔۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ترمذی (۲۴۸) ابوداؤد (۹۳۲) دارمی (۱/۲۸۴) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۲/۴۲۵) احمد ←

——— (۴/ ۳۱۶) بخاری نے "جزء القراءۃ" (۲۲۴ - ۲۲۵) میں ابن منذر نے "اوسط" (۳/ ۳۸۱) میں طبرانی نے "کبیر" (۲۲/ ۴۴) میں دارقطنی (۱/ ۳۳۳ - ۳۳۴) ابن حزم (۳/ ۲۶۴) بیہقی (۲/ ۵۷) اور ابن عبدالبر نے "تمہید" (۷/ ۱۴) میں روایت کیا ہے۔

سند: سفیان الثوری عن سلمة بن کھیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر۔

یہ سند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ جب کہ امام دارقطنی اور حافظ ابن حجر نے بھی "تلخیص" (۱/ ۲۳۶) میں اس کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح دیگر ائمہ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

نووی نے "مجموع" (۳/ ۳۶۹) میں اور ابن حجر نے "تخریج الکشاف" (۴/ ۳/ ۱۰) میں ابوداؤد کی سند کو حسن کہا ہے۔

ابوداؤد اور دارمی وغیرہ میں "مد بها صوته" کی بجائے "يرفع بها صوته" ہے۔ یعنی آمین کے ساتھ آپ اپنی آواز بلند کرتے۔

تنبیہ: اس حدیث کو سفیان کی طرح شعبہ نے بھی سلمہ بن کہیل سے روایت کیا ہے۔ مگر انہوں نے آمین با آواز بلند کہنے کی بجائے آہستہ آواز سے کہنے کا ذکر کیا ہے۔

شعبہ کی سند سے اس کو طیالسی (۱/ ۹۲) احمد (۴/ ۳۱۶) طبرانی (۲۲/ ۹، ۴۴، ۴۵) حاکم (۲/ ۲۳۲) اور بیہقی (۲/ ۵۷) نے روایت کیا ہے۔

مگر آمین پست آواز سے کہنے کو ذکر کرنے میں امام شعبہ سے غلطی ہوئی ہے۔ جیسا کہ امام بخاری، ابوزرعہ، دارقطنی اور دیگر حفاظ حدیث نے کہا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیں "تاریخ کبیر" للبخاری (۳/ ۷۳) ترمذی (۲/ ۲۸) دارقطنی، بیہقی، نصب الرایہ (۱/ ۳۶۹) اور "تلخیص الجبیر" (۱/ ۲۳۶ - ۲۳۷)۔

آمین با آواز بلند کہنے میں ثوری کی علاء بن صالح، محمد بن سلمہ بن کہیل اور یحییٰ بن سلمہ بن کہیل نے متابعت بھی کی ہے بلکہ ابو الولید طیالسی کی روایت میں شعبہ نے بھی "آمین بالجہر" ہی کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ علاء بن صالح کی سند سے اس کو ابوداؤد (۹۳۳) ترمذی (۲۴۹) ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۹۹) اور طبرانی (۲۲/ ۴۵) نے روایت کیا ہے اور یہ سند جید ہے۔

تنبیہ: ابوداؤد میں علاء بن صالح کی بجائے علی بن صالح ہے۔ حافظ ابن حجر کے کہنے کے مطابق تو یہ وہم ہے اور صحیح علاء بن صالح ہے۔ مگر مولانا مبارک پوری نے حافظ صاحب سے اتفاق نہیں کیا بلکہ انہوں نے علی بن صالح کو ہی صحیح کہا ہے اور کہا کہ یہ دونوں جدا جدا راوی ہیں۔ ملاحظہ ہو "تحفۃ الأحوذی" (۱/ ۲۱۲)۔ ←

اگر مبارک پوری کی بات کو لیا جائے تو (علی بن صالح) سفیان کی چوتھی متابعت ہے۔ اور یہ ثقہ ہیں۔

۲۔ محمد بن سلمہ بن کہیل کی سند کا ذکر بیہقی نے کیا ہے۔

محمد بن سلمہ کو ابن حبان نے "ثقات" (۷/۵،۳) میں ذکر کیا ہے۔ اور ابو حاتم نے اس کی تعریف کی ہے" جرح و تعدیل" (۷/۷۶)۔

۳۔ یحییٰ بن سلمہ بن کہیل کی سند سے اس کو دولابی نے "کنی" (۱/۹۶-۹۷) میں روایت کیا ہے۔ مگر یہ سند یحییٰ بن سلمہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

۴۔ اور شعبہ سے ابو ولید طیالسی کی روایت کو بیہقی (۲/۵۸) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

اسی طرح صحیح ابن حبان" (۵/۱۰۹-۱۱۱) بھی دیکھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں صحیح روایت سفیان ثوری والی ہے اور شعبہ سے اس حدیث میں غلطی ہوئی ہے شعبہ کی اس غلطی پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ اس حدیث کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے جو دوسری سندیں ہیں ان میں بھی آمین بآواز بلند ہی کا ذکر ہے اور یہ عبدالجبار بن وائل، علقمہ بن وائل، کلیب بن شہاب، ابو عبداللہ یحصبی اور ام یحییٰ کی سندیں ہیں۔

۱۔ عبدالجبار بن وائل کی سند سے اس کو احمد (۴/۳۱۵، ۳۱۸) نسائی (۲/۱۴۵) ابن ماجہ (۸۵۵) عبدالرزاق (۲/۹۵) ابن ابی شیبہ (۲/۱۸۷)۔ دار التاج) طبرانی (۲۲/۲۰-۲۳) ابو الشیخ نے "طبقات المحدثین" (۲/۱۴۲) میں، دارقطنی (۱/۳۳۴-۳۳۵) اور بیہقی (۲/۵۸) نے روایت کیا ہے۔

امام دارقطنی نے اس سند کو صحیح کہا ہے مگر اس میں انقطاع ہے۔ اس حدیث میں نسائی اور اسی طرح طبرانی کی ایک روایت میں بھی ہے کہ وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا۔ آپ نے آمین کہی تو میں نے سن لی۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ہم نے اس کو سنا۔

طبرانی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے پیچھے جو لوگ تھے انہوں نے بھی آمین کہی۔

اس کی ایک تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ آمین کہی۔ مگر یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

۲۔ علقمہ بن وائل کی سند کو احمد (۴/۳۱۸) طبرانی (۲۲/۱۲) اور بیہقی (۲/۵۸) نے روایت کیا ہے اور یہ شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

۳۔ کلیب بن شہاب کی سند کو احمد (۴/۳۱۸) اور طبرانی (۲۲/۱۴) نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

صفِ اوّل نے آمین سُنی

۲۷۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَلَا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ

۴۔ یحصبی کی سند سے اس کو طبرانی (۲۲/۴۳) اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے " رَبِّ اغْفِرْلِیْ آمین" کہا۔ مگر یہ سند ضعیف ہے۔

۵۔ اُمّ یحییٰ کی سند سے اس کو بزار (۲۶۸) اور طبرانی (۲۲/۵۰) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ سند بھی ضعیف ہے۔

تنبیہ : اس حدیث کے ایک طریق میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"ما اراه الا یعلمنا" میرے خیال میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم دینے کی خاطر ایسا کرتے تھے۔

یہ اضافہ حجر بن عنبس کی سند میں "کنی دولابی" میں ہے۔ ان الفاظ سے بعض حضرات نے دلیل لیتے ہُوئے کہا ہے۔ کہ آمین لپست آواز سے کہی جائے۔ اس لیے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باآواز بلند تعلیم کی غرض سے کہا تھا۔

مگر ان الفاظ یا اس اضافے سے یہ استدلال کئی اعتبار سے مردُود ہے۔

۱۔ جس سند میں یہ الفاظ ہیں وہ سخت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں یحییٰ بن سلمہ بن کہیل ہے۔ جو متروک ہے۔ جیسا کہ تقریب میں ہے۔

نیز اس کے علاوہ جن راویوں نے اس حدیث کو سلمہ بن کہیل سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا۔ اور وہ ثقہ راوی ہیں۔

اسی طرح اس حدیث کی وائل بن حجر سے جو دوسری سندیں ہیں۔ ان میں بھی یہ الفاظ نہیں پائے جاتے۔

۲۔ وائل بن حجر نے یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی۔ بلکہ انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے۔

۳۔ صحیح حدیث میں امام کی آمین کے ساتھ مقتدی کو بھی آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس حکم پر عمل اسی صورت میں ہوگا۔ جب امام آمین باآواز بلند کہے گا۔ اس کی تفصیل حدیث (۲۷۴) میں آرہی ہے۔

اس حدیث سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باآواز بلند آمین کہنا تعلیم کی غرض سے تھا۔ فافہم۔

۲۷۴۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابُوداؤد (۹۳۴) ابن ماجہ (۸۵۳) اسی طرح ابُویعلیٰ (۶۲۲۰) ابن حزم (۳/۲۶۳) اور ابن ←

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ۔ قَالَ آمِيْنَ ۔ حَتّٰى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

"حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھتے۔ تو آپ کہتے آمین۔ (اس قدر اونچی آواز سے) کہ پہلی صف کے آپ کے ارد گرد کے لوگ سن لیتے۔

← عبد البر نے بھی "تمہید" (۱۳/۷) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں لبشر بن رافع ضعیف ہے۔ اور ابو عبداللہ مجہول ہے۔ تفصیل "نصب الرایہ" (۱/ ۲۷۱) تلخیص الحبیر (۱/ ۲۲۸) اور مصباح الزجاجہ (۴/ ۲۱۴) میں دیکھیں۔

ابن خزیمہ (۵۷۱) ابن حبان (۴۶۲) دار قطنی (۱/ ۳۳۵) حاکم (۱/ ۲۲۳) بیہقی (۲/ ۵۸) اور ابن عبد البر (۷/ ۱۴) نے اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور دار قطنی نے اس سند کو حسن کہا ہے۔

مگر میرے نزدیک اس کی تصحیح یا تحسین محل نظر ہے۔ یہ حدیث زہری کی سند سے مروی ہے اور زہری سے اس کو زبیدی نے روایت کیا ہے۔ اور اس میں زبیدی سے نیچے ایک راوی اسحاق بن ابراہیم بن علاء ہے۔ جو متکلم فیہ ہے حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کو بہت زیادہ اوہام ہوتے ہیں۔

جب کہ زہری سے اس کو امام مالک، سفیان بن عیینہ، یونس بن یزید اور معمر بن راشد نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے "جب امام امین کہے تو تم بھی آمین کہو"

بلکہ زبیدی سے بقیہ نے بھی اس حدیث کو اسی سیاق سے روایت کیا ہے۔

بہر حال مذکورہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔

ایک سند تو نعیم مجمر والی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق نماز پڑھائی وہ اس طریقے کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے آمین کہی اور جو لوگ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے انہوں نے بھی آمین کہی۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کی تخریج حدیث (۷۷۲) میں گزر چکی ہے۔

زہری کی سند سے سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کے واسطے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث یں ہے۔

"جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ سو جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی تو اس کے ←

حضرت علیؓ کا آمین سُننا

۲۷۵ ـ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اٰمِيْنَ اِذَا قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ؕ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ کا "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھ کر آمین کہنا میں نے سُنا۔ (مستدرک حاکم۔ اعلام الموقعین)

۔۔۔۔ پہلے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔

اس کو بخاری (۷۸۰) مسلم (۱۲۸/۸ - ۱۲۹) ابُو داؤد (۹۳۶) ترمذی (۲۵۰) نسائی (۱۴۳/۲-۱۴۴) اور ابن ماجہ (۸۵۱-۸۵۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ امام کی آمین اُونچی آواز سے ہو گی۔ اس کی وضاحت کرتے ہُوئے امام ابنِ خزیمہ فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو" ثابت ہوا کہ امام اونچی آواز سے آمین کہے گا، کیونکہ جس کو علم کا فہم ہے، اسے یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی کو امام کی "آمین" کے ساتھ "آمین" کہنے کا حکم اسی صورت میں دے سکتے ہیں۔ جب کہ اس کو معلوم ہو کہ امام آمین کہے گا۔

اگر امام اس کو اونچی آواز سے نہیں بلکہ پست آواز سے کہے تو مقتدی کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ امام نے آمین کہی بھی ہے یا کہ نہیں اور یہ محال ہے کہ کسی آدمی سے یہ کہا جائے کہ جب فلاں شخص یہ بات کہے تو تم بھی یہی کہو۔ جب کہ وہ اس کی بات کو سُن نہ رہا ہو۔ یہ تو بالکل ہی ناممکن ہے۔

کوئی عالم یہ تصور نہیں کر سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی کو امام کی "آمین" کے ساتھ "آمین" کہنے کا حکم دیں جبکہ وہ اپنے امام کی "آمین" کو سُن نہ سکے۔ "صحیح ابنِ خزیمہ" (۲۸۶/۱)۔

اور یہی بات قدرے اختصار کے ساتھ امام ابنِ منذر نے بھی "اوسط" (۱۳۰/۳) میں کہی ہے۔

۲۷۵ ـ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۸۵۴) اور ابن ابی حاتم نے "علل" (۹۳/۱) میں سلمہ بن کہیل کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ضعف اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ نیز یہ سلمہ بن کہیل کی سند سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عورتوں کی صف میں آمین کی آواز

۲۷۶ - عَنِ ابْنِ اُمِّ الْحُصَيْنِ عَنْ اُمِّهٖ اَنَّهَا صَلَّتْ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ قَالَ اٰمِيْنَ - فَسَمِعَتْهُ وَهِيَ فِيْ صَفِّ النِّسَآءِ -

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھی، حضورؐ نے جب "ولا الضالین" پڑھی، تو آمین کہی، جسے مائی صاحبہ (اُمّ حصینؓ) نے سُنا۔ حالانکہ مائی صاحبہ عورتوں کی صف میں تھیں۔

یہ حدیث امام زیلعیؒ اپنی تخریج میں لائے ہیں۔ اور اسناد پر کوئی جرح نہیں کی اور حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی غیر مجروح ہے اور طبرانی کبیر میں بھی مروی ہے، جب آمین بالجہر کا مسئلہ دوپہر کے دن کی طرح ثابت اور روشن ہے۔ افسوس پھر بھی اونچی آمین سے نفرت کی جاتی ہے۔ بھائیو! غور کرو رسولِ خدا کی سُنت پاک سے نفرت!

—— اس کی سند میں جو ضعف اور اضطراب ہے اس کی تفصیل کے لیے "علل ابن ابی حاتم" علل دارقطنی (۳/ ۱۵/ ۲۴۹) "تلخیص ابن حجر" (۱/ ۱۳۸) اور "مصباح الزجاجہ بوصیری" (۱/ ۱۷۵/ ۳۱۵) دیکھیں۔

واضح رہے کہ اس حدیث کا متن دوسری احادیث کی بنار پر صحیح ہے۔ بس اس کا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہونا محلِ نظر ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث کو "مستدرک حاکم" کی طرف منسوب کیا ہے، جب کہ اس میں نمبر (۲۷۴) میں مذکور حدیثِ ابوہریرہ ہے۔ یہ حدیث نہیں۔

مستدرک کے ساتھ انہوں نے "اعلام الموقعین" کا حوالہ بھی دیا ہے مگر اس کی حیثیت ایک مرجع کی ہے مصدر کی نہیں کہ تخریج احادیث میں اس کا حوالہ دیا جائے۔

۲۷۶ - صحیح حدیث ہے۔

اس کو طبرانی (۲۵/ ۱۵۸) اور اسحاق بن رہویہ نے "مسند" میں۔ جیسا کہ "نصب الرایہ" (۱/ ۳۷۱) میں ہے۔ روایت کیا ہے۔

سند: ھارون بن موسیٰ النحوی ثنا اسماعیل بن مسلم عن ابی اسحاق عن ابن اُمّ الحصین عن جدتہ اُمّ الحصین۔

یہ اس حدیث کی سند ہے اور یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں مذکور اسماعیل بن مسلم، بصری نزیل مکہ ہے۔ جو ضعیف ہے حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۲/ ۱۱۷) میں اور علامہ شوکانی نے بھی "نیل الاوطار" (۲/ ۲۲۲) میں اسی اسماعیل کی وجہ سے اس کی سند میں کلام کیا ہے۔

←

آمین کی آواز سے مسجد گونج اُٹھی

۲۷۷ — صحیح بخاری میں ہے۔ اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَیْرِ وَمَنْ وَرَآءَہٗ حَتّٰی اِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّۃً۔

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے مقتدی اتنی بلند آواز سے آمین کہا کرتے تھے۔ کہ مسجد گونج اُٹھتی تھی۔ (بخاری)

نوٹ :۔ اس روز سے لے کر آج تک مسجد نبوی آمین کی آواز سے گونج رہی ہے، حاجیوں سے پوچھ لیں جب مسجد نبوی پونے چودہ سو سال سے اونچی آمین کی آواز سے گونج رہی ہے۔ تو برادرانِ احناف کی مساجد کیوں خاموش ہیں؟ بھائیو! زندہ کرو اس سُنّت کو۔ !

امامِ اعظم کے اُستاد کی شہادت

دو سَو (۲۰۰) صحابہؓ کا اونچی آواز سے آمین کہنا۔ امام اعظمؒ اپنے استادِ گرامی کے متعلق فرماتے ہیں۔ مَا رَاَیْتُ مِثْلَہٗ (میزان ذہبی) یعنی میں نے ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

← رہا حافظ ابن حجر کا "درایہ" (۱/۱۳۹/۱۵۷) میں اس کی سند پر حافظ زیلعی کی طرح سکوت اختیار کرنا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی سند حافظ صاحب کے نزدیک غیر مجروح ہے۔

اس حدیث کو ابو یعلی نے بھی "معجم الشیوخ" (۳۱۳) میں ہارون بن موسیٰ ہی کی سند سے روایت کیا ہے۔ مگر اس میں ہارون اور ابن اُمّ حصین کے درمیان اسماعیل بن مُسلم اور ابو اسحاق کا واسطہ نہیں بلکہ ثابت بنانی کا واسطہ ہے اور یہ سند بظاہر صحیح ہے۔

بہر حال اس حدیث کا متن صحیح ہے۔

۲۷۷ — یہ اثر صحیح ہے۔

اس کو بخاری نے تعلیقاً (۲/۲۶۲) شافعی نے "مسند" (۵۱، ۲۱۲) میں، عبدالرزاق (۲/۹۶-۹۷)، ابن منذر (۳/۱۲۲) اور ابن حزم (۳/۲۶۴) نے موصولاً روایت کیا ہے، اسی طرح ابن ابی شیبہ (۲/۱۸۸۔ دار التاج) نے بھی موصولاً روایت کیا ہے اس اثر کی سند صحیح ہے، اس کو بخاری نے بھی بصیغہ جزم ذکر کرکے صحیح کہا ہے۔

یہاں مسجد سے مراد مسجد حرام ہے، جیسا کہ اس کے بعد نمبر (۲۷۸) میں آنے والے اثر میں ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۸۷) میں عکرمہ تابعی سے بسند صحیح روایت ہے۔ کہ میں نے دیکھا کہ امام ←

۲۷۰ ۔ حضرت عطاء بن رباح تابعیؒ فرماتے ہیں۔ اَدْرَكْتُ مِائَتَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ يَعْنِيْ مَسْجِدَ الْحَرَامِ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّيْنَ رَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِاٰمِيْنَ۔ بیہقی ۔ ابنِ حبان)

" مَیں نے دو سو صحابہ کرامؓ کو پایا۔ کہ وہ اس مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) میں جب امام "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہتا۔ تو سب بلند آواز سے آمین کہتے۔"

بھائیو! غور تو کرو۔ کہ دو سو صحابہؓ کی اُونچی آمین سے حرم پاک تو گونجے لیکن ہم نے اپنی مسجدوں میں اِس سُنّت کو ختم کر دیا۔ خدا ہمیں اپنے پیارے رسُول کی محبوب سُنت کو زندہ کرنے کی توفیق دے۔ یاد رہے کہ آج بھی بیت اللہ آمین کی آواز سے گونجتا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ کا فتوٰے

مولانا عبدالحیؒ حنفی فرماتے ہیں۔ وَالْاِنْصَافُ اَنَّ الْجَهْرَ قَوِيٌّ مِّنْ حَيْثُ الدَّلِيْلِ۔ (تعلیق الممجد) خدا لگتی یہ ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنے کا ثبوت بہت پختہ ہے۔ حنفی بھائیو! آپ بھی اونچی آمین کہا کرو کہ سُنّت ہے۔

۔ جب (غیر المغضوب علیھم والا الضالین) کہتا تو لوگوں کے "آمین" کہنے کی وجہ سے مساجد میں گونج ہوا کرتی۔

۲۷۰ یہ اثر بھی صحیح ہے۔

اس کو بیہقی (۲/ ۵۹) اور ابنِ حبان نے "ثقات" (۶/ ۲۶۵) میں روایت کیا ہے۔

اس میں" رفعوا اصواتھم باٰمین " کے الفاظ ابنِ حبان کے ہیں اور" بیہقی " میں " لھم رجة باٰمین" (آمین سے ان کی آواز گونج جاتی) کے الفاظ ہیں۔

اس کو عطاء بن ابی رباح سے خالد بن ابی نوف نے روایت کیا ہے اور یہ مقبول ہے۔ جیسا کہ " تقریب " میں ہیں۔ یعنی متابعت کی صُورت میں مقبول ہے اور یہاں اس کی متابعت کی گئی ہے۔

نمبر (۲۶۷) میں جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اثر گزرا ہے اس کے بیان کرنے والے بھی عطاء بن ابی رباح ہیں اور عطاء سے اس کو ابن جریج نے روایت کیا ہے جو ثقہ ہیں۔

اس اثر میں اور اس سے پہلے والے اثر میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اِلاّ یہ کہ اس میں مسجد حرام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد کا تعین کیا گیا ہے۔

یہودیوں کا آمین سے چڑنا

۲۷۹۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ مَا حَسَدَتْكُمْ عَلٰى اٰمِيْنَ فَاَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ اٰمِيْنَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ نے فرمایا جس قدر یہود آمین (اونچی) سے چڑتے ہیں۔ اتنا کسی اور سے نہیں۔ پس تم بہت آمین کہنا۔ (ابن ماجہ)

۲۷۹۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۸۵۷) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں طلحہ بن عمر ہے جس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۱/۱۷۶/۳۱۷) میں کہا ہے۔

مگر یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ اس کے شواہد ہیں، یہ شواہد، عائشہ، معاذ، انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی ان سے دو سندیں ہیں۔

ا۔ ابو صالح کی سند: اس سند سے اس کو ابن ماجہ (۸۵۶) بخاری نے "ادب مفرد" (۹۹۱) اور "تاریخ کبیر" (۱/۴۷) میں اور ابن خزیمہ (۴، ۵، ۱۵۸۵) نے روایت کیا ہے۔

ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح بوصیری نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام راویوں سے مسلم نے حجت لی ہے "مصباح الزجاجہ"۔

اس میں "آمین" کے ساتھ سلام کا بھی ذکر ہے، یعنی یہودی سلام کہنے پر بھی حسد کرتے ہیں۔

ب، محمد بن اشعث کی سند:

محمد بن اشعث سے اس کو آگے عمر بن قیس اور مجاہد نے روایت کیا ہے۔

عمر بن قیس کی سند سے اس کو احمد (۶/۱۳۴۔ ۱۳۵) بخاری نے "تاریخ" (۱/۲۲) میں اور بیہقی (۲/۵۶) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

اس سند میں احمد اور بیہقی کے یہاں خلف الامام، آمین کہنے کی صراحت ہے۔

اسی طرح اس میں آمین کے ساتھ جمعہ اور قبلہ کا بھی اضافہ ہے، یعنی یہود جمعہ اور قبلہ پر بھی حسد کرتے ہیں۔ ——

اگر کوئی اُونچی آواز سے آمین کہے۔ تو رسولُ اللہ کی اس سُنت پاک سے ہرگز نہ چِڑنا اور نہ نفرت کرنا۔ کیونکہ آمین اُونچی سے یہودیوں کو چِڑ تھی، اور وہ نفرت کرتے تھے۔ اور ہمیں یہود کی مخالفت کرنی چاہیئے۔[۲۸۰]

← مجاہد کی سند سے اسں کو بخاری نے تاریخ کبیر" (۱/۲۲) میں بحشل واسطی نے "تاریخِ واسط" (۱۲۴-۱۲۵) میں ابن حبان نے "مجروحین" (۲/۳۲) میں ابنِ عدی نے "کامل" (۱/۲۶۴-۲۶۵) میں بیہقی نے "سنن" (۲/۵۶) میں اور خطیب نے "موضح" (۲/۱۹۸) میں روایت کیا ہے۔

اسں سند میں سلام اور آمین کا ذکر ہے، بیہقی کے یہاں " اللّٰھم ربنالك الحمد" کا اضافہ بھی ہے۔ ابن عدی کے یہاں آمین کی بجائے اذان کا ذکر ہے۔ جب کہ دوسروں کے یہاں آمین ہی کا ذکر ہے۔

یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں عبداللہ بن میسرہ واسطی ہے۔ جو ضعیف ہے۔ جیساکہ "تقریب" میں ہے۔

۲۔ حدیث معاذ بن جبل کو طبرانی نے "اوسط" میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے، جیساکہ "مجمع الزوائد" (۲/۱۱۵-۱۱۶) میں ہے۔

اس میں فرضی نماز میں امام کے پیچھے آمین کہنے کی صراحت ہے اس میں بھی سلام کا ذکر ہے اور ایک تیسری چیز صفوں کا سیدھا کرنا بھی مذکور ہے۔

۳۔ حدیث انس کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۱/۴۳) میں روایت کیا ہے۔

اس میں بھی آمین اور سلام کا ذکر ہے اس کی سند صحیح ہے، بشرطیکہ خطیب کا شیخ عبدالعزیز اُزجی ثقہ ہو۔

۴۔ حدیثِ ابُوہریرہؓ کو ابن عدی (۲/۱۰۱) نے روایت کیا ہے۔ اس میں تین چیزیں ذکر ہوئی ہیں۔ آمین کہنا، صفوں کا سیدھا کرنا اور سلام کا پھیلانا۔

مگر اس کی سند سلیمان بن ارقم کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

فائدہ حافظ ابنِ عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل اس شخص پر بہت سخت ناراض ہوتے جو بلند آواز سے آمین کہنے کو مکروہ سمجھتا اور آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "یہودی جس قدر ہم سے آمین سے چڑتے ہیں۔ اس قدر کسی اور چیز سے نہیں چڑتے۔" تمہید (۷/۱۵)۔

امام ترمذی نمبر (۲۴۲) میں گزرنے والی حدیث وائل بن حجر کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کئی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کا عمل اسی حدیث پر ہے کہ آدمی آمین پست آواز سے نہیں بلکہ بلند آواز سے کہے۔ شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے "جامع ترمذی" (۲/۲۸)۔

۲۸۰۔ متعدد احادیث میں بلکہ قرآنی آیات میں بھی اہلِ کتاب۔ یہود و نصارٰی، کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ جبکہ ←

پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کا فتوے۔

حضرت پیر سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عالم اور ولی اللہ ہوئے ہیں۔ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: وَالْجَهْرُ بِالْقِرَاءَةِ وَ اٰمِیْنَ۔ (مغرب، عشاء، فجر کی نمازیں) اونچی آواز سے قرارت پڑھنا اور اونچی آواز سے آمین کہنا چاہیئے۔ (غنیۃ الطالبین)

نوٹ: ہم نے اس مسئلہ آمین بالجہر کو اس لیے یہاں مدلل بیان کیا ہے کہ بعض لوگ جو اونچی آمین کہنے والوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ یہ کام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ہے۔ اور پیر جیلانیؒ بھی اونچی آمین کہا کرتے تھے اور وہ آمین سے نفرت نہ کریں، بلکہ شافع روز جزا صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے عامل بنیں۔

سُورۂ فاتحہ پڑھنے کا طریقہ

سُورۂ فاتحہ چونکہ نماز کا رُکن ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے اس مسئلہ کو بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ بخاری مسلم اور قریباً تمام کتب احادیث میں یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ مروی ہے۔

۲۸۱ - لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (متفق علیہ) یعنی الحمد شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی (فرض ہو، نفل ہو، نمازی امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا) اور اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔

— بخاری (۵۸ ۳۵) اور مسلم (۱۵/۹۰) وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن امور میں کوئی حکم نہ دیا جاتا ان میں آپ اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرماتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کے متعدد جواب دیئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے۔ تفصیل "اقتضاء الصراط المستقیم" (۱۷۷-۱۷۴) میں دیکھی جائے۔

۲۸۱ - اس کو بخاری نے "صحیح" (۷۵۶) اور جزء القراءۃ" (۲-۶، ۸۱، ۲۹۹) میں مسلم (۲/۱۰۰-۱۰۱) ابوداؤد (۸۲۲) ترمذی (۲/ نسائی (۲/۱۲۷-۱۳۸) ابن ماجہ (۸۳۷) دارمی (۱/۲۸۳) عبدالرزاق (۲/۹۳) ابن ابی شیبہ (۱/۳۶۰) احمد (۵/۳۱۴، ۳۲۱، ۳۲۲) ابن جارود (۱۸۵) ابن خزیمہ (۱۴۸۸) ابوعوانہ (۲/۱۲۴-۱۲۵) ابن حبان (۵/۸۱، ۸۲، ۸۷، ۹۶) دارقطنی (۱/۳۲۱-۳۲۲) ابن حزم (۳/۲۳۶) اور بیہقی نے "سنن" (۲/۳۸، ۶۱، ۱۶۴، ۳۷۴، ۳۷۵) اور جزء القراءۃ" (۱۷-۱۹-۲۲-۲۳) —

مقتدیوں کو الحمد شریف پڑھنے کا حکم

۲۸۲ - وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ (ابوداؤد۔ والترمذی، والنسائی معناہ)

وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْاٰنُ فَلَا تَقْرَءُوْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ۔

"عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم پیچھے تھے نمازِ فجر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے، پس پڑھا حضورؐ نے قرآن۔ پس بھاری ہوا ان پر، پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم پڑھا کرتے ہو پیچھے امام اپنے کے۔ ہم نے کہا۔ ہاں۔ اے خدا کے رسولؐ! فرمایا حضورؐ نے، نہ کیا کرو

ـــــــ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بیہقی "جزء القراءۃ" کی ایک روایت میں اس حدیث کے آخر میں "خلف الامام" کا اضافہ بھی ہے۔ یعنی اس شخص کی نماز نہیں جو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا۔ دیکھیں حدیث (۱۲۵)۔

امام بیہقی نے اس اضافے کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اس اضافے کی تائید نمبر ۲۸۲ میں آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

۲۸۲ - صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۸۲۳) ترمذی (۳۱۱) ابن ابی شیبہ (۱/ ۳۷۳-۳۷۴) احمد (۵/ ۳۱۶-۳۲۲) بخاری نے "جزء القراءۃ" (۶۴، ۶۷، ۲۵۵-۲۵۸) میں ابن جارود (۳۲۱) ابن خزیمہ (۱۵۸۱) طحاوی (۱/ ۲۱۵) ابن حبان (۴۶۰-۴۶۱) طبرانی (۱/ ۲۳۰-۲۳۱ "معجم صغیر") دارقطنی (۱/ ۳۱۸-۳۱۹) حاکم (۱/ ۲۳۸) ابن حزم (۳/ ۲۳۶) بیہقی نے "سنن" (۲/ ۱۶۴) اور "جزء القراءۃ" (۱۰۸-۱۱۴) میں اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۲۸/ ۷۷-۷۸) میں روایت کیا ہے۔

سند: محمد بن اسحاق حدثنی مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ رضی اللہ عنہ۔

یہ سند حسن درجہ کی ہے، ابن اسحاق مدلس ہیں۔ مگر احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی اور بیہقی کے یہاں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ ←

تم سوائے فاتحہ کے۔ (یعنی سوائے فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ کیونکہ) یقیناً نہیں (ہوتی) نماز اس شخص کی جو نہ پڑھے سورۂ فاتحہ۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں (یہ بھی) ہے۔ فرمایا حضورؐ نے کہ میں کہتا تھا۔ (اپنے دل میں جب نماز میں مجھ پر قرآت بھاری ہوئی) کیا ہے مجھ کو قرآن نزاع کرتا ہے مجھ سے (یعنی دشوار ہوتا ہے) اس کا پڑھنا مجھ پر۔ پھر میں نے جان لیا۔ کہ تمہارے پڑھنے کے سبب سے دشوار ہوا۔ پس نہ پڑھو قرآن سے کچھ بھی۔ جب میں پکار کر پڑھوں (جہری نماز میں) سوائے فاتحہ کے۔

رسولِ خدا کے پیچھے صحابہؓ نے سورۂ فاتحہ کے سوا اور حصہ قرآن کا پڑھا۔ یعنی حضور انورؐ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر جب دوسری سورتوں سے قرارت فرمائی۔ تو صحابہؓ نے وہ سورتیں بھی پیچھے پڑھ دیں، تو نماز سے فارغ ہو کر آپ نے حکم دیا کہ سوائے سورۂ فاتحہ کے امام کے پیچھے اور کچھ نہ پڑھو۔ بلکہ سنو۔ اور سورۂ فاتحہ کے متعلق سخت تاکید فرمائی۔ کہ یہ ضرور پڑھنا۔ کیونکہ اس کے پڑھنے کے بغیر تمہاری نماز نہیں ہوگی۔ اس لیے سب بھائیوں کو چاہیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی ارشاد پاک کے مطابق امام کے پیچھے ضرور آہستہ الحمد شریف پڑھا کریں۔

← امام ترمذی اور دارقطنی نے بھی اس کو حسن کہا ہے، امام حاکم نے اس کی سند کو مستقیم اور علامہ خطابی نے "معالم السنن" (۱/ ۲۰۵) میں اس کو جید کہا ہے۔

بخاری نے۔ جیسا کہ "تلخیص" (۱/ ۲۳۱) میں ہے۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے بھی "جزء القراءۃ" میں اس کو صحیح کہا ہے۔

کچھ لوگوں نے ابنِ اسحاق کی ثقاہت کے بارے میں کلام کیا ہے۔ اس کے ردّ کے لیے "جزء القراءۃ" للبخاری (ص ۲۶ - ۲۷) اور "جزء القراءۃ" للبیہقی (ص ۵۸ - ۶۱) دیکھیں۔

علامہ ابن ہمام "فتح القدیر شرح ہدایہ" میں ایک مقام پر فرماتے ہیں: اما ابن اسحاق فثقۃ لا شبهة عندنا فِی ذٰلِكَ ولا عِنْدَ محققی المحدثین" ملاحظہ ہو (۱/ ۴۲۴)۔

"ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ اس بات میں ہمارے نزدیک اور محققین محدثین کے نزدیک بھی کوئی شبہ نہیں"

نیز مکحول سے یہ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ "جزء القراءۃ" للبیہقی (۱۱۵) میں علاء بن حارث نے ان کی متابعت کی ہے اور اس متابعت کی سند حسن درجہ کی ہے۔ لہٰذا اس متابعت کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔

نیز اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں، جنہیں بیہقی نے "جزء القراءۃ" (۱۶۱-۱۶۳) میں ذکر کیا ہے۔ ان شواہد میں اس کے بعد آنے والی حدیثِ انس رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ ←

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا لازمی

۲۸۳ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ یَقْرَأْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِیَ خِدَاجٌ ثَلٰثًا غَیْرُ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ هُرَیْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَآءَ الْاِمَامِ قَالَ اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ - (رواہ مسلم)

ابُوہریرہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نماز پڑھی اور نہ پڑھی اس میں الحمد شریف، پس وہ (نماز) ناقص ہے۔ کہا اس کو تین بار۔ نہیں پوری ہوتی (نماز بغیر فاتحہ کے) حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا۔ تحقیق ہم ہوتے ہیں پیچھے امام کے (یعنی جب بھی پڑھیں) تو کہا ابُوہریرہؓ نے (ہاں) پڑھ تو اس کو آہستہ۔

بھائیو! غور کیا آپ نے کہ الحمد شریف پڑھنے کی کس قدر تاکید ہے۔ جب کہ اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی بلکہ اس سے پہلی حدیث کی رُو سے بالکل نہیں ہوتی تو اس کا امام کے پیچھے پڑھنا ہمارے لیے لازمی ہوئی۔ سب بھائیوں کو چاہیئے کہ آہستہ آہستہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ اس کا پڑھنا فرض ہے۔

۲۸۴- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِاَصْحَابِهٖ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَیْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ فِیْ صَلٰوتِكُمْ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ فَسَكَتُوْا

؎ مؤلف رحمۃ اللہ نے اس حدیث کے بعد جو دوسری روایت ذکر کی ہے۔ اس کو ابو داؤد (۸۲۴) کے علاوہ بخاری نے "جزء القراءۃ" (۶۵) میں دارقطنی (۱/ ۳۱۹-۳۲۰) اور بیہقی نے "سنن" (۲/ ۱۶۴-۱۶۵) اور "جزء القراءۃ" (۱۲۰-۱۲۳) میں نافع بن محمود کی سند سے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

دارقطنی نے اس کو حسن اور بیہقی نے صحیح کہا ہے۔

۲۸۳ ــ اس کو مسلم (۴/ ۱۰۲) ابُوداؤد (۸۲۱) ترمذی (۲۹۵۳) نسائی (۲/ ۱۳۵-۱۳۶) ابن ماجہ (۸۳۸) مالک (۱/ ۸۰) عبدالرزاق (۲/ ۱۲۸-۱۲۹) ابن ابی شیبہ (۱/ ۳۶۰-۳۷۵) احمد (۲/ ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۸۵، ۲۹۰، ۴۷۸) بخاری نے "جزء القراءۃ" (۷۱، ۸۰، ۲۶۱) میں ابن خزیمہ (۴۸۹) ابوعوانہ (۲/ ۱۲۶) ابن حبان (۵/ ۸۴-۸۵، ۹۰-۹۱، ۹۶، ۹۷) اور بیہقی نے "سنن" (۲/ ۳۹، ۱۶۶-۱۶۷، ۳۷۵) اور "جزء القراءۃ" (۳۰-۴۴) میں روایت کیا ہے۔

۲۸۴ ــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو بخاری نے "جزء القراءۃ" (۲۵۵) میں اسی طرح ابُو یعلیٰ نے "مسند" (۲۸۰۵) اور معجم الشیوخ (ق ۲۰۳) ←

فَقَالَهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ اَوْ قَائِلُوْنَ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَ لْيَقْرَأْ اَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِیْ نَفْسِہٖ۔ (جزء القراءۃ للبخاری)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی، فارغ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ کیا تم اپنی نماز میں امام کی قراءت کے دوران میں پڑھتے ہو۔ سب خاموش رہے تین بار آپ نے پوچھا۔ پھر جواب دیا۔ ہاں حضورؐ! ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ نہ کرو تم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ صرف سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کریں۔ یعنی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھا کرو۔ اور پھر خاموشی سے قراءت سنا کرو۔

اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، طبرانی اور ابو یعلےٰ میں بھی موجود ہے اور اس کی صحت کے متعلق مجمع الزوائد میں امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں۔ رجالہ ثقات۔ یعنی اس کے سب راوی ثقہ ہیں اس سورج کی طرح روشن حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھنی چاہیئے۔

← میں ابن حبان (۵/ ۱۵۲- ۱۶۲) دارقطنی (۱/ ۳۴۰) بیہقی نے "سنن" (۲/ ۱۶۶) اور "جزء القراءۃ" (۱۳۹- ۱۴۴- ۱۵۰) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۲/ ۱۷۵- ۱۷۶) میں روایت کیا ہے۔

بعض راویوں نے اس حدیث کو انس رضی اللہ عنہ کی بجائے ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح سے اس کو عبدالرزاق (۲/ ۱۲۷- ۱۲۸) احمد (۵/ ۴۱۰) بخاری (۶۷- جزء القراءۃ) اور بیہقی نے "سنن" اور "جزء القراءۃ" (۱۵۵- ۱۵۷) میں روایت کیا ہے۔

ابن عدی نے "کامل" (۳/ ۹۸۹- ۹۹۰) میں اور بیہقی نے "سنن" میں اس نامعلوم صحابی کی حدیث کو درست کہا ہے۔ جب کہ ابن حبان نے کہا ہے۔ کہ یہ حدیث دونوں ہی طرح سے محفوظ ہے۔

بعض راویوں نے اس حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں، تفصیل "کامل ابن عدی (۳/ ۹۸۹- ۹۹۰) "سنن دارقطنی" (۱/ ۳۴۰) اور "جزء القراءۃ" للبیہقی (۱۵۳- ۱۵۴) میں دیکھی جائے۔

ایک جماعت نے اس حدیث کو موصول کی بجائے مرسل روایت کیا ہے۔ دیکھیں "جزء القراءۃ" للبخاری (۲۵۶) اور جزء القراءۃ" للبیہقی (۱۴۸- ۱۵۱)۔

مگر اس سے موصول کی صحت متاثر نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا موصولاً مروی ہونا ثقہ راویوں کا اضافہ ہے۔ جو قبول کیا جائے گا۔ ←

تنبیہ : ایک راوی یوسف بن عدی نے اس حدیث کو صرف " فلا تفعلوا " تک روایت کیا ہے اس کے بعد اس نے " و لیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ " کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

یوسف بن عدی کی سند سے اس طرح اس کو طحاوی نے " شرح المعانی " (۱/ ۲۱۸) میں اسی طرح بیہقی نے بھی " جزء القراءۃ " (۱۴۷) میں روایت کیا ہے۔

یوسف بن عدی کی سند کا ذکر دارقطنی نے بھی کیا ہے مگر انہوں نے اس کا متن بیان نہیں کیا۔

مگر اس روایت کو اس طرح سے ناقص بیان کرنے میں یوسف بن عدی سے " تقصیر (کوتاہی) اور سہو ہوا ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کہا ہے۔

اور ان کی یہ بات درست ہے۔ کیونکہ یوسف بن عدی کے علاوہ تمام باقی راویوں نے اس حدیث کو " و لیقرأ احدکم .... " کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ یہ نقص اس قسم کے نقص سے نہیں، جسے بعض راوی حدیث بیں کر جاتے ہیں۔ کیونکہ اس نقص سے تو اس حکم میں تبدیلی آگئی ہے۔ جو صاحب شریعت کی خلف الإمام قرارت کی ممانعت کرنے اور پھر سرًا فاتحہ پڑھنے کا حکم دینے سے مقصود تھا۔ اور اس قسم کا نقص کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

قلت ، مجھے امام طحاوی پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی اپنے مقصود کی سند کو تو ذکر کر دیا۔ مگر وہ اسانید جو ان کے مقصود کے منافی تھیں۔ ان سے صرف نظر کیا۔ (عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ احتمال بہت کم ہے کہ ان کو اس کی باقی سندیں نہ ملی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب ؛

شیخ غماری کے خیال میں امام طحاوی نے اس حدیث میں " و لیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ ۔" کے الفاظ کو عمدًا ترک کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

یہ تصرف ناپسندیدہ ہے، علمی امانت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس حدیث کو مکمل ذکر کرتے، خواہ یہ ان کے مذہب کے مخالف ہی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ " الادلۃ الراجحۃ علی فرضیۃ قراءۃ الفاتحۃ (ص ۱۲۔ حاشیہ ۱۱)۔

مگر ہمارے نزدیک امام طحاوی پر یہ اعتراض اس طرح سے درست نہیں۔ بلکہ درست یوں تھا۔ امانت علمی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یوسف بن عدی کے علاوہ اس حدیث کی دوسری سندیں بھی ذکر کرتے خواہ وہ ان کے مذہب کے مخالف ہی تھیں۔

۲۸۵- عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْإِمَامِ فَلْيَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

"حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے پس چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرے۔ اس حدیث کے متعلق بھی مجمع الزوائد میں "رجالہ ثقات" یعنی اس کے سب راوی ثقہ ہیں" مذکور ہے۔

طوالت مضمون کے ڈر سے ہم اتنے ہی دلائل قارئین کرام کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک ہی حکم جو صحیح سند سے ثابت ہو اُمّت کے لیے واجب العمل ہوتا ہے اور آپ تو متعدد صحیح الاسناد احادیث قرأت فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے متعلق ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

شاہ ولی اللہ ؒ کی تائید

اب ہم آپ کی مزید تسلی اور تشفی کے لیے کہ ہم نے جو دلائل پیش کیے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ مہر نیم روز کی طرح روشن اور صحیح ہیں۔ ایک جلیل القدر شخصیت کی تائید پیش کرتے ہیں۔ وہ شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ ؒ محدث دہلوی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

فَاِنْ جَهَرَ الْإِمَامُ لَمْ يَقْرَأْ اِلَّا عِنْدَ الْإِسْكَاتَةِ وَاِنْ خَافَتَ فَلَهُ الْخِيَرَةُ۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم [1])

اگر امام بلند آواز سے قرأت پڑھتا ہے، تو مقتدی امام کے سکتہ [2] کے وقت پیچھے پیچھے الحمد شریف پڑھتا جائے اور اگر وہ پوشیدہ پڑھتا ہے۔ تو مقتدی کو اختیار ہے۔ (جس طرح چاہے پڑھ لے)"۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ (۲) [2] سورۃ پڑھتے وقت امام جہاں جہاں ٹھہرتا ہے اس کو سکتہ کہتے ہیں، منہ۔

---

۲۸۵ ـــ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۲/۱۱۴) میں ہے۔

"مجمع" میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے "من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب"

جب کہ علامہ سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں۔ ملاحظہ ہو "ضعیف الجامع الصغیر (۵۶۷۵)۔ اس حدیث کو کتاب میں مذکورہ الفاظ ہی سے ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس کی تحسین کی ہے۔ مگر عبدالرؤف مناوی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں سعید بن عبدالعزیز ہے، ذہبی نے کہا ہے کہ اس میں نکارت پائی جاتی ہے۔ فیض القدیر (۶/۱۷۰/۸۸۱۵)۔

ہدایہ کی تائید

ہدایہ حنفیوں کی بہت مقبول اور بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کی پہلی جلد فصل القراۃ میں فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ فتوٰے ہے۔

۲۸۶- وَ یُسْتَحْسَنُ عَلیٰ سَبِیْلِ الْاِحْتِیَاط " یعنی احتیاطاً سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھ لینا ہی بہتر ہے۔ (ہدایہ)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایمان افروز ارشاد

امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھنے کے متعلق آپ کی زبان محبت رسولؐ کی یوں ترجمانی کرتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: فَاِنَّ قِرَاءَتَهَا فَرِیْضَةٌ وَهِیَ رُکْنٌ تَبْطُلُ الصَّلٰوۃُ بِتَرْکِهَا۔ (غنیۃ الطالبین)

سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور (یہ سورۃ) نماز کا رکن ہے۔ اس کے نہ پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

بھائیو! بھائیو! اس سے بڑھ کر مزید اطمینان کی صورت آپ کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے، کہ حضرت پیران پیر نے (خدا کی آپ پر لاکھوں رحمتیں ہوں) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تصدیق و تائید میں کیسا دو ٹوک فیصلہ کیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ کے ترک سے نماز نہیں ہوتی۔

اب نماز کی قرات شروع ہوتی ہے۔

پیارے بھائیو اور بہنو! آپ نیت کے ساتھ، باوضو ہو کر، قبلہ کی طرف منہ کر کے، اللہ اکبر کہہ کر، ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ، اور ہتھیلیاں قبلہ کی طرف کر کے، مونڈھوں تک رفع الیدین کرتے ہوئے، بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر، دونوں ہاتھوں کو سینوں پر باندھ کر، دعاء، اعوذ، بسم اللہ، اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر آمین کہہ چکے ہیں۔

ملاحظہ: "پیش رس" میں چونکہ ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ یہ کتاب انشاء اللہ مکمل اور مدلل ہوگی۔ اس لیے آمین بالجہر اور قرات خلف الامام کے ضروری مسائل اور دلائل، نماز کا طریقہ، بیان کرنے کے درمیان میں آ گئے ہیں، امید ہے کہ آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے۔ اب آمین سے آگے چلیے۔

۲۸۶- یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جیسا کہ "ہدایہ" ۱/۱۴۱-۲۴۲- فتح القدیر ۱ میں ہے۔

۲۸۷۔ آمین کہہ کر تھوڑی سی دیر ٹھہریں۔ (ترمذی)

۲۸۸۔ پھر قرآن مجید میں سے جو کچھ یاد ہو اس میں سے کچھ پڑھیں۔ (بخاری)

ملاحظہ: جن لوگوں کو صرف قُل شریف ہی آتا ہو۔ وہ قل شریف سے ہی نماز پڑھ لیا کریں۔ اللہ کے نزدیک بلاشبہ مقبول ہے۔

۲۸۷۔ ضعیف ہے۔

اس کو ترمذی (۲۵۱) اسی طرح ابوداؤد (۷۷۷۔ ۷۸۰) ابن ماجہ (۸۴۴۔ ۸۴۵) بخاری نے "جزء القراءۃ (۲۷۷۔ ۲۷۸) میں ابن منذر نے "اوسط" (۳/۱۱۸) میں طبرانی نے "کبیر" (۷/۲۷۳، ۱۸/۱۴۶) میں دارقطنی (۱/۳۳۶) حاکم ابن حزم ۴/۹۷) بیہقی (۲/۱۹۵۔ ۱۹۶) اور خطیب نے بھی "موضح" (۱/۱۱۴) میں حسن بصری کی سند سے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ حسن بصری مدلس ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے سمرہ سے سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی۔

ویسے بھی حسن بصری کے سمرہ سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے۔

نیز حسن بصری سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اکثر راویوں نے پوری قراءت کے بعد یعنی رکوع کرنے سے پہلے ٹھہرنے کا ذکر کیا ہے

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کرتے (دو مرتبہ ٹھہرتے یا خاموش ہوتے) پہلا سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا بعض راویوں کے کہنے کے مطابق سورہ فاتحہ کے بعد اور اکثر راویوں کی روایت کے مطابق رکوع میں جانے سے پہلے۔

جہاں تک آپ کے پہلے سکتے کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے، کیونکہ اس کا ذکر ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی آیا ہے دیکھیں اس کتاب کی حدیث (۲۶۸)۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحہ کے بعد اور سورت پڑھنے کے بعد بھی سکتہ کرتے۔

اس کو طبرانی (۲۰/۷۴) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ من گھڑت حدیث ہے اس میں خصیف بن محمد ہے جو کذاب ہے دیکھیں "میزان" (۱/۶۵۳)۔

۲۸۸۔ اس کے لیے نمبر ۵ میں مذکور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دیکھی جائے۔

نماز کی مسنون قراءت

۲۸۹- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ[1] سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَّلَا كَبِيْرَةٌ اِلَّا وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔ (رواہ مالک)

"عمرو بن شعیب سے روایت ہے، اس نے نقل کی اپنے باپ سے، اس نے نقل کی اپنے دادا سے، کہا اس نے نہیں مفصل سے کوئی سورۃ چھوٹی، اور نہ بڑی مگر کہ میں نے سُنی رسُولِ خدا سے کہ امامت کرتے تھے، اس کے ساتھ لوگوں کی نماز فرض میں، (مالک) مطلب یہ ہے کہ آپ نے نماز میں ہر سُورت پڑھی تاکہ لوگوں کو نماز میں قرآن کے ہر جگہ سے پڑھ لینے کا جواز معلوم ہو جائے پس امام اور منفرد نمازوں میں جہاں سے چاہیں قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ امام کو نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کے احوال و کوائف کے پیشِ نظر ضرور اختصار سے کام لینا چاہیے۔ امامت کے فرائض میں ہم اس کو ذرا تشریح سے بیان کریں گے۔

نماز میں اگرچہ ہم جہاں سے چاہیں قرآن پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یہاں ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارت کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ آپؐ کون کون سی سُورت کس کس نماز میں پڑھتے تھے۔ تاکہ ہم بھی محبتِ رسُول میں ــــ اور پیروی سُنت پاک کے جذبے کے ماتحت مسنُون قرارت پڑھ کر اپنی نمازوں کو زیادہ سے زیادہ حسین اور مقبول بنا سکیں، نمازوں کے اندر پڑھنے کے لیے اوقات و ایام اور احوال و ظروف کے پیشِ نظر، حضورؐ کا قرآن کے بعض حصّوں اور سُورتوں کا منتخب کرنا موتیوں اور ہیروں کی مینا کاری ہے۔

---

[1] مفصل سے قرآن کی اخیر سورتیں مراد ہیں۔ حجرات سے سُورۃ النّاس تک مفصل، فصل سے مشتق ہے اور فصل کے معنی جدا ہونا ہے، چونکہ اس جگہ سے چھوٹی چھوٹی سُورتیں شروع ہوتی ہیں جو درمیان میں بسم اللہ آنے کے سبب ایک دوسری سے جدا ہیں، اس لیے مفصل کہلاتی ہیں مفصل کی تین قسمیں ہیں۔ طوال مفصل، اوساط مفصل، قصار مفصل، حجرات سے لے کر بروج تک طوال مفصل ہیں، بروج سے لے کر سُورۃ بینہ تک اوساط مفصل ہیں۔ اور بینہ سے لے کر اخیر تک قصار مفصل، کل تعداد مفصل سورتوں کی ۶۶ ہے۔ جن میں طوال ۳۷، اوساط ۱۳ اور قصار ۱۶ ہیں۔ (محمد صادق)

---

۲۸۹ حسن درجہ کی حدیث ہے۔

جمعہ کے دن نمازِ فجر میں

۲۹۰ ـ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمّٓ تَنْزِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی، وَفِی الثَّانِیَةِ، هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں جمعہ کے دن "الم تنزیل" پہلی رکعت میں اور "ہل اتی علی الانسان" دوسری رکعت میں پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

نمازِ جمعہ اور عیدین میں

۲۹۱ ـ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی

← اس کو ابوداؤد (۸۱۴) اور بیہقی (۲/ ۳۸۸) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں محمد بن اسحاق مدلس ہیں اور انہوں نے سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی۔ مگر "طبرانی کبیر" (۱۲/ ۳۷۵) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس پر شاہد ہے، جس کی بنا پر یہ حسن درجہ کی ہے۔

تنبیہ: خطیب تبریزی نے "مشکاۃ" (۱/۲۸۴) میں کتاب میں مذکور حدیث کو "موطا امام مالک" کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ "موطا" میں نہیں بلکہ ابوداؤد میں ہے۔

مؤلف نے اس حدیث کو چونکہ "مشکاۃ" سے نقل کیا ہے، اس لیے انہوں نے اس کے لیے "موطا" کا حوالہ دیا ہے۔

۲۹۰۔ اس کو بخاری (۸۹۱، ۱۰۶۸) مسلم (۳/ ۱۶۸) نسائی (۲/ ۱۵۹) ابن ماجہ (۸۲۳) دارمی (۱/ ۳۶۲) اور بیہقی (۳/ ۲۰۱) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث، ابن عباس، ابن مسعود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

۱۔ حدیث ابن عباس، مسلم، ترمذی (۵۲۰) نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔

۲۔ حدیث ابن مسعود، ابن ماجہ اور طبرانی (۱۰/ ۱۲۳، ۱۳۳) میں ہے۔ بوصیری نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ حدیث سعد کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، بوصیری نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے، مصباح الزجاجہ (۲۰۶-۲۰۷)۔

۲۹۱۔ اس کو مسلم (۳/ ۱۶۷) ابوداؤد (۱۱۲۲) نسائی نے "سنن" ۳/ ۱۱۲، ۱۸۴) اور "کتاب الجمعۃ" (۸۰) میں ابن ماجہ (۱۲۸۱) دارمی (۱/ ۳۷۶-۳۷۷) عبدالرزاق (۳/ ۲۹۸) ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۴۲، ۱۸۶) احمد (۴/ ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۶) ابن حبان (۷/ ۶۰-۶۱) ←

الْعِيْدَيْنِ وَ فِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ۔ وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ اِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمٍ وَّاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلٰوتَيْنِ۔

(رواہ مسلم)

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ پڑھتے تھے دونوں عیدوں اور جمعہ (کی نمازوں) میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" اور "وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ"۔ کہا نعمان بن بشیر نے اور جب جمع ہوتی عید اور جمعہ ایک دن میں ۔ (تو پھر بھی) پڑھتے آپ یہ (ہی) دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ ان دونوں سورتوں کا ان نمازوں میں پڑھنا مستحب موکد ہے، اگرچہ جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ "اذا جاءك المنافقون" کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔

۲۹۲- چنانچہ صحیح مسلم میں عبید اللہ بن ابی رافع سے ایک روایت ہے، کہ مروان نے حضرت ابی ہریرہؓ کو مدینے کا خلیفہ مقرر کیا اور خود مکہ کی طرف گیا اور حضرت ابوہریرہؓ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھیں اور کہا کہ ان سورتوں کو جمعہ میں پڑھتے ہوئے میں نے رسول اللہ کو سنا تھا۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ ان سورتوں کا نماز جمعہ میں پڑھنا بھی مستحب ہے۔

عیدین میں

۲۹۳- عبید اللہ کی ایک روایت کے الفاظ صحیح مسلم میں یہ ہیں:

"كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" (رواہ مسلم)

"یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید قربان، اور عید فطر میں "قٓ والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعة"

ــــــ اور بیہقی (۳/ ۲۰۱، ۲۹۴) نے روایت کیا ہے۔

۲۹۲- اس کو مسلم (۲/ ۱۶۶) ابوداؤد (۱۱۲۴) ترمذی (۵۱۹) ابن ماجہ (۱۱۱۸) ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۲۴) ابن خزیمہ (۱۸۴۳) اور بیہقی (۳/ ۲۰۰) نے روایت کیا ہے۔

مسلم (۲/ ۱۶۸) ابوداؤد (۱۰۷۵) سنن النسائی (۳/ ۱۱۱) اور "جمعہ لنسائی (۷۸) میں یہ حدیث" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

۲۹۳- اس کو مسلم (۲/ ۱۸۱) ابوداؤد (۱۱۵۴) ترمذی (۵۳۴) نسائی (۳/ ۱۸۳) ابن ماجہ (۱۲۸۲) مالک (۱/ ۱۸۰) ــــــ

پڑھتے تھے۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ عیدین میں یہ سورتیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

جمعرات کی نمازِ مغرب میں

۲۹۴-وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَآيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

"جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ مغرب میں جمعہ کی رات "قُلْ يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے۔ (شرح السنۃ)

نوٹ: یہ حدیث ابن حبان میں بھی ہے۔ ابنِ حبان میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کے آگے یہ الفاظ ہیں۔ "وَ فی العشاء سورۃ الجمعۃ والمنافقون"۔ یعنی جمعرات کو عشاء کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون پڑھتے تھے۔

عبدالرزاق (۲/۲۹۸) ابن ابی شیبہ (۲/۱۷۶) احمد (۵/۲۱۷-۲۱۸، ۲۱۹) ابنِ خزیمہ (۱۴۴۰) ابنِ حبان (۷/۶۰) اور بیہقی (۲/۲۹۴) نے عبید اللہ بن عبد اللہ کی سند سے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ابُو واقد لیثی رضی اللہ عنہ ہیں، عبید اللہ بن عبد اللہ نہیں جیسا کہ مؤلف کے انداز سے معلوم ہوتا ہے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ تابعی ہیں، صحابی نہیں۔

۲۹۴ - سخت ضعیف ہے۔

اس کو بغوی نے "شرح السُّنّۃ" (۳/۸۱) میں بلا سند، ابنِ حبان نے اپنی "صحیح" (۵/۱۴۹-۱۵۰) میں اور "ثقات" (۶/۳۶۷) میں بھی اور بیہقی (۲/۳۹۱، ۳/۲۰۱) نے بالسند روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون کی تلاوت فرماتے۔

مگر یہ حدیث سخت ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی سعید بن سماک بن حرب ہے، جو متروک ہے، جیسا کہ ابو حاتم نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "الجرح والتعدیل" (۴/۳۲) ایضاً "میزان الاعتدال" (۲/۱۴۳)۔

حافظ ابنِ حجر نے کہا ہے کہ سعید بن سماک متروک ہے اور محفوظ حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو مغرب کے بعد والی سنتوں میں پڑھا ہے "فتح الباری" (۲/۲۴۸)۔

نمازِ مغرب میں

۲۹۵ ـ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ سُنا میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ کہ پڑھتے تھے نمازِ مغرب میں سُورۂ طُور۔ (بخاری، مسلم)

۲۹۶ ـ اُمّ فضل کی بیٹی حارثہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ سُنا میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے تھے (نماز) مغرب میں سُورۂ مرسلات عرفًا۔ (بخاری، مسلم)

۲۹۷ ـ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ مغرب پڑھی۔

ــــــ حافظ ابن حبان نے "ثقات" میں کہا ہے کہ محفوظ یہ ہے کہ یہ حدیث سماک سے مرسلاً مروی ہے۔
مگر حافظ عراقی ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ مسنداً اور مرسلاً دونوں ہی طرح صحیح نہیں" تخریج احیاء علوم الدین" (۱/۲۲۱)۔

قلت: یہ مرسلاً بھی صحیح نہیں اس لیے کہ اس کی سند میں سعید بن سماک ہے اور یہ متروک ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ مگر ابن حبان کے نزدیک یہ ثقہ ہے اور انہوں نے "ثقات" میں اسی کے ترجمے میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔
واضح رہے کہ ان دونوں سورتوں کا مغرب کی سُنتوں میں پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ تفصیل حدیث (۱۹۹) میں آرہی ہے۔

تنبیہ: خطیب تبریزی نے "مشکاۃ" (۱/۲۶۸) میں اس حدیث کے بارے میں کہا ہے "رواہ فی شرح السنہ" جب کہ بغوی نے اس کو بلا سند ذکر کیا ہے۔ لہذا یہ وضاحت ضروری تھی کہ انہوں نے اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے خطیب تبریزی سے ایک تقصیر یہ بھی ہوئی ہے کہ جن کتب میں یہ حدیث موصولاً مروی ہے۔ ان میں سے انہوں نے اس کو ایک کتاب کی طرف بھی منسوب نہیں کیا۔

۲۹۵ ـ اس کو بخاری (۷۶۵) مسلم (۴/۱۸۰) ابوداؤد (۸۱۱) نسائی (۲/۱۶۹) ابن ماجہ (۸۳۲) دارمی (۱/۲۹۶) مالک (۱/۷۸) طیالسی (۱/۹۴) ابنِ ابی شیبہ (۱/۳۵۷) احمد (۴/۸۰، ۸۳، ۸۴، ۸۵) ابن خزیمہ (۵۱۴) ابوعوانہ (۲/۱۵۴) ابن حبان (۵/۱۴۱ - ۱۴۲) اور بیہقی (۲/۱۹۳) نے روایت کیا ہے۔

۲۹۶ ـ اس کو بخاری (۷۶۳) مسلم (۴/۱۸۰) ابوداؤد (۸۱۰) ترمذی (۳۰۸) نسائی (۲/۱۶۸) ابن ماجہ (۸۳۱) دارمی (۱/۲۹۶) مالک (۱/۷۸) احمد (۶/۳۳۸ - ۳۴۰) ابنِ خزیمہ (۵۱۹) ابن حبان (۵/۱۳۹ - ۱۴۰) اور بیہقی (۲/۳۹۲) نے روایت کیا ہے۔

۲۹۷ ـ صحیح حدیث ہے۔ ←

سورۃ اعراف کے ساتھ (اور) اس سورت کو دونوں رکعتوں میں متفرق پڑھا۔ (رواہ النسائی)

۲۹۸۔ عبداللہ بن عتبہ بن مسعود روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں سورۃ حٰم دخان پڑھی۔ (نسائی)

۲۹۹۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن ماجہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب میں "قل یا ایھا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے۔

اس کو نسائی (۲/ ۱۷۰) اور بیہقی (۲/ ۳۹۲) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند جید ہے نووی نے "مجموع" (۳/ ۳۸۲) میں اس کو حسن کہا ہے۔

مگر یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ بخاری (۴/ ۷) ابو داؤد (۸۱۲) نسائی (۲/ ۱۷۰) اور طبرانی (۵/ ۱۲۲) وغیرہ میں موجود حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۹۸۔ ضعیف ہے۔

اس کو نسائی (۲/ ۱۶۹) نے روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ عبداللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی ہیں۔ مگر اس مرسل کی سند حسن درجے سے کم نہیں۔

۲۹۹۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۸۳۳) طبرانی (۳/ ۲۷۷) ابو شیخ نے "طبقات" (۴/ ۳۲۶) میں خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۴/ ۵۰) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱/ ۲۷۱۔۲۷۲) میں روایت کیا ہے۔

سند: احمد بن بدیل ثنا حفص بن غیاث ثنا عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر۔

اس سند کے بارے میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ بظاہر صحیح ہے مگر معلول ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس میں ایک راوی سے غلطی ہوئی ہے۔ فتح الباری (۲/ ۲۴۸)۔

قلت: یہ راوی احمد بن بدیل ہے، ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ حفص بن غیاث وغیرہ سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے "کامل" (۱/ ۱۸۹)۔

خطیب بغدادی نے اس حدیث کو اسی احمد بن بدیل ہی کے ترجمے میں روایت کیا ہے اور اس حدیث کو انہوں نے اس کی منکرات میں شمار کیا ہے۔ اور نصر بن محمد سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو زرعہ رازی کے سامنے اس حدیث کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ میں نے کہا کہ ابن بدیل نے، انھوں نے کہا، "شر لہ" اس کے لیے شر ہو۔

اس حدیث کی عبید اللہ بن عمر اور نافع سے جو دوسری سندیں ہیں۔ ان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ ←

← کی سنتوں میں ان سورتوں کو پڑھتے تھے۔

ابوشیخ نے "طبقات" (۲/۲۶۱) میں اس کو شریک کی سند سے عبید اللہ سے اور بیہقی نے "شعب الایمان" (۵/۲۹۶) میں لیث بن ابی سلیم کی سند سے نافع سے روایت کیا ہے، ان دونوں سندوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سورتوں کو مغرب کی سنتوں میں پڑھتے تھے۔

اسی طرح ابن عمرؓ سے بھی اس حدیث کی جو دوسری سندیں ہیں ان میں بھی یہی ذکر ہے۔ اور وہ مجاہد اور عطاء کی سندیں ہیں۔

مجاہد کی سند سے اس کو نسائی (۲/۱۷۰) طیالسی (۱/۱۱۴) احمد (۲/۵۸، ۹۵، ۹۹) ابن ابی شیبہ (۲/۵۰۔ دارالتاج) اور بیہقی نے "سنن" (۲/۴۳) میں روایت کیا ہے۔

نووی نے "مجموع" (۳/۳۸۵) میں اس کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔ مگر اس میں ایک راوی ہے جس کی توثیق اور جرح میں اختلاف ہے اور مسلم نے اس سے روایت لی ہے۔

اس راوی سے شاید ان کی مراد ابراہیم بن مہاجر ہو، جس کا ذکر صرف نسائی اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے۔

شیخ البانی نے کہا ہے کہ اس کو ابوداؤد وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے "تحقیق المشکاۃ" (۱/۲۸)، مگر مجھے ابوداؤد میں یہ حدیث نہیں ملی۔ اور نہ ہی مزی نے "تحفۃ الاشراف" (۶/۲۹/۷۳۸۸) میں اس کو اس کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ انہوں نے اسے ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ سے منسوب کیا ہے۔

اس کو ترمذی (۱۷۴) اور ابن ماجہ (۱۱۴۹) نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں صرف فجر کی سنتوں میں ان سورتوں کے پڑھے جانے کا ذکر ہے۔ جب کہ مذکورہ تمام کتب میں فجر اور مغرب کی سنتوں کا ذکر ہے۔

عطاء کی سند سے اس کو طبرانی (۱۲/۴۲۴) نے روایت کیا ہے۔ اس سند میں مغرب کے بعد والی سنتوں کی بجائے مغرب سے پہلے والی سنتوں میں ان سورتوں کے پڑھنے کا ذکر ہے اور یہ غالبًا کسی راوی سے غلطی ہوئی ہے، اسی لیے محقق نے حاشیہ میں کہا ہے۔

"كذا والصواب بعد المغرب"، یعنی مخطوط میں تو یوں ہی ہے۔ مگر درست مغرب کے بعد ہے۔

اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں۔ مگر یہ حدیث اپنے طرق کی بنا پر صحیح ہے۔ نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی شاہد بھی ہے۔ اس میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر اور مغرب کی سنتوں میں ان سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے۔

اس کو ترمذی (۴۳۱) ابن عدی (۵/۱۹۴۶) اور بیہقی (۳/۴۳) نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں عبدالملک بن ولید بن معدان ہے، جو ضعیف ہے۔ ←

نماز فجر میں

۳۰۰ ۔ حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے فجر میں سورہ "قاف والقرآن المجید"۔ اور مانند اس کے۔ (رواہ مسلم)

۳۰۱ ۔ حضرت عبداللہ بن سائب روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، ہم کو فجر کی مکہ میں (بعد فتح ہونے کے) پس شروع کی سورہ مؤمنون (قد افلح المؤمنون) یہاں تک کہ ذکر آیا حضرت موسیٰ اور ہارون کا یا ذکر حضرت عیسیٰ کا (تو) حضور کو کھانسی در پیش ہوئی، پس رکوع میں چلے گئے۔ (رواہ مسلم)

مطلب یہ ہے کہ حضور حضرت موسیٰ اور ہارون وغیرہ کے ذکر سے روئے اور کھانسی نے غلبہ کیا۔ اس لیے سورہ کو تمام نہ کر سکے اور رکوع کر لیا۔

۳۰۲ ۔ حضرت عمرو بن حریث روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ تحقیق انہوں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے تھے نماز فجر میں (واللیل اذا عسعس) (یعنی اذا الشمس کورت)۔ (رواہ مسلم)

خلاصہ: مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سورتوں کو مغرب کی نماز میں نہیں بلکہ مغرب کے بعد والی سنتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

اسی لیے حافظ ابن حجر، ابن ماجہ والی حدیث ابن عمر اور نمبر ۲۹۴ میں گزرنے والی حدیث جابر بن سمرہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "محفوظ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو مغرب کی سنتوں میں پڑھا ہے۔" فتح الباری" (۲/۲۴۸)۔

۳۰۰ ۔ اس کو مسلم (۲/۱۷۹) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۱/۳۵۲) احمد (۵/۹۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵) ابن خزیمہ (۵۲۶) ابن حبان (۵/۱۲۴) طبرانی (۲/۲۲۵) اور بیہقی (۲/۳۸۹) نے روایت کیا ہے۔

۳۰۱ ۔ اس کو مسلم (۲/۱۷۷) ابوداؤد (۶۴۹) باب "الصلوٰۃ فی النعل" نسائی (۲/۱۷۶) ابن ماجہ (۸۲۰) شافعی نے "مسند" (۱۵۵ - ۱۵۶) میں عبدالرزاق (۲/۱۱۲) احمد (۳/۴۱۱) حمیدی (۸۲۱) ابن خزیمہ (۵۴۶) ابو عوانہ (۲/۱۶۱) ابن حبان (۵/۱۲۲، ۵۶۲، ۵۶۴) بیہقی (۲/۳۸۹) اور بغوی (۶۰۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کو بخاری نے "صحیح" (۲/۲۵۵ - فتح) اور "تاریخ کبیر" (۵/۸ - ۹) میں تعلیقاً روایت کیا ہے۔ دیکھیں "فتح الباری"۔

۳۰۲ ۔ اس کو مسلم (۲/۱۷۹) ابوداؤد (۸۱۷) نسائی (۲/۱۵۷) ابن ماجہ (۸۱۷) دارمی (۱/۲۹۷) عبدالرزاق (۲/۱۱۵-۱۱۶) ←

۳۰۳ ۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھینچتا تھا۔ حضورؐ (سفر میں) نماز کے لیے اُترے، تو آپ نے صبح کی نماز "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کے ساتھ پڑھی۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی)۔

۳۰۴ ۔ معاذ بن عبداللہ جہنی کی روایت میں ہے کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی، سُورۃ "اذا زلزلت" نمازِ صبح میں دونوں رکعتوں میں۔ (ابوداؤد)

نمازِ عشاء میں

۳۰۵ ۔ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ۔ (متفق علیہ)

حضرت براءؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سُنا میں نے رسول اللہ کو کہ پڑھتے تھے عشاء میں "والتّین والزیتون" اور میں نے حضور انورؐ سے زیادہ خوش آواز کسی کو نہیں سُنا۔ (بخاری مسلم)

← ابن ابی شیبہ (۱/۳۵۴) احمد (۴/۳۰۶، ۳۰۷) حمیدی (۵۲۷) ابو یعلیٰ (۱۴۰۵، ۱۴۶۱، ۱۴۶۸) ابو عوانہ (۲/۱۵۸-۱۵۹) ابن حبان (۵/۱۲۶-۱۲۷) بیہقی (۲/۳۸۸) اور بغوی (۳/۶۰۳) نے روایت کیا ہے۔

۳۰۳ ۔ اس کو احمد (۴/۱۴۹-۱۵۰، ۱۵۳) ابوداؤد (۱۴۶۲) نسائی (۲/۱۵۸، ۸/۲۵۲-۲۵۳) ابن خزیمہ (۵۳۵-۵۳۶) ابن حبان (۱/۴) طبرانی (۱۷/۳۳۷-۳۳۸) حاکم (۱/۲۴۰) اور بیہقی (۲/۳۹۴) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی نے "تحقیق المشکاۃ" (۱/۲۶۸) میں صحیح کہا ہے۔

۳۰۴ ۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۸۱۶) اور بیہقی (۲/۳۹۰) نے معاذ بن عبداللہ جہنی کی سند سے ایک جہنیہ قبیلے کے نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے، نووی نے بھی "مجموع" (۳/۳۸۴) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

۳۰۵ ۔ اس کو بخاری (۷۶۹) مسلم (۴/۱۸۱) ابن ماجہ (۸۳۵) ابن خزیمہ (۵۲۲) ابو عوانہ (۲/۱۵۵) اسی طرح ابوداؤد (۱۲۲۱) ترمذی (۳۱۰) نسائی (۲/۱۷۳) اور ابن حبان (۵/۱۴۶) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو نمازِ مغرب میں پڑھتے تھے مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۳۱۴ - دارالتاج) اور عبد بن حمید (۴۹۲) نے روایت کیا ہے۔

۳۰۶۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی۔ مقتدیوں میں سے ایک کھیتی باڑی کا کام کرنے والے دن کے تھکے ماندے نے لمبی قراءت کی تاب نہ لاکر سلام پھیر دیا، پھر اس نے رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا، حضورؐ! ہم لوگ اونٹ والے ہیں۔ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں۔ معاذؓ نے نمازِ عشاء میں سورۂ بقر شروع کردی۔ (مجھے دن کے تھکے ہوئے کو لمبی قراءت سے ملال ہوا)۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا: یَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ۔ اے معاذؓ کیا لوگوں کو تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ (یعنی لوگوں کو نفرت دلاتا اور فتنہ کھڑا کرتا ہے)۔ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی۔ (متفق علیہ) پڑھ (عشاء میں) والشمس وضحٰھا۔ اور والضحٰی، اور واللیل اذا یغشٰی۔ اور سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ (بخاری و مسلم)

مسلاحظہ: اس حدیث سے عشاء کی نماز کی قراءت بھی معلوم ہوئی اور ساتھ ہی اس حدیث نے نماز کے اماموں کو بھی متنبہ کردیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے وقت مقتدیوں کا خاص طور پر خیال رکھیں، اور خوب سمجھیں۔ کہ نماز میں مقتدیوں کے حالات کے پیشِ نظر تخفیف کرنی رسولِ پاک کی سنت ہے۔

عصر و ظہر کی نماز میں

۳۰۷۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے ظہر میں "واللیل اذا یغشٰی" اور ایک روایت میں ہے کہ پڑھتے تھے "سبح اسم ربك الاعلٰی" اور پڑھتے تھے عصر میں (بھی) مانند اس کے۔ (مسلم)

۳۰۶۔ اس کو بخاری (۷۰۵) مسلم (۴/۱۸۱-۱۸۳) ابوداؤد (۹۰) نسائی (۲/۱۷۲-۱۷۳) ابن ماجہ (۸۳۶-۹۸۶) دارمی (۱/۲۹۷) ابنِ خزیمہ (۵۲۱) ابن جارود (۳۲۷) ابنِ حبان (۵/۱۴۷-۱۴۹) احمد (۳/۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۸، ۳۶۹) حمیدی (۱۲۶۹) عبد بن حمید (۱۱۰۲) بیہقی (۲/۳۹۲-۳۹۳) اور بغوی (۵۹۹) نے مختلف سندوں سے جابر رضی اللہ عنہ سے مفصل اور مختصر روایت کیا ہے۔

۳۰۷۔ اس کو مسلم (۴/۱۷۹) نسائی (۲/۱۶۶) طیالسی (۱/۹۳) ابن ابی شیبہ (۱/۳۵۶) ابن خزیمہ (۵۱۰) ابوعوانہ (۲/۱۵۰) اور بیہقی (۲/۳۹۱) نے روایت کیا ہے۔

مسلم اور نسائی کے بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں (واللیل اذا یغشٰی) پڑھتے اور عصر میں اس جیسی سورتیں پڑھتے اور فجر میں ان سے لمبی سورتیں پڑھتے۔

ابن ابی شیبہ اور مسلم کی بھی ایک روایت میں ہے کہ آپ ظہر میں (سبح اسم ربک الاعلیٰ) پڑھتے اور صبح ←

۳۰۸ — اور جابر بن سمرہؓ کی ایک روایت ابوداؤد میں بھی ہے۔ جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہر اور عصر میں "وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اور وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ" پڑھنا آیا ہے۔

اِن آیات کے جواب دینے چاہئیں

۳۰۹ — وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَرَءَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب پڑھتے (نماز میں) سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ (اپنے بلند مرتبہ رب کی پاکی بیان کر)۔ تو (تعمیل حکم کرتے ہوئے) فرماتے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ (میں اپنے بلند مرتبہ رب کی پاکی بیان کرتا ہوں)۔

—— میں اس سے لمبی سورتیں تلاوت کرتے۔

طیالسی، ابن خزیمہ، ابوعوانہ اور بیہقی میں ہے کہ آپ ظہر اور عصر میں (وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى)۔ صحیح ابن خزیمہ میں (والشمس وضحٰها) بھی ہے۔ اور اس جیسی سورتیں پڑھتے اور صبح میں ان سے لمبی لمبی سورتیں پڑھتے۔

نسائی (۲/۱۶۳-۱۶۴) ابن خزیمہ (۵۱۲) اور ابن حبان (۴۶۹) میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں (سبح اسم ربك الاعلٰى) اور (هل اتٰك حديث الغاشية) کی تلاوت فرماتے۔

ابن خزیمہ اور ابن حبان کی سند صحیح ہے، اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔

۳۰۸ — حسن درجہ کی حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۸۰۵) ترمذی (۳۰۷) نسائی (۲/۱۶۶) ابن ابی شیبہ (۱/۳۵۶) طیالسی (۱/۹۳) بخاری نے "جزء القرأۃ (۲۹۶) میں ابن حبان (۴۶۵) طبرانی (۲/۲۳۲) بیہقی (۲/۲۹۱) اور بغوی (۵۹۴) نے روایت کیا ہے۔

۳۰۹ — ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۸۸۳) اسی طرح احمد (۱/۲۳۲) طبرانی (۲/۱۶) حاکم (۱/۲۶۳-۲۶۴) اور بیہقی (۱/۳۱۰) نے روایت کیا ہے۔

سند: اسرائیل عن ابی اسحاق عن مسلم البطین عن سعید بن جبیر عن ابن ——

عباس رضی اللہ عنہما "
یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ ابُو اسحاق مدلس ہیں اور انہوں نے یہاں تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔
اس میں ایک دوسری علت بھی ہے۔ وہ یہ کہ اسرائیل کی شعبہ، معمر، ابو وکیع اور عنبسہ بن سعید نے مخالفت کی ہے۔ انہوں نے ابُو اسحاق سے اس حدیث کو مرفوعًا کی بجائے موقوفًا روایت کیا ہے اور یہ تمام راوی ثقہ ہیں۔
شعبہ کی سند کو امام ابُو داؤد نے ذکر کیا ہے۔ معمر کی سند سے اس کو عبد الرزاق (۲/ ۴۵۲) نے روایت کیا ہے۔
ابو وکیع کی سند "مصنف ابن ابی شیبہ" (۲/ ۵۰۹) اور "تفسیر ابن جریر" (۱۵/ ۲۵۰) میں ہے۔
عنبسہ بن سعید کی سند بھی "تفسیر ابن جریر" میں ہے۔
امام ابوداؤد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان موقوف روایت کی ترجیح کی طرف ہے۔ چنانچہ وہ مرفوع روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔
وکیع کی۔ (اسرائیل کی، کہنا مناسب تھا) اس حدیث میں مخالفت کی گئی ہے ابو وکیع اور شعبہ نے ابو اسحاق سے اس کو موقوفًا روایت کیا ہے۔
قُلت: اسی طرح معمر اور عنبسہ نے بھی ابُو اسحاق سے اس کو موقوفًا روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے۔
امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
اور شیخ البانی نے "صفۃ الصّلاۃ" (۷۶) میں اس کی سند کو مطلقًا صحیح کہا ہے۔
امام حاکم اور علامہ ذہبی کی تصحیح پر تو مجھے تعجب نہیں، مگر شیخ البانی کی تصحیح پر تعجب ضرور ہے۔
شیخ کی کتب کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہ ہوگی۔ کہ جس حدیث کی سند میں ابُو اسحاق ہوں۔ وہ اس کے بارے میں عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ابُو اسحاق ہیں۔ جو مدلس ہیں۔ نیز ان کا حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا۔
مثال کے طور پر اسی حدیث کو لیجیے۔ اس کے بارے میں وہ "تحقیق المشکاۃ" (۱/ ۲۷۲) میں لکھتے ہیں۔
ابُوداؤد نے اس کی علت وقف بیان کی ہے۔ اس حدیث میں مرفوعًا اور موقوفًا۔ ابُو اسحاق ہیں جو سبیعی ہیں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ رہے حاکم تو انہوں نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے"۔
حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس میں دو علتیں ہیں۔
۱۔ ابُو اسحاق کا اس کو لفظ "عن" سے روایت کرنا۔ ۲۔ اسرائیل کے علاوہ دوسرے راویوں کا اس کو موقوفًا روایت کرنا۔

۳۱۰۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْکُمْ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ فَانْتَهٰی اِلٰی اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ۔ فَلْیَقُلْ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ۔ وَمَنْ قَرَأَ لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَانْتَهٰی اِلٰی اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی فَلْیَقُلْ بَلٰی وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ فَلْیَقُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔ (ابوداؤد)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص کہ پڑھے تم میں سے سورہ "والتین والزیتون" پس پہنچے "الیس اللہ باحکم الحاکمین" تک (کیا اللہ سب حاکموں کا بڑا حاکم نہیں ؟) پس چاہیئے کہ کہے۔ "بلی وانا علی ذالک من الشاهدین" (ہاں میں اس پر گواہوں سے ہوں)۔ اور جو شخص پڑھے۔ "لا قسم بیوم القیامة" پس پہنچے اس آیت تک۔ "الیس ذالک بقادر علی ان یحی الموتی"۔ (کیا یہ خدا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ؟) پس چاہیئے کہ (سننے والا) کہے۔ بلی۔ (ہاں قادر ہے)۔ اور جو کوئی پڑھے "والمرسلات" پس پہنچے اس آیت پر۔ "فبای حدیث بعده یومنون"۔ (اس قرآن) کے بعد کس بات کے ساتھ ایمان لائیں گے ؟ پس چاہیئے کہ (سننے والا) کہے "امنا باللہ" (ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے)۔

۳۱۰۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۸۸۷) باب "مقدار الرکوع والسجود" اسی طرح ترمذی (۳۳۴۷) "التفسیر" باب "ومن سورة التین" حمیدی (۹۹۵) احمد (۲/ ۲۴۹) ابن سنی (۴۳۶) بیہقی نے "سنن" (۲/ ۳۱۰) اور اسماء و صفات" (۲۷) میں اور بغوی نے بھی "شرح السنة" (۶۲۳) میں روایت کیا ہے۔

سند: اسماعیل بن امیہ سمعت اعرابیا سمعت اباھریرة رضی اللہ عنہ۔"

یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ اعرابی مجہول ہے۔ امام نووی نے کہا ہے کہ اگرچہ ہمارے اصحاب نے۔ یعنی شافعیوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے۔ مگر یہ ضعیف ہے، کیونکہ اعرابی مجہول ہے۔ جس کا حال معلوم نہیں۔ "مجموع" (۴/ ۴۷)۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے کہا ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

عون المعبود لفلامن "حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد" (۱/ ۴۲۳)۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے۔ اور اعرابی کا نام ذکر نہیں ہوا۔

قلت: ایک روایت میں اس کا نام ابوالیسع ذکر ہوا ہے۔ اس روایت کو بیہقی نے "اسماء وصفات" ←

۳۱۱ ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ترمذی شریف میں روایت ہے، کہ رسولِ خدا نے صحابہؓ پر سورہ الرحمٰن تمام پڑھی اور صحابہ خاموش رہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ یہ سورت میں نے جنوں پر پڑھی "فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِّنْكُمْ" تو وہ تم سے جواب دینے میں اچھے تھے، جب ہر بار میں اس آیت پر پہنچا تھا۔ "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ"۔ (اے جن وانس! اپنے پروردگار کی نعمتوں سے کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟) تو وہ جواب میں کہتے "لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ"۔ (اے رب ہمارے! تیری نعمتوں میں سے کوئی چیز ہم نہیں جھٹلاتے، پس سب تعریف تیرے ہی واسطے ہے)۔ (ترمذی)

نوٹ: حضورؐ انور نے صحابہؓ کو توجہ دلائی۔ کہ وہ بھی اس آیت کو سن کر جواب دیا کریں۔ سورہ غاشیہ میں حِسَابَهُمْ کے بعد کہیں۔ "اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا"۔

←—— (۳/۷) میں ذکر کیا ہے۔

ابو لیسع کے بارے میں علامہ ذہبی نے "میزان" (۴/ ۵۸۹) اور "مغنی" (۲/ ۸۱۶) میں کہا ہے کہ یہ غیر معروف ہے اسی طرح "تقریب" (۲/ ۱/ ۵۷) ۔ باب المبہمات بھی دیکھیں۔

نیز اس سند میں یزید بن عیاض ہے جو اسماعیل بن امیہ سے اس روایت کا راوی ہے اور یہ متروک بلکہ متہم ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے راوی کے غیر معروف ہونے کے علاوہ اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔

بعض راویوں نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ دیکھیں "تحفۃ الاشراف (۱۱/ ۴/ ۱۰- ۱۵۵۰۰)۔

اور بعض نے اسماعیل بن امیہ سے بلا کسی واسطہ کے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور یہ معضل روایت ہے۔ اس کو عبدالرزاق (۲/ ۴۵۲) نے روایت کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کی سند میں ایک اختلاف اور بھی ہے، جس کی تفصیل "تحفۃ الاشراف" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس حدیث کی سند میں جو اضطراب ہے۔ اس کی طرف علامہ ذہبی نے بھی ابو لیسع کے ترجمے میں اشارہ کیا ہے۔

۳۱۱ ۔ حسن درجہ کی ہے۔

اس کو ترمذی (۳۲۹۱) "تفسیر" ابن ابی الدنیا نے "کتاب الشکر" (۶۸) میں بزار۔ جیسا کہ ابن کثیر (۴/ ۲۸۹) میں ہے۔ ابن عدی (۳/ ۴/ ۱۰۷، ۱۱۳۰، ۵/ ۱۸۵۸) اسماعیل نے "معجم" (۱/ ۴۴) میں حاکم (۲/ ۴۷۳) بیہقی نے "شعب" (۵/ ۲۲۴) میں اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۷/ ۲۲۸- ۲۲۹) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔ مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس پر شاہد ہے، جس کی بنا پر ——→

۳۱۲ ـ مشکوٰۃ باب الحساب میں ہے، کہ حضورؐ اپنی بعض نماز میں "اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حسابًا یَسِیْرًا" کہتے تھے۔

ــــــــ یہ حسن درجہ کی ہے۔

حدیث ابنِ عمرؓ کو ابن ابی الدنیا (۶۷) بزار (۲۲۶۹) ابن جریر (۱۲/۱۲۳-۱۲۴) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۴/۳۰۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔

شیخ البانی نے بھی حدیثِ جابر کو حدیث ابنِ عمرؓ کی بنا پر حسن کہا ہے۔ دیکھیں "تحقیق مشکاۃ" (۱/۲۷۳)۔

۳۱۲ ـ حسن درجہ کی ہے۔

اس کو احمد (۶/۴۸) ابنِ خزیمہ (۸۴۹) اور حاکم (۱/۵۷، ۲۵۵، ۴/۲۴۹-۲۵۰، ۵۷۹، ۵۸۰) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ اس میں ابنِ اسحاق ہیں جو مدلس ہیں مگر انہوں نے اس حدیث کو روایت کرتے ہُوئے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

امام حاکم نے اس کو مُسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

مسئلہ: مذکورہ احادیث سے اس مسئلہ پر دلیل لینا کہ جب امام بعض مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو اسے اور اس کے ساتھ مقتدیوں کو بھی ان کا جواب دینا چاہیئے، صحیح نہیں، جس کی تفصیل یُوں ہے۔

۱۔ حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ضعیف ہے، اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کرلیں تب بھی اس سے دلیل لینا درست نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ کہاں صراحت ہے کہ سامع یا مقتدی بھی "سبحان ربی الاعلیٰ" کہے۔

۲۔ حدیث ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک تو ضعیف ہے اور دوسری بات یہ کہ اس میں جواب دینے کا حکم قاری کے لیے ہے نہ کہ سامع کے لیے بھی۔ فافہم۔

تیسری بات اس میں یہ صراحت کہاں ہے کہ یہ جواب بحالتِ نماز بھی دیئے جائیں۔

۳۔ حدیث جابر میں قطعًا یہ صراحت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُورۃ الرحمٰن کی تلاوت نماز میں کی تھی، بلکہ الفاظِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلاوت عام حالت میں تھی، اس لیے کہ ترمذی میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

"خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی أصحابہ فقرأ علیھم سورۃ الرحمن"۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ان پر سُورۃ الرحمٰن تلاوت کی۔

ان الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلاوت نماز کی حالت میں نہ تھی۔

اسی طرح ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ابن ابی الدنیا وغیرہ کے یہاں یہ الفاظ ہیں "ان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ سورۃ الرحمن أو قرئت عندہ"۔

ـــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی یا آپ کے پاس اس کی تلاوت کی گئی۔"

ان الفاظ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلاوت بحالتِ نماز نہ تھی۔

۴۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے سورۂ غاشیہ کے اختتام پر " اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِی حِسَابًا یَّسِیْرًا " کہنے پر دلیل لینا نہ صرف یہ کہ اضعف ہے۔ بلکہ ابعد بھی ہے، کیونکہ اس میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو سورہ غاشیہ کے اختتام پر کہا تھا۔

اس حدیث میں صرف اس قدر ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز میں یہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔

بظاہر آپ نے یہ کلمات بطور دعا پڑھے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

حاصل کلام یہ کہ ہمارے یہاں جو یہ مروج ہے کہ امام جب بعض مخصوص آیات کی تلاوت کرتا ہے تو وہ اور مقتدی بھی ان کا جواب دیتے ہیں، درست نہیں، کیونکہ اس کے بارے میں کوئی صحیح صریح روایت نہیں ہے۔

ہاں اگر صرف امام یا قاری ان کا جواب دے دے تو اس میں کچھ قباحت نہیں، کیونکہ اس کے بارے میں بعض مرفوع روایات اور آثار ملتے ہیں۔

۱۔ ابوداؤد (۸۸۴) بیہقی (۲/۲۱۰) اور "شرح السنہ" (۶۲۴) میں موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھا کرتا تھا۔ وہ جب (اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی) پڑھتا تو " سُبْحَانَکَ فَبَلٰی " کہتا۔

لوگوں نے جب اس کے بارے میں اس سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کہتے ہوئے سنا ہے۔

اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع کا خدشہ ہے۔

۲۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

" اذا مر بآیۃ فیھا تسبیح سبح واذا مر بسؤال سأل واذا مر بتعوذ تعوذ "

آپ جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو تسبیح کہتے اور جب سوال (والی آیت) سے گزرتے تو سوال کرتے اور جب تعوذ (والی آیت) سے گزرتے تو پناہ پکڑتے۔

اس کو مسلم (۶/۶۱-۶۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۔ مصنف عبدالرزاق (۲/۴۵۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۵۰۸) اور بیہقی (۲/۳۱۱) میں عمیر بن سعید ←

رکوع کا شروع

اَب آپ قراءت سے فارغ ہو کر رکوع کریں - اور پورا مسنون رکوع یہ ہے کہ :-

۲۱۳ -(۱)- رکوع میں آتے وقت اللہ اکبر کہہ کر دونو ہاتھ مونڈھوں تک (یا کانوں) تک اٹھائیں۔
(مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ـــــــ سے روایت ہے کہ ابُو مُوسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نمازِ جمعہ میں (سبح اسم ربک الاعلیٰ) پڑھنے پر " سبحان ربی الْاَعْلیٰ" کہا۔

اس اثر کی سند صحیح ہے۔

اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے نماز میں (سبح اسم ربک الاَعْلیٰ) پڑھنے پر سبحان ربی الاعلیٰ" کہا۔

اس اثر کی سند حسن درجہ کی ہے، اس کو عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ابن جریر (۱۵/۱۵۱) نے روایت کیا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ ابن عباس نے نمازِ مغرب میں (سبح اسم ربک الاعلیٰ) کی تلاوت پر "سبحان ربی الاعلیٰ" کہا۔

لیکن اس اثر کی سند ضعیف ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن زبیر اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین کے بھی آثار ہیں۔

۴- عبدالرزاق (۲/۲۵۲ - ۴۵۳) نے ان سے بیہقی (۲/۳۱۱) نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے نمازِ تہجد میں سُورۂ واقعہ کی درج ذیل آیات میں سے ہر آیت کی تلاوت کے بعد تین تین مرتبہ یہ کہا - "بل أنت یارب"۔

وہ آیات یہ ہیں - (۵۹، ۶۴، ۶۹، ۷۲)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض آیات کی تلاوت کے بعد امام یا منفرد ان کے جواب دے لے تو اس میں کچھ قباحت نہیں، بلکہ جائز ہے، مگر ہمارے یہاں جو مروج ہے، وہ صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۱۴ — اس رفع یدین کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، جن میں ابن عمر اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہم کی احادیث بھی ہیں، ان دونوں حدیثوں کی تخریج حدیث (۲۲۸- ۲۲۹، ۲۴۱، ۲۴۸) میں دیکھیں۔

۳۱۴—(۲) رکوع میں پیٹھ بالکل سیدھی رکھیں، اور سر کو پیٹھ کے برابر، سر نہ تو اونچا ہو اور نہ نیچا۔ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں پر رکھیں۔ (بخاری، مسلم)

---

۳۱۴ - پیٹھ بالکل سیدھی اور سر پیٹھ کے برابر رکھنے کا ذکر ابو حمید رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں میں ہے۔

حدیث ابو حمید کو بخاری (۸۲۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس کی مفصل تخریج حدیث (۲۵۳) میں دیکھیں۔

حدیث عائشہ کو مسلم (۴/۲۱۳) ابو داؤد (۷۸۳) ابن ماجہ (۸۶۹) ابن ابی شیبہ (۱/۲۲۶ - دار التاج) احمد (۶/۳۱، ۱۹۴) اور طیالسی (۱/۸۹) نے روایت کیا ہے۔

ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا ذکر سعد بن ابی وقاص، رفاعہ بن رافع اور ابو حمید رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں ہے۔

حدیث سعد کو بخاری (۷۹۰) مسلم (۵/۱۸) اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

حدیث رفاعہ ابو داود (۸۵۹) وغیرہ میں ہے اور یہ بھی صحیح حدیث ہے۔ تفصیل کے لیے "ترمذی بتحقیق احمد شاکر" (۲/ ۱۰۲-۱۰۳) دیکھیں۔

حدیث ابو حمید کی تخریج ابھی گزری ہے۔

فائدہ: ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں پیٹھ اس قدر سیدھی رکھتے کہ اگر اس پر پانی انڈیلا جاتا تو وہ گرنے نہ پاتا۔

یہ حدیث ابو برزہ اسلمی، انس رضی اللہ عنہما سے موصولاً اور عبد الرحمن بن ابی لیلی سے مرسلاً مروی ہے۔

حدیث ابو برزہ کو حافظ ابن حجر نے طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے "تلخیص الحبیر" (۱/۲۴۱)۔

حدیث انس کو طبرانی نے "صغیر" (۱/۲۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند محمد بن ثابت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عبد الرحمن بن ابی لیلی کی مرسل روایت کو عبد الرزاق (۲/۱۵۴) ابن ابی شیبہ (۱/۲۲۶ - دار التاج) اور ابو داؤد نے "مراسیل" (۱۴) میں روایت کیا ہے۔ اس مرسل کی سند صحیح ہے۔

ان تینوں حدیثوں کو آپس میں ملانے سے یہ حدیث صحیح ہو جاتی ہے۔

عبد الرحمن بن ابی لیلی کی مرسل روایت کو ایک راوی نے علی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے موصولاً بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ موصولاً صحیح نہیں۔

حدیث علی مسند احمد (۱/۱۲۳) میں ہے اور حدیث براء کو ابن ابی حاتم نے "علل" (۱/۱۴۲-۱۴۳) میں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ حدیث وابصہ، ابن عباس اور عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ مگر ان کی حدیثوں کی سندیں سخت ضعیف ہیں۔

۳۱۵ ـــ (۴)۔ ہاتھوں کی انگلیاں گھٹنوں پر کشادہ رکھیں۔ (حاکم)

ـــــــ حدیثِ وابصہ کو ابن ماجہ (۸۷۲) اور طبرانی (۱۴۷/۲۲) نے روایت کیا ہے۔

حدیث ابنِ عباس کو ابو یعلیٰ (۲۳۴۴ تحقیق الاثری) اور طبرانی (۱۵۹/۱۲، ۱۶۷) نے روایت کیا ہے۔

حدیثِ عقبہ کو بھی طبرانی (۲۴۲/۱۷) نے روایت کیا ہے۔

حافظ صاحب نے ابُو برزہ کی حدیث کی طرح اس کی سند کو بھی حسن کہا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ابُو مالک، عبد الملک ابنِ حسین ہے، جسے خود حافظ صاحب ہی نے "تقریب" میں متروک کہا ہے۔

۳۱۵۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو حاکم (۲۲۴/۱) اسی طرح ابنِ خزیمہ (۵۹۴) ابن حبان (۴۷۰) طبرانی (۱۹/۲۲) دارقطنی (۳۳۹/۱) اور بیہقی (۱۱۲/۲) نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے، اس کو ابنِ خزیمہ، ابنِ حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۱۲۵/۲) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

اس کی سند میں ہشیم بن بشیر ہیں جو مدلس ہیں اور انھوں نے مذکورہ کتب میں سے کسی ایک میں بھی سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی ہے۔ مگر حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح کے مقدمے میں مدلسین کی روایات کے بارے میں جو صراحت کی ہے۔ اس کے مطابق ان کی اس کتاب میں مدلس کی وہ روایت، جس میں اس نے تحدیث یا سماع کی صراحت نہ بھی کی ہو تو اسے تحدیث یا سماع پر ہی محمول کیا جائے گا۔

اس صراحت کی تفصیل کے لیے "مقدمہ صحیح ابنِ حبان" (۱۶۱/۱-۱۶۲) دیکھیں۔

ہشیم، ابنِ حبان کے نزدیک بھی مدلس ہیں، دیکھیں "کتاب الثقات" (۵۸۷/۷)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز اس کے شواہد بھی ہیں جن کی بنا پر یہ بلا شبہ صحیح ہے۔

ان شواہد میں ابُو حمید، عقبہ بن عمرو اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

حدیث ابو حمید کی تخریج حدیث (۲۵۳) میں دیکھیں۔

حدیث عقبہ کو ابو داؤد (۸۶۳) نسائی (۱۸۶/۲، ۱۸۷) احمد (۱۲۰/۴) دارمی (۲۹۹/۱) ابنِ خزیمہ (۵۹۸) ابن منذر (۳/ ۱۵۱) طبرانی (۲۴۱/۱۷-۲۴۲) اور حاکم (۲۲۴/۱) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے اس میں عطاء بن سائب ہیں، مگر احمد، نسائی اور طبرانی کے یہاں ان سے روایت کرنے والے زائدہ بن قدامہ ہیں جن کا عطاء سے سماع قدیم ہے۔

۳۱۶ــــ (۴) ـ دونوں ہاتھوں کو کھینچ کر رکھیں، ذرا خم نہ ہو، ہاتھوں کو کروٹوں سے الگ رکھیں اور گھٹنوں کو مضبوط تھامنا ہے۔ (ابوداؤد)

رکوع کی دعائیں

۳۱۷ ــ ذیل کی دعاؤں میں سے کوئی ایک دس مرتبہ تک پڑھیں۔ (النسائی)

ــــــــ اس کو ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

حدیث ابن عمر کو عبدالرزاق (۲/۱۵۱) نے روایت کیا ہے۔

مگر اس کی سند عبدالوہاب بن مجاہد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس میں انقطاع بھی ہے۔ کیونکہ عبدالوہاب نے یہ حدیث اپنے باپ مجاہد سے روایت کی ہے اور اس کا اپنے باپ سے سماع نہیں۔ دیکھیں "میزان الاعتدال" (۲/۲۸۲-۲۸۳)۔

۳۱۶- یہ کیفیت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کو ابوداؤد (۷۳۱، ۷۳۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے مفصل تخریج کے لیے حدیث (۲۵۲) دیکھیں۔

۳۱۷- حسن درجے کی ہے۔

اس کو نسائی ۲/۲۲۴-۲۲۵ اسی طرح ابوداؤد (۸۸۸) احمد (۳/۱۶۲-۱۶۳) بیہقی (۲/۱۱۰) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۴/۲۷۳) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے عمر بن عبدالعزیز کی نماز جس قدر مشابہت و مطابقت رکھتی تھی کسی دوسرے کی نہیں، ہم نے ان کے (عمر بن عبدالعزیز کے) رکوع اور سجود کا اندازہ لگایا تو وہ دونوں دس تسبیحات (کہنے) کے برابر تھے۔

اس کی سند کو عراقی نے "تخریج احیاء علوم الدین" (۱/۲۰۹) میں اور حسن بنا نے "فتح ربانی" (۳/۲۵۵) میں جید کہا ہے اور شوکانی نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھیں "نیل الاوطار" (۲/۲۴۸)۔

مگر اس کی سند میں ایک راوی وہب بن مانوس ہے، جسے ابن قطان نے "مجہول الحال" اور ابن حجر نے "مستور" کہا ہے۔

جب کہ ذہبی نے "کاشف" میں اس کو ثقہ کہا ہے۔ بہرحال یہ حدیث حسن درجے کی ہے کیونکہ "کامل ابن عدی" (۴/۱۴۶۷) میں اس کی انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے۔ جو ابن لہیعہ کی وجہ سے شواہد میں حسن درجے کی ہے۔ مگر اس سند سے یہ حدیث مختصر ہے، اس میں صرف عمر بن عبدالعزیز کی نماز کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہت کا ←

۳۱۸ ـ لیکن تین بار سے کم ہرگز نہ پڑھیں۔ (ترمذی)

← ذکر ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۲۴ - دار التاج) میں مجاہد سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے نماز پڑھی رکوع میں ان کی تسبیحات چار یا پانچ تھیں اور سجدہ میں پانچ یا چھ، مگر لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے اس اثر کی سند ضعیف ہے۔

۳۱۸ـ صحیح حدیث ہے۔

یہ حدیث، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے کہ جس نے رکوع میں تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہا اور سجدے میں تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہا تو اس کا رکوع اور سجدہ پورا ہو گیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

اس حدیث کو ترمذی (۲۶۱) اسی طرح ابوداؤد (۸۸۶) ابن ماجہ (۸۹۰) شافعی نے "مسند" (۲۹، ۲۷) میں طیالسی، (۱/۱۰۰) ابن ابی شیبہ (۱/۲۵۰) بخاری نے تاریخ کبیر" (۱/۲۳) میں دارقطنی (۱/۳۴۳) بیہقی (۲/۸۶، ۱۱۰) اور بغوی (۶۲۱) نے عون بن عبداللہ کی سند سے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔

یہ سند منقطع ہے کیونکہ عون بن عبداللہ نے ابن مسعود کا زمانہ نہیں پایا، جیسا کہ امام ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ نے کہا ہے۔

نیز اس کی سند میں اسحاق بن یزید ہذلی ہے، جو مجہول ہے، جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

اس حدیث کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو اور سندیں بھی ہیں، مگر ان کے الفاظ دوسرے ہیں۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

اس حدیث کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو اور سندیں بھی ہیں، مگر ان کے الفاظ دوسرے ہیں۔

ایک سند سے اس کو عبدالرزاق (۲/۱۵۶) نے دوسری سے بزار (۱/۲۵) نے روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور بزار کی سند سری بن اسماعیل کے متروک ہونے کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

مگر اصل حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ تین تسبیحات کے بارے میں دوسری احادیث بھی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ حدیث حذیفہ۔

اس کو ابن ماجہ (۸۸۸) نے ابوازہر کی سند سے، ابن ابی شیبہ (۱/۲۲۳ - دار التاج) ابن خزیمہ (۶۰۴، ۶۶۸) ابن منذر (۳/۱۵۰، ۱۸۴ - ۱۸۵) اور دارقطنی (۱/۳۴۱) نے صلہ بن زفر کی سند سے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ اپنی دونوں سندوں کی بناء پر حسن درجے کی ہے۔ ←

پہلی دُعا

۳۱۹ - وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْهَا فِي رُكُوْعِكُمْ (ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اُتری یہ آیت (فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ)

← یہ حدیث صحیح مسلم (۶/۶۲) ابوداؤد (۱/۸۷۰، ۸۰۴) ترمذی (۲۶۲ - ۲۶۳) اور نسائی (۱/۱۹۰) میں بھی ہے مگر ان کے یہاں ان کلمات کا رکوع اور سجدے میں یک بار ہی پڑھنے کا ذکر ہے ابوداؤد کی ایک روایت میں "سبحان ربی العظیم" کا دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

۲۔ حدیث جبیر بن مطعم :

اس کو بزار (۵۳۷) اور دارقطنی (۳۴۲) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث ابوبکرہ، اس کو بھی بزار ہی نے روایت کیا ہے۔

۴۔ حدیث ابومالک، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے۔ جس میں بعض نے تو کلام کیا ہے اور کئی ایک نے اس کی توثیق کی ہے۔ "مجمع الزوائد" (۲/۱۳۱)۔

قُلت : اس کی علت اگر صرف شہر بن حوشب ہے تو اس کی سند حسن درجے کی ہے کیونکہ شہر کے بارے میں علامہ ذہبی نے "ضعفاء" میں اور ایک مقام پر حافظ ابن حجر نے بھی "فتح الباری" میں کہا ہے، کہ اس کی حدیث حسن درجے کی ہے

۵۔ سعدی کی اپنے باپ یا چچا سے روایت کردہ حدیث، جس کو ابوداؤد (۸۸۵) اور بیہقی (۲/۸۶) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے اس میں سعدی، اس کا باپ اور چچا، یہ تمام غیر معروف ہیں۔ دیکھیں "مختصر سنن وتہذیب سنن" (۱/۴۲۲)۔

۶۔ امام باقر کی مرسل روایت، جس کو عبدالرزاق (۲/۱۵۹) ابن ابی شیبہ (۱/۲۲۴ - دار التاج) اور بیہقی (۲/۸۶) نے روایت کیا ہے
اس کی سند ضعیف ہے۔

۳۱۹۔ ضعیف ہے۔ ←

(اپنے بڑے رب کے نام کی پاکی بیان کر) تو فرمایا حضورؐ نے اگر تم اس آیت کی (تعمیل) اپنے رکوع میں" یعنی رکوع میں پڑھو یہ دُعا :

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ط

"پاک ہے رب میرا بڑا۔"

دوسری دُعاء

۳۲۰ - وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ۔

حضرت عائشہ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع میں اکثر کہتے تھے: "(یہ دُعا) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ۔ (بخاری ومسلم)

پاک ہے تو یا الٰہی، اے پروردگار ہمارے، اور پاکی بیان کرتے ہیں، ہم ساتھ تعریف کے، یا الٰہی بخش مجھ کو۔

تیسری دُعاء

۳۲۱ – وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ

← اس کو ابوداؤد (۸۶۹) ابن ماجہ (۸۸۷) دارمی (۱/۲۹۹) طیالسی (۱/۹۸) احمد (۴/۱۵۵) ابن خزیمہ (۶۰۰، ۶۰۱، ۶۷۰) ابن منذر (۳/۱۵۶، ۱۸۴) ابن حبان (۵۰۵) طبرانی (۱۷/۳۲۲) حاکم (۱/۲۲۵) بیہقی (۲/۸۶) اور مزی (۲/۴۵) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور نووی نے "مجموع" (۳/۴۱۲) میں اس کو حسن کہا ہے۔

لیکن اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی ایاس بن عامر ہے جس سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہے، اسی لیے علامہ ذہبی نے امام حاکم کی تصحیح کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایاس غیر معروف ہے۔

شیخ البانی نے بھی اس کو اسی ایاس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو "ارواء الغلیل" (۳۳۴)۔

۳۲۰ — اس کو بخاری (۷۹۴، ۸۱۷) اور مسلم (۴۸/۲۰۱) کے علاوہ ابوداؤد (۸۷۷) نسائی (۲/۱۹۰، ۲۱۹ - ۲۲۰) ابن ماجہ (۸۸۹) عبدالرزاق (۲/۱۵۵-۱۵۶) احمد (۶/۴۳، ۴۹، ۱۰۰، ۱۰۹) اور ابوعوانہ (۲/۱۸۶) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۲۱ — اس کو مسلم (۴/۲۰۴) ابوداؤد (۸۷۳) نسائی (۲/۱۹۰ - ۱۹۱) احمد (۶/۲۰۰) عبدالرزاق (۲/۱۵۷) ابن ابی شیبہ ←

وَسُجُوْدِہٖ۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں۔کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے میں کہتے تھے۔ (یہ دعاء)

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ؕ (صحیح مسلم)

بہت پاک ہے نہایت پاک ہے پروردگار فرشتوں کا اور روح (جبریلؑ) کا۔

چوتھی دعاء

۳۲۲۔ حضرت عوف بن مالکؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع میں کہتے تھے۔(یہ دعاء)

"سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ ؕ (بخاری ومسلم)

قہر اور بادشاہی اور بڑائی اور بزرگی کا صاحب پاک ہے۔

پانچویں دعاء

۳۲۳۔ رَكَعَ لَكَ سَوَادِیْ وَخَيَالِیْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِیْ اَبُوْءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ هٰذِهٖ يَدَایَ وَمَا جَنَيْتُ عَلٰى نَفْسِیْ۔ (حصن حصین)

جھک گیا تیرے آگے ظاہر میرا اور باطن میرا اور ایمان لے آیا تجھ پر دل میرا، اقرار کرتا ہوں تیری نعمتوں کا جو مجھ پر ہیں۔یہ ہیں (تیرے حضور) ہاتھ میرے، اور جو میں نے اپنی جان پر گناہ کیا۔

← (۱/۲۵۰) اور ابو عوانہ (۲/۱۶۷، ۱۸۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۲۲۔ اس کی سند جید ہے۔

اس کو ابوداؤد (۱/۱۳۷)، ترمذی نے "شمائل" (۲۶۷) میں نسائی (۱/۱۹۱، ۲۲۴) احمد (۶/۲۴) اور طبرانی (۱۸/۶۱) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، مگر یہ ان میں نہیں ہے اور نہ ہی مزی نے "تحفۃ الاشراف" (۸/۲۱۳/۱۰۹۱۲) میں اس کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

۳۲۳۔ سخت ضعیف ہے۔

اس کو بزار (۵۴۳)، مروزی نے "قیام اللیل" (۱۳۰) میں، ابن عدی (۲/۶۸) اور حاکم (۱/۵۲۴) نے حارث ←

چھٹی دُعاء

۳۲۴- اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ

—— زبیدی کی سند سے ابن مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۔ زبیدی سے اس کو حمید اعرج نے۔ اس کی ولدیت میں اختلاف ہے، بعض نے اس کی ولدیت علی، بعض نے عمار، بعض نے عطا، اور بعض نے عبید ذکر کی ہے۔ روایت کیا ہے۔ جو متروک ہے، جیسا کہ علامہ ذہبی نے "میزان" (۱/۶۱۴) میں کہا ہے۔ انہوں نے اس کے ترجمے میں اس دُعاء کا بھی ذکر کیا ہے۔

امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر علامہ ذہبی نے اپنی "تلخیص" میں ان کا تعاقب کیا ہے اور کہا کہ حمید متروک ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

۲۔ اس کی سند میں انقطاع کا بھی خدشہ ہے۔ کیونکہ ابو حاتم نے کہا ہے کہ زبیدی کی ابن مسعود سے روایت معروف نہیں "جرح و تعدیل" (۳/۲۲۷۔ ترجمہ حمید)۔

تنبیہ: علامہ جزری نے "حصن حصین" (۱۹۸) میں اس دُعاء کو رکوع اور سجدے میں پڑھی جانے والی دُعاؤں میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ مذکورہ تمام کتب میں اسی طرح "میزان الاعتدال" اور "مجمع الزوائد" (۲/۱۳۱) میں بھی اس کا صرف سجدے میں پڑھنے کا ذکر ہے، رکوع کا ذکر نہیں۔

چنانچہ اس کے شروع میں "رکع لك" نہیں بلکہ "سجد لك" ہے۔

مؤلف نے اس دُعاء کو سجدے کی دعاؤں میں بھی ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے آخر میں جن الفاظ کا اضافہ ہے وہ حاکم کے یہاں ہیں، جن میں سے کچھ الفاظ ابن عدی کے ہاں بھی ہیں۔

شیخ البانی نے اس دُعاء کو "صفة الصلاة" میں سجدے کی دُعاؤں میں ذکر کیا ہے اور اسے مروزی، بزار اور حاکم کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے دیکھیں ص (۱۱۳)۔

امام حاکم کا علامہ ذہبی نے جو تعاقب کیا ہے وہ۔ غالبًا۔ ان پر مخفی رہا ہے۔

اس دُعاء کا ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے مگر وہ حدیث بھی انتہائی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے حدیث (۳۷۳) دیکھیں۔

۳۲۴- اس کو مسلم (۲/۵۷-۶۰) ابوداؤد (۷۶۰)، ترمذی (۳۴۲۱-۳۴۲۳) "دعوات" نسائی (۲/۱۹۲، ۲۲۰-۲۲۱) احمد (۱/۹۴-۹۵، ۱۰۲) ابوعوانہ (۲/۱۰۱، ۱۰۲، ۱۶۸) وغیرہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ ط

(مسلم)

"یاالٰہی جھک گیا میں تیرے آگے، اور ایمان لے آیا میں تجھ پر اور فرمانبردار ہوا میں تیرا عاجز ہو گیا تیرے آگے کان میرا اور آنکھ میری اور مغز میرا اور ہڈی میری اور پٹھے میرے۔

ملاحظہ:

ان دعاؤں میں جونسی چاہیں، رکوع میں مزے لے لے کر پڑھیں، فرطِ محبت سے اپنے پیارے اللہ کے ساتھ باتیں کریں۔ یہ دعائیں خدائے قدوس کے رسولِ پاک نے بتائی ہیں۔ چھ مختلف رنگ۔ مہک کے پھول ہیں جن کی عنبر فشانی فردوسِ ایمان کی بہار ہے۔ پس جونسا پھول چاہیں، چن لیں۔

رکوع سے متعلق ضروری ہدایات

حضرت ابی مسعود انصاریؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۲۲۵۔ "لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ"۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

"نہیں کفایت کرتی (نہیں قبول ہوتی) نماز آدمی کی یہاں تک کہ سیدھی کرے پیٹھ اپنی رکوع میں اور سجدے میں۔"

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

بھائیو اور بہنو! توجہ سے سنو! رکوع میں اتنا ٹھہرنا کہ تمام اعضاء اور جوڑ اپنے مواضع اور ٹھکانوں پر آجائیں، فرض ہے۔ پیٹھ بالکل سیدھی کرو۔ سر نہ اونچا ہو نہ نیچے ہو، بلکہ سر اور پیٹھ دونوں برابر ہوں، بڑے اطمینان سے تسبیحیں پڑھو، جس طرح قومے، جلسے اور سجدے میں طمانیت فرض ہے۔ اسی طرح رکوع میں بھی فرض ہے۔ اور فرض ترک سے نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے ارکانِ نماز کو بڑی توجہ اور اطمینان سے پورا کرنا چاہیئے۔

۲۲۵۔ صحیح حدیث ہے۔

مزید تاکید

مزید تاکید کے لیے ایک اور حدیث سُنیں:

۳۲۶ ۔ حضرت نعمان بن مرہ کی روایت ہے کہ رسُولِ خدا نے صحابہؓ سے پُوچھا کہ شرابی۔ زانی اور چور کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔ (یعنی ان کا گناہ کتنا ہے، صحابہؓ نے کہا کہ خدا بہتر جانتا ہے اور (خدا کے بتانے سے) اس کا رسُولؐ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور ان میں سزا بہت ہے۔ اور سُنو (کان کھول کر) بہت بُری چوری چوری اس آدمی کی ہے۔ جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ کہا صحابہؓ نے۔ کس طرح؟ فرمایا حضورؐ نے "لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا" جو نہ پُورا کرے رکوع نماز کا۔ اور نہ سجدہ نماز کا۔

(مالک۔ دارمی)

ناظرین کرام!

ہوش سے نماز پڑھا کریں۔ غور فرمائیں۔ کہ اللہ کے رسُولؐ پاک فرما رہے ہیں۔ کہ نماز کا رکُوع اور سجدہ اطمینان، اور آرام سے پُورا نہ کرنا۔ شراب نوشی، زنا اور چوری سے بدتر ہے۔
اَللّٰهُ اَكْبَرُ! کس قدر خوف کا مقام ہے۔ آہ! ہماری نمازوں غیر مسنون نمازوں کا کیا حشر ہوگا؟۔

۔۔۔۔ اس کو ابُوداؤد (۸۵۵) ترمذی (۲۶۵) نسائی (۲/۱۸۳، ۲۱۴) ابن ماجہ (۸۷۰) دارمی (۱/۳۰۴) عبدالرزاق (۲/۱۵۰) ابن ابی شیبہ (۱/۲۸۷) احمد (۴/۱۱۹، ۱۲۲) طیالسی (۱/۹۷) حمیدی (۴۵۴) ابن خزیمہ (۵۹۱، ۵۹۲، ۶۶۶) ابن جارُود (۱۹۵) ابن حبان (۵۰۱-۵۰۲) طبرانی (۱۷/۲۱۲-۲۱۴) دار قطنی (۱/۳۴۸) اور بیہقی (۲/۸۸، ۱۱۷) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔
اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، دار قطنی اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔
تنبیہ: ایک راوی نے اس حدیث کو ابو مسعُود رضی اللہ عنہ کی بجائے جابر اور ابُوہریرہؓ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ان سے یہ حدیث "تاریخ بغداد" (۱۴/۱۵۶) میں مروی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ یہ حدیث ابو مسعُود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دیکھیں "تاریخ بغداد"۔
۳۲۶ ۔۔۔ صحیح ہے۔

پیارے بھائیو اور بہنو! نماز کو تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام پھیرنے تک سلیقے سے پڑھا کرنا مسنون طریقے سے ادا کرنا۔

قومے کا عروج

آپ رکوع کے مقامِ عظیم میں پہنچ کر ملکوتی تسبیحوں کے پھول بارگاہِ لم یزل کے حضور پیش کر چکے ہیں۔ اب قومے کا عروج حاصل کریں۔

۲۲۷۔ اس طرح کہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جائیں۔
(بخاری و مسلم)

اگر آپ امام ہیں تو رکوع سے قومہ میں جاتے وقت یہ پڑھیں۔

← اس کو مالک (۱/۱۶۷) شافعی نے "مسند" (۱۶۳) میں عبدالرزاق (۲/۲۷۱) اور بیہقی (۸/۲۰۹-۲۱۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ مگر یہ مرسل ہے کیونکہ نعمان بن مرہ کبار تابعین میں سے ہیں، جنہوں نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ انہیں وہم ہوا ہے، عسکری نے کہا ہے کہ اس کو صحبت حاصل نہیں اور بخاری نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔

ابو حاتم نے کہا ہے، کہ اس کی روایت مرسل ہے اور ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ مالک سے جن راویوں نے اس کو روایت کیا ہے، مرسلاً ہی روایت کیا ہے اور نعمان کی مالک کے یہاں صرف یہی ایک حدیث ہے۔ ملاحظہ ہو "تقریب" (۲/۳۰۴) اور "اوجز المسالک" (۲/۱۶۴)۔

لیکن یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ اس کی تائید میں موصول حدیثیں ہیں، جن کی تخریج حدیث (۷) میں ملاحظہ کریں۔

تنبیہ:

مؤلف نے اس حدیث کو دارمی کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ مگر دارمی میں یہ حدیث نہیں ہے۔ بلکہ ابو قتادہ کی حدیث ہے۔ جو حدیث (۷) میں مذکور ہے۔ درحقیقت یہ تساہل خطیب تبریزی سے ہوا ہے۔ دیکھیں "مشکاۃ" (۱/۲۷۹)

۲۲۷۔ ان مقامات پر رفع یدین کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ جن میں سے بعض عنقریب آ رہی ہیں۔ دیکھیں اس کتاب کی حدیث (۳۳۶-۳۴۰، ۳۴۴-۳۴۹)۔

---

۳۲۸ ـ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ط (بخاری)

اللہ نے سُن لیا واسطے اس کے کہ تعریف کی اس کی۔

---

۳۲۸ ـ بخاری (۷۹۶) مسلم (۴/ ۱۲۸، ۱۳۵) ابوداؤد (۸۴۸) ترمذی (۲۶۷) نسائی (۲/ ۱۹۶) اور ابن ماجہ (۸۴۶) میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں۔

بخاری (۸۰۵) مسلم (۴/ ۱۳۱) نسائی (۲/ ۱۹۶) اور ابن ماجہ (۸۷۶) میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں۔

اسی طرح مسلم (۴/ ۱۲۱) ابو عوانہ (۲/ ۱۲۸) ابوداؤد (۹۷۲ ـ ۹۷۳) اور نسائی (۲/ ۱۹۷) میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو تم (مقتدیو) "ربنا لك الحمد" کہو۔

حدیث ابو ہریرہ اور حدیثِ ابو موسیٰ کے شروع میں لفظ "اللّٰھم" کا اضافہ، حدیثِ انس میں اسی طرح حدیث ابو ہریرہؓ میں بھی ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے یہاں اور حدیثِ ابو موسیٰ میں بھی نسائی کے یہاں لفظ "لك" سے قبل لفظ "و" کا اضافہ ہے۔

ان دونوں الفاظ کے ملانے سے یہ ذکر یوں ہوگا۔ "اللّٰھم ربنا ولك الحمد" بلکہ بعض روایات میں یہ ذکر اسی طرح وارد ہی ہوا ہے۔

چنانچہ بخاری (۷۹۵) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سعید مقبری کی روایت میں، عبدالرزاق (۲/ ۱۶۵ ـ ۱۶۶) اور نسائی (۲/ ۱۹۵) کے یہاں ابو سلمہ کی روایت میں، اسی طرح نسائی میں حدیثِ ابو موسیٰ میں، ابن ماجہ (۸۷۷) میں حدیث ابو سعید میں اور دارمی (۱/ ۳۰۰) میں حدیث ابن عمرؓ میں یہ ذکر اسی طرح ہی وارد ہوا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن قیم کا "زاد المعاد" (۱/ ۲۲۰) میں یہ کہنا کہ "لفظ "اللّٰھم" اور لفظ "واو" کا ایک ساتھ ذکر صحیح نہیں" غیر صحیح ہے۔

مسئلہ: واضح رہے کہ مذکورہ احادیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امام صرف تسمیع (سمع اللہ لمن حمدہ) کہے اور مقتدی صرف تحمید (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا ولك الحمد) کہے۔ کیونکہ ان میں امام کے لیے تحمید کی اور مقتدی کے لیے تسمیع کی نفی نہیں کی گئی۔ ان میں تو صرف یہ ہے کہ مقتدی کی تحمید امام کی تسمیع کے بعد ہو۔ دیکھیں "فتح الباری" (۲/ ۲۸۳)۔

امام تسمیع کے بعد تحمید بھی کہے گا۔ اسی طرح مقتدی تحمید سے پہلے تسمیع بھی کہے گا۔

متعدد احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسمیع کے بعد تحمید بھی کہتے، جن میں ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی احادیث بھی ہیں۔

حدیث ابو ہریرہ کو بخاری (۷۹۵) اور بیہقی (۲/ ۹۵) نے روایت کیا ہے۔ ←

← حدیث ابن عمر کو مالک (۱/۷۵)، بخاری (۷۳۵)، نسائی (۲/۱۲۲، ۱۹۴، ۱۹۵) اور ابن حزم (۳/۲۶۱) نے روایت کیا ہے۔

اس کتاب کی حدیث (۳۳۲) بھی ملاحظہ کریں۔

اور مقتدی کے لیئے تسمیع کہنے کی دلیل حدیث رفاعہ بن رافع اور حدیث مالک بن حویرث ہے۔

۱۔ حدیث رفاعہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاعدے سے نماز نہ پڑھنے والے شخص کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت تک کسی شخص کی نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اچھی طرح سے وضو نہیں کرلیتا۔ آگے چل کر اس حدیث میں ہے کہ پھر وہ رکوع سے اُٹھتے وقت تسمیع کہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۸۵۷) دارمی (۱/۳۰۵) ابن جارود (۱۹۴) حاکم (۱/۲۴۲) اور ابن حزم (۳/۲۵۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو ترمذی نے حسن کہا ہے، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوا کہ تسمیع ہر نمازی کے لیے ہے خواہ وہ امام ہو، مقتدی ہو یا کہ منفرد۔

بزار (۵۲۷) اور دارقطنی (۱/۳۳۹) میں بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا۔

"بریدہ جب رکوع سے اُٹھو تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہو"۔

اس حدیث کے بھی عموم سے مقتدی کے لیئے تسمیع کہنے کا پتہ چلا۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ لہذا اس سے حجت لینا صحیح نہیں۔

۲۔ مالک بن حویرث کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ نماز اسی طریقے سے ادا کرو جس طرح تم مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔

اس حدیث کو بخاری اور دارمی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی مفصل تخریج کے لیے حدیث (۴) دیکھیں۔

اس حدیث کے بھی عموم ہی سے مذکورہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے۔ اس بارے میں ایک صریح حدیث بھی ہے۔ مگر وہ صحیح نہیں۔

یہ حدیث دارقطنی (۱/۳۴۰) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ مقتدی بھی امام کی طرح تسمیع کہیں۔

مگر یہ اصل حدیث یوں ہے کہ امام جب تسمیع کہے تو مقتدی تحمید کہیں۔

امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس سند سے یہ حدیث اسی طرح محفوظ ہے۔

حاصل کلام مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام اور منفرد کی طرح مقتدی بھی تسمیع اور تحمید دونوں ہی کو جمع کرے۔

تابعین میں سے ابو بردہ، عطاء اور ابن سیرین، آئمہ میں سے ابو یوسف، محمد، شافعی، اسحاق، داؤد، ابن منذر اور ابن حزم اِسی کے قائل ہیں۔
←

مقتدی یہ کہیں

۳۲۹ — رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ ۔ (بخاری)

"اے رب ہمارے! اور تیرے ہی واسطے تعریف ہے، تعریف بہت پاک (شرک وریا سے) برکت کی گئی اس میں۔"

بشارت

۳۳۰ — حضرت رفاعہ بن رافع روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ جب حضورؐ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ تو فرمایا۔ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ پس کہا ایک شخص نے کہ تھا پیچھے آپ کے (مقتدی) "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ" پھر جب حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو فرمایا کون تھا بولنے والا اب؟ (یعنی کس نے یہ کلمے پڑھے ہیں) کہا ایک شخص نے (مقتدیوں سے) حضورؐ! میں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھے میں نے چند اور تیس فرشتے۔ جلدی کرتے تھے۔ کہ ان کلموں کا ثواب کون پہلے لکھے۔ (بخاری)

← شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ بلکہ علامہ خطابی نے "شان الدعاء" (۱۵۵) میں تو اس مذہب کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

علامہ صنعانی اور شوکانی کا رجحان بھی اسی مذہب کی طرف ہے۔ محقق عصر علامہ البانی نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "صفۃ الصلاۃ" (۱۰۲) اور "تمام المنۃ" (۱۹۰-۱۹۱)۔

تفصیل مسئلہ کے لیے "اوسط ابن منذر" (۳/۱۶۱-۱۶۲) "معالم السنن" (۱/۲۰۹-۲۱۰) "محلی ابن حزم" (۳/۲۵۵، ۲۵۹-۲۶۲) "مجموع نووی" (۳/۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۰) "الحاوی للفتاوی للسیوطی" (۱/۳۵-۳۸) "سبل السلام" (۱/۳۰۲-۳۰۳) اور "نیل الاوطار" (۲/۲۵۰-۲۵۱) دیکھیں۔

۳۲۹ — یہ ذکر رفاعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کی تخریج نمبر ۳۳۰ میں آرہی ہے۔

۳۳۰ — اس کو بخاری (۷۹۹) اسی طرح ابوداؤد (۷۷۰) نسائی (۲/۱۹۶) مالک (۱/۲۱۱) احمد (۴/۳۴۰) ابن خزیمہ (۶۱۴) ابن منذر (۳/۱۶۱) طبرانی (۵/۴۰-۴۱) حاکم (۱/۲۲۵) بیہقی (۲/۹۵) اور بغوی نے بھی (۶۳۲) یحییٰ بن خلاد زرقی کی سند سے رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ←

پیارے بھائیو اور بہنو! ہر شخص دُنیا میں نفع کا سودا چاہتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح بخاری میں یہ بھی ہے۔

۳۳۱ ۔ کہ جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو مقتدی اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہیں لیکن اگر آپ اس کے ساتھ حمداً طیباً مبارکاً فیہ بھی پڑھ لیں۔ اور آپ کے یہ کلمات پڑھنے پر کچھ اوپر تیس فرشتے ثواب لکھنے کو دوڑیں۔

بتائیے! ۔ آپ کو اور کیا چاہیے؟ کیا آپ یہ منافع کا سودا ہاتھ سے جانے دیں گے؟

قومے کی دوسری دُعاء

۳۳۲ ۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پیٹھ اُٹھاتے، تو (یہ) فرماتے (یعنی قومہ میں یہ دُعا پڑھتے) :

سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ

ــــــ حاکم کے یہاں اس دعا کے آخر میں "جزیلا" کے لفظ کا اضافہ ہے۔ مگر یہ کسی ناسخ وغیرہ کی غلطی سے ہوا ہے۔ کیونکہ حاکم نے اس حدیث کو مالک کی سند سے روایت کیا ہے۔ بلکہ مذکورہ سب کتب میں یہ حدیث مالک ہی کی سند سے ہے۔ مگر مالک کے یہاں اسی طرح دیگر سب کتب میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ذہبی کی "تلخیص مستدرک" میں بھی مذکورہ اضافہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی ناسخ وغیرہ کی غلطی ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۷۷۰) ترمذی (۴۰۴) نسائی (۱۴۵/۲) حکیم ترمذی نے "صلاۃ" (۲۱۲) میں طبرانی (۴۱/۵) بیہقی (۹۵/۲) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۲۱۰/۹) میں معاذ بن رفاعہ کی سند سے بھی رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس سند میں "مبارکاً فیہ" کے بعد درج ذیل الفاظ بھی ہیں:

"مبارکاً علیہ کما یحب ربنا ویرضیٰ"

معاذ بن رفاعہ متکلم فیہ ہے مگر "صحیح ابن حبان" (۲۲۴۷ ۔ زوائد) میں اور "توحید ابن مندہ" (۱۴۹/۲) میں "مبارکاً علیہ" کے علاوہ باقی تمام الفاظ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہیں۔ جس کی بناء پر حدیث رفاعہ میں مذکورہ الفاظ کا اضافہ صحیح ہے۔

۳۳۱۔ یہ حدیث نمبر (۳۲۸) میں گزر چکی ہے۔

۳۳۲۔ اس کو مسلم (۴/۲ ۔ ۱۹۲ ۔ ۱۹۴) ابوداؤد (۸۴۶) ابن ماجہ (۸۷۸) ابن ابی شیبہ (۲۴۷/۱) ابوعوانہ (۱۷۷/۲) اور بیہقی (۹۴/۲) نے روایت کیا ہے۔

وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔ (رواہ مسلم)

اللہ نے سن لیا واسطے اس کے کہ تعریف کی اس کی، اے اللہ ہمارے تیرے ہی لیے ہے تعریف آسمانوں بھر اور زمین بھر اور بقدر بھرنے اس چیز کے کہ چاہے تو بعد اس کے۔

اگر آپ امام ہوں تو اس دُعا کے الفاظ کے ساتھ قومے میں خدائے ذوالجلال کی تعریف کریں۔ اور اگر اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں۔ فرض، سُنن۔ نوافل (تہجد) کی نیّت سے قدوس لازوال کے حضور حاضر ہوں۔ تو رقتِ قلب، تر آنکھوں، اور فرطِ محبت سے قومے کی منزل میں اس دُعا سے اپنے مالک کو راضی کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلے ہوئے الفاظ سے اپنی زبان کو شرف مکالمہ بخشیں۔

قومے کی تیسری مبارک دُعا

خدا کی بارگاہ کی حاضری کے مدارج ہیں۔ ان میں سے قومہ بھی ایک درجہ ہے، منزل ہے، اس منزل پر پہنچ کر ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خدا کے ساتھ مکالمہ کرنے کے لیے موزوں جملے، خوبصورت الفاظ، اور اعلیٰ معانی بتائے ہیں، تاکہ ہم اپنی فرصت خدا کی اُلفت، اور دیگر حالات کے پیشِ نظر جونسا جُملہ یا دعا چاہیں۔ قومے کی منزل میں حاضر ہو کر اللہ کے حضور پیش کریں، اِسی سلسلے میں قومہ کے اندر کھڑا ہو کر خدا کو بہت بہت راضی کرنے کے لیے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک نہایت حسین اور پیاری دُعا سکھائی ہے اور قومے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس دُعا کے ساتھ اللہ کو راضی کیا کرتے تھے۔

۳۳۳۔ چنانچہ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ جب رسُولِ خدا اپنا سر رکوع سے اُٹھاتے تھے، تو (یہ) کہتے (یعنی یہ دُعا قومے میں پڑھتے)

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

(رواہ مسلم)

اے اللہ ہمارے، اے پروردگار ہمارے واسطے تیرے ہے تعریف آسمانوں بھر اور زمین بھر اور بقدر

۳۳۳۔ اس کو مسلم (۴/ ۱۹۴۔ ۱۹۵) ابوداؤد (۸۴۷) نسائی (۲/ ۱۹۸۔ ۱۹۹) دارمی (۱/ ۳۰۱) ابن خزیمہ (۶۱۳) ابو عوانہ (۲/ ۱۷۷) اور بیہقی (۲/ ۹۴) نے روایت کیا ہے۔

بھرنے اس چیز کے کہ چاہے تو کسی چیز سے پیچھے آسمانوں اور زمین کے اے لائق تعریف اور بندگی کے لائق تر اس چیز کے کہ کہا بندے نے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں، یا الٰہی نہیں کوئی رد کرنے والا اس چیز کو کہ دی تو نے اور نہیں کوئی دینے والا اس چیز کو کہ روک دی تو نے اور نہیں نفع دیتی دولت مند کو عذاب تیرے سے دولت مندی۔

خدا کی توفیق

خدا کی توفیق سے جس عورت یا مرد کو یہ دُعا قومہ میں پڑھنی نصیب ہو۔ وہ خدا کا جتنا بھی شکر کرے تھوڑا ہے، زہے نصیب! جسے خدا قومے کی طمانیت میں اپنے رسُولؐ پاک کی زبان سے نکلے ہُوئے الفاظ کے ساتھ مناجات کی توفیق دے۔

تنبیہ

بہت سے لوگوں کو قومے کا پتہ نہیں۔ کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ رکوع کے بعد اطمینان سے سیدھے کھڑے ہونے کو قومہ کہتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اُٹھا کر سیدھے کھڑے ہو کر بڑے اطمینان سے قومے کی دُعا پڑھتے تھے۔

۳۴۴۔ حضرت انسؓ کی ایک روایت مُسلم شریف میں ہے: اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے (تو پھر قومہ میں) کھڑے رہتے۔ یہاں تک کہ ہم کہتے۔ کہ ترک کی وہ رکعت پھر سجدہ کرتے۔

اس سے معلوم ہُوا کہ حضورؐ قومہ میں خوب اطمینان فرماتے لیکن وہ لوگ جو رکوع سے سر اٹھاتے ہی جھٹ سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ ان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ قومہ کے تارک ہیں اور چونکہ قومہ فرض ہے۔ اس لیے قومے کے ترک سے نماز نہیں ہوتی۔ آپ اس کتاب کے "بیش رس" میں حدیث پڑھ چکے ہیں کہ ایک شخص نے تین یا چار بار نماز پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار اُسے فرمایا:

۳۴۴۔ اس کو مسلم (۲/۱۸۹) ابو عوانہ (۲/۱۲۵) ابو داؤد (۸۵۳) ابو یعلیٰ (۳۳۶۰) اور بغوی نے روایت کیا ہے۔
اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر لمبا قومہ کرتے کہ کہنے والا کہتا کہ آپ بھول گئے ہیں۔
اس کو بخاری (۱/۸۲) مسلم، ابو عوانہ، ابو یعلیٰ، ابن خزیمہ (۶۰۹، ۶۸۲) اور بیہقی (۲/۹۷) نے تخریج کیا ہے۔

۳۳۵۔ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ۔ (بخاری و مسلم)

" پھر جا، پس نماز پڑھ، پس تو نے نہیں نماز پڑھی "

اس پر اس شخص نے عرض کیا۔ کہ حضورؐ! سکھاؤ مجھے نماز پھر حضورؐ نے اس کو اس کی نماز کے وہ بڑے اغلاط بتائے جن کے سبب اس کی نماز ہوتی ہی نہیں تھی۔ یعنی رکوع اور سجدہ، قومہ اور جلسہ، پورے اطمینان اور چین سے بجالانے کا حکم فرمایا۔ معلوم ہُوا کہ وہ نمازی اپنی نماز میں ان ارکانِ اربعہ کو طمانیت سے ادا نہیں کرتا تھا۔ اس لیے حضورؐ نے اس کی نماز کو باطل قرار دیا۔

رسول اللہ کی نماز کے ارکانِ اربعہ

۳۳۶۔ وَعَنِ الْبَرَاءِ كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهٗ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَاِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيبًا مِّنَ السَّوَاءِ۔ (متفق علیہ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تھا رسول اللہ کا رکوع اور سجدہ ان کا اور بیٹھنا ان کا درمیان دو سجدوں کے (یعنی جلسہ) اور جس وقت اُٹھتے رکوع سے (قومہ) سوائے کھڑے رہنے اور بیٹھنے کے۔

(یعنی یہ چاروں چیزیں، رکوع، سجدہ، جلسہ، قومہ) قریبًا برابر ہوتی تھیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرات! غور فرمایا آپ نے، کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جتنی دیر رکوع اور سجدے میں ٹھیرتے تھے۔ قریبًا اتنا وقت ہی قومہ اور جلسہ میں گزارتے۔ لیکن افسوس رکوع اور سجدے کے سوا قومے اور جلسے کا عام نمازیوں کو پتہ ہی نہیں ہے حالانکہ جس قدر رکوع اور سجدہ، نماز کے لیے لازمی ہیں۔ اسی قدر قومہ اور جلسہ بھی ضروری ہیں۔ اس لیے ہم اپنے پیارے ناظرین کی خدمت میں تاکیدًا عرض کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور سنت کے مطابق رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر اطمینان سے قومے کی دُعا پڑھ کر پھر سجدے میں آیا کریں۔ چونکہ نمازیوں کی اکثریت قومے سے غافل ہے اس لیے ہم ایک بار پھر اپنے بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں تاکید مزید کرتے ہیں۔ کہ وہ نماز میں قومے کو۔ پھر سنیں — قومے کو، جو نماز میں فرض ہے ہرگز نہ بھولیں پھر نہ بھولیں۔

---

۳۳۵ — اس کی تخریج حدیث (۵) میں دیکھیں۔

۳۳۶ — اسس کو بخاری (۹۲)، مسلم (۲/۱۸۷-۱۸۹) ابو عوانہ (۲/۱۴۴) ابوداؤد (۸۵۲، ۸۵۴) ترمذی (۲۷۹ - ۲۸۰) نسائی (۲/۱۹۷-۱۹۸، ۲/۲۲-۲۷) دارمی (۱/۳۰۶ - ۳۰۷) ابن خزیمہ (۶۱۰، ۶۵۹، ۶۸۲) ابن حبان (۵/۲۰۲ - ۲۰۳) اور بیہقی (۲/۱۲۲-۱۲۳) نے روایت کیا ہے۔ مگر واضح رہے کہ مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

مسئلۂ رفع الیدین

اس سے پہلے آپ ابی حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابیوں رضی اللہ عنہم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بیان کی۔ اور نماز بیان کرتے ہوئے ابی حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ۔

۴۳۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں تکبیر (اولیٰ) کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر جب کھڑے ہوتے دو رکعت پڑھ کر بعد تشہد کے، تو "اللہ اکبر" کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (ابوداؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

جب ابی حمید ساعدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بیان کر چکے تو دس صحابہؓ نے کہا صَدَقْتَ ھٰکَذَا کَانَ یُصَلِّیْ۔ تو نے سچ کہا۔ اسی طرح حضورؐ نماز پڑھتے تھے۔" پس صحابہؓ کی ایک جماعت اس حدیث کی رُو سے اس بات پر گواہ ہے کہ حضور انورؐ چار بار رفع الیدین کرتے تھے۔ تکبیر اولیٰ کے وقت، رکوع جاتے ہوئے۔ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور تشہد پڑھ کر اٹھتے وقت معلوم ہوا کہ رفع الیدین کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت برحق ہے۔

رفع الیدین سے چڑ

بعض لوگ جو خود تو اس سُنت پر عامل نہیں ہیں۔ لیکن وہ رفع یدین کے فعل رسولؐ کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں بڑے اخلاص سے گزارش کرتے ہیں۔ کہ جس طرح ہر مُسلمان کے نزدیک حضور سید البشرؐ جان، مال، اولاد، اور دُنیا و ما فیہا سے زیادہ پیارے ہیں، اسی طرح آپ کا ہر قول اور فعل بھی ہر مُسلمان

۴۳۷۔ اس حدیث کی تخریج حدیث (۲۵۳) میں ملاحظہ کریں۔

فائدہ: امام ابنِ خزیمہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ میں نے محمد بن یحیٰی (ذہلی) کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ کہ جو شخص یہ حدیث (حدیث ابوحمید) سننے کے باوجود رکوع میں جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کرتا تو اس کی نماز ناقص ہوگی۔ صحیح ابن خزیمہ (۱/۲۹۸/۵۸۹)

کو آپ کی ذات کی طرح محبوب اور پیارا ہونا چاہیئے۔ شروع میں تو ہر شخص رفع یدین کرتا ہی ہے لیکن یہی فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت جان کر باقی تین جگہوں میں کرنے پر نفرت یا چڑ کیوں؟

رفع الیدین رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے

رفع الیدین سے جو محروم ہیں وہ ہیں ہی۔ لیکن جو لوگ اپنی نماز کو رفع الیدین کی سُنّت کے زیور سے زیادہ خوبصورت زیادہ حسین، اور زیادہ پیاری بنانا چاہتے ہیں۔ رفع یدین نہ کرنے والے انہیں کیوں روکتے ہیں؟ رفع الیدین کے متعلق ہم رسُول اللہ کی احادیثِ پاک اور بزرگان دین کی تائید بیاں بیان کرتے ہیں، تاکہ مسلمان بھائی اور بہنیں اس سُنّتِ پاک پر شوق سے عمل کریں اور تنافر برتنے والے اصحاب آیندہ اس سُنّتِ رسُول کو محبت بھری نظر سے دیکھا کریں۔ کیونکہ فعل رسُولؐ سے محبت کرنا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے۔ اب آپ احادیث پاک ملاحظہ فرمائیں۔

۲۳۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ۔

(متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تحقیق رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ اُٹھاتے تھے برابر مونڈھوں کے، جب کہ شروع کرتے نماز، اور جب تکبیر کہتے واسطے رکوع کے، اور جس وقت اٹھاتے سر اپنا رکوع سے، اُٹھاتے دونوں ہاتھ اسی طرح سے (یعنی جس طرح نماز کے شروع میں اٹھاتے تھے)۔

(بخاری و مسلم)

۲۳۸۔ اس کو بخاری (۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸) مسلم (۹۳/۴، ۹۴) اسی طرح ابُوداؤد (۲۱، ۲۲، ۲۲) ترمذی (۲۵۵۔۲۵۶) نسائی (۱۲۲/۲، ۱۸۲، ۱۹۴، ۲۰۶، ۲۲۱) ابن ماجہ (۸۵۸) دارمی (۲۸۵/۱، ۳۰۰) مالک (۷۵/۱) عبدالرزاق (۶۷/۲۔۶۸) ابن ابی شیبہ (۲۳۴/۱) احمد (۸/۲، ۱۸، ۶۲، ۱۴۷) ابن جارود (۱۷۷۔۱۷۸) ابن خزیمہ (۴۵۶، ۵۸۳) ابوعوانہ (۹۰/۲۔۹۲) ابن حبان (۱۸۲/۵، ۱۷۷، ۱۸۵) دارقطنی (۲۸۷/۱۔۲۸۹) ابن حزم (۹۰/۴) بیہقی (۶۹/۲) اور بغوی (۵۵۹) نے بھی سالم کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

۳۳۹۔ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَؓ کَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَفَعَ یَدَیْہِ وَ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَرَفَعَ ذٰلِکَ ابْنُ عُمَرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

روایت ہے نافع رضی اللہ عنہ سے۔ کہ تحقیق ابن عمر رضی اللہ عنہما جب داخل ہوتے تھے نماز میں، تکبیر کہتے تھے، اور اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے، اور جب رکوع کرتے اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے، اور جب کہتے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے۔ اور مرفوع کیا اس (فعل) کو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ (یعنی روایت کیا۔ کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا۔

(بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز میں چاروں جگہ، رفع یدین کرکے اس فعل کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا۔ یعنی کہا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاروں جگہ رفع یدین کیا تھا۔

۳۴۰ ابوداؤد باب رفع الیدین میں حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھا۔ کہ آپ کس طرح پڑھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُخ کھڑے ہوئے۔ تکبیر کہی۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھائے، پھر آپؐ نے رکوع کا ارادہ کرتے وقت بھی دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ جب آپؐ نے رکوع سے سر مبارک اُٹھایا۔ تو اسی طرح دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رفع الیدین کرتے رہے۔

۳۴۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ

۳۳۹۔ اس کو بخاری (۷۳۹) ابوداؤد (۷۴۱) ابن حزم (۹۰/۴) بیہقی (۷۰/۲) اور بغوی (۵۶۰) نے نافع کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۳۴۰۔ اس کو ابوداؤد (۷۲۶) بخاری نے "جزء رفع یدین" (۸۰-۱۰۹) میں مسلم (۴/۱۴۱) ابوعوانہ (۹۷/۲) ابن ماجہ (۸۶۷) دارمی (۳۱۴/۱) عبدالرزاق (۶۸/۲-۶۹) احمد (۳۱۷/۴، ۳۱۸) ابن خزیمہ (۶۹۷) ابن جارود (۲۰۸) ابن حبان (۴۸۵) دارقطنی (۲۹۰/۱) ابن حزم (۹۱/۴-۹۲) بیہقی (۷۱/۲) اور ابن عبدالبر نے "تمہید" (۲۲۷/۹) میں روایت کیا ہے

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صرف ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ یہ صحیح مسلم میں بھی ہے۔

۳۴۱۔ اس حدیث کو ابن دقیق العید نے "امام" میں جیسا کہ "نصب الرایہ" (۴۰۹/۱) میں ہے اور ابن حجر نے "تلخیص" (۲۱۸/۱) ———

الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَاسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ، فَمَا زَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهُ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى۔

(تلخيص الحبير للعسقلاني)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب اٹھاتے سر اپنا رکوع سے، اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ سے ملتے دم تک آپ کی نماز اسی طرح رہی۔ (یعنی وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے، اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے رہے)۔"

شاہ ولی اللہؒ دہلوی کا فتویٰ

فَإِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اَوْ اُذُنَيْهِ وَكَذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَاسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَالَّذِيْ يَرْفَعُ اَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّنْ لَا يَرْفَعُ فَإِنَّ اَحَادِيْثَ الرَّفْعِ اَكْثَرُ وَاَثْبَتُ۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲)

"حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رکوع کرنے کا ارادہ کرے تو رفع الیدین کرے اور جب رکوع سے سر اٹھائے۔ اس وقت بھی رفع الیدین کرے۔ میں رفع الیدین کرنے والوں کو نہ کرنے والوں سے اچھا سمجھتا ہوں۔ کیونکہ رفع الیدین کرنے کی حدیثیں بہت زیادہ ہیں اور بہت صحیح ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲)[1]

مولانا عبدالحیؒ حنفی کا فتویٰ

ان ثبوتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وارجح واما دعوٰی نسخہ

——— ہیں اور "درایہ" (۱/۱۵۲) میں بھی بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس حدیث میں "فما زالت تلک صلوتہ ...." کا اضافہ سخت ضعیف ہے۔ بلکہ باطل ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں دو راوی متہم ہیں۔ مگر دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عمر تک رفع یدین کے ساتھ نماز ادا کی ہے نمبر ۲۵۰ میں آنے والی حدیث کے حاشیہ میں مولانا ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ کا کلام دیکھیں۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغۃ (۲/۲۴۲)

فلیست بمبرھن علیھا بما یشفی العلیل و یروی الغلیل۔
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنے کا بہت کافی اور نہایت عمدہ ثبوت ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ رفع الیدین منسوخ ہے، ان کا قول بے دلیل ہے۔ (التعلیق المجد)[2]

دُرِ مختار کا فتویٰ

فلا تفسد برفع یدیہ فی تکبیرات الزوائد علی المذھب وما روی عن الفساد فشاذ۔ (دُرِ مختار جلد اول)[3]
حنفی مذہب کی نہایت معتبر کتاب درمختار میں ہے کہ جس نے کہا کہ رفع الیدین سے نماز میں نقصان آتا ہے اس کا قول مردُود ہے اور رکوع میں جانے اور رکوع سے اُٹھنے کے وقت رفع الیدین کرنے سے کچھ نقصان نہیں ہے۔ (درمختار)

ذخیرہ میں ہے

رَفْعُ الْیَدَیْنِ لَا یُفْسِدُ الصَّلٰوۃَ
یعنی رفع الیدین سے نماز میں کچھ فساد نہیں پڑتا۔[4]
امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ اور امام احمدؒ تینوں کے نزدیک رفع الیدین کرنا سُنت ہے۔ گویا مذاہب اربعہ میں سے تین مذاہب رفع الیدین کے حامی ہیں۔

رفع الیدین کے متعلق چار سَو روایتیں

علامہ مجدالدین فیروز آبادی مصنف قاموس۔ سفرالسعادت میں لکھتے ہیں:

۲۔ التعلیق المجد (۹۱)
۳۔ الدر المختار (۱/ ۵۰۴)
۴۔ تنبیہ: ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے رفع الیدین کیا۔ اس کی نماز نہیں۔ مگر یہ من گھڑت حدیث ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: "مجروحین ابن حبان" (۳/ ۴۵۔ ۴۶)، "موضوعات ابن جوزی" (۲/ ۹۶۔ ۹۷)، "موضوعات ملا علی قاری" (حدیث ۱۸۸)، "سلسلہ ضعیفہ للالبانی" (۵۶۸)

کثرت ایں معنی بہ تواتر ماندہ است۔ و چہار صد اثر و خبر دریں باب صحیح شدہ، و عشرہ مبشرہ روایت کردہ اند لایزالی بریں کیفیت بُود۔ تا ازیں جہاں رحلت کردہ، غیر ازیں چیزے ثابت نشدہ۔

(سفر السعادت)[1]

ترجمہ: "کثرت روایات کی وجہ سے (تین مواقع پر ثابت شدہ رفع الیدین) متواتر حدیث کے مشابہ ہے۔ اس مسئلہ میں چار سو حدیثیں اور آثار آئے ہیں۔ عشرہ مبشرہ صحابہ (جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں جنتی کہا تھا) نے ان کو روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ اس دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ اس کے سوا کچھ ثابت نہیں۔"

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فتویٰ

رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ وَالرُّكُوْعِ وَالرَّفْعِ مِنْهُ۔ (غُنیۃ الطالبین)[2]

حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ نماز میں تکبیرِ اولیٰ کے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرنا چاہیئے۔ (غنیۃ الطالبین)

مسئلہ رفع الیدین دوپہر کے دن کی طرح واضح اور روشن ہو چکا ہے کہ یہ اللہ کے پاک پیغمبرؐ کی پیاری سُنت ہے اور اس سُنت پر حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ بھی عمل کرتے رہے ہیں اور اپنے مریدوں کو عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں، ہم نے اس مسئلہ کو اتنی وضاحت سے اس لیے بیان کیا ہے کہ میرے پیارے مُسلمان بھائی اور بہنیں اپنی نماز کے حسین چہرے کو سُنت رفع یدین کے غازے سے زیادہ خوبصورت، زیادہ پیارا، زیادہ دلکش بنالیں اور جو پھر بھی محروم رہیں وہ رفع الیدین کو اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت جانتے ہُوئے اسے حقارت اور نفرت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اور رفع الیدین کرنے والوں پر اعتراض نہ کریں، بلکہ شاہ ولی اللہؒ کے ارشاد اَحَبُّ اِلَیَّ (رفع الیدین کرنے والا مجھے محبوب ہے)۔ کے مطابق ان سے محبت کریں۔ اور خود بھی رفع الیدین شروع کر دیں۔ کہ سُنت مؤکدہ ہے۔

۱۔ "سفر السعادہ" (۱۸۔ عربی)

حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ رفع الیدین کا ذکر پچاس (۵۰) صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں ہے۔ جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ "تقریب الاسانید" (۹)

۲۔ غنیۃ الطالبین (   ).

لڑو جھگڑو نہیں

۴۴۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
تَفْضُلُ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ یُسْتَاکُ لَہَا عَلَی الصَّلٰوۃِ الَّتِیْ لَا یُسْتَاکُ لَہَا سَبْعِیْنَ ضِعْفًا۔

(بیہقی)

اس نماز کی بزرگی جس کے واسطے (وضو میں) مسواک کی گئی ہے اس نماز کے اوپر جس کے واسطے (وضو میں) مسواک نہیں کی گئی ہو۔ ستر درجے ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ مسواک والی نماز غیر مسواک والی نماز سے ستر گنا زیادہ فضیلت اور ثواب رکھتی ہے۔ اب ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی نماز کو ستر درجے فضیلت والی بنانے کے لیے وضو میں مسواک بھی کرتا ہے تو کیا آپ اس کو مسواک کرنے سے منع کریں گے لڑیں جھگڑیں گے؟ کہ یہ شخص اپنی نماز کو فضیلت، اور درجے والی کیوں بناتا ہے؟ آپ یقیناً اس کے مسواک کرنے پر معترض نہیں ہوں گے، اسی طرح یہ بات بھی خوب سمجھ لیں۔ کہ جو شخص نماز میں رفع الیدین کرتا ہے اس کی نماز کی فضیلت اور ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اگر آپ فعل مسواک پر (جو فضیلت نماز پر دال ہے) اعتراض نہیں کرتے تو رفع الیدین پر (جو سنت رسولؐ ہونے کے سبب فضیلتِ نماز کا موجب ہے)۔ کیوں معترض ہوتے ہیں؟ دیکھئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

۴۴۳۔ جس نے دوست رکھا میری سنت کو (عمل کر کے) اس نے دوست رکھا مجھ کو۔ اور جس نے دوست رکھا مجھ کو، وہ بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

ہر مسلمان رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھے

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ[1] اور جو دے تم کو رسولؐ۔

---

[1] الحشر آیت نمبر ۷۔

۴۴۲۔ صحیح حدیث ہے۔
اس کی تخریج کے لیے حدیث (۴۲) دیکھیں۔

۴۴۳۔ ضعیف حدیث ہے اس کی تخریج اور اس کی اسانید پر کلام کے لیے حدیث (۱۴۱) دیکھیں۔

پس پکڑ لو اس کو: "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی حکم "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ" پر عمل کر کے نماز کی صورت، اور ہیئت ہم کو دی۔ اور فرمایا:

۴۴۴۔ "صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ"

"پڑھو نماز جس طرح میں نے پڑھی ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ شروع سے اخیر تک یعنی تکبیر اُولیٰ سے سلام پھیرنے تک پوری کی پوری نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح پڑھنی چاہیئے۔ ہر ہر حرکتِ پاک اپنانی اور عمل میں لانی چاہیئے۔ اُمت میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح سند سے ثابت شدہ طریقے میں سے کچھ لے لے اور کچھ دانستہ چھوڑ دے یا ان پر قدغن لگا دے۔ ایسا کرنے کے خیال سے بھی لرز جانا چاہیئے۔

کسی سول ہسپتال کا چیف میڈیکل آفیسر مرض کی تشخیص کر کے مریض کے لیے نسخہ تجویز کرے۔ اور نسخہ بنواتے وقت اگر مریض کمپونڈر سے کہے، کہ نسخے میں اخیر کی تین دوائیں نہ ڈالو، باقی دواؤں سے نسخہ تیار کر دو۔ ظاہر ہے کہ اس نسخے کے استعمال سے مریض اصولاً شفاء کی توقع نہیں رکھ سکتا اور جب نسخہ تجویز کرنے والے ڈاکٹر کو مریض کی اس حرکت کا علم ہوگا۔ تو وہ اس پر سخت ناراض ہوگا۔ اور اس کے معالجہ سے دست کش ہو جائے گا۔

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسولؐ ہیں (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) (النجم آیت: ۳-۴) وہ اللہ کی وحی سے بولتے ہیں، اپنی خواہش سے نہیں، پھر آپ جو نسخہ اپنی مریض اُمت کے لیے تجویز کرتے ہیں، وہ وحی سے ہی کرتے ہیں۔ اُمت میں سے اگر کوئی شخص آپ کے مرکب نسخہ میں سے کچھ حصّہ کاٹ دے۔ اور باقی کا استعمال کرے تو وہ ایمان کی شفاء کہاں تک پائے گا؟ اور اس کی یہ جسارت کیا کہلائے گی؟

دیکھیئے یہ ہے ہمارے سامنے حدیث کی چوٹی کی کتاب۔ صحیح مسلم شریف۔

اس کے اندر

۴۴۵۔ پہلی حدیث (ترجمہ): زہری حضرت سالم سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ کہا انہوں نے میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ جب آپ نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اُٹھاتے اسی طرح رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، اور سجدوں کے درمیان نہ کرتے۔ (صحیح مسلم)

---

۴۴۴ – یہ حدیث بخاری وغیرہ میں ہے۔ بتخریج کے لیے نمبر (۴)، ملاحظہ فرمائیں۔

۴۴۵ – یہ حدیث نمبر (۴۳۸)، میں گزر چکی ہے۔

۴۴۶- دوسری حدیث - (ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جماعت کے لیے کھڑے ہوتے۔ تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اُٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو ایسا ہی کرتے۔ اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو ایسا ہی کرتے اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ نہ اُٹھاتے۔ (صحیح مسلم)

۴۴۷- تیسری حدیث - (ترجمہ) ابو قلابہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مالک بن حویرث کو دیکھا۔ کہ انہوں نے نماز پڑھی تو تکبیر پڑھی۔ پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ پھر جب رکوع کا قصد کیا تو دونوں ہاتھ اُٹھائے پھر جب رکوع سے سر اُٹھایا تو دونوں ہاتھ اُٹھائے اور بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

۴۴۸- چوتھی حدیث - (ترجمہ) مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے دونوں ہاتھ اٹھاتے کانوں تک۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے، پس کہتے "سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" تو ایسا ہی کرتے۔ یعنی دونوں ہاتھ اُٹھاتے۔ (صحیح مسلم)

یہ چاروں حدیثیں دوپہر کے سورج کی طرح روشن ہیں، بڑی صحیح ہیں۔ کسی پر کوئی حرف نہیں آیا۔ کوئی جرح نہیں ہوئی ان میں سے دو حدیثیں بروایت عبداللہ بن عمر، اور ابو قلابہ لفظ بلفظ صحیح بخاری میں بھی ہیں۔ اور صحیح بخاری کے متعلق ساری اُمت کا فیصلہ ہے کہ اس کی صحت بعد قرآن مجید مسلّم ہے۔ تو رفع الیدین کے مسئلہ کی صحت بھی بعد کلام اللہ مسلّم ہوئی۔ ع

دمِ اعجاز سے ویرانے بھی آباد ہوئے

---

۴۴۶ - اس حدیث کے لیے بھی حدیث (۴۳۸ - ۴۳۹) دیکھیں۔

فائدہ: امام بخاری کے استاد امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث (حدیث ابن عمر) کی بناء پر مسلمانوں پر رفع یدین کرنا ضروری ہے۔ "جزء رفع الیدین" للبخاری (۰)، ایضاً "موضوعات ابن جوزی" (۲/۹۸)۔

۴۴۷ - اس کو بخاری (۲/۷)، مسلم (۴/۹۴) ابو عوانہ (۲/۹۴) ابن خزیمہ (۵۸۵) ابن حبان (۵/۱۹۱) اور بیہقی (۲/۷۱) نے ابو قلابہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

۴۴۸ اس کو مسلم (۴/۹۴) بخاری نے "جزء رفع الیدین" (۲، ۱۴۰، ۱۵۴) میں ابو داؤد (۷۴۵) نسائی (۲/۱۲۳، ۱۸۲، ۲۰۵) ابن ماجہ (۸۵۹) دارمی (۱/۲۸۵) احمد (۳/۴۳۶، ۴۳۷، ۵/۵۳) طیالسی (۱/۹۱) ابو عوانہ (۲/۹۴ - ۹۵) ابن حبان (۵/۱۷۶) طبرانی (۱۹/۲۸۴ - ۲۸۶) دارقطنی (۱/۲۹۲) ابن حزم (۴/۹۲) اور بیہقی (۲/۷۱) نے روایت کیا ہے۔

۴۴۹-پانچویں حدیث۔ ابُوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث جس میں انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دس صحابہؓ کے رُو برو بیان کی، اور بتایا کہ حضورؐ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھاتے تھے، رکوع کے وقت اور رکوع سے سراُٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ پھر (چار رکعت والی نماز میں) دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے، تو رفع الیدین کرتے تھے۔ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ جب نمازِ رسُولؐ بیان کر چکے۔ تو دس صحابہؓ نے کہا۔ "صَدَقْتَ ھٰکَذَا کَانَ یُصَلِّیْ" تو نے سچ کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ یہ حدیث ابوداؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ، میں ہے۔ اور صحیح ہے۔

اس حدیث سے بھی روزِروشن کی طرح رفع الیدین کا کرنا ثابت ہوگیا۔ اور کَانَ یُصَلِّیْ۔ استمرار کے لیے آتا ہے جس کے معنی ہیں کہ حضورؐ ہمیشہ کرتے تھے۔ کَانَ یَرْفَعُ کے الفاظ میں بھی استمرار یعنی ہمیشگی پائی جاتی ہے۔ کہ حضورؐ ساری عمر رفع الیدین کرتے رہے ہیں۔ زاد المعاد اور تلخیص میں ہے۔ فَمَازَالَتْ تِلْکَ صَلٰوتُہٗ حتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی۔ کہ حضورؐ تاوفات رفع الیدین کرتے رہے۔

الحاصل :۔ اور بہت سے دلائل اثبات رفع الیدین کے متعلق موجود ہیں۔

پھر اس بات پر کس قدر افسوس ہے کہ صرف پہلی بار کا رفع یدین مذکورہ احادیث سے لے لیا گیا ہے۔ اور باقی تین جگہوں کا چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیا یہ بے انصافی نہیں ہے؟ دین میں دخل نہیں ہے؟ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "مرکب نسخہ" سے ایک جُز لے لیا۔ اور تین اجزا ترک کر دیئے۔ اور پھر یہ مرکب نسخہ (چار جگہوں پر رفع الیدین کرنا) صحیح بخاری اور صحیح مُسلم میں ہے۔ جس کے تجویز کرنے والے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کی خدائی سند رکھتے ہیں، اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی سے تکلم زا ہیں۔ اس ہستیٔ پاک سید ولد آدمؑ کے نسخہ میں کاٹ چھانٹ۔ آبِ حیات کے چار جرعوں میں سے ایک نوش کرنا اور باقی تینوں کا جواز محلِ نظر ٹھیرانا ___ دُنیائے ضمیر میں اِس روش کا کیا مقام ہے؟

ہم رفع الیدین سے محروم بھائیوں کی خدمت میں بڑے خلوص اور محبت سے عرض کرتے ہیں۔ کہ وہ جناب رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس پیاری سُنت کو ضرور اپنا لیں۔ اور عمل میں لائیں۔ اور کسی کے کہے کہائے اِس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ یاد رہے کہ جتنی عظمت اور عزت حضورؐ کی ذات اقدس کی ہے۔ بالکل اتنی ہی آپ کی سنت کی ہونی چاہیئے۔

۴۴۹- اس حدیث کی تخریج کے لیے حدیث (۲۵۳) دیکھیں۔

سرتاجِ احناف حضرت امام محمدؒ کا نعرۂ حق

رفع الیدین برحق

حضرت امام محمدؒ جو احناف کے مسلمہ امام ہیں۔ سارا ذخیرہ حنفی مذہب کا ان ہی کی محنت شاقہ اور مساعی کا نتیجہ ہے، آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قابلِ فخر شاگرد ہیں۔ آپ اپنی مشہور کتاب موطا امام محمدؒ میں رفع الیدین کی صحیح حدیث لائے ہیں۔ باب افتتاح الصّلوٰۃ ملاحظہ ہو۔

۳۵۰۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَاِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَ یَدَیْہِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ثُمَّ قَالَ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ۔ (موطا امام محمدؒ)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے، تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کے لیئے تکبیر کہتے تو رفع الیدین کرتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کر کے سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا ولک الحمد کہتے۔"

دیکھا آپ نے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مایۂ ناز شاگرد حضرت امام محمدؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث اپنی کتاب موطا میں لاکر تسلیم کر لیا۔ کہ رفع الیدین ان کے نزدیک سُنت صحیحہ ثابتہ ہے۔ اب تو برادرانِ احناف کو بھی یہ سُنت اپنا لینی چاہیئے۔

آخر میں متذکرۃ الصدر دلائل کے زور سے ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ:۔

"ہر مسلمان رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھے کہ اس کے بغیر نماز کا یقیناً نقصان ہے۔" (۱)

۳۵۰۔ ملاحظہ ہو "موطا امام محمدؒ" حدیث (۹۹)

(۱) امام محمد بن یحییٰ ذہلی کا بھی یہی قول ہے کہ رفع الیدین نہ کرنے والے شخص کی نماز ناقص ہوگی۔ ان کا یہ قول حدیث (۲۳۰) کی تخریج کے ضمن میں "صحیح ابن خزیمہ" کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

بلکہ امام اوزاعی اور حمیدی سے ایک روایت کے مطابق اس شخص کی نماز باطل ہوگی۔ دیکھیں "فتح الباری" (۲/۲۱۹)۔

سجدے کی معراج

جب آپ قومے میں اطمینان سے دعا پڑھ چکیں، تو پھر رب الارباب کے حضور اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں گریں۔ گرنے کی صورت یہ ہے:

۲۵۱ - عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔

(ابو داؤد۔ نسائی)

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور جب سجدے سے اٹھتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔

معلوم ہوا۔ کہ قومہ سے سجدہ میں گرتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے چاہئیں۔ پھر ہاتھ۔ جمہور ائمہ حنفی، شافعی اور احمد کا عمل اسی حدیث پر ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے۔ تو ابتداء کرتے ساتھ گھٹنوں کے:

ایک حدیث اس طرح بھی آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۲۵۱ھ — ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۸۳۸) نسائی (۲/۲۰۶-۲۰۷، ۲۳۴) اسی طرح ترمذی (۲۶۸) ابن ماجہ (۸۸۲) دارمی (۱/۳۰۳) ابن خزیمہ (۶۲۶) ابن منذر (۳/۱۶۵) طحاوی (۱/۲۵۵) ابن حبان (۴۸۷) دارقطنی (۱/۳۴۵) بیہقی (۲/۹۸) خطیب نے "موضح" (۲/۴۳۳) میں، لبغوی نے "شرح السنۃ" (۶۴۲) میں اور حازمی نے بھی "کتاب الاعتبار" (۸۰) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند شریک بن عبداللہ قاضی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ہمام نے ان کی متابعت کی ہے۔ مگر انہوں نے اس حدیث کو موصول کی بجائے مرسل روایت کیا ہے۔ حازمی نے مرسل ہی کو محفوظ کہا ہے۔

ہمام کی اس مرسل روایت کو ابوداؤد (۸۳۹) طحاوی اور بیہقی نے تخریج کیا ہے۔

ہمام سے اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے۔ مگر وہ منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس سند کے ←

ـــــ ساتھ اس کو ابُوداؤد، بیہقی اور طبرانی (۲۸/۲۲) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی مذکورہ اسانید پر مفصل کلام کے لیے" سلسلہ احادیث ضعیفہ" (۹۲۹/۳۳۰-۳۲۹/۲) اور" ارواء الغلیل" (۳۵۷/۷۵/۲) دیکھیں۔

اس حدیث کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک تیسری سند بھی ہے۔ اس کے بارے میں مذکورہ کتب میں کلام نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان میں اس کا ذکر تک نہیں۔ لہٰذا یہاں اس کا ذکر اور اس پر کلام کرنا ضروری ہے وہ سند یوں ہے۔

محمد بن حجر ثنا سعید بن عبد الجبار عن عبد الجبار بن وائل عن اُمہ عن وائل بن حجر۔

یہ سند" سنن بیہقی" (۹۹/۲) میں ہے اور یہ انتہائی ضعیف ہے۔ اس میں درج ذیل علتیں ہیں۔

۱۔ محمد بن حجر۔

ابو حاتم نے اس کو اگرچہ شیخ کہا ہے۔ مگر یہ ضعیف ہے۔ امام بخاری نے اس کے بارے میں" فیہ نظر" کہا ہے۔ دیکھیں۔ " تاریخ کبیر" (۶۹/۱)۔

امام بخاری عام طور پر یہ کلمہ ایسے راوی کے بارے میں کہتے ہیں جو کہ متہم ہو یا ثقہ نہ ہو، جس کے بارے میں وہ یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں۔ وہ ان کے نزدیک ضعیف راوی سے نچلے درجے کا راوی ہوتا ہے۔ دیکھیں" الموقظۃ" للذہبی (۸۳)۔

حافظ ابن حبان اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ" یہ اپنے چچا سعید بن عبد الجبار سے ایک منکر نسخہ روایت کرتا ہے۔ اس نسخے میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جن کی کوئی اصل ہے اور بعض من گھڑت بھی ہیں، اس سے حجت لینا جائز نہیں۔" مجروحین" (۲/۳/۲)۔

ذہبی نے" میزان" وغیرہ میں کہا ہے کہ اس کے پاس مناکیر ہیں۔

۲۔ سعید بن عبد الجبار:

اس کو حافظ ابن حجر نے" تقریب" میں ضعیف کہا ہے۔

۳۔ اُمّ عبد الجبار:

اِن کا مجھے ترجمہ نہیں ملا، اِلا یہ کہ ابنِ اثیر نے" اسد الغابہ" (   ) میں اسی طرح حافظ ابنِ حجر نے" اصابہ" (۵۹۲/۳) میں وائل بن حجر کے ترجمے میں وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

اسی طرح" تہذیب التہذیب" (۹۵/۶) میں عبد الجبار بن وائل کے ترجمے میں بھی ان کا ذکر ہے۔

ابنِ ترکمانی نے" جوہر نقی" میں ایک مقام پر کہا ہے۔ دیکھیں (۳۰/۲)۔ کہ میں اس کے حال کو جانتا ہوں اور نہ ہی اس کے نام کو۔

۴۔ حافظ ابن حجر نے" تہذیب التہذیب" میں عبد الجبار بن وائل کے ترجمے میں لکھا ہے کہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنے والدین سے سنا نہیں ہے۔ ←

۳۵۲۔ اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَبْرُکْ کَمَا یَبْرُکُ الْبَعِیْرُ وَ لْیَضَعْ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ ط۔ (ابوداؤد)

"جب کوئی تم میں سے سجدہ کرے۔ تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔ بلکہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے"۔

اس حدیث میں اُونٹ کی طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے اور اُونٹ بیٹھتے وقت پہلے ہاتھ رکھتا ہے، اور اس حدیث میں پہلے ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔ اخیر حدیث کا اوّل کے مخالف ہُوا۔ اور اس حدیث کو بے کار بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اسی لیے امام مالکؒ اور اوزاعی اور ایک جماعت علماء کی اس حدیث پر عامل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث پر عمل کی صُورت اس طرح بتائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ مقصود حدیث کا تخصیص اور استثناء ہے۔ کیونکہ اونٹ کے بیٹھنے میں کئی باتیں ہیں۔ (۱) دونوں ہاتھوں کا پہلے رکھنا۔ (۲) دونوں ہاتھوں پر زور دینا۔ (۳) دونوں پاؤں کھڑے رکھنا۔ تو ممانعت ان سب اوصاف سے ہے۔ باستثناء امر اوّل کے۔ اور وہ بھی اس طرح۔ کہ جب زمین کے قریب ہو جائیں اور گھٹنے مڑ جائیں تو ہاتھ پہلے رکھ لیں۔ پھر گھٹنے۔

الحاصل ترجیح پہلی حدیث کو ہے۔ ابُوسلیمان خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ "حدیث وائل بن حجر کی بہت ثابت ہے اس حدیث سے"۔ پس اکثر عمل حدیث وائلؓ پر چاہیئے۔ اور اگر کوئی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مذکورہ طریقے کے مطابق زمین سے قریب ہو کر گھٹنے موڑ کر ہاتھ پہلے اور گھٹنے پیچھے رکھ لے۔ تو درست ہے۔ ہم قدغن نہیں لگا سکتے۔ حضرت مولانا محمد جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ نے "صلوٰۃ محمدی" میں دونوں طریقوں کو درست لکھا ہے۔

← اگر یہ بات صحیح ہے کہ اس نے اپنے باپ کی طرح والدہ سے بھی نہیں سُنا تو اس سند میں چوتھی علت انقطاع بھی ہے۔

حدیث وائل بن حجر کے مضمون کی ایک حدیث اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور دوسری انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حدیث اُبیؓ کو ابن حبان (۴۹۰) نے روایت کیا ہے اور حدیث انس کو دارقطنی (۱/ ۳۴۵) حاکم (۱/ ۲۲۶) ابن حزم (۴/ ۱۲۹) بیہقی (۲/ ۹۹) اور حازمی نے "کتاب الاعتبار" (۸۰) میں روایت کیا ہے۔

مگر ان دونوں حدیثوں کی سندیں بھی ضعیف ہیں تفصیل کے لیے "سلسلہ احادیث ضعیفہ" (۲/ ۳۲۸، ۳۳۰۔ ۳۳۱) دیکھیں۔

۳۵۲۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابُوداؤد (۸۴۰) اسی طرح بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱/ ۱۳۹) میں نسائی (۲/ ۲۰۷) دارمی (۱/ ۳۰۳) احمد (۲/ ۳۸۱) طحاوی نے "شرح المعانی" (۱/ ۲۵۴) اُور "مشکل الآثار" (۱/ ۶۵۔ ۶۶) میں دارقطنی (۱/ ۳۴۴) ابن حزم (۴/ ۱۲۹) بیہقی (۲/ ۹۹۔ ۱۰۰) اور حازمی نے بھی "کتاب الاعتبار" (۷۹) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند جید ہے، نووی، زرقانی نے بھی اس کو جید کہا ہے۔ عبدالحق اشبیلی، البانی، شعیب و عبدالقادر نے اس ←

کو صحیح کہا ہے۔

مبارک پوری نے کہا ہے کہ یہ صحیح یا حسن لذاتہ ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ حدیث، وائل بن حجر کی حدیث سے زیادہ قوی ہے۔ ملاحظہ ہو "مجموع" (۳/۴۲۱) "ارواء الغلیل" (۲/۷۸) "تحقیق زاد المعاد" (۱/۲۲۳) "تحفۃ الاحوذی" (۱/۲۲۹) اور "بلوغ المرام" (۱/۲۱۶۔سبل)۔

اس حدیث پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث شاہد بھی ہے۔ جس کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے۔

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ رکھا کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔

اس حدیث کو ابن خزیمہ (۶۲۷) ابن منذر (۳/۱۶۵) طحاوی (۱/۲۵۴) دار قطنی (۱/۳۴۴) حاکم (۱/۲۲۶) بیہقی (۲/۱۰۰) اور حازمی نے "اعتبار" (۷۹) میں روایت کیا ہے۔

اس کی بھی سند جید ہے۔ اس کے پہلے ٹکڑے کو۔ ابن عمرؓ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتے۔ امام بخاری نے بھی تعلیقاً مگر بالجزم ذکر کیا ہے۔ دیکھیں "بخاری" (۲/۲۹۰۔فتح)۔

تنبیہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے مروی ایک اور روایت میں ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۲۶۳) ابو یعلی (۶۵۰۹۔تحقیق الاثری) طحاوی (۱/۲۵۵) اور بیہقی (۲/۱۰۰) نے روایت کیا ہے۔

مگر یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ جیسا کہ مبارک پوری نے کہا ہے، بلکہ البانی نے تو اس کو باطل کہا ہے۔ تفصیل "تحفۃ الاحوذی" (۱/) اور "ارواء الغلیل" (۲/۷۹) میں دیکھیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے حدیث ابو ہریرہ کو جس میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کے رکھنے کا ذکر ہے، مقلوب کہا ہے۔ ان کے خیال میں یہ اصل حدیث یوں تھی..... ولیضع رکبتیہ قبل یدیہ "وہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے"۔ دیکھیں "زاد المعاد" (۱/۲۲۳۔۲۲۷، ۴۳۹۔۴۴۰)۔

مگر ان کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ اسی لیے مولانا مبارک پوری، شیخ احمد شاکر، شیخ البانی اور "زاد المعاد" کے محققین شیخ شعیب و عبد القادر نے ان کا رد کیا ہے۔

ملاحظہ ہو "تحفۃ الاحوذی" "ترمذی بتحقیق شیخ احمد شاکر" (۱/۵۸۔۵۹) "صفۃ الصلوٰۃ (۱۰۷) "تمام المنۃ" (۱۹۴۔۱۹۵) اور "تحقیق زاد المعاد" (۱/۲۲۵)۔

مسئلہ:۔ مذکورہ تفصیل کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ راجح اور قوی مذہب یہی ہے کہ سجدے میں جاتے وقت آدمی گھٹنوں کی بجائے پہلے اپنے ہاتھ زمین پر ٹکائے۔

←

۳۵۲ ــــ ① سجدے میں پیشانی اور ناک زمین پر ٹکائیں ۔ (بخاری شریف)

ــــــــ امام اوزاعی، مالک، ابن حزم اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

ابن ابی داؤد نے کہا ہے کہ محدثین کا بھی یہی مذہب ہے ۔ امام حاکم، وائل، انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی مذکورہ احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرا رجحان حدیث ابن عمرؓ کی طرف ہے۔ کیونکہ اس بارے میں صحابہ اور تابعین سے بہت سی روایات ہیں۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو گھٹنوں سے قبل ہاتھ رکھتے ہوئے پایا ہے ۔"کتاب الاعتبار"

حدیث وائل بن حجر کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس صورت میں بھی ترجیح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی کو ہوگی۔ اس لیے کہ یہ قولی حدیث ہے اور وائل بن حجر کی حدیث، حدیث فعلی ہے اور تعارض کی صورت میں ترجیح حدیث قولی کو دی جاتی ہے۔

اسی لیے ابن ترکمانی نے کہا ہے کہ حدیث ابو ہریرہؓ کی دلالت قولی ہے اور حدیث ابن عمرؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لہذا اس کو حدیث وائل پر ترجیح ہوگی۔ کیونکہ اس کی دلالت فعلی ہے" جوہر نقی" (۱/۱۰۰) ۔

حدیث ابو ہریرہؓ کو اس لیے بھی ترجیح ہوگی کہ اس میں ہاتھوں سے قبل گھٹنے رکھنے کی ممانعت ہے اور تعارض کی صورت میں ممانعت والی حدیث کو لیا جاتا ہے۔ دیکھیں "محلی ابن حزم" (۴/۱۲۹ - ۱۳۰) ۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل "تحفۃ الاحوذی" میں دیکھیں۔

تنبیہ :۔ امام ابن خزیمہ کا مذہب یہ ہے کہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اس پر انہوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لی ہے۔ جس کو انہوں نے حدیث (۶۲۸) اسی طرح ابن منذر نے "اوسط" (۳/۱۶۷) میں اور بیہقی (۲/۱۰۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

مگر اس حدیث سے استدلال کرنا دو وجوہ کی بناء پر مردود ہے۔

۱:۔ اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔

۲- اس کا متن بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت تو یوں ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ سعد سے نسخ تطبیق کی روایت مروی ہے۔

حافظ حازمی نے "کتاب الاعتبار" میں نسخ تطبیق والی حدیث ہی کو محفوظ کہا ہے۔

اسی طرح "زاد المعاد" (۱/۲۲۷) بھی دیکھیں۔

۳۵۳ ــــ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، جس کی تخریج نمبر ۳۶۲ میں آرہی ہے۔

ابوداؤد (۷۳۴) اور ترمذی (۲۷۰) وغیرہ میں ابو حمید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں اپنی ناک اور پیشانی کو اچھی طرح زمین پر ٹکاتے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔

←

۳۵۴ — ② سجدے میں دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھیں۔ (ترمذی)

۳۵۵ — ③ سجدے میں دونوں ہاتھوں کا کانوں کے برابر رکھنا بھی آیا ہے۔ (مسلم)

۳۵۶ — ④ سجدے میں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری سے ملا کر رکھیں۔ (حاکم)

۳۵۷ — ⑤ سجدے میں دونوں ہتھیلیاں اور دونوں گھٹنے خوب زمین پر ٹکائیں۔

۳۵۸ — ⑥ پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلے کی طرف مڑے ہوئے رکھیں۔ اور قدم بھی دونوں کھڑے رہیں۔

(بخاری شریف)

— دارقطنی (۱/۳۴۸) اور حاکم (۱/۲۷۰) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں جس کی پیشانی کی طرح ناک زمین پر نہیں لگتی۔

اس کو حاکم نے بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اسی طرح ابن جوزی نے بھی (دیکھیں "التعلیق المغنی") اس کو صحیح کہا ہے اور البانی نے اسے "صفۃ الصلاۃ" (۱۰۸) میں ذکر کیا ہے۔

۳۵۴ — یہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کی مفصل تخریج حدیث (۲۵۳) میں گزر چکی ہے۔

۳۵۵ — یہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابوداؤد (۷۲۶) نسائی (۲/۲۱۱) دارمی (۱/۳۱۴) ابن خزیمہ (۶۴۱) اور ابن حبان (۴۸۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

مؤلف نے یہاں مسلم کا حوالہ دیا ہے، مگر مجھے اس میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں یہ مسئلہ ہو۔

البانی نے بھی "صفۃ الصلاۃ" (۱۰۸) میں اس مسئلے کے لیے ابوداؤد اور نسائی ہی کا حوالہ دیا ہے۔

۳۵۶ — صحیح حدیث ہے۔

یہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابن خزیمہ (۶۴۲) ابن منذر (۳/۱۶۹) ابن حبان (۴۸۸) حاکم (۱/۲۲۷) اور بیہقی (۲/۱۱۲) نے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے جیسا کہ اس کے بارے میں حدیث (۳۱۵) میں تفصیل گزر چکی ہے۔

۳۵۷ — یہ مسئلہ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ اور ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں ہے۔

حدیث رفاعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاعدے سے نماز نہ پڑھنے والے کو نماز کی تعلیم دینے کا ذکر ہے اور یہ حدیث "مسند احمد" (۴/۳۴۰) "سنن ابوداؤد" (۸۵۹) اور "صحیح ابن خزیمہ" (۶۳۸) وغیرہ میں ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔

حدیث ابوحمید میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا فعل مذکور ہے۔ اس کو بیہقی (۲/۱۰۲) نے روایت کیا ہے اور یہ بھی صحیح حدیث ہے۔

۳۵۸ — یہ بخاری (۸۲۸) اور ابوداؤد (۷۳۲) وغیرہ میں ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

۳۵۹ — ⑦ بیہقی میں ایڑیوں کا ملانا بھی آیا ہے۔

۳۶۰ — ⑧ سجدے میں سینہ، پیٹ، اور رانیں زمین سے اونچی رکھیں، پیٹ کو رانوں سے، اور رانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھیں۔ اور دونوں رانیں بھی ایک دوسری سے الگ الگ رکھیں۔ (ابو داؤد)

۳۶۱ — ⑨ سجدے میں کہنیوں کو نہ تو زمین پر ٹکائیں۔ نہ کروٹوں سے ملائیں۔ بلکہ زمین سے اونچی کروٹوں سے الگ کشادہ رکھیں۔ (بخاری شریف)

اِنتباہ :۔ سجدہ کرتے وقت تمام عورتوں اور مردوں کو ہدایات مذکورہ کی پوری پوری پابندی کرنی چاہیئے تاکہ سجدہ مسنون ہو۔

سجدہ سات اعضاء پر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

۳۶۲ - اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَی الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَ اَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ۔ (متفق علیہ)

مَیں حکم کیا گیا ہوں۔ کہ سجدہ کروں میں سات ہڈیوں پر، پیشانی پر، اور دونوں ہاتھوں پر، اور دونوں گھٹنوں پر، اور دونوں قدموں کے پنجوں پر۔"

ہر بہن بھائی کو ضرور ہے کہ وہ سجدے میں ان سات اعضاء کو خوب زمین پر ٹکا کر رکھیں اور اطمینان سے سجدے کو پورا کریں۔

---

۳۵۹ - یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ جس کو ابن خزیمہ (۶۵۴) ابن منذر (۳/۱۷۲) ابن حبان (۱۹۳۳/۵) حاکم (۱/۲۲۸) اور بیہقی (۲/۱۱۶) نے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

۳۶۰ - یہ ابو حمید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کی تخریج حدیث (۲۵۳) میں گذر چکی ہے۔

۳۶۱ - یہ مسئلہ بھی ابو حمید رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں ہے۔ جس کی تخریج ابھی نمبر ۳۵۸ میں ہی گزری ہے۔

۳۶۲ - اس کو بخاری (۸۱۲) مسلم (۴/۲۰۷) اسی طرح ابو عوانہ (۲/۸۲، ۸۳) نسائی (۲/۲۰۹) ابن ماجہ (۸۸۴) دارمی (۱/۳۰۲) اور ابن خزیمہ نے بھی (۶۳۲) عبد اللہ بن طاؤس عن ابیہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کو بخاری (۸۰۹-۸۱۰، ۸۱۵-۸۱۶) ابو داؤد (۸۸۹-۸۹۰) ترمذی (۲۷۳) نسائی (۲/ ۲۱۵-۲۱۶) مسلم ابو عوانہ، ←

عورتیں بازو نہ بچھائیں

بہت عورتیں سجدہ میں بازو بچھالیتی ہیں۔ اور پیٹ کو رانوں سے ملا کر رکھتی ہیں، اور دونوں قدموں کو بھی زمین پر کھڑا نہیں کرتیں۔ واضح ہو کہ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور سُنّت پاک کے خلاف ہے۔ سنیئے! حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری مسلم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

۳۶۳۔ لَا یَبْسُطُ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْهِ اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ۔ (بخاری و مسلم)

"یعنی نہ بچھائے کوئی تمہارا (مرد ہو یا عورت) دونوں بازو اپنے (سجدے میں) جس طرح کتا بچھاتا ہے"

(بخاری مسلم)
(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے صاف صاف عیاں ہے۔ کہ نمازی (مرد یا عورت) کو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر دونوں کہنیاں یعنی بازو زمین سے اُٹھا کر رکھنے چاہئیں۔ اور پیٹ بھی رانوں سے جدا رہے، اور سینہ زمین سے اونچا ہو میری معزز مسلمان بہنو! توجہ سے سنو! اپنے پیارے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نماز پڑھو ایک روایت اسی مضمون کی صحیح مسلم میں ہے۔

۔۔۔۔ ابن ماجہ، دارمی اور ابن خزیمہ نے عمرو بن دینار کی سند سے بھی طاؤس سے روایت کیا ہے۔

۳۶۳ ۔۔ اس کو بخاری (۸۲۲) مسلم (۴/ ۲۰۹ - ۲۱۰) ابوعوانہ (۲/ ۱۸۲ - ۱۸۳) ابو داؤد (۸۹۷) ترمذی (۲۷۶) نسائی (۲/ ۲۱۳ - ۲۱۴) ابن ماجہ (۸۹۲) اور دارمی (۱/ ۳۰۳) نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۱) تنبیہ :- ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی موصول حدیثوں میں اور یزید بن ابی حبیب کی مرسل روایت میں عورت کے لیے پیٹ رانوں سے ملا کر رکھنے کا ذکر ہے۔

حدیث ابن عمر کو ابن عدی (۲/ ۶۳۱) اور بیہقی (۲/ ۲۲۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حکم بن عبداللہ ابو مطیع بلخی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

حدیث ابوسعید کو بیہقی نے روایت کیا ہے اس کی سند عطاء بن عجلان کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ بلکہ اس کو اگر من گھڑت کہہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

یزید بن ابی حبیب کی مرسل روایت کو ابوداؤد نے "مراسیل" (۸۱) میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے یہ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بیہقی میں اس کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی مروی ہے۔ مگر اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ ←

۳۶۴ـــ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں ۔ اور مسلمان مردوں، عورتوں کو یکساں سناتے ہیں ۔

یعنی سجدے میں رکھ دونوں ہاتھ اپنے (زمین پر) اور بلند کر اپنی دونوں کہنیاں ۔ (مسلم)

امید ہے فرمانِ رسول ﷺ سن کر آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی۔ اس لیے میری بہنوں کو چاہیئے کہ وہ سجدے میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر اپنے بازوؤں کو اونچا رکھا کریں۔ اور انہیں پہلوؤں سے بھی جدا رکھیں۔ پیٹ بھی رانوں سے علیحدہ رہے ۔ سجدے میں پاؤں بھی زمین پر کھڑے ہوں اور انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف مڑے ہوئے ۔

نہایت درجہ قربِ خدا

۳۶۵ ـ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَکْثِرُوا الدُّعَآءَ ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دراصل بندہ اپنے رب سے بہت نزدیک اس حال میں ہے کہ وہ سجدے میں ہوتا ہے۔ پس (سجدے میں) بہت دعا کرو ۔ (مسلم)

ملاحظہ ۔ اللہ تعالیٰ تو بندے سے ہر حال میں نزدیک ہوتا ہے۔ لیکن سجدے میں سب سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ سجدے میں خدا کا انتہائی قرب حاصل ہوتا ہے، خدائے قدوس کی خوشی اور رضامندی کا دریا موجیں مارتا ہے۔ قبولیت دعا کی منتظر ہوتی ہے، خاک آلودہ پیشانی کو خدا کی رحمت سجدے میں چومتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ نبیٔ رحمت ﷺ نے سجدے میں کثرت دعا کا حکم دیا۔ پس سب بھائیوں، اور بہنوں کو چاہیئے کہ سجدے میں بڑی عاجزی اور اخلاص سے نہایت خضوع اور خشوع سے، بڑے شوق اور حضور سے تسبیحیں پڑھیں کہ سجدے کی معراج ہی مومن کو مدارج اعلیٰ تک پہنچاتی ہے ۔

ـــــ صحیح حدیث "صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ" کے عموم میں مرد اور عورت دونوں ہی شامل ہیں اور ایسی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے جو ان دونوں کے طریقۂ نماز میں تفریق ثابت کرے ۔

۳۶۴ـــ اس کو مسلم (۴/۲۱۰) اسی طرح ابوعوانہ (۲/۱۸۳) احمد (۴/۳۰۳، ۲۹۴) طیالسی (۱/۹۹) ابنِ خزیمہ (۶۵۶) ابن حبان (۵/۱۴۴) اور بیہقی (۲/۱۱۳) نے بھی روایت کیا ہے ۔

۳۶۵ـــ اس کو مسلم (۴/۲۰۰) ابوعوانہ (۲/۱۸۰) ابوداؤد (۸۷۵) نسائی (۲/۲۲۶) احمد (۲/۴۲۱) ابن منندہ نے "توحید" (۲/۱۸۹) میں ابن حبان (۵/۲۵۵) اور ابو یعلیٰ (۶۶۵۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے ۔

مومن کو سجدے میں دیکھ کر شیطان روتا ہے

(سجدے میں بہشت)

۳۶۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب آدم کا بیٹا (مومن) سجدے کی آیت پڑھتا ہے۔ پھر (پڑھنے اور سننے والا) سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا ایک طرف ہو کر کہتا ہے، اے مصیبت مجھے! آدم کا بیٹا سجدے کا حکم کیا گیا۔ اس نے سجدہ کیا۔ پس اس کے لیے بہشت ہے اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا۔ میں نے نافرمانی کی پس میرے لیے آگ ہے۔ (صحیح مسلم)

ملاحظہ:۔ شیطان خدا کے حکم سجدہ سے نافرمان ہو کر جہنمی ہوا ہمیں بھی پانچوں نمازوں میں سجدے کا حکم ہے۔ اس سجدے کے حکم کی بجا آوری سے ہم اس وقت عہدہ برآہ ہوں گے۔ جب ہم باقاعدہ پانچوں نمازیں وقت پر پڑھیں گے۔ اگر ہم نے کوئی نماز ترک کی تو سجدے کے نافرمان ہوں گے۔

بہشت میں رسولِ خدا کا ساتھ

۳۶۷۔ ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات گزارتا

۳۶۶۔ اس کو مسلم (۲/ ۶۹) "ایمان" ابوعوانہ (۲/ ۲۰۶) ابن ماجہ (۱۰۵۲) احمد (۲/ ۴۴۳) ابن خزیمہ (۵۴۹) ابن حبان (۶/ ۴۶۵) مروزی نے "صلوٰۃ" (۱/ ۲۲۸) میں لالکائی نے "شرح الاصول" (۴/ ۸۲۴-۸۲۵) میں ابونعیم نے "حلیہ" (۵/ ۶۰) میں اور خطیب نے "تاریخ بغداد" (۷/ ۳۴۴) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث، انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کو ابن عدی (۶/ ۲۰۹۵ اور مروزی (۱/ ۲۲۸، ۲۲۹) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

ابن مبارک نے "زہد" (۱۲۶۸) میں اور ان سے مروزی نے "صلاۃ" میں یہ حدیث، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی روایت کی ہے۔ مگر اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳۶۷۔ اس کو مسلم (۴/ ۲۰۵-۲۰۶) ابوعوانہ (۲/ ۱۸۱) ابوداؤد (۱۳۲۰) باب "کیف قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل" نسائی (۲/ ۲۲۷-۲۲۸) ابونعیم نے "حلیہ" (۲/ ۳۱-۳۲) میں بیہقی (۲/ ۴۸۶) اور بغوی (۶۵۵) نے ابوسلمہ کی سند سے ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو احمد (۴/ ۵۹) نے نعیم مجمر کی سند سے طویل روایت کیا ہے اور یہ سند حسن درجے کی ہے۔

تھا۔ حضورؐ کے لیے وضو کا پانی اور آپ کی (دیگر) ضرورت (مسواک وغیرہ) لاتا تھا۔ حضورؐ نے مجھے (ایک رات خوش ہو کر) فرمایا (کچھ دین و دنیا کی بھلائی سے) چاہ (کہ خدا کی جناب میں تیرے لیے عرض کروں) میں نے کہا آپ سے آپ کی رفاقت بہشت میں چاہتا ہوں حضورؐ نے فرمایا کچھ اس کے سوا؟ میں نے کہا بس وہی! پھر حضورؐ نے فرمایا فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ پس مدد کرو، میری اپنی ذات کے لیے سجدوں کی کثرت سے۔ (صحیح مسلم)

جس طرح معالج مریض کو کہے۔ کہ حصولِ شفاء کے لیے میں تیرے لیے کوشش کرتا ہوں اور تو میری ہدایات کے مطابق دوائی کے استعمال اور پرہیز کرنے کے ساتھ میری مدد کرو۔ اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ کو فرمایا کہ تیرے حصولِ مدعا کے لیے دعا سے کوشش کرتا ہوں اور تو سجدوں کی کثرت کے ساتھ میری کوشش میں مدد کر۔ اس طرح تجھے بہشت میں میری رفاقت حاصل ہوگی۔

معزز ناظرین! اگر ہم چاہتے ہیں کہ آخرت میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو، تو ہمیں پوری پانچوں نمازیں ادا کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ ہمیں سجدوں کی کثرت حاصل ہو — بلکہ تحیۃ الوضو، تہجد، اشراق اور نمازِ تسبیح کے پڑھنے سے سجدوں کی کثرت میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ اور ہر نماز کے ہر سجدے میں خلوص، حضور، اور اطمینان کو سجدے کی جان سمجھیں۔

سجدوں سے درجات کی بلندی

حضرت ثوبانؓ نے رسولؐ خدا سے بہشت میں لے جانے والا عمل پوچھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۳۶۸- عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ سَجْدَةً لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا

---

۳۶۸ — اس کو مسلم (۲۰۵/۴) ابوعوانہ (۱۸۰/۲) ترمذی (۲۲۸/۲) نسائی (۳۸۸) ابن ماجہ (۱۴۲۳) عبدالرزاق (۳/۴۷، ۳۴) احمد (۵/۲۷۶، ۲۸۰) مروزی نے "صلاۃ" (۱/۳۱۳) میں ابن حزم (۱۱۲/۵) بیہقی (۲/۴۸۵) اور البغوی (۶۴۵) نے معدان بن خالد کی سند سے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

احمد (۵/ ۲۷۶، ۲۸۳) ابن عدی (۵/۱۸۵۳) اور مروزی (۱/۳۲۰) نے اس کو سالم بن ابی الجعد کی سند سے بھی روایت کیا ہے مگر اس سند میں انقطاع ہے۔

یہ حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ تفصیل کے لئے "ارواء الغلیل" (۲/۲۰۷، ۴۵۷) دیکھیں۔

تنبیہ: ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بعض راویوں نے "علیك بکثرۃ السجود" کو متن حدیث میں نہیں، بلکہ ثوبان رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ذکر کیا ہے۔

دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً۔ (رواہ مُسلم)

"لازم کر اپنے اوپر کثرت سجدوں کی اللہ کے لیے (پورے خلوص وحضور کے ساتھ) پس تیرے ہر سجدے کے بدلے خدا تیرا درجہ بلند فرمائے گا اور اس کے سبب سے گناہ (بھی) مٹائے گا۔ (مسلم)

ملاحظہ، جو شخص پانچوں نمازوں کے سجدوں کو بڑے خلوص، اطمینان اور آرام سے پورا کرتا ہے۔ وہ کثرت سجود کا عامل بن جاتا ہے۔ اور نمازِ تسبیح، تہجد، اشراق، شکرالوضوء کے سجدے فرض نمازوں کے سجدوں کے ساتھ مل کر لیلائے مقاصد کے حسن وجمال کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ عورتیں، اور نیک بخت ہیں وہ مرد جنہیں دُنیا میں یہ دولت عمل حاصل ہے۔

سجدے کی دُعائیں

مندرجہ ذیل دعائیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں پڑھا کرتے تھے، آپ بھی انہیں یاد کرلیں۔ اور اپنے اوقات واحوال اور قلب کی واردات کے پیشِ نظر جونسی چاہیں پڑھ لیا کریں۔ کم ازکم تین بار پڑھیں۔ جو ادنیٰ درجہ ہے۔ دس بار تک بھی پڑھ سکتے ہیں۔

پہلی دُعا

۳۶۹ ۔ حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُولِ خداؐ نے فرمایا۔ جب کوئی تمہارا سجدہ کرے۔ تو اپنے سجدے میں کہے (یہ) تین بار۔ اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (ترمذی)

سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ (ترمذی)

"پاک ہے میرا بلند پروردگار۔"

دُوسری دُعا

۳۷۰ ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہُوئے کہتی ہیں۔ کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے اپنے

---

۳۶۹ ۔ اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ مگر شواہد کی بناء پر اصل حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے نمبر (۳۱۸) ملاحظہ فرمائیں۔

۳۷۰ ۔ اس حدیث کی تخریج کے لیے نمبر (۳۲۰) ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع، اور سجدے میں (یہ) کہتے۔ یعنی یہ دُعا پڑھتے :

سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ۔[1] (بخاری و مسلم)

پاک ہے تو یاالٰہی، اے پروردگار ہمارے اور پاکی بیان کرتے ہیں ہم ساتھ تعریف تیری کے، یاالٰہی بخش مجھ کو۔"

تیسری دُعا

۳۷۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہُوئے کہتی ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے میں (یہ) کہتے تھے۔

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ (مسلم)

"بہت پاک ہے، نہایت پاک ہے، پروردگار فرشتوں کا اور رُوح (جبریل) کا۔"

چوتھی دُعا

۳۷۲۔ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ۔ کہ رسُولِ خدا اپنے سجدے میں (یہ) کہتے تھے۔ (مسلم)

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔ (مسلم)

---

[1] اس دُعا میں حضورؐ نے خدا کے ایک حکم کی تعمیل کی ہے، خدا نے فرمایا ہے فسبح بحمد ربک واستغفرہ (پس پاکی بیان کر ساتھ تعریف رب اپنے کے اور بخشش مانگ اس سے) حضورؐ خدا کے اس حکم کو نماز میں جھک کر (رکوع میں) اور سجدے میں گر کر بجالائے۔ اللہ کے امر کے مطابق آپ نے اس دُعا میں اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بھی کی ہے اور بخشش بھی مانگی ہے، ہماری جانیں اور ماں باپ حضورؐ پر قربان، خدا کے اسرار و امر کو سمجھنے اور عمل کرنے میں آپ کا مقام کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے۔ (محمد صادق)

۳۷۱۔ اس کی تخریج کے لیے حدیث (۳۲۱) دیکھیں۔

۳۷۲۔ اس کو مسلم (۲/۲۰۱) ابو عوانہ (۲/۱۸۶) ابوداؤد (۸۷۸) ابن خزیمہ (۶۷۲) ابن حبان (۵/۲۵۸) حاکم (۱/۲۶۳) بیہقی (۲/۱۱۰) اور بغوی (۶۲۰) نے روایت کیا ہے۔

"یاالٰہی بخش گناہ سب میرے چھوٹے اور بڑے اور پہلے اور پچھلے اور ظاہر اور چھپے"

انتباہ

رکوع اور قومے کی طرح سجدے کی طمانیت بھی فرض ہے۔ بڑے اطمینان، چین، خضوع، اور حضور، سے مزے مزے تسبیحیں پڑھیں۔ سجدے میں سر رکھتے ہی کتر کتر تسبیحیں پڑھ کر اُٹھنے کی کرنا طمانیت نا آشنائی ہے۔

پانچویں دُعا

۲۷۳۔ اَللّٰهُمَّ سَجَدَ لَكَ سَوَادِيْ وَخَيَالِيْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِيْ اَبُوْءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَهٰذَا مَا جَنَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ يَا عَظِيْمُ يَا عَظِيْمُ اِغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ الْعَظِيْمَةَ اِلَّا الرَّبُّ الْعَظِيْمُ۔ (حصن حصین)

یاالٰہی سجدہ کیا تیرے لیے ظاہر میرے نے اور باطن میرے نے اور ایمان لے آیا تجھ پر دل میرا، میں اقرار کرتا ہوں تیری نعمتوں کا جو مجھ پر ہیں، اور یہ ہے (تیرے آگے) جو گناہ کیا میں نے اپنی جان پر، اے عظمت والے اے سب سے بڑے تو مجھے بخش دے، کیونکہ کوئی نہیں بخشتا بڑے گناہوں کو سوائے بڑے پروردگار کے۔

چھٹی دُعا

۲۷۴۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ اَمَامِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ تَحْتِيْ

۲۷۳۔ سخت ضعیف ہے۔

یہ دُعا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کی مفصل تخریج حدیث (۲۲۳) میں گزر چکی ہے۔

یہ دُعا عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے، جس کو ابُو یعلی (۴۶۴۲ تحقیق اثری) عقیلی (۱۱۶/۴) ابن عدی (۲۲۴۵/۶) اور ابُو شیخ نے "اخلاق" (۱۶۱) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے اس میں چار علتیں ہیں اور سب سے بڑی علت محمد بن علیم حضرمی ہے۔ اس کو بخاری، ابُو حاتم نے منکر الحدیث اور ابن معین نے ایک روایت میں کذاب کہا ہے اور نسائی وغیرہ نے اس کو متروک کہا ہے۔

۲۷۴۔ اس کو مسلم (۴۹/۶ - ۵۲) "صلاۃ المسافرین" ابو عوانہ (۳۱۴، ۳۱۲/۲) اور نسائی (۲۱۸/۲) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

نُوۡرًا وَّ اَعۡظِمۡ لِیۡ نُوۡرًا ؕ (حصن حصین)

اے اللہ تو میرے دل میں روشنی کر اور میرے کان میں روشنی کر اور میری آنکھ میں روشنی کر، اور میرے آگے (بھی) روشنی کر اور میرے پیچھے (بھی) روشنی کر اور میرے نیچے روشنی کر اور میری (ہدایت کی) روشنی کو بڑا کر دے۔

ساتویں دُعا

۲۷۵۔ سُبۡحَانَ ذِی الۡمُلۡكِ وَالۡمَلَكُوۡتِ سُبۡحَانَ ذِی الۡعِزَّةِ وَالۡجَبَرُوۡتِ سُبۡحَانَ الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ اَعُوۡذُ بِعَفۡوِكَ مِنۡ عِقَابِكَ وَ اَعُوۡذُ بِرِضَاكَ مِنۡ سَخَطِكَ وَ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡكَ جَلَّ وَجۡهُكَ ؕ (حصن حصین)

پاک ہے اللہ (شرک سے)، جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا بادشاہ ہے۔ بڑی عزت اور قدرت والا ہے، پاک ہے (شرک سے) وہ زندہ معبود جو کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کے ذریعے تیرے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں تیری رضامندی کے ذریعے تیرے غصے سے اور پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیرے عذاب تیرے سے۔ برتر ہے ذات تیری۔

۲۷۵۔ ضعیف ہے۔

یہ دُعا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، جس کو مروزی نے "صلاۃ" (۱/۲۶۲-۲۶۴) میں ابوشیخ نے "عظمۃ" (۲/۱۰۱۴-۱۰۱۶) میں اور حاکم (۳/۸۷-۸۸) نے روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ مگر ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔ بخاری کی شرط پر نہیں۔ عبدالملک ضعیف ہے اور یہ اسے بیان کرنے میں متفرد ہے۔

عبدالملک سے اس کو اسحاق فروی نے روایت کیا ہے اور یہ بھی متکلم فیہ ہے۔

یہ ایک طویل حدیث ہے اس میں فرشتوں کی عبادت کا ذکر ہے۔

مروزی اور ابونعیم نے "حلیہ" (۴/۲۷۷) میں اس کو سعید بن جبیر سے مرسلاً بھی روایت کیا ہے۔

مروزی نے اس کو حسن بصری سے بھی مرسلاً روایت کیا ہے۔

حاصل کلام یہ حدیث صحیح نہیں، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ بہت غریب بلکہ بہت منکر ہے "تفسیر ابن کثیر" (۴/۴۷۵-المدثر:۳۱)

تنبیہ: جس حدیث میں یہ دُعا ہے۔ ایک تو وہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔ نیز اس میں یہ صراحت نہیں ←

آٹھویں دُعاء

۳۷۶ ـ رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ ط (حصن حصین)

اے میرے رب! میری جان کو اس کی پرہیزگاری عطا کر اور اس کو پاک کر، تو بہتر پاک کرنے والا ہے تُو ہی اس کا مالک اور مولیٰ ہے۔ الٰہی! میرے پوشیدہ اور ظاہر (تمام) گناہوں کو بخش دے۔

نانویں دُعاء

۳۷۷ ـ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ ط (مُسلم)

اے اللہ! مَیں پناہ چاہتا ہُوں تیری رضامندی کے ذریعے تیرے غُصّے سے، اور تیری عافیت کے ذریعے تیری سزا سے، اور پناہ چاہتا ہوں تیری رحمت کے ذریعے تیرے عذاب سے۔ مَیں تیری تعریف گن نہیں سکتا تو ویسا ہی ہے۔ جیسی تو نے اپنی تعریف (خود) فرمائی ہے۔

دسویں دُعاء

۳۷۸ ـ اَللّٰھُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ فَاَحْسَنَ صُوَرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

ــــــــــــ ۔ ہے کہ یہ دُعاء سجدے میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسُول اللہ علیہ وسلم سے نماز میں کچھ پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان کو اس دُعا کے پڑھنے کا فرمایا۔

۳۷۶ ـــ شیخ جزری نے "حصن حصین" (۲۰۲) میں اس دُعاء کو ابنِ ابی شیبہ کی طرف منسُوب کیا ہے۔

۳۷۷ ـ اس کو مُسلم (۴/۲۰۳) ابُوعوانہ (۲/۱۸۸) ابُوداؤد (۸۷۹) ترمذی (۳۴۹۳) "دعوات" نسائی (۱/۱۰۲-۱۰۳، ۲/۲۱۰-۲۲۲) ابنِ ابی شیبہ (۱۰/۱۹۰ - دارالتاج) ابن خزیمہ (۶۵۵، ۶۷۱) ابویعلیٰ (۴۵۴۷ - تحقیق اثری) اور ابن حبان (۲۵۸/۵) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

۳۷۸ ـــ اس کو مُسلم (۶۰/۶ - ۶۱) "صلاۃ المسافرین" ابوعوانہ (۲/۱۰۷) ابُوداؤد (۷۶۰) ترمذی (۳۴۲۱-۳۴۲۳) ــــــــ

الْخَالِقِيْنَ ط۔ (مسلم)

اے اللہ! تیرے لیے سجدہ کیا میں نے، اور تجھ پر ایمان لایا میں، اور تیرا فرمانبردار ہوا میں۔ سجدہ کیا میرے چہرے نے اس ذات کو جس نے اس کو پیدا کیا اور صورت بنائی اس کی اور بہت اچھی صورت بنائی اور اس کے کان اور آنکھ کو کھولا۔ اللہ بہت برکت والا احسن الخالقین ہے۔

رکوع اور سجدے میں پیٹھ سیدھی کرنے کا حکم

رکوع میں بندہ اپنے مالک کے آگے جھکتا ہے، کمر دوہری کر کے اپنی عبودیت اور غلامی کی شہادت دیتا ہے اسی طرح سجدے میں اپنی پیشانی خاک پر رکھ کر معبودِ برحق کے حضور اپنی عاجزی، ناتوانی اور بندگی کا اظہار کرتا ہے، رکوع اور سجدہ نماز کی روحِ رواں ہونے کے سبب بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہیں پورے قاعدے ضابطے سے پایۂ تکمیل کو پہنچانا چاہیئے۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے آگے رکوع اور سجدہ میں کمر کو بالکل سیدھی کریں۔ تاکہ عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے زیادہ ہونے کے سبب غلامی کے حسن کو چار چاند لگیں، بندے کو مالک کے آگے انتہائی عاجز بنانے کے لیئے رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں تاکیدی حکم دیا ہے۔

۲۷۹۔ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔

(ابن ماجہ)

"اے مسلمانو! (سنو!) جو رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ کو سیدھی نہیں کرتا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تاکیدی حکم کے پیشِ نظر، ہر مسلمان بھائی، اور بہن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ رکوع اور سجدے کی حالت میں اپنی کمر کو پوری طرح سیدھی کرے۔ اتنی سیدھی کہ اس سے زیادہ سیدھی نہ ہو سکے۔ اپنے مالک کو دکھا دے کہ اس کا غلام انتہائی عاجزی سے بخشش مانگ رہا ہے۔ یاد رہے کہ جو دانستہ ان مقامات میں اپنی کمر کو سیدھی نہیں کرتا وہ لَا صَلٰوةَ کے فرمانِ نبوی کی رُو سے اپنی نماز ضائع کرنے والا ہے۔

——۔ نسائی (۲/ ۲۲۱) اور ابن ماجہ (۱۰۵۴) نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۲۷۹۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۸۷۱) احمد (۴/ ۲۳) ابن خزیمہ (۵۹۳، ۶۶۷) اور ابنِ حبان (۵۰۰) نے علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور بوصیری نے بھی "مصباح الزجاجہ" (۳۲۴) میں صحیح کہا ہے۔ ——

جلسے کا مقام

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

۳۸۰۔ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلٰى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَسْجُدُ۔

(ابوداؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے اپنا سر اُٹھاتے، اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا (یعنی بچھاتے) پھر بیٹھتے اس پر، پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ پھرتی ہر ہڈی طرف ٹھکانے اپنے کے۔ درحالیکہ برابر ہوتی (پہلے سجدے سے سر اٹھاکر نہایت آرام و اطمینان سے بیٹھ کر اور دُعا جو آگے آتی ہے پڑھ کر) پھر (دوسرا) سجدہ کرتے۔

غور فرمایا، آپ نے، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے سر اُٹھاکر اپنے بائیں پاؤں کو بچھاکر اس پر آرام سے بیٹھتے۔ حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر پہنچتی۔ اس بیٹھنے کو جلسہ کہتے ہیں۔ یہ جلسہ بھی رکوع، قومے اور سجدے کی طرح فرض ہے، ایک شخص نے حضورؐ کے سامنے نماز پڑھی اور اس نے جلسے کی رعایت ملحوظ نہ رکھی۔ پورے آرام اور اطمینان سے نہ بیٹھا۔ تو حضورؐ نے اس کو فرمایا۔

۳۸۱۔ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ۔ (متفق علیہ) پھر جا پس نماز پڑھ، پس تحقیق تو نے نہیں پڑھی نماز۔ اس نے تین یا چار بار پڑھی۔ حضورؐ نے ہر بار اسے یہی فرمایا۔ کہ جا، نماز پھر پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ آخر اس نے کہا۔ کہ حضورؐ! مجھے سکھاؤ۔ پھر حضور انورؐ نے جہاں اس کے رکوع، قومے، اور سجدے کو بغیر طمانیت کے ظاہر کیا۔ اسی طرح جلسے کے متعلق فرمایا۔ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ (متفق علیہ) پھر اُٹھا سر اپنا سجدے سے، یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے بیٹھے تو۔ پھر (دوسرا)

← نیز نمبر ۳۲۵ میں مذکور حدیث ابومسعود اس پر شاہد بھی ہے۔

تنبیہ: مسند احمد (۴/۲۲) اور طبرانی کبیر (۸/۴۰۵-۴۰۶) میں عکرمہ بن عمار نے اس حدیث کو علی بن شیبان کی بجائے طلق بن علی سے روایت کیا ہے۔ غالباً یہ عکرمہ کا وہم ہے۔

۳۸۰۔ اس کی تخریج حدیث (۲۵۲) میں دیکھیں۔

۳۸۱۔ اس حدیث کی تخریج (۴) میں ملاحظہ کریں۔

سجدہ کرے۔

جلسے کی تاکیدِ شدید

حضور انور خود بڑے اطمینان سے جلسہ میں بیٹھے، اور نہ بیٹھنے والے کی نماز کی نفی فرمائی۔ لیکن افسوس کہ عام لوگوں کو جلسے کا پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ ازبسکہ جلسہ نماز میں فرض ہے۔ اور اس میں طمانیت بھی فرض ہے۔ اور نماز کے لیے دوسرے ارکان ثلاثہ کی طرح ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔ اس لیے ہم معزز بھائیوں اور بہنوں کو سخت تاکید کرتے ہیں۔ کہ وہ قومے کی طرح جلسے کا بھی خاص طور پر دھیان رکھیں۔ خبردار! جلسہ ترک نہ ہونے پائے۔ بلکہ پورے اطمینان سے بیٹھ کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کے مطابق دعائے ذیل مزے مزے پڑھیں:

جلسہ میں پڑھنے کی مسنون دعاء

۳۸۲۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

(ترمذی، ابوداؤد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان (یہ) پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

"یا الٰہی بخش مجھ کو اور رحم کر مجھ پر اور ہدایت کر مجھ کو اور عافیت سے رکھ مجھ کو اور روزی دے مجھ کو۔"

---

۳۸۲ ـــ ضعیف ہے۔

اس کو ترمذی (۲۸۴۔۲۸۵) ابوداؤد (۸۵۰) ابن ماجہ (۸۹۸) احمد (۱/۳۱۵، ۳۷۱) ابن منذر نے "اوسط" (۳/۱۹۰) میں ابن حبان نے "مجروحین" (۲/۲۲۷) میں طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۲۵) اور "دعاء" (۶۱۴) میں ابن عدی نے "کامل" (۳/۱۰۶۶، ۶/۲۱۰۱-۲۱۰۲، ۷/۲۵۲۰) میں بیہقی (۲/۱۲۲) اور بغوی (۶۶۷) نے روایت کیا ہے۔

اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ نووی نے "مجموع" (۳/۴۳۷) میں اس کی سند کو جید اور "اذکار" (۵۶) میں اس کو حسن کہا ہے۔ مبارک پوری نے کہا ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح نہیں تو حسن درجے سے کم بھی نہیں، عبدالقادر "ارناؤوط" نے "کلم طیب" (حدیث ۹۶) کی تخریج میں اس کو حسن کہا ہے اور البانی نے "کلم طیب" (۹۷) کی تخریج میں اس کو جید کہا ہے اور کہا ہے کہ اس کا علی رضی اللہ عنہ ـــــ

ـــــــ سے ایک موقوف شاہد بھی ہے۔

قلت : یہ حدیث نہ تو صحیح، نہ جید اور نہ ہی حسن ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت ہیں جو مدلس ہیں۔ ان کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور دارقطنی وغیرہ نے مدلس کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں کہا ہے کہ یہ کثیر الارسال والتدلیس ہیں۔ حافظ صاحب نے ان کو "طبقات المدلسین" (ص ۲۷) میں بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابن عجمی نے بھی "التبیین لاسماء المدلسین" (ص ۱۹ - ۲۰) میں ان کو ذکر کیا ہے۔

جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مدلس ہیں تو ان کی یہ حدیث ضعیف ہوگی، کیونکہ مذکورہ کتب میں سے کسی ایک کتاب میں بھی انہوں نے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی۔ اسی لیے بوصیری نے کہا ہے کہ اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں، لیکن حبیب بن ابی ثابت تدلیس کرتے تھے اور انہوں نے اس روایت کو لفظ "عن" سے بیان کیا ہے۔

میرے پاس "مصباح الزجاجہ" کے دو نسخے ہیں۔ لیکن ان میں بوصیری کا یہ کلام نہیں ہے۔

البانی نے اس حدیث کے جس شاہد کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس کے لیے شاہد نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ ایک تو یہ علی رضی اللہ عنہ کا اپنا فعل ہے۔ (یعنی ان کے بارے میں ہے کہ وہ اس دُعاء کو اس مقام پر پڑھا کرتے تھے) مرفوع حدیث نہیں۔ نیز اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس کے ضعف کی طرف امام ترمذی نے بھی اشارہ کیا ہے اور ان کے اس اثر کو طبرانی نے "دُعاء" (۶۱۵) میں، طحاوی نے مشکل الآثار" (۱/ ۳۰۸) میں اور بیہقی نے "سنن" (۲/ ۱۲۲) میں روایت کیا ہے۔

اس دُعاء کا ذکر ایک اور حدیث میں بھی ہے اور اس میں اس کے آخر میں بعض دیگر کلمات کا اضافہ بھی ہے۔

یہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سجدے سے سر اٹھانے کے بعد یہ دُعا پڑھنے کے لیے فرمایا۔

" ربّی اغفرلی وارحمنی واھدنی وارزقنی، انی لِمَا انزلت اِلیّ من خیر فقیر "

اس کو بزار (۵۲۷) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں بزار کا شیخ عباد بن احمد عرزمی متروک ہے اور جابر جعفی ضعیف بلکہ متہم ہے۔

حاصل کلام مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباس ضعیف حدیث ہے اس کے عوض میں اس کے بعد آنے والی حدیث عند لفیہ کفایت کرتی ہے۔

ـــــــــــ

۳۸۳ ۔ حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان دونوں سجدوں کے (یہ) کہتے تھے :

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ۔ (نسائی، دارمی)

"اے میرے رب بخش مجھ کو"

ابن ماجہ کی روایت میں ربّ اغفرلی جلسہ میں تین مرتبہ کہنا آیا ہے، اور حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی بغدادی کی غنیۃ الطالبین میں اس کلمہ کو جلسے میں تین بار پڑھنا آیا ہے۔

ملاحظہ : جس کو جلسے کی پہلی دُعا یاد نہ ہو۔ تو وہ جلسے میں تین مرتبہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ پورے اطمینان سے پڑھ لیا کرے۔

دوسرا سجدہ

جب آپ پورے اطمینان سے جلسے کے فرائض سے فارغ ہوں، تو پھر دوسرا سجدہ کریں، اور پہلے سجدے کی طرح اس میں بھی بڑے خضوع وخشوع اور کامل اطمینان سے دُعا پڑھیں۔ اور پھر اُٹھیں۔

---

۳۸۳ ۔ صحیح حدیث ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ایک طویل حدیث ہے۔ اس کو مؤلف نے آگے "نماز تہجد کا بیان" کے تحت قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دیکھیں حدیث (۵۵۱)

اس حدیث کو ابوداؤد (۸۷۴)، نسائی (۲/۱۹۹ ۔ ۲۰۰، ۲۳۱) احمد (۵/۳۹۸) طیالسی (۱/۱۱۵) مروزی نے "صلاۃ" (۱/۲۲۶) میں طحاوی نے "مشکل الآثار" (۱/۳۰۷ ۔ ۳۰۸) میں ابوشیخ نے "اخلاق" (۱۵۶) میں بیہقی نے "سنن" (۲/۱۲۲) میں بغوی نے "شرح السنہ" (۹۱۰) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" ۳۴/۱۳۴۸ میں روایت کیا ہے۔

سند : "ابوحمزہ الانصاری عن رجل من بنی عبس عن حذیفۃ۔"

اس سند میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے راوی کے نام کی اگرچہ صراحت نہیں مگر یہ سند صحیح ہے۔ کیونکہ یہ راوی صلہ بن زفر ہیں۔

مسند طیالسی میں ہے کہ شعبہ کا خیال تھا کہ یہ صلہ بن زفر ہیں، اور

نسائی کا کہنا ہے کہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ صلہ بن زفر ہیں ملاحظہ ہو "تہذیب التہذیب" (۵/۲۶ ۔ ترجمہ طلحہ بن یزید، ۱۲/۴۲۱ ۔ مبہمات)۔

ابن صاعد کا کہنا ہے کہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ صلہ بن زفر ہیں دیکھیں "زوائد زہد ابن مبارک" (۱۰۱)

یہ آدمی صلہ بن زفر ہیں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صلہ عبسی ہیں۔ نیز یہ حدیث محلی شاہد کے بغیر "صحیح مسلم" (۲/۶۱ ۔ ۶۱) وغیرہ میں بھی ہے اور اس میں صلہ بن زفر کی تصریح موجود ہے۔

جلسہ استراحت

دوسرا سجدہ کر چکنے کے بعد ایک رکعت پوری ہو چکی ہے، اب دوسری رکعت کے لیے آپ کو اٹھنا ہے لیکن اُٹھنے سے پہلے اور دوسرے سجدے کے بعد جلسہ استراحت میں ذرا بیٹھ کر اٹھیں۔ اس کی صورت یہ ہے

۲۸۴۔ ثُمَّ يَقُولُ اللهُ اَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا

ــــــ صلہ ثقہ ہیں یہ بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہیں ان سے اس حدیث کو روایت کرنے والے ابو حمزہ انصاری ہیں۔ جن کا نام طلحہ بن یزید ہے یہ بخاری کے رجال میں سے ہیں۔ نیز نسائی اور ابن حبان نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ لہذا مذکورہ سند صحیح ہے۔

احمد (۵/ ۴۰۰) ابن ماجہ (۸۹۷) دارمی (۱/ ۳۰۳ - ۳۰۴) نسائی (۲/ ۲۲۶) "قیام اللیل" ابن خزیمہ (۶۸۴) اور حاکم (۱/ ۲۷۱) نے اس کو ابو حمزہ اور حذیفہ کے درمیان بلا کسی واسطے کے بھی روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے اس کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ مگر یہ تصحیح محل نظر ہے۔ کیونکہ امام نسائی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک یہ مرسل ہے میں نہیں جانتا کہ طلحہ بن یزید نے حذیفہ سے کچھ سنا ہو۔

اسی طرح علامہ ذہبی نے "کاشف" (۲/ ۴۱) میں کہا ہے کہ طلحہ بن یزید کی حذیفہ سے روایت مرسل ہے۔

ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے اس کو ایک ساتھ دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ جس سے بظاہر یہ معلوم پڑتا ہے کہ ان دونوں ہی سندوں میں اس دعا کا ذکر ہے۔ جب کہ ایسا نہیں۔ کیونکہ دوسری سند سے یہ حدیث "مسلم وغیرہ میں تفصیلا مروی ہے۔ مگر اس میں اس "دعاء" کا ذکر نہیں واللہ اعلم۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن ماجہ میں " ربِّ اغفرلی " تین مرتبہ ہے۔ جب کہ اس میں تین مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ ہے۔ اسی طرح اکثر کتب میں بھی دو بار ہی ہے۔ بعض کے یہاں۔ دارمی، ابن خزیمہ، حاکم اور احمد کی ایک روایت میں بھی ـــ ایک مرتبہ ہے۔ مگر تین بار کسی کے بھی یہاں نہیں۔

فائدہ: امام طحاوی حدیث حذیفہ کو روایت کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے کے بارے میں بعض محدثین کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ان کا یہ قول اچھا ہے اور ان کا اس پر عمل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنا ہے اور ہمارا عمل بھی اسی حدیث پر ہے "مشکل الآثار" (۱/ ۳۰۸ - ۳۰۹)۔

۲۸۴ ـــ یہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کی مفصل تخریج حدیث (۲۵۳) میں گزر چکی ہے۔

جلسہ استراحت کا ذکر مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے۔ جس کو بخاری (۸۲۳) ←

ثُمَّ يَنْهَضُ ۔ (ابو داؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

پھر حضورؐ اللہ اکبر کہتے ہوئے (دوسرے سجدے سے) اُٹھتے اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے اس پر پھر کھڑے ہوتے، (دوسری رکعت کے لیے)۔

نوٹ:۔

۳۸۵۔ جلسہ استراحت سے اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اُٹھیں۔ (بخاری)

← ابوداؤد (۸۴۳) ترمذی (۲۸۷) اور نسائی (۲/۲۳۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جو علماء جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں۔ انہوں نے ان احادیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ موٹاپے اور کبر سنی کی بناء پر تھا۔ مگر یہ تاویل بلا دلیل ہے حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ مالک بن حویرث "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" حدیث کے راوی ہیں انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جو صفات بیان کی ہیں وہ سب اس (حدیث کے) حکم میں داخل ہیں۔۔ فتح الباری (۲/۳۰۲)۔

شیخ البانی فرماتے ہیں کہ جلسہ استراحت کو اس امر پر محمول کرنا کہ یہ حاجت کی بناء پر تھا۔ نہ کہ عبادت کی غرض سے۔ لہٰذا یہ مشروع نہیں۔ جیسا کہ احناف وغیرہ کا قول ہے باطل ہے اور اس کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ دس صحابہ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز میں داخل ہونے پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اگر انہیں یہ علم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بوقت ضرورت کیا ہے تو ان کے لیے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز میں داخل کرنا جائز نہ تھا۔ ارواء الغلیل (۲/۸۳)۔

دس صحابہ سے شیخ کی مراد حدیث ابو حمید ساعدی والا واقعہ ہے۔ اور یہ حدیث اس کتاب میں مفصل مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۲۵۳)

۳۸۵ — یہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کو بخاری (۸۲۴) نسائی (۲/۲۳۴) ابن جارود (۲۰۳) ابن منذر نے "اوسط" (۳/۱۹۸) میں طبرانی نے کبیر" (۱۹/۲۸۷، ۲۸۹) میں اور بیہقی (۲/۱۲۳-۱۲۴) نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکتے ہوئے مٹھیاں بند رکھیں۔ جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مروی ہے۔ اس حدیث کو حربی نے "غریب الحدیث" میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ شیخ البانی نے کہا ہے۔

شیخ البانی نے "احادیثِ ضعیفہ" (۲/۳۹۲) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے "صفۃ الصلاۃ" (۱۲۰) اور "تمام المنۃ" میں صالح کہا ہے۔ تفصیل "تمام المنۃ" (۱۹۶، ۲۰۲-۲۰۷) میں دیکھیں۔

تنبیہ: بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیروں کے بل اُٹھتے تھے اور بعض میں ٹیک لگا کر اُٹھنے سے منع کیا گیا ہے مگر ان روایات میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے ان روایات کی تفصیل اور ان کی اسانید پر بحث کے لیے درج ذیل ←

دوسری رکعت

اب آپ نے دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر دعائے افتتاح سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وغیرہ نہیں پڑھنی[1]۔ سورۂ فاتحہ اور قرآن سے کچھ پڑھ کر بدستور رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، دوسرا سجدہ کر کے پھر اُٹھ کر اپنے بائیں پاؤں کو موڑ کر اس پر بیٹھ جائیں۔ اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں۔

تشہد میں بیٹھنا!

(اس کو قعدۂ نماز بھی کہتے ہیں)

۳۸۶۔ دوسرا سجدہ کر کے اُٹھ کر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور دائیں ہاتھ کو

← کتب دیکھیں۔

"ترمذی مع تحقیق شیخ احمد شاکر (۲/ ۸۰) "مجموع نووی" (۳/ ۴۴۵-۴۴۶) اور سلسلہ احادیث ضعیفہ" (۲/ ۳۳۰ نمبر ۹۲۹-۹۶۷، ۹۶۸)۔

(۱) کیا دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں تعوذ بھی نہیں پڑھنا چاہیئے۔

اس کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

امام نووی کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں (مذہب شافعیہ میں) صحیح یہ ہے کہ ہر رکعت میں تعوذ مستحب ہے۔ ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔

عطاء نخعی، حسن، ثوری اور ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ یہ پہلی ہی رکعت کے ساتھ خاص ہے۔ "مجموع" (۳/ ۳۲۶)۔

علامہ ابن حزم بھی اسی طرف گئے ہیں کہ تعوذ ہر رکعت میں ہے، بلکہ انہوں نے تو اس آیت (فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) کے پیش نظر اس کو فرض کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "محلی" (۳/ ۲۴۷)۔

شیخ البانی نے بھی ہر رکعت ہی میں تعوذ پڑھنے کو اختیار کیا ہے "صفۃ الصلاۃ" (۱۲۱) قرآنی عموم (فاذا قرأت القرآن....) سے بھی تائید اسی مسلک کی ہوتی ہے کہ ہر رکعت میں تعوذ پڑھا جائے دیکھیں "تلخیص الحبیر" (۱/ ۲۳۰)۔

مسئلے کی تفصیل کے لیے مذکورہ کتب کے علاوہ درج ذیل کتب بھی دیکھیں اوسط ابن منذر (۳/ ۸۹) زاد المعاد (۱/ ۲۴۲) "نیل الاوطار" (۲/ ۱۹۸)۔

۳۸۶۔ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جس کو مسلم (۵/ ۸۰) ابو عوانہ (۲/ ۲۲۴ - ۲۲۵) دارمی (۱/ ۳۰۸) ←

اپنے دائیں گھٹنے پر رکھیں، اور بائیں ہاتھ کو اپنے بائیں گھٹنے پر رکھیں۔ (بلوغ المرام)

۳۸۷۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت کے اندر صحیح مسلم میں ہے۔ کہ دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھے۔ اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھے۔ معلوم ہوا۔ کہ نمازی کو رخصت ہے۔ چاہے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔ چاہے رانوں پر۔ اب آپ قعدۂ نماز میں تشہد پڑھیں، شہادت کے معنی ہیں صحیح اور سچی خبر کو ظاہر کرنا۔ جس میں دل زبان کی تصدیق کرنے والا ہو۔ اور تشہد گواہ ہونے کو کہتے ہیں۔ چونکہ التحیات کی خوبیوں بھری دُعا کے اخیر میں کلمہ شہادتین بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے معبودِ برحق ہونے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولُ اللہ ہونے پر دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کے ساتھ گواہ ہونا ہوتا ہے۔ اس لیے التحیات کو تشہد کہتے ہیں اور قعدہ کے معنی بیٹھنا۔ قعدۂ تشہد کے معنی ہُوئے نماز کے اندر توحید و رسالت پر دل کی سچائی، اور خلوص کے ساتھ گواہی دینے کے لیے بیٹھنا۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۳۸۸۔ "فَإِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلْ"

پس جب کوئی تمہارا بیٹھے (قعدہ) نماز میں پھر چاہیئے کہ پڑھے (یہ)؛

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (متفق علیہ)

عبادت زبان کی اور عبادت بدن کی اور عبادت مال کی صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ سلامتی ہو تم پر اے نبیؐ اور رحمت اللہ کی، اور برکتیں اس کی، اور سلامتی ہو ہم پر، اور اللہ کے نیک بندوں پر، گواہی دیتا ہوں مَیں یہ کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور گواہی دیتا ہُوں مَیں یہ کہ محمدؐ بندے اس کے اور بھیجے ہوئے اس کے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔ احمد (۲/۱۳۱) بیہقی (۲/۱۳۰) اور بغوی (۴/۶۷) نے روایت کیا ہے۔

۳۸۷۔ اس حدیث کی تخریج (۳۹۲) میں آرہی ہے۔

۳۸۸۔ یہ تشہد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو بخاری (۸۳۱، ۸۳۵) مسلم (۲/ ۱۱۶ - ۱۱۷) ابوعوانہ (۲/ ۲۲۹) ابوداؤد (۹۶۸) نسائی (۱/ ۱۴۳، ۵۰۰ - ۵۰۱) ابن ماجہ (۸۹۹) دارمی (۱/ ۳۰۸ - ۳۰۹) اور ابن خزیمہ (۷۰۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ رفع سبابہ

قعدۂ تشہد میں بیٹھ کر جب آپ التحیات پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت پر پہنچیں ___ تو انگشت شہادت سے اشارہ کریں۔ نماز میں انگلی کا اٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بابرکت اور عظمت والی سنت ہے۔ تشہد میں اللہ کے حضور دوزانو بیٹھ کر کلمہ شہادت پڑھنا خدا کی وحدانیت کا قولی اقرار ہے اور قولی اقرار کے ساتھ ہی انگلی کا اٹھانا توحید الٰہی کا فعلی اقرار ہے۔ سنت رفع سبابہ کی عظمت اور جلالت شان کا آپ اس امر سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

۳۸۹۔ هِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِيْ السَّبَّابَةَ۔ (رواه احمد)

شہادت کی انگلی کا اٹھانا (تشہد میں) بہت سخت ہے۔ شیطان پر لوہے (کے نیزہ مارنے) سے۔ اب اس کا ثبوت سنتِ رسولؐ سے ملاحظہ فرمائیں۔

۳۹۰۔ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِإِصْبَعِهٖ إِذَا دَعَا۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ

۳۸۹___ حسن درجے کی ہے۔

اس کو احمد (۲/ ۱۱۹) اسی طرح بزار (۵۶۳) طبرانی نے "دعاء" (۶۴۲ - ۶۴۳) میں ابن عدی (۶/ ۲۲۴۷) ابن حبان نے "ثقات" (۷/ ۴۴۸) میں اور بیہقی (۲/ ۱۳۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کی سند کثیر بن زید اسلمی کی وجہ سے حسن درجے کی ہے نیز "حلیۃ الاولیاء" (۷/ ۱۳۹) میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ایک شاہد بھی ہے۔

یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگلی کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اس کو دیلمی نے "فردوس" (۱/ ۱۵۶) میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند کی کیا حیثیت ہے واللہ اعلم۔ مگر اس کے ضعیف ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کو دیلمی نے ذکر کیا ہے۔

۳۹۰___ حسن درجے کی ہے۔

اس کو ابوداؤد (۹۸۹) نسائی (۳/ ۳۷ - ۳۸) اسی طرح ابوعوانہ (۲/ ۲۲۶)۔ بیہقی (۲/ ۱۳۱ - ۱۳۲) اور بغوی (۶۷۶) نے بھی روایت کیا ہے۔

کرتے تھے ساتھ اپنی انگلی کے جس وقت تشہد پڑھتے تھے۔

۲۹۱۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا (صحیح مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تھے نماز (کے قعدہ) میں رکھتے تھے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر، اور اٹھاتے تھے اپنی داہنی انگلی جو نزدیک انگوٹھے کے ہے۔ دعاء مانگتے ساتھ اس کے۔ (صحیح مسلم)

۲۹۲۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَإِشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ إِبْهَامَهُ عَلٰى إِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى۔ (رواہ مسلم)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے (نماز میں) تشہد پڑھنے کو تو اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا اپنی درمیانی انگلی کے بیچ میں رکھتے۔ (مسلم)

۲۹۳۔ حضرت وائل بن حجر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ... ثُمَّ جَلَسَ ..... وَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ

—— اس کی سند محمد بن عجلان کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔

اس حدیث کے آخر میں " وَلَا يُحَرِّكُهَا " کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو حرکت نہ دیتے۔ مگر اس میں یہ الفاظ شاذ ہیں تفصیل حدیث (۲۹۸) میں آرہی ہے۔

۲۹۱ — اس کو مسلم (۵/۸۰) ابو عوانہ (۲/۲۲۵) ترمذی (۲۹۴) نسائی (۳/۳۷) ابن ماجہ (۹۱۳) عبدالرزاق (۲/۲۴۸) احمد (۲/۱۴۷) ابن خزیمہ (۱۷) اور بیہقی (۲/۱۳۰) نے روایت کیا ہے۔

۲۹۲ — اس کو مسلم (۵/۶۹-۷۰) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۲/۲۳۵، احمد (۴/۳) عبد بن حمید نے " المنتخب من المسند" (۹۹) میں اور بیہقی (۲/۲۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۹۳ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابو داؤد (۷۲۷) نسائی (۲/۱۲۶-۱۲۷، ۳/۳۷) دارمی (۱/۳۱۴-۳۱۵) ابن جارود (۲۰۸) ابن خزیمہ (۷۱۴) ——

رَفَعَ اِصْبَعَہٗ۔ پھر رسولِ خدا سجدے کے بعد بیٹھے (التحیات پڑھنے کے لیے) اور حلقہ کیا حلقہ کرنا۔ (انگوٹھے کو بیچ کی انگلی کے وسطے میں رکھ کر) پھر اُٹھائی آپ نے انگلی اپنی"۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت رفع سبابہ کو ناظرین اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں شہادت کی انگلی اُٹھائی ہے۔ اس لیے میرے تمام بھائیوں اور بہنوں کو ضرور چاہیئے کہ وہ اپنے پیارے رسولؐ پاک کی پیاری سُنت پر عمل کرتے ہوئے التحیات میں انگلی اُٹھائیں۔ اس طرح کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچیں۔ تو اپنے انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے بیچ میں رکھ کر حلقہ بنا کر انگشت شہادت کو اَشْھَدُ کہتے ہی اٹھائیں (کہ زبان کے ساتھ انگلی بھی توحید کی شہادت دینے لگے) اور اِلَّا اللہ ختم کر کے گرا دیں، گویا بارگاہِ رب الارباب میں غلام دو زانوں بیٹھ کر اپنے قول و فعل سے اس کی وحدانیت کی صدق دل سے گواہی دے، تاکہ دل کی تصدیق سے زبان کی شہادت، علام الغیوب کی رضا کا موجب ہو اور شہادت کی نیت سے انگلی کی تلوار، بے نیام (یعنی کھڑی) ہو کر شیطان کو مجروح و مایوس کردے۔

انگلی اُٹھانے کی کیفیت

تشہد میں انگلی کا اُٹھانا تو یقیناً ثابت ہُوا۔ اب اس بات کی مزید تحقیق کرتے ہیں۔ کہ انگلی کے اٹھانے کی کیفیت اور صورت کیا ہے گزارش ہے۔ کہ تشہد کے معنی ہیں گواہ ہونا۔ اور التحیات میں دو گواہیاں دی جاتی ہیں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اس لیے التحیات کو تشہد کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے امام شافعیؒ کے نزدیک اِلَّا اللّٰهُ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا آیا ہے کہ زبان جب توحید کی گواہی دے تو انگلی فعلی گواہی دے کہ اللہ ایک ہے۔ ایسے ہی حنفیہ کے نزدیک بھی تہلیل کے وقت انگلیاں بند کر کے اشارہ کرے ــــ لیکن جب ہم احادیث صحیحہ پر غور کرتے ہیں۔ تو کسی حدیث سے لا یا اِلَّا اللّٰهُ کے

ــــــ ابن حبان (۴۸۵) طبرانی (۲۲/۳۵) بیہقی (۲/۱۳۲) اور احمد (۴/۳۱۸) نے زائدہ بن قدامہ کی سند سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابنِ خزیمہ، ابنِ حبان اور ابن قیم نے "زاد المعاد" (۱/ ۲۳۹) میں صحیح کہا ہے۔

البانی نے اس کو خود بھی صحیح کہا ہے اور ابنِ ملقن سے بھی اس کی صحت نقل کی ہے۔ دیکھیں "تحقیق المشکاۃ (۱/ ۲۸۷) اور "صفۃ الصلاۃ" (۱۲۳)

اس حدیث میں "ثُمَّ رفع اِصبعہ" کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں: "فرأیتہ یحرکھا یدعو بھا" میں نے دیکھا کہ آپ اسے (انگلی کو) ہلا رہے تھے۔ اس کے ساتھ دُعا کر رہے تھے"۔

وقت اشارہ کرنا ثابت نہیں ہوتا[1]۔ ایسے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ جب نماز میں بیٹھتے۔ تو انگشت شہادت سے اشارہ کیے ہوتے یعنی شروع التحیات سے اخیر تک اشارہ کئے رہتے۔

۳۹۴۔ صحیح مسلم میں ہے، كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا۔

"جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی کو اُٹھاتے اس سے دُعا کرتے۔"

یہ عبارت بتارہی ہے۔ کہ آپ نماز میں بیٹھ کر دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھتے۔ اور اس وقت ہی انگلی کا اشارہ بھی شروع کر دیتے۔ فَدَعَا بِهَا دُعا کرتے ساتھ انگلی کے۔ یعنی جب تک انگلی کھڑی رکھتے دُعا پڑھتے رہتے اور ساری التحیات دُعا ہی ہے۔ تو بہتر طریق انگلی اٹھانے کا یہ ہُوا کہ التحیات میں بیٹھتے ہی انگوٹھے کو درمیان کی انگلی کی جڑ میں رکھ کر باقی انگلیاں بند کر کے انگشت شہادت کو کھڑی کر دیں۔ اس طرح کہ ذرا خم رہے۔

۳۹۴۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کی تخریج حدیث نمبر (۳۹۱) میں گزری ہے۔

[1] ۔ جب یہ ثابت نہیں تو اس سے چند سطور پہلے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہ "اشھد" کہتے ہی انگلی اٹھالیں اور "إلا الله" ختم کر کے گرادیں۔

شیخ البانی کہتے ہیں کہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" کہنے پر انگلی اٹھانا اور اس کے کہنے کے بعد انگلی کو رکھ دینا اس کی کوئی اصل نہیں، حتی کہ اس کے بارے میں کوئی من گھڑت روایت بھی نہیں "تحقیق المشکاۃ" (۱/ ۲۸۵) ایضاً "صفۃ الصلاۃ" (۱۲۴)

قلت: مسند احمد (۴/ ۷۰) مسند ابو یعلی (۹۰۸) طبرانی کبیر (۴/ ۲۱۷) اور بیہقی (۲/ ۱۳۳) میں خفاف بن ایماء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے تو انگلی سے اشارہ کرتے۔ جس سے آپ کی مراد توحید ہوتی۔

اس حدیث سے شافعیہ وغیرہ نے دلیل لی ہے کہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" پر اشارہ ہونا چاہیئے۔

اسی طرح علامہ صنعانی نے کہا ہے کہ اشارے کا مقام "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" کہنے کے وقت ہے۔ کیونکہ بیہقی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل روایت کیا ہے اور اشارے سے توحید اور اخلاص کی نیت ہونی چاہیئے۔ سبل السلام (۱/ ۳۱۹)

مگر اس حدیث سے دو وجوہ کی بنا پر دلیل لینا صحیح نہیں۔

۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۲۔ اس میں ہرگز یہ صراحت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" کہنے پر اشارہ کرتے تھے۔

حاصل کلام اشارے کے محل کے تعین کے بارے میں کوئی صریح صحیح روایت نہیں ہے بلکہ احادیث کے ظاہر سے ــــــ

۳۹۵ – کہ ابُوداؤد میں قد حنا ھا شیئا کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو تھوڑا سا جُھکائے ہُوئے تھے۔

۳۹۶ – "لَا یجاوز بصرہ اشارتہ" اپنی نگاہ اشارے کے مقام پر رکھتے۔ تو خمیدہ انگشت کے اشارے سے ساری التحیات پڑھیں۔ جب التحیات ختم کرلیں تو پھر انگلی رکھ دیں۔

۳۹۷ – اسی طرح وائل بن حجرؓ کی حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا التحیات میں بیٹھنا اور انگلی سے اشارہ کرنا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت وائلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دوسرے سجدہ سے اُٹھ کر) بیٹھے۔ اور دو انگلیوں کو بند کیا (چھنگلیا اور اس کے پاس والی کو) اور حلقہ کیا (انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے) اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کیا۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے بھی، اور جتنی حدیثیں اشارہ کے متعلق آئی ہیں سب سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ التحیات میں بیٹھتے ہی آپ حلقہ بنا لیتے اور انگلی سے اشارہ کرنے لگتے۔ اور التحیات پڑھتے جاتے جو مشتمل ہے دُعاء۔ ذکر۔ اور تشہد پر۔

۳۹۸ – مشکوٰۃ شریف میں ابُوداؤد اور دارمی شریف کے حوالے سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یُحرِّکُھا بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی اٹھائی اور اس کو ہلاتے تھے اور اس حدیث کے

← جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ شروع تشہد ہی سے انگلی اٹھانی چاہیئے۔ جیسا کہ مولانا مبارکپوری نے "تحفۃ الاحوذی" (۱/) میں کہا ہے۔ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت "یحرکھا" کے مطابق سلام کے پھیرنے تک اسے حرکت دیتے رہنا چاہیئے۔

۳۹۵ – ضعیف ہے۔

یہ نمیر خزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کو ابُوداؤد (۹۹۱) اسی طرح نسائی (۳/۳۹) احمد (۳/۴۷۱) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۸/۱۱۶-۱۱۷) میں ابنِ خزیمہ (۷۱۵-۷۱۶) ابن منذر (۳/۲۱۶) ابنِ حبان (۴۹۹) طبرانی نے "دُعاء" (۶۳۶) میں اور بیہقی (۲/۱۳۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ نمیر سے اس کو ان کے بیٹے مالک نے روایت کیا ہے اور یہ غیر معروف ہے۔ جیسا کہ ابنِ قطان اور ذہبی نے کہا۔ ملاحظہ ہو "میزان الاعتدال" (۳/۴۲۹) اور "تہذیب التہذیب" (۱۰/۲۲)

۳۹۶ – حسن ہے۔

یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ جس کو احمد (۴/۳) ابوداؤد (۹۹۰) نسائی (۳/۳۹) ابُو یعلیٰ (۶۸۰۷) ابن خزیمہ (۷۱۸) ابُو عوانہ (۲/۲۲۶) اور بیہقی (۲/۱۳۲) نے روایت کیا ہے۔

۳۹۷ – صحیح حدیث ہے اس کو ابُوداؤد (۹۵۷، ۷۲۶) اور نسائی (۲/۳۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۹۸ – یہ حدیث نمبر ۳۹۳ میں گزر چکی ہے اور حدیث عبداللہ بن زبیر کی تخریج نمبر ۳۹۰ میں گزر چکی ہے۔ ←

آگے ہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، کہ تشہد پڑھتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگلی سے اشارہ کرتے وَلَا يُحَرِّكُهَا اور اسے ہلاتے نہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ انگلی کو رفع کے دوران ہلانا بھی درست ہے اور نہ ہلانا بھی درست ہے۔ جس نے انگلی کبھی نہیں ہلائی۔ اس کو کبھی کبھی ہلانی بھی چاہیئے۔ تاکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلانے کی سنت پاک پر بھی عمل ہوتا رہے۔ اور سنت زندہ رہے۔

انگلی کے ہلانے کا فلسفہ یہ ہے کہ جب انگلی کو کھڑا کیا تو اس نے توحید کی گواہی دی۔ کہ اللہ ایک ہے۔ پھر جب انگلی کو بار بار ہلانا شروع کیا تو اس نے بار بار ایک، ایک، ایک ہونے کا اعلان کیا۔ مثلاً دورانِ تشہد اگر انگلی کو سات یا آٹھ بار ہلایا تو اتنی مرتبہ ہی انگلی نے توحید کا اعلان کیا۔ گویا انگلی کھڑی ہوئی۔ اور بول بول کر ایک اللہ، ایک اللہ کہتی رہی۔ اور نمازی کے کیف کا یہ عالم ہو۔ کہ نظر انگلی کے رفع اور حرکت پر رکھے، دماغ وحدانیت کی آبشار دل پر گرائے۔ اور قلبِ عطشاں یہ آبِ حیات پیتا جائے۔

تنبیہ: حدیث وائل اور حدیث ابن زبیر میں جو تعارض پایا جاتا ہے۔ علامہ ابنِ قیم نے حدیثِ وائل کو صحیح کہتے ہوئے حدیث ابنِ زبیر کے تین جواب دیئے ہیں۔

۱۔ حدیث ابن زبیر میں " وَلَا يُحَرِّكُهَا " کی صحت محل نظر ہے۔

۲۔ اس میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ بحالت نماز کا ہے۔ مگر ان کا یہ جواب انتہائی عجیب ہے۔

۳۔ اگر اسے بحالتِ نماز بھی تسلیم کرلیں تو یہ روایت نافی ہے اور حدیث وائل مثبت ہے اور صحیح حدیث ہے اس کو ابو حاتم (ابن حبان) نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث مقدم ہوگی۔ زاد المعاد (۱/۲۳۸-۲۳۹)

شیخ البانی نے کہا ہے کہ "لا یحرکھا" کے الفاظ میرے نزدیک شاذ یا منکر ہیں۔ کیونکہ محمد بن عجلان اس پر ثابت نہیں رہے۔ انہوں نے کبھی اسے بیان کیا ہے اور کبھی نہیں اور یہی (عدم ذکر) درست ہے۔ اس حدیث کو ابن عجلان کی طرح دوسرے راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر انھوں نے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا لہٰذا اس کو حدیث وائل کے مقابلے میں پیش کرنا جائز نہیں۔

"تحقیق المشکاۃ" (۱/۲۸۷) ایضاً "تمام المنۃ" (۲۱۷-۲۱۸)

حدیث وائل میں جو "یحرکھا" کے الفاظ ہیں۔ بعض معاصرین نے ان میں بھی کلام کیا ہے۔ ان کے رد کے لیئے "تمام المنۃ" (۲۱۸-۲۲۲) دیکھیں۔

دوسری تنبیہ: حدیث وائل کی ایک روایت میں دونوں سجدوں کے درمیان اشارہ کرنے کا ذکر ہوا ہے اس کو عبدالرزاق نے (۲/۶۸-۶۹) ان سے احمد (۴/۳۱۷) اور طبرانی (۲۲/۳۴-۳۵) نے بھی روایت کیا ہے مگر یہ ایک راوی کی غلطی ہے تفصیل کے لیئے تمام المنۃ (۲۱۴-۲۱۶) دیکھیں۔

رفع سبابہ مختلف فیہ نہیں

رفع سبابہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ تمام محدثین اور فقہا تشہد میں انگلی اٹھانے پر متفق ہیں۔ فقہ کی کتابوں، جیسے ہدایہ، شرح وقایہ اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں بھی انگلی کا اٹھانا لکھا ہوا ہے۔ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ سب کا رفع سبابہ کی سنت پر پورا پورا اتفاق ہے۔(1) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک اُمتِ رسول ؐ میں سے کوئی امام یا فقیہہ رفع سبابہ کا مخالف نہیں ہوا، بلکہ سب نے اس سنت پاک پر عمل کیا ہے۔ لیکن افسوس! نہایت افسوس ان مولویوں پر جو مسلمانوں کو انگلی کے ساتھ توحید کی شہادت دینے کے فعلِ رسول ؐ سے روکتے ہیں۔ بلکہ انگلی اٹھانے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور عوام کو ان سے نفرت دلاتے ہیں اور ان کے مخالف سنت پراپیگنڈہ سے رفع سبابہ کرنے پر مسجدوں میں لڑائیاں تک ہو چکی ہیں۔ سنتِ رسول ؐ کو مٹانے والو! شافع روزِ جزاء کو کل کونسا منہ دکھاؤ گے ؟

---

(1) ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ (رفع سبابہ) میں صحابہ اور علماء سلف میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ امام اعظم اور صاحبین کا بھی یہی قول ہے۔ ہمارے متقدمین اور متاخرین مشائخ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ ماوراالنہر، خراسان، عراق اور بلاد ھند کی اکثریت جس پر تقلید غالب ہے۔ تحقیق اور قول سدید کی تائید سے دور ہے۔ ان کا اس سنت کو ترک کر دینا حجت نہیں۔

امام محمد اپنے موطا میں دیکھیں (ص ۱۰۷ حدیث ۱۴۴)۔ اس بارے میں حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو لیں گے اور ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ تزئین العبارۃ لتحسین الاشارۃ (ص ۶۰-۶۱)

کیدانی نے نماز کے محرمات کے بارے میں ایک باب باندھا ہے اور اس باب میں اس نے رفع سبابہ کا بھی ذکر کیا ہے خلاصہ کیدانی (ص ۲۱) مترجم فارسی و افغانی۔

ملا علی قاری کیدانی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اس سے خطائے عظیم اور جرم جسیم ہے۔ جس کا منشا، قواعد اصول اور مراتب فروع سے جہالت ہے۔ اگر اس کے بارے میں حسن ظن سے کام نہ لیں اور اس کے کلام کی تاویل نہ کریں تو اس کا کفر واضح اور ارتداد (مرتد ہونا) صریح ہے۔

کیا کسی مؤمن کے لیے جائز ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ثابت شدہ چیز کو حرام کہے اور ایسی چیز کے کرنے سے منع کرے، جس پر عامۃ العلماء پشت در پشت چلے آرہے ہیں حوالہ مذکور (ص ۶۶-۶۷)

خلاصہ کیدانی کا عربی محشی لکھتا ہے کہ تشہد کے وقت مسبحہ (شہادت کی انگلی) سے اشارہ کرنا احادیث صحیحہ ←

ناظرین! خدا آپ کو علماء ربانی کی مواعظ سے مستفید اور مشائخ حقانی کی نصائح سے مستفیض فرمائے عقل کی روشنی اور نور بصیرت عام کرے۔ اور آپ کو التحیات میں انگلی اٹھانے کی سُنّت پاک پر تازیست عمل کی توفیق دے کہ اس عمل سے آپ کی نماز کے حسن کو چار چاند لگیں گے۔ اللہ بہت راضی ہوگا اور سُنّت کی محبت کے سبب قیامت کو نبیٔ رحمت کی معیّت حاصل ہوگی۔ امید ہے۔ کہ ہر نماز کے تشہد میں آپ رفع سبابہ کو مدّنظر رکھیں گے۔

اَب قعدۂ تشہد سے تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے اٹھیں اور رفع یدین کریں۔

۳۹۹۔ ابُوحمیدؓ ساعدی کی روایت میں ہے۔ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ کَبَّرَ وَ رَفَعَ یَدَیْہِ۔ (ابُوداؤد وغیرہ) یعنی جب حضورؐ دو رکعت پڑھ کر (تشہد کے بعد) کھڑے ہوتے۔ تو "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اب آپ تیسری اور چوتھی رکعت بدستور پڑھ کر بیٹھ جائیں۔ اس آخری قعدہ میں رسُولِ خدا یوں بیٹھتے تھے۔

۴۰۰۔ اِذَا کَانَتِ السَّجْدَۃُ الَّتِیْ فِیْھَا التَّسْلِیْمُ اَخْرَجَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَقَعَدَ

۔۔۔۔ سے ثابت ہے اور یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں ہے۔ جسے علم حدیث سے ادنیٰ سی واقفیت ہے اور اس میں شک وہی کر سکتا ہے جو حدیثِ نبوی میں جہالت تام رکھتا ہو۔

۳۹۹۔ یہ حدیث نمبر (۲۵۳) میں گزر چکی ہے۔

دو رکعت سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرنا ابنِ عمرؓ، علی اور ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی وارد ہے۔

حدیث ابن عمر بخاری (۷۳۹)، ابُوداؤد (۷۴۱)، مصنف ابنِ ابی شیبۃ (۱/ ۲۳۵ - ۲۳۶) وغیرہ میں ہے۔ حدیث علی رضی اللہ عنہ ابُوداؤد (۷۴۴)، ترمذی (۳۴۲۳) کتاب الدعوات، باب ما جاء فی الدعاء عند افتتاح الصلوٰۃ باللیل ابن ماجہ (۸۶۴) اور دار قطنی (۱/ ۲۸۷) میں ہے۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔

حدیث ابو ہریرہ ابوداؤد (۷۳۸) اور صحیح ابن خزیمہ (۶۹۴) میں ہے۔ اور صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے دو رکعت سے اُٹھتے وقت رفع الیدین کے لیے حدیث ابوحمید کا حوالہ دیا ہے۔ جو ابوداؤد وغیرہ میں ہے اور یہ مناسب نہیں، کیونکہ یہی مسئلہ بخاری میں حدیث ابن عمر میں بھی ہے۔

۴۰۰۔ یہ بھی ابُوحمید ساعدی کی حدیث میں ہے۔ جس کی مفصّل تخریج نمبر (۲۵۳) میں ملاحظہ فرمائیں۔

مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (اَبُوداؤد وغیرہ)

بروایت (ابُوحمیدؓ ساعدی) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ سجدہ ہوتا۔ کہ بعد اس کے سلام ہے۔ (یعنی جب آخری رکعت کا دوسرا سجدہ کرکے فارغ ہوتے اور تشہد وغیرہ کے لیے بیٹھتے) تو اپنا بایاں پاؤں (دائیں طرف) نکالتے، اور اپنی بائیں جانب کو لہے پر بیٹھتے۔ پھر (تشہد، درود، اور دُعا پڑھ کر) سلام پھیرتے۔

نوٹ:۔ بائیں جانب کو لہے پر بیٹھنا تورک کہلاتا ہے۔ یہ سنت ہے۔ ہر مسلمان کو آخری قعدہ میں ضرور تورک کرنا چاہیئے۔

آخری قعدہ

آخری رکعت کے قعدے میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا، جب اس قعدے میں بیٹھیں۔ تو پہلے التحیات پڑھیں۔ جس طرح دوسری رکعت پڑھ کر آپ نے قعدہ میں پڑھا تھا۔ اور رفع سبابہ بھی بدستور کریں۔ التحیات ختم کرکے درود شریف ذیل پڑھیں، یہ درود شریف صحابہؓ کے پوچھنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا تھا۔ جو عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔

۱۰۴۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ؕ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(بخاری شریف)

یاالٰہی رحمت بھیج محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ پر جیسے تو نے رحمت بھیجی ابراہیم پر اور آلِ ابراہیم پر بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے یاالٰہی برکت بھیج محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ پر جیسے برکت بھیجی تو نے ابراہیم پر اور آلِ ابراہیم پر بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

۱۰۴ــــ اخرجہ البخاری (۳۳۷۰) فی "کتاب الانبیاء" ومسلم (۲/۱۲۶) فی الصلاۃ وابوعوانہ (۲/۲۱۲) وابوداؤد (۹۷۶) والنسائی (۳/۴۷) وابن ماجہ (۹۰۴) والدارمی (۱/۳۰۹) والبیہقی (۲/۱۴۷) من طریق ابن ابی لیلیٰ عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ۔

تنبیہ:۔ مؤلف کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ صحابی ہیں۔ جبکہ یہ تابعی ہیں اور اس حدیث کو انہوں نے کعب بن عجرہ صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

درود شریف کے بعد پڑھیں

۴۰۲ ـ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ دُعَآءً اَدْعُوْبِہٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلْ ـ (بخاری، مسلم)

حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ اے رسولِ خدا نماز میں دعا مانگنے کے لیے مجھے (کوئی) دعا سکھائیے (کہ میں اسے التحیات اور درود کے بعد پڑھا کروں) تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! پڑھ۔ (یہ دعا)

پہلی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ط (بخاری، مسلم)

یا الٰہی بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ بہت ظلم، اور تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا۔ پس بخشش اپنی ہی جناب سے مجھ کو بخش اور مجھ پر رحم کر بیشک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

لہ ۴۰۳ ـ ابی طلحہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک روز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریلؑ آیا اور اس نے کہا کہ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ اے محمدؐ! کیا یہ بات تجھے خوش نہیں کرتی کہ جو شخص تیری اُمت سے تجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، (یعنی تیرے لیے مجھ سے ایک بار رحمت طلب کرتا ہے) تو میں اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہوں، اور جو شخص تیری اُمت سے تجھ پر ایک بار سلام بھیجتا ہے۔ (یعنی تیرے لیے مجھ سے ایک بار سلامتی طلب کرتا ہے)، تو میں اس پر دس بار سلام بھیجتا ہوں۔ (النسائی، دارمی) ناظرین غور کریں کہ جب وہ آخری قعدہ میں نہایت خشوع اور حضور قلب سے درود شریف پڑھیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی دس گنا رحمتوں اور سلامتیوں سے نوازتے ہوئے اور گناہوں کی گٹھڑی کا بوجھ دور کر کے ان کے سر پر مغفرت کا تاج رکھ کر اپنے دربار (نماز) سے رخصت کرتا ہے۔ اور نماز میں ان کی دعاؤں کو قبول فرما کر دین و دنیا کی فلاح و بہبود عطا فرماتا ہے۔ پس مبارک ہو نمازیوں کو مسنون نماز۔ (محمد صادق)۔

---

۴۰۲ ـ اس کو بخاری نے "صحیح" (۸۳۴) اور "ادب مفرد" (۷۰۰)، میں بھی مسلم (۱۷/۲۷-۲۸) "الذکر والدعاء" ترمذی (۳۵۳۱) "دعوات" نسائی نے "سنن" (۳/۵۳) اور "عمل" (۱۷۹) میں بھی ابنِ ماجہ (۳۸۳۵) "دعا" ابنِ ابی شیبہ (۴۶/۶) ـ دار التاج) ←

دوسری دُعا

۴۰۴ ــ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ فِي الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ۔ (بخاری مسلم)

حضرت عائشہ روایت کرتے ہُوئے کہتی ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا مانگتے تھے نماز میں، (آخری قعدہ میں بعد تشہد اور درود کے) فرماتے (یہ)؛

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَاءِ وَافِتْنَةِ الْمَمَاتِ ط اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ ط۔ (بخاری ومسلم)

یاالٰہی تحقیق میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ کانے دجال کے فتنے سے اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ فتنہ زندگی سے اور فتنہ موت سے یاالٰہی تحقیق میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ گناہ سے اور قرض سے۔

ملاحظہ: دونوں دعاؤں میں سے آپ جونسی چاہیں پڑھ لیا کریں۔ اور اگر دونوں ہی پڑھا کریں۔ تو سبحان اللہ! دین ودُنیا کی فلاح وخیر اور مقاصد ومطالب حاصل ہوں۔

← احمد (۱/۳۰۳،۷)، ابُو یعلی (۲۱-۲۲) بیہقی (۲/۱۵۴) اور بغوی (۶۹۴) نے روایت کیا ہے۔

۴۰۳ ــ صحیح ہے۔

اس کو نسائی نے "سنن" (۳/۴۴،۵۰) اور "عمل" (۶۰) میں بھی دارمی (۲/۳۱۷) اسی طرح عبداللہ بن مبارک نے "مسند" (۵۰) اور "زہد" (۱۰۲۷) میں بھی ابن ابی شیبہ (۶/۳۲۶۔ دارالتاج) احمد (۴/۲۹-۳۰،۳۰) اسماعیل قاضی نے "فضل الصلاۃ" (۲) میں، ابن حبان (۲۳۹۱) طبرانی (۵/۱۰۲) حاکم (۲/۲۰،۴) بیہقی نے "شعب" (۴/۱۹۵) میں بغوی نے "شرح السنہ" (۵۸۲) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۲/۱۱۳-۱۱۴) میں روایت کیا ہے۔

اس کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ عراقی نے "تخریج احیاء علوم الدین" (۱/۳۶۷) میں اس کی سند کو جید کہا ہے۔ مگر اس کی سند میں سلیمان مولی حسن ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں اسی طرح ذہبی نے بھی "کاشف" میں مجہول کہا ہے۔ لیکن اس حدیث کے بعض طرق وشواہد ہیں۔ جن کی بنا پر یہ صحیح ہے۔

۴۰۴ ــ اس کو بخاری (۲/۸۳۲) مسلم (۵/۸۷) ابو داؤد (۸۸۰) نسائی (۳/۵۶-۵۷) ابوعوانہ (۲/۲۶-۲۳۷) بیہقی (۲/۱۵۴) ←

دُعا کی تشریح

عذابِ قبر

نماز میں قعدے جیسے قبولیتِ دُعا کے مقام میں عذابِ قبر سے بچنے کی دُعا کی گئی ہے۔ معلوم ہُوا کہ قبر میں کوئی اہم امر در پیش آنے والا ہے، یہ بات سب کو معلوم ہے۔ کہ ہر شخص نے قبر میں جانا ہے اور فرمودۂ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خدا کے بھیجے ہُوئے فرشتوں نے اس کی تمام زندگی کے اعمال کا جائزہ لینا ہے۔ سوال ہوگا۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ ـــ اور تیرا نبی کون ہے ـــ جو کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے گا۔ اس کے لیے قبر بڑے جیل (دوزخ) میں جانے سے پہلے حوالات کی صورت میں چھوٹا سا عذاب گھر بنا دیا جائے گا ـــ اور قیامت کو پھر اس کا مقدمہ آخری فیصلے کے لیے خدا کے حضور پیش ہوگا۔ فرمایئے؟ عذابِ قبر کس قدر خوفناک چیز ہے۔ اس لیے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدے میں عذابِ قبر سے خدا کے ساتھ پناہ مانگی ہے۔ اور امت کو تعلیم دی ہے، خدا ہم سب کو عذابِ قبر سے بچائے۔ آمین۔

ملاحظہ: قبر میں سوالوں کا جواب یہ ہے۔ میرا ربّ اللہ ہے۔ میرا دین اسلام ہے۔ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! ـــ مندرجہ ذیل حدیث کے الفاظ مجموعی طور پر بڑا موزوں جواب ہے:

۴۰۵۔ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا ط۔ (دارمی شریف)

"راضی ہُوئے ہم ساتھ اللہ کے ربّ ہونے پر، اور ساتھ اسلام کے دین ہونے پر اور ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر۔"

(نوٹ)، اذان کے جواب میں تیسری دُعا کے اندر مندرجہ بالا الفاظ پیچھے اذان کے باب میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ اذان کے بعد وہ دعا بھی پڑھا کریں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ قبر میں جواب آسان کر دے۔

← اور بغوی (۶۹۱) نے روایت کیا ہے۔

۴۰۵ ـــ ان کلمات کا ذکر ایک طویل حدیث میں ہے جس میں امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے تورات پڑھنے کا قصہ ہے اس حدیث کو دارمی (۱/۱۱۴-۱۱۵) خطیب بغدادی نے "تقييد العلم" (۵۲) میں اور دیگر أئمہ نے بھی روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس کتاب کی حدیث (۲۲۴) بھی دیکھیں۔

مسیح دجّال

قعدے کی دُعا میں مسیحؑ دجّال کے فتنے سے بھی خدا کی پناہ طلب کی گئی ہے۔ دجال قیامت کے قریب زمانے میں پیدا ہوگا۔ خدائی کا دعوٰے کرتے ہوئے لوگوں کو گمراہ کرے گا اور اپنے دجل وفریب کے کمالات سے خدا کے بڑے بڑے نیک بندوں کے ایمان کو بتلائے فتنہ کر دے گا۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا میں اس ملعون کے فتنے سے بچنے کے لیے بھی خدائے قدوس کی پناہ مانگی ہے۔ کیونکہ اس کی پناہ کے بغیر فتنوں سے کہیں بچاؤ نہیں ہے۔

جو لوگ اپنی زندگی میں دجّال نہیں پائیں گے۔ تو ان کے لیے اس دُعاء کو مانگنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ اس دُعا کی برکت سے ان کو دجال صفت لوگوں کے شر اور فتنے سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ ہر زمانے میں دجال صفت لوگ ضرور ہوتے ہیں نہ صرف دجال صفت ہی، بلکہ دجال کے کان کتر لینے والے۔

فتنۂ زندگی

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو فتنۂ زندگی سے بھی اللہ کی پناہ لینے کے لیے دُعا تعلیم فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ فتنۂ زندگی بھی کوئی بُری بلا ہے۔ جس سے بچاؤ پکڑنا ہمیں ضرور ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ انسان کی زندگی سن رشد سے لے کر تا دم واپسیں دُنیا کے اندر ایک امتحان ہے۔ عورت اور مرد کی جوانی ہی کو لیجیے۔ کہ یہ جوانی (دیوانی جوانی) کیا زندگی کے لیے کم فتنہ[۲] ہے، کوئی ہوش سنبھالتے ہی رومانی فتنوں کے ماحول میں ایسا گھر

---

[۱] دجال کے معنی ہیں جھوٹا فریبی، یہ ایک بڑے فتنہ انگیز یہودی کا لقب ہے جو اپنے کمال دجل سے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ چونکہ وہ گمراہی اور بے دینی کا ایک زبردست فتنہ کھڑا کرے گا۔ اس لیے اس کے فتنے سے بھی پناہ پکڑی ہے۔ اس کو مسیح دجال اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ ملی ہوئی ہوگی یعنی کانا ہوگا۔ مسیح کے معنی یہاں کانا کے ہیں۔ اور صرف اسی صُورت میں اس کے معنی کانا کے ہوں گے۔ جب کہ یہ لفظ (مسیح) دجّال کے ساتھ مقید ہو یعنی مسیح دجال کہیں۔ اور جب یہ لفظ (مسیح) اکیلا بولا جائے تو پھر اس کے معنی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ہوں گے۔ مسیح کے معنی سیر کرنے والا۔ اور آپ نے تبلیغ دین کی خاطر بہت سفر کیے ہیں۔ اس لیے مسیح ہوئے اور مسیح مسیحا سے بھی ہے۔ جس کے معنی ہے مبارک اور مسیح مسح سے بھی ہے۔ مسح کے معنی ہیں ہاتھ پھیرنا، اور آپ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ خدا کے حکم سے تندرست ہو جاتے تھے۔ اس لیے بھی آپ کا لقب مسیح ہوا۔ (محمد صادق)

[۲] اگر جوانی خدا کی مرضی کے مطابق گزرے تو رحمت الٰہی ہے، پھر تو اس پر فرشتے بھی رشک کریں گے اور اگر جوانی کی نیلم پری نفس کے اشاروں پر ناچنے لگے۔ تو پھر زندگی سراسر فتنہ ہی فتنہ بن جاتی ہے۔ (محمد صادق)

جاتا ہے۔ اس لیے شباب فتنۂ زندگی بن جاتا ہے۔ کئی کج بین خصال انسانوں کی تعمیر عبادت کو چشم و عارض کا طوفان بہائے جاتا ہے، بہتیروں کا شاہین ایمان زُلفِ عنبرین کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض قدِ یار کے عالم کے فتنے میں پڑ کر فتنۂ محشر برپا کر لیتے ہیں، اور بعضوں کے نزدیک تو قیامت کا فتنہ، فتنہ سرو سہی قداں سے کم ہے، گلیوں اور محلوں میں، کوچوں اور بازاروں میں، گزرگاہوں اور شاہراہوں میں نظر فریب فتنہ ہائے حیات کی تزئین و آرائش غارت گرِ جنسِ دین و ایمان ہیں غرض انسانی زندگی کا رخشِ عمر اگر دین کے ہاتھوں بے لگام ہو جائے۔ تو سرتاپا فتنہ ہی فتنہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ جیسے قرب الٰہی کے مقام میں فتنہ ہائے زندگی (فِتْنَةِ الْمَحْيَا) کے جور و ستم سے الغیاث الاماں کی دہائی دینے کو کہا ہے۔ کیونکہ فتنوں سے بچنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ جب تک ہادیٔ مطلق کی توفیق اور مدد شاملِ حال نہ ہو۔ کوئی شخص نہ بدی سے بچ سکتا ہے اور نہ نیکی کر سکتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ (جو عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے)—۴۰۶— کا مطلب یہی تو ہے۔ کہ ہم اللہ کی توفیق و مدد کے بغیر نہ بدی سے بچ سکتے ہیں۔ اور نہ نیکی کر سکتے ہیں۔ اس لیے فتنۂ زندگی سے بچنے کے لیے نماز کے اندر خدا سے دُعا کرنے کو کہا ہے۔ پھر انسان اگر بیوی کو کسب حلال سے روٹی کپڑا دیگا اپنے بچوں کی ضروریات حلال کمائی سے پوری کرے گا تو یہ کام اس کے لیے خدا کی خوشی کا موجب ہوگا اور اس کا یہ خرچ انفاق فی سبیل اللہ قرار پائے گا۔ اور اگر اس کی آمدن کم ہے، اور بیوی اور عیال کی ضروریاتِ پوری کرنے کے لیے ناجائز مال حاصل کرتا ہے۔ دھوکے اور فریب سے مال بڑھاتا ہے اور ایسی کمائی بیوی اور بچوں کو کھلاتا ہے، تو اس صورت میں اس کی بیوی، اور بچے بھی اس کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔

الحاصل زندگی اگر خدا کی مرضی کے مطابق بسر ہو تو سراسر رحمتِ الٰہی ہے، اور اگر شتر بے مہار کی طرح گزرے تو سر سے پاؤں تک فتنہ ہی فتنہ ہے۔ اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ نبیِ رحمتؐ نے نماز کے اندر زندگی کے فتنوں سے بچنے کے لیے کیوں دُعا کرنے کو فرمایا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایسی دُعا مانگنا ہمارے لیے کس قدر ضروری ہے۔ جب کہ ہم کشتیٔ حیات میں بے اختیار بیٹھے ہیں اور فتنوں کا طوفان بلا کشتی کو گھیرے ہوئے ہے۔

۴۰۶۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کلمہ کو عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کہا گیا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے "دعاء" (۱۶۳۱) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

مذکورہ کتاب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اس کلمے کے بارے میں یہی کہا گیا ہے۔ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس کو عرش کے نیچے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کہا گیا ہے۔ دیکھیں "مسند احمد (۲/۲۹۸، ۳۳۵، ۳۶۳) اور "مستدرک

فتنۂ موت

رُوح کا جسم سے جدا ہونا موت کہلاتا ہے، موتِ انسانی زندگی کے خاتمہ کا وقت ہوتا ہے۔ جس شخص کا خاتمہ اچھا ہُوا۔ اس کی زندگی کے تمام اعمال صالح ٹھکانے لگ گئے۔ چنانچہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۴۰۷ - مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (ابوداؤد)

"جس کا آخر کلام (مرنے کے وقت) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہو۔ وہ بہشت میں داخل ہوگا۔"

چونکہ وہ وقت نہایت بے کسی اور بے لبسی کا ہوتا ہے۔ کرب و اضطراب کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس لیے شیطان اس وقت مرنے والے کو گمراہ کرنے کے لیے بہت زور لگاتا ہے۔ پس عالم نزع میں شیطانی حملہ سب سے بڑا فتنہ ہے، قعدہ و تشہد میں فتنۂ موت سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے، کہ خداوندا! ہمیں عالم نزع میں شیطانی حملوں سے بچانا۔ اور خاتمہ ایمان پر کرنا۔ پھر نزع کی سختیاں اور بے ہوشیاں بھی فتنۂ موت ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

۴۰۸ - اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ۔ (حزب الاعظم)

یا الٰہی موت کی بے ہوشیوں اور موت کی سختیوں پر میری مدد کر۔"

تو قعدہ میں فتنۂ موت سے بچنے کی دُعا مانگنے کا مطلب یہ ہُوا۔ کہ یا الٰہی! نزع کے وقت موت کی سختیوں اور بے ہوشیوں میں ثابت قدم رہ کر ایمان سلامت لے جانے میں اعانت اور دست گیری کرنا اور جس قسم کے فتنے بھی موت کے وقت خرابیٔ ایمان کا باعث ہو سکتے ہیں، ان سے بچانا۔ ناظرین غور کریں۔ کہ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی جامع دعا قعدہ میں پڑھنے کے لیے اُمّت کو سکھائی ہے۔

← جبکہ اس حدیث کی اکثر روایات میں اس طرح دیگر متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی اس کلمہ کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کہا گیا ہے۔ دیکھیں "مسند احمد" (۲/۳۵۵، ۴۰۳) بخاری (۴۲۰۴، ۶۳۸۴) مسلم (۱۷/۲۶-۲۷) ترمذی (۱۵۰۸) عمل الیوم واللیلہ للنسائی" (۱۳-۱۴، ۴۲) ابن ماجہ (۳۸۲۴-۳۸۲۶) اور "دعا طبرانی" (۱۶۳۲-۱۶۴۱)

۶۰۷ - اس حدیث کی تخریج نمبر ۶۵ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

۶۰۸ - ان الفاظ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس کو ابن ابی شیبہ (۶/۴۲ - دار التاج) احمد (۶/۶۴، ۷۰، ۷۷، ۱۵۱) نسائی نے "عمل" (۱۰۹۳) اور "وفاة" (۲۵) ابن تسنی نے "سنن" (۹۷۸) جنائز اور شمائل" (۲۴۳ مختصر) میں ابن ماجہ (۱۶۲۳) جنائز ابو یعلی (۴۵۱۰، ۴۶۸۸) طبرانی (۲۳/۳۴) حاکم (۲/۴۶۵، ۳/۵۶-۵۷) اور خطیب نے "تاریخ بغداد" (۷/۲۰۸) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ←

گناہ سے پناہ

پانچویں چیز جس سے قعدہ میں پناہ مانگنے کی دعا کی گئی ہے۔ وہ مَأْثَمَ یعنی گناہ ہے، ناظرین غور کریں۔ کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گناہ سے پناہ میں رکھے، اس سے بڑھ کر خوش قسمت انسان اور کون ہو سکتا ہے؟ اس کی زندگی نہ صرف اس کی اپنی ذات کے لیے ہی مبارک ہوگی۔ بلکہ غیروں کے لیے بھی مشعل راہ بن جائے گی۔

قرض سے عافیت

قعدہ تشہد کے مقام قبول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی چیز جس سے پناہ چاہی ہے، وہ مَغْرَمَ یعنی قرض ہے۔ یہ بات سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ قرض بُری بلا ہے۔ قرضدار کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہوتی ہے۔ قرض ایک تپ دق اور سوکھے کی شکل میں قرضدار کی ہڈیوں کو کھائے جاتا ہے اور مزید براں قرضدار ذلت کی زندگی گزارتا ہے۔

۴۰۹۔ رسولِ خدا جب جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ تو پہلے یہ دریافت کرتے تھے کہ میت مقروض تو نہیں؟ اگر جواب میں کہا جاتا نہیں حضورؐ! تو آپ جنازہ پڑھتے۔ اور اگر میت مقروض ہوتی۔ تو آپ جنازہ نہ پڑھتے اور فرماتے۔ جاؤ تم پڑھو۔

۴۱۰۔ صحیح حدیث میں ہے۔ کہ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سوائے قرض کے۔ حشر کے میدان میں

۔ اس حدیث میں "غمرات الموت" کے الفاظ ترمذی کے علاوہ باقی کتب میں نہیں ہیں۔
اس کو امام ترمذی اور حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۱۱/۳۶۲) میں حسن کہا ہے۔
امام حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی موسیٰ بن سرجس ہے۔ جو مستور ہے۔ جیساکہ "تقریب" میں ہے۔

اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت نزع یہ الفاظ پڑھ رہے تھے۔
ان سے ایک دوسری روایت میں اس موقع پر یہ الفاظ بھی منقول ہیں "لا إله إلا الله إن للموت سكرات" یہ روایت صحیح ہے۔ اس کو بخاری (۴۴۴۹، ۶۵۱۰) "مغازی و رقائق" طبرانی (۲۳/۳۱/۷۸) اور ابن عساکر نے "أربعین" (۷۷۔ ۷۸) میں روایت کیا ہے۔

۴۰۹ اس کے بارے میں متعدد احادیث میں دیکھیں "بخاری" (۲۲۹۸، ۲۲۹۸، ۹) کتاب "حوالہ و کفالہ" "مسلم" (۱۱/۶۰) فرائض" ابوداؤد (۳۳۴۳، ۲۲) "بیوع" ترمذی (۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰) "جنائز" "نسائی" (۴/۶۵۔ ۶۶) "جنائز" اور ابن ماجہ (۲۴۰۷، ۲۴۱۵) "کفالہ"۔

۴۱۰۔ یہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کو احمد (۲/۲۲۰) مسلم (۱۳/۳۰) حاکم (۲/۱۱۹) اللہ

قرض خواہ دامن گیر ہوگا۔ معلوم ہوا کہ قرض ایک بلا ہے۔ جو دنیا اور آخرت میں پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اسی لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر قرض کی بلائے جان اور آفتِ ایمان سے خدا کی امان چاہی ہے۔

ایک شخص نے رسُولِ خدا کو کہا۔ آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں؟ (یعنی یہ کونسی بڑی بات ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۱۴ — إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ۔ (متفق علیہ)

آدمی جب قرض دار ہوتا ہے۔ (اور قرض کی ادائیگی کے بارے میں) بات کرتا ہے۔ پھر جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے (کہ فلاں تاریخ کو دوں گا)۔ پھر خلاف کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

ہمارے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جنہوں نے ہم کو ایسی جامع، مکمل اور ہمہ گیر دُعا سکھائی کہ ہم اسے نماز کے اندر پڑھ کر اپنے دین و دُنیا کو آسودہ بنالیں۔ پس سب بھائیوں اور بہنوں کو چاہیئے کہ وہ نماز کے آخری قعدہ میں اوپر لکھی ہوئی دونوں دُعائیں بڑی عاجزی اور زاری سے پڑھا کریں۔ تاکہ خدا دین و دُنیا

— بیہقی (۹/۲۵) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے شواہد بھی ہیں جن میں ابُو قتادہ رضی اللہ عنہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیثیں بھی ہیں۔

۱۔ حدیث ابُو قتادہ کو مُسلم، ترمذی (۲/۱۲۱)، نسائی (۶/۳۴-۳۵) اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث سہل کو طبرانی (۶/۳۰۷)، حاکم (۲/۱۱۹) بیہقی (۹/۱۶۳-۱۶۴) اور خطیب نے "موضح" (۲/۱۲۹) میں روایت کیا ہے اس کی سند صحیح ہے۔

تنبیہ: ابُو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بری شہید کے قرض کے علاوہ باقی تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور بحری شہید کا قرض بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔

یہ ایک طویل حدیث ہے، جس کو ابن ماجہ (۲۷۷۸) اور طبرانی (۸/۲۰۰-۲۰۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے دیکھیں "ارواء الغلیل" (۵/۱۷/۱۱۹۶)۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پھوپھی رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ بری شہید کے قرض اور امانت کے علاوہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور بحری شہید کا قرض اور امانت بھی معاف کر دی جاتی ہے۔

مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اس کو ابن مندہ نے "مسند ابراہیم بن أدہم" (۲۶) میں ابُو نعیم نے "حلیہ" (۸/۵۱) میں ابن نجار نے "ذیل تاریخ بغداد" (۱/۱۰/۵) میں روایت کیا ہے۔

۱۱۴ — یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، جس کی تخریج (المبتکر) میں گزر چکی ہے۔

کی بھلائی عطا فرمائیے۔

حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی نورانی دعائیں بھی آخری قعدہ میں پڑھی ہیں۔ ناظرین انہیں بھی یاد کر کے ایمان کی بہار دیکھیں۔

تیسری دعاء

۴۱۲- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ط (مسلم)

اے اللہ تو میرے گناہوں کو معاف کر دے جو میں نے آگے کیے اور جو پیچھے کئے اور جو پوشیدہ کیے اور جو ظاہر کیے اور جو میں نے زیادتی کی اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی (اپنی درگاہِ عزت میں) آگے کرنے والا ہے اور (اپنی بارگاہِ جلال سے) پیچھے کرنے والا ہے۔ معبود صرف تو ہی ہے۔

ملاحظہ: رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون دعائیں سکھانے والا ہو سکتا ہے؟ اس دعا کا اندازِ گدائی کتنا جامع اور ہمہ گیر ہے۔ خدا سے درخواست ہے کہ میرے اگلے پچھلے، ظاہر، پوشیدہ گناہ، اور میری زیادتیاں بھی معاف کر دے۔ جن کا علم مجھ سے تجھے زیادہ ہے، ہو سکتا ہے کہ میرے علم میں میرے معاصی اور بدیاں نہ رہی ہوں، لیکن تیرے علم میں سب کچھ موجود ہے۔ میرے گناہوں کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ پس میرے وہ گناہ بخش دے جو میں کر کے بھول گیا ہوں۔ اور تو جانتا ہے۔

---

۴۱۲ ــــ یہ دعاء علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جسے مسلم (۶/۶۰) ترمذی (۳۴۲۱ - ۳۴۲۲) ابن خزیمہ (۷۲۳) ابن حبان (۲۹۷/۵) اور بیہقی (۳۲/۲) نے روایت کیا ہے۔

سند: یعقوب بن ابی سلمۃ الماجشون عن الاعرج بہ۔

یہ ہے اس حدیث کی سند، اس کو یعقوب بن ابی سلمہ سے ان کے بیٹے یوسف بن یعقوب نے اور ان کے بھتیجے عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ نے روایت کیا ہے۔

یوسف نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعاء کو تشہد اور تسلیم کے درمیان پڑھتے تھے۔ جب کہ عبدالعزیز نے اس کو سلام پھیرنے کے بعد پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک عبدالعزیز والی روایت ہی صحیح ترین ہے۔ اس لیے کہ اعرج سے جن کا نام عبدالرحمٰن بن ہرمز ہے اس حدیث کو عبداللہ بن فضل بن ربیعہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس نے بھی عبدالعزیز کی طرح اس دعا کو بعد از سلام پڑھنے کا ذکر کیا ہے

چوتھی دُعاء

۴۱۳ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثُّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ۔

(سنن نسائی)

خداوندا! مَیں تجھ سے نیک کاموں میں ثابت قدمی مانگتا ہوں، اور بھلائی پر مضبوطی کا طلب گار ہوں اور تیری نعمتوں پر شکر اور تیری اچھی (پُرخلوص) عبادت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم[1] اور سچی زبان کی درخواست کرتا ہوں اور تیری جناب سے اس بھلائی کا جویا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ جو تیرے علم میں ہے۔

---

[1] یعنی بُری خواہشوں اور شرکیہ قیدوں اور شیطانی عمل دخل سے پاک مبرا سلامتی والا دل ہے۔ (محمد صادق)

—— عبدالعزیز کی سند سے اس کو احمد (۱/ ۹۴ - ۹۵، ۱۰۲ - ۱۰۳) مُسلم (۲/ ۶۱) ابُو عوانہ (۲/ ۱۰۲) ابوداؤد (۷۶۰) ابن جارود (۱۷۹) ابن خزیمہ (۴۶۳) ابن حبان (۵/ ۴۷۲) اور بیہقی (۲/ ۱۸۵) نے روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن فضل کی سند سے اس کو احمد (۱/ ۹۴ - ۹۵) ابوداؤد (۷۶۱) اور ترمذی (۲/ ۲۴۲) نے روایت کیا ہے۔

یوسف بن یعقوب کی سند سے یہ اوپر مذکورہ کتب میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس دُعا کو سلام کے بعد پڑھا جائے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

۴۱۳ — صحیح ہے۔

اس کو نسائی (۳/ ۵۴) اسی طرح ترمذی (۳۴۰۷) "دعوات" احمد (۴/ ۱۲۵) ابن حبان (۲۶۱۶) طبرانی نے "کبیر" (۷/ ۲۵۱ - ۲۵۲) اور "دعاء" (۶۲۶ - ۶۲۹) میں بھی حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" (۲۷) میں ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۱/ ۲۶۷) میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس کے متن میں بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعا کو نماز میں پڑھتے تھے۔ دوسری روایت میں اس کے مطلقاً پڑھنے کا ذکر ہے۔ تیسری روایت میں ہے کہ ہمیں اس کی تعلیم دیتے تھے۔ چوتھی روایت میں نماز میں پڑھنے کی تعلیم دینے کا ذکر ہے اور اس کی ایک پانچویں ——

پانچویں دُعاء

۴۱۴۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ

۔ روایت میں ہے کہ ہمیں نماز میں یا نماز کے بعد ان کلمات کے پڑھنے کی تعلیم دیتے۔

بہر حال یہ دُعا، دُعاء کی حد تک صحیح ثابت ہے۔ کیونکہ اس کی شداد رضی اللہ عنہ سے چار اور سندیں بھی ہیں۔ ان مختلف سندوں سے اس کو احمد (۴/۱۲۳) خرائطی نے "شکر" (۵) میں ابن حبان (۲۴۱۸) طبرانی نے "کبیر" (۷/۳۳۵، ۳۴۵) اور "دعاء" (۶۳۰-۶۳۲) میں حاکم (۱/۵۰۸) اور ابو نعیم نے "حلیۃ" (۱/۲۶۶، ۶/۷۷-۷۸) میں روایت کیا ہے۔

اس کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور یہ اپنی مختلف سندوں کی بناء پر صحیح ہی ہے۔

اس حدیث کی یہ سندیں اگر شیخ البانی کے بھی پیشِ نظر ہوتیں تو وہ اس کو اپنی کتب "تحقیق المشکاۃ" (۱/۳۰۱) "تخریج الکلم الطیب" (۱۰۴) "تمام المنۃ" (۲۲۵) اور ضعیف الجامع" (۱۲۸۸) میں مطلق طور پر ضعیف نہ کہتے۔

نیز یہ دُعاء براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مروی ہے۔ جس کو طبرانی نے "کبیر" (۲/۲۵) اور "دعا" (۶۳۳) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

واضح رہے کہ حدیث شداد کی جو دوسری سندیں ہیں۔ ان میں اس دُعا کو نماز میں پڑھنے کی قید یا صراحت نہیں ہے۔ لیکن اسے نماز میں پڑھ لینے میں کچھ قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں تشہد پڑھنے کے بعد نمازی کو اپنی پسند کی دُعاء مانگنے کی اجازت مروی ہے۔

حدیث ابن مسعود کو بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی مفصل تخریج حدیث (۳۸۸) میں دیکھیں۔

حدیث ابو ہریرہ نسائی (۲/۵۸) اور بیہقی (۲/۱۵۴) میں ہے امام نووی نے "مجموع" میں اور حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۲/۲۲۲) اور تلخیص" (۱/۲۹۹) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

ان احادیث کے عموم کی بناء پر نماز میں ہر جائز اور اچھی دُعاء۔ جس کا تعلق خواہ دین سے ہو یا کہ دُنیا سے۔ جائز ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "صحیح ابن خزیمہ" (۱/۳۵۶) "مجموع" (۳/۴۶۹، ۴۷۱، ۴۷۲) "شرح مسلم" (۴/۱۱۷) "فتح الباری" (۲/۳۲۱) اور "نیل الاوطار" (۲/۲۷۲-۲۸۰)۔

۴۱۴۔ یہ استغفار شداد بن اوس، جابر، براء اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے۔

حدیث شداد کو بخاری نے "صحیح" (۶۳۰۶، ۶۳۲۳) اور ادب مفرد" (۶۱۷، ۶۲۰) میں ترمذی (۳۳۹۳) نسائی نے

فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ؕ (حصن حصین)۔

"اے اللہ! تو میرا پروردگار ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے تیرے۔ تو نے مجھ کو پیدا کیا۔ اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد اور وعدہ پر اپنے مقدور بھر قائم ہوں۔ میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل کی برائی سے، میں اقرار کرتا ہوں تیری نعمت کا جو مجھ پر ہے۔ اور اقرار کرتا ہوں اپنے گناہ کا۔ پھر تو مجھ کو بخش دے کہ گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا سوائے تیرے۔

سید الاستغفار

اس دعا کو سید الاستغفار کہتے ہیں، یہ گناہوں کی آگ کے لیے برفانی پانی ہے۔ اس سے معاصی کی تاریک رات سے بخشش کا سپیدۂ سحر پھوٹتا ہے، گناہوں کی ظلمتیں کافور ہو کر انسان سراپا نور ہو جاتا ہے۔ حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ بھائیو اور بہنو! آپ بھی اسے پڑھ کر سینے میں نور کی قندیل روشن کریں۔

بارگاہِ ایزدی سے رخصت

۴۱۵۔ عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہوئے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وائیں سلام پھیرتے (اور کہتے)

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ ؕ [1]

اور بائیں سلام پھیرتے (اور) کہتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ ؕ

---

[1] سلام ہو تم پر اور مہربانی اللہ کی۔

"سنن" (۸/۲۷۹-۲۸۰) اور "عمل" (۱۹، ۴۶۴) میں احمد (۴/۱۲۲، ۱۲۵) طبرانی نے کبیر (۷/۳۵۱، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶) "اوسط" (۲/۱۴) اور "دعاء" (۳۱۲-۳۱۶) میں ابن مندہ نے "توحید" (۲/۷۹، ۱۱۴) میں اور حاکم (۲/۴۵۸) نے روایت کیا ہے۔ حدیث جابر کو نسائی نے "عمل" (۴۶۷-۴۶۸) میں ابن سنی (۳۷۲) اور طبرانی نے "دعاء" (۳۱۱) میں روایت کیا ہے۔

۴۱۵ ــــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۹۹۶) ترمذی (۲۹۵) نسائی (۳/۶۲-۶۳) ابن ماجہ (۹۱۴) عبدالرزاق (۲/۲۱۸، ۲۱۹) ــــ

تسلیم بابرکات

۴۱۶ - عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَعَنْ شِمَالِهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ (رواہ ابوداؤد باسناد صحیح)

"وائل بن حجرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس سلام بھیجتے تھے آپ دائیں اپنے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور بائیں اپنے السلام

ـــــ ابن ابی شیبہ (۱/۲۹۹) احمد (۱/۳۹۰، ۳۹۴، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۳۸، ۴۴۴، ۴۴۸) ابنِ خزیمہ (۷۲۸) ابنِ جارود (۲۰۹) ابن حبان (۵۱۶-۵۱۷) دارقطنی (۱/۳۵۶-۳۵۷)۔ اور بیہقی (۲/۱۷۷) نے مختلف سندوں سے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور بیہقی (۲/۱۷۷) نے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ترمذی، ابنِ خزیمہ، ابنِ حبان اور عقیلی نے بھی۔ جیساکہ "تلخیص" (۱/۲۷۰) میں ہے۔ صحیح ہے۔

نیز اس کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ جن میں سے اس کے بعد میں آنے والی حدیث وائل رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ لقیہ شواہد "تلخیص" میں دیکھیں۔

۴۱۶ ـــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۹۹۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو نووی نے "مجموع" (۳/۴۷۹) میں ابنِ حجر نے "بلوغ المرام" (۱/۳۲۰۔سبل) میں اور البانی نے بھی "ارواء الغلیل" (۲/۳۱-۳۲) میں صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ نے تسلیمتین ہی میں "وبرکاتہ" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ مگر ابوداؤد کے جن نسخوں کا میں نے مراجعہ کیا ہے ان میں صرف تسلیمہ اولیٰ میں یہ الفاظ ہیں۔

مختصر سنن منذری (۱/۴۵۹) میں بھی صرف پہلے ہی سلام میں ان الفاظ کا ذکر ہے دوسرے سلام میں نہیں۔

ممکن ہے کہ ابوداؤد کے کسی نسخے میں دوسرے سلام میں بھی یہ الفاظ ہوں۔ کیونکہ امام نووی نے "مجموع" میں ابن حجر نے "بلوغ المرام" میں ابوداؤد کے حوالے سے اس حدیث میں دوسرے سلام میں بھی ان الفاظ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح "اذکار" (۵۶-۶۶) اور "تلخیص" (۱/۲۷۱) بھی دیکھیں۔

مؤلف نے اس حدیث کو چونکہ بلوغ المرام سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ "رواہ ابوداؤد باسناد صحیح" "بلوغ المرام" میں حافظ صاحب کا کلام ہے۔ اس لیے انہوں نے (مؤلف نے) یہاں تسلیمہ ثانیہ میں بھی "وبرکاتہ" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ ـــــ

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یعنی سلام ہو تم پر (اے نمازیو اور فرشتو) اور رحمت اللہ کی اور برکتیں اس کی۔ (روایت کی یہ حدیث ابوداؤد نے ساتھ صحیح سند کے)۔

سلام کی نیت

۴۱۷۔ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَ نَتَحَابَّ وَاَنْ يُّسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت سمرہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حکم دیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کہ نیت کریں ہم مقتدی سلام پھیرتے وقت) امام کو جواب دینے کی اور آپس میں محبت کرنے کی۔ اور یہ کہ سلام کرے بعض ہمارا بعض کو (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدیوں کو سلام پھیرتے وقت نیت کرنی چاہیئے کہ امام کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور دائیں طرف کے نمازیوں کو سلام کرتے ہیں اور بائیں طرف منہ پھیرتے وقت بائیں طرف کے نمازیوں کو سلام کرتے ہیں۔ نیز سلام سے آپس میں محبت کرنا بھی مقصود ہے۔ بعض روایتوں میں سلام کرتے وقت فرشتوں کی نیت کرنی بھی آئی ہے اور امام کو بھی سلام پھیرتے وقت مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیئے۔ (محمد صادق)

تسلیمتین میں "وبرکاتہ" کا اضافہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بعض روایات میں بھی ہے اور یہ "صحیح ابن حبان" (۵۱۶) میں ابواسحاق سے سفیان کی ایک روایت میں اور "صحیح ابن خزیمہ" (۷۲۸) میں ابواسحاق سے عمر بن عبید طنافسی کی ایک روایت میں ہے طنافسی کے طریق سے اس کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے بعض نسخوں میں یہ اضافہ ہے۔ دیکھیں "سبل السلام" (۱/ ۳۳۰-۳۳۱)۔

یہ سند صحیح ہے اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔ ابواسحاق مدلس ہیں مگر "مسند احمد" (۱/ ۴۰۸) میں اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے اپنے شیخ ابوالاحوص سے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

آخری عمر میں ان کا (ابواسحاق کا) حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا مگر سفیان ثوری کی ان سے روایت قدیم ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "ھدی الساری" (۴۳۱) میں کہا ہے۔

اس حدیث کی ایک دوسری سند میں بھی "وبرکاتہ" کا اضافہ ہے مگر اس میں صرف تسلیمہ اولی ہی میں یہ اضافہ ہے۔ اس سند سے اس کو ابویعلی (۵۰۵۱) اور طبرانی (۱۰/ ۱۵۶) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ سند ضعیف ہے۔

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بعض موقوفاً مروی روایات میں بھی یہ اضافہ ہے۔

ان روایات کو طیالسی (۱/ ۱۰۴) نے اسود بن یزید کی سند سے اور عبدالرزاق (۲/ ۲۱۹) نے ابو عبیدہ کی سند ←

اذکار بعد نماز

امام اور سب مقتدیوں کو مندرجہ ذیل اذکار اور اوراد، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلے ہوئے ہیں فرض نمازوں کے بعد پڑھنے چاہئیں۔ اور رسمی عبادت کے طریقوں سے دست بردار ہو کر مسنون طریقوں پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ مسنون اعمال ہی موجب رضائے الٰہی ہیں۔

ـــــــ سے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اسود کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، اس میں یہ اضافہ صرف تسلیم اولیٰ میں ہے۔

ابُوعبیدہ کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔ اس میں یہ اضافہ تسلیمتین میں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس حدیث کی بعض مرفوع اور موقوف روایات میں اس اضافہ کے وجوُد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں اس کی کوئی اصل ہے واللہ اعلم۔

امام نووی نے "مجموع" میں تو حدیث وائل بن حجر کو صحیح کہا ہے۔ جب کہ "اذکار" میں انہوں نے اس میں " وبرکاتہ " کے اضافے کو شاذ کہا ہے۔ مگر حافظ ابن حجر نے حدیث ابنِ مسعود کے متعدد طرق میں اس کے مروی ہونے کی بنا پر ان کا رد کیا ہے۔ دیکھیں " فتوحاتِ ربانیہ " (۳/۲۲)۔

۴۱۷ ـ اس کو ابوداؤد (۱۰۰۱) اسی طرح ابن ماجہ (۹۲۱-۹۲۲) طبرانی (۷/ ۲۵۹، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴) ابن عدی (۳/۱۱۷۱) دارقطنی (۱/۳۶۰) حاکم (۱/۲۷۰) بیہقی (۲/۱۸۱) اور بغوی (۷۰۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ سمرہ سے اس کو روایت کرنے والے حسن بصری ہیں اور یہ مدلس ہیں۔ ویسے بھی سمرہ سے ان کے سماع کے بارے میں اختلاف ہے۔

حسن بصری سے اس حدیث کو قتادہ نے روایت کیا ہے اور یہ بھی مدلس ہیں۔ مگر حافظ ابنِ حجر نے "تلخیص" (۱/۲۷۱) میں اس حدیث کو بزار کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ بزار کے یہاں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ یا کہ وہاں اس کی دوسری سند ہے۔ واللہ اعلم۔

سمرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے۔ مگر اس سند سے اس کے الفاظ دوسرے ہیں۔ اس سند سے اس کو ابوداؤد (۹۷۰) طبرانی (۷/۳۰۱-۳۰۲) اور بیہقی (۲/۱۸۱) نے روایت کیا ہے مگر وہ سند بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں دو تین راوی مجہول ہیں۔ اسی لیے حافظ ابنِ حجر نے کہا ہے کہ یہ سند مجاہیل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۴۱۸ ــ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ۔ (متفق علیہ)۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں رسولِ خدا کی نماز کا تمام ہونا تکبیر کہنے کے ساتھ پہچان لیتا تھا۔ (بخاری مسلم)

یعنی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کا سلام پھیر کر اونچی آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ امام مقتدیوں کو نماز سے فارغ ہوتے ہی ایک بار بلند آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا چاہیئے۔

۴۱۹ ــ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَّقَالَ ......"

حضرت ثوبان روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے پھرتے تو تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ فرماتے اور (یہ) پڑھتے۔

ذکرِ اوّل

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (مسلم)

یا الٰہی تو ہے سلام اور تجھ ہی سے ہے سلامتی برکت والا ہے تو اے صاحب بزرگی اور بخشش کے۔

دُعائے رسُولؐ میں زیادتی

جس طرح دُعائے اذان میں لوگوں نے اضافہ کر رکھا ہے، اسی طرح اس دُعا میں بھی لوگوں نے زیادتی کی ہوئی ہے، وہ زیادتی ملاحظہ ہو۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ الفاظ رسُولؐ ہیں۔ آگے یہ زیادتی ہے وَ

---

۴۱۸ ــ اس کو بخاری (۸۴۱-۸۴۲) مسلم (۵/۸۳-۸۴) ابوعوانہ (۲/۲۴۲-۲۴۳) ابوداؤد (۱۰۰۲-۱۰۰۳) نسائی (۳/۶۷-۶۸) عبدالرزاق (۲/۲۴۵) احمد (۱/۲۲۲، ۳۶۷) ابن حبان (۵/۶۱۰) طبرانی (۱۱/۴۲۴، ۴۲۷-۴۲۸) اور بیہقی (۲/۱۸۴) نے روایت کیا ہے۔

۴۱۹ ــ اس کو مسلم (۵/۸۹) اسی طرح ابوعوانہ (۲/۲۴۲) ابوداؤد (۱۵۱۳) ترمذی (۳۰۰) نسائی نے "سنن" (۳/۶۸-۶۹) اور "عمل" (۱۰۹) میں ابن ماجہ (۹۲۸) دارمی (۱/۳۱۱) احمد (۵/۲۷۵، ۲۷۹-۲۸۰) ابن خزیمہ (۷۳۷، ۷۳۸) ابن حبان (۵/۳۴۴) طبرانی نے "دعاء" (۶۴۹) میں ابن مندہ نے "توحید" (۲/۶۸-۶۹، ۱۲۰) میں بیہقی (۲/۱۸۳) اور بغوی (۷۱۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

اِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَ اَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ پھر تبارکت فرمودہ رسولؐ کے آگے رَبَّنَا و تعالیت کا اضافہ[1] ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ شروع اور اخیر میں رسولِ خدا کے الفاظ اور درمیان میں خود اپنی طرف سے دعائیہ جملے بڑھا کر حدیثِ رسول میں زیادتی کی ہوئی ہے۔ کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جملے بھول گئے تھے یا دُعا ناقص چھوڑ گئے تھے؟ جس کی تکمیل امتیوں نے کی ہے۔ اگر کوئی کہے ان بڑھائے ہوئے جملوں میں کیا خرابی ہے۔ ان کا ترجمہ بہت اچھا ہے، یہ بھی تو آخر دُعا ہی ہے اور خدا ہی کے آگے ہے؟ گذارش ہے کہ انسان اپنی مادری زبان میں یا عربی زبان وغیرہ میں جو دُعا چاہے اپنے مالک کے آگے کرے، جونسے جملے چاہے دُعا میں استعمال کرے کوئی حرج نہیں۔ خدا ارشاد فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْ پکارو مجھے "لیکن جس طرح قرآن مجید کی آیت میں اپنی طرف سے کچھ الفاظ بڑھانا منع ہے۔ اسی طرح حدیثِ رسولؐ میں بھی اپنی طرف سے الفاظ یا جملے زیادہ کرنے ناجائز ہیں۔ ایسا کرنے سے

---

[1] وتعتہ" اس دعا میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ کتب میں سے کسی ایک کتاب میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ دُعاء عائشہؓ، ابنِ مسعود اور عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی مروی ہے۔ مگر ان کی احادیث میں بھی اس دُعاء میں مذکورہ الفاظ نہیں ہیں۔

حدیث عائشہ کو مسلم، ابُوعوانہ، ابُوداؤد، ترمذی، نسائی نے "سنن" اور "عمل" (۹۴-۹۷) میں ابن ماجہ (۹۲۴) دارمی، احمد (۶/۶۲) طیالسی (۱/۱۰۲) ابن ابی شیبہ (۱/۲۶۸، ۲۷۰- دارالتاج) ابنِ حبان، طبرانی نے "دعا" (۶۴۴-۶۴۷) میں ابنِ سنی (۱۰۹) ابنِ مندہ نے "توحید" (۲/۶۹، ۱۲۰-۱۲۱، ۲۰۲) میں بیہقی (۲/۱۸۳) اور بغوی (۳/۲۱۷) نے روایت کیا ہے۔

حدیث ابنِ مسعود کو نسائی نے "عمل" (۹۸-۹۹) میں طیالسی (۱/۱۰۵) ابنِ ابی شیبہ (۱/۲۶۸، ۲۷۰) ابنِ خزیمہ (۷۳۶) ابنِ حبان (۵/۳۴۲) اور طبرانی نے "دُعا" (۶۴۸) میں روایت کیا ہے۔

حدیث ابنِ عمر یا ابنِ عمرو کو ابنِ ابی شیبہ (۱/۲۶۹، ۶/۳۳- دارالتاج) طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۳۳۹-۳۴۰) اور "دعاء" (۶۵۰) میں اور ابنِ مندہ نے "توحید" (۲/۱۲۱) میں روایت کیا ہے۔

ان تمام احادیث میں بھی مذکورہ الفاظ کا اضافہ نہیں۔

ان الفاظ کے بارے میں جزری نے "تصحیح جزری" میں کہا ہے کہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ قصہ گو لوگوں نے ان کو گھڑا ہے۔ دیکھیں "مرقاۃ" (۲/۳۵۸)۔

اسی طرح لفظ "تعالیت" کے بارے میں نجم الدین نے کہا ہے کہ یہ لوگوں کی طرف سے اضافہ ہے دیکھیں "کشف الخفاء" للعجلونی حدیث (۵۵۱)۔

تنبیہ: عجلونی نے مذکورہ کتاب میں حدیثِ ثوبان کو مسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد نجم الدین کا مذکورہ ←

دین کی اصل صورت قائم نہیں رہتی۔ اور دُعائے مذکور کتب احادیث میں ایک حدیث فرمانِ رسولؐ۔ اور دین کی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے جس میں زیادتی یا کمی کرنا دین میں دخل دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسند امام اعظمؒ میں بھی اس دُعا کی زیادتی کو

← قول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

"میں کہتا ہوں کہ لوگ اس میں " ذوالجلال والاکرام" سے پہلے " یا " کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔

مگر یہ ان کا وہم ہے اور انہوں نے یہ دعوٰی صرف "صحیح مسلم" ہی کو دیکھ کر ڈالا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں لفظ " یا " مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں موجود ہے۔ مثلاً " مسند احمد" "سنن النسائی"، دارمی، ابن ماجہ اور صحیح ابوعوانہ وغیرہ میں یہ لفظ ہے۔

اسی طرح یہ لفظ - لفظ یا - عائشہ، ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی ہے۔

دوسری تنبیہ: حدیث ثوبان میں جو کہ "سنن بیہقی" میں ہے۔ "ومنك السلام" کے بعد" والیك السلام" کے الفاظ بھی ہیں۔ مگر یہ الفاظ شاذ ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

یہ حدیث امام اوزاعی کی سند سے مروی ہے اور امام اوزاعی سے آگے اس کی بارہ سندیں ہیں۔ ان سندوں میں ایک ولید بن مسلم کی بھی سند ہے۔

اور ولید سے اس کو تین راویوں نے روایت کیا ہے اور وہ محمود بن خالد، عبدالرحمٰن بن ابراہیم اور داؤد بن رشید ہیں۔ پہلے دونوں نے تو اس حدیث کو ولید بن مسلم سے روایت کرتے ہوئے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا، ان کا ذکر صرف داؤد بن رشید کی روایت میں ہے۔ جو کہ "سنن بیہقی" میں ہے تو کیا اس حدیث میں یہ اضافہ داؤد بن رشید سے ہوا ہے۔؟

یہ بات کچھ بعید معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ داؤد کی سند سے یہ حدیث "صحیح مسلم" میں بھی ہے۔ بلکہ داؤد اس حدیث میں امام مسلم کے استاذ ہیں۔ مگر اس میں یہ اضافہ نہیں ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ "سنن بیہقی" میں یہ اضافہ داؤد بن رشید سے کسی نچلے راوی سے ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس دُعا میں " ومنك السلام" کے بعد "والیك السلام" کا جو اضافہ ہے۔ وہ شاذ ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی امام اوزاعی سے جو بارہ سندیں ہیں ان میں سے اس کا ذکر صرف ایک ہی سند میں ہے۔ بلکہ اس میں بھی اکثر راویوں نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

دارالافتاء کے ایک فتوٰی میں بھی مذکورہ الفاظ کو ضعیف کہا گیا ہے۔

یہ الفاظ شاذ یا ضعیف تو ہیں مگر اس فتوے میں جس طریقے سے ان کو ضعیف کہا گیا ہے اس طریقے سے مجھے اتفاق نہیں ہے اس فتوی میں ولید بن مسلم پر بحیثیت مدلس ہونے کے کلام کر کے ان الفاظ کو ضعیف کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو "مجلۃ البحوث الاسلامیہ" (عدد ۲۲ ص ۹۶ - ۹۷ فتوٰی ۶۰)

نوٹ کرکے بے اصل کہا ہوا ہے۔[1] دین کے معاملے میں ہمیں بہت محتاط رہنا چاہیئے اور بڑی تحقیق سے کام لینا چاہیئے۔ تمام ائمہ مساجد اور نمازیوں کو زیادتی کے الفاظ حدیث رسولؐ (دعائے مذکورہ) سے خارج کرکے صرف رسولِ پاک کی ہی اصل دُعا فرضوں کے بعد پڑھنی چاہیئے۔

ذکرِ دوم

۴۲۰ معاذ بن جبل روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ اے معاذ! میں تجھے دوست رکھتا ہوں میں نے کہا میں بھی آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا جب تو مجھے دوست رکھتا ہے (تو میں تیرا دوست تجھے کہتا ہوں کہ) ہر نماز (فرض) کے بعد یہ (ذکر) پڑھنا نہ چھوڑنا۔

رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ؎ (نسائی)

"اے ربّ میرے مدد کر میری اوپر ذکر کرنے اپنے کے اور شکر کرنے اپنے کے اور اچھی کرنے اپنی عبادت کے"۔

ملاحظہ:۔ اس ذکر میں حضور انورؐ نے خدا سے حسنِ عبادت کی مدد مانگی ہے۔ یعنی اچھی اور حسین عبادت کی توفیق خدا سے چاہی ہے۔ اس لیئے ہمیں چاہیئے کہ ہم نمازوں کو بہت اچھی اور حسین بنا کر خدا کے حضور پیش کریں۔ نمازوں کا حسن یہ ہے کہ ہم ان کو نہایت خضوع اور خشوع، اور حضورِ قلب کے ساتھ، ارکانِ اربعہ کی پوری تعدیل اور رعایت کو مدِنظر رکھ کر پڑھیں۔ اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کے زیور سے آراستہ کریں، اسی طرح ہر قسم کی عبادت کو خلوص، اور پورے پورے مسنون طریقے سے ادا کرنا حسنِ عبادت کہلاتا ہے۔

؎ ناظرین! ہم خدا کا ذکر، شکر اور عبادت ہر قسم کی قولی، بدنی، مالی، بغیر اس کی توفیق کے ہرگز نہیں کرسکتے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُعا میں اللہ سے التجا کی ہے کہ خداوندا اپنے ذکر، شکر اور عبادت کی آپ ہی ہمیں مدد اور توفیق عطا فرما تاکہ تیری دستگیری اور مدد سے آیندہ بھی اسی طرح نماز پڑھتے رہیں۔ اور تیرا ذکر اور شکر بھی جاری رکھ سکیں۔ سبحان اللہ! نبیؐ رحمت کے سوا اور کون ایسے وظیفے بتا سکتا ہے۔ (محمد صادق)۔

[1] ا۔ مؤلف رحمہ اللہ علیہ کے اس کلام کا مطلب میں سمجھ نہیں پایا۔ مجھے تو مسند امام اعظم میں سرے سے یہ دُعا ہی نہیں ملی۔ اگر واقعۃً اس میں یہ دُعا ہے۔ اور اس میں مذکورہ کلمات کا اضافہ بھی ہے تو کس نے ان کلمات کو بے اصل کہا ہے۔ بہر حال مولف کا یہ کلام انتہائی مبہم ہے۔

۴۲۰ صحیح حدیث ہے۔

اس کو نسائی نے "سنن" (۳/۵۳) اور "عمل" (۱۰۹) میں اسی طرح ابوداؤد (۱۵۲۲) بخاری نے "ادب مفرد" (۶۹۱) میں ←

ذکرِ سوم

۴۲۱ ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے پیچھے کہتے تھے (یہ)؛

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ۔ (بخاری و مسلم)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس کے سوا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہت اور اسی کے لیے ہے سب تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یا الٰہی نہیں کوئی روکنے والا تیری عطا کو اور نہیں کوئی عطا کرنے والا تیرے روکے گئے کو اور دولتمند کو (اس کی) دولت مندی تیرے عذاب سے نافع نہیں ہے۔

ذکرِ چہارم

۴۲۲ ۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے سلام پھیرنے

← احمد (۵/۲۴۴-۲۴۵، ۲۴۷)، عبد بن حمید (۱۲۰۔ المنتخب من المسند) ابن خزیمہ (۷۵۱) ابنِ حبان (۲۳۴۵) طبرانی نے "کبیر" (۲۰/۶۰-۱۲۵) اور "دُعا" (۶۵۴) میں ابنِ مندہ نے "توحید" (۲/۱۰۵) میں حاکم (۱/۲۷۳، ۳/۲۷۳-۲۷۴) اور ابونعیم نے "حلیہ" (۱/۲۴۱) میں صنابحی کی سند سے معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کو ابنِ خزیمہ، ابنِ حبان، حاکم، ذہبی، نووی نے بھی "مجموع" (۳/۴۸۶) اور "اذکار" (۶۹) میں صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے "بلوغ المرام" (۵۹) میں اس کی سند کو قوی کہا ہے۔

طبرانی کبیر (۲۰/۱۱۱) میں معاذ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے۔

۴۲۱ ۔ اس کو بخاری (۸۴۴) مسلم (۵/۹۰-۹۱) ابوعوانہ (۲/۲۴۳-۲۴۴) ابوداؤد (۱۵۰۵) نسائی (۳/۷۰-۷۱) اور دارمی (۱/۳۱۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

یہ دُعا ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں بھی ہے۔ حدیث ابن عباس کو بزار (۳۰۹۹) اور طبرانی (۱۲/۱۷۳) نے اور حدیث جابر کو بزار (۳۰۹۸) نے روایت کیا ہے۔

کے بعد پڑھتے تھے (یہ)

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (رواہ مسلم)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے ہے بادشاہت اور اسی کے لیے ہے سب تعریف، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہوں سے بازگشت اور عبادت پر قدرت (صرف) اللہ کی توفیق سے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم (صرف) اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ وہی ہے نعمت کا مالک اور اسی کی ملکیت ہے فضل (یعنی فضل اور نعمتیں صرف اسی کی طرف سے ہیں) اور اسی کے لیے ہے تعریف اچھی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں خاص کرنے والے ہیں ہم (صرف) اسی کی عبادت اگرچہ برا منائیں کافر۔

ذکر پنجم

۴۲۳۔ حضرت سعدؓ یہ کلمات اپنی اولاد کو سکھاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے پیچھے ان کلمات کے ساتھ پناہ پکڑتے تھے (یعنی پڑھتے تھے)

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ (رواہ البخاری)

یا الٰہی میں تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں کم ہمتی سے اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے بخیلی سے اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے بڑھاپے میں سترا بہترا ہونے سے اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے فتنہ دنیا سے اور قبر کے عذاب سے۔

۴۲۲۔ اس کو مسلم (۵/ ۹۱-۹۲) ابوعوانہ (۲/ ۲۴۶) ابوداؤد (۱۵۰۶-۱۵۰۷) نسائی (۳/ ۶۹-۷۰) ابن خزیمہ (۷۴۰) ابن حبان (۵/ ۲۵۰-۲۵۲) بیہقی (۲/ ۱۸۵) ابن ابی شیبہ (۶/ ۳۳- دار التاج) اور احمد (۴/ ۵۰۴) نے روایت کیا ہے۔

۴۲۳۔ اس کو بخاری (۲۸۲۲) "جہاد" ترمذی (۳۵۶۷) "دعوات" نسائی نے "سنن" (۸/ ۲۵۶، ۲۶۶، ۲۷۱-۲۷۲) "استعاذہ اور عمل" (۱۳۱-۱۳۲) میں احمد (۱/ ۱۸۳، ۱۸۶) ابن خزیمہ (۷۴۶) اور ابن حبان (۳/ ۲۸۴، ۵/ ۲۷۱) نے روایت کیا ہے۔

جبّن سے پناہ

اس دُعا میں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبن سے خدا کے ساتھ پناہ مانگی ہے۔ جُبن کے معنی بزدلی اور کم ہمتی کے ہیں۔ یعنی طاعتِ الٰہی پر ہمت ہارنا۔ بزدلی دکھانا۔ جب خدا کی عبادت اور فرمانبرداری پر انسان کی جُرأت ماری جائے، تو ایسا بُزدل شخص نہ دین کا رہتا ہے۔ اور نہ دُنیا کا۔ اس لیے جُبن جیسی بدخصلت سے حضورؐ نے پناہ مانگی اور اُمّت کو ہر نماز کے بعد پناہ مانگنے کا سبق دیا۔

بخل سے پناہ

بخل سے اس لیے پناہ مانگنے کو کہا ہے کہ بخل کے سبب علمی اور مالی منافع متعدی نہیں ہونے پاتے۔ بخیل دوسروں کو مال، علم، اور خیر خواہی سے فائدہ نہیں پہنچانا چاہتا۔ بخل کے باعث مال، علم، ہنر اور خیر خواہی محدود ہوتے ہوتے گم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس بدعادت سے بھی خدا کی پناہ لینی چاہیئے۔ غور کریں کہ یورپ بخل شکن ہو کر دنیا میں کہکشاں گیر ترقیاں کر گیا ہے اور ہم بخیل بن کر اپنے اسلاف کا نام بھی گم کر بیٹھے ہیں۔

ارذل عمر سے پناہ

ارذل عمر، ناکارہ عمر کو کہتے ہیں۔ جب کہ انسان بوڑھا پھُوس ہو کر عقل و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ تمام اعضا ضعیف ہو جاتے ہیں۔ ستراہترا ہو کر وبالِ جان بن جاتا ہے۔ خدا کی نعمتوں سے شکر بجا لانے اور عبادت کرنے سے رہ جاتا ہے۔ اس لیے ایسی بے سُودگی اور ناکارہ عمر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی جناب میں پناہ مانگنے کو کہا ہے یعنی ایسی عمر سے خدا بچائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا بوڑھا نہ کرے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا بڑھاپے میں ستراہترا نہ کرے۔ بلکہ اپنے فضل سے تادمِ واپسیں عبادت اور شکر کی توفیق اور عقل و ہوا اس کی صحت بحال رکھے۔

فتنۂ دُنیا

فتنۂ دُنیا اور فتنۂ زندگی دونوں کا مفہوم قریبًا ایک ہی ہے۔ اور فتنۂ زندگی کی مختصر تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

عذابِ قبر

عذابِ قبر کی تفہیم بھی ۔۔۔ بیان ہو چکی ہے۔

ذکرِ ششم

۴۲۴ ۔ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد پڑھے (یہ):

سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ بار۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۳ بار۔

پس یہ ہوئے ننانوے، اور سو پورا کرنے کے لیے پڑھے (یہ):

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے ہے بادشاہت اور اسی کے لیے ہے سب تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بخشے جائیں گے گناہ اس کے اگرچہ ہوں مانند دریا کی جھاگ کے۔ (رواہ مسلم)

۴۲۵ ۔ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص نماز فجر کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار۔ الحمد للہ ۳۳ بار۔ اللہ اکبر ۳۴ بار کہے گا۔ وہ ثواب سے ناامید نہیں ہوگا۔ (مسلم)

ذکرِ ہفتم

۴۲۶ ۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَاَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِیْ

---

۴۲۴ ۔ اس کو مسلم (۵/ ۹۵) ابو عوانہ (۲/ ۲۴۷ - ۲۴۸) نسائی نے "عمل" (۱۴۳) میں احمد (۲/ ۳۷۱، ۴۸۳) ابن خزیمہ (۷۵۰) ابن حبان (۵/ ۳۵۵ - ۳۵۶، ۳۵۹) بیہقی (۲/ ۱۸۷) اور بغوی (۷۱۸) نے روایت کیا ہے۔

۴۲۵ ۔ اس کو مسلم (۵/ ۹۴) ابو عوانہ (۲/ ۲۴۶ - ۲۴۷) ترمذی (۳۴۲) "دعوات" نسائی نے "سنن" (۳/ ۷۵) اور "عمل" (۱۵۵-۱۵۶) میں عبدالرزاق (۲/ ۲۳۶) ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۱۶ - دار التاج) طیالسی (۱/ ۱۰۵) ابن حبان (۵/ ۳۶۳) طبرانی (۱۹/ ۱۲۲- ۱۲۳) اور بیہقی (۲/ ۱۸۷) نے روایت کیا ہے۔

۴۲۶ صحیح ہے۔

دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ (رواہ ابوداؤد، احمد والنسائی)

کہ رسولِ خدا نے مجھے حکم کیا کہ میں ہر نماز کے پیچھے معوّذات[1] پڑھا کروں۔

ملاحظہ، معوّذات ان سورتوں کو کہتے ہیں، جن کے شروع میں اعوذ کا لفظ ہے۔ یعنی قرآن کی آخری دو سورتیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔

نوٹ:۔ معوذات لفظ جمع ہے، اور سُورتیں دو ہیں۔ معوذات اس لیے لائے ہیں کہ دو بھی اقل جمع ہیں۔ اور بعض سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کو معوذات میں داخل کرتے ہیں۔ تغلیبًا۔ یعنی آخری دو سُورتوں کو غالب کر کے چاروں کو معوذات سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ ناظرین خواہ آخری دو پڑھیں یا چاروں پڑھا کریں۔ دونوں طرح عمل معوذات پر ہو جائے گا۔

ذکرِ ہشتم

۴۲۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ میں نے اس منبر کے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا۔

مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

---

[1] قرآن کی آخری سورتوں میں مخلوق کی ہر قسم کی برائیوں سے خدا کی پناہ مانگی جاتی ہے۔ اس لیے ان کو معوذات کہتے ہیں (محمد صادق)

۔۔۔ اس کو ابوداؤد (۱۵۲۳) احمد (۴/۱۵۵، ۲۰۱) نسائی (۳/۶۸) اسی طرح ترمذی (۲۹۰۳) "فضائل القرآن" ابن خزیمہ (۷۵۵) ابن منذر نے "اوسط" (۳/۲۲۷) میں ابن حبان (۲۳۴۷) طبرانی نے "کبیر" (۱۷/۲۹۴ - ۲۹۵) اور "دعا" (۶۷۷) میں ابن سنی (۱۲۲) اور "حاکم" (۱/۲۵۳) نے بھی علی بن رباح لخمی کے واسطے سے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کی علی بن رباح سے آگے تین سندیں ہیں۔ جن میں سے ایک جید ہے اور دو شواہد میں حسن درجے کی ہیں۔ اس حدیث کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ کے یہاں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے معوذات پڑھنے کا حکم دیا" کی بجائے یہ ہے: "ہر نماز کے بعد معوذات پڑھو" یعنی عام خطاب ہے۔

۴۲۷۔ ضعیف حدیث ہے۔

"جو کوئی ہر نماز کے پیچھے آیۃ الکرسی پڑھے (تو) اس کو بہشت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی چیز نہیں روکتی۔"

مطلب یہ ہے کہ آیۃ الکرسی پڑھنے والا موت کے بعد سیدھا بہشت کو جائے گا۔ یعنی وقت قدر بر ف ۰۰ ت آنے کی دیر ہے۔ جب دُنیا کی زندگی موت نے ختم کی۔ تو یہ بہشت میں پہنچ گیا۔

ملاحظہ:۔ آیۃ الکرسی قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ جو تیسرے سیپارے کے دوسرے رکوع میں ہے۔ جن کو یاد نہیں آتی۔ وہ اسے یاد کریں۔ نمازوں کے بعد دوسرے اذکار کے ساتھ اسے بھی پڑھا کریں۔ آیۃ الکرسی کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اس کو بیہقی نے "شعب" (۵/۳۲۰) اور ابن جوزی نے "موضوعات" (۲/۲۴۳) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ حدیث (۴۲۸) میں تفصیل آ رہی ہے مگر یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ ان شواہد میں ابُوامامہ، مغیرہ بن شعبہ، ابن مسعود اور صلصال بن دلہمس رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱۔ حدیث ابُوامامہ کو نسائی نے "عمل" (۱۰۰) میں طبرانی نے "کبیر" (۸/۱۳۴) اور "دُعا" (۶۷۵) میں ابن سنی (۱۲۴) ابن جوزی نے "موضوعات" (۱/۲۴۴) میں ابن حبان نے "کتاب الصلوٰۃ" میں۔ جیسا کہ "ترغیب" (۲/۴۵۳) میں ہے اور وایلی نے۔ جیسا کہ قرطبی نے "التذکار فی أفضل الأذکار" میں کہا ہے۔ روایت کیا ہے۔

اس کی سند جید ہے، حافظ ہیثمی نے بھی اس کو جید کہا ہے، ابن حبان اور منذری نے اس کو صحیح اور دایلی نے اس کو حسن کہا ہے حافظ ابن کثیر نے "تفسیر (۱/۳۱۵) میں اور سیوطی نے "التعقبات علی الموضوعات" (۸) میں اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

منذری اور ہیثمی نے جو یہ کہا ہے کہ طبرانی نے اس کو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے یہ درست نہیں۔ کیونکہ ابُوامامہ رضی اللہ عنہ سے اس کی ایک ہی سند ہے۔ ہاں طبرانی کے یہاں اس حدیث کی سند کے ایک راوی محمد بن حمیر سے اس کی تین سندیں ہیں۔

تنبیہ: طبرانی کی ایک روایت میں آیت الکرسی پڑھنے کے ساتھ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ حافظ منذری نے تو اس روایت کی سند کو جید کہا ہے۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ جید نہیں۔

اس لیے کہ اس اضافے کا ذکر صرف محمد بن ابراہیم بن علا بن زبریق حمصی کی روایت میں ہے۔

اور اس محمد بن ابراہیم کے بارے میں ابن عوف نے کہا ہے کہ یہ حدیث کی چوری کیا کرتا تھا۔ اسی طرح ابن عدی نے بھی اُس میں کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کامل ابن عدی" (۶/۲۲۹۰) اور "میزان ذہبی" (۳/۴۴۷)۔

دوسری تنبیہ: ابُوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت کرسی کی تلاوت کرنے والا انبیاء کے دفاع میں لڑتے ہوئے شہید ہو جانے والے کی مانند ہوگا۔ اس کو ابن سنی (۱۲۳) نے

۴۲۸ ۔ مَنْ قَرَاَحِیْنَ یَأْخُذُ مَضْجَعَهٗ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰی دَارِهٖ وَ دَارِ جَارِهٖ وَ اَهْلِ دُوَیْرَاتٍ حَوْلَهٗ ۔ (شعب الایمان)

یعنی جو کوئی اسے سوتے وقت پڑھے گا۔ تو خداتعالیٰ اس کے گھر کو۔ اس کے ہمسایہ کے گھر کو۔ اور اس کے ہمسایہ کے اردگرد کے گھروں کو (آفتوں اور بلاؤں سے) امن وامان دیتا ہے۔

۔۔۔۔ روایت کیا ہے۔ مگر ان الفاظ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند یوں ہے۔

علی بن الحسن بن معروف حدثنا عبد الحمید بن ابراهیم البو التقی حدثنا اسماعیل بن عیاش عن داؤد بن ابراهیم الذهلی۔

ابُو امامہ رضی اللہ عنہ سے اس کو داؤد بن ابراہیم ذہلی نے روایت کیا ہے جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ اسی طرح شیخ البانی نے بھی "احادیث صحیحہ" (۲/۷۹) میں اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

داؤد سے روایت کرنے والے اسماعیل بن عیاش ہیں۔ جن کی غیر شامیوں سے احادیث ضعیف ہیں۔ اور داؤد کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ شامی ہے یا کہ غیر شامی، اگر شامی ہے تو کیا ثقہ بھی ہے۔ یا کہ نہیں؟

اسماعیل سے اس کو روایت کرنے والا عبد الحمید بن ابراہیم ہے، جو متکلم فیہ ہے۔ علامہ ذہبی نے "کاشف" (۲/۱۳۲) میں کہا ہے کہ اس کی تضعیف کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۱/۴۶۶) میں کہا ہے کہ صدوق ہے۔ مگر اس کی کتابیں ضائع ہو جانے کی وجہ سے اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

عبد الحمید سے اس حدیث کو علی بن حسن نے روایت کیا ہے۔ مجھے اس کا بھی ترجمہ نہیں ملا۔ اِلّا یہ کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب" (۶/۹۸) میں عبد الحمید سے روایت کرنے والوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ حدیث مغیرہ کو ابُو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۳/۲۲۱) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ابُو نعیم کا شیخ اور ان کے شیخ کا شیخ اگر دونوں ثقہ ہیں تو یہ حدیث شاہد بننے کے قابل ہے۔

۳۔ حدیث ابن مسعُود کو ابن عدی (۲/۹۲/۵) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔

۴۔ حدیث صلصال کو بیہقی نے "شعب" (۵/۳۲۲) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ اسے بس فائدے کی غرض سے ذکر کیا گیا ہے۔

حاصل کلام حدیث ابوامامہ اور بعض دیگر احادیث کو ملا لینے سے مذکورہ حدیث صحیح ہے۔

۴۲۸ ۔ انتہائی ضعیف ہے۔ ←

ستّر ہزار فرشتوں کی دُعائیں لینے کا وظیفہ

ذکرِ نہم

۴۲۹۔ حضرت معقل بن یسارؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص صبح کے وقت تین بار کہے (یہ) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ اس کے بعد سُورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے۔ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ سے اخیر سُورہ تک وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ سَبْعِیْنَ اَلْفَ مَلَکٍ یُصَلُّوْنَ عَلَیْہِ حَتّٰی یُمْسِیَ الخ۔ تو اللہ تعالےٰ

← یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کی تخریج حدیث (۴۲۷) کے شروع میں گذری ہے۔

اس کی سند میں نہشل بن سعید ہے، جس کی وجہ سے یہ انتہائی ضعیف ہے۔

نہشل کو ابو داؤد طیالسی اور اسحاق بن راہویہ نے کذاب کہا ہے، ابوحاتم اور نسائی وغیرہ نے اس کو متروک کہا۔ ملاحظہ ہو "تہذیب التہذیب" (۱۰/۴۲۷)۔

اس سخت ضعیف حدیث سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کفایت کرتی ہے جس میں ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت آیت کرسی کی تلاوت کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے ایک محافظ مقرر کر دیا جاتا ہے اور طلوعِ فجر تک شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔

اس حدیث کو نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ" (۹۵۹) میں ابن خزیمہ (۲۴۲۴) اور بیہقی نے "شعب" (۵/۳۲۵-۳۲۶) میں روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو بخاری (۲۳۱۱، ۳۲۷۵) "وکالۃ وبدء خلق" نے بھی تعلیقاً روایت کیا ہے۔ امام نووی نے "اذکار" (۸۵) میں اس کو موصول کیا ہے۔

نیز اس حدیث کے ترمذی (۲۸۸۰) احمد (۵/۴۲۳) "ہواتف ابن ابی الدنیا" (۱۷۴-۱۷۵) ابن حبان (۱۷۲۴) طبرانی (۴/۱۶۲-۱۶۴، ۲۰/۵۱-۵۲، ۱۰۱) اور حاکم (۱/۵۶۲-۵۶۳) کے یہاں شواہد بھی ہیں۔

۴۲۹۔ ضعیف ہے۔

اس کو ترمذی (۲۹۲۲) دارمی (۲/۴۵۸) اسی طرح احمد (۵/۲۶) ابن ضریس نے "فضائل القرآن" (۲۳۰) میں طبرانی نے "کبیر" (۲۰/۲۲۹) اور "دعاء" (۳۰۸) میں ابن سنی (۸۰) اور بیہقی نے بھی "شعب الایمان" (۵/۴۴۱-۴۴۲) میں روایت کیا ہے۔ ←

اس آدمی کے ساتھ ستر ہزار (....،) فرشتے متعین کر دیتا ہے جو اس کے لیے (صبح سے) شام تک (خدا کی جناب میں) دُعا کرتے ہیں (اس کے گناہوں کی بخشش، نیکیوں کی توفیق، اور بدیوں سے بچنے کے لیے) اور اگر مَر جائے اس دن تو مرتا ہے شہید، اور جو شخص پڑھے اس کو شام کے وقت (یعنی اسی طرح تین بار اعوذ۔ اور ایک بار سورہٴ حشر کی تین آیتیں) وہی مرتبہ پاتا ہے (یعنی ستر ہزار فرشتے شام سے صبح تک اس کے لیے دُعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

ناظرین! سورہ حشر سیپارہ ۲۸ کی آخری تین آیتیں زبانی کر لیں۔ اور یہ وظیفہ بھی دوسرے اذکار کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد اور شام کی نماز کے بعد پڑھ لیا کریں۔ تاکہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ستر ہزار فرشتے آپ کے لیے دین اور دُنیا کی بھلائیوں کی خدا کے حضور دُعائیں کرتے رہیں اور جس کے لیے فرشتے دُعا کریں۔ اسے اور کیا چاہیئے۔

ذکر دہم

۴۳۰۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّكَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ط اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ ط اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ ط اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اِجْعَلْنِيْ مُخْلِصًا لَّكَ وَاَهْلِيْ فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ فِي الدُّنْيَا وَ

سند: خالد بن طہمان عن نافع بن ابی نافع عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ۔

یہ سند ضعیف ہے۔ خالد بن طہمان، ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ وفات سے دس سال قبل ان کے حافظے میں اختلاط آگیا تھا۔ جو روایت بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی اسے اپنی مروی ہونے کا اقرار کر لیتے۔ ملاحظہ ہو "تہذیب التہذیب" (۸۶/۳)۔

علامہ ذہبی نے "میزان" (۶۳۲/۱) میں ان کے ترجمے میں اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ انتہائی غریب ہے۔

خالد بن طہمان نے اس حدیث کو نافع بن ابی نافع سے روایت کیا ہے، امام ابو حاتم کے قول کے مطابق یہ نافع بن ابی نافع، ابو داؤد نفیع بن حارث ہے دیکھیں "تہذیب التہذیب" (۳۶۷/۱۰ ایضاً ۴۲۰)۔

امام ابو حاتم کا اگر یہ قول درست ہے تو اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ نفیع بن حارث سخت ضعیف ہے، بلکہ ابن معین نے تو اسے کذاب کہا ہے۔

۴۳۰۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابو داؤد (۱۵۰۸) نسائی نے "عمل" (۱۰۱) میں اسی طرح احمد (۳۶۹/۴) ابن سنی (۱۱۴) بیہقی نے

الْاٰخِرَةِ ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ الْاَکْبَرُ۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

اے اللہ رب ہمارے اور رب ہر چیز کے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو تنہا اکیلا رب ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ رب ہمارے اور رب ہر چیز کے میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ اے اللہ رب ہمارے اور رب ہر چیز کے (میں گواہی دیتا ہوں) کہ تمام بندے آپس میں (دینی) بھائی ہیں۔ اے اللہ رب ہمارے ہر چیز کے (میری دعا ہے کہ) مجھ کو اور میرے اہل کو اپنا مخلص بنالے ہر گھڑی دنیا اور آخرت میں، اے بزرگی اور بخشش والے تو میری دعا سن اور قبول کر خدا بہت بڑا ہے۔ خدا مجھ کو کافی ہے اور اچھا کارساز ہے۔ خدا بہت بڑا ہے۔

ذکر یازدہم

۴۳۱۔ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ جَعَلْتَہٗ عِصْمَۃَ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ جَعَلْتَ فِیْھَا مَعَاشِیْ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ نِقْمَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ

← "اسماء وصفات" (۱۷۰-۱۷۱) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۸/ ۳۸۷ - ۳۸۸) میں ابومسلم بجلی کی سند سے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ ابومسلم کو ذہبی نے "دیوانِ ضعفاء" (۲/ ۵۱۱) میں مجہول کہا ہے۔ اسی طرح "میزان" (۴/ ۵۷۲) اور "مغنی" (۲/ ۸۰۸) بھی دیکھیں۔

ابومسلم سے اس کو داؤد بن راشد نے روایت کیا ہے اور اس میں کمزوری ہے۔

۴۳۱۔ صحیح ہے۔

اس کو نسائی نے "سنن" (۳/ ۷۳) اور "عمل" (۱۳۷) میں ابن خزیمہ (۷۴۵) ابن منذر (۳/ ۲۲۶) ابن حبان (۵۴۱) اور طبرانی نے "کبیر" (۸/ ۳۸ - ۳۹) اور "دعا" (۶۵۳) میں صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند میں ایک راوی ابومروان اسلمی ہے جس کے بارے میں نسائی نے کہا ہے کہ یہ معروف نہیں ہے۔

ابن سنی (۱۲۷ - ۵۱۵) میں یہ دعاء ابوبُرزہ (ایک جگہ بریدہ ہے) رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے۔ اس میں ہے کہ ←

لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ط (النسائی)

خداوندا! میرے لیے میرا دین سنوار دے۔ جس کو تو نے بنایا ہے میرے کام کی حفاظت کا سبب اور دُنیا بھی سنوار دے جس میں ٹھیرائی ہے تو نے زندگانی میری۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری خوشنودی کی تیرے غصہ سے اور پناہ مانگتا ہوں تیری معافی کی تیرے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے تیری سزا سے، کوئی رُکنے والا نہیں ہے جس چیز کو عطا کرے اور کوئی عطا کرنے والا نہیں جس چیز کو تو روکے اور کوئی ٹالنے والا نہیں اسے کہ فیصلہ کرے تُو اور نہیں نفع پہنچا سکتی دولتمند کو تیرے عذاب سے اس کی دولت مندی۔

ذکرِ دوازدہم

۴۳۲۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ خَطَايَايَ وَذُنُوْبِيْ كُلَّهَا۔ اَللّٰهُمَّ انْعَشْنِيْ وَاَحْيِنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَاهْدِنِيْ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ اِنَّهٗ لَا يَهْدِيْ لِصَالِحِهَا وَلَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ۔ (حصن حصین)

اے اللہ تو میری تمام (چھوٹی)، خطاؤں اور (بڑے) گناہوں کو معاف کر دے، اے اللہ میرا مرتبہ بلند کر اور مجھ کو زندہ رکھ اور مجھ کو غنی کر اور مجھ کو رزق دے اور مجھ کو ہدایت کر نیک اعمال اور اچھی عادتوں کی۔ کیونکہ نیکیوں کی ہدایت کرنے والا اور برائیوں سے پھیرنے والا سوائے تیرے (قطعًا) کوئی نہیں ہے۔

؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعاء کو نمازِ فجر کے بعد پڑھتے۔ مگر اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس دُعاء کے مختلف ٹکڑے مختلف احادیث میں ذکر ہوئے ہیں، جس بناء پر اسے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ اس کا پہلا ٹکڑا حدیث ابوہریرہ میں ہے جو مسلم (۱۷/۴۰) وغیرہ میں ہے۔ باقی ٹکڑوں کے لیے اس کتاب کی احادیث (۳۴۳، ۲۷۷، ۲۱۰) دیکھیں۔

۴۳۲ — صحیح ہے۔

یہ دُعا ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کو بزار (۳۱۹۲) طبرانی نے "کبیر" (۴/۱۲۵) اور "صغیر" (۱/۲۱۹-۲۲۰) میں اور حاکم (۳/۴۶۲) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں عمر بن مسکین ہے، جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے توثیق نہیں کی۔

مگر طبرانی (۸/۲۳۶، ۲۷۰، ۳۰۰) اور ابن سنی (۱۱۶) میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس حدیث کی شاہد ہے یہ حدیث اپنی دو سندوں کی بناء پر حسن درجے کی ہے۔ اس حدیث سے مل کر حدیث ابوایوب صحیح حدیث ہے۔

ذکر سیزدہم

۴۳۳۔ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْ لِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاهْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْهُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِرًا لَّکَ ذَاکِرًا لَّکَ رَاهِبًا لَّکَ مِطْوَاعًا لَّکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاهًا مُّنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاهْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ ط (ترمذی)

اے ربّ تو میری مدد کر اور نہ مدد کر میرے خلاف اور غالب کر مجھ کو اور نہ غالب کر (کسی کو) مجھ پر اور تدبیر بتا مجھ کو اور نہ تدبیر بتا (میرے دشمنوں کو) میرے خلاف اور ہدایت دے مجھ کو اور آسان کر ہدایت میرے لیے اور مدد دے مجھ کو میرے ظالموں پر اے رب میرے مجھے اپنا شکر کرنے والا اپنا ذکر کرنے والا ڈرنے والا حکم ماننے والا گڑگڑانے والا۔ اپنی طرف عاجزی سے رجوع کرنے والا بنا لے۔ اے رب قبول کر توبہ میری اور دھو ڈال گناہ میرے اور قبول کر دُعا میری اور ثابت رکھ دلیل میری اور سیدھی کر زبان میری اور ہدایت دے میرے دل کو اور نکال دے کینہ میرے سینہ سے ؎

بھائیو اور بہنو! رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلے ہُوئے یہ اذکار اور وظائف زبانی یاد کر لو۔ اور پانچوں نمازوں کے بعد ضرور پڑھا کرو حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر قیامت تک کے تمام اولیاء اللہ اگر اکھٹے ہو کر آپ کو کوئی وظیفہ بتائیں تو ان کا بتایا ہُوا وظیفہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہُوئے اذکار کے مرتبے کو حاشا وکلا ہرگز ہرگز نہیں پہنچ سکتا، بلکہ نبیِٔ رحمتؐ کے اذکارِ پاک تمام انبیائے الٰہی کے کلمات طیّبات کا نچوڑ ہیں۔ اس لیے نمازوں کے بعد ان وظائف کا پڑھنا اپنے رُوح کی غذا بنا لو۔ تمام مقاصد پُورے ہوتے رہیں گے۔ رحمت کی ہوائیں مطلع حوائج سے پریشانی کے بادلوں کو چھٹاتی رہیں گی۔ دُنیا کی بھلائیاں اور آخرت کی خوبیاں آپ کے گرد جمع ہوں گی۔

---

۴۳۳ ـــ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۳۵۵۱) "دعوات" اسی طرح بخاری نے "ادب مفرد" (۶۶۵-۶۶۶) میں ابُوداؤد (۱۵۱۰) نسائی نے "عمل" (۶۰۷) میں ابن ماجہ (۳۸۳۰) "دُعاء" ابن ابی شیبہ (۶/۵۰، دار التاج) احمد (۱/۲۲۷) عبد بن حمید (۱۷) ابن حبان (۲۴۱۴) طبرانی نے "دُعاء" (۱۴۱۱) میں حاکم (۱/۵۲۰) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۳/۴۶۳-۴۶۴) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا درست ہے

۴۴۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ ثم یقول اللّٰھم الٰھی و الٰہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب و اِلٰہ جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فِی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عن الفقر فانی متمسکن اِلاکان حقا علی اللہ عز وجل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔ (عمل الیوم واللیلہ لابن سنی)۔

جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہے۔ اللّٰھم الٰھی والٰہ ابراھیم .... الیٰ اخرہ تو خدا تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو نہیں پھیرتا نامراد۔"

۴۴۴۔ انتہائی ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابن سنی (۱۳۸) ابو شیخ نے "ثواب" میں اور ابن عساکر نے جیساکہ "اللآلی المصنوعۃ" (۱۸۲) میں ہے۔ روایت کیا ہے اس کی سند یوں ہے۔

اسحاق بن خالد بن یزید البالسی ثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن البالسی عن خصیف عن انس رضی اللہ عنہ۔

یہ سند سخت ضعیف ہے اس میں درج ذیل علل ہیں۔

۱۔ اسحاق بن خالد ضعیف ہے اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا ہے کہ اس نے متعدد منکر احادیث روایت کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ کامل (۱/۳۴۷) ایضاً "میزان" (۱/۱۹۰)۔

۲۔ عبد العزیز بن عبد الرحمٰن کی احادیث جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔ جیساکہ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے۔

عبد اللہ بن احمد اور ابن عدی کا کہنا ہے کہ اس کی خصیف سے بیان کردہ روایات باطل ہیں، ملاحظہ ہو "ضعفاء عقیلی" (۳/۵-۶) "کامل ابن عدی" (۳/۹۴۲۔ ترجمۃ خصیف، ۵/۱۹۲۷۔ ترجمۃ عبد العزیز)۔

حافظ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثقات سے بہت سی مقلوب اور اثبات سے غلط منسوب احادیث روایت کرتا ہے آگے چل کر کہتے ہیں کہ اس سے کسی بھی صورت میں حجت لینا جائز نہیں۔ "مجروحین" (۲/۱۳۸)

۳۔ خصیف بن عبد الرحمٰن "سی الحفظ" ہے۔ جیساکہ حافظ ذہبی نے "کاشف" میں اور حافظ ابن حجر نے ←

۴۳۵ ۔ حضرت عامرؓ کہتے ہیں :

صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا .....‘‘

’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ جب حضورؐ نے سلام پھیرا۔ تو قبلہ کی طرف سے منہ پھیر کر (مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر) دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی‘‘ (فتاویٰ نذیریہ بحوالہ ابن ابی شیبہ)

معلوم ہوا۔ کہ امام کا سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا درست ہے۔

۔۔۔۔۔۔ ’’تقریب‘‘ میں کہا ہے۔ ذہبی نے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آخر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔

۴۔ خصیف اور انس رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ کیونکہ خصیف کی انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے اور نہ ہی سماع ہے اس کی خصیف نے خود صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو ’’کامل ابن عدی‘‘ (۳/۹۴۱، ۹۴۲) اور ’’تہذیب الکمال‘‘ (۸/۲۶۰)۔

حافظ ابن حجر نے خصیف کے ترجمے میں کہا ہے کہ عبدالعزیز نے ان کے واسطے سے انس رضی اللہ عنہ سے منکر حدیث روایت کی ہے اور ان کا (خصیف کا) انس رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔ ’’تہذیب التہذیب‘‘ (۳/۱۴۴)۔

ممکن ہے کہ حافظ صاحب کی منکر حدیث سے مراد مذکورہ حدیث ہی ہو۔ واللہ اعلم۔

حاصل کلام اس حدیث کے بارے میں تشدد سے نہیں، بلکہ تساہل سے بھی کام لیں۔ تب بھی یہ گھٹیا درجے کی ہے۔ اسی لیے جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے بارے میں یہ کہا ہے ’’ہذا الحدیث واہٍ‘‘ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے ’’تہذیب تاریخ دمشق‘‘ لابن علان (۵/۱۴۳) بحوالہ ’’الجامع الکبیر‘‘ للسیوطی۔

ہمیں یہ قاعدہ تو خوب ازبر ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ مگر محدثین نے اس پر عمل کے لیے جو شروط عائد کی ہیں۔ ان کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ان شروط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو۔ بقیہ شروط کے لیے ’’احکام الاحکام‘‘ لابن دقیق العید ۱/۱۷۱۔ ۱۷۲) ’’القول البدیع‘‘ للسخاوی (۲۵۵) اور ’’تدریب الراوی‘‘ (۱/۲۵۲) وغیرہ دیکھیں۔

۴۳۵۔ اس حدیث کو ابوداؤد (۶۱۴) نسائی (۳/۶۷) اور ابن ابی شیبہ (۱/۳۰۲ دار السلفیہ، ۱/۲۶۹۔ دار التاج) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ مگر ان کتب میں ’’انحرف‘‘ کے بعد ’’ورفع یدیہ ودعا ...‘‘ یہ الفاظ نہیں ہیں۔

اس حدیث کو احمد (۴/۱۶۰۔ ۱۶۱) ترمذی (۲۱۹) اور نسائی (۲/۱۱۲۔ ۱۱۳) وغیرہ نے طویل روایت کیا ہے۔ ۔۔۔۔۔۔

مگر ان میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں مولانا عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ کی جو تحقیق ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فتاوٰی نذیریہ" کے تینوں مقاموں میں روایت مذکورہ کے آخر میں "الحدیث" یا "الخ" کے ذریعے جس طویل روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اسی سند کے ساتھ "مسند احمد" (۴/۱۶۱) "ترمذی مع التحفۃ" (۱/۱۸۰) "ابوداؤد مع العون" (۱/۲۲۵) "نسائی" (۱/۹۹) "دارقطنی" (۱۵۸، ۱۵۹) "مستدرک حاکم" (۱/۲۴۵) بیہقی (۲/۳۰۱) "صحیح ابن حبان" ۔ ملاحظہ ہو "موارد الظمآن" حدیث (۴۳۴)۔ "صحیح ابن السکن"، "مصنف عبدالرزاق" (۲/۴۲۱)۔ مسند ابوداؤد الطیالسی"۔ ملاحظہ ہو "منحۃ المعبود" (۱/۱۲۷)۔ "معرفۃ الصحابہ لابن مندہ"، "المصنف لابن ابی شیبہ" (۲/۲۷۲-۲۷۳) باب "یصلی فی بیتہ ثم یدرک جماعۃ" میں مروی ہے۔

جامع ترمذی کے الفاظ یہ ہیں —— ترمذی کے الفاظ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مختصر اور مطول دونوں ہی سے کسی روایت میں بھی "ورفع یدیہ فدعا" کی زیادتی موجود نہیں ہے۔ . . . ہماری اس تحقیق کی بناء پر قائلین دعا برفع الیدین بعد السلام عن المکتوبۃ کی چوتھی دلیل (یعنی مذکورہ حدیث) قابلِ اطمینان و لائق قبول نہیں رہ جاتی۔ واللہ اعلم۔

منقول از "الأذکار المسنونۃ بعد الصلوات المکتوبۃ" لظفر الحسن (۱۱۷-۱۱۹)۔

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ نے اس روایت کو عامر کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ جو کہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث یزید بن اسود عامری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مسئلہ: فرضی نمازوں کے بعد اجتماعی دُعاء کا حکم

فرضی نمازوں کے بعد مطلق طور پر اور بلا کسی سبب کے اجتماعی دُعا کرنا بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے عمل سے اس کی کوئی دلیل ملتی ہے۔

جو علماء اجتماعی دُعا کے قائل ہیں انہوں نے متعدد حدیثوں سے حجت پکڑی ہے جن میں مذکورہ دونوں حدیثیں بھی ہیں۔ مگر ان دونوں ہی حدیثوں سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔

پہلی حدیث جو کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس سے حجت لینا اس لیے درست نہیں کہ وہ انتہائی ضعیف حدیث ہے۔ بلکہ اس کو اگر من گھڑت بھی کہہ دیا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

رہی دوسری حدیث جو یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو اس میں تو "ورفع یدیہ ودعا" ——

______ کے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

جو حضرات اپنی اختراعی مصنوعی دُعاء پر اس حدیث سے حجت لیتے ہیں۔ وہ پہلے اس حدیث میں یہ الفاظ ثابت کریں۔ پھر اس حدیث سے ان کو دلیل لینے کا حق حاصل ہوگا۔

دوسری بات اگر ہم اس حدیث میں ان الفاظ کے وجُود کو تسلیم بھی کریں تب بھی یہ حدیث اجتماعی دُعاء پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ اس سے تو صرف انفرادی دُعاء کا ثبوت مہیا ہوتا ہے، یہی صُورتِ حال اس سے قبل مذکورہ حدیث انس کی ہے۔ جب کہ ہم اس کو علیٰ سبیل الجدل حسن یا صحیح تسلیم کریں۔ دعویٰ کچھ اور ہے اور اس کی دلیلیں کچھ اور۔

نماز کے بعد اجتماعی دُعاء پر دیگر دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ جن میں سے قابلِ ذکر یہ ہیں۔

پہلی دلیل:۔ ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر قبلہ رو ہونے کی حالت میں یہ دُعا کی۔

" اَللّٰھُمَّ خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ ۔۔۔۔۔"

اس کو ابن ابی حاتم نے " تفسیر" میں روایت کیا ہے، دیکھیں "تفسیر ابن کثیر" (۱/۵۵۵- النساء آیت ۹۸)۔

تفسیر ابن جریر (۴/۲۳۷) میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے بعد یہ دُعاء کرتے تھے۔

اس دلیل کا ردّ:

اس دلیل کا ردّ تین طرح سے ہے۔

ا:۔ اس میں اجتماعی دُعاء کا ذکر نہیں۔

ب:۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں علی بن زید بن جدعان ہیں۔ جو ضعیف ہیں۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

نیز اس کی سند میں علی بن زید پر اختلاف ہُوا ہے۔ ابن ابی حاتم کے ہاں علی بن زید نے اس حدیث کو سعید بن المسیب کے واسطے سے ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جبکہ ابن جریر کے ہاں انہوں نے اس کو سعید کی بجائے عبداللہ یا ابراہیم بن عبداللہ کے واسطے سے ابُو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

ج: علی بن زید نے تو اس حدیث کو یُوں بیان کیا ہے۔ جب کہ امام زہری نے۔ جو کہ ثقہ وحافظ ہیں۔ اس حدیث کو سعید بن مسیب سے یُوں روایت کیا ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد اس دُعا کو مانگا کرتے تھے۔

اس حدیث کی ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سعید بن مسیب کے علاوہ دیگر تین سندیں بھی ہیں۔ ان تمام اسانید میں بھی اس دُعاء کو رکوع ہی کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے۔

ان مختلف سندوں سے اس حدیث کو بخاری (۷۹۷، ۸۰۴، ۱۰۰۶، ۲۹۳۲، ۳۳۸۶، ۴۵۶۰، ۴۵۹۸، ______

→ ۶۲۰۰، ۶۳۹۳، ۶۹۴۰) مُسلم (۵/ ۱۷۶-۱۷۸) ابُوعوانہ (۲/ ۲۸۰- ۲۸۱، ۲۸۳- ۲۸۴، ۲۸۶-۲۸۷) ابُو داؤد (۱۴۴۲) نسائی (۲/ ۲۰۱- ۲۰۲) ابنِ ماجہ (۱۲۴۴) دارمی (۱/ ۳۷۴) احمد (۲/ ۲۳۹، ۲۵۵، ۳۳۷، ۴۱۸، ۴۷۰، ۵۰۲، ۵۲۱) ابن جارود (۱۹۷) ابن خزیمہ (۶۱۵، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۱) طحاوی (۱/ ۲۴۱- ۲۴۲) ابنِ حبان (۵/ ۳۰۶- ۳۰۷، ۳۲۳) دارقطنی (۲/ ۳۸) ابن حزم (۴/ ۱۳۹، ۱۴۹- ۱۵۰) اور بیہقی (۲/ ۱۹۷- ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۶- ۲۰۷) نے روایت کیا ہے۔

ان تمام کتب میں یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعاء کو رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ علی بن زید کی جو روایت ہے۔ اس میں انہیں وہم ہُوا ہے۔

مذکورہ دُعا، دُعاءِ قنوت نازلہ تھی۔ اگر ہم علی بن زید کی روایت کو بھی تسلیم کرلیں۔ تب بھی اس سے دائمی اجتماعی دُعاء پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس میں ایک خاص موقع کی دُعاء کا ذکر ہے۔

حاصل کلام مذکورہ حدیث سے درج ذیل وجوہ کی بناء پر اجتماعی دُعاء پر استدلال کرنا باطل ہے۔

۱۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ۲۔ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اختلاف بھی ہے۔

۳۔ ثقہ راویوں نے اس دُعاء کا ذکر بحالتِ نماز بعد از رکوع کیا ہے۔ ۴۔ اس میں اجتماعی دُعا کا قطعاً ذکر نہیں۔

۵۔ یہ دُعاء عام حالات کی دُعا نہ تھی۔ بلکہ ایک خاص سبب کی بناء پر تھی۔ لہٰذا اس سے عام حالات کی دُعاء پر دلیل لینا صحیح نہیں۔

دوسری دلیل: فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نماز دو دو رکعت ہے۔ ہر دو رکعت میں تشہد بیٹھو (یعنی سلام پھیرو) خشوع خضوع اور اطمینان کرو۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے رب کی طرف سیدھے پھیلاؤ اور "یارب یارب" کہو جو شخص ایسے نہیں کرے گا۔ اس کی نماز ناقص ہوگی، اور ایک دوسری روایت میں اس شخص کے بارے میں کہا گیا ہے۔ کہ وہ ایسا اور ایسا ہے۔

اس حدیث کو عبداللہ بن مبارک نے "مسند" (۵۳) اور "زہد" (۱۱۵۲) میں احمد (۱/ ۲۱۱، ۴/ ۱۶۷) ترمذی (۳۸۵) ابویعلیٰ (۶۷۳۸) ابنِ خزیمہ (۱۲۱۳) عقیلی (۲/ ۳۱۰- ۳۱۱) طبرانی (۱۸/ ۲۹۵) اور بیہقی (۲/ ۴۸۷- ۴۸۸) نے لیث بن سعد کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کو طیالسی (۱/ ۱۱۶- ۱۱۷) احمد (۴/ ۱۶۷) ابُوداؤد (۱۲۹۶) ابن ماجہ (۱۳۲۵) ابنِ خزیمہ (۱۲۱۲) عقیلی اور بیہقی نے شعبہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر شعبہ سے اس سند میں متعدد غلطیاں ہوئی ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے کہا ہے تفصیل "ترمذی" میں دیکھی جائے۔

اس دلیل کا ردّ: اس دلیل کے بھی متعدد جوابات ہیں۔ ←

← ۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عبداللہ بن نافع بن ابی العمیاء ہے۔ جو مجہول ہے۔ اس کو امام علی بن مدینی نے مجہول کہا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب" (۴۶/۶) میں ذکر کیا ہے۔ بلکہ حافظ صاحب نے "تقریب" (۴۵۶/۱) میں خود بھی اس کو مجہول کہا ہے۔

رہا حافظ ابن حبان کا اس کو "ثقات" (۵۳/۷) میں ذکر کرنا تو اس کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ مجاہیل کو بھی ثقہ شمار کرتے ہیں۔ نیز دوسرے ائمہ کے اقوال ان کے مخالف ہیں۔ علی بن مدینی نے اس کو مجہول کہا ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہُوا۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ یعنی مذکورہ حدیث۔ ملاحظہ ہو "تاریخ کبیر" (۲۱۳/۵) اور "کامل ابن عدی" (۱۵۴۱/۴)۔

امام ابن خزیمہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

"فان ثبت الخبر"۔ "اگر یہ حدیث ثابت ہے۔ تب"

حافظ عقیلی نے اس حدیث کو مذکورہ دونوں سندوں سے روایت کرنے کے بعد کہا ہے "فی الاسنادین جمیعًا نظر" یہ دونوں ہی سندیں محل نظر ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۲۔ اس حدیث کا تعلق فرضی نماز سے نہیں بلکہ نفلی نماز سے ہے۔ کیونکہ فرضی نماز تو تین اور چار رکعت بھی ہے۔ جب کہ اس حدیث میں صرف دو دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا لازمًا ماننا پڑے گا کہ اس حدیث کا تعلق نوافل سے ہے، فرائض سے نہیں۔

امام ابوحاتم نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ حدیث سنن و نوافل سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو "علل ابن ابی حاتم" (۱۳۳/۱)۔ ان کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس حدیث کو نوافل ہی کے متعلق سمجھا ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بیہقی اس کو باب "صلوٰۃ اللیل والنہار مثنی مثنی" کے تحت لائے ہیں۔ جب کہ امام ترمذی نے اس کو باب "ما جاء فی التخشع فی الصلاۃ" میں ذکر کیا ہے۔

مگر ان ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث سے فرضوں کے بعد اجتماعی دُعاء پر استدلال نہیں کیا۔ وہ اس سے یہ استدلال کر بھی کیسے سکتے تھے۔ اس کی توفیق تو آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب کی ہے۔

۳۔ ہم اگر وقتی طور پر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اس حدیث کا تعلق فرائض سے بھی ہے تو اس سے اجتماعی دُعاء کا مسئلہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے۔ اس میں تو سب صیغے واحد کے ہیں مثلاً "وتقنع یدیك .... وتقول یارب یارب" وغیرہ۔

لہٰذا اس سے زیادہ سے زیادہ انفرادی دُعاء پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ←

۴۔ اجتماعی دُعا کے قائلین کو اگر اس حدیث سے استدلال کرنا ہی ہے تو انہیں اس دُعا کو واجب یا فرض کہنا ہوگا۔ نیز جو اس کے قائل نہیں ہیں یا تو انہیں گنہ گار متصور کرنا ہوگا یا ان کی نمازوں کو باطل قرار دینا ہوگا۔ کیونکہ اس حدیث کی بعض روایات کے مطابق اس میں مذکورہ امور نہ کرنے والے کو ایسا اور ایسا کہا گیا ہے۔ اور بعض روایات میں ایسی نماز کو (یعنی جس میں مذکور امور نہ ہوں) خداج (ناقص) کہا گیا ہے۔

تیسری دلیل:۔ طبرانی کبیر میں محمد بن ابی یحییٰ اسلمی سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے ایک شخص کو سلام پھیرنے سے قبل ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت کے بعد ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔ حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں "مجمع الزوائد" (۱۰/۱۶۹)۔

اس دلیل کا ردّ:

اس دلیل کا رد دو طرح سے ہے۔

۱۔ طبرانی کبیر کا طبع شدہ نسخہ کچھ ناقص ہے اور طبع شدہ نسخے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی احادیث نہیں ہیں۔ اس لیے اس حدیث کی سند کے بارے میں صحیح صورتِ حال سے آگاہی مشکل ہے۔ مگر یہاں صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ کسی حدیث کے راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث یا اس کی سند صحیح ہو۔ کیونکہ ممکن ہے اس سند میں انقطاع ہو یا اس میں کوئی راوی مدلس ہو اور اس نے تحدیث یا سماع کی صراحت نہ کی ہو۔ لہٰذا وہ حضرات جو کسی حدیث کی سند کے راویوں کے ثقہ ہونے کی بنا پر اس کو صحیح تصور کرتے ہیں وہ انتہائی غلطی پر ہیں۔

حافظ ہیثمی کے بارے میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ وہ حافظ ابنِ حبان کی توثیق پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اس کی چند مثالیں بھی ذکر کر دی جاتیں۔

طبرانی کے مشائخ کے بارے میں تو حافظ ہیثمی کا عجیب ہی قاعدہ ہے۔ چنانچہ وہ "مجمع الزوائد" (۱/۱۲) کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"طبرانی کے وہ مشائخ جن کا ذکر "میزان" میں ہے۔ ان کے ضعف پر میں نے تنبیہ کر دی ہے۔ مگر جو اس میں نہیں ہیں ان کو میں نے ثقات میں شمار کیا ہے۔"

۲۔ اس حدیث میں بھی اجتماعی دُعا کا قطعاً ذکر نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ سے زیادہ انفرادی دُعا پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا

ـــــــــم کہ کونسی دُعا زیادہ قبولیت کی حامل ہے۔ آپ نے فرمایا " جوف اللیل الآخر و دبر الصلوات المکتوبات "

"رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

اس دلیل کا رد :

اس دلیل کے بھی دو جواب ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے اجتماعی دُعا کا ثبوت مہیا نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند یوں ہے۔

" ابن جریج عن ابنِ سابط عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ۔

اس سند میں درج ذیل علتیں ہیں۔

ا۔ ابن جریج مدلس ہیں۔ بلکہ دارقطنی نے کہا ہے کہ سب سے بری تدلیس ابن جریج کی تدلیس ہے۔ کیونکہ وہ اسی وقت کسی حدیث میں تدلیس کرتے ہیں۔ جب کہ انہوں نے وہ حدیث کسی مجروح راوی سے سنی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" اور "طبقات المدلسین" میں ذکر کیا ہے۔

ابن جریج نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔

ب : اس سند میں انقطاع بھی ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن سابط کا ابوامامہ سے سماع نہیں۔ جیسا کہ ابنِ معین نے کہا ہے۔

ج : اس حدیث میں" دبر الصلوٰت المکتوبات " کا اضافہ شاذ ہے۔ کیونکہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی دیگر پانچ سندیں بھی ہیں۔ مگر ان میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں اس حدیث کا صرف پہلا ہی ٹکڑا ہے۔ یعنی " جوف اللیل الآخر "

اس حدیث کی یہ تمام علتیں حافظ ابن حجر نے بیان کی ہیں۔ دیکھیں "الفتوحات الربانیہ" (۲۰/۳)۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معنی کی ایک حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں ہے کہ جو شخص فرض نماز ادا کرے اس کی دُعا قبول ہوتی ہے ....."

اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں عبدالحمید بن سلیمان ہے۔ جو ضعیف ہے۔ جیسا کہ حافظ ہیثمی نے کہا ہے : مجمع الزوائد (۱۷۵/۷)۔

پانچویں دلیل :

ایک طویل حدیث میں ہے کہ " جو شخص کسی قوم کا امام ہو تو اسے اپنے لیے ہی دُعا نہیں کرنی چاہیئے ۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے قوم کی خیانت کی ۔

اس کو احمد (۵/۲۵۰، ۲۶۰-۲۶۱، ۲۸۰) بخاری نے " اُدب مفرد " (۱۰۹۶) میں ابوداؤد (۹۰-۹۱) " طہارت " باب " ایصلی الرجل وھو حاقن " ترمذی (۳۵۷) ابن ماجہ (۹۲۳) بیہقی (۳/۱۲۹-۱۳۰) اور مزی نے " تہذیب الکمال " (۱۲/ ۲۹۲) میں روایت کیا ہے ۔

اس کی سند کے ایک راوی یزید بن شریح پر اختلاف ہُوا ہے ۔ ایک راوی نے ان کے حوالے سے اس حدیث کو ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسرے نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے اور ایک تیسرے راوی نے ابُوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ۔

اس دلیل کا رَدّ :

اس کے متعدد جواب ہیں ۔

۱ ۔ اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے تو حسن کہا ہے ۔ مگر ابن خزیمہ نے " صحیح " (۳/۶۳) میں اور البانی نے " ضعیف الجامع " (۶۳۴۹) میں اس کو ضعیف کہا ہے ۔

۲ ۔ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اندرونِ نماز دعاؤں سے ہے ۔ بعد از فراغتِ نماز کی دعاؤں سے نہیں ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں تو اس بات کی ممانعت ہے کہ امام صرف اپنے لیے دُعا کرے ۔ جب کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونِ نماز تمام دُعائیں بلکہ بعد از فراغت نماز کی دُعائیں بھی بلفظ واحد ہیں ۔ چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں ۔

والمحفوظ فی أدعیتہ صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم فِی الصلٰوۃ کلھا بلفظ الافراد، کقولہ "ربِّ اغفرلِی وارحَمْنِیْ واھدنی" وسائر الأدعیۃ المحفوظۃ عنہ، ومنھا قولہ فِی دُعاء الاستفتاح : اللّٰھم اغسِلْنِیْ من خطایای ....، زاد المعاد (۱/۲۶۳-۲۶۴) ۔

پُوری نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں لفظ واحد سے ہیں ۔ جیسا کہ دُعاء " ربّ اغفرلی وارحمنی واھدنی " اور دُعاء استفتاح " اللّٰھم اغسلنی من خطایای ....." ہے ۔

اسی دعاءِ استفتاح کی بناء پر امام ابن خزیمہ نے مذکورہ حدیث کو غیر ثابت کہا ہے اور اس دعاء پر انہوں نے ←

← باب یہ قائم کیا ہے کہ امام کو اپنے لیے خصوصی دُعاء کرنے کی رُخصت ہے۔ ملاحظہ ہو "صحیح ابنِ خزیمہ" (۳/۶۳)۔

۳۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث دعاءِ قنوت وغیرہ کے بارے میں ہے دیکھیں "زاد المعاد" (۱/۲۶۴)۔

۴۔ اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ امام دُعاء کو اپنے لیے خاص نہ کرے۔ اس میں یہ تو نہیں کہ مقتدی بھی اس کے ساتھ مل کر دُعا کریں۔ لہٰذا اس حدیث سے اجتماعی دُعاء پر استدلال مردود ہے۔

مذکورہ دلائل کے علاوہ بعض اور دلائل بھی ہیں، جن کو اس دُعاء کے قائلین نے ذکر نہیں کیا یا اس مسئلے سے متعلق جو فتاوے میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان میں ان کا ذکر نہیں[1]۔ وہ دلائل یہ ہیں۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"اذ صلیتم الصبح فافزعوا الی الدُّعاء" جب تم صبح کی نماز ادا کرو تو دُعاء کی طرف سبقت کرو۔

اس حدیث کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۲/۱۵۵) میں اور ان سے ابنِ عساکر نے "تاریخِ دمشق" (۸/۹۸۔ عبادہ بن اوفیٰ۔ عبداللہ بن ثواب) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے اجتماعی دُعاء پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی عباس بن عبداللہ بن احمد بن عصام ہے جو متہم ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے "مغنی" (۱/۳۲۹) اور "دیوان" (۲/۲۰) میں ذکر کیا ہے۔

بلکہ عبدالرحمٰن بن احمد انماطی نے تو اس کو کذاب افاک کہا ہے۔ جیسا کہ "تاریخِ دمشق" میں ہے۔

تاریخ بغداد میں ابو احمد سراج کا قول ہے کہ یہ صدوق، ثقہ اور مأمون نہ تھا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔

---

[1] مذکورہ سطور لکھنے کے کچھ عرصے بعد ایک فتاویٰ نظر سے گزرا جس میں نمبر ۱ میں آنے والی حدیث علی رضی اللہ عنہ کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مگر اس کی تخریج میں غلطی کی گئی ہے۔ وہ یوں کہ اس کو مُسلم، ابُوداؤد اور نسائی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو "فتاویٰ علماء اہلحدیث (۳/۲۲۱)۔

اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ اس حدیث کو "کنز العمال" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور "کنز العمال" میں واقعتاً اس حدیث کو انہی کتب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور ان کے علاوہ اس کے لیے "تاریخ بغداد اور "تاریخ دمشق" کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (۲/۱۰۰/۳۳۲۹ - جدید ایڈیشن)۔

جب کہ یہ حدیث ان تمام کتب میں نہیں بلکہ صرف "تاریخ بغداد" اور تاریخ دمشق" میں ہے۔ علامہ علی متقی نے "منتخب کنز العمال" (۲/۵۷) میں اس کو انہی دونوں کتابوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ معلوم کہ "کنز العمال" میں ان سے مذکورہ غلطی کیسے ہوئی۔ ←

← ایک حدیث میں ہے کہ "صبح کی نماز میں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کیا کرو۔ مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو "احادیث ضعیفہ" (۴/ حدیث ۱۹۰۸)۔

۲۔ زہد عبداللہ بن مبارک (۱۱۵۴) میں علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن اُمیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے اور ان کو آپس میں ملا کر رکھتے اور یہ دُعا پڑھتے۔

"رب اغفرلی ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت ....."

اس روایت کے دو جواب ہیں۔

۱۔ یہ معضل روایت ہے کیونکہ علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن اُمیہ اتباع تابعین میں سے ہیں۔ لہٰذا ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم از کم دو واسطے ہوں گے۔ ایک تابعی اور دوسرا صحابی کا واسطہ۔

۲۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں علی رضی اللہ عنہ کی موصول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعا کو سلام پھیرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ مگر ان کتب میں ہاتھ اُٹھانے وغیرہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج کے لیے اس کتاب کی حدیث (۴۱۲) دیکھیں۔

نیز اگر ہم اس معضل روایت کو کچھ دیر کے لیے صحیح تسلیم بھی کر لیں۔ تب بھی اس سے اجتماعی دُعا ثابت نہ ہوگی۔

خلاصہ: مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دُعاء کے قائلین کے پاس اجتماعی دُعاء پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے اس دعوے کے اثبات کے لیے جتنے بھی دلائل پیش کیے ہیں وہ تمام کے تمام اضعف من بیت العنکبوت ہیں۔ اور وہ تمام دلائل ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا لینے کے مترادف ہیں۔

ان لوگوں کا دعویٰ تو اجتماعی دُعاء کا ہے۔ مگر اس پر وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ انفرادی دُعاء کے ہیں۔ "وشتان بین ھذا وذاک۔"

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال گزارے۔ پانچوں وقت نمازیں پڑھائیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے آپ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اس اجتماعی دُعاء کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا یہ اس کے باطل و مردود ہونے کی واضح اور ٹھوس دلیل نہیں ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ صحابہؓ اس مسئلے میں خاموش کیوں رہے۔ جب کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے افعال بھی ہم تک پہنچا دیئے ہیں۔

مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کیا عمل تھا اسی کو لیجئے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد "اللہ اکبر" کہتے۔ ←

۔۔۔۔۔ ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار استغفار کرتے اور یہ دعاء پڑھتے۔ " اللّٰھم أنت السلام۔۔۔۔۔"

مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ یہ دعاء پڑھتے۔ " لا إله الا الله وحده لا شريك له،۔۔۔۔۔"

ان تمام احادیث کی تخریج اس کتاب میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۱ - ۴۲۲)۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان اذکار کو تو بیان کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی طور پر کیے تھے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ وہ اس عمل کو بیان نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی طور پر کیا ہو۔

بخاری (۲/۸۳۰)، ابوداؤد (۱۰۴۰)، نسائی (۳/۶۷)، ابن ماجہ (۹۳۲) اور عبدالرزاق (۱/۲/۲۰۵، ۲۴۵ - ۲۴۶) نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تو عورتیں اسی وقت کھڑی ہو جاتیں۔ مگر آپ کچھ دیر کے لیے ٹھیرتے۔

اس حدیث کے راوی زہری کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھہرنا اس لیے ہوتا۔ کہ عورتیں مردوں سے پہلے نکل جائیں، یعنی اپنے گھروں میں چلی جائیں۔ مذکورہ سیاق بخاری کا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز کے بعد اجتماعی دعاء نہ تھی۔ اگر یہ دعاء ہوتی تو عورتیں خود کو اس کارِ خیر میں شرکت سے محروم نہ کرتیں۔

اس قسم کے مزید اور دلائل بھی جمع کیے جا سکتے ہیں۔ مگر مزید طوالت کا خوف ہے۔ اور یہ مسئلہ پہلے ہی کافی طویل ہو چکا ہے۔

بعض حضرات اس اجتماعی دعا سے انکار کو تشدد سے تعبیر کرتے ہیں۔

ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ اولاً تو یہ تشدد ہی نہیں۔ اگر اسے تشدد تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ تشدد ایسی بدعت کے خاتمے کی خاطر ہے۔ جسے سُنت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ تشدد نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے۔ بلکہ ضروری بھی ہے۔

ان حضرات سے ہم ایک گذارش یہ بھی کریں گے کہ آپ کی بات درست ہے کہ تشدد سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ تو کیا یہ بھی درست ہے کہ اس قدر جرأت کی جائے کہ ایک بے اصل و بے ثبوت چیز کو سنت یا "أقرب إلى السنة" کہہ دیا جائے۔

واللہ اجتماعی دعاء کے بارے میں بعض علماء کے فتادے دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی ہے کہ انہوں نے ۔۔۔۔

اس کو سُنت کہہ دیا ہے۔

اس مسئلے کے بارے میں جن علماء کے فتاوے میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان میں سے مجھے مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور شیخ محمد بن عبدالرحمٰن یمانی کا فتوے اقرب الی الصواب نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی انفرادی طور پر نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعاء مانگ لیتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ دیکھیں "تحفۃ الاحوذی" (۱/ ۲۴۶) اور شیخ یمانی کا رسالہ "سنیۃ رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبۃ لمن شاء" معجم صغیر کے آخر میں (۲/ ۲۰۰-۲۰۳)۔

فرض نماز کے بعد دعاء کے بارے میں ابوامامہ اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیثوں کے علاوہ بعض دیگر احادیث بھی ہیں جو قابل عمل یا قابلِ حجت تو نہیں ہیں۔ مگر تنبیہ کے طور پر انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

تاریخ دمشق (۷/ ۲۵۸) میں ابُو مُوسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

"جس شخص کو اللہ سے کوئی حاجت ہو تو وہ اسے ہر فرض نماز کے بعد طلب کرلے۔"

مگر یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن عمر بن حکم قبلی ہے۔ جس کو دارقطنی نے سخت ضعیف کہا ہے۔ جیساکہ ذہبی نے "مغنی" (۲/ ۶۲۰) میں ذکر کیا ہے۔

حلیۃ ابُونعیم (۷/ ۲۵۴) میں ابُوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

"اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے شرماتا ہے جو باجماعت نماز ادا کرتا ہے۔ پھر وہ اپنی ضرورت کا اس سے سوال کرتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت حاصل کیے بغیر ہی واپس لوٹ جائے۔"

مگر یہ من گھڑت روایت ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن یحییٰ تیمی ہے۔ جو کذاب ہے۔ دیکھیں میزان" (۱/ ۲۵۳)۔

بہر حال آدمی کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنے رب سے مانگے۔ رات ہو یا دن، حضر میں ہو یا سفر میں، گھر میں ہو یا مسجد میں، اذان کے بعد یا نماز کے بعد، غرضیکہ اسے ہر وقت دُعاء کرنے کا اختیار ہے۔

(وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ....)

رہی نماز کے بعد اجتماعی دُعاء تو یہ قطعًا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ اس لیے محققین علمائے کرام نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کو بدعت کہا ہے۔ بلکہ شیخ البانی حفظہ اللہ نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا کہ یہ ہندوستانی اور پاکستانی سلفیوں کی بدعت ہے۔ (وصدق)۔

؎ جن محققین علماء نے اس اجتماعی دُعا کا رد کیا ہے یا اسے بدعت کہا ہے۔ ان میں امام شاطبی، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن حاج، حافظ ابن قیم، شیخ ابن باز، شیخ محمد صالح عثیمین، حافظ ابن حجر، شیخ عبدالحق دہلوی، علامہ محمد رشید رضا مصری، مولانا انور شاہ کشمیری، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی بھی ہیں۔

ملاحظہ ہو "اعتصام شاطبی" (۱/ ۲۵۲، ۲۶۹، ۳۵۳، ۳۵۴-۳۵۴، ۳۶۷) "مجموعۃ الفتاوٰی الکبریٰ" (۲۲/ ۵۱۹) ایضاً "الفتاوٰی الکبریٰ" (۱/ ۱۸۸-۱۸۹، ۲۰۴-۲۰۵) مدخل ابن حاج (۲/ ۲۷۶) زاد المعاد (۱/ ۲۵۷) "فتاوٰے وتنبیہات ونصائح لابن باز" (۳۱۱) فتاوٰی عثیمین (۱/ ۳۶۷-۳۶۸) اور حکیم مولوی عماد الدین حنفی دیوبندی بلوچستانی کی کتاب "التحقیق الحسن فی نفی الدعاء الاجتماعی بعد الفرائض والسنن" (۱۷-۴۷)۔

واضح رہے کہ اگر کسی سبب کی بناء پر نماز کے بعد کبھی اجتماعی دُعا کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مثلاً: نماز کے بعد ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں مریض ہوں یا فلاں مصیبت میں مبتلا ہوں۔ یا میرا فلاں مریض ہے یا میرا فلاں عزیز یا رشتے دار فلاں مصیبت میں مبتلا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا آپ سب مسلمان بھائی مل کر میرے لیے یا اس کے لیے دُعا کریں تو اس صورت میں اس کے لیے اجتماعی دُعا کرنا جائز ہوگا۔

۱۔ سُنن بیہقی (۳/ ۳۵۷) میں موصولاً اور بخاری (۲/ ۵۱۶ - فتح) میں تعلیقاً [۱] انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جُمعہ کے روز ایک دیہاتی آیا اور آکر کہنے لگا یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مویشی اور لوگ ہلاک ہو رہے ہیں (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) یہ سُن کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا شروع کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اُٹھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ بوقت ضرورت یا کسی سبب کی بناء پر اجتماعی دُعا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

خطبہ جُمعہ میں دُعاء کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمُول تو تھا۔ مگر ہاتھ اُٹھا کر نہیں۔ اسی لیے تو عمارہ بن رؤیبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان پر دورانِ خُطبہ دُعا میں ہاتھ اُٹھانے کی وجہ سے انکار کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ان ہاتھوں کو برباد کرے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو میں نے صرف انگلی سے ←

---

[۱] بخاری میں یہ روایت متعدد مقامات پر موصولاً بھی مروی ہے۔ مگر یہاں محل شاہد جو ہے وہ اس میں تعلیقاً ہی ہے۔ یہ تنبیہ میں نے اس لیے کی ہے کہ بعض فاضل کو یہ اشتباہ ہُوا تھا کہ جب یہ حدیث بخاری میں متعدد مقامات میں موصولاً مروی ہے۔ تو اسے معلق کیوں کہا گیا ہے۔

ـــــــ اشارہ کرتے ہُوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کو احمد (۴/ ۱۳۵ - ۱۳۶ ، ۱۳۶ ، ۲۶۱) مُسلم (۶/ ۱۶۲) ابُو داوُد (۱۱۰۴) ترمذی (۵۱۵) نسائی (۳/ ۱۰۸) دارمی (۱/ ۳۶۶) اور ابن خزیمہ (۱۷۹۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۷۵ - دارالتاج) میں بسند صحیح عبداللہ بن سترہ سے روایت ہے کہ مسروق نے خطبہ جُمعہ میں امام اور لوگوں کو ہاتھ اُٹھاتے ہُوئے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو کاٹ دے

اسی "مصنف" میں معمر بن راشد سے روایت ہے کہ زہری نے کہا کہ جمُعہ کے دن ہاتھ اُٹھانا بدعت ہے۔

اس اثر کی سند بھی صحیح ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ان آثار کو باب " رفع الایدی فی الدعاء یوم الجُمعة' میں روایت کیا ہے۔

زہری کی روایت میں "ابن ابی شیبہ" میں ایک دوسرے مقام پر یہ اضافہ بھی ہے کہ سب سے پہلے مروان نے ہاتھ اُٹھائے تھے۔ ملاحظہ ہو (۷/ ۲۵۰ - دارالتاج)۔

عمارہ بن رؤیبہ صحابی رضی اللہ عنہ نے مسروق اور زہری تابعین نے دورانِ خُطبہ دُعاء میں محض ہاتھ اُٹھانے پر کس قدر سختی سے انکار کیا۔ اگر یہ بزرگ ہماری مروجہ اجتماعی دُعاء کو دیکھتے تو معلوم نہیں کہ وہ اس کے بارے میں ہمیں کیا کہتے۔

واضح رہے کہ عمارہ رضی اللہ عنہ، مسروق اور زہری کے اقوال مذکورہ حدیث انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اُٹھانا ایک سبب اور عارضہ کی بناء پر تھا۔ ملاحظہ ہو "شرح مسلم" (۶/ ۱۶۲)۔

۲۔ طبقات ابن سعد (۳/ ۶۹) میں علقمہ بن وقاص سے روایت ہے۔ کہ عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر تھے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ نے تو اس اُمت کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ لہٰذا آپ اور لوگ بھی آپ کے ساتھ توبہ کریں۔

علقمہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا رُخ قبلہ کی طرف کیا، ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا۔ " اللّٰھم انی استغفرك واتوب الیك " اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اُٹھائے۔

اس اثر کو ابنِ سعد نے دو سندوں سے روایت کیا ہے اور یہ اپنی ان دو سندوں کی بناء پر ثابت ہے۔

سجدۂ سہو کا بیان

تین یا چار رکعت کے شک پر سجدہ

۴۳۶ — عطاء بن یسار ابی سعید سے نقل کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِكَمْ صَلّٰى ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ۔ (رواہ مسلم)

"جب کوئی تمہارا اپنی نماز میں شک کرے۔ پس وہ نہ جانے۔ کہ کتنی نماز پڑھی ہے۔ تین رکعت یا چار رکعت، پس چاہیئے، کہ دور کرے شک اور بنا کرے (اپنی نماز کی) اس چیز پر کہ یقین رکھتا ہے۔ پھر کرے دو سجدے (سہو کے) سلام پھیرنے سے پہلے۔ (مسلم)

سجدۂ سہو کا طریقہ

سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ قعدہ آخری میں تشہد، درود، اور دعا پڑھنے کے بعد اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر سجدے میں جائیں۔ پھر اُٹھ کر جلسے میں بیٹھ کر دوسرا سجدہ کریں، اور پھر اُٹھ کر سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوں، حدیث مذکور میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کا حکم ہے۔ اس لیے سہو کے دو سجدے سلام پھیرنے سے قبل کرنے چاہئیں۔

---

۴۳۶ — اس کو مسلم (۵/۶۰) ابوعوانہ (۲/۱۹۲-۱۹۳) احمد (۳/۸۳) دارقطنی (۱/۳۷۱) اور بیہقی ([illegible]) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابوداؤد (۱۰۲۴) نسائی (۳/۲۷) ابن ماجہ (۱۲۱۰) دارمی (۱/۳۵۱) ابن خزیمہ (۱۰۲۳-۱۰۲۵) ابن حبان ([illegible]) ۲۸۷، ۳۸۹-۳۹۰، ۳۹۱) احمد (۳/۷۲، ۸۴، ۸۷) حاکم (۱/۳۲۲) دارقطنی اور بیہقی نے دوسرے سیاق سے بھی روایت کیا ہے۔

قعدۂ اولیٰ کے ترک پر سجدہ

۴۳۷ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهٗ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ ۔ (متفق علیہ)

"عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، صحابہ رضی اللہ عنہم کو ظہر کی۔ پس کھڑے ہوئے پہلی دو رکعتوں میں۔ (یعنی قعدہ میں سہواً[1] نہ بیٹھے) پس لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جب پڑھ چکے نماز۔ (اور آخری قعدہ میں سلام پھیرنے کا وقت آیا) اور منتظر ہوئے لوگ سلام پھیرنے کو (تو) تکبیر کہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درحالیکہ بیٹھے (ہی) ہوئے تھے۔ پھر کیے دو سجدے سلام پھیرنے سے پہلے پھر سلام پھیرا۔ (بخاری، مسلم)

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ثابت ہوا کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے قبل کرنا چاہیئے۔

---

[1] رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو و نسیان اقوال میں جو اخبار و احکام کی تبلیغ سے متعلق ہیں ہرگز نہیں اور افعال میں سہو ہوتا تھا تاکہ لوگ مسائل سیکھیں۔ سبحان اللہ! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو سے بھی تکمیل دین ہوتی ہے۔ (محمد صادق)

---

۴۳۷ ۔ اس کو بخاری (۸۲۹، ۸۳۰، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۳۰) مسلم (۵/ ۵۸ ۔ ۶۰) ابو عوانہ (۲/ ۱۹۲ ۔ ۱۹۴) ابو داؤد (۱۰۳۴ ۔ ۱۰۳۵) ترمذی (۳۹۱) نسائی (۳/ ۱۹ ۔ ۲۰، ۳۴) ابن ماجہ (۱۲۰۶ ۔ ۱۲۰۷) دارمی (۱/ ۳۵۲ ۔ ۳۵۳) مالک (۱/ ۹۶ ۔ ۹۷) عبد الرزاق (۲/ ۳۰۰ ۔ ۳۰۱) ابن ابی شیبہ (۱/ ۳۸۷، ۳۹۱ ۔ دار التاج) احمد (۵/ ۳۴۵، ۳۴۶) ابن جارود (۲۴۲) ابن خزیمہ (۱۰۲۹ ۔ ۱۰۳۱) طحاوی (۱/ ۴۳۸) ابن حبان (۵/ ۲۶۵ ۔ ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۹۷/۶ ۔ ۴۰۰) طبرانی نے "اوسط" (۱۵۳۶، ۱۶۲۱، ۱۸۱۴) میں حاکم (۱/ ۳۲۲) اور بیہقی (۲/ ۱۳۴، ۳۳۳ ۔ ۳۳۴، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۵۲، ۳۵۳) نے عبد الرحمن بن ہرمز اعرج کی سند سے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کی اکثر روایات میں ہے کہ یہ نماز ظہر کی تھی اور بعض روایات میں کسی نماز کی تعیین نہیں۔

اس حدیث کے ایک راوی یحییٰ بن سعید انصاری سے بعض روایات میں ظہر یا عصر شک کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔

اور زہری سے سفیان بن عیینہ کی روایت میں ہے کہ میرا خیال ہے کہ یہ نماز عصر تھی۔

جبکہ "اوسط طبرانی" (۱۸۱۴) میں زہری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔ اور یہ ایوب بن موسیٰ کی روایت ہے۔ ←

——— حدیث کو مرفوعاً نہیں سُنا۔

ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سند میں ابُومعاویہ کو وہم ہُوا ہے۔

ابن معین کہتے ہیں کہ یہ خطاء ہے یہ مرفوع حدیث نہیں۔ دیکھیں "تمہید" (۱۰/۲۰۰)

جن راویوں نے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔ ان میں وکیع بن جراح اور سفیان ثوری بھی ہیں۔

ثوری کی سند سے یہ حدیث "مصنف عبدالرزاق" (۲/۳۱۰) میں اور وکیع کی سند سے "مسند ابویعلی" (۶۰۷) میں ہے۔

اسی طرح قیس بن ابی حازم سے ایک دوسری سند سے بھی یہ موقوفاً ہی مروی ہے اور یہ بیان بن بشر کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو عبدالرزاق (۲/۳۱۰) ابن ابی شیبہ (۱/۳۹۱) اور ابن عبدالبر (۱۰/۲۰۰) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: طبرانی اوسط (۴۲۵۱) میں بیان بن بشر کی سند سے یہ مرفوعاً مروی ہے۔ مگر یہ سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سند میں بقیہ بن ولید ہیں جو مدلس ہیں اور انہوں نے اس سند میں سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحیح یہی ہے کہ تشہد بھول جانے کی صورت میں سلام پھیرنے سے قبل سجدۂ سہو کیے جائیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور یہ صحیح ترین حدیث ہے۔ نیز اس کی تائید میں عقبہ بن عامر، معاویہ بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی ہیں۔

۱۔ حدیث عقبہ کو ابن ابی شیبہ (۱/۳۹۱) ابن حبان (۵۳۴) طبرانی (۱۷/۳۱۳-۳۱۴) حاکم (۱/۳۲۵) بیہقی (۲/۳۴۴) اور ابن عبدالبر نے "تمہید" (۱۰/۲۰۱) میں روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

اس حدیث میں سجدۂ سہو کے قبل از سلام ہونے کی تصریح حاکم اور بیہقی کے یہاں ہے۔

۲۔ حدیث معاویہ کو طحاوی نے "شرح المعانی" (۱/۴۳۹) میں طبرانی (۱۹/۳۳۶-۳۳۷)، بیہقی (۲/۳۴۴-۳۳۵) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱/۲۶۳) میں، دارقطنی (۱/۳۷۵) اسی طرح احمد (۴/۱۰۰) اور نسائی (۳/۳۳-۳۴) نے بھی روایت کیا ہے اس کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

ابن ترکمانی نے "جوہر نقی" میں اس حدیث پر سنداً اور متناً دونوں طرح سے کلام کیا ہے۔ اگر مجھے خوف طوالت نہ ہوتا تو یہاں ان کا رد کیا جاتا۔

۳۔ حدیث شرحبیل بن حسنہ کو طبرانی (۷/۳۶۶) اور ابن عدی (۳/۱۰۱۶) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند رشدین بن سعد کی وجہ سے اگرچہ ضعیف ہے۔ مگر یہ شواہد میں قابل ذکر ہے۔

(۱۰/۱۹۷-۱۹۹) میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث اپنی دو سندوں کی بناء پر حسن درجے کی ہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد بھول جانے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام سے فراغت کے بعد سجدے کرتے، لہٰذا یہ حدیث، حدیث ابن بحینہ کے خلاف ہے، لیکن درج ذیل وجوہ کی بنا ترجیح حدیث عبداللہ بن بحینہ ہی کو ہو گی۔

۱۔ حدیث ابن بحینہ صحیح ترین حدیث ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی، بیہقی، ابن عبدالبر۔ (۱۰/۲۰۲) اور حافظ ابن قیم نے کہا ہے۔

۲۔ ممکن ہے کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میں نے ایسے کرتے دیکھا ہے۔ ان کی مراد صرف یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد بھول جانے پر دوبارہ اس کے لیے نہ بیٹھے، بلکہ بقیہ نماز مکمل کی۔
یہ جواب ابن قیم نے دیا ہے انہوں نے اس کے علاوہ اس حدیث کے دو مزید جواب بھی ذکر کیے ہیں۔ دیکھیں "زاد المعاد" (۱/ ۲۸۷-۲۸۸)۔

۳۔ حدیث مغیرہ دو سندوں سے مروی ہے۔ اس کی ایک سند میں مسعودی ہیں اور دوسری سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔
مسعودی کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اس حدیث کو ان سے یزید بن ہارون نے روایت کیا ہے جن کا ان سے سماع بحالتِ اختلاط ہے۔ جیسا کہ ابن نمیر نے کہا۔
اور محمد بن عبدالرحمٰن بہت سئ الحفظ ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ مسعودی کے مختلط ہونے کی وجہ سے اور ابنِ ابی لیلیٰ کے بہت سئ الحفظ ہونے کی وجہ سے اس حدیث میں مغیرہ کا سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنا مذکور ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ترجیح حدیث ابنِ بحینہ ہی کو ہو گی۔

حدیث مغیرہ کی طرح ایک حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کو بزار (۵۰۵) ابو یعلیٰ (۷۵۹، ۸۵۰، ۷۹۴) ابنِ خزیمہ (۱۰۳۲) حاکم (۱/ ۳۲۲-۳۲۳) بیہقی (۲/ ۳۴۴) اور ابنِ عبدالبر نے "تمہید" (۱۰/ ۱۹۹-۲۰۰) میں ابو معاویہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

سعد رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ سعد دو رکعت کے بعد بیٹھنے کی بجائے اُٹھ کھڑے ہوئے تو لوگوں نے سبحان اللہ کہا۔ مگر وہ نہ بیٹھے۔ پھر انصراف (سلام) کے وقت دو سجدے کیے اور فرمایا، کیا تم لوگوں کا خیال تھا کہ میں بیٹھ جاتا؟ میں نے ویسے ہی کیا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔
اس حدیث کے دو تین جواب ہو سکتے ہیں۔ مگر سب سے قوی جواب یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو معاویہ کے علاوہ دیگر راویوں نے اس کو موقوفاً ہی روایت کیا ہے، اسی لیے بزار کہتے ہیں کہ متعدد راویوں نے اس کو سعد پر موقوفاً روایت کیا ہے۔
مسند ابو یعلیٰ (۷۵۹)، میں عمرو بن محمد ناقد کہتے ہیں کہ ابو معاویہ کے علاوہ ہم نے کسی دوسرے راوی سے اس

نماز سے فارغ ہو کر باتیں کر چکنے کے بعد سجدہ

۴۳۸ - عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعت میں سلام پھیرا۔ پھر آپ گھر میں داخل ہوئے، پھر ایک شخص خرباق نے آپ سے (سہو) کا ذکر کیا۔ پھر آپ لوگوں کے پاس پہنچے اور خرباق کے قول کی تصدیق چاہی۔ لوگوں نے کہا خرباق سچ کہتا ہے۔ پھر آپ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا۔ پھر دو سجدے کیے۔ پھر سلام پھیرا۔

(صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص چار رکعت کی جگہ تین پڑھ کر سلام پھیر دے۔ پھر جب اس کو معلوم ہو جائے کہ میں نے تین رکعت پڑھی ہیں۔ تو وہ خواہ گھر بھی چلا جائے اور باتیں بھی کر لے۔ تو پھر بھی وہ ایک ہی رکعت، جو رہ گئی ہو۔ پڑھ کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔ اس کو ساری نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اور ایک یہ امر بھی معلوم ہوا۔ کہ نماز میں اگر سجدہ سہو پڑ جائے اور کسی وجہ سے نمازی سجدہ سہو نہ کر سکے۔ اور سلام پھیر کر باتیں وغیرہ کر لے۔ پھر یاد آنے پر جب سجدہ سہو کرنا چاہے، تو سلام کے بعد کرے۔ اور پھر سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ سجدہ سہو تو بالعموم سلام سے پہلے ہی کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔ لیکن اگر نماز سے فارغ ہو کر باتیں کر چکیں اور پھر نقصان نماز یاد آنے پر جب سجدہ سہو کرنے لگیں۔ تو ہنگام سجدہ پہلے سلام پھیریں۔ پھر دو سجدے کریں۔ اور پھر سلام پھیر کر نماز سے باہر آئیں۔

---

۴۳۸ — اس کو مسلم (۵/۷۰-۷۳)، ابوعوانہ (۲/۱۹۸-۱۹۹) ابوداؤد (۱۰۱۸) نسائی (۳/۲۶، ۶۶) ابن ماجہ (۱۲۱۵) احمد (۴/۴۲۷) ابن خزیمہ (۱۰۵۴) ابن حبان (۶/۳۷۹، ۳۹۲-۳۹۴) اور بیہقی (۲/۳۳۵، ۳۵۴، ۳۵۹) نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سجدوں کے بعد تشہد پڑھا پھر سلام پھیرا۔

اس اضافے کے ساتھ اس حدیث کو ابوداؤد (۱۰۳۹) ترمذی (۳۹۵) ابوعوانہ، ابن حبان، حاکم، ابن حزم نے "محلی" (۴/۱۷۰) میں اور بیہقی (۲/۳۵۵) نے روایت کیا ہے۔

یہ اضافہ اشعث بن عبدالملک کا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس اضافے کو اس حدیث میں شاذ کہا ہے۔ مگر انہوں نے بعض دیگر احادیث ذکر کی ہیں جن میں اس تشہد کا ذکر ہے اور کہا ہے کہ یہ احادیث آپس میں مل کر حسن درجے کو پہنچ جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو "فتح الباری" (۳/۹۸-۹۹) ایضاً "نیل الاوطار" (۳/۱۲۲)

چار کی جگہ پانچ رکعت پڑھنے پر سجدہ

۴۳۹۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے نماز پڑھی ظہر کی (سہوًا) پانچ رکعت، پھر آپ سے کہا گیا۔ کیا نماز میں زیادتی کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا سبب؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ آپ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھی ہیں۔ پھر آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے، اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا۔ کہ میں آدمی ہوں مانند تمہارے بھولتا ہوں۔ جیسے تم بھولتے ہو۔ پس جب بھولوں میں تو یاد دلاؤ مجھ کو۔ (بخاری، مسلم)

تعداد رکعت کے شک پر سجدہ

۴۴۰۔ جس شخص کو نماز میں یہ شک پڑے۔ کہ آیا اس نے ایک رکعت پڑھی ہے، یا دو، تو وہ اس کو ایک رکعت

۴۳۹۔ اس کو بخاری (۱۲۰۱) "صلاۃ" مسلم (۵/ ۶۱ - ۶۲) ابو عوانہ (۲/ ۲۰۰) ابو داؤد (۱۰۱۹ - ۱۰۲۰) دارقطنی (۱/ ۳۷۵) بیہقی (۲/ ۳۴۵) اسی طرح ترمذی (۳۹۲ - ۳۹۳) نسائی (۳/ ۳۱ - ۳۲) اور ابن ماجہ (۱۲۰۳، ۱۲۰۵، ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

فائدہ: اگر آج کوئی امام چار رکعت کے بعد پانچویں رکعت کے لیے بھول کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو مقتدیوں کو سبحان اللہ کہہ کر اسے بٹھانا چاہیئے۔ اگر وہ نہ بیٹھے تو انہیں کھڑا نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ بحالت تشہد ہی بیٹھے رہیں۔ جب امام پانچویں رکعت مکمل کر کے سلام پھیرے تو وہ بھی اس کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اس مسئلہ کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے درج ذیل جواب دیا۔

عدم واقفیت کی وجہ سے اگر وہ اس کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں تو ان کی نماز باطل نہ ہوگی۔ مگر جاننے کی صورت میں ان کے لیے اس کی متابعت درست نہیں، بلکہ اس کا انتظار کریں اور جب وہ سلام پھیرنے لگے تو اس کے ساتھ سلام پھیر دیں یا اس سے قبل ہی سلام پھیر لیں۔ مگر انتظار احسن ہے۔ الفتاویٰ الکبریٰ (۱/ ۱۲۷)

علامہ صنعانی حدیث ابن مسعود کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ (یا پانچویں رکعت میں امام کی متابعت) صحابہ کے ساتھ خاص تھا۔ اس لیے کہ عصر نبوت میں احکام میں تغیر و تبدل ممکن تھا۔ اگر آج ایسی صورت پیدا ہو جائے تو مقتدیوں کو "سبحان اللہ" کہنا چاہیئے۔ اگر امام بیٹھ جائے تو بہتر ورنہ انہیں بیٹھے انتظار کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اس کے تشہد کے ساتھ تشہد پڑھیں اور اس کے سلام کے ساتھ سلام پھیریں۔ سبل السلام (۱/ ۲۴۹)

۴۴۰۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۱/ ۱۹۰) ترمذی (۳۹۸) ابن ماجہ (۱۲۰۹) طحاوی (۱/ ۲۴۳) حاکم (۱/ ۳۲۴ - ۳۲۵) بیہقی (۲/ ۳۳۲) ←

یقین کرے۔ اور جس کو یہ شک پڑے۔ کہ اس نے دو پڑھی ہیں۔ یا تین۔ تو وہ اس کو دو رکعت یقین کرے۔ اور پھر (قعدہ آخری میں) (سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے (سہو کے) کرے۔ (مسند امام احمد)

قعدہ میں بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے پر سجدہ

۱۴۴ - جو نمازی شک کے باعث قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنے کی بجائے سیدھا کھڑا ہو جائے۔ تو وہ (قبل سلام) دو سجدے کرے، اور جو پورا کھڑا نہ ہو کر قعدہ میں بیٹھ جائے۔ تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔

(ابو داؤد - ابن ماجہ - دارقطنی)

ملاحظہ: سجدۂ سہو سلام سے قبل یا بعد کرنے کا ذکر تو احادیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ لیکن صرف ایک ہی طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا سُنّت سے ثابت نہیں ہے۔

اور بغوی (۷۵۵) نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو امام ترمذی، حاکم، بغوی، ذہبی، البانی اور شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ بیہقی کا میلان بھی اس کی صحت ہی کی طرف ہے۔ اس حدیث کے بارے میں تفصیل کے لیے "تحقیق ترمذی" للشیخ احمد شاکر (۲/۲۴۵-۲۴۶) اور "احادیث صحیحہ" للالبانی (۱۳۵۶) کا مراجعہ کیا جائے۔

۱۴۴ - ضعیف ہے۔

اس کو ابو داؤد (۱۰۳۶) ابن ماجہ (۱۲۰۸) دارقطنی (۱/۳۷۸) اسی طرح عبدالرزاق (۲/۳۱۰) احمد (۴/۲۵۳، ۲۵۳، ۲۵۴) ابن منذر نے "اوسط" (۳/۲۹۱) میں، طبرانی نے "کبیر" (۲۰/۳۹۹) اور "اوسط" (۱۱۸۲) میں ابن عدی (۳/۹۰۳) بیہقی (۲/۳۴۳) ابن عبدالبر نے "تمہید" (۱۰/۱۸۷-۱۸۸) میں اور مزی نے بھی "تہذیب الکمال" (۴/۱۷۴) میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سند: جابر الجعفی عن المغیرۃ بن شبیل عن قیس بن ابی حازم عن المغیرۃ بن شعبہ۔

یہ سند ضعیف ہے۔ کیونکہ جابر جعفی ضعیف ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔ بلکہ یہ متہم ہے۔ اسی لیے ابن منذر نے کہا ہے۔ کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔

شعبہ نے ثوری کی اس کی سند میں مخالفت کی ہے اور اس سے کچھ پہلے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں مقال ہے۔

ابن منذر نے اس حدیث کو ثوری کی سند سے روایت کیا ہے، شعبہ نے ان کی سند میں کیسے مخالفت کی ہے۔ اس کی انہوں نے وضاحت نہیں کی ہے۔ اس سے غالباً ان کی مراد یہ ہو گی کہ شعبہ نے جابر جعفی اور قیس بن ابی حازم کے درمیان مغیرہ بن شبیل کا واسطہ بیان نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو "شرح معانی الآثار" (۱/۴۴۰)

ــــــ مگر یہ اختلاف ایسا اختلاف نہیں کہ جس سے اس سند کو معلول کیا جا سکے۔ نیز سفیان ثوری کی اسرائیل بن یونس، زید بن ابی انیسہ اور قیس بن ربیع نے متابعت کی ہے۔

شیخ البانی نے اس حدیث کو اس بنا پر صحیح کہا ہے کہ جابر جعفی کی قیس بن ربیع اور ابراہیم بن طہمان نے متابعت کی ہے" احادیث صحیحہ" (۳۲۱)۔

قُلت: میرے نزدیک ان دونوں کی متابعت محل نظر ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ قیس بن ربیع کی سند سے اس کو طحاوی نے" شرح معانی" (۱/۴۴۰) میں روایت کیا ہے۔ جبکہ اسی سند سے اس کو دارقطنی (۱/۳۷۹) نے بھی روایت کیا ہے اور ان کے یہاں قیس نے اس حدیث کو مغیرہ بن شبیل سے جابر جعفی کے واسطے سے روایت کیا ہے " شرح معانی" میں ممکن ہے کہ ناسخ کی یا کسی راوی کی غلطی سے جابر کا واسطہ ساقط ہو گیا ہو، جس راوی نے اس واسطہ کا ذکر کیا ہے وہ ثقہ راوی ہے۔

۲ - ابراہیم بن طہمان کی سند سے بھی اسے طحاوی ہی نے روایت کیا ہے اور میرے نزدیک یہ متابعت اس لیے محل نظر ہے کہ مزی نے" تہذیب الکمال" (۲/۱۰۹) میں ابراہیم کی جابر جعفی سے تو روایت ذکر کی ہے۔ مگر مغیرہ بن شبیل سے نہیں۔

اسی طرح ابن ابی حاتم نے" جرح و تعدیل" (۸/۲۲۴) میں اور حافظ ابن حجر نے" تہذیب التہذیب" (۱۰/۲۳۴) میں مغیرہ بن شبیل سے روایت کرنے والوں میں جابر جعفی کا ذکر کیا ہے۔ مگر ابراہیم بن طہمان کا نہیں۔

اس تفصیل کی بنا پر مجھے ابراہیم کی متابعت میں توقف ہے۔ ممکن ہے کہ ناسخ کی غلطی سے یہاں بھی جابر بن جعفی کا واسطہ ساقط ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ: جہاں تک اس حدیث میں مذکورہ مسئلے کا تعلق ہے تو اس کے لیے حدیث عبداللہ بن بحینہ کفایت کر سکتی ہے۔ دیکھیں" صحیح ابن خزیمہ" (۱۰۳۱) اور" احادیث صحیحہ" (۵/۵۸۶)۔

فائدہ: سجدۂ سہو سلام سے قبل یا بعد:

سجدۂ سہو سلام سے قبل یا بعد ہونا چاہیئے۔ اس کے بارے میں علماء کے کئی ایک اقوال ہیں۔ مگر مجھے اس مسئلہ میں اقرب الی الصواب حافظ ابن حبان کا مذہب نظر آتا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس بارے میں ان کے کلام کا یہاں خلاصہ ذکر کروں۔ مگر اسے مفصل ذکر کرنے میں زیادہ فائدہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے مسئلہ کی خوب وضاحت ہو جائے گی۔

حافظ ابن حبان فرماتے ہیں کہ جس شخص کو نماز کی رکعات کی تعداد میں شک گزرے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی رکعات ادا کی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں یہ فرمان" فليسجد سجدتين وهو جالس" وہ دو سجدے کرے مجمل ہے اور اس کی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال ہیں۔ جنہیں ہم ذکر کر چکے ہیں، کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ صرف ان احادیث کو لے جن میں سجدۂ سہو قبل السلام مذکور ہے اور ہر حالت میں انہی احادیث پر عمل کرے اور وہ احادیث جن میں سجدہ سہو بعد السلام مذکور ہے۔ انہیں ترک کر دے ←

نماز باجماعت کا بیان

ستائیس نمازوں کا ثواب

۴۴۲۔ رسولِ خدا نے فرمایا۔ اکیلے کی نماز سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ستائیس درجے زیادہ (ثواب) رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۔۔۔۔ اسی طرح کسی کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ان احادیث کو لے جن میں سجدۂ سہو کا ذکر سلام کے بعد ہے اور ہر حالت میں انہی پر عمل کرے اور ان اخبار کو چھوڑ دے۔ جن میں سجدہ سہو کا ذکر سلام سے پہلے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ چار احادیث ہیں۔ ان سب کو استعمال میں لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس حالت میں جیسے سنت وارد ہے ویسے ہی کرنا چاہیئے۔ پس اگر ایک شخص بھول کر دو یا تین رکعات سے سلام پھیر دیتا ہے۔ تو اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عمران کی حدیث کے مطابق سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔ اگر وہ دو رکعت پر اُٹھ کھڑا ہوُا اور بیٹھا نہیں تو اسے نماز مکمل کرلینے کے بعد ابن بحینہ کی حدیث کی رُو سے قبل السلام سجدہ کرنا چاہیئے۔ اگر اسے تین یا چار رکعت میں شک واقع ہوجاتا ہے تو اسے یقین پر اعتماد کرتے ہوئے ابوُسعید اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی حدیث کی رُو سے سلام سے قبل سجدۂ سہو کرنا ہوگا اور اگر اسے شک واقع ہوا مگر اسے یہ بالکل علم نہیں ہے، کہ کہ اس نے کتنی رکعت ادا کی ہیں۔ تو وہ ظن غالب پر بنا کرتے ہوئے نماز پوری کرے اور حدیث ابن مسعوُد کے مطابق سجدۂ سہو بعد السلام کرے۔ ایسا کرنے سے ان سب احادیث پر عمل کرنے والا بن جائے گا۔

مذکورہ صورتوں کے علاوہ اگر کوئی اور صورت پیش آجاتی ہے تو وہ مذکورہ صورتوں میں سے۔ جس صوُرت کے قریب ہوگی اس کا حکم اسی صوُرت کا حکم ہوگا۔ صحیح ابن حبان (۱/۱۹۵-۱۹۶)

علامہ شوکانی کا بھی یہی قول ہے۔ مگر ابنِ حبان اور ان کے قول میں فرق یہ ہے کہ انہوں نے نئی پیش آمدہ صوُرت میں اختیار کو اختیار کیا ہے یعنی اس صورت میں سجدہ قبل السلام یا بعد السلام کرنے میں اختیار ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف فضیلت کی حد تک ہے یعنی سجدہ سہو قبل السلام افضل ہے یا بعد السلام۔ رہا جواز تو اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں دیکھیں نیل الاوطار" (۳/۱۱۲)

۴۴۲ ۔ اس کو بخاری (۶۴۵) مسلم (۵/۱۵۲) ابوُعوانہ (۲/۳) ترمذی (۲۱۵) نسائی (۲/۱۰۳) ابن ماجہ (۷۸۹) دارمی ←

تارک جماعت کے گھروں کو جلانے کا قصد

۴۴۳۔رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔قسم ہے اس ذات کی کہ جان میری اس کے ہاتھ میں ہے۔البتہ قصد کیا مَیں نے کہ جلا دُوں گھر ان لوگوں کے جو حاضر نہیں ہوتے ہیں نماز (جماعت) میں۔ (بخاری و مسلم)

بھائیو! غور کرو!! اذان سُن کر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنا کس قدر اشد ضروری ہے کہ رسُول اللہ اتنے غضب ناک ہُوئے۔کہ مسجد میں حاضر نہ ہونے والوں کے گھروں کو جلا دینے کا قصد کر لیا۔لیکن بے قصور بچّوں اور عورتوں کے باعث یہ قصد ترک فرما دیا۔

نابینا بھی مسجد میں جائے۔

۴۴۴۔عبد اللہ بن اُمِّ مکتُوم نابینے نے اپنے اندھے ہونے کا عُذر پیش کر کے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اذان سُنتے ہو۔عبد اللہ نے کہا۔جی ہاں! قَالَ فَاَجِبْ (پھر) آپ نے فرمایا۔پس حاضر ہو نماز میں۔ (مُسلم)

بھائیو! سوچو!۔نابینے کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ مِل سکی اور آنکھوں والے جو اذان سُن کر مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نہیں جاتے۔قیامت کو ان کا کیا حال ہو گا۔جماعت سے نماز پڑھنے میں اجتماعی زندگی کا راز پنہاں ہے۔اور تارک جماعت قوم میں انفرادیت پیدا کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نابینوں تک کو مسجد میں حاضری کا حُکم دیا گیا۔

← (۱/ ۲۹۲-۲۹۳) مالک (۱/۱۲۹) احمد (۲/۱۷، ۶۵، ۱۱۲) ابنِ خزیمہ (۱۴۷) بیہقی (۳/۵۹) اور بغوی (۷۸۴) نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی شرح کے لیے "فتح الباری" (۲/۱۲۲-۱۳۴) اور "نیل الاوطار" (۳/۱۲۷) دیکھیں۔

۴۴۳۔اس کو بخاری (۶۴۴، ۶۵۷) مُسلم (۵/۱۵۳-۱۵۴) ابُو عوانہ (۲/۶) ابو داؤد (۵۴۸/۵۴۹) ترمذی (۲۱۷) نسائی (۲/۱۰۷) ابن ماجہ (۷۹۱)، مالک (۱/۱۲۹) احمد (۲/۲۴۴) اور ابن جارُود (۳۰۴) وغیرہ نے مختلف سندوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۴۴۴۔اس حدیث کو مسلم (۵/۱۵۵) ابُو عوانہ (۲/۶) نسائی (۲/۱۰۹) اور بیہقی (۳/۵۷، ۶۶) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بلکہ خود عبد اللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

منافقوں پر بھاری نمازیں

۴۴۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا منافقوں پر بہت بھاری ہے۔ اگر ان کو ان دونوں نمازوں کا ثواب معلوم ہوتا۔ تو وہ اپنے گھٹنوں پر چل کر ان نمازوں میں حاضر ہوتے۔ (بلوغ المرام)

بھائیو! خبردار!! فجر اور عشاء کی جماعت میں ہرگز سستی نہ کرنا۔ کہ یہ علامت نفاق کی ہے۔ ان دونوں نمازوں میں منافق حاضر نہیں ہوتے تھے۔ خدا ہمیں سستی سے بچائے اور دوسری نمازوں کی طرح خاص طور پر فجر اور عشاء جماعت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق دے۔

نفاق اور دوزخ سے نجات

۴۴۶۔ جو شخص چالیس دن جماعت سے ساتھ مع تکبیر اولیٰ نماز پڑھے تو اس کے لیے دو خلاصیاں لکھی جاتی ہیں۔ ایک خلاصی آگ سے اور دوسری نفاق سے۔ (ترمذی)

ملاحظہ:۔ قارئین کرام کوشش کریں۔ کہ چالیس دن پانچوں نمازیں مع تکبیر اولیٰ با جماعت پڑھیں، چالیس دن کے بعد نجات اور اخلاص کی آپ کو سند ملے گی۔ اور جماعت کی مداومت کی کرامت حاصل ہوگی۔

۴۴۵۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے تفصیلی تخریج کے لیے حدیث (۱۵۳) دیکھیں۔

۴۴۶۔ حسن درجے کی ہے۔

یہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس کی ان سے چار سندیں ہیں۔

پہلی سند: حبیب عن انس۔

حبیب سے اس کو طعمہ بن عمرو اور خالد بن طہمان ابو العلاء الخفاف نے روایت کیا ہے۔

طعمہ کی سند سے اس کو ترمذی نے (۲۴۱) بحشل واسطی نے "تاریخ واسط" (۶۶) میں ابن عدی نے "کامل (۲/ ۸۱۰، ۳/ ۸۹۱) میں بیہقی نے "شعب" (۶/ ۱۶۱-۱۶۲) میں اور ابن جوزی نے "علل" (۱/ ۴۳۵) میں روایت کیا ہے۔

خالد بن طہمان کی سند سے اس کو ترمذی (۸/۲) بحشل واسطی (۶۵-۶۶) دولابی نے "کنیٰ" (۲/ ۵۰) میں ابن عدی (۲/ ۸۱۰، ۳/ ۸۹۱) بیہقی (۶/ ۱۶۲-۱۶۳) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۱/ ۲۷۵) میں روایت کیا ہے۔

خالد بن طہمان سے اکثر راویوں نے اس کو انس رضی اللہ عنہ پر موقوفاً روایت کیا ہے مگر موقوف ہونے کی ←

صورت میں بھی اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہوگا کیونکہ اس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں، خالد بن طہمان کی سند میں اسی خالد کی وجہ سے کچھ ضعیف پایا جاتا ہے۔ مگر طعمہ بن عمر کی سند کے ان تک (یعنی طعمہ تک) تمام راوی ثقہ ہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا جو راوی حبیب ہے تو یہ حبیب کون ہے۔

طعمہ کی سند میں ترمذی کے یہاں اس کو حبیب بن ابی ثابت کہا گیا ہے۔ جب کہ ترمذی کے علاوہ دوسروں کے یہاں اس کو صرف حبیب کہا گیا ہے۔

ابن عدی نے کہا ہے کہ ابو حفص کا کہنا ہے کہ یہ حبیب الحذا ہے۔

جبکہ خود انہوں نے اس حدیث کو پہلے مقام پر حبیب بن ابی حبیب انماطی کے ترجمے میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ حبیب بن ابی حبیب انماط والا ہے یا کہ کوئی دوسرا ہے۔ کامل (۸۱۰/۲)

مگر یہ حبیب انماطی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ متأخر طبقے کا راوی ہے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ میری کتاب میں تو حبیب بن ابی ثابت ہے۔ اور یہ غلط ہے بلکہ یہ حبیب بن ابی حبیب الحذاء ابو عمیرہ ہے۔

اسی طرح "تاریخ بغداد" میں خالد بن طہمان کی سند میں بھی قیس بن ربیع کی روایت میں حبیب بن ابی ثابت ہے۔ اسی طرح ان سے عطاء بن مسلم کی روایت میں بھی حبیب بن ابی ثابت ہے۔ جیسا کہ امام دارقطنی نے "علل" (۱۱۹/۲) میں کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ وہم ہے۔

انہوں نے اور خطیب بغدادی نے بھی اس حبیب کو حبیب اسکاف کہا ہے، دارقطنی نے "افراد" میں بھی یہی کچھ کہا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "نکت ظراف" (۱۶۳/۱-۱۶۴) میں نقل کیا ہے۔

ترمذی اور دولابی کے یہاں خالد کی سند میں اس حبیب کو حبیب البجلی کہا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تہذیب" (۱۵۷/۲) میں حبیب بن حبیب البجلی ہی کے ترجمے میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس بجلی کی دو تین کنیتیں ذکر ہوئی ہیں۔ جن میں ایک کنیت ابو عمیرہ بھی ہے "تاریخ واسط" اور "شعب بیہقی" کی بعض روایات میں اس کی صرف کنیت ابو عمیرہ ذکر ہوئی ہے اور یہ ابو عمیرہ حبیب بن ابی بجلی ہے۔ ایسا نہیں جیسا شیخ البانی سمجھے ہیں کہ یہ ابو عمیر ابن انس بن مالک ہے۔

حبیب بجلی کو حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں مقبول کہا ہے۔ یعنی متابعت کی صورت میں اس کی حدیث مقبول ہے۔ اس حدیث میں اس کی متابعت کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کی انس رضی اللہ عنہ سے دوسری سندیں بھی ہیں۔ جو عنقریب آ رہی ہیں۔

اگر ہم دارقطنی اور خطیب بغدادی کے قول کو لیں کہ یہ حبیب، حبیب اسکاف ہے تو یہ سند سخت ضعیف ہوگی۔ کیونکہ اسکاف متروک ہے جیسا کہ ذہبی نے میزان" (۴۵۶/۱) میں دارقطنی سے نقل کیا ہے۔ مگر ان کی بات کچھ بعید معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث کے راویوں نے اس حبیب کو یا تو حبیب بن ابی ثابت کہا ہے یا حبیب بن ابی حبیب۔ مگر حبیب بن ابی ثابت تو درست نہیں جیسا کہ دارقطنی وغیرہ کے حوالے سے ذکر ہوا لہذا یہ حبیب بن ابی حبیب بجلی ہی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ــــــہ ابو حاتم نے تو اس کے بارے میں یہ کہا ہے کہ میں نہیں جانتا یہ حبیب کون ہے۔ دیکھیں "علل ابن ابی حاتم" (۱/۱۳۹-۱۴۰) -

دوسری سند : ابوحمزة الواسطی عن انس۔

اس سند سے اس کو بحشل واسطی نے "تاریخ واسط" (۹۲) میں روایت کیا ہے۔

تیسری سند : عمارہ بن غزیہ عن انس۔

اس سند سے اس کو ابن ماجہ (۷۹۸) اور بیہقی نے "شعب" (۱۶۳/۶) میں روایت کیا ہے۔ اس سند سے انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ عمارہ بن غزیہ نے انس رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے اور دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کا انس سے ہمیں سماع معلوم نہیں۔

عمارہ سے اس حدیث کو اسماعیل بن عیاش نے روایت کیا ہے جو شامی ہیں اور ان کی غیر شامیوں سے بیان کردہ احادیث ضعیف ہیں اور عمارہ بن غزیہ مدنی ہیں۔ لیکن اس سند کی یہ علت نہیں ہے۔ کیونکہ اسماعیل اس کو عمارہ سے روایت کرنے میں متفرد نہیں ہیں۔ بلکہ محمد بن اسحاق اور یحییٰ بن ایوب نے ان کی متابعت کی ہے۔ مگر یحییٰ بن ایوب نے عمارہ اور انس رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک نامعلوم آدمی کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو علل دارقطنی (۲/ ۱۱۸/ ۱۵۱) لہٰذا یہ سند ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چوتھی سند : حمید الطویل عن أنس۔

اس سند سے اس کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۷/ ۹۶، ۱۴/ ۲۸۸ - ۲۸۹) میں اور ابن جوزی نے "علل" (۱/ ۴۳۴-۴۳۵) میں روایت کیا ہے۔

ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ معلوم نہیں کہ بکر بن احمد کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے بھی اس کو یعقوب بن تحیۃ سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں۔ یعقوب اور بکر۔ مجہول الحال ہیں۔

قُلت : اس کو یعقوب سے بکر کے علاوہ بھی ایک راوی نے روایت کیا ہے اور وہ ہے جعفر بن محمد بن حکیم۔ ملاحظہ ہو۔ "تاریخ بغداد" (۱۴/ ۲۸۸)

حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث اپنے طرق کی بنا، پر ثابت ہے۔ اسی لیے شیخ البانی نے کہا ہے کہ اس کے تمام طرق ضعف سے خالی نہیں۔ مگر ان تمام کو ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے۔ احادیث صحیحہ (۱۹۷۹)

اس حدیث کی آخری سند، حمید والی سند، میں نماز فجر و عشاء کا ذکر ہے۔ اور دوسری بعض سندوں میں نماز فجر کی قید ہے۔

تنبیہ : مسند احمد (۳/ ۱۵۵) میں نبیط بن عمر کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ "جو شخص میری مسجد (مسجد نبوی) میں چالیس نمازیں ادا کرتا ہے۔ اس کے لیے آگ سے براءت اور عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے اور وہ ــــــ

۴۴۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کھڑی ہو جائے تو پاس کوئی نماز مت پڑھیں۔ (مسلم)

عورتوں کو مسجد کی اجازت

۴۴۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب تمہاری عورت مسجد کی طرف جانے کی اجازت مانگے۔ (تراویح نماز جمعہ وغیرہ پڑھنے کے لیے) انہیں ہرگز نہ منع کرو اس کو۔ (بخاری ومسلم)

← نفاق سے پاک ہو جاتا ہے۔" مگر ان الفاظ سے یہ حدیث ضعیف ہے، تفصیل "احادیث ضعیفہ (۳۶۴) میں دیکھیں۔

۴۴۷۔۔ اس حدیث کی تخریج حدیث (۱۰۱) میں ملاحظہ کریں۔

فائدہ : اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جماعت کھڑی ہو جانے کی صورت میں فجر کی سنت بھی ادا نہ کی جائیں یہ اضافہ کامل ابن عدی (۷/۲۰۲) "علوم الحدیث" للحاکم (۱۳۳ - ۱۳۴) اور بیہقی (۲/۴۸۳) میں ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کو ابن عدی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ فتح الباری (۲/۱۴۹)

مگر اس تحسین میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ اضافہ مسلم بن خالد کی روایت میں ہے۔ جو اسے بیان کرنے میں متفرد ہے۔ بلکہ حافظ ابن رجب نے اس اضافے کو ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "شرح العلل" (۲۴۶)

تنبیہ : بیہقی کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس وقت فجر کی سنت پڑھی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ اضافہ بے اصل ہے یعنی اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے خود ہی صراحت کر دی ہے۔

۴۴۸۔۔ اس کو بخاری (۳۰۸) مسلم (۲/۱۶۱) نسائی (۲/۴۲) دارمی (۱/۲۹۳) ابن ماجہ (۱۶) اور بیہقی (۳/۱۳۲) نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

بخاری (۸۲۵، ۸۹۹۔ ۹۰۰) مسلم ابو داؤد (۵۶۶ - ۵۶۸) ترمذی (۵۷۰) اور بیہقی نے اس کو دوسری سندوں سے دیگر مختلف الفاظ سے بھی روایت کیا ہے۔

ان الفاظ میں سے ایک لفظ یہ بھی ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو۔

انہی الفاظ سے یہ حدیث، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اور ان کی حدیثوں میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ خوشبو کا استعمال کیے بغیر جائیں۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ابو داؤد (۵۶۵) دارمی (۱/۲۹۳) اور ابن حبان (۳۲۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ بلکہ اعلیٰ حسن درجے کی ہے۔

حدیث زید کو احمد (۵/۱۹۲، ۱۹۳) ابن حبان (۳۲۶) اور طبرانی (۵/۲۴۸) نے روایت کیا ہے۔ اس کی ور اس سے ←

ملاحظہ: جس مسجد میں کوئی عالم ربانی خالص قرآن اور حدیث بیان کرتا ہو۔ جہاں کتاب و سنت کا چشمہ ہدایت پھوٹ رہا ہو، توحید کی آبشار بہتی ہو۔ اخلاق رسول کی نسیم عنبر فشاں ہو۔ تو ان حالات میں مستورات کو مسجد میں جانے کی اجازت دینی چاہیئے۔ ورنہ ان کے گھر نماز کے لیے بہتر ہیں۔[1]

۴۴۹۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت ابو داؤد میں ہے۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نماز عورت کی اپنے گھر (کے دالان) میں صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور اس کا کوٹھڑی میں نماز پڑھنا کھلے مکان میں پڑھنے سے بہتر ہے۔

حدیث کے مطابق نماز کے متفرق مسائل

۴۵۰۔ اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور کسی شخص کو پائخانہ کی حاجت ہو تو پہلے پائخانہ سے فراغت حاصل کرے اور پھر نماز پڑھے۔ اگر جماعت فوت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ (ترمذی وابو داؤد)

۴۵۱۔ جو کوئی اذان سن کر مسجد میں جماعت کے لیے بغیر کسی عذر نہ پہنچے۔ (اور گھر میں پڑھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ "(ابو داؤد) اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔

قبول نہ ہونے کا مطلب علماء یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کو نماز کا ثواب نہیں ہوتا۔ اگرچہ فرضیت ساقط ہو جاتی ہے بلا عذر گھر میں پڑھنے والوں کو رسول پاک کے حکم لَمْ تقبل پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

---

[1] ۴۵۲۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ (رواہ ابو داؤد) تم اپنی عورتوں کو مسجدوں سے منع نہ کرو۔ اور (لیکن) گھر ان کے لیے بہتر ہیں (نماز پڑھنے کو) (محمد صادق)

← پہلے والی حدیث کو بھی ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں اور اسی طرح زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی خوشبو لگا کر جانے کی ممانعت آئی ہے۔

۴۴۹۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابو داؤد (۵۷۰) ابن خزیمہ (۱۶۸۸-۱۶۹۰) حاکم (۱/ ۲۰۹) ابن حزم (۴/ ۱۲۶-۱۲۷) بیہقی (۳/ ۱۳۱) اور بغوی (۸۶۵) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی اور نووی نے "مجموع" (۴/ ۱۹۸) میں صحیح کہا ہے۔ ←

← مگر اس کی سند میں قتادہ ہیں جو مدلس ہیں اسی لیے ابن خزیمہ نے اس کی صحت کے بارے میں شک کا اظہار کیا ہے۔ دیکھیں "صحیح ابن خزیمۃ" (۳/۹۲، ۹۴)۔

مگر یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ ابراہیم ہجری نے قتادہ کی متابعت کی ہے۔ اس سند سے اس کو ابن خزیمۃ (۱۶۹۱) اور بیہقی (۳/۱۳۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس سند کے الفاظ دوسرے ہیں۔

نیز اس حدیث کے معنوی شواہد بھی ہیں ان شواہد میں ابوہریرۃ، اُمّ سلمہ، اُمّ حمید اور عائشہ کی حدیثیں ہیں۔

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ابن خزیمۃ (۱۶۹۲) نے حدیث اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو احمد (۶/ ۲۹۷، ۳۰۱) ابن خزیمہ (۱۶۸۳) حاکم (۱/ ۲۰۹) اور بیہقی (۳/ ۱۳۱) نے حدیث اُمّ حمید رضی اللہ عنہا کو احمد (۶/ ۳۷۱) ابن خزیمہ (۱۶۸۹) طبرانی (۲۵/ ۱۴۸) اور بیہقی نے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی بیہقی ہی نے روایت کیا ہے۔

۴۵۰۔ اس حدیث کی تخریج حدیث (۳۲) میں دیکھیں۔

۴۵۱۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۵۱) طبرانی (۱۱/ ۴۴۶۔ ۴۴۷) ابن عدی (۷/ ۲۶۷۰) دارقطنی (۱/ ۴۲۰۔ ۴۲۱) اور حاکم (۱/ ۲۴۵۔ ۲۴۶) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

سند: ابوجناب الکلبی عن مغرا العبدی عن عدی بن ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عباس۔

یہ سند ابوجناب کلبی کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی، اور اس نے اس حدیث کو لفظ "عن" سے روایت کیا ہے "تلخیص الحبیر" (۲/ ۳۰)

مگر یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ عدی بن ثابت سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ شعبہ کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو ابن ماجہ (۷۹۳)، ابن حبان (۴۲۶) طبرانی (۱۱/ ۴۴۶) دارقطنی (۱/ ۴۲۰) حاکم (۱/ ۲۴۵) بیہقی (۳/ ۵۷، ۱۷۴) اور بغوی (۳/ ۳۴۹۔ ۳۵۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ تفصیل کے لیے "ارواء الغلیل" (۲/ ۳۳۶/ ۵۵۱) دیکھیں۔

نیز یہ حدیث ابوموسیٰ، جابر، ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حدیث ابوموسیٰ کو حاکم (۱/ ۲۴۶) اور بیہقی (۳/ ۱۷۴) نے روایت کیا ہے۔ یہ دو طرح سے مروی ہے۔ یعنی موقوفاً اور مرفوعاً۔

امام حاکم نے مرفوع کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ جب کہ امام بیہقی نے موقوف کو اصح کہا ہے ملاحظہ ہو (۳/ ۵۷)

حدیث جابر کو دولابی نے "کنی" (۱/ ۱۹۰) معلقاً ہیں عقیلی (۴/ ۸۱) دارقطنی (۱/ ۴۲۰) اور ابن نجار (۱۵/ ۶۰۵) نے روایت کیا ہے۔

حدیث ابن عمر و ابوہریرہ کو ابن عدی (۲/ ۵۶۷، ۳/ ۱۱۲۶) نے روایت کیا ہے۔ ←

۴۵۳۔ جس بستی میں تین آدمی ہوں اور وہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں، تو ان پر شیطان غالب ہوتا ہے۔
(ابوداؤد۔ نسائی)

۴۵۴۔ کھانا تیار ہو (اور بھوک لگی ہو)، تو کھا کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ (صحیح مسلم)

---

۴۵۲ ← صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۶۷) ابن خزیمہ (۱۶۸۴) احمد (۲/ ۷۶-۷۷) حاکم (۱/ ۲۰۹) اور بیہقی (۳/ ۱۳۱) نے حبیب بن ابی ثابت کی سند سے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابنِ خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے مگر حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں اور انہوں نے یہاں سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی۔ لیکن یہ حدیث، حدیث (۴۴۹) میں مذکور شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔

یہ شواہد اس کے آخری ٹکڑے کے ہیں اور اس کا پہلا ٹکڑا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے دوسری متعدد سندوں سے مروی ہے۔ دیکھیں حدیث (۴۴۸)

۴۵۳ ← حسن درجے کی ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۴۷) نسائی (۲/ ۱۰۶-۱۰۷) ابنِ مبارک نے "مسند" (۵۳) میں اور "زہد" (۱۳۶) میں بھی احمد (۵/ ۱۹۶، ۶/ ۴۴۶) ابن خزیمہ (۱۴۸۶) ابنِ حبان (۴۲۵) حاکم (۱/ ۲۴۶) بیہقی نے "سنن" (۳/ ۵۴) میں اور "شعب" (۶/ ۱۵۲) میں بھی بغوی (۷۹۳) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۰/ ۱۸۳) میں ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابنِ خزیمہ، ابنِ حبان، حاکم، ذہبی اور نووی نے "مجموع" (۴/ ۱۸۳) میں صحیح کہا ہے۔

اس کی سند میں سائب بن حبیش کلاعی ہے۔ جسے ابنِ حبان نے "ثقات" (۶/ ۴۱۳) میں ذکر کیا ہے اور عجلی نے "تاریخ ثقات" (ص ۵۰۴) میں اس کو ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے اس کو "صالح الحدیث" کہا ہے۔ جیسا کہ "تہذیب التہذیب" (۳/ ۴۸۷) میں ہے اور ذہبی نے "کاشف" (۱/ ۲۷۳) میں اس کو صدوق کہا ہے۔ لہٰذا اس کی سند حسن درجے سے کم نہیں۔

۴۵۴۔ اس بارے میں متعدد احادیث بھی ہیں، جن میں ابن عمرؓ، انس اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں۔

۱۔ حدیث ابنِ عمرؓ بخاری (۵۴۶۳) "اطعمہ" مسلم (۵/ ۴۵-۴۶) ابوعوانہ (۲/ ۱۵-۱۶) ترمذی (۳۵۴) اور ابن ماجہ (۹۳۴) میں ہے۔

۲۔ حدیث انس کو بھی بخاری، مسلم، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابوعوانہ اور نسائی (۲/ ۱۱۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیث عائشہ کو مسلم اور ابنِ ماجہ نے عروہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کو مسلم، ابوعوانہ (۲/ ۱۶) اور ابوداؤد (۸۹) نے عبداللہ بن ابی عتیق کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں کھانے کے ساتھ پیشاب و پاخانے کا بھی ذکر ہے۔ یعنی جب پیشاب اور پاخانے کی حاجت ہو یا شدت ہو تو اس وقت بھی نماز نہیں۔

۴۵۵۔ سردی اور بارش کی رات میں رسولِ خداؐ نے گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ (بخاری مسلم)

۴۵۶۔ سورج کے نکلتے وقت اور ڈوبتے وقت، اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز پڑھنی منع ہے۔ اور اسی طرح نمازِ فجر پڑھ لینے کے بعد سورج کے اچھی طرح نکل لینے تک، اور عصر کی نماز کے بعد آفتاب کے اچھی طرح غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ (صحیح مسلم)

ملاحظہ: نماز کے ممنوعہ اوقات میں فوت شدہ نماز پڑھ لینی جائز ہے۔

۴۵۵۔ اس کو بخاری (۶۶۶) مسلم (۵/ ۲۰۵) ابوعوانہ (۲/ ۱۷-۱۸) ابوداؤد (۱۰۶۰-۱۰۶۳) دارمی (۱/ ۲۹۲) مالک (۱/ ۳) احمد (۲/ ۶۳) بیہقی (۳/ ۷۰) اور بغوی (۷۹۱) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے بعض طرق میں لفظ سفر کی قید ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ سفر یہ اجازت دی تھی۔

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ بظاہر یہ سفر کے ساتھ خاص ہے مگر مالک والی روایت مطلق ہے۔ جمہور علماء نے اسی کو لیا ہے۔ مگر یہ قاعدہ کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس امر کا متقاضی ہے کہ یہ حکم مسافر کے ساتھ خاص ہو اور حضر میں مشقت کی صورت میں مقیم کا حکم مسافر کا حکم ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری (۲/ ۱۱۳)

۴۵۶۔ یہ دو الگ الگ احادیث ہیں جنہیں مؤلف علیہ الرحمہ نے ایک کر دیا ہے۔

سورج نکلتے ڈوبتے اور دوپہر کے وقت نماز کی ممانعت حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ میں ہے اور یہ مصنف ابن ابی شیبۃ (۲/ ۳۵۲) مسلم (۶/ ۱۱۴) ابوعوانہ (۱/ ۳۸۶) ابوداؤد (۳۱۹۲) کتاب الجنائز نسائی (۱/ ۲۷۵-۲۷۶ و ۴/ ۸۲) کتاب المواقیت و کتاب الجنائز ترمذی (۱۰۳۰) جنائز ابن ماجہ (۱۵۱۹) جنائز دارمی (۱/ ۳۳۳) شرح السنۃ (۷۷۸) اور بیہقی (۲/ ۴۵۴) میں ہے۔

فجر اور عصر کے بعد نماز کی ممانعت کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ جن حضرت عمر، ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

حدیث عمر بخاری (۵۸۱) مسلم (۶/ ۱۱۱) ابوداؤد (۱۲۷۶) نسائی (۱/ ۲۷۶-۲۷۷) ترمذی (۱۸۳) دارمی (۱/ ۳۳۳) ابن ماجہ (۱۲۵۰) اور ابن خزیمہ (۱۲۷۱-۱۲۷۲) میں ہے۔

حدیث ابوسعید بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے اور حدیث ابوہریرہؓ بھی بخاری، مسلم اور ابن ماجہ میں ہے۔

فائدہ: ان احادیث میں عصر کے بعد مطلق طور پر نماز کی ممانعت ہے۔ مگر حدیث علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تصلوا بعد العصر إلا أن تصلوا والشمس مرتفعة"۔ عصر کے بعد نماز نہ پڑھو۔ اِلّا یہ کہ سورج بلند ہو۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک سورج بلند ہو، زردی مائل نہ ہو تب تک نوافل وغیرہ پڑھنے کی اجازت ہے

یہ حدیث مسند طیالسی (۱/ ۵)، مسند احمد (۱/ ۱۲۹ و ۱۴۱) مسند ابویعلی (۴۱۱ و ۵۸۱) مصنف ابن ابی شیبۃ (۲/ ۳۴۸-۳۴۹) ←

← ابوداؤد (۱۲۷۴) نسائی (۱/۲۸۰) اخبار مکۃ للفاکہی (۱/۲۹۲) صحیح ابن خزیمہ (۱۲۸۵) صحیح ابن حبان (۶۲۱ و ۶۲۳) بیہقی (۲/ ۴۵۹) اور محلّی ابن حزم (۳/۳۱) میں ہے۔ اسے ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی اور ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ایک مقام پر اس کی سند کو حسن اور دوسرے مقام پر صحیح اور قوی کہا ہے۔ فتح الباری (۲/۵۹ و ۶۳) شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ عراقی سے بھی اس کی صحت نقل کی ہے۔ احادیث صحیحہ نمبر (۲۰۰) حضرت علی سے یہ روایت مسند احمد (۱/۱۳۰) ابن خزیمہ (۱۲۸۶) اور علل الحدیث دارقطنی سوال نمبر ۴۷۶ میں ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ مگر دارقطنی نے پہلے والے طریق سے اسے صحیح کہا ہے۔ اسی مضمون کی روایت مسند ابویعلی (۴۲۱۶) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ مسند ابویعلی کے محقق اور شیخ البانی نے احادیث صحیحہ نمبر (۳۱۴) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد نماز کی ممانعت مطلق نہیں ہے۔

اور یہ ابن خزیمہ اور ابن حزم علیہما الرحمہ کا مذہب ہے۔ دیکھیں صحیح ابن خزیمہ اور محلی ابن حزم البانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس مذہب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بہت سے صحابہ اور تابعین سے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ ابن حزم نے اس بارے میں تیئیس صحابہ (جن میں خلفاء اربعہ اور کبار صحابہ ہیں) اور کئی ایک تابعین کے نام ذکر کیے ہیں۔ دیکھیں المحلی (۳/۵-۶)۔

ابن قدامہ نے عصر کے بعد سنن کی قضاء کے جواز پر دلائل دیتے ہوئے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ عصر کے بعد کی نہی خفیف ہے۔ المغنی (۲/۱۲۱)

دوسرا فائدہ:

فجر کے بعد نہی کا تعلق طلوع فجر سے ہے۔ یعنی جب فجر طلوع ہو گئی تو فجر کی سنتوں کے علاوہ دیگر نوافل وغیرہ پڑھنا ممنوع ہے اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کے بعد دو رکعت کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں۔

اس کو ابوداؤد (۱۲۷۸) ترمذی (۴۱۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ اپنے طرق کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔ نیز اس کے بعض شواہد بھی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تحقیق محلی" للشیخ احمد شاکر (۳/۳۳-۳۴) اور "ارواء الغلیل" ۲ (۲۳۲/۴۷۸)

مصنف عبدالرزاق (۳/۵۲) اور سنن بیہقی (۲/۴۶۶) میں ابو رباح سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب نے طلوع فجر کے بعد ایک آدمی کو بکثرت نوافل پڑھتے دیکھا تو آپ نے اسے منع کیا۔ وہ کہنے لگا اے ابو محمد کیا اللہ مجھے نماز پڑھنے پر بھی عذاب دیگا تو آپ نے جواب دیا نہیں بلکہ تجھے خلاف سنت کرنے پر عذاب دے گا۔

یہ اثر دارمی (۱/۱۱۶) میں بھی ہے۔ مگر اس میں فجر کی بجائے عصر کا ذکر ہے۔ غالبًا یہ قبیصہ بن عقبہ کا وہم ہے۔

رہی عصر کے بعد نہی تو اسے عموم پر محمول کرنے کی صورت میں اس کا تعلق نماز کی ادائیگی سے ہے۔ دخول وقت سے نہیں۔ لہٰذا جس شخص نے نمازِ عصر ادا نہ کی ہو وہ نماز ادا کرنے سے قبل نوافل وغیرہ پڑھ سکتا ہے۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں جو علماء عصر کے بعد نماز کی ممانعت کے قائل ←

۴۵۶۔ چنانچہ بخاری مسلم میں کریب مولیٰ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور حضورؐ سے دریافت کیا گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا:

" وَ اِنَّهُ اَتَانِيْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ۔ (متفق علیہ)

بات یہ ہے کہ آئے میرے پاس کتنے لوگ عبدالقیس سے (احکام دین سیکھنے کے لیے) پس انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے باز رکھا۔ پس یہ تھیں وہ دونوں (جو میں نے بعد عصر کے پڑھی ہیں)۔

(بخاری ومسلم)

← ہیں۔ اس مسئلہ میں ہمیں ان کے درمیان اختلاف کا علم نہیں ہے۔ المغنی (۲/۱۱۶)

۴۵۷۔ اس کو بخاری (۳/۱۲۴۲) "سہو" باب" اِذَا كَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ ......" مسلم (۶/۱۹ - ۱۲۱) ابوعوانہ (۲/۲۸۴) ابوداؤد (۱۲۷۳) دارمی (۱/۳۳۴ - ۳۳۵) طحاوی (۱/۳۰۲ - ۳۰۳) اور بیہقی (۲/ ۴۵۷) نے کریب کی سند سے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنتیں فوت ہو جانے کی صورت میں ان کی قضاء کی جائے یا کی جا سکتی ہے۔ جب کہ اس حدیث کو احمد (۶/۳۱۵) طحاوی (۱/ ۳۰۶) اور ابن حبان (۶۲۳) نے درج ذیل سند سے اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے اور اس سند میں ہے کہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کیا یہ دو رکعت فوت ہو جانے کی صورت میں ہم بھی ان کی قضاء کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

سند یہ ہے:۔ یزید بن ہارون عن حماد بن سلمہ عن الأزرق بن قیس عن ذکوان عَنْ اُمّ سلمہ

اس روایت میں فوت شدہ سنتوں کی قضاء کی ممانعت ہے۔ مگر یہ روایت صحیح نہیں۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ کیونکہ حماد بن سلمہ کی کتب میں یہ حدیث نہیں۔ نیز یہ روایت منقطع بھی ہے کیونکہ ذکوان نے اس کو اُمّ سلمہؓ سے نہیں سُنا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوولید طیالسی نے اس حدیث کو حماد بن سلمہ سے یوں روایت کیا ہے۔

"حماد بن سلمہ الازرق عن ذکوان عن عائشۃ عن اُمّ سلمۃ۔

اور یہ روایت متصل ہے اور اس میں قضاء کی ممانعت کا ذکر نہیں۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ ذکوان نے اس اضافے کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سُنا۔ معلوم نہیں کہ اس نے اس کو کس سے سُنا ہے۔ لہذا یہ اضافہ ساقط ہے۔ محلی (۲/۲۷۱)

قلت:۔ ابوولید طیالسی کی طرح بعینہٖ حماد بن سلمہ سے اس کو حجاج بن منہال اور عبدالملک بن ابراہیم جدی نے ←

۴۵۸۔ اسی طرح فجر کی چھوٹی ہوئی سنتیں بھی ہم بعد فجر پڑھ سکتے ہیں۔

۴۵۹۔ فرضوں کے سوا سنتیں اور نوافل بجائے مسجد کے گھر میں پڑھنے افضل ہیں۔ (اور مسجد میں جائز)
(بخاری شریف)

۴۶۰۔ نماز میں اگر سجدے کی آیت پڑھیں۔ تو سجدہ کریں۔ (ابوداؤد)

۴۶۱۔ عورتیں بھی آپس میں جماعت کرا سکتی ہیں۔ جو عورت امام ہے۔ وہ عورتوں کی صف کے بیچ میں کھڑی ہو کر امامت کے فرائض ادا کرے۔ مردوں کی طرح آگے کھڑی نہ ہو۔ (دار قطنی)

۴۶۲۔ اگر نماز میں جمائی آجائے۔ تو حتی الوسع روکیں۔ نہ رکے تو منہ پر ہاتھ لیں۔ اور آواز بلند نہ کریں۔ (ترمذی)

بھی روایت کیا ہے ان کی روایتوں میں بھی مذکورہ اضافہ نہیں۔

حجاج کی سند سے اس کو طبرانی (۲۴۸/۲۳) نے اور عبدالملک کی سند سے بیہقی (۲۵۷/۲) نے روایت کیا ہے اور ابو ولید طیالسی کی سند سے یہ شرح معانی (۳۰۲/۱) میں ہے اور یہ تینوں ثقہ راوی ہیں نیز اس حدیث کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً چار مزید سندیں بھی ہیں مگر ان میں بھی وہ اضافہ نہیں جو حماد سے یزید بن ہارون کی روایت میں ہے ان سندوں کو طبرانی کبیر (۲۵۹/۲۳، ۲۷۳، ۲۹۰، ۲۹۵، ۳۸۹، ۴۰۱، ۴۰۷، ۴۰۸) میں اور "شرح المعانی" (۳۰۱/۱-۳۰۲) میں دیکھا جائے۔

۴۵۸۔ اس حدیث کی تخریج حدیث (۵۱۹) میں آرہی ہے۔

۴۵۹۔ اس حدیث کی تخریج حدیث (۵۵۴) میں آئے گی۔

۴۶۰۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابو داؤد (۱۴۰۰)، طحاوی (۲۰۷/۱-۲۰۸)، حاکم (۲۲۱/۱) اور بیہقی (۲۲۲/۲-۲۲۳) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے جس کی وجہ سے یہ ضعیف ہے۔ مزید تفصیل "تلخیص" (۱۰/۲) اور "تمام المنہ" (۲۷۱) میں دیکھیں۔

۴۶۱۔ اس مسئلہ سے متعلقہ احادیث و آثار کی تخریج باب "امامت کا بیان" کی حدیث (۵۰۷) کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ تعجب کی بات ہے کہ مؤلف نے اس مسئلہ کو دو مقامات پر ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۲۶۷) مگر جس مقام پر اس کا بنیادی تعلق تھا وہاں اس سے تعرض تک نہیں کیا۔

۴۶۲۔ صحیح حدیث ہے

اس کو ترمذی (۳۷۰)، ابن خزیمہ (۹۲۰) اور بغوی (۷۲۸) نے علی بن حجر کی سند سے ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان تمام نے اس کو صحیح کہا ہے۔

جس سند سے یہ حدیث مذکورہ کتب میں ہے۔ اسی سند سے اس کو مسلم (۱۲۲/۱۸) "زہد" نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس کے یہاں نماز کی صراحت نہیں۔

۴۶۳۔ نماز میں مرد کو ناف سے گھٹنے تک اور دونوں کندھے ڈھانکنے ضروری ہیں۔ اور مستورات کو تمام بدن ڈھانکنا ضروری ہے۔ حتّٰی کہ دونوں پاؤں ٹخنوں سے نیچے تک۔ سوائے منہ اور دونوں ہاتھوں کے۔

(بخاری شریف)

← اس حدیث کی تائید ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو مسلم (۱۸/۱۲۲ - ۱۲۳) ابن ابی شیبہ (۲/۴۲۶) ابن جارود (۲۲۱) اور بیہقی (۲/ ۲۹۹) نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح اسس کو عبدالرزاق (۲/ ۲۷۰) نے اور عبدالرزاق سے احمد (۳/ ۳۱، ۳۷، ۹۲) اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ مگر ان کے بیان سے نماز کی صراحت نہیں۔ جب کہ احمد کی ایک روایت میں ملاحظہ ہو ص ۳۷۔ یہ صراحت ہے۔ مگر بیہقی اسس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے۔ عبدالرزاق نے۔ نماز کا ذکر نہیں کیا۔

۴۶۳۔ مؤلف نے یہاں حوالہ دینے میں انتہائی تساہل سے کام لیا ہے۔ کیونکہ بخاری میں صرف کندھوں کو ڈھانکنے کا ذکر ہے۔ رہا مرد کا ناف سے گھٹنوں تک ستر تو اس کے بارے میں حضرت علی، ابن عباس، جرہد، محمد بن جحش وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں حدیثِ علی ابوداؤد (۳۱۴۰، ۴۰۱۵) "جنائز" و "لباس"، ابن ماجہ (۱۴۶۰) "جنائز" دار قطنی (۱/ ۲۲۵) اور مستدرک حاکم (۴/ ۱۸۰) میں ہے۔

حدیث ابن عباس ترمذی (۲/ ۹۶) کتاب الادب" اور "مستدرک حاکم" میں ہے۔

حدیثِ جرہد ابوداؤد (۴۰۱۴) کتاب الحمام، ترمذی (۲۷۹۵ و ۲۷۹۷ و ۲۷۹۸) کتاب الادب دارقطنی (۱/ ۲۲۴/ ۲) ابن حبان (۳۵۳) اور مستدرک حاکم میں ہے اور حدیث محمد بن جحش بھی مستدرک میں ہے۔ یہ روایات کثرتِ طرق کی بنا پر قوی ہیں۔ تفصیل کے لیے ارواء الغلیل (۱/ ۲۹۷ - ۲۹۸) دیکھیں۔

نماز میں کندھوں کو ڈھانکنے کا ذکر حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے ننگے ہوں۔ یہ حدیث بخاری (۳۵۹ و ۳۶۰) کتاب الصلوٰۃ مسلم (۴/ ۲۳۱) ابوعوانہ (۲/ ۶۱) ابوداؤد (۶۲۶) وغیرہ میں ہے۔

نماز میں مرد کے ستر کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا رسالہ "حجاب المرأۃ ولباسہا فی الصلاۃ (۲۷ - ۲۸) دیکھیں۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے عورت کے ستر کے بارے میں کہا ہے کہ اس کا سوائے ہاتھوں کے پورا جسم ڈھکا ہونا ضروری ہے۔ شاید اس سے ان کی مراد حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہو، جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتیں نماز فجر ادا کیا کرتی تھیں اور وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوا کرتی تھیں۔ یہ حدیث بخاری (۲۷۲) کتاب الصلاۃ باب ←

۴۶۴۔ مرد پاجامہ یا تہ بند ٹخنوں سے اونچا رکھے، رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹخنوں پر تہ بند لٹکائے ہوئے نمازی کو پھر وضو کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

(ابُوداؤد)

۴۶۵۔ نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا بڑا گناہ ہے۔

(مشکوٰۃ)

ــــــــ "فی کم تصلی المرأۃ فی الثیاب" میں ہے۔ بخاری کا حوالہ دینے سے اگر مؤلف کی مراد یہی حدیث ہے تو اس سے استدلال واضح نہیں۔ چہرہ ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ عورت کا باقی سب جسم پردہ ہے۔ بعض نے نماز میں عورت کے ہاتھ ڈھانکنے کو بھی ضروری کہا ہے۔ ابن تیمیہؒ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں عورت کو ہاتھ ڈھانکنے کا حکم دینا نہایت بعید ہے، کیونکہ ہاتھ بھی چہرہ کی طرح سجدہ کرتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں قمیص پہنا کرتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ اپنا کام کاج بھی کیا کرتی تھیں۔ نماز میں اگر ہاتھوں کو ڈھانکنا ضروری ہوتا تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بیان کر دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قمیصوں کے ساتھ بس اوڑھنی کا حکم دیا ہے پس عورتیں قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور پاؤں کا حکم بھی ہاتھوں کا ہے۔ حوالہ مذکور صفحہ ۳۰۔

۴۶۴ ــــ ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۶۳۸، ۴۰۸۶) "صلاۃ ولباس" اور احمد (۴/ ۶۷، ۵/ ۳۷۹) نے روایت کیا ہے۔

ابُوداؤد میں تو اس حدیث کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جب کہ مسند احمد میں کسی راوی کے نام کی صراحت نہیں، امام احمد نے پہلے مقام پر اس حدیث کو حیۃ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث میں اور دوسرے مقام پر "شیخ من بنی سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث میں ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابُوجعفر ہے۔ ابُوجعفر نام کے راویوں میں ایک ابُوجعفر مدنی انصاری مؤذن بھی ہے جس کو ابنِ قطان نے مجہول کہا ہے۔ اس کے ترجمے میں حافظ ابنِ حجر اس حدیث کی سند ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ ابُوجعفر، ابُوجعفر مؤذن ہی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "تہذیب التہذیب" (۱۲/ ۵۸ - ۵۹)۔

۴۶۵ ــــ اس حدیث کی تخریج حدیث (۴۰۸) میں دیکھیں۔

نماز کی صفوں کی برابری کا بیان

صفوں کی برابری

۴۶۶ – عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ فَاِنَّ تَسْوِیَۃَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ۔ (بخاری شریف)

" اپنی صفوں کو برابر کرو۔ پس تحقیق صفوں کا برابر کرنا نماز کے پورا کرنے میں سے ہے۔"

ملاحظہ :۔ قرآن میں آتا ہے اقیموا الصلٰوۃ نماز قائم کرو۔ یعنی ارکان اور سنن کی تعدیل اور رعایت سے نماز پڑھو۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ صفوں کا برابر اور سیدھا کرنا بھی نماز کے قائم کرنے میں داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفوں کا ٹیڑھا ہونا نقصانِ نماز کا موجب ہے۔

صفیں سیدھی کرنے کا حکم

۴۶۷ – عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسَوِّیْ صُفُوْفَنَا

---

۴۶۶ – اس کو بخاری (۷۲۳) اسی طرح مسلم (۴/۱۵۶) ابوعوانہ (۲/۳۸-۳۹) ابوداؤد (۶۶۸) دارمی (۱/۲۸۹) ابن ماجہ (۹۹۳) ابن خزیمہ (۱۵۴۳) ابن حبان (۵/۴۵، ۵۴۸) بیہقی (۳/۹۹-۱۰۰) اور احمد (۳/۱۷۷، ۲۵۴، ۲۷۴، ۲۷۹، ۲۹۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

تنبیہ :۔ اس حدیث میں " من اقامۃ الصلاۃ " کے الفاظ صرف بخاری میں ہیں، باقی تمام کے یہاں " من تمام الصلاۃ " نماز کے تمام میں سے ہے۔ دیکھیں " فتح الباری " (۲/۲۰۹)

احمد (۳/۲۷۴) اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے۔

اقیموا صفوفکم فإن من حسن الصلٰوۃ اقامۃ الصف "

" صفوں کو سیدھا کرو، کیونکہ صف کو سیدھا رکھنا نماز کے حسن میں سے ہے "

انہی الفاظ سے یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۴۶۷ – اس کو مسلم (۴/۱۵۷) ابوعوانہ (۲/۴۰) ابوداؤد (۶۶۳) ترمذی (۲۲۷) نسائی (۲/۸۹) ابن ماجہ (۹۹۴) ←

حَتّٰی کَاَنَّمَا یُسَوِّیْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰی رَأٰی اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ یَوْمًا فَقَامَ حَتّٰی کَادَ اَنْ یُکَبِّرَ فَرَأٰی رَجُلًا بَادِیًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْ لَیُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَیْنَ وُجُوْهِکُمْ۔ (صحیح مسلم)

"نعمان بن بشیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو (ایسا) برابر کرتے، گویا برابر کرتے ان کے ساتھ تیروں کو۔ (یعنی صفیں ایسی سیدھی کرتے کہ تیروں کو ان کے ساتھ سیدھا کر سکیں، الحاصل صفیں تیروں سے زیادہ سیدھی ہوتیں) یہاں تک کہ ہم نے آپؐ سے صفوں کا سیدھا کرنا سمجھ لیا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم (جماعت کے لیے) کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنے کو تھے۔ کہ ایک شخص کو دیکھا اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے۔ پس فرمایا۔ برابر اور سیدھی کرو اپنی صفوں کو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری ذاتوں میں اختلاف ڈال دے گا"

تنبیہ مذکورہ حدیث کی رُو سے صفوں کا سیدھا کرنا نہایت ضروری ہے، اقامت ہو چکنے کے بعد جب صفیں سیدھی، درست اور برابر ہو جائیں تو پھر امام کو تکبیرِ اولیٰ کہنی چاہیئے۔ خبردار! صفیں کج اور ٹیڑھی نہ ہوں۔ کہ صفوں کا ٹیڑھا پن باہمی پھوٹ، اختلافِ قلوب اور باطنی کدورت کا موجب ہے۔

صفوں میں مِل کر سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑا ہونے کا حکم

۴۶۸۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَکُمْ وَقَارِبُوْا بَیْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنِّیْ لَاَرَی الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ فِیْ

عبدالرزاق (۲/۴۴-۴۵) ابن ابی شیبہ (۱/۳۵۱) احمد (۴/۲۷۲، ۲۷۶) اور بیہقی (۲/۲۱/۳/۱۰۰) نے سماک بن حرب کی سند سے نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے آخری حصّہ کو "لتسون صفوفکم۔۔۔" بخاری (۱۷) مسلم، ابوعوانہ اور بیہقی (۳/۱۰۰) نے بھی سالم بن ابی جعد کی سند سے روایت کیا ہے۔

۴۶۸ ـــ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابوداؤد (۶۶۷) نسائی (۲/۹۲) ابن خزیمہ (۱۵۴۵) ابن حبان (۳۸۷) بیہقی (۳/۱۰۰) اور بغوی (۳/۸۱۲) نے قتادہ کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ قتادہ مدلس ہیں۔ مگر نسائی کے یہاں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے لہٰذا اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔

خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ۔ (ابُوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سیسہ پلائی دیوار کی طرح) ملی ہوئی رکھو صفیں اپنی۔ (یعنی آپس میں خوب بھڑ کر مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے رہو) اور نزدیکی کرو درمیان صفوں کے (یعنی دو صفوں کے درمیان اتنا فاصلہ نہ چھوڑو کہ ایک صف وہاں اور کھڑی ہو سکے) اور برابر رکھو گردنیں۔ (یعنی سب برابر جگہ پر کھڑے رہو کہ گردنیں برابر رہیں) قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے۔ کہ تحقیق دیکھتا ہوں میں شیطان کو داخل ہوتا ہے صف کے شگافوں میں۔ گویا کہ وہ سیاہ بچّہ ہے۔ بکری کا۔"

برادرانِ اسلام! غور کریں کہ صف بندی کی کتنی سخت تاکید ہے۔ پھر خبردار! صف کے شگافوں کو مونڈھے سے لے کر پاؤں تک خوب بند کیا کریں۔ یعنی قدم سے قدم اور مونڈھے سے مونڈھا اچھی طرح ملا کر صف میں کھڑے ہوا کریں۔ اگر آپ صف کے درمیان میں سوراخ اور شگاف چھوڑ دیں گے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ کہ وہاں شیطان کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب صفوں میں شیطان گھُس آئے۔ تو نماز میں خشوع اور خضوع رہے گا۔ اور نہ نمازیوں میں اتفاق اور محبّت! ۔ صحابہؓ مونڈھوں سے مونڈھے، ٹخنوں سے ٹخنے، اور ایڑیوں سے ایڑیاں ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔

۴۶۹۔ نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف مُنہ کر کے فرمایا:

أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ۔ أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ۔ أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ۔

"لوگو! اپنی صفیں سیدھی کرو۔ لوگو! اپنی صفیں درست کرو۔ لوگو! اپنی صفیں برابر کرو۔

وَاللّٰهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ۔

"سُنو! اگر تم نے صفیں سیدھی نہ کیں۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف اور پھوٹ ڈال دے گا"

---

۴۶۹ صحیح ہے۔

اس کو احمد (۴/ ۲۷۶) ابُوداؤد (۶۶۲) ابن حبان (۳۹۶) دارقطنی (۱/ ۲۸۲-۲۸۳) اور بیہقی (۳/ ۱۰۰-۱۰۱) نے ابو قاسم حسین بن حارث کی سند سے نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں زکریا بن ابی زائد ہیں جو مدلس ہیں۔ مگر دارقطنی میں انہوں نے ابو قاسم سے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ لہٰذا اس کی سند صحیح ہے۔ ویسے بھی حافظ ابن حجر نے زکریا کو "طبقات المدلسین" (۴۸) میں دوسرے طبقے کے مدلسین میں شمار کیا ہے۔

نمبر (۴۷۰) میں آنے والی حدیثِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر شاہد بھی ہے۔

قَالَ فَرَاَيْتُ الرَّجُلُ يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهٖ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَتِهٖ وَمَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِهٖ۔

راوی حدیث کہتے ہیں کہ پھر تو یہ حالت ہوگئی کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ، گھٹنے سے گھٹنا۔ (یعنی پنڈلی سے لے کر گھٹنے تک) اور مونڈھے سے مونڈھا چپکا دیا کرتا تھا۔

(رواہ امام احمد فی مسندہ)

مسلمان بھائیو! یہ تھی صحابہؓ کی صف بندی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں پر لازم قرار دی تھی لیکن آج مسلمان اس طرح فاصلے سے کھڑے ہوتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے سے چھو گئے، تو ناپاک ہو جائیں گے۔ ہمارے اندر پھوٹ اور اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم صفوں کو نہیں ملاتے۔ سیدھی نہیں کرتے۔ بھائیو! خوب یاد رکھو۔ کہ صفیں ملایا کرو۔ سیدھی رکھا کرو۔ دو شخص مل کر اس طرح کھڑے ہوا کرو کہ گویا ایک ہی ہے۔ پیر۔ ٹخنے۔ ایڑیاں پنڈلیاں اور مونڈھے خوب جوڑ کر کھڑے ہوا کرو۔ جس طرح صحابہ کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق صفوں میں کھڑے ہوا کریں گے تو آپ پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں گی۔ اور آپس میں محبت پیار، اتفاق اور اتحاد پیدا ہوگا۔ صف بندی سے متعلق علامہ اقبال نے کیا اچھا کہا ہے۔ ؎

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے محبت کا جنوں باقی نہیں ہے!

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

صحیح بخاری میں صف بندی سے متعلق یوں باب باندھا گیا ہے۔ بَابُ اِلْزَاقِ الْمَنْکِبِ بِالْمَنْکِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ۔

صف میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونے کا باب۔

۴۷۰۔ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَہْرِیْ وَکَانَ اَحَدُنَا یُلْزِقُ مَنْکِبَہٗ بِمَنْکِبِ صَاحِبِہٖ وَقَدَمَہٗ بِقَدَمِہٖ۔ (صحیح بخاری)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفوں کو سیدھا کیا کرو۔ کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھ لیتا ہوں۔ (یہ آپ کا معجزہ تھا) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم سے ہر ایک شخص اپنا کندھا دوسرے کے کندھے سے، اور اپنا قدم دوسرے کے قدم سے (صفوں میں) ملا دیتا تھا"

۴۷۰۔ اس کو بخاری (۷۲۵) اور ابن ابی شیبہ (۳۵۱/۱) نے روایت کیا ہے۔

مسجد کے اماموں کا فرض

مسجد کے اماموں کا فرض ہے کہ سب سے پہلے وہ فرمانِ رسُول کے مطابق صف بندی کرائیں۔ اور پھر تکبیر تحریمہ کہیں۔ جب تک صف بندی درست نہ ہو۔ ہرگز نماز شروع نہ کریں، یاد رکھیں کہ مسنُون صف بندی کا بڑا سخت حکم ہے۔

رسُولِ خدا مونڈھوں کو برابر کرتے

۴۷۱۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم صف کے اندر آتے تھے۔ اِدھر اُدھر سے اور ہمارے سینوں اور مونڈھوں کو برابر کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے آگے پیچھے مت ہو۔ (ورنہ) تمھارے دل بھی مختلف ہو جائیں گے اور فرماتے تھے، تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی رحمت بھیجتا ہے۔ اور فرشتے دُعا (رحمت کی) کرتے ہیں۔ پہلی صفوں پر۔ (ابوداؤد)

۴۷۱۔۔۔ صحیح ہے۔

اسس کو ابوداؤد (۶۶۴) نسائی (۲/۸۹-۹۰) دارمی (۱/۲۸۹) عبدالرزاق (۲/۴۵) طیالسی (۱/۱۳۶) احمد (۴/۲۸۵) ابن جارُود (۳۱۶) ابن خزیمہ (۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷) ابن حبان (۳۸۶) حاکم (۱/۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۵) ابُونعیم نے "حلیۃ" (۵/۲۷) میں بیہقی (۳/۱۰۳) اور بغوی (۸۱۸) نے روایت کیا ہے۔

اسس حدیث کا آخری حِصّہ "تحقیق اللہ تعالیٰ اور فرشتے دعاء ..." ابن ماجہ (۹۹۷) نے بھی روایت کیا ہے۔

سند: من طرق عن طلحۃ بن مصرف عن عبد الرحمٰن عن عوسجہ عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ سند صحیح ہے۔ اسس کو ابنِ خزیمہ، ابنِ حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔

نووی نے "مجموع" (۴/۲۲۶، ۳۰۱) میں اس کو پہلے مقام پر حسن اور دوسرے مقام پر صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے آخری ٹکڑے کے متعدد شواہد بھی ہیں، جن میں ایک عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جس کو ابنِ ماجہ (۹۹۹) نے روایت کیا ہے۔

بوصیری نے اس کی سند کو "مصباح الزجاجہ" (۳۶۲) میں صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند محمد بن عمرو بن علقمہ کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ جب کہ امام ابُوحاتم کی اس سند کے بارے میں کچھ اور رائے ہے دیکھیں "علل ابن ابی حاتم" (۱/۱۶۲)

رسولِ خدا صفوں کو برابر کر کے تکبیر کہتے

۴۷۲۔ نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کرتے تھے، ہماری صفوں کو جب ہم کھڑے ہوتے تھے، نماز کے واسطے۔ جب صفیں برابر ہو جائیں۔ تو (پھر) آپ تکبیر کہتے۔ (ابُوداؤد)

صف میں خالی جگہوں کو بند کرو

۴۷۳۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قائم کرو صفوں کو، اور برابر کرو مونڈھوں کو، اور بند کرو ان جگہوں کو جو خالی رہ جائیں (صفوں کے اندر) اور نرم ہو جاؤ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں

تنبیہ: حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں" اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں۔ جو صفوں کو ملاتے ہیں۔

ان الفاظ سے اس کو ابن نجار نے" ذیل تاریخ بغداد" (۱۸۸/۲) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس حدیث میں یہ الفاظ صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے جو بہت غلطیاں کرتا ہے۔ جیسا کہ متعدد کبار ائمہ نے کہا ہے۔

یہ الفاظ طلحہ بن مصرف سے شعبہ کی سند میں ہیں جب کہ اس سند سے یہ ابن ماجہ اور طیالسی وغیرہ کے ہاں بھی ہے۔ مگر ان میں وہی الفاظ ہیں جو کہ کتاب میں ہیں۔

یہی الفاظ "صحیح ابن خزیمہ" (۱۵۵۶) میں منصور کی سند میں بھی ہیں اور اس میں "پہلی صفوں" کی قید ہے۔ مگر اس سند میں بھی یہ الفاظ درست نہیں، کیونکہ منصور کی سند سے یہ حدیث دوسری کتب میں بھی ہے۔ مگر ان میں یہ الفاظ نہیں ہیں، بلکہ وہی الفاظ ہیں جو کتاب میں ہیں، مثال کے لیے دیکھیں ابوداؤد اور نسائی۔

ہاں یہ الفاظ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں ہیں، جس کی تخریج (۴۷۶) میں آرہی ہے۔

۴۷۲۔ حسن ہے۔

اس کو ابُوداؤد (۶۶۵) ابُوعوانہ (۲/۴۰-۴۱) بیہقی (۲/۲۱) اور بغوی (۸۱۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے، شیخ البانی نے اس کو مُسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے "تحقیق المشکاۃ" (۱/۳۴۲)

۴۷۳۔ صحیح ہے۔

اس کو ابُوداؤد (۶۶۶) اور بیہقی (۳/۱۰۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کے آخری ٹکڑے کو" جو شخص ←

ہیں۔ اور شیطان کے واسطے صفوں کے بیچ میں جگہ نہ چھوڑو۔ اور جو شخص صف ملائے گا۔ اللہ بھی اس کو (اپنی رحمت سے) ملائے گا۔ اور جو صف کو کاٹے گا۔ اللہ بھی اس کو (اپنی رحمت سے) کاٹے گا۔

(ابوداؤد)

نوٹ:۔ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جانے کا یہ مطلب ہے کہ اگر صف درست کرنے کے لیے کوئی تم کو آگے یا پیچھے کرے۔ تو بڑی نرمی اور محبّت سے آگے یا پیچھے ہو جاؤ۔ اڑو نہ۔ سختی نہ کرو۔
اگر صف سے کوئی نکل کر چلا جائے۔ تو اس کی جگہ لے کر صف کو ملاؤ۔ اللہ تم پر رحمت کرے گا۔ صف کے اندر ایک دوسرے سے دُور دُور کھڑے ہونا صف کو کاٹنا ہے۔ ایسے شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کرے گا۔

صفوں کی ترتیب

۴۷۴۔ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْہِ۔

"حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہلے اوّل صف کو پُورا کرو پھر اس کو جو نزدیک ہے پہلی کے۔ (ابُوداؤد)

یاد رکھنا چاہیئے کہ صف بندی کے وقت پہلے اوّل صف کو پورا کرنا چاہیئے۔ جب پہلی صف سے نمازی بچ جائیں، تو پھر دوسری صف شروع کرنی چاہیئے اگر ایک آدمی کی گنجائش بھی پہلی صف میں ہو تو وہ بھی پوری کرنی ضروری ہے۔

صف ملائے گا ...." نسائی (۲/۹۳) ابن خزیمہ (۱۵۴۹) اور حاکم (۱/۲۱۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، حاکم، ذھبی اور نووی نے بھی "مجموع" (۴/۲۷، ۱۰۱) میں صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: "کامل ابن عدی" (۳/۱۱۹۹، ۱۱۲۳) میں یہ حدیث، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بجائے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ یہ غلطی ابومہدی سعید بن سنان یا اس کے شاگرد ابوعثمان سعید بن عبدالجبار سے ہوئی ہے، کیونکہ یہ دونوں سخت ضعیف ہیں۔ بلکہ متہم ہیں۔

۴۷۴۔ صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۶۷۱) نسائی (۲/۹۳) ابن خزیمہ (۱۵۴۶، ۱۵۴۷) ابن حبان (۳۹۰) بیہقی (۳/۱۰۲) بغوی (۸۲۰) اور احمد (۳/۱۳۲، ۲۱۵، ۲۳۳) نے روایت کیا ہے۔

پہلی صف میں کھڑا ہونے کا ثواب

۴۷۵۔ حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پہلی صف پر۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! دوسری صف پر بھی؟ فرمایا! تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پہلی صف پر، صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! اور دوسری صف پر بھی؟ فرمایا تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پہلی صف پر، صحابہؓ نے عرض کیا۔ (حضورؐ فرمائیں) کہ دوسری صف پر بھی (رحمت بھیجتے ہیں؟) فرمایا اور دوسری پر بھی!۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برابر کرو اپنی صفوں کو، اور برابری کرو درمیان اپنے مونڈھوں کے (یعنی برابر جگہ میں کھڑے رہو تاکہ مونڈھے بھی برابر رہیں۔) اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور بند کرو صفوں کے شگافوں کو تحقیق شیطان داخل ہوتا ہے تمہارے درمیان۔ (یعنی شگافوں میں) مانند بھیڑ کے بچے کے۔

(مشکوٰۃ شریف)

پہلی صف میں کھڑا ہونے کا بہت ثواب ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ان پر اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔ صحابہؓ نے دوسری صف کے متعلق بھی پوچھا۔ تو آپؐ نے پھر صرف پہلی صف کا ذکر کیا۔ تیسری بار پوچھنے پر بھی صرف پہلی صف پر نزولِ رحمت کا ذکر فرمایا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا۔ ہاں دوسری صف پر بھی۔ اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے ضرور ضرور کم ہے، پھر آپ کوشش کیا کریں۔ اور جماعت میں شامل ہونے کے لیے پہلے ہی مسجد میں جا کر صف اوّل میں بیٹھ جایا کریں، تاکہ جماعت کھڑی ہونے پر آپ اللہ اور اس کے فرشتوں کی رحمتوں کا مورد بن جائیں۔

پھر پوری رحمت الٰہی پانے کے لیے صف کو سیدھا کیا کریں۔ اور اپنے بھائیوں کے کندھوں کے ساتھ کندھا اور قدموں کے ساتھ قدم ملا کر درمیانی شگافوں کو بند کر کے کھڑا ہوا کریں۔

۔۔۔۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور البانی نے "تحقیق مشکاۃ" (۱/ ۳۴۲) میں صحیح کہا ہے اور نووی نے "مجموع" (۴/ ۲۲۷) میں اس کو حسن کہا ہے۔

۴۷۵۔ اس سیاق سے یہ ضعیف ہے۔

اس کو احمد (۵/ ۲۶۲) نے روایت کیا ہے، مگر اس کی سند فرج بن فضالہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن اس حدیث کا اکثر متن دوسری احادیث میں مذکور ہے۔ دیکھیں حدیث (۴۶۸، ۴۷۱، ۴۷۳)۔

صف میں دائیں کھڑا ہونے کا اجر

۴۷۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔ داہنی طرف والی صفوں کے اوپر۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے۔ بائیں طرف سے۔ خواہ کسی صف میں ہو۔ امام کے دائیں طرف کھڑے ہونے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔

۴۷۶۔ اس سیاق سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۶۷۶) ابن ماجہ (۱۰۰۵) ابن حبان (۳۹۳) بیہقی (۳/۱۰۳) اور بغوی (۸۱۹) نے روایت کیا ہے۔

سند: عثمان بن ابی شیبہ ثنا معاویۃ بن ھشام ثنا سفیان عن اسامۃ بن زید بہ۔

مذکورہ الفاظ سے اس حدیث کو بیان کرنے میں معاویہ یا عثمان کو وہم ہوا ہے، کیونکہ سفیان سے اس حدیث کو عبدالرزاق، عبداللہ بن ولید، ابواحمد زبیری، قبیصہ بن عقبہ، حسین بن حفص اور عبیداللہ بن عبیدالرحمٰن اشجعی نے بھی روایت کیا ہے اور ان تمام نے اس حدیث میں "داہنی طرف والی صفوں کے اوپر" کی بجائے "صفوں کے ملانے والوں پر" کا ذکر کیا ہے۔

ان الفاظ سے اس حدیث کو عبدالرزاق (۲/۵۶) احمد (۶/۶۷، ۱۶۰) عبد بن حمید (۱۵۱۳) اور بیہقی (۳/۱۰۳) نے روایت کیا ہے۔

اسامہ بن زید سے اس حدیث کی سفیان ثوری کے علاوہ دو اور سندیں بھی ہیں اور یہ ابن وہب اور عبدالوہاب بن عطاء کی سندیں ہیں۔

ابن وہب کی سند سے اس کو ابن خزیمہ (۱۵۵۰) ابن حبان (۳۹۴) حاکم (۱/۲۱۴) اور بیہقی (۳/۱۰۱) نے روایت کیا ہے۔

عبدالوہاب بن عطاء کی سند کا بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ ان دونوں سندوں کے الفاظ بھی وہی ہیں۔ جو سفیان سے عبدالرزاق اور زبیری وغیرہ نے ذکر کیے ہیں۔ یعنی "صفوں کے ملانے والوں پر" کے الفاظ ہیں۔

نیز اس حدیث کی، اس کے عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی عروہ سے ایک اور سند بھی ہے اور وہ ہشام بن عروہ کی سند ہے اس سند سے اس کو احمد (۶/۸۹) اور ابن ماجہ (۹۹۵) نے روایت کیا ہے۔

اس سند کے بھی وہی الفاظ ہیں جو ابھی ذکر ہوئے ہیں۔ ان الفاظ سے یہ حدیث عروہ بن زبیر سے اپنی دونوں سندوں کی بنا پر صحیح ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث "داہنی طرف والی صفوں کے اوپر" کے الفاظ سے صحیح نہیں ہے۔ ان الفاظ کے ——

بیان کرنے میں معاویہ بن ہشام یا ان کے شاگرد عثمان بن ابی شیبہ کو وہم ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں ان دونوں ہی کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے کچھ وہم ہیں۔

امام بیہقی کا کہنا ہے کہ ان الفاظ کو معاویہ بن ہشام بیان کرنے میں متفرد ہے۔ لہٰذا میں ان الفاظ کو محفوظ نہیں سمجھتا ہوں۔

جن الفاظ سے اس حدیث کو معاویہ بن ہشام نے روایت کیا ہے۔ انہی الفاظ سے یہ حدیث "کامل ابن عدی" (۵/۲۰۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

مسئلہ: جہاں تک صف کے دائیں جانب کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو اس کے مستحب ہونے پر براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لی گئی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کی داہنی جانب کھڑا ہونا پسند کرتے۔"

یہ حدیث "صحیح مسلم" (۵/۲۲۱) صحیح ابو عوانہ (۲/۲۵۰) اور سنن وغیرہ میں ہے۔

امام نسائی نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔

" المكان الذي يستحب من الصف۔

"یعنی صف میں کھڑے ہونے کے لیے پسندیدہ جگہ، ملاحظہ ہو "سنن نسائی" (۲/۹۴) اسی طرح "صحیح ابن خزیمہ" (۳/۲۸) بھی دیکھیں۔

تنبیہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں ہے۔

" عليكم بالصف الاول وعليكم بالميمنة ...؛ پہلی صف میں اور دائیں جانب کھڑے ہوا کرو۔

اس کو طبرانی (۱۱/۲۵۷) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ اسماعیل بن مسلم المکی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

انہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں ہے "جو شخص مسجد کی بائیں جانب کو اس طرف کم لوگ ہونے کی وجہ سے آباد کرے گا۔ اس کے لیے دو اجر ہیں۔

اس کو بھی طبرانی (۱۱/۱۹۰) نے روایت کیا ہے مگر یہ ان الفاظ سے بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں بقیہ اور ابن جریج ہیں اور یہ دونوں مدلس ہیں اور انہوں نے یہاں تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی۔

اس حدیث سے ملتی جلتی ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ جس کو ابن ماجہ (۱۰۰۷)، ابو امیہ طرسوسی نے "مسند ابن عمرؓ" (۹۵) میں اور حافظ ابن حبان نے "مجروحین" (۲/۲۲۷) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس میں دو تین علتیں ہیں۔ اس کو عراقی نے "تخریج احیاء علوم الدین" (۱/۲۲۶) میں اور بوصیری نے بھی "مصباح الزجاجہ" (۳۶۶) میں ضعیف کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کی سند میں مقال ہے "فتح الباری" (۲/۲۱۳)۔

ثواب کی اس حرص میں اگر سب دائیں طرف کھڑے ہو جائیں تو پھر بائیں طرف خالی رہ جائے گی۔ جو بڑی غلطی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

۴۷۷ ۔ تَوَسَّطُوْا الْإِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ ۔ امام کو بیچ میں رکھو اور شگافوں کو بند کرو۔

(ابوداؤد)

تو صف بندی کے وقت امام کو درمیان میں رکھ کر دائیں بائیں برابر آدمی کھڑے ہونے چاہئیں۔ اور بڑے اطمینان اور محبت سے یہ کام کرنا چاہیئے، دائیں بائیں کھڑے ہونے کا جھگڑا نہ شروع کر دینا چاہیئے جس کو جہاں جگہ مل گئی۔ وہ وہیں کھڑا ہو جائے، پھر جماعت کھڑی ہونے کے بعد جوں جوں آدمی آتے جائیں۔ وہ دائیں بائیں کھڑے ہوتے جائیں ایسے انداز سے کہ امام درمیان میں رہے جب پہلی صف پوری ہو جائے تو امام کو بیچ میں لے کر دوسری شروع کر دیں۔ اور اسی طرح دوسری پوری ہونے کے بعد تیسری صف بنائیں ۔

مردوں کے لیے صف اوّل اور عورتوں کے لیے صفِ آخر بہترین ہیں

۴۷۸ ۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ

---

۴۷۷ ۔ اس کا پہلا ٹکڑا ضعیف ہے مگر آخری ٹکڑا صحیح ہے ۔

اس کو ابوداؤد (۶۸۱) اور بیہقی (۳/۱۰۴) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ۔

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں یحیٰی بن بشیر بن خلاد ہے جو مجہول ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب" (۱۱/۱۶۷) میں ابن قطان سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح "میزان" (۴/۲۶۷) بھی دیکھیں ۔

یحیٰی نے یہ حدیث اپنی والدہ امۃ الواحد بنتِ یامین سے روایت کی ہے اور یہ بھی مجہولہ ہے ۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب" میں کہا ہے مگر اس حدیث کا آخری ٹکڑا شواہد کی بناء پر صحیح ہے ۔

۴۷۸ ۔ اس کو مسلم (۲/۱۵۹) ابو عوانہ (۲/۳۷) ابوداؤد (۶۷۸) ترمذی (۲۲۴) نسائی (۲/۹۳) ابن ماجہ (۱۰۰۰) اور بیہقی (۳/۹۷) نے ابو صالح کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن جارود (۳۱۷) دارمی (۱/۲۹۱) اور بیہقی (۳/۹۸) نے عجلان کی سند سے بھی روایت کیا ہے - اور یہ سند حسن درجے کی ہے ۔

اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں ملاحظہ ہو "مسند احمد" (۲/۳) "صحیح ابن خزیمہ (۳۸۵) صحیح ابن حبان (۳۸۵ زوائد) طبرانی کبیر (۱۱/۲۰۳) اور زوائد بزار (۵۱۲-۵۱۴) —

اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا اٰخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَآءِ اٰخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا۔
(صحیح مسلم)

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں کی صفوں میں سب سے بہتر اوّل صف ہے، اور سب سے بُری آخر صف ہے اور عورتوں سب سے بُری اوّل صف ہے اور سے بہتر آخر صف ہے۔"

ملاحظہ: صف کے بہتر ہونے سے مراد کثرتِ ثواب ہے۔ مردوں کے لیے صفِ اوّل اس لیے بہتر ہے کہ امام سے قریب ہوتے ہیں، اور عورتوں سے دُور۔۔۔ اور اخیر کی مردوں کے لیے اس لیے بُری ہے، کہ امام سے دور اور عورتوں کے قریب ہوتے ہیں۔ (لاکھوں درود و سلام رحمت للعالمین پر، کیسے پاکیزہ نکتے بتاتے ہیں) اور عورتوں کی صف اوّل اس لیے بُری ہوتی ہے کہ مردوں کے نزدیک ہوتی ہے۔ اور اخیر کی بہتر اس لیے کہ مردوں سے دُور ہوتی ہے۔

اس پاک فلسفے کے مطابق مردوں کو صف اوّل میں اور عورتوں کو پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہیئے۔

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، بلکہ دائیں طرف سے ایک آدمی کو صف سے پیچھے کھینچ کر اس کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیئے۔

۴۷۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔
فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ۔ تو حضورؐ نے اس کو نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد)

۴۷۹۔ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابُو داؤد (۶۸۲) ترمذی (۲۳۰-۲۳۱) ابن ماجہ (۱۰۰۴) دارمی (۱/۲۹۴-۲۹۵) شافعی نے "مسند" (۱۷۶) میں عبدالرزاق (۲/۵۹) ابن ابی شیبہ (۲/۱۹۲) احمد (۴/۲۲۸) بخاری نے "تاریخِ کبیر" (۸/۱۸۷-۱۸۸) میں ابن جارُود (۳۱۸) ابن حبان (۵/۵۷۵-۵۷۹) طبرانی (۲۲/۱۴۰-۱۴۵) ابنِ حزم (۴/۵۲) بیہقی (۳/۱۰۴-۱۰۵) اور بغوی (۸۲۴) نے وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو احمد، اسحاق، ابن حبان، ابن حزم، ابن القیم، احمد شاکر اور البانی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث پر مفصل کلام کے لیئے "صحیح ابن حبان" "تہذیب السنن" (۱/۳۲۶-۳۲۷) "ترمذی تحقیق ←

احمد شاکر" (۱/۴۴۸ ۔ ۴۵۱) "محلی تحقیق احمد شاکر" (۴/۵۴) اور "ارواء الغلیل" (۲/۳۲۲/۵۴۱) دیکھیں۔

نیز اس حدیث کے بعض شواہد بھی ہیں۔ جن میں علی بن شیبان رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ہیں۔

حدیث علی بن شیبان کو ابن ابی شیبہ (۲/۱۹۳) احمد (۴/۲۳) ابن ماجہ (۱۰۰۳) ابن خزیمہ (۱۵۶۹) ابن حبان (۴۰۱-۴۰۲) ابن حزم (۴/۵۲) اور بیہقی (۳/۱۰۵) نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن حزم اور بوصیری نے بھی "مصباح الزجاجہ" (۳۶۵) میں صحیح کہا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے دیکھیں "تلخیص" (۲/۲۷) اور نووی نے بھی "مجموع" (۴/۲۹۸) میں اس کو حسن کہا ہے۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بزار (۵۱۶) طبرانی (۱۱/۲۵۵) اور سہمی نے "تاریخ جرجان" (۲۶۴) میں عکرمہ کی سند سے اور ابن عدی (۲/۶۶۸) نے مجاہد کی سند سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔

مسئلہ: مذکورہ احادیث سے پتہ چلا کہ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی، بلکہ ایسی صورت میں اسے نماز لوٹانا ہوگی۔

امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ دیکھیں "مسند احمد" (۴/۲۲۸) اور مسائل احمد لأبی داؤد (۳۵)

امام دارمی نے بھی "سنن" میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ شیخ احمد شاکر امام احمد کا مذہب نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حق بھی یہی ہے وابصہ اور علی بن شیبان کی حدیثوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب صف میں جگہ نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں اکیلے ہی کھڑے ہو جانا چاہیئے اور نماز درست ہوگی، کیونکہ یہ ایک اضطراری صورت ہے رہا صف سے کسی کو کھینچ کر پیچھے لانا تو اس کے بارے میں جو حدیث ہے وہ ضعیف ہے۔ یہ حدیث وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

۱۔ حدیث وابصہ کو ابو یعلی نے "مسند" (۱۵۸۸) اور "مفارید" (۹۹) میں، طبرانی (۲۲/۱۴۵-۱۴۶) اور بیہقی (۳/۱۰۵) نے روایت کیا ہے۔

سند: "السری بن اسماعیل عن الشعبی عن وابصہ۔"

یہ سند سخت ضعیف ہے، کیونکہ سری بن اسماعیل متروک ہے۔ بلکہ یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں مجھ پر اس کا جھوٹ واضح ہوگیا تھا۔ ملاحظہ ہو "تہذیب التہذیب" (۳/۳۹۹)۔

ابن عدی کا کہنا ہے کہ اس کی شعبی سے روایت کردہ احادیث منکر ہیں، ان کو اس کے علاوہ کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا ہے "کامل" (۳/۱۲۹۰)

قلت: ابن عدی نے سچ کہا مثال کے طور پر اس حدیث ہی کو لیجیئے۔ اس کے شروع میں ہے کہ ——

۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صف کے پیچھے اکیلے آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے صف سے آدمی کھینچ لینے کا حکم دیا۔
جبکہ طبرانی کے یہاں اسماعیل بن ابی خالد نے بھی اس حدیث کو شعبی سے روایت کیا ہے، مگر انہوں نے نماز کے اعادہ کا ذکر کیا ہے
جیسا کہ اس حدیث کی دوسری سندوں میں ہے۔ آدمی کے کھینچ لینے کا ذکر نہیں کیا۔
وابصہ سے اس حدیث کی ایک دوسری سند میں بھی آدمی کھینچ لینے کا ذکر ہے۔ اس سند سے اس کو ابونعیم نے "أخبار اصبہان" (۲/۳۶۴) میں اور ابوشیخ نے "طبقات" (۲/۲۶۵) میں روایت کیا ہے، مگر یہ سند بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اس میں ایک راوی یحیٰی بن عبدویہ ہے۔ امام احمد نے تو اس کی تعریف کی ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ ابن معین کا کہنا ہے کہ یہ جھوٹا اور برا آدمی ہے۔ اور ایک روایت میں انہوں نے کہا ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں۔

یہ یحیٰی بن عبدویہ الطائی ہے۔ ملاحظہ ہو "ارواء الغلیل" (۲/۳۲۶-۳۲۷)

تنبیہ: حدیث وابصہ طبرانی کبیر میں بھی ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ مگر اس کو ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۲/۹۹) میں ابن حجر نے "تلخیص" (۲/۳۷) میں اور نہ ہی البانی نے "ارواء" میں اس کی طرف منسوب کیا ہے۔
حافظ نے اس کو "اوسط" کی طرف منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو طبرانی نے "اوسط" میں روایت کیا ہے، مگر یہ من گھڑت ہے۔ اس کی سند یوں ہے:

" بشر بن ابراھیم عن الحجاج بن حسان عن عکرمہ عنہ "

بشر بن ابراہیم احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ جیسا کہ ابن حبان اور ابن عدی وغیرہ نے کہا ہے۔ دیکھیں "میزان" (۱/۳۱۱)
نیز یزید بن ہارون نے جو کہ ثقہ متقن ہیں اس حدیث کو حجاج بن حسان کے واسطے سے مقاتل بن حیان سے اور مقاتل نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ یہ سند تو حسن درجے کی ہے، مگر یہ معضل روایت ہے، کیونکہ مقاتل بن حیان اتباع تابعین میں سے ہیں۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان کم ازکم دو واسطے ہیں۔ ایک تابعی کا واسطہ اور دوسرا صحابی کا۔
مقاتل کی اس معضل روایت کو ابوداود نے "مراسیل" (۷۷) میں اور بیہقی (۳/۱۰۵) نے روایت کیا ہے۔

یزید بن ہارون کی حجاج سے یہ روایت بشر بن ابراہیم کی روایت کے بطلان پر یہ دوسری دلیل ہے۔
اس کی روایت کے بطلان پر ایک تیسری دلیل بھی ہے وہ یہ کہ اس حدیث کی عکرمہ سے ایک سند اور بھی ہے، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی دوسری سند ہے اور یہ مجاہد کی سند ہے۔ مگر ان دونوں ہی سندوں میں نماز کے اعادہ کا ذکر ہے۔ آدمی کھینچ لینے کا ذکر نہیں۔

عکرمہ کی سند سے اس کو بزار (۵۱۶) طبرانی (۱۱/۲۵۵) اور سہمی نے "تاریخ جرجان" (۲۶۴) میں اور مجاہد کی سند سے اسے ابن عدی (۲/۶۶۸) نے روایت کیا ہے۔

پہلی صف سے عمداً پیچھے ہٹنا

۴۸۰۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللهُ۔ (صحیح مسلم)

"ہمیشہ لوگ (پہلی صف سے) پیچھے ہٹتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ بھی ان کو (اپنی رحمت میں) پیچھے ڈال دے گا۔"

اس حدیث سے پہلی صف میں کھڑے ہونے کی سخت تاکید ثابت ہوتی ہے، جان بوجھ کر جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑا ہونے کی کوشش کرنا، بلکہ کھڑا ہو جانا اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے محروم ہونا ہے۔ خبردار! عمداً۔ دانستہ، جان بوجھ کر کبھی پہلی صف چھوڑنے کی کوشش نہ کرنا۔

← **خلاصہ:** مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ صف سے آدمی کے کھینچ لینے پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ اس کے بارے میں جو احادیث ہیں ان کی حقیقت آپ کے سامنے ہے۔

امام مالک، اوزاعی، ابو حنیفہ، احمد، اسحاق اور داؤد کا یہی مذہب ہے کہ صف سے آدمی کو کھینچا جائے۔ دیکھیں "مغنی" (۲/۲۱۷) اور "مجموع" (۴/۲۹۹)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

محدثِ عصر شیخ البانی، فقیہِ وقت شیخ ابن باز اور شیخ محمد صالح عثیمین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ دیکھیں احادیث ضعیفہ "(۲/۳۲۲-۳۲۳)" ارواء الغلیل" (۲/۳۲۹) "فتح الباری بتعلیق الشیخ ابن باز" (۲/۲۱۳) اور "فتاویٰ عثیمین" (۱/۳۷۶-۳۸۰)

۴۸۰۔ اس کو مسلم (۴/۱۵۸-۱۵۹) ابو عوانہ (۲/۴۲-۴۳) ابوداؤد (۶۸۰) نسائی (۲/۸۳) ابن ماجہ (۹۷۸) ابن خزیمہ (۱۵۶۰) بیہقی (۳/۱۰۳) اور بغوی (۴/۸۱۴) نے روایت کیا ہے۔

مؤلف نے "حتی یؤخرھم اللہ" کی رحمت سے پیچھے کر دینے سے جو تفسیر کی ہے۔ یہ تفسیر امام نووی نے "شرح مسلم" میں کی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس کی درج ذیل تفسیریں بھی کی ہیں۔ عظیم فضل، رفعت منزلت یا علم وغیرہ میں پیچھے کر دے گا۔

یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے، جس کو عبدالرزاق (۲/۵۲) ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابن حبان (۲۹۲) اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں "حتی یؤخرھم اللہ" کے بعد "فِی النَّار" کا اضافہ بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جہنم سے نکالنے میں دیر کرے گا۔

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند میں عکرمہ بن عمار ہے، جس کی یحییٰ بن ابی کثیر ←

صف بندی کے مراتب

۴۸۱ — حضرت ابو مسعود سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔

"میرے قریب رہیں (صف میں) وہ لوگ جو بالغ اور عقلمند ہیں۔ پھر جو اُن سے قریب ہیں۔ پھر جو اُن سے قریب ہیں۔"

پہلی صف میں امام کے قریب بالغ، عقل مند دین کو جاننے بوجھنے والے کھڑے ہونے چاہئیں تاکہ امام کو لقمہ دے سکیں۔ اور یاد کریں کیفیت نماز کی۔ اور احکام اس کے، اور پھر ان کی تبلیغ کریں پہلی صف کے بعد دوسری صف میں لڑکے کھڑے ہوں۔

۴۸۲ — حضرت ابو مالک اشعری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز کو۔ پہلے مردوں نے صف باندھی، پھر لڑکوں نے، بعد اس کے آپ نے نماز پڑھی۔ پھر فرمایا:
"هٰذَا صَلٰوةُ أُمَّتِي": "میری اُمت کی نماز اسی طرح ہے۔" (ابو داؤد)

ــــــــ سے روایات میں بہت اضطراب پایا جاتا ہے اور عکرمہ نے یہ حدیث یحییٰ بن ابی کثیر ہی سے روایت کی ہے۔

۴۸۱ — اس کو مسلم (۲/۱۵۴) ابو عوانہ (۲/۴۱ - ۴۲) ابو داؤد (۶۷۴) نسائی (۲/۸۷ - ۸۸، ۹۰) دارمی (۱/۲۹۰) ابن ماجہ (۹۷۶) عبدالرزاق (۲/۴۵، ۵۲، ۵۴) احمد (۴/۱۲۲) ابن حبان (۵/۵۴۶) طبرانی نے "کبیر" (۱۷/۲۱۶ - ۲۱۷) اور "اوسط" (۱۷/۲) میں اور بیہقی (۳/۹۷) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث مسلم، ابو عوانہ اور ابو داؤد وغیرہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

۴۸۲ — حسن درجے کی ہے۔

اس کو ابو داؤد (۶۷۷) بیہقی (۳/۹۷) اسی طرح طبرانی (۳/۳۱۹) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی سند شہر بن حوشب کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ اس کے بارے میں علامہ ذہبی نے "دیوان الضعفاء والمتروکین" (۱/۳۴۲) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی "فتح الباری" میں ایک مقام پر دیکھیں (۲/۶۵ - دار المعرفۃ) کہا ہے کہ اس کی حدیث حسن درجے کی ہے۔

تنبیہ: اس حدیث میں ابو مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز بتلاتا ہوں۔ اس نماز کا ذکر کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا۔ "هٰكَذَا صَلَاةُ" نماز اسی طرح ہے۔

سترہ کا بیان

یہاں سترہ سے مراد وہ چیز ہے۔ جو نمازی اپنے آگے کھڑی کر کے نماز پڑھے، تاکہ اس کے آگے سے گزرنے والا گنہگار نہ ہو۔ اور سترہ ہوتا ہے عصاء یا برچھی، یا لکڑی یا دیوار، یا ستون، یا درخت، اور سترہ امام کا سب مقتدیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

۴۸۳۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو اپنے سامنے رکھ لے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر (کوئی چیز) اب تجھے سامنے سے گزرنے والا کچھ نقصان نہ پہنچائے گا۔ (ابو داؤد)

← اس حدیث کے ایک راوی عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے "صلاۃ اُمّتی" "میری امت کی نماز" کہا ان کے یہ الفاظ ابو داؤد میں ہیں۔ جبکہ بیہقی میں ان کے الفاظ یہ ہیں "صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز"۔

اس حدیث کے سیاق و سباق کے زیادہ مناسب یہی الفاظ ہیں، طبرانی کے یہاں ان دونوں الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی نہیں۔

اس حدیث میں طبرانی (۳/۳۳۰) اور بیہقی کی ایک روایت میں بچوں کی صف کے پیچھے عورتوں کی صف کا بھی ذکر ہے۔ مگر یہ روایت اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔

اس حدیث میں تو یہ ہے کہ بچوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے تھی۔ جبکہ انس رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ میں نے اور بچے نے ایک ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بنائی اور بڑھیا ہمارے پیچھے اکیلی ہی صف میں کھڑی ہو گئی۔ یہ حدیث بخاری (۳۸۰، ۷۲۷) اور مسلم (۵/۱۶۲۔۱۶۳) وغیرہ میں ہے۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ جب بچہ اکیلا ہو تو مردوں کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ اگر بچے دو یا دو سے زیادہ ہیں تو وہ اپنی الگ صف بنائیں۔

سبکی نے بھی یہی بات کہی ہے دیکھیں "نیل الأوطار" (۳/۱۸۳)

ہاں اگر مرد صرف ایک ہے اور بچے ایک یا ایک سے زیادہ ہیں، تو اس صورت میں ان کو مرد کے ساتھ صف بنانا ہو گی اس کی دلیل مذکور حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے۔

۴۸۳ — اس کو ابو داؤد (۶۸۵) اسی طرح مسلم (۴/۲۱۶۔۲۱۷) ابو عوانہ (۲/۴۵۔۴۶) ترمذی (۳۳۵) ابن ماجہ (۹۴۰) طیالسی (۱/۸۷۔۸۸) ابن ابی شیبہ (۱/۲۷۶) احمد (۱/۱۶۲) ابن خزیمہ (۸۰۵، ۸۴۲) ابن حبان (۲/۱۴۱۔۱۴۲) اور بیہقی (۲/۲۶۹) نے بھی روایت ←

۴۸۴۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ پالان کے پچھلے حصّہ کی لکڑی ایک ہاتھ یا اس سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

معلوم ہُوا۔ کم از کم ایک ہاتھ لمبی لکڑی یا اور کوئی چیز سترہ بن سکتی ہے۔

۴۸۵۔ حضرت ابُوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحاء میں لوگوں کو نماز پڑھائی آپ کے سامنے ایک برچھی نصب تھی۔ آپ نے دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی۔ اور دو رکعت عصر کی نماز پڑھائی اس وقت برچھی کے اس طرف عورتیں، اور گدھے چلے جا رہے تھے۔ (ابوداؤد)

تیر بھی سترہ ہو سکتا ہے

۴۸۶۔ سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
لِيَسْتَتِرْ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ وَلَوْ بِسَهْمٍ۔ سترہ ضرور رکھو۔ خواہ تیر ہی ہو۔
(بلوغ المرام)

← کیا ہے۔

تنبیہ: یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ جب کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس کو صرف ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔

۴۸۴۔ صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۶۸۶) بیہقی (۲/۲۶۹) اسی طرح عبدالرزاق (۲/۹) اور ابنِ خزیمہ (۸۰۷) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس قول کی سند صحیح ہے۔

۴۸۵۔ اس کو ابُوداؤد (۶۸۸) اسی طرح بخاری (۴۹۵) مُسلم (۲/۲۱۸-۲۲۱) ابُوعوانہ (۲/۴۸-۵۰) ترمذی (۱۹۷) نسائی (۱/۷۴) اور دارمی (۱/۳۲۷-۳۲۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور نسائی کے یہاں یہ حدیث مختصراً ہے۔

تنبیہ: یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔ جب کہ مؤلف نے ان کی طرف اسے منسوب نہیں کیا۔

۴۸۶۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۲۷۸) احمد (۳/۴۰۴) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۲/۱۸۷) میں ابُویعلی (۹۴۱) ابن خزیمہ (۸۱۰) طبرانی (۷/۱۳۳-۱۳۴) حاکم (۱/۲۵۲) اور بیہقی (۲/۲۷۰) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو ابنِ خزیمہ نے تو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "صحیح ابن خزیمہ" (۲/۲۷) مگر اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی عبدالملک بن ربیع ہے۔ ابنِ معین نے کہا ہے کہ اس کی اپنے باپ سے بیان کردہ احادیث ضعیف ہیں۔ ذہبیہ ←

لاٹھی اور لکیر کا سترہ

۴۸۷ ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب تم نماز پڑھنے لگو۔ تو اپنے آگے سترہ رکھ لو۔ اگر کوئی چیز نہ ملے۔ تو لاٹھی گاڑ لو۔ اگر وہ بھی نہ ملے تو لکیر کھینچ لو۔ پھر اس کے بعد کسی کے گزرنے سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔
(احمد۔ ابن ماجہ، ابوداؤد، وغیرہ)

ـــــــ حدیث اس نے اپنے باپ ہی سے روایت کی ہے۔
ابنِ حبان نے اس کو بہت منکر الحدیث کہا ہے، ابن قطان نے کہا ہے کہ یہ حجت کے قابل نہیں۔

۴۸۷ ۔ ضعیف ہے۔
اس کو احمد (۲/ ۲۴۹، ۲۵۴-۲۵۵، ۲۶۶) ابن ماجہ (۹۴۳) ابوداؤد (۶۸۹-۶۹۰) عبدالرزاق (۲/ ۱۲) ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۴۹، ۲۵۵، ۲۶۶) حمیدی (۹۹۳) بحشل واسطی نے "تاریخ واسط" (۱۳۱) میں دولابی نے "کنی" (۲/ ۱۰۱) میں ابن حبان نے "صحیح" (۷-۴-۸-۴-موارد) اور "ثقات" (۴/ ۱۷۵) میں اور بیہقی (۲/ ۲۷۰-۲۷۱) نے روایت کیا ہے۔
اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں اضطراب ہونے کے ساتھ ساتھ دو مجہول راوی بھی ہیں اور وہ ہیں ابو عمرو بن محمد بن حریث اور حریث، ان دونوں کو حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۱/ ۱۵۹، ۲/ ۴۵۵) میں مجہول کہا ہے۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب کا "بلوغ المرام" (۴۵) میں اس حدیث کو حسن کہنا درست نہ ہوا۔
اس حدیث کو سفیان بن عیینہ، طحاوی، دارقطنی، بغوی، نووی اور عراقی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "مجموع نووی" (۳/ ۲۴۶) مقدمہ ابن صلاح مع شرح العراقی" (۱۲۴-۱۲۶) اور "تہذیب التہذیب" (۲/ ۲۰۶-۲۰۷، ۱۲/ ۱۹۹)۔
اسی طرح ابو عوانہ نے بھی اس حدیث کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے، ملاحظہ ہو "صحیح ابوعوانہ" (۲/ ۴۵)
مسند طیالسی (۱/ ۸۸) میں اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے، مگر وہ سند بھی ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے
انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ خط (لکیر) پتھر اور جو چیز بھی میسر ہو اس کا سترہ بنا لینا چاہیئے، باوجود اس کے کہ مؤمن کی نماز کوئی چیز بھی نہیں توڑتی۔
اس حدیث کو سہمی نے "تاریخ جرجان" (۵۱۸) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی حیتون بن مبارک ہے۔ جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔
مگر بعد میں میں نے یہ حدیث "احادیث ضعیفہ" (۴/ ۳۶۹/ ۱۸۹۶) میں دیکھی۔ اس میں شیخ البانی نے اس حدیث ـــــــ

نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ

۴۸۸۔ حضرت ابُوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو گزرنے کا عذاب معلوم ہو جائے تو ایک قدم آگے بڑھنے سے سو سال تک اس کو کھڑا رہنا پسند ہو۔ (ابن ماجہ)

مسجدوں میں عموماً لوگ نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرتے ہیں۔ انہیں توبہ کرنی چاہیئے کہ بڑا گناہ ہے اور کبھی نمازی کے سامنے سے نہ گزریں، اُوپر کی حدیث میں آپ نے پڑھ لیا ہے۔ کہ گزرنے والے کو اگر گزرنے کا عذاب معلوم ہو جائے تو سو سال تک کھڑا رہنا پسند کرے۔

ملاحظہ: سترہ اتنا قریب ہونا چاہیئے کہ اس کے نزدیک سجدہ کر سکے اور کوئی شخص نمازی اور سترہ کے درمیان سے نہ گزر سکے۔ (۱)

کو خود بھی منکر کہا ہے۔ اور علامہ ذہبی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو حیوان کی وجہ سے منکر کہا ہے۔

۴۸۸۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۹۴۶) احمد (۲/۲۷۱) ابن خزیمہ (۸۴۱) طحاوی نے "مشکل الآثار" (۱/۱۹) میں اور ابن حبان (۴۱۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند عبید اللہ بن عبد اللہ بن موہب کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام شافعی کا کہنا ہے کہ اس کو ہم نہیں جانتے، امام احمد نے کہا ہے کہ یہ غیر معروف ہے اور ابن قطان نے اس کو مجہول الحال کہا ہے۔

بوصیری نے کہا ہے کہ اس کی سند میں مقال ہے "مصباح الزجاجہ" (۳۴۲)

نمازی کے آگے سے گزرنے میں بہت گناہ ہے۔ اس کے بارے میں بخاری (۵۱۱) اور مسلم (۲۲۵/۴) میں ابوجہیم بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اگر اس کا گناہ معلوم ہو جائے تو وہ چالیس تک کھڑا رہنا پسند کرے۔

چالیس سے مراد کیا ہے اس حدیث کے ایک راوی ابُو نضر کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ (راوی نے) چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا، بزار کے یہاں اس حدیث میں چالیس خریف کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری (۱/۵۸۵) اور "بلوغ المرام" (۱/۲۳۷ سبل السلام)۔

۱۔ متعدد احادیث میں ہے کہ سترہ رکھنا چاہیئے اور اس کے قریب کھڑے ہونا چاہیئے اور اپنے آگے سے کسی کو ←

۴۸۹ ۔ اور سترہ بالکل بیچوں بیچ پیشانی کے نہ رکھیں۔ بلکہ دائیں یا بائیں بھوں پر کرنا چاہیئے۔ حضورؐ ایسا ہی کرتے تھے (مشکوٰۃ)

امامت کا بیان

۴۹۰ ـ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں کا امام وہ ہونا چاہیئے جو ان میں سے قرآن اچھی طرح (صحیح پڑھنا) جانتا ہو۔ اور اگر قرأت میں سب برابر ہوں، تو پھر وہ امامت کرے جو سنت کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔ (یعنی سب سے زیادہ نماز کے احکام اور مسائل کی حدیثیں جانتا ہو۔) پس اگر علم سنت میں بھی سب

ـــــــ گزرنے نہیں دینا چاہیئے۔

ان احادیث میں سے ایک ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ جس کو ابوداؤد (۶۹۸) اور ابن ماجہ (۹۵۴) وغیرہ نے بسند حسن روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ صحیح ابن خزیمہ (۲/۲۷)

بخاری (۴۹۶) اور مسلم (۴/۲۲۵) میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی اور دیوار کے درمیان اس قدر فاصلہ ہوتا کہ بکری گزر سکتی۔

۴۸۹ ـ ضعیف ہے۔

یہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابوداؤد (۶۹۳) طبرانی (۲۰/۲۵۹) ابن عدی (۷/۲۴۲۵۴) اور بیہقی (۲/۲۷۲) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند دو تین مجہول راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس کے متن میں بھی کلام کیا گیا ہے، تفصیل کے لیئے "نصب الرایۃ" (۲/۸۲-۸۳) دیکھیں۔

۴۹۰ ـ یہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو مسلم (۵/۱۷۲-۱۷۳) ابو عوانہ (۲/۳۵-۳۶) ابوداؤد (۵۸۲-۵۸۴) ترمذی (۲۳۵) نسائی (۲/۷۶) ابن ماجہ (۹۸۰) احمد (۴/۱۱۸، ۱۲۱-۱۲۲، ۵/۲۷۲) ابن خزیمہ (۱۵۰۷) ابن حبان (۵/۵۰۱، ۵۰۵، ۵۱۶-۵۱۷) حاکم (۱/۲۴۳) اور بیہقی (۳/۹۰، ۱۱۹، ۱۲۵) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں ہے کہ امام وہ ہو جو سب سے خوبصورت ہو۔

اس کو ابن جوزی نے "موضوعات" (۲/۱۰۰) میں روایت کیا ہے اور اسے موضوع کہا ہے اور امام احمد سے نقل کیا ہے کہ بری حدیث ہے، صحیح نہیں۔

برابر ہوں۔ تو پھر امامت کرے۔ وہ جو عمر میں بڑا ہو۔ اور نہ امامت کرے کوئی کسی کی حکومت کی جگہ میں اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے سوائے اس کے حکم کے (یعنی بغیر اجازت کوئی دوسرے کی نہ امامت کرائے، اور نہ اس کے گھر اس کی مسند پر بیٹھے)" (صحیح مسلم)

۴۹۱۔ اندھے کو امام بنانا جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن مکتوم نابینے کو امام مقرر کیا تھا۔ (ابوداؤد)

۴۹۱۔ صحیح ہے۔

یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کو ابوداؤد (۵۹۵) احمد (۱۳۲/۳، ۱۹۲) بخاری نے "تاریخ صغیر" (۹/۱، میں ابویعلی (۳۱۱۰، ۳۱۳۸) ابن جارود (۳۱۰) اور بیہقی (۸۸/۳) نے روایت کیا ہے ابوداؤد اور بیہقی کے علاوہ باقی سب کے یہاں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبار امام مقرر کیا۔

سند: عمران القطان عن قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ۔

اس سند میں اگر قتادہ کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو یہ عمران کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔

مگر عمران کی عفیر بن معدان نے مخالفت کی ہے، کیونکہ اس نے قتادہ سے اس حدیث کو انس رضی اللہ عنہ کی بجائے "عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔ یعنی اس نے انس رضی اللہ عنہ کی بجائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا ہے۔

عفیر بن معدان کی سند سے اس حدیث کو بزار (۴۶۹) طبرانی نے "اوسط" (۵) میں اور ابن عدی (۲۰۱۸/۵) نے روایت کیا ہے۔

غالباً اس حدیث میں عفیر سے غلطی ہوئی ہے اس کو ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۶۸/۲) میں اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں ضعیف کہا ہے۔

ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔

مگر اس حدیث کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اصل ہے، کیونکہ طبرانی نے "کبیر" (۱۴۳/۱۱) میں اس حدیث کو ابن عباس سے عطاء کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اگر اس میں ابن جریج کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو یہ سند حسن درجے کی ہے، بلکہ حافظ صاحب نے "تلخیص" (۳۴/۲) میں تو اس کو حسن کہا ہے۔

طبرانی کبیر کے محقق شیخ حمدی عبد المجید نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد ہے جو متروک ہے۔ غالباً انہوں نے یہ بات جلدی میں "تقریب" دیکھنے کی وجہ سے کہہ دی۔

حافظ صاحب نے تو "طبرانی کبیر" کی سند کو حسن کہا ہے۔ جب کہ شیخ البانی یہ سمجھے ہیں کہ انہوں نے "طبرانی اوسط" کی سند کو حسن کہا ہے۔ اسی لیے انہوں نے حافظ صاحب پر دو تین اعتراضات کیے ہیں۔ حالانکہ حافظ صاحب نے طبرانی اوسط کی ←

۴۹۲۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا، کہ اس امام کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ کہ جس پر لوگ (بوجہ اس کی بدعات، جہالت و فسق وغیرہ کے) ناراض ہوں۔ (ترمذی)

ــــــــ سند کا ذکر تک بھی نہیں کیا دیکھیں "ارواء الغلیل" (۲/ ۳۱۲ - ۳۱۳)

بہر حال حدیث انس صحیح حدیث ہے۔ کیونکہ اس کے شواہد ہیں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ حدیث ابن عباس جس کی ابھی تخریج گزری ہے۔

۲۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا۔

اس کو ابویعلی (۴۴۵۶) ابن حبان (۳۷۰) اور ابن عدی (۲/ ۸۱۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

۳۔ شعبی اور سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی مُرسل روایات:

شعبی کی مُرسل کو عبدالرزاق (۲/ ۳۹۵) اور ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۱۳) نے روایت کیا ہے۔

یہ مُرسل صحیح ہے۔ شعبی سے اس کی چار سندیں ہیں، اور ان کی مُرسل روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ صحیح روایت ہی کو مرسلاً بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ عجلی وغیرہ نے کہا ہے۔

سعد بن ابراہیم کی مُرسل کو عبدالرزاق (۲/ ۳۹۵) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ اسی طرح "مصنف عبدالرزاق" میں بھی زہری سے بسند صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کچھ لوگ ایسے امام تھے جو کہ نابینا تھے، جن میں عتبان بن مالک، معاذ بن عفراء اور ابن امّ مکتوم (رضی اللہ عنہم) بھی تھے۔

خلاصہ: نابینا کی امامت احادیث صحیحہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی ثابت ہے۔

۴۹۲ ــــ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۳۶۰) ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۰۸) طبرانی (۸/ ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۴۲) اور بغوی (۸۳۸) نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ امام ترمذی اور شیخ البانی نے بھی "تحقیق مشکاۃ" (۱/ ۳۵۰) میں اس کو حسن قرار دیا ہے۔

مگر یہ حدیث اپنے متعدد شواہد کی بنا پر صحیح ہے، جن میں سے بعض شواہد یہ ہیں۔

۱۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، جس کو ابن ماجہ (۹۷۱) ابن حبان (۳۷۷) اور طبرانی (۱۱/ ۴۴۹) نے روایت کیا ہے۔

اسے ابن حبان اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۱/ ۱۱۹ تحقیق محمد منتقی) میں صحیح کہا ہے اور نووی نے "مجموع" (۴/ ۲۷۴) میں اس کو حسن کہا ہے۔

امام کے فرائض کا بیان

۴۹۳۔ حضرت انس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سی بہت ہلکی اور بہت کامل نماز میں نے کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی۔ جب حضورؐ سنتے رونا لڑکے کا (عورتوں کی صف میں) پس ہلکی کرتے نماز اس ڈر سے کہ اس کی ماں کو تکلیف ہو گی۔

(بخاری و مسلم)

رسولِ خدا کی ہلکی نماز

۴۹۴۔ ابی قتادہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نماز کے دراز کرنے کے ارادے سے نماز میں داخل ہوتا ہوں۔ پھر لڑکے کا رونا سنتا ہوں (عورتوں کی صف میں) پھر کم کرتا ہوں اپنی نماز میں کہ لڑکے کے رونے سے اس کی ماں کو تکلیف ہو گی۔

(بخاری شریف)

۲۔ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کو ابن خزیمہ (۱۵۱۹) نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے، اس کی سند یا تو مطلق طور پر حسن درجے کی ہے یا شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

۳۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کو ابوداؤد (۵۹۴) ابن ماجہ (۹۷۰)، بیہقی (۳/۱۲۸) اور اصبہانی نے "ترغیب" (۲/۸۰۲) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند عبدالرحمٰن افریقی اور عمران بن عبد المعافری کی وجہ سے ضعیف ہے۔
بقیہ شواہد کو "مصنف ابن ابی شیبہ" اور "طبرانی کبیر" (۱/۱۱۵، ۲/۲۰۲) میں دیکھا جائے۔

۴۹۳۔ اس کو بخاری (۷۰۸) اور ابو عوانہ (۲/ ۸۹۔ ۹۰) نے روایت کیا ہے۔
اس طرح سے یہ مکمل حدیث "صحیح مسلم" میں نہیں۔ اس میں اس حدیث کا صرف پہلا ٹکڑا (ہلکی اور مکمل نماز) ہے ملاحظہ ہو (۴/ ۱۸۶)
دیکھیں تحفۃ الاشراف (۱/۲۳۹/ ۹۰۸) اور فتح الباری (۲/۱۶۱)
صحیح مسلم میں اس کا آخری ٹکڑا ایک دوسری سند سے مروی حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے۔ اور یہی ٹکڑا بخاری (۷۰۹، ۷۱۰) میں بھی اسی سند سے ہے۔

۴۹۴۔ اس کو بخاری (۷۰۷) ابوداؤد (۷۸۹) نسائی (۲/ ۹۵) ابن ماجہ (۹۹۱) احمد (۵/۳۰۵) اور بیہقی (۲/۱۱۸) نے روایت کیا ہے۔

لمبی نماز پر حضورؐ کا غصہ

۴۹۵ ۔ قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ مَیں نے رسُولِ خدا کو کسی وعظ میں اتنا غصے میں نہیں دیکھا۔ جتنا (لمبی نماز پڑھانے والوں پر) اس دن دیکھا۔ فرمایا حضورؐ نے تحقیق بعضے تم میں سے لوگوں کو نفرت دلانے والے ہیں (بوجہ طویل کرنے نماز کے) پس (سُنو) جو تم میں سے نماز پڑھائے لوگوں کو۔ پس چاہیئے۔ کہ ہلکی پڑھے (نماز) اس لیے کہ ان (مقتدیوں) میں ضعیف۔ بوڑھے اور حاجت مند وغیرہ ہوتے ہیں۔ (بخاری مُسلم)

ہلکی نماز کی تاکید

۴۹۶ ۔ عثمان بن ابی العاص روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیّت مجھے یہ تھی۔

اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ۔

جب تم لوگوں کی امامت کرو تو ان کو نماز ہلکی پڑھاؤ۔ (رواہ مُسلم)

---

۴۹۵ ۔ اس کو بخاری (۹۰، ۷۰۲، ۷۰۴) کتاب "العلم والاذان" مُسلم (۲/۴۲ ۱۸۳-۱۸۴) ابُوعوانہ (۲/۸۶) ابن ماجہ (۹۸۴) دارمی (۱/۲۸۸) احمد (۴/۱۱۸، ۱۱۹، ۵/۲۷۳) ابن جارُود (۳۲۶) ابن خزیمہ (۱۶۰۵) ابن حبان (۵/۵۰۹) طبرانی (۱۷/۲۰۶-۲۰۸) اور بیہقی (۲/۱۱۵) نے قیس بن ابی حازم کی سند سے ابُومسعُود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث ابُومسعود (جن کا نام عقبہ بن عمرو ہے) سے مروی ہے۔ قیس بن ابی حازم سے نہیں بلکہ یہ ابُومسعُود سے اس کے راوی ہیں۔

یہ حدیث ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے لمبی پڑھے۔

اس کو بخاری (۷۰۳) اور مُسلم (۲/۴۲ ۱۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

یہی بات اس کے بعد میں آنے والی حدیثِ عثمان بن ابی العاص میں بھی ہے۔ دیکھیں حاشیہ۔

۴۹۶ ۔ اس کو مُسلم (۲/۴۲ ۱۸۶) ابُوعوانہ (۲/۸۷) ابن ماجہ (۹۸۸) احمد (۴/۲۲) طبرانی (۹/۳۳-۳۴) اور بیہقی (۳/۱۱۶) نے سعید بن مسیب کی سند سے عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو احمد (۴/۲۱-۲۲) مُسلم، ابُوعوانہ، طبرانی اور بیہقی نے مُوسیٰ بن طلحہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ←

ملاحظہ : ہلکی نماز کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رکوع، سجود اور قومے جلسے کو درہم برہم کر کے رکھ دیا جائے واضح ہو کہ ارکان نماز کی تعدیل اور طمانیت کے بغیر نماز باطل ہوتی ہے۔ ہلکی نماز کا یہ مطلب ہے کہ یا تو قرأت میں اختصار کیا جائے۔ اور اگر قرأت دراز ہے تو تھوڑے وقت میں پڑھیں۔ بشرطیکہ صحت اور ترتیل ترک نہ ہوں یعنی کترانہ کریں۔

اماموں پر وبال

۴۹۷۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اگر اماموں نے نماز اچھی طرح (ارکان کی تعدیل اور سنتوں کی رعایت کے ساتھ) پڑھائی تو تمہارے لیے بھی ثواب ہے اور ان کے لیے بھی۔ اور اگر خطا کی نماز پڑھانے میں۔ (یعنی رکوع و سجود کی عدم طمانیت اور قومے جلسے کے فقدان سے نماز پڑھائی) پس تمہارے (مقتدیوں کے) لیے (تو) ثواب ہے اور ان کے لیے وبال ہے"
(بخاری شریف)

← اس سند میں ہلکی نماز پڑھانے کی وجہ بوڑھے مریض، کمزور اور کام وکاج والے لوگ بتلائے گئے ہیں اور آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جس قدر چاہے۔ لمبی پڑھ سکتا ہے۔

اس حدیث کی مذکورہ دو سندوں کے علاوہ دیگر سندیں بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو مسند احمد (۴/۲۱) صحیح ابن خزیمہ (۱۶۰۸) طبرانی (۹/۳۳، ۳۷۔ ۳۹) اور کامل ابن عدی" (۶/۲۲۲۸)

ابن عدی کے یہاں اس میں حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کا بھی اضافہ ہے۔ مگر یہ اضافہ صحیح نہیں۔

فائدہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید ان کو طائف کی طرف بحیثیت گورنر بھیجتے ہوئے فرمائی تھی، جیسا کہ ابن خزیمہ، ابن عدی اسی طرح احمد اور طبرانی کی بعض روایات میں بھی صراحت ہے۔

۴۹۷ ۔ اس کو بخاری (۶۹۴) بیہقی (۳/۱۲۷) اور بغوی (۸۳۹) نے عطاء بن یسار کی سند سے روایت کیا ہے۔

ابن حبان (۳۷۵) نے اس سے ملتے جلتے سیاق سے اس کو سعید بن مسیب کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔

اسی مضمون کی حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کو ابو داؤد (۵۸۰) ابن ماجہ (۹۸۳) طیالسی (۱/۱۳۰ - ۱۳۱) ابن حبان (۳۷۴) اور بیہقی (۳/۱۲۷) نے روایت کیا ہے اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

فائدہ : امام بغوی حدیث ابو ہریرہؓ کو روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی امام بلا وضوء یا بحالت جنابت نماز پڑھا دے تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی، مگر امام پر اس نماز کا اعادہ ہے اس نے یہ فعل عمداً کیا ہو یا کہ لاعلمی کی وجہ سے کیا ہو۔

نماز پڑھا کر امام مقتدیوں کی طرف مُنہ پھیرے

۴۹۸ ۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ۔

(بخاری شریف)

"جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکتے، تو متوجہ ہوتے ہم پر ساتھ منہ اپنے کے۔ (یعنی نماز پڑھ کر ہماری طرف مُنہ پھیر لیتے تھے)۔"

۴۹۹ ۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ۔ (صحیح مسلم)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھرتے تھے (مصلّے سے) داہنے اپنے سے۔

۵۰۰ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ نہ مقرر کرے ایک تمہارا واسطے شیطان کے حصّہ نماز اپنی میں سے (اس طرح) کہ اعتقاد کرے کہ لازم ہے اس پر پھرنا داہنے اپنے سے۔ تحقیق میں نے دیکھا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر بار کہ پھرتے تھے بائیں طرف اپنے سے۔

(بخاری و مسلم)

اس سے معلوم ہوا۔ کہ امام کو پھرنے کے لیے صرف ایک طرف مقرر نہیں کر لینی چاہیئے، بلکہ کبھی دائیں طرف سے پھرا کرے۔ کبھی بائیں طرف سے۔

---

۴۹۸ ۔۔ اس کو بخاری (۸۴۵) مُسلم (۳۵/۱۵) "رؤیا" ترمذی (۲۲۹۴) "رؤیاء" اور بیہقی (۱۸۸/۲) نے روایت کیا ہے، مگر مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

۴۹۹ ۔ اس کو مُسلم (۲۲۰/۵) ابُو عوانہ (۲۵۰/۲) نسائی (۸۱/۳) دارمی (۳۱۲/۱) ابن حبان (۳۳۶/۵) اور بیہقی (۲۹۵/۲) نے روایت کیا ہے۔

نسائی کے الفاظ ہیں کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تر دائیں جانب پھرتے دیکھا ہے۔ مسلم اور بیہقی کی ایک روایت کے بھی یہی الفاظ ہیں۔

۵۰۰ ۔ اس کو بخاری (۸۵۲) مُسلم (۲۱۹/۵ ۔ ۲۲۰) ابُو عوانہ (۲۵۰/۲) ابُو داؤد (۱۰۴۲) نسائی (۸۱/۳) ابن ماجہ (۹۳۰) دارمی (۳۱۱/۱) اور احمد (۳۸۳/۱، ۴۲۹، ۴۶۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

امام نماز پڑھا کر اس جگہ سے سرک جائے

۵۰۱۔ حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ آگے بڑھ جائے، یا پیچھے ہٹ جائے۔ یا دائیں طرف یا بائیں طرف ہو جائے۔ (ابُوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ مصلّے سے سرک کر دائیں یا بائیں ہو کر سنتیں پڑھے اور اسی طرح مقتدیوں کو بھی صف بندی توڑ دینی چاہیئے۔ تاکہ آنے والا جان لے۔ کہ جماعت ختم ہو چکی ہے۔

← رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں دونوں ہی جانب سے پھرتے تھے۔ اس کے بارے میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں، جن میں ہلب، ابن عمرو اور عائشہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

۱۔ حدیث ہلب کو ابُوداؤد (۱۰۴۱) ترمذی (۳۰۱) اور ابن ماجہ (۹۲۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کو ترمذی اور نووی نے "مجموع" (۳/۴۹۰) میں حسن کہا ہے اور ابن عبدالبر نے "استیعاب" (۳/۵۸۲) میں صحیح کہا ہے۔

۲۔ حدیث عبداللہ بن عمرو کو ابن ماجہ (۹۳۱) اور احمد (۲/ ۱۷۸، ۲۰۶) نے بسند حسن یا صحیح روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیث عائشہ کو نسائی (۳/۸۲) نے مسروق کی سند سے اور طبرانی نے "اوسط" (۱۲۳۵) میں عطاء کی سند سے روایت کیا ہے نسائی کی سند حسن درجے کی ہے اور طبرانی کی سند کے راویوں کو ہیثمی نے ثقہ کہا ہے۔ "مجمع الزوائد" (۲/ ۵۸)۔

۵۰۱ — صحیح ہے۔

اس کو ابُوداؤد (۱۰۰۶) ابن ماجہ (۱۴۲۷) ابن ابی شیبہ (۲/۲۰۸) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱/ ۳۴۰-۳۴۱) میں ابن حبان نے "ثقات" (۴/۱۷) میں، اور بیہقی (۲/ ۱۹۰) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف اور مضطرب ہے، امام بخاری نے "تاریخ کبیر" میں کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں اور "صحیح بخاری" (۲/ ۳۳۴) - فتح) میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، تفصیل "تاریخ کبیر" اور "فتح الباری" میں دیکھیں۔

مگر یہ حدیث اپنے شواہد کی بناء پر صحیح ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کو ابُوداؤد (۶۱۶) ابن ماجہ (۱۴۲۸) ابن عدی (۵/۱۹۹۷) اور بیہقی (۲/ ۱۹۰) نے عطاء خراسانی کی سند سے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند منقطع ہے، کیونکہ عطاء نے مغیرہ کا زمانہ ہی نہیں پایا جیسا کہ امام ابُوداؤد نے تصریح کی ہے۔

مگر بعض روایات میں عطاء خراسانی نے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ان کے بیٹے عروہ کے واسطے سے روایت ←

→ کیا ہے۔ جیسا کہ ابن عدی نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے "النکت الظراف" (۸/۴۵۸) میں دارقطنی کے حوالے سے بھی یہی بات نقل کی ہے۔

عروہ بن مغیرہ ثقہ ہیں، لہٰذا اس کی سند عطاء خراسانی کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔

شیخ البانی نے اس حدیث کو اور اس سے پہلے والی حدیث ابو ہریرہؓ کو بھی "صحیح ابو داؤد" (۸۸۵، ۵۷۶) میں صحیح کہا ہے اسی طرح "تحقیق مشکاۃ" (۱/۳۰۰) بھی دیکھیں۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن سابط کی مرسل روایت جس کو عبدالرزاق (۲/۴۱۷) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ مُرسل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث علی رضی اللہ عنہ جس کو دارقطنی (۱/۲۸۲) اور بیہقی (۲/۱۹۱) نے روایت کیا ہے۔

اس کو عبدالرزاق (۲/۴۱۷) اور ابن ابی شیبہ (۲/۲۰۹-۲۱۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔

اِس مرفوع اور موقوف دونوں ہی کی سند میں عباد بن عبداللہ اسدی ہے، جو ضعیف ہے۔ بلکہ سخت ضعیف ہے، معلوم نہیں حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۲/۳۳۵) میں اس کی سند کو حسن کیسے کہہ دیا ہے۔

۴۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان کلام سے یا خروج سے (گھر وغیرہ چلے جانے سے) فصل ہونا چاہیئے۔

اس حدیث کو مُسلم (۶/۱۷۰)، ابو داؤد (۱۱۲۹) عبدالرزاق (۲/۴۱۷) ابویعلی (۷۳۵۶)، طبرانی (۱۹/۳۱۵) اور بیہقی (۲/۱۹۱) نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ صحیح ترین حدیث ہے۔

امام نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نوافل کے لیے دوسری جگہ منتقل ہونا مستحب ہے۔ بہتر ہے کہ آدمی گھر منتقل ہو جائے اگر نہیں تو مسجد ہی میں سہی، اس حدیث "حتّٰی نتکلم" کے الفاظ کی رُو سے کلام سے بھی فصل ہو جائے گا۔ مگر انتقال سے فصل بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

عصمہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے بعد کلام کرنے یا منتقل ہو جانے سے قبل کوئی نماز نہ ادا کی جائے۔

اس کو طبرانی (۱۷/۱۸۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں فضل بن مختار ہے۔ جسے ہیثمی نے سخت ضعیف کہا ہے۔

"مجمع الزوائد" (۲/۱۹۸)۔ ←

مقتدیوں کے لیے متابعت امام کے احکام

۵۰۲۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا؛

لَا تُبَادِرُوا الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا۔ نہ پہل کرو امام پر جب تکبیر کہے وہ تم تکبیر کہو پیچھے (یعنی جب امام اللہ اکبر ختم کرے، تو پھر تم شروع کرو) وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ۔ اور جب امام ولا الضّالین کہے تو تم آمین کہو پیچھے۔ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا۔ اور جب امام رکوع کرے تو تم رکوع کرو پیچھے وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰھم ربّنا لک الحمد کہو پیچھے۔ (بخاری و مسلم)

اس فرمانِ رسولؐ سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو یہ سب کام امام کے پیچھے پیچھے کرنے چاہئیں۔ یعنی امام جب اللہ اکبر ختم کر لیا کرے۔ تو مقتدی کو اس کے ختم ہونے پر شروع کرنا چاہیئے۔ امام جب اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں پہنچ جائے تو پھر مقتدی قیام سے چلیں۔ اور جب امام اللہ اکبر کہہ کر رکوع سے قومہ میں پہنچ جائے تو پھر مقتدی رکوع سے

لہ بعض لوگ امام کی تکبیر اولیٰ کے ختم ہونے سے پہلے ہی اپنی تکبیر ختم کر کے ہاتھ باندھ لیتے ہیں یہ بڑی بھاری غلطی ہے، ایسا کرنے والے نماز کے اندر داخل ہی نہیں ہوتے، اور تکبیر میں امام پر پہل کرنے کے سبب نہ اس کی نماز اکیلے ہوئی اور نہ امام کے پیچھے ہوئی، گویا اس کی کوئی نماز نہ ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ "غنیۃ الطالبین" میں مقتدی کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کو ابن مسعودؓ نے امام پر سبقت (پہل) کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے دیکھ کر اس کو فرمایا کہ تو نے نہ تو اکیلے ہو کر نماز پڑھی ہے اور نہ ہی امام کے ساتھ۔ اس کی کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (غنیۃ الطالبین)

← ابوداؤد (۱۰۰۷) طبرانی (۲۲/۲۸۴-۲۸۵) حاکم (۱/۲۷۰) اور بیہقی (۲/۱۹۰) نے ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس میں ہے کہ اہل کتاب کی ہلاکت کا سبب یہ تھا کہ ان کی نمازوں میں فصل نہ تھا۔

حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، مگر ذہبی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

۵۰۲۔ اس کو مسلم (۲/۱۳۴) ابوعوانہ (۲/۱۱۰) احمد (۲/۴۴۰) ابن خزیمہ (۱۵۷۶) اور بیہقی (۲/۹۲) نے روایت کیا ہے۔

اختصار کے ساتھ اس کو ابن ماجہ (۹۶۰) نے بھی روایت کیا ہے مگر اس سیاق سے یہ حدیث بخاری میں نہیں اور نہ ہی امام بیہقی نے اور حافظ مزی نے "تحفۃ الاشراف" (۹/۲۶۵/۹/۱۲۴۴۹) میں اس کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے۔

سر اُٹھائیں۔ اسی طرح جب امام اللہ اکبر کہتے ہُوئے سجدہ میں پیشانی رکھ دے۔ تو پھر مقتدی قومہ سے سجدے کے لیے جھکیں۔ پھر جب امام سجدہ سے سر اُٹھا کر جلسہ میں پہنچ جائے تو پھر مقتدی سر اٹھائیں۔ پھر جب امام جلسہ سے دوسرے سجدے میں سر رکھ چکے۔ تو مقتدی پھر سجدے کے لیے حرکت کریں، اور جب امام دوسرے سجدے سے سر اٹھا کر اللہ اکبر کہتا ہوا قیام میں پہنچ جائے۔ تو پھر مقتدیوں کو سجدے سے سر اُٹھا کر سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشانی زمین پر رکھ چکتے تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم قومہ سے جھکتے

۵۰۳ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ اَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْاَرْضِ (متفق علیہ)

براء بن عازبؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ ہم رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے پس جب حضورؐ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے (تو ہم آپ کے پیچھے قومے میں کھڑے ہو جاتے تھے اور پھر) ہم میں سے کوئی اپنی پیٹھ (سجدہ میں جانے کے لیے) نہ جھکاتا تھا۔ یہاں تک کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے۔"

(بخاری و مسلم)

حضرات! غور کیا آپ نے! کہ جب تک حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم قومے سے سجدے میں پہنچ کر اپنی پیشانی مبارک زمین پر نہ رکھ دیتے تھے اس وقت تک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے رہتے تھے۔ کوئی پیٹھ تک نہ جھکاتا تھا۔ اور ہمارا یہ حال ہے (وائے بر حالِ ما) کہ امام قومے سے سجدہ میں آنے کے لیے ابھی اللہ اکبر ہی کہتا ہے۔ تو مقتدی امام کے سجدے میں پہنچنے سے پہلے ہی سجدے میں پہنچ گئے ہوتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف سے کہیئے۔ کہ امام کے ایسے اقتداء کا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی پر مبنی ہے، قیامت کو کیا حشر ہوگا۔ سُنیئے!۔

---

۵۰۳ اسس کو بخاری (۶۹۰، ۷۴۷، ۸۱۱) مسلم (۲/۱۹۰) ابُو عوانہ (۲/ ۱۰۸-۱۷۹) ابُو داؤد (۶۲۲) ترمذی (۲۸۱) نسائی (۲/۹۶) عبدالرزاق (۲/ ۳۴۳) اور ابن ابی شیبہ (۲/ ۳۲۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ مگر مذکورہ الفاظ بخاری کی ایک روایت کے ہیں۔

۵۰۴ - نبی رحمت فرماتے ہیں:

لَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ۔ (رواہ مسلم)

"پس نہ پہل کرو مجھ (امام) سے ساتھ رکوع کے، اور نہ ساتھ سجدے کے، اور نہ ساتھ کھڑے ہونے کے، اور نہ ساتھ فارغ ہونے نماز کے۔"

گدھے کا سر

۵۰۵ - حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَمَا يَخْشَى الَّذِيْ يَرْفَعُ رَاْسَهُ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهُ رَاْسَ حِمَارٍ۔

(متفق علیہ)

"کیا نہیں ڈرتا وہ شخص کہ اٹھاتا ہے سر اپنا پہلے امام سے، کہ خدا تعالیٰ اس کے (امام سے پہلے اٹھنے والے) سر کو گدھے کے سر کی طرح کر دے۔" (بخاری و مسلم)

---

۵۰۴ - اس کو مسلم (۴/۱۵۰) ابو عوانہ (۲/۱۳۶) نسائی (۳/۸۳) ابن ابی شیبہ (۲/۳۲۸) ابن خزیمہ (۱۶۰۲) اور بیہقی (۲/۹۱-۹۲) نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۵۰۵ - اس کو بخاری (۶۹۱) مسلم (۴/۱۵۱) ابو عوانہ (۲/۱۳۷) ابو داؤد (۶۲۳) ترمذی (۵۸۲) نسائی (۲/۹۶) ابن ماجہ (۹۶۱) دارمی (۱/۳۰۲) عبدالرزاق (۲/۳۷۳) ابن ابی شیبہ (۲/۱۱۶ - دار التاج) طیالسی (۱/۱۳۴) احمد (۲/۲۶۰، ۴۵۶، ۴۶۹، ۴۷۲، ۵۰۴) ابن خزیمہ (۱۶۰۰) ابن حبان (۶/۵۹-۶۰) تمام نے "فوائد" (۱/۲۲۲-۲۲۵) میں اور بیہقی (۲/۹۳) نے محمد بن زیاد کے واسطے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی محمد بن زیاد سے آگے تقریباً چودہ، پندرہ سندیں ہیں، جن میں سے ایک سند محمد بن میسرہ کی بھی ہے۔ اس سند سے اس کو ابن حبان (۶/۶۱) تمام نے "فوائد" (۱/۲۲۴) میں اور خطیب نے "تاریخ بغداد" (۱۲/۴۲۴) میں روایت کیا ہے۔

اس سند میں تمام اور خطیب کے یہاں گدھے کے سر کی بجائے مینڈھے کے سر اور ابن حبان کے یہاں کتے کے سر کا ذکر ہے۔

مگر اس حدیث میں درج ذیل وجوہ کی بناء پر مینڈھے یا کتے کے سر کا ذکر صحیح نہیں۔

۱- محمد بن میسرہ یہ ابن ابی حفصۃ ابو سلمہ بصری ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ غلطیاں کرتا ہے۔ "تقریب" (۲/۱۵۵)

۲- تیرہ یا چودہ راویوں نے اس حدیث کو محمد بن زیاد سے بیان کرتے ہوئے گدھے کے سر یا گدھے کی صورت کا ذکر ←

۵۰۶ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص امام سے قبل سر اُٹھاتا ہے یا سجدے میں جاتا ہے تو جان لینا چاہیئے کہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ (موطأ امام مالک)

ــــــ کیا ہے۔ لہٰذا محمد بن میسرہ نے جو الفاظ ذکر کیے ہیں وہ مردود ہیں۔

۳۔ اس حدیث کی محمد بن زیاد کے علاوہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری سندیں بھی ہیں۔ مگر ان سندوں میں بھی گدھے ہی کے سر کا ذکر ہے۔ یہ سندیں "ضعفاء عقیلی" (۳/۴۵۳) "فوائد تمام" (۱/۲۲۵) اور "سنن بیہقی" (۲/۹۳) میں ہیں۔

۴۔ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان کی حدیثوں میں بھی گدھے کے سر کا ذکر ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں مینڈھے یا کتے کے سر کا ذکر صحیح نہیں۔

محمد بن میسرہ کا کبھی مینڈھے کے سر کو اور کبھی کتے کے سر کو ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح طرح سے ضبط نہیں کر سکے۔

۵۰۶ ضعیف ہے۔

اس کو بزار (۴/۵) اور عقیلی (۳/۴۵۳) نے روایت کیا ہے۔

سند: محمد بن عمرو عن ملیح بن عبد اللہ السعدی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کو بزار کے یہاں عبد العزیز دراوردی نے اور عقیلی کے یہاں سفر بن نسیر نے محمد بن عمرو سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ جبکہ مالک، سفیان بن عیینہ، عبدہ بن سلیمان اور محمد بن عجلان نے اس کو محمد بن عمرو سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ اور یہ روایت موقوفاً ہی صحیح ہے، کیونکہ اس کو موقوف روایت کرنے والے راوی ثقہ ہیں۔

دراوردی اور سفر نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے، سفر ضعیف ہے، جیسا کہ "تقریب" میں ہے اور دراوردی غلطیاں کرتے ہیں، جیسا کہ ابن سعد، ابو زرعہ اور ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے۔ لہٰذا ان کا اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرنا معتبر نہیں۔

دو اور راویوں نے بھی اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مگر ان دونوں نے اس کی سند میں بھی غلطی کی ہے۔ لہٰذا ان کی روایت بھی معتبر نہیں۔ دیکھیں "ضعفاء عقیلی" (۳/۴۵۳) اور "علل ابن ابی حاتم (۱/۸۳)

حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں، امام عقیلی اور حافظ ابن حجر نے بھی "فتح الباری" (۲/۱۸۳) میں موقوف ہی کو ترجیح دی ہے۔

اس کو موقوفاً مالک (۱/۹۳) عبد الرزاق (۲/۳۷۳-۳۷۴) ابن ابی شیبہ (۲/۳۲۷) حمیدی (۹۸۹) عقیلی (۳/۴۵۳) اور ابن ابی حاتم نے "علل" (۱/۸۳) میں روایت کیا ہے۔

۵۰۷ - اگر امام کوئی چیز بھول جائے۔ تو مقتدیوں کو سبحان اللہ کہہ کر اسے آگاہ کرنا چاہیئے۔
(بخاری شریف)

← مگر یہ موقوفاً بھی صحیح نہیں، کیونکہ ابوہریرۃؓ سے اس کو روایت کرنے والا ملیح بن عبداللہ سعدی ہے۔ جسے ابن ابی حاتم نے "جرح و تعدیل" (۸/۳۶۷) میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے بارے میں انہوں نے کسی قسم کی جرح و تعدیل نقل نہیں کی اور اس سے انہوں نے ایک ہی راوی کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا یہ مجاہیل کے زمرے میں آتا ہے۔ مگر حافظ ابن حبان نے اپنے قاعدے کے مطابق اس کو "ثقات" (۵/۴۵۰) میں ذکر کیا ہے۔

تنبیہ: موطا مالک میں یہ حدیث موقوفاً ہے۔ مرفوعاً نہیں۔ لہٰذا مؤلف کا اس کے حوالے سے اس کو مرفوعاً ذکر کرنا صحیح نہیں۔

۵۰۷— متعدد احادیث میں ہے کہ مردوں کے لیے سُبحان اللہ ہے اور عورتوں کے لیے تالی، یعنی امام کو متنبہ کرنے کی خاطر۔
ان احادیث میں سے، ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہے، جس کو بخاری (۳/۱۲۰) اور مسلم (۲/۱۴۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

عورت کی امامت کا مسئلہ

نمبر ۲۶۷ میں گزرنے والی حدیث اُمّ ورقہ رضی اللہ عنہا اور اثر عائشہ رضی اللہ عنہا کی تخریج کا اس مقام پر وعدہ کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس حدیث اور اثر کی تخریج درج ذیل ہے۔

۱۔ حدیث اُمّ ورقہ رضی اللہ عنہا کو ابوداؤد (۵۹۱-۵۹۲) ابن سعد (۸/۴۵۷) احمد (۶/۴۰۵) مروزی نے "قیام اللیل" (۱۶۲-۱۶۳) میں ابن جارود (۳۳۳) ابن خزیمہ (۱۶۷۶) ابن منذر (۳/۵۵) طبرانی (۲۵/۱۲۵) دارقطنی (۱/۲۷۹، ۴۰۳) حاکم (۱/۲۰۳) ابو نعیم نے "حلیہ" (۲/۶۳) میں اور بیہقی (۱/۴۰۶، ۳/۱۳۰) نے روایت کیا ہے۔
امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے اور شیخ البانی نے "صحیح ابن خزیمہ" پر اپنی تعلیق میں اس کو حسن کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ اثر عائشہ رضی اللہ عنہا کو عبدالرزاق (۳/۱۴۱) دارقطنی (۱/۴۰۴) ابن حزم (۴/۲۱۹ ایضاً ۳/۱۲۶) اور بیہقی (۳/۱۳۱) نے ریطہ حنفیہ کی سند سے عبدالرزاق نے یحییٰ بن سعید انصاری کی سند سے بھی، ابن ابی شیبہ (۲/۸۹) حاکم (۱/۲۰۳-۲۰۴) اور بیہقی نے عطاء کی سند سے اسی طرح ابن حزم (۴/۲۱۹) نے تمیمہ بنت سلمہ کی سند سے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے
امام نووی نے ریطہ حنفیہ والی سند کو صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ "نصب الرایہ" (۲/۳۱) میں ہے۔
بہرحال یہ اثر بلاشبہ صحیح ہے۔ حاکم کے بیان ہے کہ وہ اذان دیتیں اور اقامت بھی کہتیں۔ مگر اس کی سند لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ←

نماز کی سُنّتوں کا بیان

سُنتیں وہ نمازیں ہیں۔ جو فرضوں کے ساتھ رات اور دن میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ سنتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک رواتب، یا مؤکدہ، اور دوسری غیر رواتب یا غیر مؤکدہ۔ رواتب یا مؤکدہ وہ ہیں۔ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی۔ مثلاً فجر کی سنتیں وغیرہ۔ اور غیر رواتب یا غیر مؤکدہ وہ ہیں۔ جو آپ گاہے گاہے پڑھتے تھے۔ مثلاً عصر کی سنتیں۔ اور واضح ہو کہ سنت۔ نفل، مندوب، مستحب، مرغب فیہ، حسن، یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں، جو عبادتِ نافلہ (غیر فرض) پر بولے جاتے ہیں۔

← اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی عورتوں کی امامت کرانا ثابت ہے۔

ام الحسن روایت کرتی ہیں کہ اُمّ سلمہ رمضان میں ان کی امامت کرتیں اور ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتیں۔

اس کو ابن ابی شیبہ (۲/۸۹) اور ابن حزم (۴/۱۱۹) نے روایت کیا ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس کی سند سونے کی مانند ہے یعنی نہایت صحیح ہے۔

اسی طرح حجیرہ روایت کرتی ہیں کہ اُمّ سلمہ نے ان کی امامت کی اور وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔

اس کو شافعی نے "مسند" (۵۳-۵۴) میں ابن ابی شیبہ (۲/۸۹) عبدالرزاق (۳/۱۴۰) اور ابن حزم (۴/۲۲۰) نے روایت کیا ہے۔

نووی نے "مجموع" (۴/۲۹۶) میں تو اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ جبکہ "خلاصہ" میں اسے صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ "نصب الرایہ" (۲/۳۱) میں ہے۔

اس سلسلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ایک اثر ہے۔ جس کو عبدالرزاق (۳/۱۴۰) اور بیہقی (۳/۱۳۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

اُسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ عورتوں پر اذان، اقامت، جمعہ، اور غسل (جمعہ) نہیں اور نہ ہی کوئی عورت ان کے آگے بڑھ کر کھڑی ہو، بلکہ ان کے درمیان میں کھڑی ہو۔

اس کو ابن عدی (۲/۶۲۰) نے روایت کیا ہے، لیکن یہ حدیث انتہائی ضعیف بلکہ من گھڑت ہے۔

رات اور دن کی مؤکدہ سنتیں بارہ ہیں
سنتوں سے بہشت میں گھر

۵۰۸۔ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔

اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہُوئے کہتی ہیں۔ کہ رسُولِ خدا نے فرمایا۔ جو پڑھے دن اور رات میں بارہ رکعتیں (سوائے فرضوں کے جو سنتیں ہیں) بنایا جاتا ہے۔ اس کے لیے گھر بہشت میں۔ اور ان بارہ رکعتوں کی تفصیل یہ ہے[1] چار رکعت (سنتیں) پہلے ظہر کے اور دو رکعت بعد اس کے، اور دو[2] رکعت (سنتیں) بعد مغرب کے، اور دو رکعت (سنتیں) بعد عشاء کے، اور دو رکعت (سنتیں) قبل نماز فجر کے۔ (ترمذی)

---

[1] ۵۰۹۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ (متفق علیہ) حضرت ابن عمر روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسُولِ خدا کے ساتھ ظہر کے پہلے دو رکعتیں (سُنت) پڑھیں، اس سے معلوم ہُوا کہ ظہر سے پہلے بجائے چار سنتوں کے دو سنتیں بھی پڑھنی جائز ہیں۔ نبی رحمت نے دو سنتیں قبل ظہر پڑھ کر اُمت کے لیے آسانی پیدا کر دی، تاکہ کسی وجہ سے اگر ہم چار نہ پڑھ سکیں، تو دو رکعت پر عمل کر کے ہی خدا کو راضی کر لیں۔

[2] ۵۱۰۔ مغرب کی ان دو رکعت سُنتوں میں "قُل یاایہا الکٰفرون" اور "قُل ھو اللہ احد" پڑھنا مسنون ہے۔ (ترمذی)

---

۵۰۸ ۔۔ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۴۱۵) طبرانی (۲۳/۲۳۱) اور لبغوی (۸۶۶) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث تفصیل رکعات کے بغیر "صحیح مسلم" (۶/۶-۷)، صحیح ابو عوانہ (۲/۲۶۷) اور سنن ابو داؤد (۱۲۵۰) وغیرہ میں بھی ہے۔

۵۰۹ ۔۔ بخاری (۲/۱۱۷۲، ۱۱۸۰) اور مسلم (۶/۲۰۷۰) وغیرہ۔

۵۱۰ ۔۔ یہ ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی حدیثوں (میں) ہے۔ جن کی تخریج حدیث (۲۹۹) میں گزر چکی ہے۔

اور یہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی ہے، جس کو بزار (۷۰۴) نے روایت کیا ہے اس کی سند میں اگر قتادہ کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو وہ جید سند ہے۔

رسولِ خدا سُنتیں گھر میں پڑھتے تھے

۵۱۱۔ عبداللہ بن شفیقؒ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نفلوں (یعنی سُنتوں) کا حال دریافت کیا۔ تو حضرت عائشہؓ نے کہا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں ظہر کے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے، پھر آپ نکلتے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے (فرض ظہر کے) پھر داخل ہوتے (گھر میں) پس نماز پڑھتے دو رکعتیں (سنتیں) اور آپ لوگوں کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے۔ پھر داخل ہوتے (گھر میں) پس نماز پڑھتے دو رکعت (سُنت) پھر آپ لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے۔ پھر داخل ہوتے (گھر میں) پس نماز پڑھتے دو رکعتیں۔ اور رات کو حضورؐ نماز پڑھتے (تہجّد کی) نو رکعت۔ ان میں وتر بھی ہوتی۔ (یعنی آٹھ رکعت تہجد اور ایک وتر) اور جب صبح نمودار ہوتی تو دو رکعتیں (سنت) پڑھتے۔

(رواہ مسلم)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر تمام سنتیں گھر پر ہی پڑھتے تھے۔ اور فرض مسجد میں، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم سنتیں ہمیشہ گھر میں ہی پڑھا کریں۔ اگرچہ مسجد میں ان کا پڑھنا جائز ہے لیکن گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

جُمعہ کے بعد دو سنتیں

۵۱۲۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔

(متفق علیہ)

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جُمعہ کے پیچھے، کچھ نماز نہیں

۵۱۱۔ اس کو مسلم (۶/۸) ابوعوانہ (۲/۲۶۲، ۲۹، ۳۲۹) ابوداؤد (۱۲۵۱) ترمذی (۴۳۷) ابن خزیمہ (۱۱۹۹) ابن حبان (۲/۲۲۷) بیہقی (۲/۴۷۱) بغوی (۸۰۰) اور احمد (۶/۳۰) نے روایت کیا ہے۔

۵۱۲۔ اس حدیث کی تخریج نمبر (۵۰۷) میں آئے گی۔

پڑھتے تھے، یہاں تک کہ پھرتے (اپنے گھر کی طرف) پھر پڑھتے[1] دو رکعتیں (سُنت) اپنے گھر میں۔ (بخاری مسلم)

نوٹ:۔ جُمعہ کے بعد کی سنتیں بھی آپ گھر میں جاکر پڑھتے۔ معلوم ہوا کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ اور مسجد میں جائز۔

فجر کی سُنتوں کی فضیلت

۵۱۴۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتی ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔"

فجر کی دو رکعتیں سُنت بہتر ہیں دُنیا سے اور جو کچھ دُنیا میں ہے۔ (مُسلم)

مطلب یہ ہے کہ تمام دُنیا اور ما فیہا کو خیرات کرنے پر جتنا ثواب مل سکتا ہے۔ فجر کی سُنتوں کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔

۵۱۵۔ بخاری مُسلم میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نوافل (سنن) میں سے کسی چیز پر اتنی محافظت اور مداومت نہیں کرتے تھے۔ جس قدر سُنت فجر کی دو رکعتوں پر مداومت کرتے

---

[1] ایک روایت صحیح مُسلم میں یہ بھی آئی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۵۱۳۔ "اذا صلی احدکم الجمعة فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا۔"

جب نماز پڑھے کوئی تمھارا جُمعہ کی، پس چاہیئے کہ پڑھے بعد اس کے چار رکعت۔" (مُسلم)

معلوم ہوا کہ بعد جُمعہ چار سُنتیں بھی پڑھ سکتے ہیں اور پہلی حدیث کی رُو سے دو رکعت۔ پس اختیار ہے چاہے کوئی دو پڑھے۔ چاہے چار۔ منہ۔

۵۱۳۔ اس حدیث کی تخریج نمبر (۵۰۸) میں آئے گی۔

۵۱۴۔ اس کو مُسلم (۲/۵) ابو عوانہ (۲/۲۷۳) ترمذی (۲/۲۷۴) نسائی (۱/۲۵۲) احمد (۶/۵۰، ۵۱، ۱۴۹، ۱۵۰، ۲۶۵) ابن خزیمہ (۱۱۰۷) ابن حبان (۲۱۱/۶)۔ حاکم (۱/۳۰۷) اور بیہقی (۲/۴۷۰) نے روایت کیا ہے۔

۵۱۵۔ اس کو بخاری (۱۱۶۹) مُسلم (۲/۱۶) ابو عوانہ (۲/۲۷۴) ابو داؤد (۱۲۵۴) ابن خزیمہ (۱۱۰۹) ابن حبان (۶/۲۰۹، ۲۱۰) بیہقی (۲/۴۷۰) اور احمد (۶/۴۳، ۵۴، ۱۷۰) نے روایت کیا ہے۔

تھے۔ پس ہمیں بھی ان سنتوں کی بڑی محافظت کرنی چاہیئے۔ اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم ان کو نور کے تڑکے میں ہمیشہ گھر پر پڑھ کر مسجد میں جایا کریں۔ تاکہ گھر بھی ان کے سبب منزلِ رحمتِ یزداں ہوں۔

۵۱۶۔ فجر کی سنتیں پڑھ کر فرضوں سے پہلے دائیں کروٹ پر لیٹنا سنّت ہے۔ (صحیح بخاری)

۵۱۶۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد اپنی دائیں جانب لیٹ جایا کرتے تھے۔

اس حدیث کو بخاری (۶۲۶، ۹۹۴، ۱۱۶۰، ۶۳۱۰) مسلم (۲/۱۶۶) ابوعوانہ (۲/۳۲۶)۔ ابوداؤد (۱۳۳۶) نسائی (۲/۲۵۲-۲۵۳) ابن ماجہ (۱۱۹۸) دارمی (۱/۳۳۷) احمد (۶/۳۴، ۴۸، ۴۹، ۸۸) عبدالرزاق (۳/۳۵، ۴۳) ابن ابی شیبہ (۲/۲۴۷) اور بیہقی (۳/۲۳، ۴۴) نے روایت کیا ہے۔

سند: "الزهري عن عروة عن عائشة رضي الله عنها۔

اس حدیث کو زہری سے سات راویوں نے روایت کیا ہے۔ جن میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق بھی ہیں۔ بقیہ راویوں کے نام کی تفصیل "سنن بیہقی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ان سات راویوں کے ساتھ آٹھویں امام مالک بھی ہیں۔ مگر انہوں نے اس حدیث میں فجر کی سنتوں کے بعد کی بجائے وتروں کے بعد دائیں جانب لیٹنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "موطا" (۱/۱۲۰)

مالک کے طریق سے اس کو مسلم (۲/۱۶۶) ابوعوانہ (۲/۳۲۶) ابوداؤد (۱۳۳۵) اور بیہقی (۳/۲۳، ۴۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

لیکن امام مالک کی یہ روایت شاذ ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے دوسرے راویوں کی مخالفت کی ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر جماعت کی روایت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ محفوظ بھی یہی ہے۔ "فتح الباری" (۳/۴۴)

مالک کی طرح زہری سے ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم نے بھی اس لیٹنے کا ذکر وتروں کے بعد ہی کیا ہے۔

اس سند سے اس حدیث کو طبرانی (۱۹/۳۹۷) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس طریق میں بھی وتروں کے بعد لیٹنے کا ذکر صحیح نہیں محمد بن عبداللہ اور اسی طرح ان کے نیچے والے دو راوی غلطیاں کرتے ہیں۔ یہاں غالباً ان میں سے کسی ایک سے ہی غلطی ہوئی ہے، کیونکہ اس سند سے یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی بجائے معاویہ بن حکم اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

بہرحال حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس اضطجاع کا ذکر فجر کی سنتوں کے بعد ہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی عروہ سے زہری کے علاوہ ایک اور سند بھی ہے اور یہ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن کی سند ہے اس سند میں بھی اس اضطجاع (لیٹنے) کا ذکر ــــــ

فجر کی سنتوں کے بعد ہی ہے۔

اس سند سے اس حدیث کو بخاری (۱۱۶۰) ابُوعوانہ (۲/۲۷۹) ابن حبان (۶/۲۱۹) اور ابن حزم (۳/۱۹۸) نے روایت کیا ہے۔

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی سند سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سُنت ادا کرتے اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے گفت گو فرماتے ورنہ آپ لیٹ جایا کرتے۔

اس حدیث کو بخاری (۱۱۶۱) مُسلم (۶/۲۳) ابُوداؤد (۱۲۶۲-۱۲۶۳) اور ترمذی (۴۱۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں "سنن بیہقی" (۳/۴۵-۴۶) دیکھی جائے۔

مزید یہ کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی اس اضطجاع کا ذکر فجر کی سنتوں کے بعد ہی ہے، ان صحابہ میں ابُو ہریرہ، ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم ہیں۔

۱۔ حدیث ابوہریرہ کو ابن ماجہ (۱۱۹۹) اور بیہقی (۳/۴۵) نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث کی ایک روایت میں فجر کی سُنتوں کے بعد لیٹنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ روایت مسند احمد (۲/۴۱۵) ابوداؤد (۱۲۶۱) ترمذی (۴۲۰) صحیح ابن خزیمہ (۱۱۲۰) صحیح ابن حبان (۶۱۲) محلی ابن حزم (۳/۱۹۶) اور بیہقی میں ہے۔

مگر میرے نزدیک یہ روایت شاذ ہے۔ کیونکہ اس کے بیان کرنے میں اُعمش نے سہیل بن ابو صالح اور محمد بن ابراہیم کی مخالفت کی ہے امام بیہقی نے بھی اس کے شذوذ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہذا جو عُلماء اعمش کی روایت کے پیشِ نظر اس اضطجاع کی شرطیت کی طرف۔ جیسا کہ ابن حزم "محلی" میں۔ یا وجُوب کی طرف۔ جیسا کہ شوکانی "نیل الأوطار (۳/۲۴) میں گئے ہیں، ان کا یہ قول ضعیف ہے واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ حدیث ابن عباس کو ابن خزیمہ (۱۱۰۳، ۱۱۲۱) نے بسند صحیح روایت کیا ہے اور اس کو انہوں نے بھی صحیح کہا ہے۔

"سنن بیہقی" (۳/۴۵) میں اس کی ایک اور سند بھی ہے۔ مگر وہ صحیح نہیں۔

بخاری (۱۸۳، ۹۹۲، ۱۱۹۸) اور مسلم (۶/۴۶-۴۷) وغیرہ میں اس حدیث کی ایک تیسری سند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں کے بعد اضطجاع کیا اور اس کی بعض روایات میں سونے کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم، مصنف عبدالرزاق (۳/۳۶) اور "سنن بیہقی" (۳/۷-۸)۔

مگر اس سند کی یہ روایات پہلی سندوں کے منافی نہیں۔

۳۔ حدیث عبداللہ بن عمرو کو احمد (۲/۱۷۳) اور طبرانی نے۔ دیکھیں "مجمع الزوائد" (۲/۲۲۱-۲۲۲)۔ روایت کیا ہے۔

احمد کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

فائدہ: مصنف عبدالرزاق (۳/۴۳) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک نامعلوم آدمی کی سند سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اضطجاع (لیٹنا) سنت کی بناء پر نہ تھا، بلکہ تھکاوٹ سے راحت حاصل کرنے کی خاطر تھا۔

فجر کی سُنتوں کے بعد

۵۱۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتیں ادا کر کے تین بار یہ دُعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ وَمُحَمَّدٍ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ۔ (حصن حصین)

اے اللہ! تو جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار ہے (اے اتنی بڑی ہستی)، میں دوزخ سے تیری جناب میں پناہ چاہتا ہوں۔

؎ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

۵۱۷ — حسن ہے۔

اس کو بزار (۳۱۰۱) طبرانی (۱/۱۹۵) ابن سنی (۱۰۳) اور حاکم (۳/۶۲۲) نے اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے، مگر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر شاہد ہے۔ لہٰذا یہ دونوں حدیثیں آپس میں مل جانے سے مذکورہ دُعا حسن درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

حدیث عائشہ کو احمد نے "مسند" (۶/۶۱) اور "سنہ" (۲۴۵) میں نسائی نے "سُنن" (۳/۷۲، ۸/۲۷۸) اور "عمل" (۱۳۸) میں بیہقی نے "دعواتِ کبیر" (۱۰۹) میں اور خطیب بغدادی نے "موضح" (۱/۴۵۵) میں جیّد سند سے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں اس دُعا کو فجر کی سُنتوں کے بعد پڑھنے کی قید نہیں۔ بلکہ اس کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا پڑھی یعنی کسی وقت وغیرہ کی قید ذکر نہیں ہوئی

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اس کو (فرض) نماز کے بعد پڑھتے۔ یہ روایت "سنہ احمد" "سنن نسائیؒ (۸/۲۷۸) بیہقی اور "موضح خطیب" کی ہے۔

مسند ابُو یعلی (۴۷۰۹) میں اس حدیث کی عبد اللہ بن رباح کی سند میں اس دُعا کو فجر کی سُنتوں کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے۔ مگر یہ حدیث اس سند سے سخت ضعیف ہے۔

خلاصہ یہ ہُوا کہ اس دُعا کا فجر کی سُنتوں کے بعد پڑھنا قابلِ اعتماد سند سے ثابت نہیں۔

اس مقام پر دو اور دعائیں بھی مذکور ہیں۔ جن میں سے ایک یُوں ہے "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نُشْھِدُكَ اَنَّكَ لَسْتَ بِاِلٰہٍ اسْتَحْدَثْنَا ...." الخ

؎ اس کو بیہقی نے "دعوات کبیر" (۷۰) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

فجر کی سنتوں کی قرأت

۵۱۸ ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ قُلْ یَاأَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھتے تھے، اور (کبھی) قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَیْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلٰی إِبْرٰهِیْمَ وَإِسْمٰعِیْلَ وَإِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَا أُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۱پ) پہلی رکعت میں اور قُلْ یٰٓأَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۳پ) دوسری رکعت میں پڑھتے تھے۔ (حصن حصین)

—— دوسری دعاء کے لیے حدیث (۳۰۷) دیکھیں۔

۵۱۸ —— ان دونوں سورتوں کا ذکر ابو ہریرہ، انس، جابر، ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے۔

حدیث ابو ہریرہؓ کو مسلم (۶/۵) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱۰۸/۴) میں ابوداؤد (۱۲۵۶) نسائی (۱۵۵/۲-۱۵۶) ابن ماجہ (۱۱۴۸)۔ ابوعوانہ (۲۷۹/۲) اور بیہقی (۴۲/۳) نے روایت کیا ہے۔

حدیث عائشہ مسند احمد (۲۳۹/۶) ابن ماجہ (۱۱۵۰) صحیح ابن خزیمہ (۱۱۱۴) اور صحیح ابن حبان (۶۱۰) میں ہے۔ اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

حدیث انس کو بزار (۷۰۴) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں اگر قتادہ کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو حسن درجے کی ہے۔

حدیث جابر کو ابن حبان (۶۶۱) نے بسند جید روایت کیا ہے۔

حدیث ابن عمر کی تخریج حدیث (۲۹۹) میں دیکھیں۔

(قولوا آمنا .....) اور (قل یا اھل الکتاب .....) ان دونوں آیات کی قراءت کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جس کو مسلم (۶/۶) ابن ابی شیبہ (۲۴۲/۲) اور ابن خزیمہ (۱۱۱۵) نے روایت کیا ہے۔

پہلی آیت سورۃ بقرہ کی آیت (۱۳۶) ہے اور دوسری سورۃ آل عمران کی آیت (۶۴) ہے۔

دوسری رکعت میں اس آیت کا ذکر صرف ابو خالد احمر ہی نے اپنے شیخ عثمان بن حکیم سے کیا ہے۔ جب کہ عثمان سے اس حدیث کو مروان بن معاویہ، زہیر بن معاویہ، عیسیٰ بن یونس اور عبداللہ بن نمیر نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان تمام نے اس آیت کی بجائے ←

فجر کی سُنتیں فرضوں کے بعد پڑھ سکتے ہیں

اگر آپ ایسے وقت مسجد میں پہنچیں کہ جماعت کھڑی ہو گئی ہو اور سنتیں آپ نے نہ پڑھی ہوں۔ تو پھر جماعت کے پاس سُنتیں مت پڑھنی شروع کر دیں۔ کیونکہ جماعت کے ہوتے ہُوئے پاس کوئی نماز نہیں ہوتی۔ آپ جماعت میں شامل ہو جائیں اور فرض پڑھ کر سنتیں پڑھ لیں۔

۵۱۹ ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسُولِ خدا نے ایک شخص کو نماز فرض صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہُوئے دیکھ کر فرمایا صَلٰوۃُ الصُّبۡحِ رَکۡعَتَیۡنِ رَکۡعَتَیۡنِ۔ صبح کی نماز (فرض) دو رکعت ہیں۔ دو رکعت ہیں۔ (اور

← آلِ عمران کی آیت (۵۲) کا ذکر کیا ہے، جس کی ابتدا ریُوں ہوتی ہے۔

"فَلَمَّآ أَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡهُمُ الۡکُفۡرَ ....."

ابُو خالد احمر جن کا نام سلیمان بن حیان ہے غلطیاں کرتے ہیں۔

جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے۔ اس میں بھی دوسری رکعت میں (قل یا اھل الکتاب ....) کے پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رکعت میں کبھی یہ آیت اور کبھی (فلمّآ أحسّ عیسی ....) آیت کی تلاوت فرماتے رہے ہُوں۔

مگر اس کی سند میں ابن اسحاق ہیں جو مدلس ہیں اور حدیث کو روایت کرتے ہوئے انہوں نے سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی۔ نیز اس سند میں پہلی رکعت میں سُورۂ بقرہ کی آخری دو آیات (۲۸۵ ۔ ۲۸۶) پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سند سے یہ حدیث "طبرانی کبیر" (۱۰ / ۴۰۱) میں ہے۔

حدیث ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ میں دوسری رکعت میں بقرہ کی آیت (۱۱۹) یا شک راوی سے ہے۔ آلِ عمران کی آیت (۵۲) پڑھنے کا ذکر ہے۔ مگر اس حدیث میں مُسلم وغیرہ کے یہاں حدیث ابنِ عباس کی طرح پہلی رکعت میں (قولُوا آمنّا باللہ...) ہی پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے "تاریخ کبیر" (۴ / ۱۰۸) ابوداؤد (۱۲۶۰) اور بیہقی (۳ / ۴۳) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں عبدالعزیز دراوردی ہیں جو غلطیاں کرتے ہیں اور ایک دوسرا راوی عثمان بن عمر بھی ہے، جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے توثیق نہیں کی۔

۵۱۹ صحیح ہے۔

یہ قیس بن قہد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابُوداؤد (۱۲۶۷) ترمذی (۴۲۲) ابن ماجہ (۱۱۵۴) ابن ابی شیبہ →

تم نے فرضوں کی دو رکعتوں کے ساتھ یہ اور دو رکعتیں کیسی پڑھی ہیں؟) تو اس شخص نے جواب دیا۔ اِنِّی لَم اَکُن صَلَّیْتُ الرَّکعتین اللتین قبلها فصلیتها الآن ۔ (حضور! میں نے دو رکعتیں سنت جو فرضوں سے پہلے ہیں نہیں پڑھی تھیں۔ ان کو اب پڑھا ہے۔ فسکت رَسُوْل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وَسلّم ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی) "پھر (اس کا جواب سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے" اور خاموشی آپ کی رضامندی کی دلیل ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں یہ تقریری حدیث کہلاتی ہے۔"

(ابوداؤد۔ ترمذی)

۵۲۰ ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عصر سے پہلے چار رکعت (سُنّت) پڑھے۔ خدا اس پر رحمت کرے۔ (ترمذی)

(۵۹/۲) احمد (۴/۴۴۷) طبرانی (۸/۳۶۷) دارقطنی (۱/۳۸۴-۳۸۵) حاکم (۱/۲۵۷) اور بیہقی (۲/۴۸۳) نے روایت کیا ہے اس کی سند منقطع ہے لیکن ابن خزیمہ (۱۱۱۶) ابن حبان (۶۲۴) دارقطنی (۱/۳۸۳-۳۸۴) حاکم (۱/۲۷۴-۲۷۵) اور بیہقی (۲/۴۸۳) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند منقطع ہے۔ لیکن ابنِ خزیمہ (۱۱۱۶) ابن حبان (۶۲۴) دارقطنی (۱/۳۸۳-۳۸۴) حاکم (۱/۲۷۴-۲۷۵) اور بیہقی نے اس کو موصول سند سے بھی روایت کیا ہے اور اسے ابنِ خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔

نیز اس کی دیگر سندیں بھی ہیں دیکھیں "طبرانی کبیر" (۱۸/۳۶۷-۳۶۸) "محلی ابن حزم" (۳/۱۱۲-۱۱۳)

ابن حزم کی سند کو حافظ عراقی نے حسن کہا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے "نیل الاوطار" (۳/۲۵) ترمذی (۲/۲۸۶-۲۸۷ تحقیق احمد شاکر) اور "محلی" تحقیق احمد شاکر دیکھیں۔

اس کا حدیث ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے شاہد بھی ہے، جس کو طبرانی (۲/۶۹-۷۰) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

۵۲۰۔ حسن ہے۔

اس کو ترمذی (۴۳۰) اسی طرح ابوداؤد (۱۲۷۱) طیالسی (۱/۱۱۴) احمد (۲/۱۱۷) ابن خزیمہ (۱۱۹۳) ابن حبان (۶۱۶) ابن عدی (۶/۲۲۴۷) بیہقی (۲/۴۷۳) اور بغوی (۷۹۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن وجہ کی ہے۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور نووی نے "مجموع" (۴/۸) میں اس کو صحیح کہا ہے۔ جب کہ ابوحاتم نے اس میں کلام کیا ہے۔ مگر ابن قیم نے "زاد المعاد" (۱/۳۱۱-۳۱۲) میں ان کا رد کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص عصر سے قبل چار رکعت ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کردے گا۔

یہ حدیث علیؓ، اُمِّ سلمہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

۵۲۱ - حضرت علیؓ کی روایت میں عصر سے پہلے دو رکعت (سنّت) بھی آئی ہیں۔ (ابوداؤد)

نوٹ:- عصر کی یہ سنتیں غیر مؤکدہ ہیں یعنی ضروری نہیں، اور چاہے کوئی چار پڑھے۔ چاہے دو۔

— حدیث علی کو ابو شیخ نے "طبقات" (۲/ ۱۹۳) میں، حدیث ام سلمہ کو طبرانی نے "کبیر" (۲۳/ ۲۸۱) میں اور حدیث عبداللہ بن عمرو کو طبرانی نے "کبیر اور "اوسط" میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۲/ ۲۲۵) میں ہے۔

ان سب احادیث کو آپس میں ملا لینے سے شاید یہ حدیث ثابت ہو جائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ عصر سے قبل چار رکعت پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ اس کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۴/ ۳۰۸) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

۵۲۱ — ضعیف ہے۔

اس کو ابو داؤد (۲/ ۱۲۷) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں دو رکعت کا ذکر شعبہ کی ایک روایت میں ہے۔ جب کہ شعبہ سے جو دوسری روایات ہیں۔ اسی طرح شعبہ کے شیخ ابو اسحاق سے اس کی جو دوسری سندیں ہیں ان میں بھی دو رکعت کی بجائے چار رکعت کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں دو رکعت کا ذکر شاذ ہے چار رکعت کے ذکر سے اس کو ترمذی (۴۲۹، ۵۹۸ - ۵۹۹) نسائی (۲/ ۱۲۰) ابن ماجہ (۱۱۶۱) ابن خزیمہ (۱۲۱۱) احمد (۱/ ۸۵، ۱۴۳، ۱۶۰ ایضاً ۱۱۱، ۱۴۳، ۱۴۷) طبرانی نے "اوسط" (۹۲۰) میں ابو نعیم نے "حلیہ" (۷/ ۲۴۶) میں اور بیہقی (۳/ ۵۰- ۵۱) نے روایت کیا ہے۔

مگر یہ چار رکعت کے ذکر سے بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے جیسا کہ امام ترمذی اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔

امام جوزجانی نے "احوال الرجال" (۴۴ - ۴۵) میں اور اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی۔ جیسا کہ "زاد المعاد" (۱/ ۳۱۱) میں ہے۔ اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عصر سے قبل دو رکعت پڑھنے کی وصیت کی۔ اس کو ابن عدی (۵/ ۱۹۷۸) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند دو راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عصر سے پہلے دو رکعت کا ذکر حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا میں بھی ہے، جس کو ابو یعلیٰ (۵ ۷۰، ۱۱۱۱) طبرانی نے "کبیر" (۲۴/ ۲۷) اور "اوسط" (۹۳۱) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند حنظلہ دوسی کی وجہ سے ضعیف ہے اس کو حافظ نے "تقریب" میں ضعیف کہا ہے۔

نمازوں کی رکعتوں کی تعداد

نمازِ فجر

پہلے دو سُنّتیں پھر دو فرض

(نمازِ فجر چار رکعت ہوئی)

نمازِ ظہر

پہلے چار سنتیں پھر چار فرض پھر دو سنتیں

(نمازِ ظہر دس رکعت ہوئی)

نمازِ عصر

چار فرض

نمازِ مغرب

تین فرض پھر دو سنتیں

(نمازِ مغرب پانچ رکعت ہوئی)

نمازِ عشاء

چار فرض اور دو سنتیں

ملاحظہ: نمازِ وتر دراصل رات کی نماز ہے، جو تہجّد کے ساتھ ملا کر پڑھی جاتی ہے، جو لوگ رات کو اٹھنے کے عادی نہ ہوں۔ انہیں رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت[1] ہے کہ وہ وتر بھی نمازِ عشاء کے ساتھ

---

[1] ۵۲۲ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ۔ (راہ مسلم)

"جو شخص ڈرے کہ نہ اٹھوں گا آخر رات، اس کو چاہیئے کہ وتر اول شب (عشائ کے ساتھ) پڑھ لے۔

(مسلم)

۵۲۲- اس کو مسلم (۶/۲۴ - ۳۵) ابوعوانہ (۲/۲۹۱) ترمذی (۲/۳۱۸) ابن ماجہ (۱۱۸۷) عبدالرزاق (۳/۱۶-۱۷) ←

ہی پڑھ سکتے ہیں، وتر طاق عدد کو کہتے ہیں اور اصل وتر ایک[1] ہی رکعت ہے اور ایک سے آگے تین، پانچ، سات، اور نو تک ہیں۔ پس جو شخص وتر ایک پڑھنا چاہے۔ اس کے لیے نمازِ عشاء سات رکعت ہوئی۔ اور جو تین پڑھے اس کی نمازِ عشاء کی نو رکعتیں ہوئیں۔

نفل خوشی کی عبادت ہے

کوئی صاحب یہ خیال نہ کریں۔ کہ ہم نے نمازوں کی رکعتوں کو کم کر دیا ہے، یعنی فرائض اور سنتیں گن لی ہیں۔ اور نفل چھوڑ دیئے ہیں۔ مسلمان بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نوافل اپنی خوشی اور مرضی کی عبادت ہے، خدا، رسولؐ نے کسی کو پڑھنے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ اس لیے ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہم اپنے نفلوں کو فرضوں، کا ضروری اور لازمی ضمیمہ بنا ڈالیں۔ فرضوں کے ساتھ حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافلہ عبادت یعنی سنتیں آگئی ہیں۔ جن سے نماز پوری اور مکمل ہو گئی ہے۔

---

[1] ۵۲۳۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا۔
"اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ" (مسلم)

ـــــــ ابن ابی شیبہ (۲/ ۸۰، دار التاج) احمد (۲/ ۳۱۵، ۳۸۹) ابن جارود (۲۶۹) ابن خزیمہ (۱۰۸۶) ابن حبان (۶/ ۳۰۴-۳۰۵) اور بیہقی (۳/ ۳۵) نے ابو سفیان کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کی جابر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ ابو زبیر کی سند ہے۔ اس سند کے ساتھ اس کو احمد (۲/ ۳۰۰، ۳۳۷، ۳۴۸) مسلم، ابو عوانہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

۵۲۳۔ اس کو مسلم (۲/ ۳۲-۳۳) ابو عوانہ (۲/ ۳۳۳-۳۳۴) ابوداؤد (۱۴۲۱) نسائی (۳/ ۲۳۲-۲۳۳) ابن ماجہ (۱۱۷۵) احمد (۲/ ۴۳، ۵۱) طحاوی (۱/ ۲۷۷) ابن حبان (۶/ ۳۵۴) اور بیہقی (۳/ ۲۲) نے روایت کیا ہے۔

مسند احمد (۱/ ۳۱۱، ۳۶۱) مسلم، ابو عوانہ، طحاوی اور بیہقی میں یہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

نمازِ وتر کا بیان

وتر کے معنی ہیں اکیلا، تنہا اور طاق، اس کی ضد شفع یعنی جوڑا ہے۔ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احوال و اوقات میں وتر ایک بھی پڑھا ہے، اور تین بھی، اور سات بھی اور نو بھی پڑھے ہیں۔

۵۲۴ — چنانچہ سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا۔ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اے مومنوں کی ماں! خبر دو مجھ کو رسُولِ خدا کے وتر سے، جنابہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ میں آپ کے لیے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتی۔ پھر جب اللہ چاہتا آپ کو اٹھاتا رات کو، پھر حضور مسواک کرتے اور وضو کرتے، وَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيْهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا۔ اور نماز (وتر) پڑھتے نو رکعتیں، نہ بیٹھتے ان میں مگر آٹھویں رکعت

---

۵۲۴ — اس کو مسلم (۶/ ۲۵ - ۲۸) ابُو عوانہ (۲/ ۳۲۱ - ۳۲۵) ابو داؤد (۱۳۴۲ - ۱۳۴۵) نسائی (۳/ ۱۹۹ - ۲۰۱، ۲۴۰ - ۲۴۲) ابنِ ماجہ (۱۱۹۱) دارمی (۱/ ۳۴۴ - ۳۴۵) عبدالرزاق (۳/ ۳۹ - ۴۱) احمد (۶/ ۵۳ - ۵۴، ۱۶۸) مروزی (۸۴ - ۸۵) ابن خزیمہ (۱۰۷۸ - ۱۱۲۷) ابنِ حبان (۶۶۹ موارد) ابنِ حزم (۳/ ۴۴، ۴۵ - ۴۶) اور بیہقی (۳/ ۲۹ - ۳۰) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: یہ ایک طویل حدیث ہے اس میں نو اور سات وتروں کا ذکر ہے۔ جیسا کہ کتاب میں تفصیلاً موجود ہے۔ مگر اس حدیث کے ایک راوی نے اس کو یوں روایت کیا ہے۔

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لا يقعد الا فى آخرهن"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے۔ ان میں سے صرف آخری رکعت میں تشہد میں بیٹھتے"

ان الفاظ سے یہ حدیث نمبر (۵۲۹) میں آرہی ہے۔ لہٰذا اس کی تخریج مذکورہ مقام پر ہوگی۔

ان الفاظ سے یہ حدیث شاذ ہے شیخ البانی نے بھی اس کو شاذ کہا ہے۔ دیکھیں "ارواء الغلیل" (۲/ ۱۵۱ - ۱۵۲)

بلکہ امام بیہقی نے اس روایت کو خطأ قرار دیا ہے۔ اب اس کی ذرا تفصیل ملاحظہ کریں۔ اس حدیث کی سند یوں ہے۔

قتادہ عن زرارۃ بن أوفی عن سعد بن ھشام عن عائشہ رضی اللہ عنھا۔

یہ اس کی سند ہے قتادہ سے آگے اس کو معمر، ہشام، سعید بن ابی عروبہ، ہمام اور شعبہ نے روایت کیا ہے اور ان ←

ہیں۔ (یعنی آٹھویں رکعت میں التحیات میں بیٹھتے) پس یاد کرتے اللہ کو اور تعریف کرتے اللہ کی، اور دُعا مانگتے۔ (یعنی التحیات پڑھتے کہ التحیات ذکر، حمد اور دُعا پر مشتمل ہے) پھر بغیر سلام پھیرے (التحیات پڑھ کر) کھڑے ہو جاتے، پھر پڑھتے نویں رکعت اور بیٹھ جاتے۔ پس یاد کرتے اللہ کو اور تعریف کرتے اس کی اور دُعا مانگتے اس سے (یعنی آخری قعدہ میں معروف دُعا پڑھتے) پھر سلام پھیرتے۔ پھر اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ـــــــ سے اس کو ان کے مختلف شاگردوں نے روایت کیا ہے۔

سعید بن ابی عروبہ سے اسے یحییٰ بن سعید، ابن ابی عدی، عبدۃ اور محمد بن بشر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ان تمام نے نو اور سات وتروں کا ذکر کیا ہے جبکہ ابان بن یزید نے سعید سے اس کو روایت کرتے ہُوئے تین وتروں کا ذکر کیا ہے۔

مگر تین وتروں کے ذکر سے یہ روایت بلا شبہ شاذ ہے۔ اس لیے کہ ابان اس کو سعید بن ابی عروبہ سے بیان کرنے میں متفرد ہے اسی طرح سعید کے جو ساتھی ہیں (یعنی معمر، ہشام، ہمام اور شعبہ) ان میں سے کسی کی بھی روایت میں تین وتروں اور ان کے پڑھنے کی کیفیت ذکر نہیں ہوئی بلکہ ان تمام کی روایات میں نو اور سات ہی وتروں کا ذکر ہے۔

نیز اس حدیث کی زرارہ بن اوفی سے قتادہ کی سند کے علاوہ ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ بہز بن حکیم کی سند ہے۔ اس سند سے اسکو ابوداؤد (۱۳۴۶ - ۱۳۴۹) نے روایت کیا ہے۔

بلکہ زرارہ بن اوفیٰ کے شیخ سعد بن ہشام سے بھی اس کی ایک دوسری سند ہے اور وہ حسن بصری کی سند ہے اس سند سے اس کو ابوداؤد (۱۳۵۲) نسائی (۳ / ۲۲۰ - ۲۲۱ ایضاً ۲۴۲) ابن خزیمہ (۱۱۰۴) ابن حبان (۲/ ۳۶۱ - ۳۶۲، ۳۶۷) عبدالرزاق (۳ / ۳۹) اور احمد (۶/ ۱۶۸) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی ان اسانید میں بھی نو اور سات وتروں کا ذکر ہے۔ تین وتروں کے بارے میں ان میں بھی تعرض تک نہیں کیا گیا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ اس حدیث کی سعد بن ہشام، زرارہ بن اوفیٰ یا قتادہ سے جتنی سندیں ہیں ان میں سے کسی میں بھی تین وتروں کا ذکر نہیں ان کا ذکر سعید بن ابی عروبہ سے صرف ابان بن یزید کی روایت میں ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابان کی روایت شاذ ہے۔ چنانچہ امام بیہقی ابان کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"کذا فی ھذہ الروایۃ وقد روینا فی حدیث سعد بن ھشام وتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتسع ثم بسبع واللہ اعلم" "سنن بیہقی" (۳/ ۲۸)

"اس روایت میں یُوں ہے مگر سعد بن ہشام کی حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نو اور پھر سات وتروں کا ذکر ہے"۔ واللہ اعلم۔

آگے چل کر ایک دوسرے مقام پر ان کی روایت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ←

فَلَمَّا اَسَنَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ اللَّحْمَ اَوْتَرَ بِسَبْعٍ۔" پس جب بڑی عمر کو پہنچے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، اور گوشت پھیل گیا۔ (پھر) آپ وِتر سات رکعت پڑھتے تھے۔ (رواہ مسلم)

ملاحظہ: اس حدیث شریف سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ حضورؐ نے نو وتر بھی پڑھے۔ اور سات بھی اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی۔ کہ آپ ہر رکعت کے بعد التحیات میں نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ آخری شفع میں بیٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور پھر آخری طاق رکعت پڑھ کر حسب معمول سلام پھیر دیتے تھے۔

—— "ورواه الجماعة عن ابن ابی عروبة عن قتادة وهمام بن يحيى عن قتادة كما سبق ذكره في وتره بتسع ثم بسبع وكذلك رواه بهز بن حكيم عن زرارة بن اوفى ..... ورواية ابان خطأ والله اعلم" (۳/۳۱)

ایک جماعت نے اس کو از ابن ابی عروبہ از قتادہ اور ہمام بن یحییٰ نے بھی از قتادہ روایت کیا ہے۔ جیسا کہ باب "من اوتر بتسع أو بسبع" میں ذکر ہوا۔ اسی طرح بہز بن حکیم نے زرارہ بن اوفیٰ سے روایت کیا ہے اور ابان کی روایت خطاء ہے۔ واللہ اعلم"۔

شیخ البانی نے اس کی علت ابان سے راوی شیبان بن فروخ کو قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ حافظ نے "تقریب" میں ان کے بارے میں "صدوق یہم" (صدوق ہے اسے وہم ہوتا ہے) کہا ہے "ارواء الغلیل" (۲/۱۵۲)۔

معلوم نہیں کہ حافظ صاحب نے ان کے بارے میں "یہم" کا لفظ کس بنیاد پر کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۱/۳۵۶) میں جس طرح شیبان کے بارے میں "صدوق یہم" کہا ہے۔ اسی طرح اس میں۔ (۱/۳۱)۔ انھوں نے ابان بن یزید کے بارے میں یہ کہا ہے "ثقة له افراد" ثقہ ہے اس کے کچھ تفردات ہیں۔

معلوم نہیں کہ شیخ البانی نے ابان کو چھوڑ کر شیبان کو اس حدیث کی علت کس بنا پر قرار دیا ہے۔

بہر حال بات جو بھی ہو اس روایت میں ابان یا ان سے کسی نیچے والے راوی سے تقصیر ہوئی ہے۔

بعض اہل علم نے ابان کی روایت کو اس بناء پر صحیح قرار دیا ہے کہ یہ دوسروں کی روایت کے مخالف نہیں۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ تین وتر، نو یا سات کے منافی نہیں ہیں مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابان نے اس روایت میں تین وتر اور ان کے پڑھنے کی اس کیفیت کا ذکر کہاں سے لیا ہے۔

کیا اپنے استاد سعید بن ابی عروبہ سے؟ نہیں کیونکہ ان کے پاس اگر یہ روایت ان الفاظ سے ہوتی تو ان کے شاگردوں میں سے۔ جن کی تعداد تقریباً نو ہے۔ کوئی دوسرا بھی تو اس کو بیان کرتا۔

اسی طرح اگر یہ روایت سعید بن ابی عروبہ کے شیخ قتادہ سے مروی ہوتی تو قتادہ کے دوسرے شاگردوں میں سے کوئی تو اس کو ذکر کرتا۔

اگر یہ قتادہ کے شیخ زرارہ بن اوفیٰ سے مروی ہوتی تو زرارہ سے بہز بن حکیم کی سند میں بھی اس کا ذکر ملتا اگر ان سندوں میں ——

پانچ تین اور ایک وتر

۵۲۵۔ حضرت ابی ایوبؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَۃٍ فَلْیَفْعَلْ۔

← اس کا ذکر نہیں تو زرارہ کے شیخ سعد بن ہشام سے اس کی جو حسن بصری والی سند ہے اس میں ہی اس کا ذکر آجاتا۔ مگر یہ سب اسانید اس روایت کے ذکر سے خالی ہیں۔ ان تمام سندوں میں نو اور سات وتروں کا ہی ذکر ہے۔ لہٰذا اس روایت کی تصحیح کرنے والوں کو اس حدیث کی اسانید پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

دوسری تنبیہ: سعید بن ابی عروبہ سے یہ طویل حدیث اختصار کے ساتھ ان الفاظ سے بھی مروی ہے۔
"کان لایسلم فی رکعتی الوتر" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہ پھیرتے۔" اور حاکم کی روایت میں ہے کہ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہ پھیرتے۔

اس سیاق کے ساتھ اس کو سعید سے ان کے متعدد شاگردوں نے روایت کیا ہے اور یہ نسائی (۲/ ۲۳۵) ابن ابی شیبہ (۲/ ۹۱۔ دار التاج) قیام اللیل (۲۰۹) شرح معانی (۱/ ۲۸۰) دار قطنی (۲/ ۲۲) مستدرک حاکم (۱/ ۳۰۴) محلی (۳/ ۴۷) اور بیہقی (۳/ ۳۱) میں ہے۔

اس سیاق سے یہ حدیث، حدیث طویل کا اختصار ہے۔ جیسا کہ مروزی، بیہقی اور نووی نے کہا ہے۔ تفصیل کے لیے "قیام اللیل" اور "ارواء الغلیل" (۲/ ۱۵۰۔ ۱۵۲) دیکھیں۔

۵۲۵۔ صحیح ہے۔

اس کو ابو داؤد (۱۴۲۲) نسائی (۳/ ۲۳۸۔ ۲۳۹) ابن ماجہ (۱۱۹۰) دارمی (۱/ ۳۷۱) عبد الرزاق (۳/ ۱۹) ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۹۵) احمد (۵/ ۴۱۸) مروزی (۲۰۹۔ ۲۱۰) طحاوی (۱/ ۲۹۱) ابن حبان (۶۷۰) طبرانی نے "اوسط" (۱۹۶۵) اور "کبیر" (۴/ ۱۴۷۔ ۱۴۸) میں ابن عدی (۴/ ۱۴۲۳، ۶/ ۲۴۶۵) دار قطنی (۲/ ۲۲۔ ۲۳) حاکم (۱/ ۳۰۲۔ ۳۰۳) بیہقی (۳/ ۲۳۔ ۲۴) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۴/ ۳۳۳) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے، اس کو ابن حبان، حاکم، ذہبی، نووی نے "مجموع" (۴/ ۱۷) میں ابن ترکمانی نے جوہر نقی (۳/ ۲۳۔ ۲۴) میں اور البانی نے "تحقیق المشکاۃ" (۱/ ۳۹۶) اور "صلاۃ التراویح" (۸۴) میں صحیح کہا ہے۔

بعض راویوں نے اس حدیث کو موقوفاً روایت کیا ہے، ابو حاتم، دار قطنی اور بیہقی وغیرہ نے موقوف ہی کو ترجیح دی ہے۔ ان کے اس اعلال کے دو جواب ہیں۔

۱۔ ثقات کی ایک جماعت نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ (رفع) ثقات کا اضافہ ہے، جسے قبول کرنا ضروری ←

وتر حق (ثابت) ہے ہر مسلمان پر پس جو شخص وتر پانچ رکعت پڑھنا چاہے۔ پس چاہیئے کہ پڑھے (پانچ رکعت) اور جو کوئی وتر تین رکعت پڑھنا چاہے۔ پس چاہیئے۔ کہ پڑھے (تین رکعت) اور جو کوئی وتر ایک ایک رکعت پڑھنا چاہے۔ پس چاہیئے کہ پڑھے (ایک رکعت)۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

اِس حدیث شریف سے معلوم ہُوا کہ وتر پانچ بھی ہیں۔ تین بھی ہیں۔ اور ایک بھی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہُوا کہ ہر شخص کو اختیار ہے۔ کہ وہ اپنے احوال اور اوقات کے پیشِ نظر چاہے پانچ وتر پڑھے۔ چاہے تین پڑھے۔ اور چاہے ایک ہی پڑھ لے۔[۱]

پانچ یا تین وتر پڑھتے وقت صرف آخری رکعت میں بیٹھیں درمیان میں کوئی تشہد نہیں

۵۲۶۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهَا۔ (متفق علیہ)

---

[۱] اگر کوئی ایک وتر پڑھے تو اس پر کسی کو معترض نہیں ہونا چاہیئے، اور نہ ایک وتر کو نفرت کی نظر سے دیکھنا چاہیئے، کیونکہ یہ کسی کا گھریلو معاملہ نہیں، اور نہ کسی شخص کی رائے ہے، بلکہ ایک وتر کی اجازت اس زبان سے نکلی ہے۔ جس کے متعلق خدا فرماتا ہے۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى"۔ (النجم۔۳)

یعنی نہیں بولتا محمدؐ اپنی خواہش سے (اس کا بولنا (تو) خدا کی بھیجی ہوئی وحی (ہی) ہے)" سنیئے۔

۵۲۷۔ ابنِ عمرؓ کی روایت سے حضورؐ فرماتے ہیں۔

"اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ"۔

یعنی وتر ایک رکعت ہے آخر رات کو۔ (صحیح مسلم)

← ہے نیز جن راویوں سے یہ موقوفاً مروی ہے ان میں سے اکثر سے یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔

۲۔ اس کو اگر موقوفاً صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تب بھی اس کا حکم مرفوع روایت کا ہوگا، کیونکہ اس میں اجتہاد و قیاس کو دخل نہیں۔ "سبل السلام" (۲/۳۹۰)

۵۲۶۔ اس کو مسلم (۶/۱۷) ابوعوانہ (۲/۳۲۵-۳۲۶) ابوداؤد (۱۳۳۸) ترمذی (۴۵۹) دارمی (۱/۳۷۱) احمد (۶/۵۰، ۱۲۳، ۱۶۱، ۲۳۰) مروزی (۲۰۷) ابن خزیمہ (۱۰۷۶-۱۰۷۷) حاکم (۱/۳۰۵) ابن حزم (۳/۴۲-۴۳، ۴۶) بیہقی (۲/۵۰۰-۵۰۱، ←

حضرت عائشہؓ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ رسُولِ خدا نماز پڑھتے تھے۔ رات میں تیرہ رکعت (جن میں سے آٹھ رکعت تو تہجد کی ہوتیں اور باقی) ان میں پانچ رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔ (اور ان پانچ وتروں میں) نہ بیٹھتے کسی رکعت میں (تشہد کے لیے) مگر اس کے آخر میں۔" (بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ وتروں کی پانچوں رکعتوں میں تشہد کے لیے کہیں نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ پانچوں رکعت پڑھ کر قعدہ میں التحیات، درود، اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دینا چاہیئے۔ اور اسی طرح اگر آپ تین وتر پڑھنا چاہیں تو بھی تشہد کے لیے بیچ میں کہیں[1] نہ بیٹھیں، بلکہ آخری رکعت میں بیٹھ کر حسب معمول تشہد، درود، اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دیں۔

تین وتروں کی قرأت

۵۲۸۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسُولِ خدا پہلی رکعت وتر میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ" اور دوسری میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھتے تھے۔

(دارمی)

---

[1] ۵۲۹۔ عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث لا یقعد الا فی اٰخرھن حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسُولِ خدا تین وتر پڑھتے تھے (رواہ الحاکم ابو عبداللہ فی کتابہ المستدرک) پس جو شخص تین وتر پڑھے، اسے دو رکعت کے بعد التحیات میں نہیں بیٹھنا چاہیئے، بلکہ تیسری رکعت ختم کر کے قعدہ میں بیٹھ کر التحیات، درود اور دعا پر سلام پھیرنا چاہیئے۔ کیونکہ حضورؐ کے فعل سے ایسا ہی ثابت ہے۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ رسُولِ خدا تین وتر بھی پڑھتے تھے۔ تو جو لوگ تین وتر پڑھتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور ایک وتر پڑھنے والے بھی سند رکھتے ہیں، اس لیے ایک اور تین کے موضوع پر بحث و تکرار کرنا فضول ہے۔ اور اس بات پر علماء کا اکھاڑے لگانا فضول تر۔ (محمد صادق)

← ۳/۲۷-۲۸) اور بغوی (۹۶۰، ۹۶۱) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث کو بخاری کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر یہ اس میں نہیں یہ حدیث آگے بھی آرہی ہے ملاحظہ ہو (۵۴۳) یہاں مؤلف نے اس کو صرف مسلم کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔

۵۲۷۔ اس کو مسلم (۲/۱۶۲-۱۶۳) ابوعوانہ (۲/۳۲۳-۳۲۴) ابوداؤد (۱۳۲۱) نسائی (۳/۲۲۲-۲۲۳) ابن ماجہ (۱۱۷۵) طحاوی (۱/۱۷۷) ابن حبان (۶/۳۵۴) بیہقی (۳/۲۲) اور احمد (۱/۲۱۱، ۲۶۱، ۲/۲۳، ۵۱) نے روایت کیا ہے۔ ←

← یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اس کو احمد (۱/۳۱۱، ۳۶۱) مسلم، ابو عوانہ، طحاوی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

۵۲۸ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۶/۲۲۷) ابو داؤد (۱۴۲۴) ترمذی (۴۶۳) ابن ماجہ (۱۱۷۳) عقیلی (۳/۱۲) حاکم (۲/۵۲۱) بیہقی (۳/۳۸) اور البغوی (۹۷۴) نے عبدالعزیز بن جریج کی سند سے۔

طحاوی (۱/۲۸۵) عقیلی (۴/۳۹۲) ابن حبان (۶۷۵) دارقطنی (۲/۳۵) حاکم (۱/۳۰۵، ۲/۵۲۰) اور بیہقی (۳/۳۷) نے عمرہ کی سند سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اس کی عبدالعزیز بن جریج والی سند تو ضعیف ہے۔ جبکہ عمرہ والی سند جید یا صحیح ہے اس کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

عقیلی (۲/۱۲۵) کے ہاں اس کی ایک تیسری سند بھی ہے اور یہ عروہ کی سند ہے۔ اس کی پہلی دو سندوں میں "قل ھو اللہ" کے ساتھ معوذتین کا ذکر بھی ہے۔

بہرحال یہ حدیث اپنے طرق کی بناء پر صحیح ہے۔ نیز اس کے متعدد شواہد بھی ہیں جن میں ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی ہیں۔

حدیث اُبَی کو نسائی (۱/۲۳۵-۲۳۶) اور ابن ماجہ (۱۱۷۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ بھی صحیح حدیث ہے۔

حدیث ابن عباس کو ترمذی (۴۶۲) نسائی، ابن ماجہ، دارمی (۱/۳۷۲-۳۷۳) اور طحاوی (۱/۲۸۷-۲۸۸) نے روایت کیا ہے۔ عقیلی نے اس کی سند کو صالح کہا ہے ضعفاء کبیر (۲/۱۲۵)

تنبیہ: دارمی میں حدیث ابن عباس ہے، حدیث عائشہ نہیں جیسا کہ مؤلف نے ذکر کیا ہے غالباً انہیں "مشکاۃ" (۱/۳۹۷-۳۹۸) سے نقل کرتے وقت وہم ہوا ہے۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کی پہلی رکعت میں سورۃ تکاثر، قدر اور زلزال، دوسری رکعت میں سورۃ عصر، نصر اور کوثر اور تیسری میں سورۃ کافرون، لہب اور اخلاص پڑھتے۔

مگر یہ حدیث ضعیف ہے اس کو احمد (۱/۸۹) ترمذی (۴۶۰) عبد بن حمید (۶۸) مروزی (۲۱۷) ابن منذر (۲۷۰۶) اور طبرانی نے "صغیر" (۱/۱۴۴) میں روایت کیا ہے۔

۵۲۹ — ضعیف ہے۔

اس کو حاکم (۱/۳۰۴۔ دیکھیں تلخیص الذہبی) اور بیہقی (۳/۲۸) نے روایت کیا ہے۔ مگر ان الفاظ سے یہ حدیث شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جیسا کہ حدیث (۵۲۴) میں تفصیلاً ذکر ہوا۔ ←

← واضح رہے کہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں یہ حدیث مذکورہ الفاظ سے نہیں مگر ان الفاظ سے یہ "تلخیص ذہبی" میں ہے۔ انہی الفاظ کے ساتھ حاکم کے حوالے سے اس کو حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۲/۴۸۱) اور "تلخیص" (۲/۱۵) میں بھی ذکر کیا ہے۔ نیز امام بیہقی نے اس کو اپنے شیخ حاکم کی سند سے روایت کیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ حاکم کے یہاں بھی یہ روایت انہی الفاظ سے تھی۔ مزید تفصیل "التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی" (۲/۲۶ - ۲۷) میں دیکھیں۔

مسئلہ: جہاں تک تین وتروں کے درمیان تشہد میں نہ بیٹھنے کا تعلق ہے تو اس کی تائید عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری حدیث سے ہوتی ہے جو نمبر (۵۲۶) میں گزر چکی ہے۔

ہمارے یہاں عام طور پر تین وتر ایک ساتھ ہی پڑھی جاتی ہیں۔ جب کہ ان کے پڑھنے کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے اور پھر ایک رکعت الگ ادا کی جائے۔ بلکہ یہ طریقہ ایک ساتھ تین وتر پڑھنے والے طریقے سے افضل ہے کیونکہ بخاری (۹۹۰، ۹۹۳) اور مسلم (۶/۳۰ - ۳۱، ۳۴) وغیرہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے " صلوۃ اللیل مثنی مثنی " رات کی نماز دو، دو رکعت ہے۔

مسلم (۶/۱۶) ابو عوانہ (۲/۳۲۶) اور ابوداؤد (۱۳۳۵ - ۱۳۳۷) وغیرہ میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں

بخاری (۹۹۵) مسلم (۶/۲۳) ابوعوانہ (۲/۳۳۴) میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں اسی طرح ابو عوانہ (۲/۳۱۵) اور ابوداؤد (۵۸، ۱۳۵۳ - ۱۳۵۵) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو دو دو رکعت پڑھتے اور پھر ایک وتر پڑھتے۔

ابن ابی شیبہ (۲/۲۹۱) اور ابن ماجہ (۱۱۷۷) میں بسند صحیح عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے، دو رکعت اور ایک رکعت کے درمیان میں بات چیت بھی کرتے"۔ یہ سیاق ابن ابی شیبہ کا ہے۔

اس حدیث کو بوصیری نے " مصباح الزجاجہ " (۴۲۱) میں اور البانی نے بھی " ارواء الغلیل " (۲/۱۵۰) میں صحیح کہا ہے۔

احمد (۲/۷۶) ابن حبان (۶۷۹) طبرانی نے " أوسط " (۷۵، ۱) میں اور خطیب بغدادی نے " تاریخ بغداد " (۱۲/۳۱۴) میں نافع کی سند سے۔

طحاوی (۱/۲۷۸ - ۲۷۹) ابن حبان (۶۷۸) اور ابن عدی (۷/۲۵۵۱) نے سالم کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو اور ایک رکعت میں سلام سے فصل کرتے۔

اس کی نافع والی سند جید ہے اور سالم والی سند حسن درجے کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے سالم کی سند کو " فتح الباری " (۲/۳۸۶) میں قوی کہا ہے۔ ←

۵۳۰۔ رسولِ خدا ؐ نے فرمایا لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ ایک رات میں دوبار وتر پڑھنا جائز نہیں۔ (بلوغ المرام)

وِتروں کے سلام کے بعد

۵۳۱۔ ابی بن کعب ؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وتروں سے سلام پھیر کر تین بار یہ پڑھتے:

سُبْحٰنَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ط

پاک ہے بادشاہ نہایت پاک۔

← ایک راوی صدقہ بن عبداللہ نے سالم والی سند سے اس حدیث کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بجائے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ دیکھیں "اوسط طبرانی" (۱۵۲۲)۔

مگر صدقہ ضعیف ہے دحیم نے کہا ہے کہ یہ مضطرب الحدیث، ضعیف ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ وتروں کی دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بلکہ امام مروزی کا کہنا ہے کہ فصل والی احادیث زیادہ ثابت ہیں اور بہت سے طرق سے ہیں۔ قیام اللیل (۲۰۴)۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ، گیارہ، نو، سات، پانچ، تین اور ایک رکعت وتر پڑھنا بھی ثابت ہے مگر صحیح ترین آپ کا ایک وتر پڑھنا ہے۔ مستدرک (۱/۳۰۶)۔

۵۳۰ — حسن ہے

اس کو ابو داؤد (۱۴۳۹) ترمذی (۴۷۰) نسائی (۳/۲۲۹ - ۲۳۰) ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۶) احمد (۴/۲۳) طیالسی (۱/۱۲۰) مروزی (۲۲۰) ابن خزیمہ (۱۱۰۱) ابن حبان (۶۷۱) طبرانی (۸/۴۰۰ - ۴۰۱) ابن حزم (۳/۵۰) اور بیہقی (۳/۳۶) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند قیس بن طلق کی وجہ سے حسن درجے کی ہے ترمذی، ابن قطان۔ دیکھیں "میزان" (۳/۳۹۷)۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی "فتح الباری" (۲/۴۸۱) میں اس کو حسن کہا ہے، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ایک راوی نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے جب کہ اس کو موصولاً روایت کرنے والے دو راوی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے موصول ہی کو ترجیح دی ہے "علل ابن ابی حاتم" (۱/۱۹۳)۔

۵۳۱ — صحیح ہے۔

اس کو ابو داؤد (۱۴۳۰) نسائی (۳/۲۴۴) ابن حبان (۶۷۷) اور دارقطنی (۲/۳۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے یہ صحیح حدیث ہے اس کو ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے اس کے بعض طرق میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسری مرتبہ یہ کلمات بآواز بلند کہتے۔

دُعاءِ قنوت

۵۳۲۔ ترمذی، ابُوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی میں حضرت حسنؓ بن علیؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ کہوں میں ان کو قنوتِ وِتر میں (وہ کلمات یعنی دُعاء قنوت یہ ہے جو آخری رکعت میں بعد از رکوع پڑھتے ہیں[1]۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَیْكَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ۔

(حصن حصین)

---

[1] ۵۳۳۔ ان اباھریرۃ کان یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو فی الصلوٰۃ حین یقول سمع اللہ لمن حمدہ۔ ابوہریرہؓ نے حدیث بیان کی کہ رسُول اللہ نماز میں جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو (پھر) دعاء قنوت پڑھتے تھے (نسائی)

عن ابی ھریرۃ قال لما رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راسہ ..... قال حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہؐ جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو دُعاء قنوت پڑھتے (نسائی)

۵۳۴۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے قنت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .... اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الاخرۃ۔ قنوت پڑھی رسُول اللہؐ نے آخر رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکنے کے بعد (ابوداؤد) امام نوویؒ شارح مسلم، باب استحباب القنوت میں فرماتے ہیں۔ ومحل القنوت بعد رفع الراس من الرکوع فی الرکعۃ الاخیرۃ۔ اور قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد ہے (صحیح مسلم) منہ۔

---

۵۳۲ —— صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۴۶۴) ابوداؤد (۱۴۲۵-۱۴۲۶) نسائی (۲۴۸/۳) ابن ماجہ (۱۱۷۸) دارمی (۱/ ۳۷۳-۳۷۴) اسی طرح اس کو عبدالرزاق (۱۱۸/۳) ابن ابی شیبہ (۹۵/۲، ۸۸/۶-۸۹- دارالتاج) احمد (۱/ ۲۰۰، ۲۰۱) ابُویعلی (۶۷۶۵، ۶۷۸۶) ابن ابی عاصم ←

یا الٰہی ہدایت[1] کر مجھ کو ان لوگوں کے زمرہ[2] میں کہ ہدایت کی تو نے ان کو اور عافیت[3] میں رکھ مجھ کو ان لوگوں کی جماعت میں کہ عافیت میں رکھا تو نے ان کو اور کارسازی کر میری ان لوگوں میں کہ کارسازی کی تو نے ان کی اور برکت دے میرے لیے اس چیز میں کہ دی[4] تو نے اور بچا مجھ کو اس چیز کی برائی سے کہ مقدر کی تو نے پس تحقیق تو حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے، اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا تحقیق نہیں ذلیل ہو سکتا وہ شخص جسے تو دوست رکھے اور نہیں عزت پا سکتا وہ شخص جسے تو دشمن رکھے، بابرکت[5] ہے تو اے رب ہمارے اور بلند ہے تو اور بخشش مانگتے ہیں ہم تجھ سے اور رجوع کرتے ہیں ہم طرف تیری اور درود بھیجے اللہ نبیؐ پر۔

---

[1] اس دعا قنوت کے متعلق محدث ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں ولا نعرف عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القنوت شیئاً احسن من ھذا۔ نہیں پہچانتے ہم نبیؐ سے قنوت میں کوئی دعا جو اس قنوت سے بہتر ہو۔ (ترمذی)

[2] مراد انبیاء، اولیاء اور صالحین ہیں۔ [3] دنیا اور آخرت کی آفات اور سختیوں سے۔

[4] عمر صحت۔ بیوی۔ اولاد۔ مال۔ علم۔ عمل اور ہر قسم کی نعمتوں وغیرہ میں برکت دے۔

[5] یعنی تیری ذات پاک ہے ــــ دین اور دنیا میں خیر اور بھلائی کی کثرت ہی کثرت ہے۔ منہ (محمد صادق)

ــــــ نے "سنۃ" (۳۷/۴) میں، ابن جارود (۲۷۳) ابن خزیمہ (۱۰۹۵) ابن منذر (ح ۲۷۳۴) طبرانی نے "کبیر" (۳/۲/۷۰۔۷۵) اور "دعاء" (۳۶، ۳۴۷) میں لالکائی نے "شرح الأصول" (۴/۶۴۸) میں ابو نعیم نے "حلیۃ الأولیاء" (۹/۳۲۱) میں ابن حزم نے "محلی" (۴/۱۴۷) میں حاکم (۳/۱۷۲) بیہقی نے "سنن" (۲/۲۰۹، ۴۹۸) میں اور بحرمی نے بھی "اربعین" (۱۲۶) میں روایت کیا ہے۔

سند: من طرق کثیرۃ عن ابی إسحاق عن برید بن ابی مریم عن ابی الحوراء عن الحسن رضی اللہ عنہ۔

یہ اس حدیث کی سند ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں سوائے ابو اسحاق کے جو مدلس ہیں۔ لیکن یہ اس حدیث کو برید سے روایت کرنے میں متفرد نہیں ہیں۔ بلکہ یونس بن ابی اسحاق اور شعبہ بن حجاج نے بھی اس حدیث کو برید سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح دیگر راویوں نے بھی اس کو برید سے روایت کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

یونس کی سند سے اس کو احمد (۱/۱۹۹) مروزی (۲۲۵، ۲۳۱) ابن جارود (۲۷۲) ابن خزیمہ (۲/۱۵۱-۱۵۲/۱۰۹۵) اور طبرانی نے "کبیر" (۳/۷۷) اور "دعاء" (۷۴۷) میں روایت کیا ہے۔

شعبہ کی سند سے اس کو احمد (۱/۲۰۰) دارمی (۱/۳۷۳) ابو یعلیٰ (۶۷۵۹، ۶۷۶۲) ابن خزیمہ (۱۰۹۶) ابن منذر (ح ۲۷۳۷، ۲۷۳۸) ابن حبان (۵۱۲-۵۱۳) اور لالکائی (۴/۶۴۷-۶۴۸) نے روایت کیا ہے۔ ←

← ابُواسحاق اور یُونس دونوں نے اس حدیث کو روایت کرتے ہُوئے یہ صراحت کی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کو یہ دُعاء وتروں میں پڑھنے کے لیئے سکھلائی۔ جب کہ شعبہ نے اس کی تعلیم کا مطلق طور پر ذکر کیا ہے۔ یعنی وتر وغیرہ کی قید ذکر نہیں کی۔

امام ابن خزیمہ کا رجحان شعبہ کی روایت کی طرف ہی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "شعبہ، یُونس بن ابی اسحاق جیسے متعدد راویوں سے احفظ (زیادہ حافظ) ہیں، اور ابُو اسحاق کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے اس حدیث کو برید سے سُنا ہے یا کہ ان سے تدلیس کی ہے....."

قلت: عمرو بن مرزوق کی روایت میں شعبہ نے بھی اس دُعاء کو قنوت وتر میں پڑھنے کی صراحت کی ہے اور یہ سند حسن درجے کی ہے۔

نیز یُونس اور ابُو اسحاق کی طرح اس حدیث کو برید سے روایت کرتے ہُوئے علاء بن صالح نے بھی قنوتِ وتر کی صراحت کی ہے تقریبًا یہی صراحت حسن بن عمارہ کی روایت میں بھی ہے۔

علاء بن صالح کی سند سے اس کو طبرانی نے "دُعا" (۷۴۸) میں روایت کیا ہے اور یہ سند حسن درجے کی ہے۔ اس سند سے یہ بیہقی (۲/۲۰۹) میں بھی ہے۔ مگر اس کے یہاں قنوت وتر کی قید نہیں۔

حسن بن عمارہ کی سند سے اس کو عبدالرزاق (۳/۱۱۷-۱۱۸) طبرانی نے "کبیر" (۳/۷۶-۷۷) اور "دُعاء" (۷۴۶) میں روایت کیا ہے۔ لیکن حسن بن عمارہ سخت ضعیف ہے۔

اس حدیث کی حسن رضی اللہ عنہ سے اس کے راوی ابوالحوراء سے برید بن ابی مریم کی سند کے علاوہ ایک دوسری سند بھی ہے اس سند میں بھی اس دُعاء کو وتروں میں پڑھنے کی صراحت ہے اور یہ عبدالملک بن میسرہ ابوزید الزاد کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو طبرانی نے "کبیر" (۳/۷۷-۷۸) اور "دُعا" (۷۴۹) میں روایت کیا ہے۔ عبدالملک ثقہ ہے مگر اس سے نیچے والی سند ضعیف ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ یہ دُعاء وتروں کی قید کے ساتھ صحیح ثابت ہے۔ کیونکہ جن طرق میں یہ صراحت ہے ان میں سے بعض صحیح اور بعض حسن درجے کے ہیں۔ نیز دوسرے ضعیف طرق سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کو برید بن ابی مریم سے حسن بن عبیداللہ ابُو عروہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس نے اس دُعا کو نمازوں کے بعد پڑھنے کا ذکر کیا ہے اس کی سند سے اس حدیث کو طبرانی نے "کبیر" (۳/۷۵) میں اور طبرانی سے ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۸/۲۶۴) میں روایت کیا ہے۔

مگر نمازوں کے بعد پڑھنے کی قید سے یہ دُعاء ثابت نہیں کیونکہ اس قید سے اس کو روایت کرنے میں حسن بن عبیداللہ منفرد ہے نیز امام بخاری کا اس کے بارے میں کہنا ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں مضطرب ہیں۔ "تہذیب التہذیب" (۲/۲۵۴)

نیز اس حدیث میں طبرانی کا شیخ ہاشم بن مرثد ہے اور یہ ضعیف ہے۔ دیگر بعینہ اسی سند سے اس کو طبرانی نے "دُعاء" ←

← (۴۵)، میں بھی روایت کیا ہے اور اس میں وتروں کا ذکر ہے۔

یہاں تک تو بحث اس دُعا کے وتروں میں ثابت ہونے یا ثابت نہ ہونے سے متعلق تھی اب اس کے بعض الفاظ پر بحث کرتے ہیں۔

۱۔ فانك تقضی ۔ انك سے پہلے فا کا ذکر ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ابی شیبہ، ابُویعلی، ابن جارُود، قیام اللیل اور ابن خزیمہ وغیرہ میں ہے۔

عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابویعلی، ابن جارُود اور ابن خزیمہ وغیرہ کے یہاں " انه لا یذل" سے قبل حرف (واو) بھی ہے یعنی " وانه لا یذل " ہے اور ابن ابی شیبہ میں ایک جگہ " فانه لا یذل " ہے۔

بعض کتب میں کچھ دیگر کلمات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جسے یہاں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اگر تفصیل مقصود ہو تو درج ذیل کتب دیکھیں۔

ابن ماجہ، سنہ ابن ابی عاصم، مسند ابویعلی (۶۷۵۹، ۶۷۶۲، ۶۷۶۷) شرح الاصُول للالکائی (۴/ ۶۴۷ - ۶۴۸) اور " الاربعین للبکری" (۱۲۶)

۲۔ " ولا یعز من عادیت "

یہ کلمات مذکورہ کتب میں سے صرف طبرانی کبیر و دُعا اور بیہقی کی بعض روایات میں ہیں۔

طبرانی کی سند سے ان کو حافظ ابن حجر نے بھی "تلخیص" (۱/ ۲۴۹) میں روایت کیا ہے۔

شیخ احمد شاکر نے "محلی ابن حزم" کے حاشیے میں ذکر کیا ہے کہ یہ کلمات ابُوداؤد کے بعض نسخوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

علامہ ابن قیم نے ایک مقام پر " زاد المعاد" (۱/ ۳۳۵) میں ان الفاظ کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے۔

ممکن ہے کہ یہ نسائی کے کسی نسخے میں ہُوں یا "سنن کبری" میں پائے جاتے ہوں ۔ واللہ اعلم۔

مگر ایک دوسرے مقام پر انہوں نے ان کو "بیہقی" کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (۱/ ۲۸۴)

۳۔ ابن ماجہ اور ابُویعلی کی ایک روایت میں " تبارکت " سے قبل لفظ " سبحانك " کا اضافہ ہے۔ مگر یہ اضافہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ " شریك عن ابی اسحاق " کی سند میں ہے اور شریک بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں مَیں نے یہ کہا تھا کہ اس اضافے میں کسی ناسخ کو یا خود ابن ماجہ کو وہم ہوا ہے اور اس پر میں نے بعض دلائل بھی ذکر کیے تھے اگر ممکن ہو تو پہلے ایڈیشن کا صفحہ (۳۹۵، ۵۴۷ - ۵۴۸) دیکھیں۔

اس وقت میرے پاس مسند ابُویعلی کی جلد (۱۲) نہ تھی۔ غالباً اس وقت یہ ابھی طبع نہیں ہوئی تھی۔ مگر جب میرے پاس یہ جلد آئی تو مذکورہ الفاظ مَیں نے اس میں بھی دیکھے تو معلوم ہُوا کہ پہلے ایڈیشن میں مَیں نے جو پہلے رائے قائم کی تھی وہی صحیح ہے۔ اور وہ رائے یہ ہے کہ ان الفاظ کے ذکر کرنے میں شریک سے غلطی ہوئی ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے "تلخیص" میں ان الفاظ کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر یہ ترمذی میں نہیں بلکہ ابن ماجہ ←

← میں ہیں۔

حافظ صاحب نے "نتائج الافکار" میں ان کو ابن ماجہ ہی سے منسوب کیا ہے۔ دیکھیں "شرح ابن علان" (۲/۲۹۷)

۴۔ نستغفرك ونتوب إليك "۔

یہ الفاظ مذکورہ کتب میں سے کسی کتاب میں بھی نہیں پائے جاتے ہیں۔ مگر حافظ عراقی یا ابن عراقی نے "طرح التثریب" (۲/۲۹۴) میں ذکر کیا ہے کہ ان الفاظ کا اضافہ ابن ابی عاصم نے کتاب التوبہ والمتابۃ" میں کیا ہے۔

معلوم نہیں کہ ابن ابی عاصم کی سند کیسی ہے، اس لیے ان الفاظ کے ثبوت یا عدم ثبوت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ابن حجر ہیتمی نے "تحفۃ" میں کہا ہے کہ علماء نے "تعالیت" کے بعد" فلك الحمد على ما قضيت استغفرك واتوب اليك" کا اضافہ کیا ہے اور اس میں کچھ قباحت نہیں، بلکہ ایک جماعت نے اس کو مستحب کہا ہے اس لیے کہ یہ بیہقی کی ایک روایت میں ہے ملاحظہ ہو۔ "شرح الأذكار" لابن علان (۲/۲۹۶)۔

سنن بیہقی کی کسی روایت میں تو یہ اضافہ نہیں ممکن ہے کہ یہ ان کی کسی دوسری کتاب میں ہو۔

امام نووی نے بھی "روضۃ الطالبین" (۱/۲۵۳) میں۔ جیسا کہ "صفۃ الصلاۃ" (۱۴۳) میں ہے۔ یہی صراحت کی ہے کہ یہ الفاظ علماء کے اضافہ کردہ ہیں۔ اسی طرح "مجموع" (۳/۴۹۶) میں بھی ان کے کلام سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ کلمات بعض علماء کے خودساختہ ہیں۔

یہ دعاء ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ اور بریدہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں بھی ہے۔ مگر ان کی احادیث میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔

حدیث ابن عمر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں میں سے کسی ایک کو قنوت میں پڑھنے کے لیے " اللّٰهم اهدني فيمن . . . ." کی تعلیم دی۔

اس حدیث کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۰/۲۸۵-۲۸۶) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

حدیث ابن عباس میں ہے کہ اس دعاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت فجر اور قنوت وتر میں پڑھتے تھے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قنوت فجر کے لیے اس دعاء کی تعلیم دی اور ایک تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے نواسوں میں سے کسی ایک کو وتروں میں پڑھنے کے لیے اس دعا کی تعلیم دی۔

اس کو عبدالرزاق (۳/۱۰۸) مروزی (۲۲۵، ۲۳۱) اور بیہقی (۲/۲۱۰) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے ملاحظہ ہو "تلخیص" (۱/۲۴۸) اور "شرح ابن علان" (۲/۲۹۸)۔

• حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوتِ فجر میں یہ دعا پڑھتے۔

اس کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند عبداللہ بن سعید مقبری کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

حدیث بریدہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں " اللّٰهم اهدني فيمن هديت ..... کہا کرتے تھے۔ اس کو طبرانی نے " اوسط" میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو حفص عمر ہے۔ حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا ←

"مجمع الزوائد" (۲/۱۴۱)۔

قلت: الجرح والتعدیل (۶/۱۰۲، ۱۰۳) میں دو تین ابو حفص عمرہیں مگر معلوم نہیں کہ یہاں پر کونسا ابو حفص عمر ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ان الفاظ کے بارے میں توقف کرنا چاہیئے، حتیٰ کہ ان کے بارے میں صحیح صورتِ حال سامنے آئے۔

رہا امام نووی یا شیخ ابو حامد وغیرہ کا ان الفاظ کے پڑھنے کو مستحب یا لا باس کہنا تو ان کا قول ہمارے لیے حجت نہیں ہمارے لیے حجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یا عمل ہے، کسی اُمتی کا قول یا فعل حجت نہیں۔ کائنا من کان۔

۵۔ شیخ البانی حفظہ اللہ نے "صفۃ الصلاۃ" (۱۴۳) میں "تعالیت" کے بعد "لا منجا منك الا الیك" کے الفاظ بھی ذکر کیے ہیں۔ یہ الفاظ اگرچہ "تُوحید ابن مندہ" (۲/۹۱) میں اور "فوائد ابی بحر الاصبہانی" کی حاکم کی تخریج میں جیسا کہ "تلخیص" (۱/۲۴۸) میں ہے۔ پائے جاتے ہیں مگر میرے نزدیک ان کا ثبوت محل نظر ہے۔ ان کے بارے میں یہاں پر تفصیلی بحث کی تو گنجائش نہیں مگر مختصراً یہ کہ جس سند میں یہ الفاظ ہیں وہ سند ہی شاذ غیر محفوظ ہے "نتائج الافکار" میں حافظ ابنِ حجر کے۔ دیکھیں حاشیہ دعا طبرانی (۲/۳۵)۔ اور "ظلال الجنۃ" (۳۷۵) میں شیخ البانی کے کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔

تنبیہ: "صفۃ الصلاۃ" میں شیخ کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ "صحیح ابنِ خزیمہ" اور "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ہیں مگر یہ ان میں نہیں بلکہ مذکورہ کتب میں ہی ہیں۔

۶۔ "وصلی اللہ علی النبی"

یہ الفاظ فقط نسائی کی ایک روایت میں ہیں۔ امام نووی نے "مجموع" (۴/۴۹۹) میں اس روایت کی سند کو صحیح یا حسن اور "اذکار" (۵۸) میں حسن کہا ہے مگر حافظ ابنِ حجر نے "تلخیص" (۱/۲۴۸) میں ان کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔

لیکن ان الفاظ کو اس دُعا کے آخر میں کہہ لینے میں کچھ قباحت نہیں، کیونکہ "فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لاسماعیل القاضی (۱۰۷) میں اور "قیام اللیل" (۲۳۳) میں ابو حلیمہ معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور "صحیح ابن خزیمہ" (۱۱۰۰) میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ قنوتِ وتر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وصلوٰۃ بھیجا کرتے تھے۔ اور یہ عہد عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ابُو حلیمہ کے اثر کو حافظ ابن حجر نے۔ جیسا کہ "شرح ابنِ علان" (۲/۳۰۰) میں ہے۔ اور شیخ البانی نے "فضل الصلاۃ" کے حاشیے میں صحیح کہا ہے۔ اسی طرح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اثر کی سند بھی صحیح ہے اس کو ابن خزیمہ نے بھی صحیح کہا ہے۔

۵۲۳ — یہ حدیث حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے اسے نسائی کے حوالے سے دو سیاق سے ذکر کیا ہے۔

پہلا سیاق: ان اباھریرۃ کان یحدث "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان

___ یدعو فی الصلوٰۃ حین یقول سمع اللہ لمن حمدہ ....."

یہ حدیث نسائی (۲/۲۰۱) کتاب "الافتتاح" باب "القنوت فی صلاۃ الصبح" میں ہے۔

اسی طرح یہ حدیث قدرے لفظی اختلاف سے بخاری (۸۰۴) کتاب "الاذان" باب "یھوی بالتکبیر حین یسجد" مسلم (۵/۱۷۶) کتاب "المساجد" باب "استحباب القنوت فی جمیع الصلوات" اور ابوعوانہ (۲/۲۸۰-۲۸۱، ۲۸۲) میں بھی ہے۔

دوسرا سیاق: لما رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راسہ ..... قال ....."

اس سیاق سے یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ (۱۲۴۴) کتاب "اقامۃ الصلوٰۃ" باب "ما جاء فی القنوت فی صلوٰۃ الصبح" ابوعوانۃ (۲/۲۸۳) اور ابن خزیمہ (۶۱۵) میں ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ ابن خزیمہ نے بھی اس سند کو صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث میں "راسہ ..." اور "قال ...." کے درمیان درج ذیل الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔

"من الرکعۃ الثانیہ من صلوٰۃ الصبح"

جب کہ امانتِ علمی کا تقاضا یہ تھا کہ موصوف ان الفاظ کو حذف نہ کرتے بلکہ ذکر کرتے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث سے وتروں میں "دعائے قنوت کا محل رکوع کے بعد ہے" پر استدلال کیا ہے۔ جبکہ یہ الفاظ بتا رہے ہیں۔ کہ یہ حوادث نازلہ کی قنوت تھی، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر میں دوسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھا۔

اسی طرح اس روایت سے پہلے والی روایت بھی قنوتِ نازلہ کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں بھی صراحت ہے۔

۵۲۴ ___ یہ حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جو ابوداؤد (۱۴۴۳) کتاب "الصلوٰۃ" باب "القنوت فی الصلوات" اور بیہقی (۲/۲۱۲) میں ہے اور یہ بھی صحیح حدیث ہے۔

یہ حدیث بھی قنوتِ نازلہ کے بارے میں ہے۔ رہا وتروں میں دعائے قنوت کا پڑھنا تو اس کا محل رکوع سے قبل ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

___ **مسئلہ:** مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں حدیثوں سے اس مسئلے پر دلیل لی ہے کہ وتروں میں دعائے قنوت رکوع کے بعد کی جائے۔ مگر ان حدیثوں سے اس مسئلے کے لیے دلیل لینا محل نظر ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق قنوت نازلہ سے ہے۔ قنوتِ وتر سے نہیں قنوتِ وتر میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا قبل از رکوع ثابت ہے، چنانچہ ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے اور دعا قبل از رکوع کرتے۔ ←

ـــــــہ اس حدیث کو نسائی نے "سنن" (۳/ ۲۳۵) "عمل الیوم واللیلۃ" (۷۳۴) میں ابن ماجہ (۱۱۸۲) مروزی نے "قیام اللیل" (۲۲۵) میں ابن سکن نے اپنی "صحیح" میں۔ جیسا کہ "تلخیص" (۲/ ۱۸) میں ہے۔ ابو شیخ نے "طبقات المحدثین" (۲/ ۱۹۰) میں دار قطنی (۲/ ۳۱) اور بیہقی (۳/ ۳۹-۴۱) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن سکن، ابن ترکمانی اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث پر طویل کلام کیا ہے، جس کا مختصر یہ ہے کہ اس حدیث میں رکوع سے قبل قنوت کا اضافہ شاذ ہے، امام ابوداؤد کا یہ کلام امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔

مگر ابن ترکمانی نے "جوہر نقی" (۳/ ۳۹-۴۰) میں اور البانی نے "ارواء الغلیل" (۲/ ۱۶۷-۱۶۸) میں ان کا رد کیا ہے۔

نیز اس حدیث کے شواہد بھی ہیں اور یہ شواہد ابن مسعود، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں، کیونکہ ان احادیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں میں دعائے قنوت قبل از رکوع کرتے۔

۱ ـــــ حدیث ابن مسعود کو عبدالرزاق (۳/ ۱۲۰) ابن ابی شیبہ (۲/ دارالتاج) عقیلی (۱/ ۳۸) دار قطنی (۲/ ۲۲) ابو نعیم نے "حلیہ" (۷/ ۱۱۸، ۱۰/ ۳۰) میں اور بیہقی (۳/ ۴۱) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ابان بن ابی عیاش ہے جو متروک ہے۔ مگر یہ اس حدیث کو اپنے شیخ ابراہیم نخعی سے روایت کرنے میں متفرد نہیں، بلکہ "خلافیات بیہقی" میں۔ جیسا کہ "جوہر نقی" (۳/ ۴۲) میں ہے۔ أعمش نے اور "کتاب القنوت" للخطیب میں۔ جیسا کہ "نصب الرایہ" (۲/ ۱۲۴) میں ہے۔ منصور نے اس کی متابعت کی ہے۔

سلیمان اعمش کی متابعت کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مدلس ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ انہوں نے تدلیس کر کے ابان کے واسطے کو سند سے نکال دیا ہو۔ مگر منصور بن معتمر کی متابعت کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ بلکہ حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں کہا ہے کہ یہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔

لیکن منصور سے اس کو شریک نے روایت کیا ہے اور یہ بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔ غالباً اسی لیے حافظ ابن حجر نے "درایہ" (۱/ ۱۹۳) میں اس سند کو ضعیف کہا ہے۔

اعمش کی متابعت کو امام بیہقی نے غلط کہا ہے۔ مگر ابن ترکمانی نے ان سے موافقت نہیں کی۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۹۶) "شرح معانی" (۱/ ۲۵۳) اور طبرانی (۹/ ۲۷۲، ۳۲۷، ۳۲۸-۳۲۹) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ وتر میں قنوت رکوع سے پہلے کرتے۔

یہ موقوف روایت ان سے صحیح ثابت ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر نے "درایہ" (۱/ ۱۹۳) میں اور شیخ البانی نے ←

"ارواء" (۲/۱۶۶) میں صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کی ایک روایت میں دُعاء قنوت کرنے سے قبل اللہ اکبر کہنے کا اضافہ بھی ہے۔ اس اضافے سے اس کو ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" (۴/ ۵۰ - ۵۱) میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس روایت میں یہ اضافہ باطل ہے اس لیے کہ اس کی سند میں ابان بن ابی عیاش ہے جو متروک ہے۔ جیسا کہ قریب ہی ذکر ہُوا۔ نیز ابان سے اس کو اس اضافے کے ساتھ روایت کرنے والے حفص بن سلیمان ہیں اور یہ بھی متروک ہیں۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے اور "میزان" میں انھیں "واہ فی الحدیث" "حدیث میں سخت ضعیف" کہا گیا ہے۔

اس اضافے کے بطلان پر ایک دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو ابان سے حفص بن سلیمان کی طرح یزید بن ہارون، سفیان ثوری اور ہشام نے بھی روایت کیا ہے اور یہ تینوں ثقہ راوی ہیں، مگر ان میں سے کسی نے بھی اللہ اکبر کا اضافہ ذکر نہیں کیا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت میں بھی قنوت سے پہلے تکبیر کا ذکر ہے۔ مگر یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس کو ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۰۰ - دارالتاج) اور ابن منذر (ث ۲۷۲۹) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو طبرانی (۱۲/ ۱۲۲/ ۱۲۶۷۹)، بیہقی (۳/ ۴۱) اور ابو نعیم نے "حلیہ" میں۔ جیسا کہ "نصب الرایہ" (۲/ ۱۲۴) میں ہے۔ روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

۳۔ حدیث ابن عمر کو طبرانی نے "اوسط" میں۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۲/ ۱۴۱) اور نصب الرایہ (۲/ ۱۲۴) میں ہے۔ روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں سہل بن عباس ترمذی ہے دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں۔

حافظ ابن حجر نے "درایہ" (۱/ ۱۹۴) میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر ان سے حدیث ابی بن کعب کو تقویت ملتی ہے۔

بخاری وغیرہ میں قنوت نازلہ کے بارے میں جو حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے شیخ البانی نے اس سے بھی وتروں میں قنوت قبل از رکوع ثابت کی ہے تفصیل "ارواء الغلیل" (۲/ ۱۶۸ ، ۱۶۴) میں دیکھیں۔

وتروں میں دُعاء قنوت رکوع سے قبل کی جائے اس کے بارے میں ایک قولی حدیث بھی ہے۔

توحید ابن مندہ (۲/ ۱۹۱) میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وتروں میں قرارت سے فراغت کے بعد "اللھم اھدنی فیمن ھدیت . . . ." پڑھنے کی تعلیم دی۔

اس حدیث سے بھی رکوع سے قبل دُعاء قنوت کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ جب دُعاء قنوت قرارت کے بعد ہوگی۔

تو رکوع سے پہلے ہی ہوگی۔

اس سیاق سے اس حدیث کو فضل بن محمد سے ابوعثمان عمرو بن عبداللہ بصری نے روایت کیا ہے۔ جب کہ محمد بن صالح بن ہانی اور ان کے ایک دوسرے ساتھی نے اس کو فضل بن محمد سے اس سیاق سے روایت کیا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وتروں میں جب کہ صرف سجدہ باقی ہو" اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ ...... پڑھنے کی تعلیم دی۔

اس سیاق سے اس کو امام حاکم (۳/۱۷۲) اور ان سے امام بیہقی (۳/۳۸-۳۹) نے روایت کیا ہے۔

اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوا کہ دعاء قنوت رکوع کے بعد کی جائے اور اس روایت کے راوی دو ہیں۔

مگر جس راوی نے اس دعا کو رکوع سے قبل پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ بھی متفرد نہیں ہے۔ بلکہ محمد بن یونس مقری نے اس کی متابعت کی ہے اور مقری کی سند سے اس کو حاکم نے "فوائد ابوبکر اصبہانی" کی تخریج میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۱/۲۴۸) میں ذکر کیا ہے۔

اسی روایت کی بناء پر شیخ البانی نے "توحید ابن مندہ" کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو "ارواء الغلیل" (۲/۱۶۸-۱۶۹) "مستدرک" میں حاکم کی جو روایت ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے بھی کچھ شک کا اظہار کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی بناء پر یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ کہ قولی حدیث سے بھی قبل از رکوع دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ حدیث اپنی دونوں روایتوں۔ رکوع سے قبل اور رکوع کے بعد والی روایت۔ کے اعتبار سے ہی محل نظر ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں لہٰذا اس بارے میں اصل اعتماد فعلی حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل پر ہے۔

فعلی حدیث تو آپ ملاحظہ کر چکے اب صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ملاحظہ کریں۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۰۲) میں بسند حسن علقمہ سے روایت ہے کہ ابن مسعودؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) وتروں میں قبل از رکوع قنوت کرتے تھے۔

ابن ترکمانی نے "جوہر نقی" (۳/۴۱) میں اور البانی نے "ارواء الغلیل" (۲/۱۶۶) میں اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے "درایہ" (۱/۱۹۴) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

اس کی سند حسن ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم کی شرط پر بھی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے وتروں میں دعاء

—— قبل از رکوع ثابت ہے۔

واضح رہے کہ مسنون طریقہ تو یہی ہے کہ وتروں میں دُعائے قنوت قبل از رکوع ہو۔ لیکن اگر کوئی بعد از رکوع کرے تو اس کا بھی جواز ملتا ہے۔ کیونکہ "صحیح ابن خزیمہ" (۱۱۰۰) میں خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نمازِ تراویح کی امامت کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وتروں میں دُعاءِ قنوت بعد از رکوع کرتے تھے۔

بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۹۹ - دارالتاج) میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ قنوت بعد از رکوع کرتے۔ مگر ابن ابی شیبہ کی سند منقطع ہے۔ جب کہ ابن خزیمہ کی سند صحیح ہے۔

تنبیہ: جو علماء بعد از رکوع قنوت کے قائل ہیں وہ ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔

مگر واضح رہے کہ ان کا یہ عمل قنوتِ فجر کے بارے میں ہے۔ قنوتِ وتر کے بارے میں نہیں۔ جب کہ ان سے اس قنوت کے بارے میں بھی دونوں قسم کی روایات ہیں۔ یعنی بعد از رکوع اور قبل از رکوع بھی۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو" اوسط ابن منذر" (ج ۴ مسئلہ ۷۷۰) ایضاً " مصنف عبدالرزاق" (۲/ ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۱۹) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۰۵، ۱۰۷ دارالتاج) اور "سنن بیہقی" (۲/ ۲۰۲)۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ وتروں میں دُعائے قنوت بعد از رکوع کرتے۔

اس اثر کو ابن ابی شیبہ (۲/ ۹۶ - دارالتاج) اور بیہقی (۳/ ۳۹) نے روایت کیا ہے۔

مگر یہ اثر اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں عطاء بن السائب ہیں۔ جن کے حافظے میں اختلاط آگیا تھا اور جن راویوں نے ان سے اس اثر کو روایت کیا ہے ان کا، ان سے سماع بعد از اختلاط ہے۔

نیز یہ اثر اسی سند سے "مصنف عبدالرزاق" (۳/ ۱۱۳) میں بھی ہے اور اس میں دُعاء قنوت کا ذکر قبل از رکوع ہے۔

ابن ترکمانی نے" جوہر نقی" میں اس اثر کی تین علتیں بیان کی ہیں۔ مگر اس کی علت صرف وہی ہے جو اوپر ذکر ہوئی ہے۔ پہلے ایڈیشن میں، میں نے ان کا تفصیلی رَد کیا تھا ملاحظہ ہو (۴۰۰ - ۴۰۱)

دوسری دُعاءِ قنوت

۵۳۵۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ لَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَ اِلَیْکَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ وَ نَخْشٰی عَذَابَکَ الْجِدَّ وَ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ اِنَّ عَذَابَکَ الْجِدَّ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

یا الٰہی ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ اور تجھ سے معافی مانگتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں تیری بھلائی سے اور نہیں ناشکری کرتے تیری نعمت کی الگ ہوتے ہیں ہم اور چھوڑتے ہیں ہم اس کو کہ نافرمانی کرتا ہے تیری۔ یا الٰہی ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہم دوڑتے ہیں۔ اور تیری خدمت میں ہم حاضر ہیں اور ڈرتے ہیں تیرے عذاب حق سے اور امید رکھتے ہیں ہم تیری رحمت کی بے شک تیرا عذاب حق کافروں کو ملنے والا ہے۔

ملاحظہ: دونوں دعاؤں میں سے کوئی ایک پڑھ لیا کریں اور دونوں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ پہلی بہترین قنوت ہے۔

---

۵۳۵ یہ دُعاء امیرالمؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے وہ قنوتِ فجر میں پڑھا کرتے تھے۔

اس کو عبدالرزاق (۳/۱۱۱) ابن منذر (ث ۲۷۳۵) بیہقی (۲/۲۱۰-۲۱۱) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۲/۱۰۶- دار التاج) اور عبداللہ بن احمد نے بھی "مسائل احمد (ص ۹۳) میں عبید بن عمیر کی سند سے روایت کیا ہے۔

اور یہ ان سے بسند صحیح ثابت ہے اس کی سند میں ابن جریج ہیں جو مدلس ہیں۔ لیکن عبدالرزاق اور ابن منذر کے یہاں انہوں نے "اخبرنی عطاء" کہا ہے لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔ نیز اس کی عطاء اور اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سندیں بھی ہیں اس اثر کو امام بیہقی نے بھی صحیح کہا ہے۔

اس کی دوسری سندیں عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، شرح معانی (۱/۲۴۹-۲۵۰) اور "بیہقی" میں دیکھیں۔

اس اثر کے آخر میں عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ، اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ" ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں دو سورتیں تھیں وہ انہیں ہر رات وتروں میں پڑھتے۔

عبدالرزاق (۳/۱۱۴) اور ابن ابی شیبہ میں امیرالمؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو قنوت فجر میں پڑھتے۔

عبدالرزاق کے یہاں ہے کہ وہ "اللّٰھم ایاک نعبد" کو پہلے اور "اللّٰھم انا نستعینک" کو بعد میں پڑھتے۔

حوادثِ نازلہ کی دُعاءِ قنوت

جنگ، مصیبت، اور غلبہ دُشمن کے وقت اس دُعا قنوت کا پڑھنا بھی حضورؐ سے ثابت ہے۔

۵۳۶۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّكَ وَعَدُوِّھِمْ۔ اَللّٰھُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِكَ وَیُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَ یُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَآءَكَ۔ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ كَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَ

۔ قنوتِ فجر میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے دیکھیں "مصنف ابن ابی شیبہ" ایک مرفوع حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ان دونوں سورتوں کا قنوتِ فجر میں پڑھنا مروی ہے۔ مگر وہ حدیث ضعیف ہے اور اس کو بیہقی "(۲/۲۱۰) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس دُعا کو قنوتِ وتر کی دُعا کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ جبکہ قنوتِ وتر میں اس کا پڑھا جانا کسی مرفوع حدیث میں نہیں۔

اس بارے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین وغیرہ کے آثار ملتے ہیں مثلاً۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۹۵) میں ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قنوت میں پڑھنے کے لیے ہمیں اس دُعا کی تعلیم دی۔

اس میں قنوتِ وتر کی تو صراحت نہیں مگر ابن ابی شیبہ نے اس کو باب "فی قنوت الوتر من الدعاء" میں ذکر کیا ہے۔ نیز اس اثر کی سند بھی ضعیف ہے۔ بقیہ آثار کے لیے "مصنف عبدالرزاق" (۳/۱۱۶، ۱۲۱ ایضاً ۱۱۷، ۱۱۹) اور مصنف ابن ابی شیبہ" (۲/۹۵۔ دار التاج دیکھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس دُعا کے وتروں میں پڑھنے کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں لہٰذا وتروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی دُعا پڑھی جائے اور وہ ہے" اللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ......"

۵۳۶ ۔ اس دعا کا ذکر بھی امیرالمومنین عمر بن الخطاب کے اثر میں ہے۔ وہ اس کو "اللّٰھُمَّ نستعینك ..." سے پہلے پڑھا کرتے تھے اور اس اثر کی تخریج ابھی نمبر ۵۳۵ میں گزری ہے۔

تنبیہ: اس دُعا میں" لَا تردہ عن القوم المجرمین" کے بعد "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا ذکر بھی ہے۔ اسی طرح اس میں اللّٰھم انا نستعینك ..." میں "من یفجرك" کے بعد بھی "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا ذکر ہے۔

اَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۔ (حصن حصین)

یا الٰہی بخش ہم کو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اور الفت ڈال ان کے دلوں کے درمیان اور اصلاح کر ان کے درمیان اور مدد دے ان کو اپنے دشمنوں پر اور ان کے دشمنوں پر۔ یا الٰہی دور کر رحمت سے کافروں کو جو روکتے ہیں تیری راہ اور جھٹلاتے ہیں تیرے رسولوں کو اور لڑتے ہیں دوستوں سے۔ یا الٰہی پھوٹ ڈال درمیان ان کی باتوں کے اور ڈگمگا دے قدم ان کے اور اتار ان پر عذاب اپنا جو نہیں رد کرتا تو اس کو کافروں کی قوم سے۔

۵۳۷ ـ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ۔

یا الٰہی ہم تجھ کو ان (دشمنوں) کے مقابلہ میں کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ (ابن سنی)

نماز تہجّد کا بیان

تحریض بر تہجّد

۵۳۸ ـ ابی امامہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَیْكُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ تہجد ضرور پڑھا کرو۔ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَكُمْ۔ کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کی روش ہے۔ وَهُوَ قُرْبَةٌ اِلٰی رَبِّكُمْ۔ اور تمہارے لیے قرب خدا کا سبب ہے وَمُكَفِّرَةٌ لِلسَّیِّئَاتِ

---

۵۳۷ ـ اس کو ابن سنی (۳۳۲) احمد (۴/۴۱۴، ۴۱۵) ابوداؤد (۱۵۳۷) "الصلاۃ" نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۶۰۱) میں ابن حبان (۴۷۶۵) حاکم (۲/۱۴۲) اور بیہقی (۹/۱۵۲) نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے کوئی خطرہ محسوس کرتے۔ تو یہ دعا پڑھتے۔

اس کو ابن حبان، حاکم، ذہبی نووی نے "اذکار" (۱۱۴) میں اور البانی نے "صحیح الجامع" (۴۵۸۲) میں صحیح کہا۔

اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ اگر اس میں قتادہ کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو اس کی سند صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس کی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں مگر قتادہ مدلس ہیں۔ اس کی یہ حدیث مجھے لفظ عن سے ہی ملی ہے۔ "شرح ابن علان" (۴/۱۶)

۵۳۸ ـ حسن ہے۔

اس کو ابن خزیمہ (۱۱۳۵) طبرانی (۸/۱۰۹) ابن عدی (۴/۱۵۲۴) حاکم (۱/۳۰۸) بیہقی (۲/۵۰۲) بغوی (۹۲۲) اور ابن نصر (۱۵/۱۸۰) نے روایت کیا ہے۔

←

اور گناہوں کے دُور ہونے کا ذریعہ ہے۔ وَمِنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔ اور یہ رات کا قیام گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔ (ترمذی)

میاں بیوی خدا کے حضور میں

۵۳۹ — ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی رحمت ہو اس شخص پر، کہ رات کو اُٹھا۔ پھر نماز (تہجد) پڑھی، اور اپنی عورت کو جگایا۔ پھر اس نے (بھی) نماز پڑھی۔ پھر اگر عورت (غلبہ نیند کے باعث) نہ جاگی، چھینٹے دیئے پانی کے اس کے مُنہ پر۔ خدا کی رحمت ہو اس عورت پر، کہ رات کو اٹھی۔ پھر نماز (تہجد) پڑھی۔ اور اپنے خاوند کو جگایا۔ پھر اس نے (بھی) نماز پڑھی۔ پھر اگر خاوند (غلبہ نیند باعث) نہ جاگا۔ چھینٹے دیئے پانی کے اس کے مُنہ پر۔ (ابوداوُد)

تہجّد کا مرتبہ

۵۴۰ — حضرت ابُو ہریرۃؓ کہتے ہیں۔ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ

← اس کو حافظ عراقی نے "مغنی" (۱/۴۱۸) میں اور شیخ البانی نے "ارواء" (۲/۱۹۹/۴۵۲) میں حسن کہا ہے۔

اس کی تائید سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو طبرانی (۶/۲۵۸) ابن عدی (۴/۱۵۹۷) اور بیہقی نے "شعب" (۶/۳۲۲) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ درحقیقت یہ حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہی ہے۔ مگر ایک راوی نے اس کو ان سے روایت کرنے کی بجائے بلال رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کر دیا ہے۔

امام ترمذی اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حدیث ابُوامامہ، حدیث بلال کی نسبت صحیح ترین ہے۔ بلال کے حوالے سے اس کو ترمذی (۳۵۴۹)، مروزی نے "قیام اللیل" (۳۲) میں بیہقی نے "شعب" (۶/۳۲۱) میں اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲/۴۰۷) میں روایت کیا ہے۔

۵۳۹ — حسن ہے۔ اس کو ابوداؤد (۱۳۰۸، ۱۴۵۰) نسائی (۳/۲۰۵) ابن ماجہ (۱۳۳۶) احمد (۲/۲۵۰، ۴۳۶) مروزی (۶۷) ابن خزیمہ (۱۱۴۸) ابن حبان (۶/۳۰۷، ۶۴۶ موارد) حاکم (۱/۳۰۹) اور بیہقی (۲/۵۰۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند محمد بن عجلان کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور نووی نے "مجموع" (۴/۴۶) میں صحیح کہا ہے۔

۵۴۰ — اس کو احمد (۲/۳۰۳، ۳۲۹، ۳۴۲، ۳۴۴، ۵۳۵) مسلم (۸/۵۴-۵۵) "صیام" ابوعوانہ (۲/۲۹۰) ابوداؤد (۲۴۲۹) "صیام" ترمذی (۴۳۸) نسائی (۳/۲۰۶-۲۰۷) مروزی (۳۵) ابویعلی (۶۳۹۲، ۶۳۹۵) ابن خزیمہ (۱۱۳۴) ابن حبان (۶/۳۰۳) حاکم (۱/۳۰۷) اور بیہقی نے "سنن" (۴/۲۹۱،۳/۴) اور "شعب" (۶/۳۴۴) میں روایت کیا ہے۔ ←

بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ (رواہ احمد) فرض نماز کے بعد سب نمازوں سے افضل تہجد کی نماز ہے۔

نبیٔ رحمت کا شوق تہجد

۵۴۱ ـ حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (رات کو تہجد میں) اتنا قیام کیا کہ آپ کے پاؤں متورم ہو گئے۔ آپ سے سوال ہوا۔ یہ (اتنی مشقت) آپ کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ مغفور ہیں؟ آپ نے فرمایا اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ کیا پھر (جبکہ خدا نے مجھے نبوت کے انعام، مغفرت کی دولت، اور بے شمار نعمتوں کی عطا سے نوازا ہے) میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

(بخاری، مسلم)

ـــــ طبرانی (۲/ ۱۶۹ ـ ۱۷۰) اور بیہقی (۳/ ۴، ۴/ ۲۹۱) میں یہ حدیث جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث کی سند حدیث ابو ہریرہ والی ہے۔ اس کو جندب سے بیان کرنے میں غالباً عبید اللہ بن عمرو الرقی سے غلطی ہوئی ہے۔ امام بیہقی کے کلام سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

۵۴۱ ـ اس کو بخاری (۱۱۲۰) مسلم (۸/ ۱۴۲) "صفات المومنین" ترمذی (۱۲۴) نسائی (۳/ ۲۱۹) ابنِ ماجہ (۱۴۱۹) احمد (۵/ ۲۵۱، ۲۵۵) عبدالرزاق (۳/ ۵۰) ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۷۵) حمیدی (۵۹) اور ابن خزیمہ (۱۱۸۲ ـ ۱۱۸۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ایک راوی نے اس کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کی بجائے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ان کے حوالے سے اس کو خرائطی نے "شکر" (۴۸) میں ابنِ حبان نے "مجروحین" (۲/ ۳۱) میں طبرانی نے "کبیر" (۲۲/ ۱۳۲) میں اور خطیب نے "تاریخ" (۷/ ۲۶۵) میں روایت کیا ہے۔

ابنِ حبان نے کہا ہے کہ محفوظ، حدیثِ مغیرہ ہی ہے۔

بعض راویوں نے اس کو انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ان کے حوالے سے اسے خرائطی (۴۹) ابن عدی (۲/ ۷۷) ابو الشیخ نے "أخلاق" (۱۶۰) میں اور خطیب نے "تاریخ" (۴/ ۲۳۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کے بارے میں ابن عدی اور خطیب (۷/ ۲۶۵) کا کلام دیکھیں۔

حدیثِ مغیرہ کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ دیکھیں مسلم، ابن ماجہ (۱۴۲۰) "صلاۃ مروزی" (۱/ ۲۴۱ ـ ۲۴۲) مسند احمد (۶/ ۱۱۵) اخلاق ابو الشیخ (۱۵۹ ـ ۱۶۰) صحیح ابن خزیمہ (۱۱۸۴) "حلیۃ ابو نعیم" (۷/ ۲۰۵، ۸/ ۲۸۹) تاریخ بغداد (۷/ ۱۹۷، ۱۴/ ۱۰۱)

نیند سے جاگتے وقت پڑھیں

۵۴۲ ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اُٹھتے رات کو (البستر سے تہجد کے لیے) تو (یہ) پڑھتے: اَللّٰهُ اَكْبَرُ، دس بار۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دس بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ دس بار۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ، دس بار۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، دس بار۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دس بار۔ اور پھر اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ[1] دس بار۔ پھر (وضو وغیرہ کرکے) تہجد شروع کرتے۔ (ابوداؤد)

---

[1] یا الٰہی میں تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں دُنیا کی تنگی (سختیوں اور مصیبتوں) سے اور قیامت کے دن کی تنگی (سختیوں اور مصیبتوں) سے۔

---

۵۴۲ صحیح ہے

اس کو ابوداؤد (۵۰۸۵) "أدب" بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱/۵۷،۴۵) میں نسائی نے "عمل" (۸۷۱) میں اور ابن سنی (۷۶۶) نے روایت کیا ہے۔

سند: بقية ثنا عمر بن جعثم حدثنی ازهر بن عبد الله حدثنی شريق الهوزنی عن عائشة رضی الله عنها۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ شریق ہوزنی غیر معروف ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے "میزان" (۲/۲۶۹) میں کہا ہے۔ اور عمر بن جعثم کی ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے توثیق نہیں کی نیز معاویہ بن صالح نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس نے اس کو یوں روایت کیا ہے۔

معاويه بن صالح عن الأزهر بن سعيد، عن عاصم بن حميد عن عائشة رضی الله عنها۔

یہ سند جید ہے ازہر بن سعید، ازہر بن عبداللہ ہی ہے دیکھیں "تہذیب التہذیب" (۱/۱۷۹)

اس سند سے اس کو ابوداؤد (۷۶۶)، "صلاۃ" نسائی (۳/۲۰۹، ۸/۲۸۴) "قیام اللیل و استعاذۃ" بخاری نے تاریخ کبیر" (۱/۲۵۸) میں ابن ماجہ (۱۳۵۶)، ابن ابی شیبہ (۴۳/۶) ۔ دار التاج) ابن حبان (۶۴۹) اور لبغوی (۹۵۱) نے روایت کیا ہے اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ ربیعہ جرشی کی سند ہے اس سند سے اس کو نسائی نے "عمل" (۸۷۰) میں احمد (۶/۱۴۳) مروزی (۷۷ ۔ ۸۰) اور ابن منذر (۳/۸۴) نے روایت کیا ہے اور یہ سند بھی جید ہے اور یہ حدیث اپنی دونوں سندوں سے مل کر صحیح حدیث ہے۔

تہجّد کی نماز کا طریقہ

تیرہ رکعت پانچ وتر کے ساتھ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز میں ہمیشہ وتر بھی شامل ہوتے تھے، زیادہ سے زیادہ آپ نے تہجد کی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ جن میں پانچ وتر ہوتے تھے اور آٹھ رکعت تہجد۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔

۵۴۳۔ "وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ۔"

"یعنی رسول اللہ رات کو نماز (تہجد) پڑھتے تھے (کبھی) تیرہ رکعت۔ ان (تیرہ رکعت) میں سے پانچ رکعت کو وتر کرتے تھے۔ اور نہیں بیٹھتے تھے۔ (وتروں کی) کسی رکعت میں سوائے ان کی آخری رکعت کے"۔

مُلاحظہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تہجد پانچ وتروں کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پس اگر آپ تہجد کی نماز تیرہ رکعت پڑھنی چاہیں تو اس طرح پڑھیں۔ کہ آٹھ رکعت دو دو رکعت پر سلام پھیر کر ختم کریں۔ پھر پانچ رکعت وتر پڑھیں۔ اور ان میں تشہد پڑھنے کے لیے بیچ میں کہیں نہ بیٹھیں۔ بلکہ آخری یعنی پانچویں رکعت میں ہی بیٹھ کر التحیات، دُرود، اور دُعا پڑھ کر سلام پھیر لیں، اس طرح آپ کی تہجد آٹھ رکعت، اور وتر پانچ رکعت ہُوئے یہ تہجد کی زیادہ سے زیادہ رکعات ہیں، اگر حالات اور وقت اجازت دیں۔ تو رکوع وسجود، اور قومہ، جلسہ کی کامل طمانیت کے ساتھ، تہجد تیرہ رکعت پڑھ لیا کریں۔

تہجد گیارہ رکعت ایک وتر کے ساتھ

۵۴۴۔ بخاری مسلم میں ہے۔ "كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ۔"

ــــ عاصم اور جرشی کی سندوں میں اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے ـــــ "اللّٰھُمَّ اغفرلی واھدنی وارزقنی وعافنی" ـــــ مگر ان سندوں میں "سبحان الملك القدوس کا ذکر نہیں۔

۵۴۳ ـــ اس کی تخریج حدیث (۵۴۶) میں دیکھیں۔

۵۴۴ ـــ اسں کو مالک (۱/۱۲۰) نے اور مالک کی سند سے مُسلم (۲/۱۶۶) ابو عوانہ (۲/۳۲۶) ابوداؤد (۱۳۳۵) ترمذی (۴۴۰-۴۴۱) ـــ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) رات کو نماز (تہجد) گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ وتر کرتے تھے۔ سات ایک رکعت کے۔"

ملاحظہ: اگر آپ تہجد گیارہ رکعت پڑھنا چاہیں۔ تو دس رکعتیں دو۔ دو رکعت پر سلام پھیر کر پوری کریں اور بعد ازاں ایک وتر پڑھ لیں۔

نو اور سات رکعت تہجد

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ کہ رسولِ خدا نے تہجد کی نماز میں تیرہ رکعت بھی پڑھی ہیں۔ اور گیارہ بھی۔ اور صحیح مسلم میں نو رکعت تہجد کی تعداد بھی آئی ہے۔ جس میں تین وتر شامل ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

۵۴۵ ـ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ أَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ۔ حضورؐ نے دو رکعتیں لمبے قیام، رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھیں۔ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ۔ پھر آپ نے کیا یہ (دو دو رکعات پڑھنا) تین بار چھ رکعتوں میں۔ یعنی چھ رکعات (تہجد کی) پڑھیں۔ ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلٰثٍ پھر تین رکعت وتر پڑھے۔ تہجد کی یہ چھ رکعات نبیؐ رحمت نے پڑھ کر اُمت کے لیے آسانی پیدا کر دی کہ اگر کسی کو اٹھنے میں دیر لگ جائے، وقت تھوڑا ہو۔ یا اور کوئی کام پڑ جائے تو صرف چھ رکعت تہجد اور تین وتر پڑھ لینے سے بھی سُنت پاک پر عمل ہو جائے گا۔ رسولِ خدا ہمارے لیے رحمت بن کر آئے تھے اور آسانیاں لائے تھے۔ چنانچہ آپ نے سات رکعت تہجد مع وتر بھی پڑھی ہے۔

۵۴۶ ـ حضرت مسروقؒ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسولِ خدا کی رات کی نماز سے متعلق پوچھا۔ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ (بخاری) تو جنابہ صدیقہؓ نے فرمایا، کبھی سات رکعتیں۔ کبھی نو۔ اور کبھی گیارہ رکعتیں (مع وتر پڑھتے)

سات رکعت تہجد میں اگر وتر ایک رکعت پڑھیں۔ تو تہجد چھ رکعت ہوئی۔ اور اگر تین وتر پڑھیں تو نمازِ تہجد چار رکعت ہوئی

ـــــــ نسائی (۲/۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲) مروزی (۸۲) بیہقی (۳/۲۳، ۲۴) اور بغوی (۹۰۰) نے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ اس سیاق سے یہ حدیث بخاری میں نہیں۔

۵۴۵ ـ اس کو مسلم (۶/۵۷) ابو عوانہ (۲/۳۲۰-۳۲۱) ابوداؤد (۱۳۵۳) احمد (۱/۳۷۳) اور بغوی (۹۰۶) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۵۴۶ ـ اس کو بخاری (۱۱۳۹) نے اور ان سے بغوی (۹۰۳) نے روایت کیا ہے۔

معلوم ہُوا۔ اگر آپ رات کو چار رکعت تہجد، اور تین وِتر پڑھ لیں۔ یا چھ رکعت تہجد اور ایک وتر کر لیں۔ تو بھی آپ کا دامن عمل دولتِ سنت سے بھر جائے گا۔

رسُولِ خدا کی نمازِ شب کا غالب معمُول

آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں۔ کہ رسُولِ خدا تہجد کی نماز کبھی تیرہ، کبھی گیارہ، کبھی نو، اور کبھی سات رکعات وتروں سمیت پڑھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کا غالب معمُول بیان فرماتی ہیں۔

۵۴۷ — قَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا۔

(صحیح البخاری باب صلوٰۃ اللیل)

آپ فرماتی ہیں۔ کہ رمضان ہوتا یا نہ ہوتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز علی العموم) گیارکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ (پہلے) آپ چار رکعت پڑھتے۔ ان کی خُوبی، اور درازی تو تم دریافت ہی نہ کرو پھر آپ چار رکعت پڑھتے۔ پس ان کی خوبی، اور درازی (بھی) کچھ نہ پوچھو۔ پھر (اخیر میں) آپ تین رکعت وتر پڑھتے۔ (صحیح بخاری۔ باب صلوٰۃ اللیل)

اس حدیث شریف سے معلوم ہُوا۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کا غالب معمُول یہ تھا۔ کہ آپ آٹھ رکعت تہجد، چار چار رکعت کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے، اور پھر تین وتر۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم بھی اپنی رات کی نماز کا معمول گیارہ رکعت بنالیں۔ آٹھ تہجد اور تین وتر۔

فہمائش اگر آپ وِتر عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھ لیں۔ تو پھر نمازِ تہجد میں وتر ہرگز نہ پڑھیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

---

۵۴۷ — اس کو مالک (۱/۱۲۰) اور ان سے بخاری (۱۱۴۷) مسلم (۲/۱۷) ابُوعوانہ (۲/۳۲۷) ابُوداؤد (۱۳۴۱) ترمذی (۴۳۹) نسائی (۱/۲۴۸) عبدالرزاق (۳/۳۸) احمد (۶/۳۶، ۷۳، ۱۰۴) ابنِ خزیمہ (۱۱۶۶) ابن حبان (۶/۱۸۶) اور بیہقی (۲/۴۹۵ - ۴۹۶، ۳/۶) نے روایت کیا ہے۔

۵۴۸۔ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ۔ (ابوداؤد) ایک رات میں دو مرتبہ وتر پڑھنے ناجائز ہیں۔ اس لیے اپنے اوقات اور احوال کے پیشِ نظر صرف تہجد کی رکعات ہی بلا وتر پڑھا کریں۔

رسُولِ خدا کی تہجّد کی کیفیّت

ناظرین! نمازوں میں آپ تکبیر تحریمہ کہہ کر دعائے افتتاح سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ (یا) اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي[1] پڑھتے ہیں۔ تہجّد میں بھی آپ یہ دعائیں بخوبی پڑھ سکتے ہیں۔ اور آپ کی روزانہ نمازوں کی قرارت وغیرہ تہجّد کے لیے کافی ہے۔ لیکن رسُولِ خدا کی نماز تہجد کا حسن اور طول بیان نہیں ہو سکتا۔

۵۴۹۔ حضرت ابی ذرؓ کہتے ہیں۔ رسُولِ خدا نے تہجد میں (اتنا) قیام کیا کہ اس ایک آیت[2] اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (پ ۷، ع ۲) کو عجز و الحاح سے بار بار

---

[1] یہ دُعا سند کے لحاظ سے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ۔ سے قوی ہے۔

[2] اگر عذاب کرے تو ان کو پس تحقیق وہ بندے تیرے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے۔ پس تحقیق تو غالب حکمت والا ہے۔

۵۴۸۔ اس کی تخریج ہو چکی ملاحظہ حدیث (۵۴۰)

۵۴۹۔ صحیح ہے۔

اس کو نسائی (۲/ ۱۷۷) ابن ماجہ (۱۳۵۰) ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۲۴، ۲/ ۳۲۳ دار التاج) احمد (۵/ ۱۴۹، ۱۵۶) مروزی نے "قیام اللیل" (۱۰۳) میں طحاوی نے "معانی الآثار (۱/ ۳۴۷) میں ابو شیخ نے "اخلاق" (۱۵۱) میں حاکم (۱/ ۲۴۱) لالکائی نے "شرح الاصول" (۲/ ۱۰۷۱) میں اور بیہقی (۳/ ۱۴) نے جسرہ کی سند سے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند جسرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں اسی جسرہ کے طریق سے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ اور ذکر کرنے سے قبل یہ شرط لگائی ہے" ان صح الخبر" بشرطیکہ یہ خبر صحیح ہو۔ صحیح ابن خزیمہ (۱/ ۲۷۱)۔

مگر یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ بیہقی (۳/ ۱۳) میں اس کی ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے۔ نیز اس کا ایک شاہد بھی ہے جو یہ ہے۔

ابو المتوکل الناجی کی مرسل روایت میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات قیام میں ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔ اس کو ابو شیخ نے "عظمۃ" (۱/ ۲۵۶ - ۲۵۷) اور "اخلاق" (۱۶۳) میں روایت کیا ہے اور ترمذی (۴۴۸) نے اسے عائشہ رضی اللہ عنہا سے موصولاً روایت کیا ہے اور یہ موصولاً صحیح حدیث ہے اسے شیخ احمد شاکر نے بھی صحیح کہا ہے۔

پڑھتے صبح کردی۔ (نسائی)

نوٹ: قیامت کو حضرت عیسیٰ یہ آیت اپنی اُمت کے حق میں خدا کی جناب میں عرض کریں گے، اور رسول اللہ نے تہجد میں اس آیت کو اپنی اُمت کے حسب حال پڑھتے پڑھتے صبح کردی۔ صلی اللہ علیہ وسلم الف الف صلوٰۃ۔

۵۵۰۔ حضرت حذیفہؓ نے حضورؐ کو تہجد پڑھتے دیکھا۔ وہ کہتے ہیں دعائے افتتاح کے بعد آپ نے سورۃ بقرہ پڑھی۔ پھر رکوع کیا فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ آپ کا رکوع آپ کے قیام کی مانند تھا (یعنی قیام کی طرح رکوع بھی کافی دراز کیا) ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اُٹھایا۔ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنَ الرُّكُوعِ۔ آپ کا قومہ آپ کے رکوع کی مانند تھا (یعنی رکوع کی طرح قومہ بھی کافی دراز کیا) فَكَانَ سُجُودُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ۔ آپ کا سجدہ آپ کے قومہ کی مانند تھا۔ (یعنی قومہ کی طرح سجدہ بھی کافی دراز کیا) وَكَانَ يَقْعُدُ فِيمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُودِهِ۔ آپ دونوں سجدوں کے درمیان (جلسہ میں) اپنے سجدے کی مانند بیٹھے تھے۔ (یعنی سجدے کی طرح جلسہ میں بھی دیر لگائی اور خوب اطمینان کیا) پس حضورؐ نے چار رکعتوں میں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران سورۃ نساء اور مائدہ پڑھیں۔ (رواہ ابوداؤد)

سبحان اللہ! یہ تھی تہجد نبیٔ رحمت کی۔ صرف چار رکعت میں سوا سات سیپارے پڑھے۔ پھر رکوع اور قومے، سجدے اور جلسے کی درازی اور ان میں تسبیحوں اور دعاؤں کو کثرت سے پڑھنا آپ پر ختم تھا۔ جبھی تو جنابِ صدیقہؓ نے حضورؐ کی تہجد کی نماز سے متعلق پوچھنے والے کو فرمایا تھا۔ لَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ[1] (رسولِ خدا کی تہجد کی چار رکعتوں کے حسن و طول کا کچھ حال نہ پوچھ مجھ سے بیان نہیں ہو سکتا)۔

قارئینِ کرام! ہمیں بھی چاہیئے، کہ نمازِ تہجد میں ہم قیام کو جتنا بھی دراز کر سکیں کریں۔ رکوع و سجود، اور قومے اور جلسے میں جتنی زیادہ تسبیحیں اور دعائیں پڑھ سکیں پڑھیں۔ تہجد کے قیام میں پڑھنے کے لیے اگر قرآن زیادہ یاد نہ ہو۔ تو سورۃ اخلاص کی کثرت سے ہی قیام کی درازی پوری کر لیا کریں۔ اگر اُمت کی مغفرت کے خیال سے نبی اکرمؐ نے ایک ہی آیت کو تہجد میں بار بار پڑھتے ہوئے صبح کردی۔ تو آپ سورۃ اخلاص کو ہی نہایت اخلاص سے دس، بیس، پچاس، یا سو بار حسب طاقت ہر ہر رکعت میں پڑھ کر اپنے اللہ کو راضی کریں۔

---

۵۵۰ اس کی تخریج حدیث (۴۸۳) میں گزر چکی ہے۔

[1] یہ حدیث نمبر (۵۲۹) میں گزر چکی ہے۔

تہجد کی دعائے افتتاح

۵۵۱ ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد یہ) پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ[1] السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَآؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (بخاری، مسلم)

"یا الٰہی تیرے ہی لیے ہے سب تعریف تو ہی قائم رکھنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا۔ اور جو ان میں ہیں اور تیرے ہی لیے ہے سب تعریف اور تو ہی روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو ان میں ہیں اور تیرے ہی لیے ہے سب تعریف تو ہی ہے بادشاہ آسمانوں اور زمین کا اور جو ان میں ہیں اور تیرے ہی لیے ہے سب تعریف تو ہی ہے ثابت (کبھی معدوم نہ ہوگا) اور وعدہ تیرا دُنیا اور آخرت کے متعلق حق ہے اور ملاقات تیری (آخرت میں) حق ہے۔ اور کلام تیرا حق ہے اور بہشت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور سب نبی (تیرے فرستادہ) حق ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور قیامت حق ہے۔ یا الٰہی تیرے واسطے مَیں تابعدار ہوُا۔ اور تیرے ساتھ میں ایمان لایا اور تجھ پر میں نے بھروسہ کیا اور (تیری طرف میں

---

[1] یعنی تیری ہی حفاظت اور تدبیر سے آسمانوں اور زمین کا نظام قائم ہے اگر تیرا فیض منقطع ہو تو چشم زدن میں فلک الافلاک سے تحت الثریٰ تک سب کچھ برباد ہو جائے۔ منہ

۵۵۱ ۔ اس کو بخاری نے "صحیح" (۱۱۲۰) اور "ادب مفرد" (۶۹۸) میں مسلم (۲/۵۴-۵۵)، ابوعوانہ (۲/۲۹۹-۳۰۰)، ابوداؤد (۷۷۱-۷۷۲)، ترمذی (۳۴۱۸) "دعوات" نسائی (۳/۲۰۹)، ابن ماجہ (۱۳۵۵) دارمی (۱/۳۴۸-۳۴۹) اور ابن خزیمہ (۱۱۵۱-۱۱۵۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

نے رجوع کی اور تیری مدد سے جھگڑتا ہوں میں (دشمنوں سے) اور تیری طرف فریادی ہوں میں پس بخش میرے لیے وہ گناہ کہ آگے کئے میں نے اور وہ گناہ کہ پیچھے ہوں مجھ سے اور جو پوشیدہ کیے میں نے اور ظاہر کیے میں نے اور وہ گناہ کہ تو اُن کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی ہے آگے کرنے والا اور پیچھے ڈالنے والا معبود صرف تو ہی ہے اور نہیں کوئی معبود سوائے تیرے۔

ملاحظہ: تہجّد کی نماز میں اگر ہم سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اور اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي دونوں دُعائیں پڑھ کر رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلی ہُوئی دُعائے مذکور بھی پڑھ لیا کریں۔ تو خدا کی خوشی اور رضا مندی کے دریا میں رحمت کی موجیں اُٹھنے لگیں گی۔ دیوانِ عمل کے سیاہ نامے دُھل جائیں گے اور تہجّد کا نالۂ شب گیر عرش رسا ہو جائے گا۔

نماز تراویح کا بیان

نماز تراویح اور تہجد (رات کی نماز) دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہے۔ رات کی نماز غیر رمضان میں جب سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے۔ تو تہجد کہلاتی ہے اور اگر رمضان میں سونے سے قبل عشاء کے ساتھ پڑھ لی جائے۔ تو اس کو تراویح کہتے ہیں۔ رمضان شریف میں روزہ کے سبب چونکہ طبائع ضعیف اور مضمحل سی ہو جاتی ہیں۔ اور افطاری اور سیری کے بعد سونے اور پھر آدھی رات گئے بیدار ہو کر تہجد کے لیے طویل قیام کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے نبیؐ رحمت نے رات کی نماز (تہجد) کو رمضان شریف میں عشاء کے ساتھ ہی پڑھ کر لوگوں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کر دی۔ تاکہ وہ تراویح کے بعد پوری طرح آرام کی نیند سوئیں۔ اور پھر صبح صادق سے کچھ پہلے اُٹھ کر سحری کھا کر روزے کے لیے تازہ دم ہو جائیں۔

رسُولِ خدا نے تین رات تراویح پڑھائی

۵۵۲ ـــ حضرت ابُوذرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسُولِ خدا کے ساتھ روزے رکھے۔ پس (شروع میں) آپ نے ہمارے ساتھ مہینے میں سے کچھ بھی قیام نہ کیا۔ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا یہاں تک کہ تئیسویں رات کو حضورؐ

---

۵۵۲ ـــ صحیح ہے۔
اس کو ابوداؤد (۱۳۷۵) ترمذی (۸۰۶) "صوم" نسائی (۳/۸۳، ۲۰۲-۲۰۳) "سہو و قیام" ابن ماجہ (۱۳۲۷) دارمی (۲/۲۶-۲۷) "صوم" طیالسی (۱/۱۲۰) عبدالرزاق (۴/۲۰۲-۲۰۳) ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۴) احمد (۵/۱۵۹-۱۶۰، ۱۶۳) ابن جارود (۴۰۳) ابن خزیمہ (۲۲۰۶) ابن حبان (۹۱۹) اور بیہقی (۲/۴۹۴) نے روایت کیا ہے۔

نے ہمیں نماز تراویح پڑھائی۔ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا۔ پھر آپ نے چوبیسویں رات چھوڑ کر پچیسویں رات کو ہمیں تراویح پڑھائی۔ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا پھر آپ نے چھبیسویں رات چھوڑ کر ستائیسویں شب کو اپنے گھر کے آدمیوں کو اپنی عورتوں کو اور سب لوگوں کو جمع کر کے ہمیں نماز تراویح پڑھائی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

۵۵۳ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں۔ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ (حضورؐ نے تین رات تراویح پڑھانے کے بعد) فرمایا: میں نے دیکھا کہ تمہارا معمول (تراویح) برابر قائم ہے تو مجھے ڈر ہوا کہ عنقریب تم پر فرض کر دیا جائیگا۔ (اس لیے کہ باہر تراویح پڑھانے نہ نکلا) پس تم اپنے گھروں میں نماز (تراویح) پڑھو۔ (مسلم و بخاری)

ناظرین آپ کو معلوم ہو گیا، کہ رسول اللہ نے صرف تین رات تراویح پڑھائی اور پھر اس خیال سے کہ کہیں یہ نماز با جماعت ادا کرنے پر فرض نہ ہو جائے۔ اور پھر اُمت اس کے ترک پر بہت گناہگار ہو گی حضورؐ نے اسے جماعت سے پڑھانا ترک کر دیا۔ اور لوگوں کو گھروں میں پڑھ لینے کا حکم دیا۔

حضورؐ نے رمضان میں تہجد نہیں پڑھی

رسول اللہ نے لوگوں کو تراویح کی نماز مع وتر پڑھائی۔ اور اس کے بعد آپؐ نے تہجد ہرگز نہیں پڑھی اور نہ ہی وتر پڑھے

← اس کی سند صحیح ہے اسے ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ قیام کرتا ہے، تو اس کے لیے پوری رات کا قیام لکھا جاتا ہے۔

حدیث کے اس ٹکڑے میں ان جامدین کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ صرف تین رات باجماعت تراویح پڑھائی تھیں۔ لہٰذا تین دن سے زیادہ باجماعت تراویح نہ پڑھی جائیں۔

۵۵۳۔ اس کو بخاری (۱/۳۱)، "اذان" مسلم (۲/۶۹-۷۰) ابوعوانہ (۲/۲۹۴) ابوداؤد (۱۴۴۷) ترمذی (۴۵۰) نسائی (۱/۱۹۸) احمد (۵/ ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۸۷) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۲۵۰) میں اور ابن خزیمہ (۱۲۰۳) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے آخر میں "فان أفضل صلاۃ المرء فی بیتہ إلا المکتوبۃ" بھی ہے۔ یعنی آدمی کی نفلی نماز گھر میں افضل ہے۔

ہیں۔ معلوم ہوا، کہ آپ کا قیام لیل (تہجد) رمضان میں قیام رمضان (تراویح) سے بدل گیا۔ یعنی حضور جو تہجد اور وتر غیر رمضان میں نیند سے اُٹھ کر پڑھتے تھے۔ رمضان میں وہی تہجد اور وتر تراویح کے نام سے نیند سے قبل بعد عشاء پڑھ لیتے تھے۔ متون حدیث و فقہ اور ان کی صدہا شروح میں یہ بات کہیں ثابت نہیں کہ حضورؐ نے تراویح اور وتر پڑھا کر پھر اسی رات دوبارہ وتر پڑھے ہوں، اور ایک رات میں دو بار وتر پڑھنے منع ہیں۔ خود حضورؐ فرماتے ہیں۔

۵۵۴۔ لَا وِتْرَانِ فِی لَیْلَةٍ۔ (ابوداؤد) ایک رات میں دو بار وتر نا جائز ہیں۔ کیونکہ دو بار پڑھنے سے تر شفع بن کر باطل ہو جاتے ہیں۔ پس ثابت ہوا، کہ حضور رات میں وتر ایک ہی بار پڑھتے تھے۔ جب آپ نے تراویح اور وتر پڑھا دیئے۔ تو یقیناً حضورؐ نے نہ وتر ہی اس رات دو بار پڑھے۔ اور نہ ہی تہجد۔ پس تہجد مع وتر رمضان میں نماز تراویح بن گئی، یاد رہے کہ تراویح کا اصل نام قیام رمضان ہے۔

نمازِ تراویح گیارہ رکعت

تہجد کے بیان میں آپ حضرت عائشہؓ کی روایت پڑھ چکے ہیں[1] صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مَا کَانَ یَزِیْدُ فِی رَمَضَانَ وَلَا فِی غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَکْعَةً۔ یعنی رمضان اور غیر رمضان میں رسولِ خدا رات کی نماز علی العموم گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ اس حدیث کی صحت کا آفتاب ہمیشہ نصف النہار پر رہا ہے۔ یہ حدیث نہایت درجہ صحیح اور غیر مجروح ہے، تو اس حدیث کی رُو سے معلوم ہوا۔ کہ حضورؐ کی رات کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت (جن میں تین وتر بھی ہیں) رہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ غیر رمضان میں تہجد گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور حضورؐ نے وہی گیارہ رکعت تہجد تراویح کے نام سے رمضان میں پڑھائی۔

رسولِ خدا نے تراویح گیارہ رکعت پڑھائی

۵۵۵۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکَعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ۔ (رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہما)

---

[1] دیکھیں حدیث (۵۴۷)

۵۵۴۔ یہ حدیث نمبر (۵۴۰) میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس کی تخریج وہاں دیکھی جائے۔

۵۵۵۔ اس کی سند عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے مگر نمبر (۵۴۷) میں مذکور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی تائید کرتی ہے۔ ←

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت (تراویح) پڑھائیں پھر وتر پڑھے۔

صحیح ابنِ خزیمہ، صحیح ابن حبان)

ملاحظہ:۔ اس غیر مجروح حدیث سے ثابت ہُوا کہ رسُول اللہ نے جو تین رات نماز پڑھائی تھی وہ گیارہ رکعت ہی تھیں، جن میں تین وتر بھی شامل تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کہ ایک شخص نے آپ سے پُوچھا کہ رسُولِ خدا رمضان میں کتنی نماز (تراویح) پڑھتے تھے۔ تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ حضورؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے، بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

یہ تو آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں۔ کہ رسُول اللہ نے تین شب تراویح پڑھا کر، پھر لوگوں سے فرمایا۔ کہ تم اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ گھروں وغیرہ میں فرداً فرداً پڑھنے کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

اس حدیث (حدیث جابر) کو ابن خزیمہ (۱۰۷۰) ابنِ حبان (۹۲۰)۔ اسی طرح مروزی نے "قیام اللیل" (۱۵۵) میں ابُو یعلی (۱۸۰۲) ابن منذر نے "اوسط" (۲۶۰۶) میں طبرانی نے "صغیر" (۱/۱۹۰) میں اور ابن عدی (۵/۱۸۸۹) نے روایت کیا ہے۔

اس کو ابنِ خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ اور ذہبی نے "میزان (۳/۳۱۱) میں اس کی سند کو اوسط درجے کی کہا ہے۔

تنبیہ: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے۔

اس کو ابن ابی شیبہ (۲/۱۶۴۔ دار التاج) عبد بن حمید (۶۵۳) طبرانی نے "کبیر" (۱۱/۳۹۳) اور "اوسط" (۸۰۲) میں ابن عدی (۱/۲۴۰) بیہقی (۲/۴۹۶) خطیب نے "موضح" (۱/۲۸۲) میں اور ابنِ عبدالبر نے "تمہید" (۸/۱۱۵) میں روایت کیا ہے

مگر یہ حدیث ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ بلکہ امام شعبہ نے تو اس کو کذاب کہا ہے۔

جلال الدین سیوطی کہتے ہیں کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ اس سے حُجت قائم نہیں ہوتی۔ المصابیح فی صلاۃ التراویح " (ص ۱۷)

سیوطی کے علاوہ دیگر کبار عُلماء و محققین نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ان عُلماء میں ایک بڑی تعداد علماء احناف کی بھی ہے۔ ان کے ناموں کی تفصیل کے لیے میرے دادا رحمہ اللہ کا رسالہ "رکعات قیام رمضان من أقوال أصحاب النعمان"، ملاحظہ کیا جائے۔

علامہ ابن الہمام حنفی فرماتے ہیں کہ یہ، ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے، جس کے (ابراہیم کے) ضعیف ہونے پر اتفاق ہے نیز یہ (عائشہ رضی اللہ عنہا کی) صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے۔ فتح القدیر (۱/۴۶۷)

علامہ ابن ہمام والی بات علامہ زیلعی نے بھی کہی ہے "نصب الرایہ" (۲/۱۵۳)

۵۵۶۔ کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنے کا طریقہ مقرر فرمایا (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا

۵۵۷۔ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمَ نِ الدَّارِيَّ اَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً۔

"سائب بن یزید سے روایت ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا۔ کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں۔ (موطا امام مالک باب قیام رمضان)

۵۵۶۔ اس کو ابوداؤد (۱/۲۱۲) اسی طرح بخاری (۲۰۰۹) مسلم (۶/۴۰) ترمذی (۸۰۸) مالک (۱/۱۱۳) اور عبدالرزاق (۴/۲۵۸) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں، بلکہ زہری کا قول ہے۔ جیسا کہ مالک اور بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے غالباً معمر نے اس کو متن حدیث میں داخل کر دیا ہے۔

اس حدیث کا جو متن ہے اسے مؤلف نے یہاں ذکر نہیں کیا۔

۵۵۷۔ صحیح ہے۔

اس کو مالک (۱/۱۱۵) اور ان سے بیہقی (۲/۴۹۶) نے روایت کیا ہے۔ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی سند انتہائی صحیح ہے۔ المصابیح فی صلوٰۃ التراویح " (۴۲)

تنبیہ: حافظ ابن عبدالبر نے "تمہید" (۸/۱۱۴) میں کہا ہے کہ مالک نے تو (اپنے استاد محمد بن یوسف سے) گیارہ رکعت روایت کی ہیں۔ جب کہ ان کے علاوہ دوسروں نے اکیس رکعت ذکر کی ہیں۔

لیکن یہ ان کا وہم ہے، کیونکہ امام مالک کی طرح یحییٰ بن سعید قطان، عبدالعزیز دراوردی، اسماعیل بن امیہ، اسامہ بن زید، محمد بن اسحاق اور اسماعیل بن جعفر نے بھی محمد بن یوسف سے گیارہ رکعت ہی روایت کی ہیں ملاحظہ ہو " مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۱-۳۹۲)، الحاوی للفتاوی (۱/۳۵۰) المصابیح (۴۴۔۴۵) کلاھما للسیوطی "تحفۃ الاحوذی" (۲/۷۴)، اور "صلاۃ التراویح" للالبانی (۴۶۔۴۷)

واضح ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب، ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی جو بیس تراویح کی روایات ہیں۔ وہ ان میں کسی سے بھی ثابت نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے صلاۃ التراویح للالبانی (۴۸۔۷۱) دیکھیں۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔ ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے مدینے کے قاریوں کو نماز تراویح گیارہ رکعت (جن میں تین وتر ہیں) پڑھانے کا حکم دیا۔ اور خود بھی گیارہ ہی پڑھتے تھے۔ رسولِ خدا کے زمانے سے لوگ تراویح گھروں میں پڑھتے آئے تھے پھر جب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے تراویح باجماعت پڑھنے کا طریقہ جاری فرمایا، انہوں نے گیارہ ہی کا حکم دیا پس تراویح کا آٹھ رکعت کا عدد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ثابت ہے۔ اور جو شخص تراویح آٹھ رکعت سے زائد پڑھتا ہے اس کی زائد رکعات مستحب اور نفل ہوں گی سُنّت صرف آٹھ رکعت ہی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

رسُولِ خدا کے سامنے آٹھ تراویح

۵۵۸۔ وعن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یارسول اللہ کان اللیلۃ شیء قال وماذاک یاابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا۔

(کتاب قیام اللیل امام مروزی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہ رمضان میں حضرت ابی بن کعبؓ نے رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضورؐ! رات کو ایک بات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کیا؟ اے ابی! انہوں نے کہا۔ حضورؐ! میرے گھر کی عورتیں کہنے لگیں، ہم قرآن نہیں پڑھتیں۔ اس لیے ہم تمہارے پیچھے نماز (تراویح) پڑھیں گی (اور قرآن سنیں گی)، تو میں نے آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھا دیئے۔ پس آپ نے یہ سن کر سکوت فرمایا۔ گویا (سکوت سے) اس بات کو پسند کیا۔

۵۵۸۔ اس کو مروزی (۱۵۵) ابو یعلیٰ (۱۸۰۱) ابن حبان (۹۲۲) اور ابن عدی (۵/ ۱۸۸۸ - ۱۸۸۹) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ابو داؤد (۱۳۷۷) ابن خزیمہ (۲۲۰۸) ابن حبان ۶ / ۲۸۲۔ الاحسان، موارد: ۹۲۱) اور بیہقی (۲/ ۴۹۵) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں کچھ لوگوں کو مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ یہ لوگ کون ہیں۔ جواب میں کہا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن یاد نہیں اور ابی بن کعب انہیں نماز پڑھاتے ہیں اور یہ ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا، انہوں نے ٹھیک کیا یا فرمایا کہ انہوں نے بہت اچھا کیا۔

اس حدیث سے دو تین باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ تراویح باجماعت کا اہتمام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی تھا۔ چنانچہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کی بنا پر ←

امام الاحناف شیخ ابن ہمامؒ نے آٹھ تراویح کو سنت فرمایا

امام ابن ہمامؒ حنفیوں میں ایک اجل عالم ہوئے ہیں، ایسے عالموں پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں۔ کہ وہ جماعتی تعصب اور دھڑے بندی سے ہمیشہ دور رہے ہیں۔ اور حق بیانی ان کا شیوہ رہا ہے۔ آپ آٹھ اور بیس تراویح کی تحقیق فرماتے ہیں۔

فتحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشرة ركعة بالوتر فى جماعة فعله عليه الصلوٰة والسلام۔ (فتح القدیر جلد اول[1])

پس اس مبحث کا حاصل کلام یہ ہے کہ قیام رمضان جو سنت ہے وہ وتر سمیت گیارہ رکعت ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے باجماعت ادا کیا۔ (فتح القدیر جلد اول)

بیس تراویح کے متعلق آپ کا فیصلہ

فتكون العشرون مستحبا وذٰلك القدر منها هو السنة۔

پس بیس رکعت تو مستحب (نفل) ہوں گی۔[2] اور بیس میں سے وہ مقدار (مذکور آٹھ رکعت) ہی سنت ہے۔

(فتح القدیر)

---

[1] فتح القدیر (۱/۴۶۸)

[2] بیس رکعت کو مستحب کہنے پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔

۱۔ ان لوگوں کا رد کیا ہے، جو تراویح باجماعت کو بدعت کہتے ہیں۔ صحیح ابن خزیمہ (۲/ ۲۲۹ باب ۲۴۲)

۲۔ ابی بن کعب مسجد میں بھی لوگوں کو تراویح پڑھاتے تھے۔ یعنی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی۔

مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں ایک راوی مسلم بن خالد ہیں۔ جو ضعیف ہیں۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث کے بعد کہا ہے:

"یہ حدیث قوی نہیں۔ مسلم بن خالد ضعیف ہے"

اس کو حافظ ابن حجر نے بھی "فتح الباری" (۴/ ۲۵۲) میں ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ محفوظ یہ ہے۔ کہ عمر بن خطاب نے ابی بن کعب کو نماز تراویح کے لیے لوگوں کا امام متعین کیا تھا۔

آٹھ بیس پر مت جھگڑو

یہ بات مہر نیمروز کی طرح واضح ہو گئی۔ کہ رسول اللہ کی سنت پاک تو آٹھ رکعت تراویح ہی ہے اور اس سے زیادہ پڑھنا سنت نہیں بلکہ نافلہ عبادت ہے۔ اس لیے آٹھ تراویح پڑھنے والوں کو ہرگز نہیں روکنا چاہیئے۔ اور نہ اس فعل رسول پر معترض ہونا چاہیئے۔ اور جو بیس پڑھتے ہیں۔ ان کے متعلق حنفیوں کے سب سے بڑے امام ابن ہمام کا فتویٰ یہ ہے، کہ آٹھ سے زیادہ پڑھنے والوں کی زیادتی سنت نہیں ہے۔ سنت صرف آٹھ ہی ہیں۔ باقی نفل ہیں۔

جمعہ کی نماز کا بیان

جمعہ کی فرضیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

(پ ۲۸، الجمعۃ: ۹)

"مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لیے اذان دی جائے۔ تو اللہ کے ذکر (نماز) کی طرف دوڑو اور (اس وقت) لین دین چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم کو سمجھ ہو۔"

جمعہ قیامت تک فرض ہے

۵۵۹۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَبَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ اَنْ تُشْغَلُوْا وَصِلُوا الَّذِيْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ بِكَثْرَةِ ذِكْرِكُمْ لَهٗ وَكَثْرَةِ الصَّدَقَةِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ تُرْزَقُوْا وَتُنْصَرُوْا وَتُجْبَرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ

۵۵۹۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۰۸۱) اسی طرح عبد بن حمید (۱۱۳۶) ابو یعلیٰ (۱۸۵۱) تحقیق اثری) عقیلی (۲/۲۹۸) طبرانی ←

اللہ افترض علیکم الجمعۃ فی مقامی ھذا فی یومی ھذا فی شھری ھذا من عامی ھذا الی یوم القیامۃ فمن ترکھا فی حیاتی او بعدی ولہ امام عادل او جائر استخفافا بھا وجحودا بھا فلا جمع اللہ شملہ ولا بارک لہ فی امرہ الا ولا صلوۃ لہ ولا زکوۃ لہ الا ولا حج لہ الا ولا صوم لہ الا ولا بر لہ حتی یتوب فمن تاب تاب اللہ علیہ (ابن ماجۃ)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا لوگو! موت آنے سے پہلے اللہ کی طرف لوٹ آؤ۔ مرنے سے قبل توبہ کرلو۔ آفتوں کے اترنے سے پہلے نیک عمل کرو۔ خدا کو کثرت سے یاد کرکے اپنے اور اس کے درمیان کے تعلق کو جوڑ لو۔ پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی کثرت سے صدقہ دے کر (ایسا کرنے سے) رزق میں برکت ہوگی۔ دشمن سرنگوں رہیں گے۔ گھاٹے اور نقصان کا اچھا بدلہ ملے گا۔ (میری اُمت) خوب جان لو! کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے۔ میری اس جگہ میں!۔ آج کے روز!۔ اس ماہ، اور اس سال میں!۔۔۔(ہاں ہاں) آج کے روز سے لے کر قیامت تک فرض رہے گا۔ جو کوئی میری زندگی میں یا میرے بعد اسے ترک کرے، امام وقت عادل ہو۔ یا ظالم (خواہ کیسا ہو) جو ترک کرے، اسے ہلکا جان کر یا اس کا انکار کرے۔ خدا اس کے سارے کام اس پر پراگندہ کردے اس کے دل کو کبھی چین نہ آئے۔ اس کے کسی کام میں خدا برکت نہ دے سُن لو!۔۔۔ ایسے تارک جمعہ کی نہ نماز قبول ہے۔ نہ زکوٰۃ۔ نہ حج۔ اور نہ روزہ۔ خدا اس کی کوئی نیکی قبول نہ کرے گا۔ جب تک سچے دل سے توبہ نہ کرے گا (جمعہ نہ شروع کرے گا) سچے دل سے توبہ کرنے والے کی توبہ خدا قبول کرلیتا ہے۔" (ابن ماجہ)

← نے "اُوسط" (۱/۸۳) اور "احادیث طول" (۲۵ / ۲۲۷ / ۲۱) میں ابن عدی (۴/۲۹۸) ابونعیم نے "حلیہ" (۸ / ۲۹۵-۲۹۶) میں قضاعی نے مسند شہاب" (۲۳-۷۲۴) میں بیہقی نے "سنن" (۳/۱۷۱) اور "شعب" (۶/۲۷۰-۲۷۱) میں اور خطیب نے "تاریخ" ۲۶۷/۱۳) میں روایت کیا ہے۔

سند: "من طرق عن علی بن زید عن سعید بن المسیب عن جابر رضی اللہ عنہ۔

یہ سند علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے، زہیر بن معبد کی سند سے یہ سعید بن مسیب از جابر کی بجائے از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے۔

اس طرح سے اس کو ابن حبان نے "مجروحین" (۱/۲۸۰) میں اور ابن عدی (۳/۴۱۹) نے روایت کیا ہے مگر یہ بھی اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔ ابن حبان، ابن عدی اور بیہقی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

طبرانی "اُوسط" میں اس حدیث کا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد بھی ہے مگر اس حدیث کی ←

(اس آیت اور حدیث سے جُمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ پھر وہ عُلماء خدا کو کیا جواب دیں گے جو کہتے تھے کہ انگریز کے عہد میں جمعہ فرض نہیں، گاؤں میں جُمعہ فرض نہیں، ایسے لوگ خدا اور رسُول کا خلاف کرنے والے ہیں معاذ اللہ۔ اسی اناپ شناپ سے جُمعہ کی اہمیت کو کم کرکے لوگوں کو احتیاطی پڑھنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔

قریب ہے یار و روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خوں کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستین کا!) [1]

جُمعہ کی تاکید

۵۶۰ ـ ابی الجعد ضمیری سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ

(رواہ ابوداؤد)

جو شخص بسبب سستی کے تین جُمعے ترک کر دے خدا اس کے دل پر مہر کر دے گا۔"

---

[1] قوسین والی عبارت کے درمیان والا پورا کلام کتاب کے پہلے ایڈیشن میں بلکہ اصل کتاب میں بھی اس جگہ پر نہ تھا، بلکہ حدیث (۵۰۰) کے بعد مذکور تھا جبکہ اس کا تعلق و مناسبت یہاں ہے۔

ـــــــ یہ سند سخت ضعیف ہے تفصیل کے لیے "ارواء الغلیل" (۳/۵۳/۵۹۱) دیکھیں

۵۶۰ صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۱۰۵۲) ترمذی (۵۰۰) نسائی نے "سنن" (۳/۸۸) اور "جمعہ" (۵) میں ابن ماجہ (۱۱۲۵) دارمی (۱/۳۶۹) ابن ابی شیبہ (۲/۱۵۴) احمد (۳/۴۲۴) ابن خزیمہ (۱۸۵۷ ـ ۱۸۵۸) ابن حبان (۵۵۳ ـ ۵۵۴) طبرانی (۲۲/۳۶۵ ـ ۳۶۶) حاکم (۱/۲۸۰، ۴۲۴) اور بیہقی نے "سنن" (۳/۱۷۲، ۲۴۷) اور شعب (۲/۲۶۱) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند محمد بن عمر لیثی کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ مگر یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اس کے شواہد میں سے ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ بھی ہے، جس کو نسائی نے "جمعہ" (۶) میں ابن ماجہ (۱۱۲۶) طبرانی نے اوسط "(۲۷۵) میں حاکم (۱/۲۹۲) اور بیہقی نے "سنن" (۳/۲۴۷) اور "شعب" (۲/۲۹۲) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو حاکم، ذہبی اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۴۰۶) میں صحیح کہا ہے۔

بقیہ شواہد "مجمع" (۲/۱۹۵ ـ ۱۹۶) اور "تلخیص" (۲/۵۲ ـ ۵۳) میں دیکھیں۔

۵۶۱ ــ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے گھروں کو جو (بلا عذر) جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جلا دینے کا قصد کیا۔ (صحیح مسلم)

۵۶۲ ــ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص بلا ضرورت (یعنی بلا عذر) جمعہ کو چھوڑ دے۔ لکھا جاتا ہے منافق کتاب میں۔ (یعنی نامہ اعمال میں)

(مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ)

ملاحظہ: معلوم ہوا کہ جمعہ کا چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے، اور وعید شدید ہے۔ ہر مسلمان پر جمعہ پڑھنا فرض[1] ہے اس میں ہرگز سستی نہیں چاہیئے۔ جب خطیب ممبر پر چڑھے اور اذان ہو جائے۔ تو لین دین، خرید و فروخت سب حرام ہو جاتے ہیں۔

---

[1] ۵۶۳۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے۔ اس پر جمعہ فرض ہے۔ اور مریض مسافر، عورت، نابالغ لڑکا اور غلام جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ ہیں۔ (دار قطنی)

منہ وٹا: اگر چاہیں تو پڑھیں جائز ہے۔ ورنہ ظہر ادا کریں۔ منہ۔

---

۵۶۱ ــ اس کو مسلم (۵/۱۵۵) "مساجد" طیالسی (۱/۱۴۱) عبد الرزاق (۳/۱۶۶) احمد (۱/۴۰۲، ۴۲۲، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۶۱) ابن خزیمہ (۱۸۵۳ - ۱۸۵۴) طبرانی نے "صغیر" (۱/۱۰۲) میں اصبہانی نے "ترغیب" (۱/۲۱۷) میں حاکم (۱/۲۹۲) اور بیہقی (۳/۱۷۲) نے روایت کیا ہے

۵۶۲ ــ صحیح ہے۔

اس کو شافعی نے "مسند" (۷۰) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند امام شافعی کے شیخ ابراہیم بن محمد کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ لیکن اس حدیث کے بعض شواہد ہیں، جن کی بناء پر یہ صحیح ہے۔ ان شواہد میں حدیث اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔

حدیث اسامہ کو طبرانی (۱/۱۷۰) نے روایات کیا ہے اس کی سند میں جابر جعفی ہے۔ جو ضعیف ہے۔ بلکہ متہم ہے لیکن شیخ البانی نے اس حدیث کو "صحیح الجامع" (۶۰۲۰) میں صحیح کہا ہے۔ انہوں نے اس کی تصحیح غالبًا اس کے شواہد کی بناء پر کی ہے۔

نامعلوم صحابی کی حدیث "مصنف عبد الرزاق" (۳/۱۶۵) میں ہے۔ اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ مگر یحییٰ بن ابی کثیر مدلس ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے انہیں "طبقات المدلسین" میں طبقہ ثانیہ کے مدلسین میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ان کی لفظ "عن" سے بیان کردہ روایت مقبول ہوگی۔ اس بناء پر اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

جُمعہ کے متفرق مسائل

۵۶۴ حضورؐ نے فرمایا، جس کو خوشبو میسر نہ آئے۔ اس کے لیے پانی ہی خوشبو ہے (یعنی نہائے)

(ترمذی)

ـــــ اس صحابی رضی اللہ عنہ سے اس کو محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان نے روایت کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ میرا تو خیال یہی ہے کہ انہوں نے (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اگر اس کو مرفوع تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی اس کا حکم مرفوع حدیث کا حکم ہو گا۔ کیونکہ اس میں رائے و قیاس کو دخل نہیں۔

۵۶۳ ـــ صحیح ہے۔

اس کو دارقطنی (۲/۳) اور بیہقی (۳/۱۸۴) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ لیکن یہ اپنے شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔ ان شواہد میں ایک طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جس کو ابوداؤد (۱۰۶۷) طبرانی (۸/۳۸۶) دارقطنی (۲/۳) اور بیہقی (۳/۱۷۲، ۱۸۳) نے روایت کیا ہے۔

طارق بن شہاب کی یہ روایت مرسل ہے۔ کیونکہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع نہیں۔ مگر یہ مرسل صحابی ہے جو صحیح مذہب کے مطابق مقبول ہوا کرتی ہے۔ اس لیے امام بیہقی نے اس کو جید اور نووی نے "مجموع" میں صحیح کہا ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۲/۶۵) میں کہا ہے۔ کہ اسے کئی محدثین نے صحیح کہا ہے۔

امام حاکم (۱/۲۸۸) نے اس کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے موصولاً بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ موصولاً محفوظ نہیں ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کہا ہے۔

اس حدیث کے بقیہ شواہد "ارواالغلیل" (۳/۵۴/۵۹۲) میں دیکھیں۔

۵۶۴ ـ ضعیف ہے۔

اس کو ترمذی (۵۲۸-۵۲۹) ابن ابی شیبہ (۲/۹۲-۹۳، ۱۵۵) احمد (۴/۲۸۲-۲۸۳) ابو یعلیٰ (۱۶۵۹، ۱۶۸۴) اور طبرانی نے "اوسط" (۸۱۳) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند یزید بن ابی زیاد کوفی کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ سئی الحفظ ہیں۔ شیخ البانی نے بھی "ضعیف الجامع (۲۲۴۶) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اسی طرح "تحقیق المشکاۃ" (۱/۴۴۰) بھی دیکھیں۔

امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے مگر مولانا مبارک پوری نے ان کا رد کیا ہے ملاحظہ ہو "تحفۃ الاحوذی" (۱/۳۷۲)

۵۶۵ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص جمعہ کے روز اپنی بیوی کو نہلائے (یعنی صحبت کرے کہ نہائے) اور خود بھی نہائے اور پیادہ (مسجد میں) سویرے جائے۔ امام کے نزدیک ہو کر اوّل خطبہ سنے۔ اور کوئی لغو بات نہ بولے۔ تو اس کو ہر قدم پر ایک برس کے روزوں کا اور اس کی راتوں کے قیام کا ثواب ہوگا۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

---

۵۶۵ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۴۹۶) ابوداؤد (۳۴۵) اسی طرح نسائی نے "سنن" (۳/۹۵) اور "جمعہ" (۳۱، ۳۵۰، ۶۶، ۶۷، ۵۶، ۳۷) میں ابن ماجہ (۱۰۸۷) دارمی (۱/۳۶۳) عبدالرزاق (۳/۲۶۰) ابن ابی شیبہ (۲/۹۳) احمد (۴/۸، ۹، ۱۰، ۴/۱۰۴، ۱۰) ابن خزیمہ (۱۷۵۸) ابن حبان (۵۵۹) طبرانی (۱/۲۱۴-۲۱۶) حاکم (۱/۲۸۱-۲۸۲) اور بیہقی (۳/۲۲۷، ۲۲۹) نے بھی مختلف سندوں سے از ابوالاشعث شرحبیل بن آدہ از اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے ابو اشعث سے اس کی مختلف سندیں ہیں۔ اس کو ترمذی اور نووی نے "مجموع" (۴/۵۴۲-۵۴۳) میں حسن کہا ہے جبکہ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور عقیلی (۲/۲۱۰، ۲۱۱) نے اس کی سند کو صالح کہا ہے۔

ابوداؤد (۳۴۶) عبدالرزاق (۳/۲۵۹) اور طبرانی (۱/۲۱۶) کے یہاں اس حدیث کی اوس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے۔ نیز اس کے بعض شواہد بھی ہیں اور یہ شواہد ابن عباس ابو طلحہ اور محمد طبری رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں ملاحظہ ہو "ضعفاء عقیلی" (۲/۲۱۰) طبرانی کبیر (۵/۱۰۳) طبقات ابو الشیخ (۲/۲۲۶) اور "موضح خطیب" (۲/۳۴۸)

تنبیہ: حدیث اوس کو عثمان شامی نے ابو اشعث سے روایت کرتے ہوئے اوس رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واسطہ ذکر کیا ہے اور ابو اشعث سے ایک دوسری سند میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ راشد بن داؤد نے ابو اشعث سے اس کو روایت کرتے ہوئے اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی بجائے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔

عبداللہ بن عمرو کے واسطے سے اس کو احمد (۲/۹) اور بیہقی (۳/۲۳۷) نے روایت کیا ہے اور یہ واسطہ ذکر کرنے میں عثمان شامی کو وہم ہوا ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے کہا ہے۔

امیر المومنین کے واسطے سے اس کو مزی نے "تحفۃ الاشراف" (۲/۳) میں ذکر کیا ہے اور اس واسطے کے ذکر کرنے میں غالباً حسن بن ذکوان سے غلطی ہوئی ہے۔ بعض نے اس کو منکر الحدیث اور بعض نے ضعیف کہا ہے۔

شداد بن اوس کی نسبت سے اس کو طبرانی (۷/۳۳۵) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبدالوہاب بن ضحاک ہے جو متروک ہے نیز راشد بن داؤد بھی متکلم فیہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اسے وہم ہوتے ہیں۔

۵۶۶ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، کہ مدینہ میں مسجد نبوی میں جمعہ پڑھنے کے بعد اسلام میں جو پہلا جمعہ پڑھا گیا۔ وہ جواثا میں پڑھا گیا جو بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ (ابوداؤد)

نوٹ : اس سے ثابت ہوا۔ کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔ اگر لوگ گاؤں میں جمعہ نہ پڑھیں گے۔ تو گنا ہگار ہوں گے۔

---

۵۶۶ اس کو ابوداؤد (۱۰۶۸) اسی طرح بخاری (۸۹۲) ابن ابی عاصم نے "اوائل" (۴۱-۴۲) میں ابن خزیمہ (۱۷۲۵) طبرانی (۲/۲۲۶) بیہقی (۳/۱۷۶) الخطیب نے "موضح" (۲/۳۵۲) میں اور بغوی نے بھی "شرح السنہ" (۱۰۵۵) میں روایت کیا ہے۔

سند : من طرق عن ابراهيم بن طهمان عن ابى جمرة من ابن عباس رضى الله عنهما.

اس سند سے ابراہیم بن طہمان سے اس کو ابوعامر عقدی، وکیع، زید بن حباب، اور عبداللہ بن مبارک نے روایت کیا ہے۔ ابراہیم بن طہمان کی محمد بن ابی حفصہ ابوسلمہؒ نے متابعت بھی کی ہے۔ یعنی انہوں نے بھی ابوجمرہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان کی سند سے یہ اوائل، طبرانی اور موضح میں ہے۔

معافی بن عمران موصلی نے ابراہیم بن طہمان سے اس کو از ابی جمرہ عن ابن عباس کی بجائے از محمد بن زیاد عن ابی ہریرہؓ روایت کیا ہے۔ اس طرح سے اس کو نسائی نے "جمعہ" (۴) میں روایت کیا ہے۔

اس سند سے اس حدیث کو روایت کرنے میں معافی سے غلطی ہوئی ہے یا کہ ابراہیم بن طہمان کے پاس یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی تھی غالباً معافی سے غلطی ہی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

بستی یا گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے بارے میں اسعد بن زرارہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے آثار بھی ہیں۔

اسعد بن زرارہ نے ہزم النبیت میں (یہ مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر بستی تھی۔ جیسا کہ "عون المعبود" (۱/۴۱۴) میں ہے) جمعہ قائم کیا تھا۔

اس اثر کو ابوداؤد (۱۰۶۹) ابن ماجہ (۱۰۸۲) ابن جارود (۲۹۱) ابن خزیمہ (۱۷۲۴) طبرانی (۱۹/۱۹) دارقطنی (۲/۵) حاکم (۱/۲۸۱) اور بیہقی (۳/۱۷۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ابن اسحاق ہیں۔ جو مدلس ہیں۔ مگر اکثر کتب میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ لہذا یہ اثر حسن درجے کا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی "تلخیص" (۲/۵۶) میں اس کو حسن کہا ہے، ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اثر ابن عمر میں ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بسنے والے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو ان پر عیب نہ لگاتے اس کو عبدالرزاق (۳/۱۷۰) نے بسند حسن روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

اسی طرح مصنف عبدالرزاق (۳/۱۶۴) ہی میں عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں ہے کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان میں پانی کے قریب بسنے والے لوگوں کو جمعہ کے قیام کے لیے لکھا تھا۔ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۴۴۰) والتاریخ (۲/۱) میں بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ←

۵۶۷ ۔ یوم حنین کو بارش ہو رہی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ آج اپنے خیموں میں نماز پڑھنے کا اعلان کر دو۔ اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ (ابوداؤد)

نوٹ: معلوم ہوا کہ بارش کے روز جمعہ کی نماز پڑھنی واجب ہے۔ یعنی اگر بارش کے روز جمعہ پڑھ لیا جائے تو جائز ہے اور بارش کے باعث اگر جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھ لی جائے تو ترک جمعہ کا گناہ نہیں ہوگا۔

۵۶۸ ۔ جمعہ کے روز اگر عید آ جائے تو عید کی نماز پڑھ لی جائے اور پھر چاہے جمعہ پڑھیں یا ظہر۔ (ابوداؤد)

← امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے قیام کے بارے میں لکھا تو آپ نے جواباً لکھا کہ جہاں کہیں بھی ہو جمعہ کا قیام کرو۔

۵۶۷ ۔ صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۱۰۵۷ - ۱۰۵۹) نسائی (۱/۱۱۱) ابن ماجہ (۹۳۶) ابن ابی شیبہ (۲/۲۳۳) احمد (۵/۲۴، ۷۴، ۷۵) ابن خزیمہ (۱۸۶۲) ابن حبان (۴۳۹ - ۴۴۰) طبرانی (۱/۱۸۸ - ۱۸۹) اور حاکم (۱/۲۹۲) نے مختلف سندوں سے ابو ملیح سے انہوں نے اپنے باپ اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اسے ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ نووی نے "مجموع" (۴/۵۰۴) میں اس کو حسن کہا ہے۔

بعض راویوں نے اس حدیث میں حنین کی بجائے حدیبیہ کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ ابن ابی شیبہ میں حدیبیہ یا حنین۔ شک کے ساتھ ہے۔

اس کی اکثر روایات میں جمعہ کی صراحت نہیں، ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ جمعہ کا ذکر سفیان بن حبیب نے کیا ہے۔ ان کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کسی دوسری روایت میں یہ ذکر نہیں۔ جبکہ ایسا نہیں کیونکہ دوسرے بعض راویوں نے بھی جمعہ کی صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد (۵/۲۴) اور طبرانی کبیر (۱/۱۸۹)۔

نیز بخاری (۹۰۱) اور مسلم (۵/۲۰۶) وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس پر شاہد ہے۔

۵۶۸ ۔ صحیح ہے۔

یہ زید بن أرقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابوداؤد (۱۰۷۰) نسائی (۳/۱۹۴) ابن ماجہ (۱۳۱۰) دارمی (۱/۳۷۸) طیالسی (۱/۱۴۵ - ۱۴۶) ابن ابی شیبہ (۲/۱۸۸) احمد (۴/۳۷۲) طحاوی نے "مشکل الآثار" (۲/۵۲) میں ابن خزیمہ (۱۴۶۴) حاکم (۱/۲۸۸) اور بیہقی (۳/۳۱۷) نے ایاس بن ابی رملہ شامی کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ایاس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ مجہول ہے۔ جیسا کہ "میزان" (۱/۲۸۲) "تلخیص" (۲/۸۸) اور "تقریب" (۱/۸۷) میں ہے۔

اس کے باوجود علی بن مدینی، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے اور نووی نے "مجموع" (۴/۴۹۲) میں اس کی ←

۵۶۹۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر گنجائش ہو تو روزانہ استعمال کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے کپڑے بنائو۔ (ابوداؤد)

سند کو جید کہا ہے۔ مگر یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے شواہد ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جس کو ابوداؤد (۱۰۷۳) ابن ماجہ (۱۳۱۱) فریابی نے "احکام عیدین" (۲۱۱) میں ابن جارود (۳۰۲) طحاوی نے "مشکل الآثار" (۲/۵۵) میں ابن عدی (۲/۱۰۵۰) حاکم (۱/۲۸۸) بیہقی (۳/۳۱۸) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۳/۱۲۹) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند بقیہ بن ولید کی وجہ سے حسن درجے کی ہے، حاکم، ذہبی اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۴۶۶) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

طحاوی اور بیہقی نے اس کو مرسلاً بھی روایت کیا ہے، امام احمد بن حنبل اور دارقطنی نے مُرسل ہی کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ خطیب بغدادی اور ابن حجر نے "تلخیص" (۲/۸۸) میں ذکر کیا ہے۔

اگر اس کو مرسلاً ہی صحیح تسلیم کریں تب بھی یہ حدیث زید بن ارقم کے لیے بہترین شاہد ہے۔

۲۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جس کو ابن ماجہ (۱۳۱۲) اور ابن عدی (۲/۴۸۴) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند جبارہ بن مغلس اور مندل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابن عدی (۳/۱۲۱۸) کے یہاں ابن عمر سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے مگر وہ سعید بن راشد سماک کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

۳۔ نسائی (۳/۱۹۴) ابن ابی شیبہ (۲/۱۸۶) اور ابن خزیمہ (۱۴۶۵) میں وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے زمانے میں جمعہ کے روز عید ہوئی تو انہوں نے عید پڑھائی اور جمعہ نہ پڑھایا۔ اس واقعہ کی خبر جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ملی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا یہ عمل سنت کے موافق ہے۔ اس کی سند جید ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

ابن ابی شیبہ اور ابن خزیمہ میں یہ اضافہ بھی ہے کہ لوگوں نے ابن زبیر پر اعتراضات کیے، جب انہیں ان اعتراضات کا علم ہوا تو وہ فرمانے لگے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

ابن ابی شیبہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ذکر کیا گیا تو انہوں نے انکار نہ کیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ اثر ابوداؤد (۱۰۷۱) میں عطاء بن ابی رباح کی سند سے بھی مروی ہے۔

اس کی سند کے بارے میں امام نووی نے کہا ہے کہ یہ سند حسن ہے یا مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ "مجموع" (۴/۴۹۲)

۵۶۹ ــــ صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۱۰۷۸) ابن ماجہ (۱۰۹۵-۱۰۹۶) عبد بن حمید نے حمید "المنتخب من المسند" (۴۹۹) میں طبرانی ←

۵۷۰ دورانِ خطبہ میں جو شخص باتیں کرے وہ گدھے کی مانند ہے۔ جس پر کتابیں لدی ہوں۔ (مسندِ امام احمد)

۵۷۱ حضورؐ نے دورانِ خطبہ میں گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

نوٹ: گوٹ مارنا اس نشست کو کہتے ہیں کہ ہاتھ یا کپڑے کے ساتھ رانوں کو پیٹ سے ملا کر بیٹھیں۔ اس طرح بیٹھنے سے عموماً نیند آجاتی ہے۔ پھر آدمی خطبہ نہیں سن سکتا۔ اور ویسے آدمی اکثر گر پڑتا ہے۔

—(۲۸۷/۲۲) اور بیہقی (۲۲۲/۳) نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مصنف عبدالرزاق (۲۰۳/۳) اور ابوداؤد (۱۰۸۰) میں یہ مرسلاً بھی مروی ہے اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔ ان شواہد میں عائشہ، انس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۱۔ حدیث عائشہ کو ابن ماجہ (۱۰۹۶) ابن خزیمہ (۱۷۶۵) اور ابن حبان (۵۶۸) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند مطلقاً حسن درجے کی ہے یا شواہد میں حسن درجے کی ہے۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۱/۱۳۱۔ تحقیق محمد المنتقی) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

۲۔ حدیث انس کو بیہقی نے "شعب" (۲۰/۱۲۵) میں روایت کیا ہے ابن لہیعہ کی وجہ سے اس کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

۳۔ حدیث ابوہریرہ کو ابن عدی (۲۶۰۶/۷) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند یعقوب بن ولید کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث شاہد کے قابل نہیں۔

۵۷۰ — ضعیف ہے۔

اس کو احمد (۲۳۰/۱) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۱۲۵/۲) بزار (۶۴۴) طبرانی (۹۰/۱۲) اور ابن عدی نے بھی (۲۴۱۶/۶) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کی سند مجالد بن سعید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۵۷۱ — حسن ہے

اس کو ترمذی (۵۱۴) اسی طرح ابوداؤد (۱۱۱۰) احمد (۴۳۹/۳) ابویعلی نے "مسند" (۱۴۹۲، ۱۴۹۶) اور "مفارید" (۱۰) میں ابن خزیمہ (۱۸۱۵) طحاوی نے "مشکل الآثار" (۷۹/۴) میں طبرانی (۱۷۹/۲۰۔ ۱۸۰) بیہقی (۲۳۵/۳) اور بغوی (۱۰۸۲) نے معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے اس کو ترمذی اور بغوی نے بھی حسن کہا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس کے بعض شواہد ہیں۔ جن میں یحییٰ بن ابی کثیر کی مرسل روایت اور عبداللہ بن عمرو اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی موصول حدیثیں ہیں۔

یحییٰ بن ابی کثیر کی مرسل حدیث کو عبدالرزاق (۲۵۴/۲) نے روایت کیا ہے۔ اس مرسل کی سند صحیح ہے۔

حدیث عبداللہ بن عمرو ابن ماجہ (۱۱۳۴) میں ہے اور حدیث جابر "کامل ابن عدی" (۱۵۰۵/۴) میں ہے۔ پہلی حدیث کی سند ضعیف اور دوسری کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل کے لیے "نیل الأوطار" (۲۵۱/۳ - ۲۵۲) دیکھی جائے۔

۵۷۲۔ رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کو نہائے اور جس قدر پاکی حاصل ہو سکے کرے، (مونچھیں ترشائے ناخن کٹائے۔ ناف کے نیچے کے بال لے، بغلوں کے بال دُور کرے۔ کپڑے دھوئے۔ سر دھوئے) پھر تیل یا خوشبو لگائے، اپنے گھر سے، پھر مسجد کو (جُمعہ کے لیے) جائے۔ پھر نہ دو آدمیوں کو پھاڑے (یعنی جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے) اپنے مقدر کی نماز پڑھے (سنتیں چار یا دو) پھر دوران خطبہ میں خاموش رہے تو بخشے جاتے ہیں اس کے گناہ گذشتہ جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک۔

(بخاری شریف)

۵۷۳۔ کعب بن عجرہ سے روایت ہے۔ کہ وہ مسجد میں داخل ہُوئے اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم خطبہ پڑھ رہا تھا۔ بیٹھے ہُوئے کہا، حضرت کعب نے "اُنْظُرُوا اِلٰی هٰذَا الْخَبِیْثِ یَخْطُبُ قَاعِدًا" دیکھو اس خبیث کی طرف خطبہ پڑھتا ہے۔ بیٹھے ہُوئے۔ (مُسلم)

مــلاحظــہ، بیٹھ کر خطبہ پڑھنا حرام ہے۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن کو جو بنی اُمیہ سے تھا۔ بیٹھے ہُوئے خطبہ پڑھتے پر خبیث کہا۔ کیونکہ جس چیز پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت کی ہو۔ اس کا خلاف کرنا خبث باطن کی علامت ہے۔

---

۵۷۲ ۔ یہ سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو بخاری (۸۸۳، ۹۱۰) دارمی (۱/۳۶۲) احمد (۵/۴۳۸، ۴۴۰) طیالسی (۱/۱۴۲) بیہقی (۳/۲۴۲) اور بغوی (۱۰۵۸) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ نسائی (۳/۱۰۴) میں ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے دیکھیں "فتح الباری" (۲/۳۷۱)

مسند احمد (۵/۴۲۰۔۴۲۱) میں حدیث ابو ایوب رضی اللہ عنہ اس پر شاہد بھی ہے۔

مُسلم (۶/۱۴۶) میں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جو شخص غسل کر کے جُمعہ کے لیے آتا ہے اور خُطبہ شروع ہونے تک جس قدر ہو سکے نوافل وغیرہ ادا کرتا ہے اور خُطبہ شروع ہونے پر اسے غور سے سنتا ہے تو اس کے گذشتہ جمعہ اور اس جمعہ تک اور مزید تین دن کے بھی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ: حدیث سلمان رضی اللہ عنہ میں نظافت اور پاکی حاصل کرنے کا جو عموم ہے اس میں ناخن اور بالوں وغیرہ کی صفائی بھی داخل ہے۔ اس بارے میں بعض صریح روایات بھی ہیں مگر وہ صحیح نہیں ہیں، ان روایات کی تفصیل کے لیے درج ذیل کتب دیکھو۔

زوائد بزار (۲۲۳) مجروحین ابن حبان (۲/۱۵۵) اوسط طبرانی (۸۴۰) کامل ابن عدی (۱/۲۵۹۔۲۶۰) اخلاق ابو الشیخ (۲۱۶۔۲۱۷) اور شعب بیہقی (۶۱/۲/۶۲)

۵۷۳ ۔ اس کو مسلم (۱۵۲/۶) نسائی نے "سنن" (۱۰۲/۳) اور "جمعہ" (۵۵) میں ابن ابی شیبہ (۱/۴۴۸) ، ماما لتاج (؟) اور بیہقی (۳/۱۹۶ - ۱۹۷) نے روایت کیا ہے۔

۵۷۴۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت کی سردی میں جمعہ کی نماز سویرے پڑھتے تھے۔ اور شدت کی گرمی میں دیر سے پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف)

۵۷۵۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرماتے تو حضورؐ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں آواز بلند ہوتی۔ اور غصّہ سخت ہو جاتا تھا۔ (لوگوں کے تغافل پر)۔ (مُسلم)

۵۷۶۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص نمازِ جمعہ کی ایک رکعت پائے تو اس کو دوسری رکعت اس کے ساتھ ملا لینی چاہیئے (اس کا جمعہ ہو گیا) اور جس کو دونوں رکعتیں نہ ملیں۔ (اس کا جمعہ نہ ہُوا) تو اس کو چار رکعت نمازِ ظہر کی پڑھنی چاہئیں۔ (دار قطنی)

۵۷۷۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو سنتیں پڑھتے تھے گھر جا کر۔[1] (بخاری و مسلم)

---

[1] سُنتوں اور نفلوں کا گھر پڑھنا افضل ہے اور مسجد میں جائز۔ منہ

۵۷۴۔ بخاری (۹۰۶) ابن خزیمہ (۱۸۴۲) اور بیہقی (۱۹۱/۳) نے روایت کیا ہے۔

۵۷۵۔ یہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کو مسلم، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی تفصیلی تخریج کے لیے میرا رسالہ خطبۂ حاجت دیکھا جائے۔

۵۷۶۔ اس کو دار قطنی (۱۲-۱۰/۲) اور بیہقی (۲۰۴/۳) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اگر وہ لوگوں کو تشہد میں بیٹھے پائے تو چار رکعت ادا کرے۔ مگر اس سیاق سے یہ حدیث ضعیف ہے اور درج ذیل سیاق سے صحیح ہے۔

"من أدرك ركعة من يوم الجمعة فقد أدركها، وليضف إليها أخرى"

"جو شخص جمعہ کی رکعت پالے تو اس نے اسے پا لیا اور اس کے ساتھ وہ دوسری رکعت ادا کرے۔"

اس سیاق سے اس کو دار قطنی (۱۲/۲) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے تفصیل کے لئے ارواء الغلیل (۲۲۲/۸۸/۳) دیکھیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "اکثر صحابہ اور اکثر علماء کا قول ہے کہ جو شخص جمعہ ایک رکعت پالے تو وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے اور جو لوگوں کو تشہد کی حالت میں پائے تو چار رکعت پڑھے۔ سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے" ترمذی (۴۰۳/۲)

۵۷۷ اس کو بخاری (۹۳۷) مسلم (۱۶۹/۲) ابو داؤد (۱۲۵۲) ترمذی (۵۲۲) نسائی نے "سنن" (۱۱۹/۲، ۱۱۳/۲) "الاجمعہ" ——←

۵۷۸ ۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بعد چار سنتیں پڑھنے کو بھی فرمایا۔ پس چاہے کوئی دو پڑھے۔ چاہے چار۔

← (۸۵-۸۸) میں ابن ماجہ (۱۱۳۰) دارمی (۱/۳۶۹) مالک (۱/۱۶۶) عبدالرزاق (۳/۲۴۷) احمد (۲/۶، ۱۱، ۱۷، ۳۵، ۷۵، ۷۷) عبد بن حمید نے "منتخب من المسند" (۲/۷۰، ۸۱)، میں ابو یعلیٰ نے "مسند" (۵۴۳۵) اور "معجم" (۵۱) میں طحاوی (۱/۳۳۶-۳۳۷) ابن خزیمہ (۱۸۷۰) اور بیہقی (۳/۲۴۰) نے روایت کیا ہے۔

مسند احمد (۲/۶) اور مسند ابو یعلیٰ (۷۰۳۹) میں ابن عمر نے یہ حدیث حفصہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے بھی روایت کی ہے۔ "معجم ابو یعلیٰ" (۵۲) میں یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

۵۷۸ ۔ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کو مسلم (۶/۱۶۸-۱۶۹) ابو داؤد (۱۱۳۱) ترمذی (۵۲۳) نسائی نے "سنن" (۳/۱۱۳) اور "جمعہ" (۸۴) میں ابن ماجہ (۱۱۳۲) دارمی (۱/۳۷۰) طیالسی (۱/۱۴۵) عبدالرزاق (۳/۲۴۸) احمد (۲/۲۴۹، ۴۴۲، ۴۹۹) ابن خزیمہ (۱۸۷۳-۱۸۷۴) طحاوی (۱/۳۳۶) ابن حبان (۶/۲۲۸-۲۳۱) بیہقی (۳/۲۳۹-۲۴۰) خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۴/۲۰۶-۲۰۷) میں اور ابن نجار نے "ذیل تاریخ بغداد" (۱۵/۲۹۴) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے بعد تم چار رکعت پڑھو، ان الفاظ سے بظاہر ان چار رکعتوں کا پڑھنا واجب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہے وہ چار رکعت پڑھے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان چار رکعتوں کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کو چاہیئے تھا کہ وہ پہلے، اس حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے اور فرماتے کہ جمعہ کے بعد چار سنت پڑھی جائیں اور اس کے بعد حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ذکر کرکے، یہ کہہ دیتے کہ اگر کوئی دو رکعت بھی پڑھے تو جائز ہوگا۔

انہیں ایسا اس لیے کرنا چاہیئے تھا کہ حدیث ابو ہریرہ قولی حدیث ہے۔ جب کہ حدیث ابن عمر حدیث فعلی ہے اور قولی حدیث، فعلی حدیث پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

امام اسحاق بن رہویہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر مسجد میں سنت ادا کرے تو چار رکعت لیکن اگر گھر میں جاکر ادا کرنے تو دو رکعت پڑھے۔ اس پر ان کی دلیل مذکورہ دونوں حدیثیں ہیں۔ ملاحظہ ہو "ترمذی" (۲/۴۰۱)

مگر ان کا یہ استدلال واضح نہیں، بلکہ حدیث ابو ہریرہ کے ایک راوی سہیل بن ابی صالح کا کہنا ہے کہ اگر کسی کام کی وجہ سے جلدی ہو تو دو رکعت مسجد میں ادا کی جائیں اور بقیہ دو رکعت گھر واپس لوٹنے پر پڑھی جائیں۔ ان کا یہ قول مسلم، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ میں ہے۔

تنبیہ: سہیل بن ابی صالح کے اس قول کو ایک راوی نے متن حدیث میں ذکر کر دیا ہے۔ جس کی بناء پر حافظ ہیثمی اس کو متن حدیث میں تصور کرتے ہوئے اس حدیث کو "موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان" (۵۸۰) میں لائے ہیں اور اس میں انہیں وہم ←

ہوا ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حبان نے اس ٹکڑے کے بارے میں دو باب قائم کرکے یہ صراحت کی ہے کہ یہ اضافہ متن حدیث میں مدرج ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو" الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان" (۲۲۳/۴-۲۲۴)

امام اسحاق نے جو تفریق کی ہے۔ یہی تفریق شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی کی ہے اور علامہ ابن قیم نے ان کی تائید کی ہے چنانچہ اس کے لیے انہوں نے (۵۷۷) میں مذکور حدیث ابن عمر ذکر کی ہے اور اسی طرح ابوداؤد کے حوالے سے ابن عمر کا ان الفاظ سے یہ فعل بھی ذکر کیا ہے: " انہ کان اذا صلی فی المسجد صلی أربعًا و اذا صلی فی بیتہ صلی رکعتین"۔

" وہ جب مسجد میں سنت ادا کرتے تو چار رکعت پڑھتے اور جب گھر میں پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے "۔

ملاحظہ ہو" زاد المعاد" (۴۴۰/۱) ایضاً "سبل السلام" (۴۷/۲)

" زاد المعاد" کے محققین نے ابن عمر کے اس اثر کی تخریج یوں کی ہے۔

" رواہ ابوداؤد (۱۱۳۰) فی" الصلاۃ " باب " الصلاۃ بعد الجمعۃ" واسنادہ قوی"۔

جبکہ اس نمبر میں بلکہ پورے باب میں ہی ان الفاظ سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ اثر نہیں ہے بلکہ اس طرح سے دیگر کتب میں بھی نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ اثر ان الفاظ سے ثابت بھی ہو تب بھی اس سے حجت نہیں لی جاسکتی۔ کیونکہ یہ ان کا اپنا فعل ہے۔ رہی ان کی مرفوع حدیث تو اس میں رسول اللہ علیہ وسلم کا فعل مذکور ہے جو آپ کے قول کے معارض یا مخالف نہیں کہ جمع کی ضرورت پیش آئے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا مطلقاً حکم دیا ہے۔ جس میں گھر کی قید نہیں ہے، رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر میں دو رکعت پڑھنا جیسا کہ حدیث ابن عمر میں ہے تو یہ چار رکعت کی مشروعیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ اصول فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل میں کوئی تعارض نہیں ہوتا۔" نیل الأوطار" (۲۸۱/۳)

حاصل کلام یہ ہے کہ جمعہ کے بعد افضل یہ ہے کہ سنت چار رکعت پڑھی جائیں۔ مسجد میں پڑھی جائیں یا گھر میں بلکہ صحیح حدیث" افضل صلاۃ المرء فی بیتہ إلا المکتوبۃ"۔ کے پیش نظر ان سنتوں کا گھر میں پڑھنا افضل ہے ملاحظہ ہو۔" نیل الأوطار" (۲۸۱/۳) اور اس حدیث کی تخریج کے لیے اس کتاب کی حدیث (۵۵۳) دیکھیں۔

علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت پڑھی جائیں۔ مگر اس کے بارے میں کوئی مرفوع روایت نہیں ہے۔

ابوداؤد (۱۱۳۰) اور بیہقی (۲۴۰/۳-۴۱) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ وہ جب مکہ میں تھے تو جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے اور پھر چار رکعت اور جب مدینہ میں تھے تو جمعہ کے بعد گھر چلے آتے اور وہاں دو رکعت پڑھتے اور مسجد میں کچھ نہ پڑھتے ←

دورانِ خطبہ میں دو رکعت پڑھو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص (سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ) مسجد میں آئے اور دو رکعت (سنت) پڑھے بغیر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کیا تم نے دو رکعت پڑھی ہیں؟ اس نے عرض کی۔ نہیں حضور! آپ نے حکم دیا کھڑے ہو جاؤ۔ اور دو رکعت پڑھ کر بیٹھو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ساری امت کے لیے) حکم دے دیا۔

۵۷۹ ۔ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَتَجَوَّزُ فِيهِمَا۔

جب کوئی تم میں سے ایسے وقت (جمعہ کو) مسجد میں آئے۔ کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو۔ تو اسے (بجائے چار رکعت کے) دو رکعتیں ہلکی پڑھ لینی چاہئیں۔ (ابوداؤد۔ مسلم۔ ابن ماجہ)

← اس بارے میں۔ جب ان سے دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے جو یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے تو اس سے ان کی مراد صرف یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد گھر میں جا کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ اس سے پہلے ان کے بارے میں مکہ میں دو اور پھر چار رکعت پڑھنے کا جو ذکر ہوا ہے۔ اسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل قرار نہیں دیا۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت نہیں کہ آپ مکہ میں بھی نماز جمعہ ادا کرتے تھے اور آپ جب مکہ میں تھے تو اس وقت ابن عمرؓ کم سن تھے۔ یہ جواب حافظ عراقی کا ہے۔ اس کا بقیہ بھی ہے جسے "طرح التثریب" (۳/ ۳۹، ۴۰) اور "نیل الاوطار" (۳/ ۲۸۱) میں دیکھا جائے۔

قلت:۔ حافظ عراقی نے جو کہا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں نافع کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز کی سنن کے بارے میں جو مفصل حدیث مروی ہے۔ اس میں جمعہ کے بعد صرف دو رکعت کا ذکر ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج ابھی (۵۷۷) میں گزری ہے اور اس کی نص کے لیے اس کتاب کی حدیث (۵۱۲) ملاحظہ کریں۔

جمعہ کے بعد چھ رکعت کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث تو نہیں۔ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ابن عمر اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں۔ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بہترین طریقہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ ان آثار کو درج ذیل کتب میں دیکھیں۔

ترمذی (۲/ ۴۰۱۔ ۴۰۲) مصنف عبدالرزاق (۳/ ۲۴۷) مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۶۴) اور شرح معانی (۱/ ۳۳۵، ۳۳۶)

۵۷۹ ۔ اس کو مسلم (۶/ ۱۶۴) ابوداؤد (۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷) ابن ماجہ (۱۱۱۴) عبدالرزاق (۳/ ۲۴۴) ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۱۰) احمد (۳/ ۲۹۷، ۳۱۶۔ ۳۱۷، ۳۸۹) ابویعلی (۲۱۸۶، ۲۲۷۶) ابن خزیمہ (۱۸۳۵) ابن حبان (۶/ ۲۴۷۔ ۲۴۸) طبرانی (۷/ ۱۹۲، ۱۹۳) دارقطنی (۲/ ۱۳۔ ۱۴) اور ←

یاد رکھیں! ہمیشہ جمعہ کے دن مسجد میں سویرے آیا کریں اور چار رکعتیں پڑھ کر اللہ کو یاد کیا کریں اوراد و وظائف میں مشغول ہو جایا کریں۔ پھر جب امام خطبہ شروع کر دے تو ہمہ تن گوش ہو کر سنا کریں۔ اور اگر آپ دورانِ خطبہ پہنچیں۔ تو دو رکعت مختصر قراءت کے ساتھ ضرور پڑھ کر بیٹھیں۔ اگر کوئی کہے۔ کہ خطبہ میں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ تو اس کو جواب دیں۔ کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ۔ دو رکعت پڑھ کر بیٹھو۔

← بیہقی (۱۹۲/۳) نے ابوسفیان کی سند سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

اس حدیث کی جابر رضی اللہ عنہ سے پانچ یا چھ مزید سندیں بھی ہیں۔ ان مختلف سندوں سے اس کو بخاری (۹۳۰-۹۳۱-۱۱۶۶) مسلم، ابوداود، ترمذی (۵۱۰) نسائی نے "سنن" (۱۰۱/۳، ۱۰۳، ۱۰۷) اور "جمعہ" (۵۱-۵۳-۶۲) میں ابن ماجہ، عبدالرزاق، عبد بن حمید (۱۰۴۸) ابویعلی (۱۸۳۰، ۱۹۶۹، ۲۰۰۰، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹) ابن خزیمہ، ابنِ حبان (۲۵۰/۶) طبرانی ابن عدی (۲۴۰/۲) ابوالشیخ نے "طبقات" (۴/ ۲۲۷) میں دارقطنی (۱۴/۲-۱۵، ۱۶) ابنِ حزم (۶۸/۵) بیہقی (۱۹۳/۳-۱۹۴) ابن بشکوال نے "غوامض الاسماء (۶۲/۱-۶۴) میں اور ابن نجار نے "ذیل تاریخ بغداد (۲۸۲/۱۵) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں جس آدمی کا قصہ ذکر ہوا ہے اس کا نام سلیک ہے اور یہ قصہ ان سے بذاتِ خود بھی مروی ہے ان سے اس کو طحاوی (۱/ ۳۶۵) طبرانی نے "کبیر" (۱۹۶/۷) اور "اوسط" (۸۵/۱) میں اور ابن عدی (۱۳۰۴/۳) نے روایت کیا ہے مگر یہ ان سے صحیح ثابت نہیں۔ جیسا کہ ابن عدی نے کہا ہے۔

یہی واقعہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

حدیث ابوہریرہ کو ابوداود (۱۱۱۶) ابن ماجہ (۱۱۱۴) ابویعلی (۱۹۴۶) ابن حبان (۲۶۴/۶) طبرانی (۱۹۲/۷) اور ابن حزم (۶۸/۵) نے روایت کیا ہے۔ اس کو ابنِ حبان نے صحیح کہا ہے۔

حدیث ابوسعید کو احمد (۲۵/۳) ترمذی (۵۱۱) نسائی (۱۰۶/۳-۱۰۷) ابن ماجہ، حمیدی (۷۴۱) ابویعلی (۹۹۴) ابن خزیمہ (۱۸۳۰) طحاوی (۳۶۶/۱) ابن حبان (۲۴۹/۶، ۲۵۰-۲۵۱) ابن حزم (۶۹/۵) اور بیہقی (۱۹۴/۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ ترمذی ابن خزیمہ اور ابن حبان (۲۴۹/۶، ۲۵۰-۲۵۱) ابنِ حزم (۶۹/۵) اور بیہقی (۱۹۴/۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجے کی ہے ترمذی، ابن خزیمہ اور ابنِ حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بحالت خطبہ بھی آئے تو اسے دو رکعت پڑھے بغیر نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ جبکہ علماء کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ اسے یہ رکعتیں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ مگر ان کا یہ قول ان احادیث کے منافی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے موقف کی تائید میں ادھر اُدھر کے دلائل پیش کیے ہیں۔ ان دلائل کی تفصیل اور ان کے رد کے لیے درج ذیل کتب دیکھیں۔

محلی ابنِ حزم (۶۸/۵-۷۲) شرح مسلم (۱۶۴/۶-۱۶۵) فتح الباری (۳۰۸/۲-۳۱۴) اور نیل الاوطار (۲۵۶/۳-۲۵۸) ←

مسئلہ: مؤلف نے مذکورہ حدیث کے بعد فرمایا ہے کہ "ہمیشہ جمعہ کے دن مسجد میں سویرے آیا کریں اور چار سنتیں پڑھ کر اللہ کو یاد کیا کریں۔

مگر واضح رہے کہ جمعہ کی سنت کے نام سے جمعہ سے پہلے کوئی نماز نہیں ہے۔ اگر مطلق طور پر کوئی شخص نوافل وغیرہ پڑھنا چاہے تو یہ جائز ہے بلکہ اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسا کہ نمبر (۵۷۲) میں مذکور حدیث سلمان رضی اللہ عنہ میں ہے۔

رہا جمعہ سے پہلے ظہر کی طرح جمعہ کی چار سنتوں کا مسئلہ تو اس کے بارے میں کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی جمعہ کی ایک ہی اذان تھی اور اس اذان کے فوراً بعد خطبہ شروع ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ سے پہلے کوئی سنتیں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو "الباعث علی انکار البدع والحوادث" (۹۳) اور "زاد المعاد" (۱/۴۲۱-۴۲۲)۔

جمعہ سے قبل سنت کے بارے میں بعض روایات ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ وہ روایات یہ ہیں۔

۱۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل اور بعد چار رکعت پڑھتے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۱۲۹) اور طبرانی (۱۲/۱۲۹) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ انتہائی ضعیف ہے۔ بلکہ یہ باطل ہے۔ جیسا کہ نووی نے "خلاصہ" میں کہا ہے۔ اس کو نووی نے "مجموع" (۴/۱۰) میں ابن قیم نے "زاد المعاد" (۱/۴۳۸) میں زیلعی نے "نصب الرایہ" (۲/۱۰۶) میں اور حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۲/۴۲۶) اور "تلخیص" (۲/۱۴) میں سخت ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی مبشر بن عبید ہے جو متہم ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس میں دو تین علتیں ہیں، جن کی تفصیل مذکورہ کتب میں دیکھی جائے۔

یہ حدیث بعینہ اسی سند سے "کامل ابن عدی" (۶/۲۴۱۲) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بجائے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۲۔ حدیث علی رضی اللہ عنہ۔

یہ حدیث بھی حدیث ابن عباس ہی کی طرح ہے اس کو طبرانی نے "اوسط" (۱۶۴۰) میں اور اثرم نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ بھی سخت ضعیف ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اثرم سے نقل کیا ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حدیث علی کی طرح طبرانی میں یہ حدیث، ابن مسعود سے بھی مروی ہے اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے۔ عبدالرزاق نے اس کو ابن مسعود سے موقوفاً روایت کیا ہے اور یہی درست ہے "فتح الباری"

مگر مجھے طبرانی میں بھی موقوف روایت ہی ملی ہے۔ مرفوع نہیں واللہ اعلم، دیکھیں "طبرانی کبیر" (۹/۳۵۹-۲۶۰) اور "مصنف عبدالرزاق" (۳/۲۴۷) ایضاً "شرح معانی" (۱/۳۳۵)

۳۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

یہ بھی مذکورہ حدیثوں کی طرح ہے۔ مگر اس میں چار رکعت کی بجائے دو دو رکعت کا ذکر ہے۔ اس کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۶/۳۶۵) میں روایت کیا ہے۔ مگر یہ حدیث اس سیاق سے باطل ہے۔ اس کی سند یوں ہے۔ ←

← الحسن بن قتيبة حدثنا سفيان عن سهيل بن ابی صالح عن ابيه عن ابی هريرة رضی الله عنه"

حسن بن قتیبہ سخت ضعیف ہے، علماء نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کی تفصیل حدیث (۱۳) میں گزر چکی ہے۔

ایک تو یہ سخت ضعیف ہے۔ نیز اس نے سفیان بن عیینہ کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کی ہے اور وہ یہ ہیں۔

" وکیع ۱۰ ابن ابی عمر، محمد بن یوسف، عبدالرزاق، عبدالجبار بن علاء، حسین بن حریث، سعید بن عبدالرحمٰن، یونس بن عبدالاعلیٰ، موسیٰ بن طارق ابوقرۃ اور یعلی بن عبید، یہ کل دس راوی ہیں۔ ان تمام نے اس حدیث کو سفیان سے یوں روایت کیا ہے۔

"جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہے وہ چار رکعت پڑھے"

ان طرق سے اس کو مسلم، ترمذی، دارمی، عبدالرزاق، طحاوی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

نیز اس حدیث کو سہیل بن ابی صالح سے سفیان کی طرح دیگر بہت سے راویوں نے بھی روایت کیا ہے، جن کی تعداد ایک درجن ہے ان میں سے بعض نے تو اس کو سفیان بن عیینہ کے سیاق سے ہی روایت کیا ہے۔ لیکن اکثر نے یوں روایت کیا ہے " جمعہ کے بعد تم چار رکعت پڑھو"

صحیح ابن خزیمہ میں سفیان کی ایک روایت کے بھی یہی الفاظ ہیں۔ اس حدیث کی مفصل تخریج حدیث (۵۰۸) میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا تفصیل وہاں دیکھی جائے۔ اس مقام پر جن کتب سے اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے۔

ان میں سہیل سے اس کو روایت کرنے والوں کی تعداد سفیان بن عیینہ سمیت تیرہ ہے۔ ان کے علاوہ سہیل سے اس کو حمید بن اسود حسن بن صالح اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ عمری نے بھی روایت کیا ہے۔ ان تینوں کی حدیث کے الفاظ بھی مذکورہ دونوں روایتوں کے مطابق ہیں ان کے طرق سے یہ حدیث درج ذیل کتب میں ہے۔

"کنی دولابی" (۱/۱۰۹) "حلیۃ الاولیاء" (۷/۳۳۴) اور "تاریخ بغداد" (۲/۱۳۸) اس تفصیل سے معلوم کہ حسن بن قتیبہ کی روایت باطل ہے۔

سہیل بن ابی صالح سے اس حدیث کی ایک روایت یوں بھی ہے۔

" جمعہ سے قبل اور بعد چار رکعت پڑھو"

سہیل سے اس طرح سے اس کو ابیض بن ابان نے روایت کیا ہے اس روایت میں جمعہ سے قبل چار رکعت کا اضافہ ہے، جو کہ باطل ہے کیونکہ سہیل کے دوسرے شاگردوں نے جن کی تعداد سولہ ہے۔ اس اضافہ کو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ابیض اس کو بیان کرنے میں متفرد ہے اور یہ قوی نہیں ہے جیسا کہ ابوحاتم نے کہا ہے۔ ابیض کی سند سے اس کو ابن سمان نے" الاول من الرابع من حديثه " (ق ۱۰۷/۲) میں اور ابوجعفر رزازی نے، "ستة المجالس من الأمالي" (ق ۲۲۲/۱) میں روایت کیا ہے، جیسا کہ " الأجوبة النافعة" للشيخ الألباني میں ہے۔ اس اضافے کے بارے میں مزید تفصیل مذکورہ رسالے (۳۶۔۳۷) میں دیکھی جائے۔

قلت: حسن بن قتیبہ اور ابیض بن ابان کی روایت کے بطلان پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ حدیث سہیل بن ابی صالح کے نسخے میں صرف اس قدر ہے " إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا ۔ جب تم جمعہ ادا کرو تو اس کے بعد چار رکعت پڑھو۔ ←

گردنیں نہ پھلانگو

۵۸۰۔حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ

← اس میں جمعہ سے قبل دو یا چار رکعت کا اضافہ نہیں ہے۔ملاحظہ ہو۔" نسخة سهيل بن ابی صالح " حديث (۲۸) ضمن کتاب "دراسات فی الحديث النبوی" للدكتور محمد مصطفیٰ الأعظمی (۲/۴۹۶)

حدیث ابوہریرہ جس سیاق سے "تاریخ بغداد" میں ہے۔اسی سیاق سے حافظ صاحب نے "فتح الباری" میں اس کو بزار کی طرف منسوب کیا ہے۔مگر انہوں نے جمعہ کے بعد دو رکعت کی بجائے چار رکعت کا ذکر کیا ہے۔لیکن مجھے یہ حدیث "زوائد بزار" میں ملی اور نہ ہی "مجمع الزوائد" میں واللہ اعلم۔

۴۔ متن میں جو حدیث مذکور ہے اس کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنے والے شخص سے یہ فرمایا:

"أصليت ركعتين قبل أن تجيئ" تم نے آنے سے قبل دو رکعت پڑھی ہیں؟

یہ روایت "سنن ابن ماجہ" (۱۱۱۴) اور "مسند ابو یعلی" (۱۹۴۶) میں ہے۔اس روایت سے مجد بن تیمیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ دو رکعت جمعہ کی سنت ہیں۔ تحیۃ المسجد نہیں دیکھیں "زاد المعاد" (۱/۴۳۴) اور "نیل الأوطار" (۳/۲۵۸)۔

مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کو غلط کہا ہے اور حافظ مزی نے کہا ہے کہ یہ بعض رواۃ کی تصحیف ہے اور اصل روایت یوں تھی "أصليت قبل أن تجلس" تم نے بیٹھنے سے قبل (دو رکعت) پڑھی ہیں مگر ناسخ سے اس میں غلطی ہو گئی۔ . . . ملاحظہ ہو "زاد المعاد" (۱/۴۳۵)۔

حافظ مزی نے اس کو ناسخ کی غلطی قرار دیا ہے اور شیخ الاسلام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابن ماجہ کے تفردات میں سے ہے۔مگر یہ دونوں ہی باتیں درست معلوم نہیں ہوتیں اس لیے کہ یہ الفاظ تو "مسند ابو یعلی" میں بھی ہیں۔لہذا درست یہ ہے کہ یہ کسی راوی کی تصحیف ہے جیسا کہ مزی نے پہلے کہا ہے۔

ممکن ہے کہ ابو یعلی میں بھی کسی ناسخ ہی سے غلطی ہو گئی ہو۔کیونکہ جس سند سے یہ حدیث مذکورہ دونوں کتب میں ہے۔بعینہ اس سند سے یہ ابن حبان میں بھی ہے لیکن اس میں مذکورہ الفاظ نہیں ہیں اسی طرح یہ حدیث ابوداؤد (۱۱۱۶) طبرانی (۷/۱۹۲) اور "محلیٰ" (۵/۶۸) میں بھی ہے ان میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں۔

جمعہ سے قبل جمعہ کے نام کی کوئی سنت نہیں ہے اس مسئلے کی تفصیل کے لیے درج ذیل کتب دیکھی جائیں۔

"الباعث علی انکار البدع والحوادث لابی شامہ (۹۲-۹۸) الفتاوی الکبری' لابن تیمیہ (۱/۹۱-۹۴) زاد المعاد لابن القیم (۱/۴۳۲-۴۳۴) اور الاجوبة النافعة للالبانی (۲۴-۴۰)

۵۸۰ـــ صحیح ہے۔ ←

ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوُا آنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا اِجْلِسْ فَقَدْ آذَیْتَ وَ آنَیْتَ۔ بیٹھ جاؤ تم نے (لوگوں کو) ایذا دی۔ اور دیر لگائی۔ (رواہ احمد)

اس سے معلوم ہوُا کہ جمعہ میں آنے والوں کو چاہیئے۔ کہ انہیں جہاں جگہ ملے، وہیں بیٹھ جائیں۔ آگے بیٹھنا ہو۔ تو سویرے آئیں اور اگر دیر کر کے آئیں۔ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے نہ بڑھیں۔

جمعہ میں اوّل آنے والوں کا ثواب

۵۸۱ ـ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہوُئے کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر (ثواب لکھنے کو) ٹھیرتے ہیں فرشتے۔ لکھتے ہیں اوّل آنے والے کو، پھر اس کے بعد اوّل آنے والے کو (اسی طرح لکھتے جاتے ہیں نمبروار)۔ پھر جو شخص نمازِ جمعہ کے لیے اوّل وقت مسجد میں جاتا ہے۔ اس کو اس کو اتنا ثواب ملتا ہے۔ جتنا مکہ میں اونٹ قربانی کے لیے بھیجنے والے کو ثواب ملتا ہے، اس کے بعد آنے والے کو مرغی۔ پھر آنے والے کو انڈا صدقہ کرنے والے کی مانند۔ پھر جب امام خطبہ دینے کے لیے نکلتا ہے۔ تو فرشتے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سُننے لگ جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

؎ اس کو احمد (۴/۱۸۸، ۱۹۰) ابوداؤد (۱۱۱۸) نسائی نے "سُنن" (۳/۱۰۳) اور "جمعہ" (۶۸) میں ابن جارُود (۲۹۴) ابن خزیمہ (۱۸۱۱) طحاوی ۱/۳۶۶) ابن حبان (۵۷۲) حاکم (۱/۲۸۸) بیہقی (۳/۲۲۱) اور خطیب نے "موضح" (۲/۲۲۳) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند جیّد ہے اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ جب کہ ابن حزم نے "محلی" (۵/۸۰) میں اس کو ضعیف کہا ہے مگر ان کا اس کو ضعیف کہنا درست نہیں دیکھیں "تلخیص" (۲/۷۱)۔

ابن ماجہ (۱۱۱۵) میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ اس کی سند اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز دوسرے راویوں نے اس کو حسن بصری سے موصولاً کی بجائے مرسلاً روایت کیا ہے۔ دیکھیں مصنف عبدالرزاق (۳/۲۴۰) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۴۶۳)۔

گردنیں پھلانگنے کی ممانعت کے بارے میں دوسری روایات بھی ہیں جن کی تفصیل "نیل الاوطار" (۳/۲۵۲-۲۵۳) میں دیکھیں۔ مگر سب سے قوی حدیث، حدیث عبداللہ بن بسر ہی ہے۔ جیسا کہ "فتح الباری" (۲/۳۹۲) میں ہے۔

۵۸۱ اس کو بخاری (۹۲۹) مسلم (۶/۱۴۵) نسائی نے "سنن" (۳/۹۷-۹۸) اور "جمعہ" (۴۲-۴۸) میں ابن ماجہ (۱۰۹۲) دارمی (۱/۳۶۳) اور ابن خزیمہ (۱۷۶۹-۱۷۷۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں اونٹ کے بعد گائے کا ذکر بھی ہے۔

مسند احمد (۳/۸۱) میں حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ میں مرغی کے بعد چڑیا کا ذکر بھی ہے اس حدیث کی سند حسن درجے کی ہے۔

خطبہ میں خاموش بیٹھیں

۵۸۲ حضرت ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جمعہ کے دن خطبہ میں جب تو کہے اپنے پاس بیٹھنے والے کو (ازراہِ نصیحت) چپ رہو۔ "فَقَدْ لَغَوْتَ" پس تحقیق تو نے بھی لغو کیا۔ اس سے ثابت ہُوا۔ کہ دورانِ خطبہ کسی قسم کی بات کرنی بھی جائز نہیں ہے۔ بڑی خاموشی سے خطبہ سُننا چاہیئے۔

احتیاطی بدعت ہے

رسُولِ خدا کی ذات پاک اور آپ کے بے شمار صحابہؓ سے جمعہ کے بعد نمازِ ظہر کا پڑھنا کہیں ثابت نہیں۔ ہم حیران ہیں کہ جمعہ کے بعد ظہر کے فرض (احتیاطی)، پڑھنے والے، اور احتیاطی پڑھنے کا حکم دینے والے خدا کو کیا جواب دیں گے۔ کیا معاذ اللہ رسُولِ خدا جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا لوگوں کو بتانا بھول گئے تھے۔ جو بعد کے لوگوں نے ایجادِ ظہر سے تکمیل دین کی ہے۔ احتیاطی پڑھنے والا خدا سے ڈرو۔ اور رسُول اللہ سے آگے نہ بڑھو۔ نبی اکرمؐ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرو۔ [1]

---

[1] مولانا شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ یہ عجائب میں سے ہے کہ اکثر لوگ جنہیں شیطان نے وساوس میں ڈال رکھا ہے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد احتیاطاً ظہر بھی ادا کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ اگر بستیوں میں جمعہ نہ بھی ہُوا تو ظہر اس کے قائم مقام ہو جائے گی اور یہ احتیاطی بدعت ہے اور اس کا فاعل بلا شبہ گناہگار ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی تابعین اور اتباع تابعین سے اس کا کرنا منقول ہے۔ آئمہ اربعہ اور دیگر ائمہ ہدیٰ نے بھی اس کے پڑھنے کا نہیں کہا، بلکہ اسے بعض علیحدگی پسند مولویوں نے ایجاد کیا ہے فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم۔

(سورۃ النور آیت نمبر ۶۳) التعليق المغني على سنن الدارقطني (۲/۱۰)

---

۵۸۲ اس کو بخاری (۹۳۴) مسلم (۶/۱۴۷) ابو داؤد (۱۱۱۲) ترمذی (۵۱۲) نسائی نے "سنن" (۳/۱۰۳-۱۰۴) اور "جمعہ" (۶۹-۷۱) میں ابن ماجہ (۱۱۱۰) احمد (۲/۲۴۴، ۲۷۲، ۲۸۰، ۳۹۳، ۳۹۶، ۴۷۴، ۴۸۵، ۵۱۸، ۵۳۲) ابن جارود (۲۹۹) اور ابن خزیمہ (۱۸۰۴-۱۸۰۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مجد ابن تیمیہ نے "منتقی" (۳/۲۷۱)۔ شرح النیل، میں اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ ابنِ ماجہ کے علاوہ اس کو جماعت نے (جماعت سے ان کی مراد اصولِ ستہ معروف صحاح ستہ اور مسند احمد ہوتی ہے)، روایت کیا ہے۔ مگر یہ استثناء درست نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ جیسا کہ تخریج میں ذکر ہُوا۔

پہلے تو مولوی لوگ یہ کہتے تھے۔ کہ انگریزوں کی کافر حکومت میں جمعہ فرض نہیں۔ اس لیے احتیاطاً ظہر پڑھتے ہیں۔ ہم حیران تھے۔ کہ انگریزی راج میں نمازوں اور روزوں، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت تو قائم رہی۔ اور جمعہ کیوں نہ فرض رہا؟ پھر اگر جمعہ انگریزی راج میں فرض نہیں تھا۔ تو مسجدوں میں جمعے پڑھائے کیوں جاتے تھے؟ پھر اگر جمعہ فرض نہیں تھا۔ تو ظہر کی نماز جو یقیناً فرض تھی۔ اس کی جماعت کیوں نہ کرائی جاتی تھی؟ اور ستم بالائے ستم یہ ہے۔ کہ اب انگریز بیت چکا ہے۔ مسلمانوں کی ایک آزاد حکومت پاکستان کے نام سے قائم ہو چکی ہے۔ کیا اب بھی جمعہ فرض نہیں ہوا؟ اب تو خدارا احتیاطی کی بدعت سے باز آؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پاک کے مطابق جمعہ کے بعد دو (یا چار) سنتیں پڑھنا اپنا معمول بنالو۔

سفر میں نماز قصر کرنے کا بیان

سفر میں ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعت کو دو دو پڑھنا قصر (کم کرنا) کہلاتا ہے۔ فجر اور مغرب میں قصر نہیں ہے۔ جو شخص بہ ارادہ سفر اپنے گھر سے چلے اور شہر کی آبادی سے نکل جائے تو وہ مسافر شرعی ہے۔ وہ اپنی نماز میں قصر کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

۵۸۳۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"حضور انور ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعتیں پڑھی۔ اور ذی الحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعتیں پڑھیں۔ (بخاری ومسلم)

ملاحظہ:۔ ذی الحلیفہ ایک مقام کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ حضور ﷺ مکہ کو سفر کے ارادے سے چلے تھے۔ کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ پس حضور ﷺ نے ذی الحلیفہ (گھر سے تین میل کے فاصلہ) پر عصر میں قصر کر لی۔ اس حدیث شریف کی رُو سے کم از کم مسافت قصر کے لیے تین میل ثابت ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء اور اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ سفر سے مطلق سفر مراد ہے، اور قصر کے لیے کوئی خاص مسافت مقرر نہیں۔ لیکن حدیث مذکور کی رو سے ہمیں کم از کم تین میل کی مسافت پر نماز میں قصر کرنی چاہیئے ایک حدیث مسلم میں ہے۔

؎ شارح ترمذی مولانا مبارک پوری نے "تحفۃ الاحوذی" (۱/۳۶۶) میں اور شیخ احمد شاکر نے "تحقیق ترمذی" (۲/۴۰۷) میں مجد بن تیمیہ کا کلام جُوں کا تُوں نقل کر دیا ہے۔ اس پر کسی قسم کا تعاقب نہیں کیا۔

۵۸۳۔ اس کو بخاری (۱۰۸۹) مسلم (۵/۱۹۹-۲۰۰) ابو عوانہ (۲/۳۴۷) ابو داؤد (۱۲۰۲) ترمذی (۵۴۶) نسائی (۱/۲۳۵، ۲۳۷)

۵۸۴ - كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسنگ کی مسافت نکلتے تو نماز دو رکعت پڑھتے۔ (مسلم)

→ دارمی (۱/۳۵۴ - ۳۵۵) عبدالرزاق (۲/ ۵۲۹ ، ۵۲۹ - ۵۳۰) ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۰ - دارالتاج) احمد (۳/۱۱۱، ۱۱۱-۱۱۲) ابنِ حبان (۶/ ۴۵۲ - ۴۵۳، ۴۵۵) اور بیہقی (۳/ ۱۴۵-۱۴۶) نے روایت کیا ہے۔

۵۸۴- اس کو مسلم (۵/ ۲۰۰) ابوعوانہ (۲/ ۳۴۶) ابوداؤد (۱۲۰۱) ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۴۳) احمد (۳/ ۱۲۹) ابویعلی (۴۱۹۸) ابن حبان (۶/ ۴۵۳ - ۴۵۴) ابن حزم (۵/ ۸) اور بیہقی (۳/ ۱۴۶) نے یحییٰ بن یزید ہنائی کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ:۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مسافتِ قصر کے بارے میں صحیح ترین اور صریح ترین بھی یہی روایت ہے۔ جنہوں نے اس کی مخالفت کی ہے انہوں نے اسے ابتداءِ قصر کی مسافت پر محمول کیا ہے (یعنی جب آپ تین میل یا تین فراسخ کا سفر طے کر لیتے تو نمازِ قصر پڑھنا شروع کرتے) اور کہا ہے کہ اس سے مراد غایتِ سفر نہیں، اور اس تاویل کا بعید ہونا مخفی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیہقی میں (اسی طرح مسند احمد میں بھی) ہے کہ یحییٰ بن یزید نے کہا کہ میں نے نمازِ قصر کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور میں بصرہ سے کوفہ کا سفر کرتا اور دو دو رکعت ہی پڑھتا اس پر انہوں نے یہ حدیث بیان کی، اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن یزید نے انس رضی اللہ عنہ سے سفر میں نمازِ قصر کے متعلق سوال کیا تھا۔ نہ کہ اس مقام کے متعلق جہاں سے نمازِ قصر کی ابتداء ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نمازِ قصر کی ابتداء کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے کسی مسافت کی قید نہیں بلکہ شہر کی حدود تجاوز کر جانے سے ہی قصر شروع ہو جاتی ہے۔ فتح الباری (۲/ ۵۶۷)

اس حدیث میں تین میل یا تین فراسخ شک کے ساتھ ہے اور یہ شک شعبہ کی طرف سے ہے۔

مصنف عبدالرزاق (۲/ ۵۲۹) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۴۳) منتخب عبد بن حمید (۹۶۷) اور "کامل ابن عدی" (۵/ ۱۷۳۴) میں ابو ہارون عمارہ بن جوین کی سند سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک فرسخ (یعنی تین میل) کا سفر کرتے تو قصر کرتے"۔

یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس سے حدیثِ انس رضی اللہ عنہ میں جو تین میل والی روایت ہے۔ اس کی تعیین ہوتی ہے۔ دیکھیں۔ "نیل الأوطار" (۳/ ۲۰۷)۔

مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ عمارہ بن جوین متروک ہے بلکہ بعض نے اس کو کذاب کہا ہے جیسا کہ "تقریب" میں ہے "تلخیص" (۲/ ۴۷) میں حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو سنن سعید بن منصور کی طرف منسوب کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے ظن غالب ہے کہ اس کتاب میں بھی یہ حدیث مذکورہ سند سے ہی ہوگی لہذا حافظ صاحب کا اس پر سکوت درست نہیں، کیونکہ ان کے سکوت سے اس کی صحت کا مغالطہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں راوی حدیث نے پوری ایمانداری سے کام لیتے ہوئے تین میل یا تین فرسنگ کہا ہے۔ یعنی راوی کو شک ہے کہ حضور انورؐ تین میل کی مسافت پر قصر کرتے تھے۔ یا تین فرسنگ (نو میل) پر۔ پس مسافر کو اختیار ہے کہ وہ تین میل پر قصر کرے۔ کیونکہ اس سے پہلی حدیث میں حضورؐ نے مدینہ سے چل کر ذی الحلیفہ (تین میل) پر قصر فرمایا اور اگر مسافر چاہے۔ تو تین فرسنگ، یعنی نو میل پر قصر کرے[1]

سفر میں پوری نماز کا جواز

حدیث شریف میں اگرچہ قصر کو اللہ کا صدقہ[(1)] (احسان) کہا گیا ہے اور اس صدقۂ الٰہی کو قبول کرنے کا ارشاد ہوا ہے لیکن اگر کوئی سفر میں پوری نماز پڑھ لے، تو جائز ہے۔

۵۸۵۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ وَاَتَمَّ۔ (مشکوٰۃ)

رسول خدا نے یہ سب کیا (یعنی) کم رکعتیں بھی (سفر میں) پڑھیں اور پوری بھی پڑھیں "

نوٹ: لیکن سفر میں پوری نماز پڑھنے سے قصر افضل و اولیٰ ہے۔ حضور انورؐ اور تمام صحابہؓ کا اکثر عمل قصر ہی پر رہا ہے۔

---

(۱) ۵۸۶۔ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ۔ (رواہ مسلم)

حضورؐ نے فرمایا (قصر) احسان ہے۔ خدا نے قصر کے ساتھ تم پر احسان کیا ہے۔ پس قبول کرو صدقہ اس کا۔

---

[1] مؤلف رحمہ اللہ نے تین یا نو میل پر قصر کرنے میں اختیار ذکر کیا ہے، مگر احتیاط نو میل پر قصر کرنے میں ہے۔ کیونکہ راوی کو تین میل یا تین فراسخ (یعنی نو میل) میں شک ہے اور اس صورت میں زیادہ مسافت کو لینا ہی بہتر ہے اور وہ نو میل ہے۔

واضح رہے اس مسافت میں قصر محض احتیاط کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین میل یا تین فراسخ سے کم سفر کرتے تو اس میں قصر نہ کرتے اور نہ ہی شریعت میں مسافت قصر کی کوئی تحدید کی گئی ہے۔ بلکہ عرف میں اگر دو یا تین میل کی مسافت کو بھی سفر کہا جاتا ہو تو شرعاً اس میں بھی قصر جائز ہوگی۔ جن علماء نے اس مسافت کو محدود کیا ہے۔ انہوں نے اس بارے میں بعض اقوال صحابہ پر اعتماد کیا ہے اور بعض غیر صریح روایات سے حجت لی ہے۔

۵۸۵۔ ضعیف ہے۔

اس کو شافعی نے "مسند" (۲۵) میں ابن ابی شیبہ (۲/۴۵۲) دار قطنی (۲/۱۸۹) بیہقی (۳/۱۴۱-۱۴۲) اور بغوی (۳/۱۰۲۳) نے تین مختلف سندوں سے از عطاء از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے۔

— یہ حدیث اپنی مختلف سندوں کی بناء پر اسنادی اعتبار سے تو قوی ہے۔ بلکہ اس کی ایک سند کو دارقطنی نے صحیح کہا ہے۔ لیکن یہ اپنے متن کے اعتبار سے ضعیف بلکہ مردود ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں نماز قصر ہی پڑھی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ سفر میں رہا اور یہ سب دو رکعت ہی پڑھا کرتے تھے۔

یہ حدیث بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے۔ اس کی مفصل تخریج (۵۹۰) میں آ رہی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں لوگوں کو بھی دو رکعت ہی نماز پڑھائی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بھی سفر میں دو رکعت ہی پڑھی ہیں اور جس نے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر اور عشاء کی سفر میں چار رکعت پڑھی ہیں۔ اس نے غلطی کی ہے۔ اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں تحریف بھی ہوئی ہے اور حدیث کے اصل الفاظ یوں تھے۔ انہا قالت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم افطرت وصمت وقصرت واتممت فقال: اصبت یا عائشۃ" اس کے بعد ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے اور اس کے بطلان پر دلائل قائم ہونے کے باوجود بعض ائمہ نے یہ خیال کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں چیزیں (قصر اور اتمام) روایت کی ہیں "الفتاوی الکبری" (۱/۱۶۳)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو میں نے اسے باطل کہتے ہوئے سنا ہے۔ زاد المعاد (۱/۴۶۴)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ دارقطنی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور امام احمد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور اس کی صحت بعید ہے۔ کیونکہ عائشہ سفر میں پوری نماز پڑھا کرتی تھیں۔ عروہ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھی حضرت عثمان کی طرح تاویل کی تھی۔ جیسا کہ صحیح میں ہے اگر اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے پاس روایت ہوتی تو وہ قطعاً تاویل نہ کرتیں۔ تلخیص الحبیر (۲/۴۴)

جس حدیث کی طرف حافظ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے یہ بخاری (۱۰۹۰) مسلم (۵/۱۹۵) وغیرہ میں زہری عن عروہ کے طریق سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بایں الفاظ مروی ہے" الصلوٰۃ اول ما فرضت رکعتین فاقرت صلوٰۃ السفر واتمت صلوٰۃ الحضر قال الزہری فقلت لعروۃ ما بال عائشۃ تتم قال تاولت کما تاول عثمان"

فرماتی ہیں کہ ابتداء میں نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ بعد میں اسے سفر کی نماز رہنے دیا گیا اور حضر کی نماز کو پورا کر دیا گیا (یعنی تین اور چار رکعت کر دی گئی)، زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ کس لیے پوری نماز پڑھا کرتی تھیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے بھی عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کی تھی بیہقی میں عروہ سے روایت ہے کہ عائشہؓ سفر میں چار رکعت پڑھا کرتی تھیں۔ میرے —

قصر انیس[19] دن تک ہے

اگر کوئی مسافر کسی شہر میں متردد ٹھہرے۔ کہ آج جاؤں گا یا کل جاؤں گا۔ تو نماز قصر کرتا رہے۔ خواہ کئی مہینے لگ جائیں۔ اور اگر انیس دن تک ٹھہرنے کا قصد ہو۔ تو بھی نمازیں قصر ہی کرے، اور اگر انیس روز سے زائد ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔ تو پھر (انیس روز کے بعد) نماز پوری پڑھنی چاہیئے۔

۵۸۷۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّي فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَاِذَا اَقَمْنَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا اَرْبَعًا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کیا۔ پھر ٹھیرے آپ انیس دن نماز پڑھتے تھے۔ (قصر سے) دو دو رکعتیں۔ ابن عباسؓ نے کہا۔ کہ ہم اپنے اور مکہ کی درمیانی منزل میں (اقامت کے دوران میں) انیس دن دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ پس جب اس (انیس دن) سے زیادہ ٹھیرتے ہیں۔ تو پڑھتے ہیں چار رکعت۔" (بخاری شریف)

لہ ۵۸۸۔ امام محمد کتاب الاثار میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں کہ وہ آذر بائیجان میں چھ مہینے رہے کہ ارادہ آج کل چلنے کا کرتے تھے اور نماز مسافرانہ پڑھتے رہے اور صحابہؓ بھی ان کے ساتھ تھے اور حضرت انسؓ، عبدالملک بن مروان کے ہمراہ دو مہینے (بحیثیت متردد مسافر) شام میں رہے اور نماز دو دو رکعت پڑھتے رہے۔

← پوچھنے پر انہوں نے جواب دیا کہ میں چار رکعت پڑھنے میں مشقت محسوس نہیں کرتی ہوں اور اس کی سند صحیح ہے۔ جیسا کہ فتح الباری (۲/۱/۵۷۱) میں ہے۔

الحاصل سفر میں چار رکعت کا پڑھنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تو ثابت ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ پوری زندگی سفر میں آپ کا معمول دو رکعت ہی پڑھنا تھا۔ جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔

تنبیہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے متن میں مذکورہ روایت کے علاوہ ایک روایت یوں بھی آئی ہے " ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ جاتے ہوئے چار رکعت نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ واپس لوٹ کر آتے۔ اس کو ابن عدی (۳/۹۷۶) اور بیہقی (۳/۱۴۱) نے دلہم بن صالح کی سند سے از عطاء روایت کیا ہے اور یہ روایت دلہم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس کو ابن عدی اور بیہقی نے ضعیف کہا ہے۔ ←

۵۸۶- اس کو مسلم (۵/۱۹۶) ابوداؤد (۱۱۹۹ - ۱۲۰۰) ترمذی (۳۰۳۴) "تفسیر" نسائی (۳/۱۱۶ - ۱۱۷) ابن ماجہ (۱۰۶۵) دارمی (۱/۳۵۴) عبدالرزاق (۲/۵۱۷) ابن ابی شیبہ (۲/۲۰۳ - دار التاج) احمد (۱/۲۵، ۳۶) ابن خزیمہ (۹۴۵) ابن حبان (۶/۴۴۸ - ۴۵۰) اور بیہقی (۳/۱۳۴، ۱۴۱) نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

۵۸۷- اس کو بخاری (۱۰۸۰) ترمذی (۵۴۹) ابن ماجہ (۱۰۷۵) احمد (۱/۲۲۳) ابویعلی (۲۳۶۸) ابن خزیمہ (۹۵۵) طحاوی (۱/۴۱۶) اور بیہقی (۳/۱۴۹، ۱۵۰) نے عکرمہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اسی سند سے اس کو ابوداؤد (۱۲۳۰، ۱۲۳۲) ابن ماجہ (۱۰۷۶) عبدالرزاق (۲/۵۳۳) ابن ابی شیبہ (۲/۲۰۸ - دار التاج) احمد (۱/۳۰۳، ۳۱۵) عبد بن حمید (۵۸۲، ۵۸۵) ابن حبان (۶/۴۵۷) طبرانی (۱۱/۲۵۹، ۲۲۶) دارقطنی (۱/۳۸۷ - ۳۸۸) اور بیہقی (۳/۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱) نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں انیس دن کی بجائے سترہ دن کا ذکر ہے۔

تنبیہ: عبد بن حمید کی ایک روایت میں بیس دن کا ذکر ہے۔ لیکن یہ غالباً کسی ناسخ کی غلطی ہے اس لیے کہ عبد بن حمید نے اس کو عبدالرزاق سے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق کے یہاں سترہ دن کا ذکر ہے۔ بیس دن کا نہیں۔

اس حدیث کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی سند ہے اس سند سے اس کو ابوداؤد (۱۲۳۱) ابن ماجہ (۱۰۷۶) ابن ابی شیبہ (۲/۲۰۷) طحاوی (۱/۴۱۷) اور بیہقی (۳/۱۵۱) نے روایت کیا ہے اور اس سند میں پندرہ دن کا ذکر ہے۔ مگر یہ سند ابن اسحاق کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ مدلس ہیں اور اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی، ایک روایت میں انھوں نے تحدیث کی صراحت تو کی ہے۔ مگر وہ روایت مرسل ہے اس کو بیہقی نے بیان کیا ہے، اکثر راویوں نے اس حدیث کو ابن اسحاق سے مرسلاً ہی روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے اسی مرسل کو صحیح کہا ہے، امام ابوداؤد کا رجحان بھی مرسل روایت کی طرف ہے۔

اس حدیث میں جو قصہ ذکر ہوا ہے یہ فتح مکہ کا قصہ ہے۔ اسی قصہ یا واقعہ کو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے ان کی حدیث کو ابوداؤد (۱۲۲۹) ابن ابی شیبہ (۲/۲۰۷) اور بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے اس حدیث میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے۔ مگر علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔

مذکورہ تمام روایات میں سے صحیح ترین روایت انیس دن والی ہے۔ جیساکہ امام بیہقی نے کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت راجح قرار دیا ہے ان دونوں نے مختلف روایات میں تطبیق بھی دی ہے تفصیل "سنن بیہقی" (۳/۱۵۱) اور "فتح الباری" (۲/۵۶۱ - ۵۶۲) میں دیکھیں۔

۵۸۸- یہ دونوں اثر صحیح ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر مجھے "کتاب الآثار" میں تو نہیں ملا لیکن اس کو عبدالرزاق (۲/۵۳۳) اور بیہقی (۳/۱۵۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کے اثر کو بھی عبدالرزاق (۲/۵۳۶) اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

جمع بین الصلوٰتین درسفر

سفر میں اگر کسی وجہ سے ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھ لیں۔ تو جائز ہے۔

۵۸۹۔۔۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔

(رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا جمع کرتے درمیان ظہر اور عصر کے دوران سفر میں، اور جمع کرتے درمیان مغرب اور عشاء کے۔ (بخاری)

۔۔۔۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۴۵۳) میں نصر بن عمران ابو جمرہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم غزوہ کی غرض سے خراسان میں طویل قیام کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دو رکعت ہی پڑھا کرو خواہ تمہیں دس سال تک قیام کرنا ہو۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

اسی "مصنف" میں ابو منہال سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا کہ میں مدینہ میں سفر کا پختہ ارادہ کیئے بغیر ایک سال تک ٹھہرا رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ دو رکعت پڑھا کرو۔

یہ ابو منہال اگر عبدالرحمٰن بن مطعم ہیں تو یہ سند بھی صحیح ہے۔

۵۸۹۔۔۔ اس کو بخاری نے (۱۱۰۷) تعلیقاً اور بیہقی (۳/۱۶۴) نے موصولاً روایت کیا ہے۔

مسئلہ: اس حدیث میں مطلق جمع کا ذکر ہے، جمع کی دو صورتیں ہیں، جمع تقدیم اور جمع تأخیر۔

یہ دونوں صورتیں ہی رسول اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

۱۔ جمع تقدیم یعنی ظہر کی نماز کے ساتھ عصر کی اور مغرب کی نماز کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنا۔

اس جمع کا ذکر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کو احمد (۵/۲۴۱-۲۴۲) ابو داؤد (۱۲۲۰) ترمذی (۵۵۳-۵۵۴) ابن حبان (۴/۴۱۳-۴۱۴، ۴۶۵) طبرانی نے "صغیر" (۱/۲۴۳) میں دارقطنی (۱/۳۹۲-۳۹۳) حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" (۱۱۹) میں بیہقی نے "سنن" (۳/۱۶۲) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۲/۴۶۵-۴۶۶) میں روایت کیا ہے۔

یہ صحیح حدیث ہے اس کو حافظ ابن حبان، علامہ ابن قیم نے "زاد المعاد" میں شیخ احمد شاکر نے "تحقیق ترمذی" میں اور شیخ البانی نے "ارواء الغلیل" میں صحیح کہا ہے۔ مگر امام حاکم نے اس کے بارے میں اس قدر تشدد کیا ہے کہ اس کو موضوع قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن قیم نے ان کا رد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "زاد المعاد" (۱/۴۷۷-۴۷۹)

ملاحظہ: اس حدیث کی رو سے سفر میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اکٹھی کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ خواہ ظہر کے وقت عصر کو پڑھ لیں۔ یا عصر کے وقت ظہر کو پڑھ لیں۔ اور اسی طرح خواہ مغرب کے وقت ہی عشاء کو پڑھ لیں۔ یا عشاء کے وقت مغرب پڑھ لیں۔

سفر میں سنتیں معاف ہیں

۵۹۰ ۔ حضرت حفص بن عاصم بن عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا۔ اے میرے بھتیجے (حفص)، میں رسولِ خدا کے ہمراہ سفر میں رہا مگر آپ نے دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کی روح قبض فرمائی اور میں ابوبکرؓ کے ہمراہ سفر میں رہا۔ اور میں حضرت عمرؓ کے ہمراہ سفر میں رہا اور میں حضرت عثمان کے ہمراہ سفر میں رہا۔ انھوں (سب) نے دو رکعت سے زیادہ سفر میں نماز (قصر) نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

← اس حدیث کی تائید ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث ابن عباس کو عبدالرزاق (۲/۵۴۸) احمد (۱/۳۶۷-۳۶۸) طبرانی (۱۱/۲۱۰-۲۱۱) دارقطنی (۱/۳۸۸-۳۸۹) اور بیہقی (۳/۱۶۳-۱۶۴) نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے اس کو شواہد کی بنا پر قوی اور شیخ البانی نے طرق کی بنا پر اس کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "ارواء الغلیل" (۳/۳۱-۳۲)۔

حدیث انس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام نووی نے "مجموع" (۴/۳۷۲) میں اور ابن قیم نے "زاد المعاد" میں اس کو صحیح کہا ہے۔

۲۔ جمع تأخیر یعنی عصر کے ساتھ ظہر کی اور عشاء کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھنا۔

اس جمع کا ذکر ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں ہے اور یہ دونوں حدیثیں بخاری (۱۰۹۱، ۱۱۱۱-۱۱۱۲) اور مسلم (۵/۲۱۴-۲۱۵) وغیرہما میں ہیں۔

۵۹۰ ۔ اس کو ابوداؤد (۱۲۲۳) اسی طرح بخاری (۱۱۰۱-۱۱۰۲) مسلم (۵/۱۹۷-۱۹۸) ابوعوانہ (۲/۳۳۵-۳۳۷) نسائی (۳/۱۲۳) ابن ماجہ (۱۰۷۱) عبدالرزاق (۲/۵۵۷) احمد (۲/۵۶) عبد بن حمید نے "منتخب من المسند" (۸۲۷) میں ابو یعلیٰ (۵۷۷۸) بیہقی (۳/۱۵۸) اور بغوی (۱۰۲۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

ملاحظہ: معلوم ہُوا کہ سفر میں سنتیں، نفل سب معاف ہیں۔[1] صحیح مُسلم میں ہے کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابُوبکرؓ اور حضرت عمرؓ منیٰ میں مسافرانہ نماز پڑھتے تھے۔ اور ابن عمرؓ (بھی) دو رکعت (قصر) پڑھ کر اپنے بستر پر چلے آتے تھے۔ راوی حدیث (حفصؓ) کہتے ہیں میں نے کہا چچا! اگر اس کے بعد آپ دو رکعتیں (سُنت) پڑھ لیا کریں تو کیا حرج ہے؟ فرمایا! اگر مجھے یہ کرنا ہوتا۔ تو نماز (فرض) ہی پُوری پڑھ لیتا۔ (مسلم)

جمع بین الصلوٰتین در حضر

سفر میں دو نمازوں کو کسی وجہ سے جمع کر کے پڑھ لینے کا مسئلہ تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، خدا کے پیارے رسُولؐ نے ہماری جانیں، اور ماں باپ آپؐ پر قربان، اُمت کی آسانی کے لیے ضرورت کے وقت سفر کے علاوہ حضر میں بھی جمع بین الصلوٰتین کی اجازت دے دی ہے۔

۵۹۲ ـ وعن ابن عباس قال صلی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظھر والعصر جمیعا بالمدینۃ فی غیر خوف ولا سفر قال ابوالزبیر فسالت سعید الم فعل ذٰلك فقال سالت ابن عباس کما سالتنی فقال اراد ان لایحرج احدا من اُمتہ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسُولُ اللہ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھا۔ حالانکہ وہاں نہ

---

[1] ۵۹۱ ـ سفر میں وتر نہیں چھوڑنے چاہئیں۔
حضورؐ نے فرمایا۔ "اَلْوِتْرُ فِی السَّفَرِ سُنَّةٌ" (ابن ماجہ)
سفر میں وتر سنت ہیں۔

---

۵۹۱ ـ ضعیف ہے۔

یہ حدیث ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اس کو ابن ماجہ (۱۱۹۴) بزار (۶۸۰) اسماعیلی نے "معجم" (۱/۴۶۱) میں سہمی نے "تاریخ جرجان" (۱۰۴-۱۰۳) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۰/۳۷) میں روایت کیا ہے اس کی سند جابر جعفی کی وجہ سے ضعیف ہے بوصیری نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے، جابر جعفی متہم ہے "مصباح الزجاجہ" (۱/۱۴۲) تحقیق محمد المنتقی۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۰۱) میں یہ روایت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

۵۹۲ ـ اس کو مسلم (۵/۲۱۵) ابو عوانہ (۲/۳۵۳) عبدالرزاق (۲/۵۵۵) احمد (۱/۲۸۳، ۳۴۹) ابن خزیمہ (۹۷۱) طبرانی (۱۲/۴۲) ←

(دشمن کا) خوف تھا۔ اور نہ سفر کی حالت تھی ابوزبیر کہتے ہیں۔ میں نے سعید بن جبیر سے پُوچھا کہ حضورؐ انور نے ایسا کیوں کیا تھا۔ سعید نے جواب دیا۔ جس طرح تم نے مجھ سے دریافت کیا ہے۔ اسی طرح میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا تھا۔ اور ابن عباسؓ نے جواب دیا تھا۔ حضورؐ اپنی اُمّت کو دشواری میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

(مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت یُوں مروی ہے۔

۵۹۳ ـ عن ابن عباس قال صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم الظهر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا فی غیر خوف ولا سفر۔ (رواه مسلم)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (امن کی حالت میں دشمن کے) خوف کے بغیر اور (اقامت کی حالت میں) سفر کے بغیر ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھا۔ (مسلم)

ملاحظه :۔ پس اگر ہم گھر پر ہوں۔ تو پھر بھی کسی ضرورت کے وقت ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اکٹھی کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ بلا ضرورت ایسا نہ کریں۔ اور نہ ہی عادت بنالیں۔

ـــــ ابن شاہین نے "ناسخ ومنسوخ" (۲۴۲-۲۴۳) میں ابولنعیم نے "حلیتہ الاولیاء" (۷/ ۸۸-۸۹) میں اور بیہقی (۳/ ۱۶۶، ۱۶۷) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث دیگر متعدد کُتب میں بھی ہے، جن کی تفصیل حدیث (۵۹۳) کی تخریج میں آرہی ہے۔

۵۹۳ ـ ان الفاظ سے اس کو مالک (۱/ ۱۴۴) نے روایت کیا ہے اور مالک سے اس کو مُسلم (۵/ ۲۱۵) ابوعوانہ (۲/ ۳۵۳) ابوداؤد (۱۲۱۰) نسائی (۱/ ۲۹۰) ابن خزیمہ (۲/ ۹۷) طحاوی (۱/ ۱۶۰) ابن حبان (۴/ ۴۷۱) اور بیہقی (۳/ ۱۶۶) نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ :۔ اس حدیث میں نمازوں کے جمع کرنے کا سبب ذکر نہیں ہُوا۔ اس میں صرف اس قدر ہے کہ یہ جمع خوف یا سفر کی وجہ سے نہ تھی۔ اس کا سبب جب خوف یا سفر نہ تھا تو آخر وہ کونسا سبب تھا جس کی بناء پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کو جمع کر کے پڑھا۔ اس سوال کے عُلماء نے مختلف جوابات دیئے ہیں :

کبار متقدمین عُلماء کی رائے یہ ہے کہ یہ جمع بارش کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ امام مالک اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں

" أری کان ذلك فی مطر" میرے خیال میں یہ جمع بارش کی وجہ سے تھی۔

مگر اس جمع کا سبب بارش کو قرار دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کے مختلف طرق میں بارش کی بھی نفی کی گئی ہے۔ یعنی یہ جمع بارش کی بناء پر بھی نہ تھی اسی لیے امام نووی متقدمین کا جواب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

" وهو ضعیف بالروایة الاُخری من غیر خوف ولا مطر"۔ ←

ـــہ یہ تأویل دوسری روایت کی بناء پر ضعیف ہے۔ جس میں ہے کہ یہ جمع خوف یا بارش کی وجہ سے نہ تھی۔ شرح نووی (۲۱۶/۵)
حافظ ابن حجر اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

" فانتفی ان یکون الجمع المذکور للخوف اوالسفر اوالمطر "

اس سے اس بات کی نفی ہوگئی کہ یہ جمع خوف، سفر یا بارش کی وجہ سے تھی" فتح الباری" (۲۲/۲-۲۴) مگر امام ابن خزیمہ نے اس روایت کو۔ جس میں بارش کی نفی ہے سہو اور غلط قرار دیا ہے اور امام بیہقی نے اس کو شاذ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "صحیح ابن خزیمہ" (۸۶/۲) اور "سنن بیہقی" (۱۶۷/۳)۔
مگر یہ روایت نہ تو سہو اور غلط ہے اور نہ ہی شاذ ہے۔ بلکہ یہ روایت صحیح اور ثابت ہے۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے اس حدیث کی سند یوں ہے۔

سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔"

سعید بن جبیر سے آگے اس حدیث ابوزبیر مکی اور حبیب بن ابی ثابت وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ابوزبیر کی روایت میں تو خوف اور سفر کی نفی کی گئی ہے۔ جب کہ حبیب بن ابی ثابت کی روایت میں خوف اور بارش کی نفی ہے۔ ان کی روایت میں یہ صراحت بھی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جمع مدینہ میں کی تھی ان کی اس صراحت سے سفر کی نفی بھی ہوگئی۔

تنبیہ : مدینہ کی صراحت ابوزبیر کی سند میں بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث (۵۹۲) میں ہے۔ مگر ان سے قرہ بن خالد کی روایت میں سفر تبوک کا ذکر ہے۔ اس صراحت کے ساتھ یہ حدیث مسلم اور ابوعوانہ وغیرہ میں ہے۔ قرہ کی اس روایت کے جواب کے لیے سنن بیہقی دیکھیں (۱۶۷/۳)۔

ابوزبیر کی سند سے یہ حدیث اوپر مذکورہ کتب میں ہے۔ اسی طرح نمبر (۵۹۲) میں مذکورہ کتب میں بھی ہے۔
اور حبیب بن ابی ثابت کی سند سے اس کو مسلم (۲۱۶/۵-۲۱۷) ابوعوانہ (۳۵۳/۲-۳۵۴) ابوداؤد (۱۲۱۱) ترمذی (۱۸۷) نسائی (۲۹۰/۱) احمد (۳۵۴/۱) دولابی نے "کنی" (۵۹/۲) میں ابن منذر نے "أوسط" (۴۲۲/۲-۴۲۳) میں ابوشیخ نے طبقات (۲۰۰/۲) میں سہمی نے "تاریخ جرجان" (۱۶۰) میں اور بیہقی (۱۶۷/۳) نے روایت کیا ہے۔

ابوشیخ کے ہاں "من غیر علۃ" "بغیر کسی سبب کے" کے الفاظ ہیں۔
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی جس روایت میں خوف اور سفر کے ساتھ بارش کی نفی بھی کی گئی ہے وہ صحیح مسلم اور صحیح ابوعوانہ وغیرہ کی روایت ہے جس طرح کہ وہ روایت جس میں صرف خوف اور سفر کی نفی ہے، صحیح مسلم اور صحیح ابوعوانہ وغیرہ میں ہے۔
اس تفصیل کے بعد اب وہ طریقہ بھی ملاحظہ کرلیں جس طریقے سے امام بیہقی نے حبیب بن ابی ثابت کی روایت کو شاذ قرار دیا ہے، وہ ابوزبیر کی سند سے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حبیب بن ابی ثابت نے ابوزبیر کی اس حدیث کے متن میں مخالفت کی ہے۔ اس کے بعد وہ اس حدیث کو حبیب کے طریق سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

" ورواية الجماعة عن ابی الزبیر اولیٰ ان تکون محفوظة فقد رواه عمرو بن دینار عن ـــــــــ

ــــــ جابر بن زید أبی الشعثاء عن ابن عباس بقریب من معنی روایۃ مالک عن ابی الزبیر۔"

ابوزبیر سے جماعت کی روایت زیادہ مناسب ہے کہ محفوظ ہو عمرو بن دینار نے جابر بن زید سے انہوں نے ابن عباس سے، ابوزبیر سے مالک کی روایت سے ملتی جلتی روایت کی ہے۔

قلت: یہ امام بیہقی رحمۃ اللہ کا کلام ہے۔ جس پر درج ذیل ملاحظات ہیں۔

۱۔ ان کے اس کلام" وروایۃ الجماعۃ عن ابی الزبیر اولی" پر مجھے انتہائی تعجب ہے کہ انہوں نے یہ تقابل یا یہ ترجیح کس بناء پر اختیار کی ہے اس لیے کہ تقابل تو ابوزبیر اور حبیب بن ابی ثابت کے مابین ہونا چاہیئے تھا یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی روایت کو ترجیح دینا چاہیئے تھی۔ اس لیے کہ یہ دونوں سعید بن جبیر کے شاگرد ہیں۔ مگر امام بیہقی سعید بن جبیر کے ایک شاگرد کی روایت کا تقابل ان کے ایک دوسرے شاگرد کے شاگردوں کی روایت سے کر رہے ہیں۔ جو درست نہیں۔

ہم جب دونوں کا آپس میں تقابل کرتے ہیں تو ترجیح کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ یہ دونوں ہی ثقہ ہیں۔ نیز حبیب بن ابی ثابت نے ابوزبیر کی مخالفت نہیں کی ہے۔ بلکہ انہوں نے ایک زائد چیز ذکر کی ہے جس کو ابوزبیر نے ذکر نہیں کیا اور وہ ہے بارش کی نفی۔

حبیب کی روایت ابوزبیر کی روایت کے اس لیے مخالف معلوم ہوتی ہے کہ اس میں سفر کی بجائے "مطر" (بارش) کا ذکر ہے۔ حالانکہ انہوں نے لفظ" بالمدینہ" مدینہ میں، کہہ کر سفر کی نفی کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کی یہ روایت ابوزبیر کی روایت کے مخالف نہ رہی۔ بلکہ ابوزبیر سے بھی ایک روایت ایسی ہے۔ جس سے حبیب بن ابی ثابت کی روایت کی تائید ہوتی ہے اور وہ روایت یوں ہے

"بالمدینہ وھو مقیم علی غیر خوف ولا شئی اضطرہ إلی ذلک۔"

" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کو مدینہ میں جمع کیا کہ آپ مقیم تھے۔ بغیر کسی خوف کے اور بغیر کسی مجبوری کے۔"

اس کو طبرانی (۱۲/۴۷) نے از لیث بن سعد از ہشام بن سعد از ابوزبیر روایت کیا ہے۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ لیث سے اس کو ان کے کاتب عبداللہ بن صالح نے روایت کیا ہے اور یہ بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔ جیسا کہ تقریب" میں ہے۔

نیز بیہقی (۳/۱۶۷) نے اس کو از جعفر بن عون از ہشام بن سعد روایت کیا ہے اور ان کے ہاں" من غیر خوف ولا سفر" کے ہی الفاظ ہیں۔ یعنی وہی الفاظ ہیں جو ابوزبیر کے دوسرے شاگردوں نے ان سے نقل کیے ہیں۔

امام بیہقی نے مذکورہ جو تقابل کیا ہے۔ اگر وہ تقابل بیان کرتے تو مناسب ہوتا۔

۲۔ بیہقی نے عمرو بن دینار کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ مالک کی روایت کے قریب المعنیٰ نہیں۔ کیونکہ عمرو کی روایت میں خوف اور سفر کی نفی کا ذکر نہیں بلکہ اس میں صرف نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہوا ہے۔

بلکہ عمرو بن دینار سے ایک روایت ایسی بھی ہے جو حبیب بن ابی ثابت کی روایت کی مؤید ہے اور وہ یوں ہے۔

" من غیر مرض ولا علۃ " بغیر کسی مرض اور سبب کے۔"

یہ روایت" طبرانی کبیر" (۳/۱۷۷۱) اور" حلیۃ الأولیاء" لابی نعیم (۹۰/۳) میں ہے۔ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ ــــ

عمرو بن دینار نے اس حدیث کو جابر بن زید سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ عمرو بن دینار کی جابر بن زید سے قتادہ نے متابعت بھی کی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔"في المدينة في غير خوف ولا مطر" مدینہ میں بغیر کسی خوف اور بارش کے:"

یہ روایت "مسند احمد" (۱/ ۲۲۳) میں ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ قتادہ مدلس ہیں مگر اس روایت میں انہوں نے سماع کی صراحت کی ہے۔

شیخ البانی نے اس سند کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے" إرواء الغليل" (۳/ ۳۶)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عمرو بن دینار کی روایت بھی حبیب کی روایت کے مطابق و موافق ہے۔

۳۔ بارش والی روایت کو حبیب اپنے شیخ سعید بن جبیر سے روایت کرنے میں متفرد نہیں، بلکہ عمرو بن دینار اور عمرو بن مرہ نے ان کی متابعت کی ہے۔ نیز اس حدیث کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سعید بن جبیر کے طریق کے علاوہ دوسرے طرق بھی ہیں۔ ان طرق میں بھی بارش کی نفی مذکور ہے۔ پہلے حبیب کی متابعات ملاحظہ کریں بعد میں اس کے طرق ذکر ہوں گے۔

ا۔ متابعات:

حبیب کی سعید بن جبیر سے عمرو بن دینار اور عمرو بن مرہ نے متابعت کی ہے۔

۱۔ عمرو بن دینار کی متابعت کو طبرانی (۱۲/ ۸۳) نے روایت کیا ہے۔

سند: حسين بن على الجعفى عن سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار عن سعيد بن جابر به۔

یہ سند صحیح ہے مگر امام طبرانی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سند شاذ ہے اور اصل سند یوں ہے"۔ عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس"

یہ بھی ممکن ہے کہ عمرو بن دینار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث دو واسطوں سے سنی ہو۔ سعید بن جبیر کے واسطے سے بھی اور جابر بن زید کے واسطے سے بھی۔ واللہ اعلم۔

۲۔ عمرو بن مرۃ کی متابعت کو ابو الشیخ نے "طبقات" (۴/ ۴۸۲) میں اور خطیب بغدادی نے "موضح" (۱/ ۴۲۵) میں روایت کیا ہے اس کی پوری سند یوں ہے۔

سعد بن الصلت عن الأعمش عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير به۔

میرے نزدیک اس سند میں سعد بن صلت سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ "صحیح مسلم" وغیرہ میں وکیع اور ابو معاویہ نے، نسائی میں فضل بن موسیٰ نے ابو عوانہ میں عثام بن علی نے "طبقات ابو الشیخ" اور "تاریخ جرجان" میں سفیان نے بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کیا ہے اور ان تمام راویوں نے عمرو بن مرہ کی بجائے حبیب ابن ابی ثابت کہا ہے اور یہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ جبکہ سعد بن صلت کو ابن ابی حاتم (۴/ ۸۶) نے ذکر کیا ہے اور اس کے بارے میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل نقل نہیں کی۔

ــــــ ابن حبان نے اس کو "ثقات" (۶/۸۷/۳) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ بعض اوقات یہ غرائب بیان کرجاتا ہے۔
مذکورہ سند شائداس کے غرائب ہی سے ہے۔ واللہ اعلم۔

ب۔ طرق:

اس حدیث کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سعید بن جبیر کے طریق کے علاوہ دوسرے طرق بھی ہیں ان میں بھی بارش کی نفی کی گئی ہے وہ طرق یہ ہیں

۱۔ "صالح مولی التوأمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما"

اس طریق سے اس کو عبدالرزاق (۲/۵۵۵) ابن ابی شیبہ (۲/۲۱۰۔ دارالتاج) احمد (۱/۳۴۶) عبد بن حمید (۷۰۹) طحاوی (۱/۱۶۰) اور طبرانی (۱۰/۲۹۷) نے روایت کیا ہے۔ یہ طریق شواہد میں صالح کی وجہ سے حسن درجے کا ہے۔

اس طریق میں بھی مدینہ کی صراحت ہے اور بعض روایات میں بارش کے ساتھ دوسری چیز سفر اور بعض روایات میں سفر کی بجائے خوف کا ذکر ہے۔

۲۔ جابر بن زید عنہ۔

اس طریق کا ذکر ملاحظہ نمبر ۲ میں گزر چکا ہے اور یہ طریق صحیح ہے

۳۔ عکرمہ عنہ۔

اس طریق سے اس کو ابن شاہین نے "ناسخ ومنسوخ" (۲۴۱) میں روایت کیا ہے۔ اس طریق میں اگر أشعث بن سوار کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ضعیف نہیں تو یہ متابعات میں حسن درجے کا ہے۔

۴۔ الضحاك بن مزاحم عنہ:

اس سند (طریق) سے اس کو طبرانی (۱۲/۱۱۸) اور ابن عدی (۲/۵۹۷) نے روایت کیا ہے۔

اس سند میں ہے کہ یہ جمع بغیر کسی علت کے تھی، اس میں مدینہ کی قید بھی ہے۔ مگر یہ سند جاریہ بن ہرم کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ "میزان" میں ذہبی نے اس کو "ہالک" کہا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباس میں "مطر" (بارش) کی نفی والا اضافہ صحیح ثابت ہے۔

ابن منذر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حبیب والی حدیث میں کلام کرے اور کہے کہ اس میں بارش کا ذکر صحیح نہیں ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ سعید بن جبیر سے ابو زبیر کی حدیث میں یہ ثابت ہے کہ ابن عباس سے جب یہ کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں کیا تو آپ نے جواب دیا "اراد ان لا یحرج أحداً من امتہ"

آپ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ اپنی اُمت میں سے کسی کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جمع کا سبب بارش ہوتی تو ابن عباس اس کو ضرور ذکر کرتے۔ جب انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ آپ نے ایسا اس لیے ←

← کیا کہ اپنی اُمت کو مشقت میں نہ ڈالیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی یہ جمع بارش کی وجہ سے نہ تھی۔ اوسط (۲/۴۴۳)۔

ابن منذر کے اس کلام سے معلوم یہ ہُوا کہ اس حدیث میں بارش کی نفی کے ثبوت سے اگر کوئی نقلی طور پر انکار بھی کرے تو اسے عقلی طور پر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس جمع کا سبب بارش نہ تھی۔

اس حدیث کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس میں جو جمع ذکر ہوئی ہے۔ وہ جمع حقیقی نہیں بلکہ جمع صوری تھی۔ علامہ صنعانی نے "سبل السلام" (۲/۴۵۲) میں اور علامہ شوکانی نے "نیل الاوطار" (۳/ ۲۱۵ - ۲۱۸) میں اسی رائے کی تائید کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۲/ ۲۴) میں اس جواب کو اولیٰ (زیادہ بہتر) کہا ہے۔

مگر اس رائے یا خیال کی کسی ٹھوس دلیل سے تائید نہیں ہوتی ہے، اسی لیے امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ تأویل ضعیف یا باطل ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خُطبہ دیتے وقت عمل[1] اور پھر اس عمل کی تصویب پر ان کا اس حدیث سے استدلال کرنا اور ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ان کی تصدیق کرنا اور انکار نہ کرنا یہ اس تاویل کے ردّ پر صریح دلیل ہے۔

ان لوگوں کی اس تاویل کا رد اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس حدیث کے مالک کے طریق کے علاوہ باقی تقریباً تمام طرق میں ہے کہ ابن عباس سے اس جمع کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

أراد ألا یحرج أمته: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے کیا کہ آپ کی اُمت کو مشقت نہ ہو۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مشقت کی نفی کا ارادہ اس حدیث کو جمع صوری پر محمُول کرنے سے مانع ہے کیونکہ یہ جمع مشقت سے خالی نہیں۔

اس حدیث کو جمع صوری پر محمُول کرنے والوں نے حدیث ابن عباس کی ایک روایت سے بھی دلیل کی ہے۔ یہ روایت نسائی (۱/ ۲۸۶) میں ہے۔ اس میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور مغرب کی نماز کو لیٹ کیا اور عصر و عشاء کی نماز میں تعجیل کی۔

مگر اس حدیث میں یہ جُملہ مدرج ہے۔ کیونکہ بخاری (۴، ۱۱) مُسلم (۳/ ۲۰۹) ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۰۹) اور بیہقی (۳/ ۱۶۸) میں ہے کہ عمرو بن دینار نے ابوشعثا جابر بن زید سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر اور مغرب کی نماز میں تاخیر کی اور عصر و عشاء کی نماز میں تعجیل کی تو جابر بن زید نے کہا کہ میرا خیال بھی یہی ہے۔

اس سے معلوم ہُوا کہ درحقیقت یہ عمرو بن دینار کا قول تھا، جسے کسی راوی نے متن حدیث میں ذکر کر دیا۔

ابن عباس سے اس حدیث کو روایت کرنے والے جابر بن زید ہیں اور جابر سے اس کو عمرو بن دینار نے روایت کیا ہے۔ مذکورہ جُملہ اگر جابر بن زید نے ابن عباس سے سُنا ہوتا تو وہ عمرو بن دینار کو یہ نہ کہتے کہ میرا خیال بھی یہی ہے، بلکہ یہ کہتے کہ مجھے ابن عباس نے یُوں ہی بیان کیا ہے۔

مصنف عبدالرزاق (۲/ ۵۵۵) اور صحیح ابو عوانہ" (۲/ ۳۵۴) میں عمرو بن دینار والی بات ابن جریج نے بھی کہی ہے۔ ←

---

[1] اس عمل کا ذکر عنقریب آ رہا ہے۔

ـــــــــ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مذکورہ جملہ متن حدیث سے نہیں ہے، بلکہ اس میں مدرج ہے۔ اس حدیث کی بعض اور تاویلات بھی کی گئی ہیں۔ جن کی تفصیل اور ان کا رد بھی "شرح مسلم" (۵/۲۱۸) اور "فتح الباری" (۲/۲۴) میں دیکھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباس کو اس کے ظاہری معنے پر ہی محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو اس کے ظاہری معنے پر ہی محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ بوقت ضرورت حضر میں بھی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ اسے عادت نہ بنایا جائے۔ ان محدثین میں امام تابعین ابن سیرین اور ابن منذر وغیرہ بھی ہیں دیکھیں۔ "اوسط ابن منذر" (۲/۲۲۲-۲۲۴)۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کے اس قول سے " اراد ان لا یحرج امتہ" اس کی تائید ہوتی ہے شرح مسلم (۵/۲۱۹)۔

شیخ احمد شاکر نے بھی اس مذہب کی تائید کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اس حدیث پر عمل کرنے سے بہت سے ان لوگوں سے مشقت رفع ہو جاتی ہے، جن کو ان کے کام و کاج اور سخت قسم کے حالات کبھی نمازیں جمع کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے جیسا کہ ابن سیرین نے کہا ہے کہ عادت نہ بنائی جائے۔ "تحقیق ترمذی" (۱/۳۵۸-۳۵۹)۔

قلت: راوی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اس حدیث کے مطابق تھا۔ چنانچہ مسلم (۵/۲۱۷-۲۱۸) ابو عوانہ (۲/۳۵۴-۳۵۵) طیالسی (۱/۱۲۷) اور بیہقی (۳/۱۶۸) نے عبد اللہ بن شقیق سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے بصرہ میں عصر کے بعد ہمیں خطبہ دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور ستارے چمکنے لگے کسی شخص نے کہا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے سنت نہ سکھلاؤ۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ اس بارے میں میرے دل میں کچھ شبہ سا پیدا ہوا۔ چنانچہ میں ابو ہریرہ کے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے ان کی روایت کی تصدیق کی۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھا کرتے تھے۔

نسائی (۱/۲۸۶) اور طیالسی (۱/۱۲۶) نے جابر بن زید سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے بصرہ میں (ایک مرتبہ) ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا انہوں نے ایسا کام کی وجہ سے کیا اور بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھا۔

اس روایت کی سند حسن درجے کی ہے۔

نمازِ استخارہ کا بیان

جب کسی کو کوئی امر درپیش ہو۔ اور وہ اس میں متردد ہو۔ کہ کروں یا نہ کروں، یا جب کسی کام کا قصد کرے۔ تو استخارہ کرنا سنت ہے۔ اس کی صورت یہ ہے۔ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ۔ کہ دو رکعتیں نفل پڑھے اور بڑے خضوع و خشوع اور حضور قلب سے پڑھے۔ رکوع و سجود، اور قومہ و جلسہ بڑے اطمینان سے کرے ثم لیقل۔ پھر فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے

۵۹۴۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ؕ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ۔ (صحیح مسلم)

یا الٰہی! تحقیق میں خیر مانگتا ہوں تجھ سے (اس کام میں) تیرے علم کی مدد سے اور قدرت مانگتا ہوں تجھ سے (حصولِ خیر کے لیے) بواسطہ تیری قدرت کے اور مانگتا ہوں میں تجھ سے فضلِ عظیم تیرا۔ پس تحقیق تو قادر ہے (ہر چیز پر) اور نہیں میں قادر (کسی چیز پر) اور تو (غیب) جانتا ہے اور میں (غیب) نہیں جانتا اور تو بے حد جاننے والا ہے پوشیدہ باتوں کا۔ یا الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں) میرے لیے بہتر ہے۔ میرے

۵۹۴۔ اس کو بخاری نے "صحیح" (۱۱۶۲) "تہجد" اور "ادب مفرد" (۷۰۴)، میں بھی ابوداؤد (۱۵۳۸) ترمذی (۴۸۰) ابن ماجہ (۱۳۸۳) سب نے کتاب الصلوٰۃ میں۔ نسائی (۶/ ۸۰۔ ۸۱) نے "نکاح" میں احمد (۳/ ۳۴۴) عبد بن حمید (۱۰۸۹) ابن ابی عاصم نے "سنہ" (۲۱۴) میں ابویعلی (۲۰۸۶) ابن حبان (/ ۱۶۹۔ ۱۷۰) ابن سنی (۵۹۶) ابن عدی (۴/ ۱۶۱۶) ابن حزم (۱/ ۳۳) بیہقی (۳/ ۵۲) اور البغوی (۱۰۱۶) نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے شواہد بھی ہیں۔ جن کی تفصیل "فتح الباری" (۱۱/ ۱۸۴) اور "نیل الاوطار" (۳/ ۷۲)، میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دین میں اور میری زندگی میں اور میرے انجام کار میں یا اس جہان میں اور اس جہان میں۔ پس مہیّا کر اس (کام) کو میرے لیے اور آسان کر اس کو میرے لیے، پھر برکت دے اس میں میرے لیے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں) بُرا ہے میرے لیے اور میرے دین میں اور میری زندگی میں اور میرے انجام کار میں یا اس جہان میں اور اس جہان میں۔ پس پھیر اس (کام) کو مجھ سے اور پھیر مجھ کو اس سے اور مہیّا کر میرے لیے بھلائی جہاں (بھی) ہو۔ پھر اس کے ساتھ مجھے راضی کر۔

ملاحظہ:۔ جب آپ یہ مسنون استخارہ کرکے کوئی کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ضرور اس میں بہتری کی صورت پیدا کرے گا۔ اور بُرائی سے بچائے گا۔ بہتر ہے کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے (تجارت ہو۔ نکاح ہو۔ یا سفر ہو) چند روز متواتر استخارہ کرتے رہیں۔ اس اثناء میں مسبب الاسباب یا تو کوئی سبب پیدا کر دے گا یا اس کام کی توفیق بخش دے گا۔ یا تردد دُور کر کے دل میں اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم جما دے گا۔

نمازِ عیدین کا بیان

۵۹۵ ۔ عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث کو بخاری کی بجائے مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب کہ یہ مسلم میں نہیں ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ "فتاوٰی علماء حدیث" میں بھی اس حدیث کو مسلم ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (۴/۲۵۴)۔

۵۹۵ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ "موطأ" میں عید کے دن غسل کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں، بلکہ اس میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا فعل ہے۔ نافع کہتے ہیں کہ ابنِ عمر عید الفطر کے روز عید گاہ جانے سے قبل غسل کرتے تھے۔

اس اثر کو مالک (۱/۱۷۷) شافعی نے "اُم" (۱/۲۰۵) اور "مسند" (۷۳) میں عبدالرزاق (۳/۳۰۹) ابن ابی شیبہ (۲/۱۶۷) فریابی نے "احکام عیدین" (ص ۷۸، ۷۹، ۸۳، ۲۲۷) میں اور بیہقی (۳/۲۷۸) نے روایت کیا ہے۔

ابنِ ابی شیبہ۔ اسی طرح عبدالرزاق اور فریابی کی ایک روایت میں عیدین کا ذکر ہے۔ یعنی وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرتے۔ عبدالرزاق اور فریابی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ خوشبو بھی لگاتے۔

یہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے۔ اس اثر کے ابن عمر سے راوی نافع ہیں اور نافع سے اسے مالک عبید اللہ بن عمر عمری، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن عجلان نے روایت کیا ہے۔ جب کہ ایوب سختیانی نے نافع سے یوں روایت ←

ـــــــہ کی ہے۔

"میں نے ابن عمر کو عید کے روز کبھی بھی غسل کرتے نہیں دیکھا وہ عیدِ فطر کی رات مسجد میں ٹھہرتے اور وہیں سے صبح کو سیدھے عیدگاہ چلے جاتے۔

یہ روایت "مصنف عبدالرزاق" میں ہے اور اس روایت کی سند بھی صحیح ہے اور یہ پہلی روایت کے مخالف ہے۔ باجی نے اس روایت کا یہ جواب دیا ہے۔

"علماء نے اس روایت کو اس حالت پر محمول کیا ہے۔ جب کہ وہ اعتکاف کی خاطر مسجد میں سویا کرتے اور مالک کی روایت کو دوسرے اوقات پر محمول کیا ہے۔ نیز مالک کی موسیٰ بن عقبہ نے متابعت بھی کی ہے۔" "المنتقی" للباجی (۱/۳۱۵-۳۱۶)۔

قلت : مالک کی عبیداللہ بن عمر اور ابن عجلان نے بھی متابعت کی ہے، عبیداللہ کی روایت "مصنف ابن ابی شیبہ" اور احکام عیدین" میں ہے اور ابنِ عجلان کی روایت کا ذکر بیہقی نے کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت عبدالرزاق اور فریابی کے بیان ہے۔

رہی ایوب والی روایت تو اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ ثقہ راویوں کی روایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے یا یہ کہ یہ روایت نافی ہے اور دوسری روایت مثبت ہے۔ لہٰذا مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی۔

عیدین کے روز غسل کرنے کے بارے میں بعض مرفوع روایات بھی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ وہ روایات یہ ہیں۔

۱۔ ابن ماجہ (۱۳۱۵) ابنِ عدی (۲/۲۴۶) اور بیہقی (۳/۲۷۸) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین کے روز غسل کرتے" اس کی سند جبارہ بن مغلس اور حجاج بن تمیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ضعیف ہیں۔

۲۔ احمد (۴/۷۸) ابنِ ماجہ (۱۳۱۶) دولابی نے "کنی" (۱/۸۵) میں اور طبرانی (۱۸/۳۲۱) نے فاکہ بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین اور عرفہ کے روز غسل کرتے، اور فاکہ بھی ان ایام میں اپنے گھر والوں کو غسل کرنے کا حکم دیتے" مگر یہ روایت یوسف بن خالد سمتی کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ بلکہ من گھڑت ہے۔ کیونکہ اس کو ابنِ معین وغیرہ نے کذاب کہا ہے دیکھیں "مصباح الزجاجہ (۱/۱۵۶۔ تحقیق محمد المنتقی)۔

۳۔ بزار (۶۴۸) اور ابن شاہین نے "ناسخ و منسوخ" (۴۲) میں ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے روز غسل کرتے"

مگر اس کی سند محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع کی وجہ سے سخت ضعیف ہے اس کے بارے میں ائمہ کے اقوال "تہذیب التہذیب" (۹/۲۸۶) میں دیکھیں۔

←— محمد بن عبید اللہ سے اس کو مندل بن علی نے روایت کیا ہے جو ضعیف ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔ اس حدیث کی اسناد کے بارے میں "نصب الرایہ" (۱/ ۸۶) بھی دیکھیں۔

۴۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ ان دنوں میں جمعہ۔ عید فطر، عید الضحیٰ اور عرفہ کے دن غسل واجب ہے۔

اس کو دولابی نے "کنی" (۲/ ۴۷) میں ابن شاہین نے "ناسخ ومنسوخ" (۱۴) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند صبیح ابو وسیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام بخاری نے اس کے ترجمے میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔ "تاریخ کبیر" (۴/ ۳۲۶)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے، غسل کر کے عید گاہ جائے اور صدقۂ فطر ادا کرے تو وہ بخشا ہوا واپس لوٹتا ہے" اس کو طبرانی نے "اوسط" میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں نصر بن حماد ہے جو متروک ہے۔ جیسا کہ حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۲/ ۲۰۱) میں کہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عیدین کے روز غسل کرنے کے بارے میں مجھے کوئی صحیح اور مرفوع حدیث نہیں ملی، حافظ ابن حجر نے بزار سے نقل کیا ہے کہ عیدین کے روز غسل کے بارے میں مجھے کوئی صحیح حدیث معلوم نہیں "تلخیص" (۲/ ۸۱)۔

بلکہ حافظ ابن عبد البر نے تو کہا ہے کہ عیدین کے روز غسل کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت ہی نہیں تمہید (۱۰/ ۲۶۶)۔

رہا ابن قیم کا "زاد المعاد" (۱/ ۴۴۱ - ۴۴۲) میں یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے لیے غسل فرماتے۔ اس کے بارے میں ایک صحیح حدیث ہے اور دو ضعیف حدیثیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو ابن عباس سے ہے جو ان سے جبارہ کی سند سے مروی ہے اور دوسری فاکہ سے ہے جو ان سے یوسف سمتی کی سند سے مروی ہے لیکن ابن عمر سے ان کے شدید تتبع سنت ہونے کے باوجود عید کے روز غسل کرنا ثابت ہے تو ان کا یہ کلام محل نظر ہے کیونکہ اس بارے میں اگر ایک صحیح حدیث بھی تھی تو انہیں اس کو ذکر کرنا چاہیے تھا یا اس کی طرف اشارہ کرنا چاہیے تھا۔ جیسا کہ انہوں نے دو ضعیف حدیثوں کے بارے میں کیا ہے۔ نیز اس بارے میں اگر صحیح حدیث بھی تھی "تو لیکن ابن عمر سے ......" سے کہنے کا کیا مقصد؟ تامل۔

بخاری (۹۴۸) "عیدین" اور مسلم (۱۴/ ۴۰ - ۴۱) "لباس" میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث عیدین میں تجمل کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور غسل مقدمات تجمل میں سے ہے۔

مسند شافعی (۳۸۵) اور بیہقی (۳/ ۲۷۸) میں زاذان سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے غسل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو روزانہ غسل کرو۔ اس نے کہا کہ جس غسل کو غسل کہا جاتا ہے۔ میں اس کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ غسل جمعہ، عرفہ، قربانی اور عید فطر کے دن ہے۔

اس اثر کی سند صحیح ہے اختصار کے ساتھ اس کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۵۰۰۔ دار التاج) نے بھی روایت کیا ہے۔

شیخ البانی نے کہا ہے کہ عیدین کے روز غسل کے بارے میں یہ سب سے اچھی دلیل ہے۔ ←—

۵۹۶ ۔ عید الفطر کے لیے گھر سے نکلنے سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے۔ (مشکوٰۃ)

۵۹۷ ۔ بقرہ عید کے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی کریں۔ (مشکوٰۃ)

۵۹۸ ۔ اگر عید کے روز جمعہ ہو تو عید کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھیں، اگر جمعہ نہ پڑھیں، ظہر پڑھ لیں۔ تو بھی جائز ہے۔ (ابن ماجہ)

۔۔۔۔۔۔ فریابی نے "احکام عیدین" (۸۰) میں بسند جید سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ عید گاہ جانے سے قبل غسل کرتے۔

طبرانی کبیر (۱۱/۲۵۲) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم عید گاہ جانے سے قبل کھاتے پیتے، غسل کرتے اور صدقہ فطر بھی ادا کرتے۔

مگر اس اثر کی سند ابراہیم بن یزید مکی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ لیکن ابن عمر، علی اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہم کے جو آثار ہیں ان کی سندیں صحیح ہیں۔ لہٰذا اس مسئلے میں ان آثار پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک عیدین کا غسل، غسل جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے مستحب ہے۔ تمہید (۱۰/۲۶۶)

امام نووی کا کہنا ہے کہ اس مسئلے میں اعتماد ابن عمر کے اثر پر اور جمعہ کے غسل پر قیاس پر ہے۔ مجموع (۵/۷)۔

۵۹۶ ۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ جس کو بخاری (۱۵۰۳) مسلم (۷/۶۳) ابوداؤد (۱۶۱۰، ۱۶۱۲) ترمذی (۶۷۷) نسائی (۵/۵۴) سب نے "زکاۃ" میں۔ احمد (۲/۶۷، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۷) ابن جارود (۲۵۹) ابن خزیمہ (۲۴۲۱-۲۴۲۳) اور بیہقی (۴/۱۷۴-۱۷۵) نے روایت کیا ہے۔

۵۹۷ ۔ حدیث براء رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جس شخص نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی بھی ہو گئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو بھی اپنا لیا اور اس کی بعض روایات میں ہے کہ جس نے نماز سے قبل قربانی کر لی تو اس کی قربانی نہ ہو گی بلکہ وہ محض ایک گوشت کی بکری ہو گی جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے ذبح کی ہے۔

اس کو بخاری (۹۵۱، ۹۵۵، ۹۶۵، ۹۶۸، ۹۷۶، ۹۸۳) مسلم (۱۳/۱۱۲-۱۱۵) ابوداؤد (۲۸۰۰) ترمذی (۱۵۰۸) اور نسائی (۷/۲۲۲-۲۲۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ میں اور حدیث جندب رضی اللہ عنہ میں بھی ہے کہ جو شخص نماز سے قبل قربانی کرے وہ نماز کے بعد ایک دوسری قربانی کرے یہ دونوں حدیثیں بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہیں۔

۵۹۸ ۔ اس حدیث کی تخریج حدیث (۵۶۸) میں دیکھیں۔

۵۹۹۔ عیدین میں نہ تو اذان کہیں، اور نہ ہی تکبیر۔ (مسلم)

۶۰۰۔ عیدگاہ میں سوائے عید کی دو رکعتوں کے نہ پہلے نفل وغیرہ پڑھیں اور نہ بعد میں؛ (بلوغ المرام)

← مذکورہ مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا ذکر نہیں ہُوا۔ لہٰذا اس کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں ایک مرتبہ عید اور جُمعہ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص جُمعہ ادا کرنا چاہتا ہے وہ ادا کرے اور جو (گھر میں) بیٹھا رہنا چاہتا ہے بیٹھا رہے۔ اس کو عبدالرزاق (۳/ ۳۰۵) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اسی سند سے اس کو ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۸۷) نے بھی روایت کیا ہے مگر اس کے الفاظ مختلف ہیں، جس سیاق سے یہ اثر عبدالرزاق کے یہاں ہے۔ اسی سیاق سے اس کو ابن ابی شیبہ نے امام باقر کی سند سے بھی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر اس سند میں انقطاع ہے۔

۵۹۹۔ یہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد بار عیدین کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی ہے، اس کو مسلم (۶/ ۱۷۶) ابوداؤد (۱۱۴۸) ترمذی (۵۳۲) ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۶۸) طبرانی (۲/ ۲۳۵) اور بیہقی (۳/ ۲۸۴) نے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد (۱۱۴۷) ترمذی میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر یا عثمان (یہ شک ایک راوی کو ہے) نے بغیر اذان اور اقامت کے عید کی نماز پڑھی ہے۔

نووی نے "مجموع" (۵/ ۱۴) میں اس کی سند کو بخاری و مُسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، مگر اس میں ابن جریج ہیں جو مدلس ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو لفظ "عن" سے روایت کیا ہے۔

صحیح مُسلم (۶/ ۱۷۵-۱۷۶) میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث اس طرح ان کا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی ملاحظہ کریں۔

جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ عیدین کے لیے اذان اور اقامت ثابت نہیں۔ اسی طرح آپ سے "الصلاۃ جامعہ" یعنی نماز تیار ہے،" کہنا بھی ثابت نہیں ملاحظہ ہو "زاد المعاد" (۱/ ۴۴۲)۔

۶۰۰۔ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید فطر کے لیے نکلے تو آپ نے اس سے قبل اور نہ ہی اس کے بعد کوئی نوافل وغیرہ پڑھے۔

اس کو بخاری (۹۶۴، ۹۸۹) مُسلم (۶/ ۱۸۰-۱۸۱) ابوداؤد (۱۱۵۹) ترمذی (۵۳۷) نسائی (۳/ ۱۹۳) ابن ماجہ (۱۲۹۱) دارمی (۱/ ۳۷۶) احمد (۱/ ۳۴۰) ابن جارود (۲۶۱) ابن خزیمہ (۱۴۳۶) ابنِ حبان (۷/ ۵۸-۵۹) اور بیہقی (۳/ ۳۰۲) نے روایت کیا ہے۔

احمد، مُسلم، ابن خزیمہ اور ابنِ حبان کے یہاں عید فطر یا عید اضحیٰ (شک کے ساتھ) ہے۔ مگر احمد اور ابن خزیمہ کے یہاں راوی کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میرا غالب گمان ہے کہ انہوں نے عیدِ فطر کہا۔ ←

۶۰۱ ۔ عید الاضحیٰ کے دن نماز (جلدی پڑھیں) اور عید الفطر کے دن دیر کر کے پڑھیں۔ (مشکوٰۃ)

۶۰۲ ۔ جب آفتاب دو نیزے پر آئے تو عید الفطر پڑھیں اور ایک نیزے پر آئے تو عید الاضحیٰ پڑھیں۔ (تلخیص الحبیر)۔

یہ حدیث ابن عمرؓ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حدیث ابن عمر کو ترمذی (۵۳۸) احمد (۲/۵۷) حاکم (۱/۲۹۵) اور بیہقی (۳/۳۰۲) نے روایت کیا ہے اس کو ترمذی، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند ابان بن عبداللہ بجلی کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔

حدیث عبداللہ بن عمرو کو احمد (۲/۱۸۰) اور ابن ماجہ (۱۲۹۲) نے روایت کیا ہے، اس کی سند عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی کی وجہ سے شواہد میں حسن درجے کی ہے۔ اس حدیث کو فریابی نے بھی "احکام عیدین" (۲۲۹) میں روایت کیا ہے، مگر ان کے یہاں اس کے الفاظ یہ ہیں "لا صلوٰۃ یوم العید لا قبلها ولا بعدها" عید کے روز (نماز عید) سے قبل اور بعد کوئی نماز نہیں مگر ان الفاظ سے یہ محل نظر ہے۔

واضح رہے کہ نماز عید سے قبل یا بعد عیدگاہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نماز ثابت نہیں۔ لیکن عیدگاہ سے واپس لوٹ کر گھر میں دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابن ماجہ (۱۲۹۳) اور بیہقی (۳/۳۰۲) نے بسند حسن روایت کیا ہے اور بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۱/۱۵۲-۱۵۳ تحقیق محمد المنتقی) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: سفیان ثوری سے مروی ہے کہ عید الفطر کے بعد بارہ رکعت اور عید الاضحیٰ کے بعد چھ رکعت پڑھنی مستحب ہیں۔ ان کے اس قول کو غزالی نے ذکر کیا ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ان رکعات کے سنت ہونے کی مجھے کوئی دلیل نہیں ملی بلکہ صحیح حدیث اس کے خلاف ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ حدیث ابن عباس ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ سفیان تابع تابعی ہیں۔ لہٰذا ان کا یہ قول مقطوع بھی ہے ملاحظہ ہو۔ "احیاء علوم الدین مع تخریج العراقی" (۱/۲۳۶-۲۳۷)۔

واضح رہے کہ "احیاء" میں تو لفظ استحباب ہے جبکہ "تخریج عراقی" میں لفظ سنت ہے واللہ اعلم۔

۶۰۱ ــــ سخت ضعیف ہے۔

اس کو شافعی نے "اُم" (۱/۲۳۲) اور "مسند" (۷۴) میں بھی اور ان سے بیہقی (۳/۲۸۲) اور بغوی (۱۱۰۳) نے عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو حویرث سے روایت کیا ہے ایک تو یہ منقطع ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن اتباع تابعین میں سے ہیں اور متکلم فیہ بھی ہیں۔ نیز ابراہیم بن محمد اسلمی کی وجہ سے اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ یہ امام شافعی کے استاد ہیں مگر متہم ہیں۔

۶۰۲ من گھڑت ہے۔

اس کو حسن بن احمد بنا نے "کتاب الأضاحی" میں جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جیسا کہ "تلخیص" (۲/۸۳) میں ہے، اس کی سند میں معلی بن ہلال ہے، جس کے کذاب ہونے پر نقاد کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

۶۰۳ــــ رمضان کی عید میں حضورؐ کچھ کھا کر نماز کو نکلتے اور بقرہ عید میں نماز پڑھ کر کھاتے ۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

ــــــ عید کی نماز جلد ادا کی جائے اس پر عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لی جا سکتی ہے ان کے بارے میں ہے، کہ وہ عید الفطر یا عید اضحیٰ کے روز نماز کے لیے گئے امام نے نماز میں تاخیر کر دی تو وہ فرمانے لگے کہ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تو اب تک نماز سے فارغ ہو چکے ہوتے۔ راوی کا کہنا ہے کہ یہ چاشت کا وقت تھا۔

اس حدیث کو حاکم (۱/۲۹۴) بیہقی (۳/۲۸۲) اسی طرح ابوداؤد (۱۱۳۵) ابن ماجہ (۱۳۱۷) اور فریابی نے "احکام عیدین" (۱۰۷) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو حاکم، ذہبی اور نووی نے بھی خلاصہ میں جیساکہ "نصب الرایہ" (۲/۲۱۱) میں ہے۔ صحیح کہا ہے۔

بخاری نے اس کو مختصراً تعلیقاً مگر بصیغہ جزم ذکر کیا ہے۔ بخاری (۲/۴۵۶۔ فتح)۔

۶۰۳ــــ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۵۴۲) ابن ماجہ (۱۷۵۶) "صیام" ابن خزیمہ (۱۴۲۶) ابن حبان (۵۹۳) ابن عدی (۲/۵۲۸) دار دارقطنی (۲/۴۵) حاکم (۱/۲۹۴) بیہقی (۳/۲۸۳) اور بغوی (۴/۱۱۰) نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سند: " ثواب بن عتبة عن عبد الله بن بريدة عن أبيه "

ثواب بن عتبہ کی عقبہ بن عبداللہ نے متابعت بھی کی ہے۔ اس کی سند سے اس کو دارمی (۱/۳۷۵) اور ابن عدی (۵/۱۹۱۷) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اپنی دونوں سندوں کی بناء پر صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی، اور ابن قطان نے بھی صحیح کہا ہے۔ نووی نے "مجموع" (۵/۶) میں اس کو حسن کہا ہے۔

اوسط طبرانی (۴۴۵) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس پر شاہد بھی ہے۔

حدیث بریدہ میں دارقطنی کے یہاں اسی طرح دارمی اور ابن عدی کے یہاں عقبہ بن عبداللہ کی سند میں یہ اضافہ بھی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آنے پر اپنی قربانی کا گوشت کھاتے، ابن قطان نے اس اضافے کو بھی صحیح کہا ہے۔ جیساکہ "نصب الرایۃ" (۲/۲۰۹) میں ہے۔

اس حدیث کے پہلے جملے کے متعدد شواہد بھی ہیں، جن میں ایک انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جس کو بخاری (۹۵۳) ترمذی (۵۴۳) ابن ماجہ (۱۷۵۴) دارمی (۱/۳۷۵) احمد (۳/۱۲۶) ابن خزیمہ (۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹) ابن عدی (۶/۲۱۶۱، ۷/۴۹۹) دارقطنی (۲/۴۵) حاکم (۱/۲۹۴) اور بیہقی (۳/۲۸۲۔ ۲۸۳) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز عید گاہ جانے سے قبل کھجوریں کھاتے۔ ←

۶۰۴ - جس کی عید کی نماز فوت ہو جائے۔ تو وہ علیحدہ پڑھ لے۔ (بخاری)

۶۰۵ - عیدگاہ میں جس راستہ سے جائیں واپسی پر رستہ بدل کر آئیں۔ (بخاری)

عورتیں عیدگاہ میں

۶۰۶ - حضرت اُم عطیہؓ کہتی ہیں۔ کہ ہمیں حکم دیا گیا۔ کہ ہم (سب عورتوں کو گھروں سے) نکالیں (حتّٰی کہ) حیض والیوں اور پردہ والیوں کو (بھی) دونوں عیدوں میں تاکہ (سب) حاضر ہوں مُسلمانوں کی جماعت (نماز) اور ان کی دُعائیں اور (فرمایا حضورؐ نے) الگ رہیں حیض والیاں اپنے مصلّٰے سے (یعنی وہ نماز نہ پڑھیں)۔ لیکن مسلمانوں کی دعاؤں اور تکبیروں میں شامل رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور بخشش سے حِصّہ پائیں۔ ایک عورت نے عرض کیا، اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو؟ تو پھر وہ کیسے عیدگاہ جائے؟ فرمایا حضورؐ

← بخاری، احمد، ابنِ خزیمہ، دارقطنی اور بیہقی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ان کو وتر یعنی طاق عدد کھاتے مثلاً۔ تین، پانچ، سات وغیرہ۔

ابنِ عدی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ پانچ یا سات کھجور کھاتے۔ حاکم اور بیہقی کی ایک روایت میں تین، پانچ سات یا اس سے کم یا زیادہ کھجور کا ذکر ہے۔ سات کھجور کھانے کا ذکر جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے۔ جس کو طبرانی (۲/۲۴۸) اور ابن عدی (۷/۲۵۱۱) نے روایت کیا ہے ابن عدی کے ہاں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید اضحیٰ میں (نماز سے) واپس آکر کچھ کھاتے پیتے۔

۶۰۴ - مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں بخاری میں کوئی مرفوع روایت ہے۔ جبکہ ایسا نہیں بلکہ اس میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے۔ یہ بخاری (۲/۴۷۴) میں تعلیقاً "شرح معانی" (۴/۳۴۰) بیہقی (۳/۳۰۵) اور "مصنف ابن ابی شیبہ" (۲/۴۔ دار التاج) میں موصولاً مروی ہے۔ اس اثر میں ہے کہ جب وہ شہر میں جاکر عید کی نماز با جماعت ادا نہ کرسکتے تو اپنے موالی اور بچوں کو جمع کرتے پھر اپنے غلام عبداللہ بن ابی عتبہ کو شہر والوں کی نماز کی طرح نماز پڑھانے کا حکم دیتے یہ اثر صحیح ہے اور مذکورہ ترجمہ طحاوی کے سیاق کا ہے۔

۶۰۵ - اس کو بخاری (۹۸۶) اور بیہقی (۳/۳۰۸) نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ترمذی (۵۴۱) ابن ماجہ (۱۳۰۱) احمد (۲/۳۳۸) دارمی (۱/۳۷۸) ابن خزیمہ (۱۴۶۸) ابن حبان (۵۹۲) حاکم (۱/۲۹۶) اور بیہقی (۳/۳۰۸) نے اس حدیث کو جابر رضی اللہ عنہ کی بجائے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ تفصیل کے لئے "فتح الباری" (۲/۴۷۲) دیکھیں

۶۰۶ - اس کو بخاری (۳۲۴، ۳۵۱، ۹۷۱، ۹۷۴، ۹۷۴) "حیض، صلاۃ اور عیدین" مسلم (۶/۱۷۹-۱۸۰) ابوداؤد (۱۱۳۶) ←

سنے، چاہیئے کہ اس (بے چادر والی) کو اس کی ساتھ والی عورت چادر اڑھادے (یعنی چادر کسی دوسری عورت سے عاریۃً لے کر چلے) (بخاری مسلم)

نبیؐ رحمت نے دُنیا کی بھولی، لبسری کشتنی اور زندہ درگور (عورت پر مردوں کی تعلیم فرض قرار دی[1]۔ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورت کے لیے نمازوں اور جُمعہ کے خُطبے سُننے کے لیے مسجد کا دروازہ کھول دیا۔ عیدوں کے اہم اجتماعوں میں رسولِ خدا کے خطاب علم وہدایت کا دریا ہوتے تھے۔ حضور انورؐ نے ان اجتماعوں میں بھی عورتوں کو مردوں کے ساتھ برابر شریک کیا بلکہ حائض عورت تک کو حاضری کا حکم دیا۔ تاکہ مردوں کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم اور ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ غور کریں کہ رسُول اکرم نے عورت کی بہبُودی کے لیے کیسے اچھے انتظام کر رکھے تھے۔

عورتوں کی حالتِ زار

لیکن افسوس! کہ ہمارے زمانے کی ملائیت اور پاپائیت نے جہاں عورت کو ماڈرن ایجوکیشن سے کوسوں دُور ہٹایا۔ وہاں مذہب کی صحیح تعلیم سے بھی اس کو پُورا جاہل رکھا۔ آج نسائیت کا آبگینہ جہالت کی مے سے بھرا ہُوا ہے۔ نہ عورت کے لیے جمعہ کے مسنُون خُطبے ہیں نہ عیدین میں اس کے لیے سُنت کے مطابق وعظ ہیں نہ اس کے لیے کتاب وسنت کی تعلیم کا کوئی انتظام ہے، وہ اسلام کی تعلیم سے پوری طرح ناآشنا ہے۔ وہ اپنے پیارے نبیؐ کے قول وفعل سے بیگانی ہے۔ آہ صنف نازک ملائیت کے ہاتھوں زہرِ جہالت کھا کر جان بلب ہے مُسلمانو! خدارا عورت کی خبر لو۔ اور اس کے لیے تعلیم دُنیا اور تعلیم دین کا اپنی پہلی فرصت میں انتظام کرو کہ کوئی عورت ان پڑھ نہ رہے۔ دُنیا کو بھی خوب سمجھے اور دین کا بھی پورا شعور رکھے۔

---

[1] ۔ ۷۰۷۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ " ہر مسلمان (مرد و عورت) پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

(۱۱۳۹) نسائی (۳/ ۱۸۰ - ۱۸۱) اور ابن ماجہ (۱۳۰۷، ۱۳۰۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۷۰۷ ــــ صحیح حدیث ہے۔

یہ حدیث انس، ابن عمر، ابوسعید خدری، ابن عباس، ابن مسعود، علی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کی شیخ البانی نے اٹھارہ سندیں ذکر کی ہیں ان اٹھارہ سندوں کے علاوہ اس کی دو اور سندیں بھی ہیں اور یہ دو سندیں "تاریخ واسط" (۷۵) میں ہیں بلکہ شیخ البانی نے "حاشیہ مشکاۃ" (۱/ ۷۱) میں کہا ہے کہ سیوطی نے اس کے پچاس کے قریب طرق جمع کیے ہیں اور اس لیے اس پر صحت کا حکم لگایا ہے حافظ عراقی نے بعض ائمہ سے بھی اس کی صحت نقل کی ہے اور کئی علماء نے اس کو حسن کہا ہے۔ اھ۔

۶۰۸۔ بارش کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو عید کی نماز بجائے جنگل کے مسجد میں پڑھائی۔ (ابوداؤد)

← ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس کا بہت سے طرق سے مروی ہونا اس کے حسن ہونے کا متقاضی ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حافظ عراقی نے کہا ہے کہ بعض ائمہ نے اس کے بعض طرق کی تصحیح کی ہے اور مزی کا کہنا ہے کہ یہ اپنے طرق کی بناء پر حسن درجے کو پہنچ جاتی ہے۔" شرح مسند ابو حنیفہ (۵۳۸)۔

البانی نے اس کو اس کے طرق و شواہد کی بناء پر صحیح کہا ہے اس کے طرق اور شواہد پر اطلاع کے لیے "تخریج احادیث مشکلۃ الفقر" حدیث (۸۶) دیکھیں۔

اس کتاب میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مذکورہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کی تخریج ہے اور حدیث ابو ہریرہ "مسند ابو حنیفہ" (۵۳۷) میں ہے۔

تنبیہ: حدیث انس کے ایک طرق میں " اطلبوا العلم ولو بالصین" (علم حاصل کرو خواہ چین ہی جا کر) کا اضافہ بھی ہے اس اضافے سے اس کو عقیلی (۲/ ۲۳۰) ابن عدی (۴/ ۱۴۳۸) خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۹/ ۳۶۴) میں ابن عبدالبر نے " جامع العلم" (۱/ ۷) میں اور ابن جوزی نے "موضوعات" (۱/ ۲۱۵) میں روایت کیا ہے۔

مگر اس اضافے کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ طریف بن سلیمان ابو عاتکہ کی سند میں ہے اس کو بخاری نے منکر الحدیث اور عقیلی نے متروک کہا ہے۔

اس حدیث میں لفظ "مسلم" کے بعد لفظ "مسلمہ" کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے۔ مگر اس اضافے کی کوئی اصل نہیں ہے جیسا کہ شیخ البانی نے "تحقیق مشکاۃ" اور "تخریج احادیث مشکلۃ الفقر" میں کہا ہے۔ آخری کتاب میں انہوں نے حافظ سخاوی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے کسی طریق میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ مگر معنی اس کا صحیح ہے (ص (۶۲)۔

۶۰۸۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابو داؤد (۱۱۶۰) ابن ماجہ (۱۳۱۳) حاکم (۱/ ۲۹۵) اور بیہقی (۳/ ۳۱۰) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند عیسیٰ بن عبدالاعلیٰ بن ابی فروہ کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ یہ مجہول ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے ذہبی نے اس کو غیر معروف کہا ہے اور اس کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث فرد اور منکر ہے" میزان" (۳/ ۳۱۵) حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۲/ ۸۲) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اسی طرح ابن قیم نے بھی اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے دیکھیں" زاد المعاد" (۱/ ۱۴۴)۔

یہ حدیث اگر ثابت نہ بھی ہو تب بھی بوقت ضرورت نماز عید مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے بیہقی میں امیر المومنین ←

٦٠٩۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز خطبے سے پہلے پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

٦١٠۔ عیدگاہ کو جاتے اور واپس آتے ہوئے اونچی آواز سے یہ تکبیر پڑھتے رہیں۔

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" (دارقطنی)

۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے بارش کی وجہ سے نمازِ عید مسجد میں ادا کی۔

٦٠٩۔ یہ ابن عباس، ابن عمرؓ اور جابر رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے۔ حدیث ابن عباس اور حدیث ابن عمرؓ میں یہی بات حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی کہی گئی ہے۔ بلکہ حدیث ابن عباس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہے۔

١۔ حدیث ابن عباس کو بخاری (٩٦٢) اور مسلم (٦/١٧١-١٧٢) نے روایت کیا ہے۔

٢۔ حدیث ابن عمر کو بخاری (٩٦٣) مسلم (٦/١٧٧) ترمذی (١/٥٣١) نسائی (٣/١٨٣) اور ابن ماجہ (١٢٧٦) نے روایت کیا ہے۔

٣۔ حدیث جابر مسلم (٦/١٧٥) اور نسائی (٢/١٨٦) میں ہے۔

٦١٠۔ یہ حدیث مرفوعاً ضعیف ہے۔

اس کو دارقطنی (٢/٤٤) حاکم (١/٢٩٧-٢٩٨) اور بیہقی (٣/٢٧٩) نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن گھر سے نکلنے سے لے کر عیدگاہ تک تکبیریں کہتے جاتے۔ مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس کی سند یوں ہے۔

مُوسیٰ بن محمد بن عطاء ثنا الولید بن محمد نا الزھری أخبرنی سالم بن عبداللہ بن عمران عبد اللہ بن عمر أخبرہ۔

یہ اس کی سند ہے موسیٰ بن محمد اور ولید بن محمد یہ دونوں متروک ہیں۔ جیسا کہ ذہبی نے "تلخیص مستدرک" میں کہا ہے۔ بیہقی نے موسیٰ کو منکر الحدیث ضعیف اور ولید کو ضعیف کہا ہے اور کہا کہ ان جیسوں کی روایت قابل حجت نہیں اور یہ حدیث ابن عمرؓ سے موقوفاً محفوظ ہے۔

اس حدیث کے ضعف پر مزید جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ ابن ابی ذئب نے اس کو زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اس مرسل کی سند صحیح ہے یہ مرسل "مصنف ابن ابی شیبہ" (١/٤٨٧ - دارالتاج) میں ہے۔

اس حدیث کی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند بھی ہے اور وہ نافع کی سند ہے جو یوں ہے۔

"احمد بن عبد الرحمن بن وھب ثنا عمی ثنا عبد اللہ بن عمر عن نافع عنہ" ←

← اس سند سے اس کو ابنِ خزیمہ (۱۴۳۱) نے اور ان سے بیہقی (۳ / ۲۷۹) نے روایت کیا ہے۔ یہ سند ضعیف ہے۔ امام ابنِ خزیمہ اس حدیث کو روایت کرنے سے پہلے فرماتے ہیں "بشرطیکہ یہ خبر صحیح ہو۔ کیونکہ اس کے بارے میں دل میں شبہ ہے۔ احمد بن عبدالرحمٰن سے اگر غلطی نہیں ہوئی تو میرے خیال میں اس کی علت عبداللہ بن عمر عمری ہے۔

قلت: احمد بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن عُمر اگرچہ دونوں ہی متکلم فیہ ہیں۔ مگر میرے خیال میں اس کی علت عمری نہیں بلکہ احمد بن عبدالرحمٰن ہے۔ ان میں جو کلام کیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ ان کی اپنے چچا سے بیان کردہ روایات بھی ہیں اور یہ روایت انھوں نے اپنے چچا سے بیان کی ہے۔

عبداللہ بن وہب سے اس کو احمد بن عبدالرحمٰن کی طرح ابو ہمام ولید بن شجاع نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر انھوں نے اسکو مرفوعًا نہیں۔ بلکہ موقوفًا روایت کیا ہے دیکھیں "أحکام عیدین" للفریابی (۱۱۶)۔

ولید میں بھی اگرچہ کچھ کلام کیا گیا ہے۔ مگر حافظ صاحب نے "تقریب" میں ان کو ثقہ کہا ہے۔ انہوں نے (ولید نے) اس سند میں عبداللہ بن عمر عمری کے ساتھ اسامہ بن زید کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس حدیث کو عمری سے ابن وہب کی طرح وکیع نے بھی روایت کیا ہے۔ انہوں نے بھی اس کو موقوفًا ہی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "احکام عیدین" (۱۱۷)۔

نیز نافع سے اس کو عمری کے علاوہ مالک، ابنِ عجلان، موسیٰ بن عقبہ اور اسامہ بن زید نے بھی روایت کیا ہے اور ان سب نے اس کو موقوفًا ہی روایت کیا ہے۔ مرفوعًا نہیں۔

مالک کی سند سے اس کو فریابی (۱۱۰) نے، ابنِ عجلان کی سند سے ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۸۷) فریابی (۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳ - ۱۱۴) دار قطنی (۲/ ۴۴) حاکم (۱/ ۲۹۸) اور بیہقی (۳/ ۲۷۹) نے موسیٰ بن عقبہ اور اسامہ بن زید کی سند سے اسے فریابی (۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۷) نے روایت کیا ہے اس تفصیل سے معلوم ہُوا کہ یہ حدیث موقوفًا صحیح ہے۔ مرفوعًا صحیح نہیں۔ لہٰذا امام بیہقی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث، ابنِ عمر سے موقوفًا محفوظ ہے درست ہے۔

ان تکبیروں کے بارے میں دیگر آثار بھی ہیں۔ مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۸۸ میں) اور "احکام عیدین" (۱۷۱) میں امام زہری سے روایت ہے کہ عید میں لوگ اپنے گھروں سے نکلتے وقت تکبیریں کہتے۔ یہاں تک کہ عیدگاہ پہنچ جاتے اور امام آجاتا، جب امام آجاتا تو وہ خاموش ہوجاتے۔ پھر امام جب تکبیریں کہتا تو وہ بھی تکبیریں کہتے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

فریابی نے "احکام عیدین" (۱۲۰) میں دار قطنی (۲/ ۴۴) حاکم (۱/ ۲۹۸) اور بیہقی (۳/ ۲۷۹) نے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سے روایت کی ہے کہ لوگ عید فطر میں عید اُضحیٰ کی نسبت تکبیروں کا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

امام زہری اور ابُو عبدالرحمٰن دونوں تابعی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین یا تابعین کے بارے میں نقل کی ہے۔ ←

۶۱۱ــــ عیدالفطر کے لیے گھر سے نکلنے سے قبل[1] صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے ۔ (مشکوٰۃ)

۶۱۲ــــ بقرہ عید کے روز نمازِ عید پڑھ کر قربانی کرنی چاہیئے (بخاری ومسلم)

۶۱۳ــــ عرفہ کے دن (ذی الحجہ کی نویں تاریخ) سے لے کر تیرہ تاریخ تک تکبیریں بلند آواز سے بکثرت پڑھتے رہیں ۔ (نمازوں کے بعد) دارقطنی)

---

(۱) ایک صاع یعنی دو سیر ۱۲ چھٹانک گندم فی کس، غریب نصف صاع بھی دے سکتے ہیں ۔

ــــــ واضح رہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہا کی مرفوع اور موقوف حدیث میں الفاظ تکبیر کی صراحت نہیں ہے ۔ ان الفاظ کی صراحت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کی تخریج نمبر ۶۱۳ میں آرہی ہے ۔ مگر یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے ۔

الفاظ تکبیر یا صیغۂ تکبیر کے بارے میں بعض آثار بھی ہیں، جن کا مذکورہ نمبر میں ذکر ہوگا ۔

تنبیہ : مؤلف نے کہا ہے کہ عیدگاہ کو جاتے اور واپس آتے ہوئے اونچی آواز سے یہ تکبیر پڑھتے رہیں ۔

مگر واضح رہے کہ واپس آتے ہوئے تکبیریں کہنے پر کوئی دلیل نہیں ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہا کی موقوف روایت کی اکثر روایات میں ہے کہ وہ امام کے آنے تک تکبیریں کہتے اور فریابی کی ایک روایت میں ہے کہ وہ امام کے آنے پر اس کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتے ۔

ان کی جو مرفوع روایت ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ پہنچنے تک تکبیریں کہتے ۔

مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے زہری کی جو مرسل روایت گزری ہے ۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ختم ہونے پر تکبیریں کہنا بند کر دیتے ۔

جبکہ ابن قاسم نے یہ صراحت کی ہے کہ واپسی پر تکبیریں نہ کہے، سحنون نے جب ان سے دریافت کیا کہ کیا یہ مالک کا قول ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں " مدونہ کبریٰ " (۱/ ۱۶۷ - ۱۶۸) ۔

۶۱۱ ــــ اس حدیث کی تخریج نمبر ۵۹۶ میں گزر چکی ہے ۔

۶۱۲ ــــ اس حدیث کی تخریج نمبر ۵۹۷ میں گزر چکی ہے ۔

۶۱۳ ــــ انتہائی ضعیف ہے ۔

یہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں ہے ۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن نمازِ فجر سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ تاریخ) کی عصر تک تکبیریں کہتے ۔

اس کو دارقطنی (۲/ ۴۹ - ۵۰) بیہقی (۳/ ۳۱۵) اور خطیب بغدادی نے " تاریخ بغداد " (۱۰/ ۲۳۸) میں روایت کیا ہے ۔ ــــــ

--- دار قطنی کی ایک روایت میں صیغۂ تکبیر کی صراحت بھی ہے ۔ جو یہ ہے ۔

" اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اللّٰه اكبر، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه واللّٰهُ اكبر، اللّٰه اكبر ولله الحمد "

مگر یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے ۔ بلکہ موضوع ہے ۔ کیونکہ اس میں عمرو بن شمر اور جابر جعفی ہیں ۔ عمرو متروک ہے ، بلکہ سعدی نے اس کو کذاب کہا ہے اور جابر ضعیف ہے ۔ بلکہ اس کو بھی جوزجانی وغیرہ نے کذاب کہا ہے ۔

دار قطنی کی ایک روایت میں یہ حدیث اسی سند سے جابر رضی اللہ عنہ کی بجائے علی ابن ابی طالب اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے ۔

حاکم (۱/ ۲۹۹) نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی ان سے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے ۔ مگر ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ خبر سخت ضعیف ہے ۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ من گھڑت ہے ۔ کیونکہ عبدالرحمٰن مناکیر بیان کرتا ہے اور سعید اگر کریزی ہے تو ضعیف ہے ۔ اگر کوئی دوسرا ہے تو مجہول ہے ۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۸۹ ۔ دار التاج) میں یہ حدیث زہری سے مرسلاً مروی ہے ۔ مگر اس میں عرفہ کے دن نمازِ فجر کی بجائے نمازِ ظہر سے تکبیریں کہنے کا ذکر ہے ۔ اس مرسل کی سند صحیح ہے ۔ ان ایام میں تکبیریں کہنے کے بارے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے آثار بھی ہیں جن میں سے بعض آثار یہ ہیں ۔

۱ ۔ اثر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۔

اس اثر کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۸۸) عبداللہ بن احمد نے "مسائل احمد" (۱۲۹/ ۴۷۰) میں حاکم (۱/ ۲۹۹ اور بیہقی (۳/ ۳۱۴) نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح ہے ۔ اس کو حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے ۔ اس کی تین سندیں ہیں ۔ جن میں سے ایک حسن درجے کی ہے ۔

یہ اثر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ۔ اس کو بھی ابنِ ابی شیبہ ، حاکم اور بیہقی ہی نے عبید بن عمیر کی سند سے روایت کیا ہے ۔ اس میں تیرہ تاریخ کو عصر تک تکبیریں کہنے کی بجائے ظہر تک کہنے کا ذکر ہے ۔ مگر یہ اسنادی اعتبار سے ثابت نہیں ۔ کیونکہ اس میں حجاج بن اَرطاۃ ہے جو کثیر الغلط ہے ۔ بلکہ امام یحییٰ بن سعید کا کہنا ہے کہ اس کے بیان کرنے میں حجاج کو وہم ہوا ہے ۔ اس سند سے تو ان کے بارے میں ہے کہ وہ منیٰ میں اپنے خیمے میں تکبیریں کہتے تھے ۔ مزید تفصیل "سنن بیہقی" (۳/ ۳۱۴ ایضاً ۳۱۲) میں دیکھیں ۔

۲ ۔ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما ۔

اس کو ابنِ ابی شیبہ (۱/ ۴۸۹ ، ۴۹۰) دولابی نے "کنی" (۱/ ۱۲۴) میں حاکم (۱/ ۲۹۹) بیہقی (۳/ ۳۱۴ / ۳۱۵) اور خطیب بغدادی نے "موضح" (۱/ ۲۲۸) میں روایت کیا ہے ۔ اس کی سند صحیح ہے ۔ حاکم اور ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے ۔

ابن ابی شیبہ کے یہاں صیغۂ تکبیر کی صراحت بھی ہے جو یوں ہے ۔

"اللّٰهُ اكبر كبيرا اللّٰهُ اَكْبَرُ كبيرًا اللّٰه اكبر و أجل اللّٰه اكبر ولله الحمد ۔ ---

— یہ صراحت بیہقی کے یہاں بھی ہے مگر اس کے الفاظ کچھ مختلف ہیں جو یوں ہیں ۔

" اَللّٰہُ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد، اللّٰہ اکبر وأجلّ، اللّٰہ اکبر علی ما ھدانا "

تنبیہ : مذکورہ اثر کی ابن عباس سے ایک دوسری سند بھی ہے مگر اس میں ہے کہ وہ قربانی کے دن ظہر کی نماز سے تکبیریں کہنا شروع کرتے تھے ۔

اس سند سے اس کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۸۹) اور بیہقی (۳/ ۳۱۴) نے روایت کیا ہے ۔ مگر وہ سند ضعیف ہے ۔ کیونکہ اس میں خصیف بن عبدالرحمٰن سئی الحفظ ہیں اور شریک بن عبداللہ کثیر الغلط ہیں ۔

مذکورہ دونوں اثروں میں ہے کہ علی بن ابی طالب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم عرفہ کے دن نمازِ فجر سے تکبیریں کہنا شروع کرتے اور ذوالحجہ کی تیرہ تاریخ کو نماز عصر تک کہتے رہتے ۔

۳ ۔ اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

اس اثر میں ہے کہ وہ عرفہ کے روز نمازِ فجر سے تکبیریں شروع کرتے اور قربانی کے روز نماز عصر تک تکبیریں کہتے ۔

اس کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۸۸، ۴۹۰) اور طبرانی (۹/ ۳۵۵) نے اسود بن یزید کی سند سے روایت کیا ہے ۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر اسود سے اس کو ابو اسحاق نے روایت کیا ہے ۔ جو مدلس ہیں اور انہوں نے اس کو لفظ " عن " سے روایت کیا ہے ۔ مگر یہ اثر صحیح ہے ۔ کیونکہ اس کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ ابو وائل شقیق بن سلمہ کی سند ہے اس سند سے اس کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۸۸) نے روایت کیا ہے ۔ اس سند میں ایک راوی غیلان بن جابر ہے ۔ میرے خیال میں یہ جابر دراصل جامع تھا مگر کاتب وغیرہ کی غلطی سے اسے جابر لکھ دیا گیا یہ غیلان اگر واقعتہً غیلان بن جامع ہے تو یہ سند صحیح ہے اور اگر یہ غیلان، غیلان بن جابر ہی ہے ۔ تو تو اسے میں نہیں جانتا ۔

اس کی پہلی سند میں یعنی جو اسود بن یزید کی سند ہے " مصنف ابن ابی شیبہ میں تکبیر کے الفاظ بھی ذکر ہوئے ہیں اور وہ وہی الفاظ ہیں جو مؤلف کے یہاں حدیث (۶۱۰) میں مذکور ہیں مگر اس میں ایک مقام پر اللہ اکبر دو مرتبہ کی بجائے تین مرتبہ ہے ۔

اس اثر کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک تیسری سند بھی ہے اور یہ عمیر بن سعید کی سند ہے ۔ اس سند سے اس کو حاکم (۱/ ۳۰۰) نے روایت کیا ہے ۔

اس سند سے یہ اثر، اثر علی اور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے ۔ یعنی ابن مسعود عرفہ کے دن نماز فجر سے تکبیریں شروع کرتے اور تیرہ تاریخ کی عصر کو ختم کرتے ۔

اس کو حاکم اور ذہبی نے تو صحیح کہا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے ۔ کیونکہ اس میں ابو جناب یحییٰ بن ابی حیہ کلبی ہے ۔ جسے محدثین نے اس کی کثرت تدلیس کی وجہ سے ضعیف کہا ہے ۔ جیسا کہ " تقریب " (۲/ ۳۴۶) میں ہے ۔

ابو جناب سے اسے ہشیم نے روایت کیا ہے اور یہ بھی مدلس ہیں اور انہوں نے اسے لفظ " عن " سے روایت کیا ہے ۔ —

ــــــ حاصل کلام یہ کہ اس مسئلے میں صرف آثار ہی وارد ہیں کوئی مرفوع حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اس مسئلے کی متعدد جزئیات میں اختلاف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"ولم یثبت فی شیٔ من ذالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث وأصح ماورد فیہ عن الصحابۃ قول علی وابن مسعود انہ من صبح یوم عرفۃ إلیٰ اٰخر ایام منیٰ اخرجہ ابن منذر وغیرہ واللہ اعلم" فتح الباری (۴۶۲/۲)۔

ان میں سے کسی چیز کے بارے میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اس بارے میں صحابہ سے صحیح ترین جو مروی ہے وہ علی اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) کا قول ہے کہ یہ (تکبیریں) یوم عرفہ کی صبح سے لے کر منیٰ کے آخری دن (۱۳ ذوالحجہ) تک ہیں۔ اس قول کو ابن منذر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حافظ صاحب نے اپنے اس کلام میں ابن مسعود کے قول کو بھی صحیح ترین کہا ہے۔ شاید ابن منذر کے یہاں اس کی کوئی صحیح سند بھی ہو۔ اگر ان کے یہاں بھی اسی کی وہی سند ہے جو حاکم کے یہاں ہے تو پھر حافظ صاحب کے مذکورہ کلام میں قدرے ترمیم کی ضرورت ہے وہ یوں کہ صحابہ سے صحیح ترین جو مروی ہے وہ علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو قول صحیح ثابت ہے۔ اس میں تکبیروں کی انتہا تیرہ تاریخ کی بجائے دس تاریخ کو ہے۔

یہاں تک تو بحث تکبیر کہنے سے متعلق تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ تکبیر کے الفاظ کیا ہوں؟

اس سوال کے جواب کے لیے اثر ابن عباس اور اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو پیش کیا جا سکتا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر میں تکبیر کے جو الفاظ مروی ہیں۔ وہی الفاظ تابعین میں سے سعید بن جبیر، مجاہد اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ وغیرہ کے اثر میں بھی ہیں۔ چنانچہ فریابی نے "احکام عیدین" (۱۱۹) میں یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر، مجاہد، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ یا ان تینوں میں سے دو کو اور جن فقہاء کو ہم نے دیکھا ہے۔ ان کو بھی ذوالحجہ کے دس دنوں میں یہ کہتے ہوئے دیکھا ہے۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الٰہ إلا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد"

مگر اس اثر کی سند یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس بارے میں صحیح ترین سلمان (رضی اللہ عنہ) کا قول ہے، جسے عبدالرزاق نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اس میں تکبیر یوں ہے۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کبیرًا" دیکھیں "فتح الباری" (۴۶۲/۲)۔

اس اثر کو بیہقی نے بھی عبدالرزاق سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں لفظ "اللہ اکبر" دو مرتبہ ہے اور "کبیرًا" یا "تکبیرًا" شک کے ساتھ ہے۔ نیز ان الفاظ کے بعد درج ذیل کلمات کا اضافہ بھی ہے۔

اللّٰھم انت أعلی وأجل من ان تکون لک صاحبۃ او یکون لک ولد او یکون لک شریک فی الملک او یکون لک ولی من الذل وکبرہ تکبیراً اللّٰھم اغفرلنا ــــــ

عیدین کی نماز کا طریقہ [1]

۶۱۴ــ وضو کر کے قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع الیدین کریں۔ (بخاری)

۶۱۵ــ پھر سینے پر ہاتھ باندھ کر دعائے افتتاح اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ الخ (یا) سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ پڑھیں۔ (ابن خزیمہ)

۶۱۶ــ پھر دعائے افتتاح ختم کر کے قرأت سے پہلے ٹھیر ٹھیر کر سات تکبیریں کہیں۔ (ترمذی)

۶۱۷ــ ہر ہر تکبیر پر رفع الیدین کریں اور ہر تکبیر پر ہاتھ باندھ لیا کریں۔ (بیہقی)

---

[1] امام بھی عیدین کی نماز اسی مسنون طریق پر پڑھائیں اور اگر کسی بھائی یا بہن کو اکیلے پڑھنے کا اتفاق ہو تو وہ بھی اسی طرح پڑھے (منہ)

ــــ اللّٰھُمَّ ارحمنا ؛ سنن بیہقی (۳/۳۱۶)

اس اثر کو سلمان سے ابو عثمان نہدی نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلمان ہمیں تکبیر کہنے کی تعلیم دیا کرتے اور کہتے کہ تکبیر یوں کہو۔

اس اثر میں یہ صراحت نہیں کہ وہ کس موقع کے لیے اس تکبیر کی تعلیم دیتے۔

امام احمد بن حنبل نے تکبیروں کی ابتداء اور انتہاء کے بارے میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عمل کو لیا ہے اور الفاظ تکبیر کے بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو لیا ہے ملاحظہ ہو۔ "مسائل الامام احمد" لإبنہ عبداللہ (۱۲۹، ۱۳۰/ ۴۷۶، ۴۸۱) اور "مسائل احمد" لأبی داؤد (۶۱)۔

تکبیروں سے متعلق تمام مسائل کے بارے میں "مجموع نووی" (۵/ ۳۰-۴۲) فتح الباری (۲/ ۴۶۲) اور "نیل الأوطار" (۳/ ۳۱۵- ۳۱۶) دیکھیں۔

۶۱۴ ــ اس کے لیے حدیث (۲۵۵) دیکھیں۔

۶۱۵ ــ اس کے لیے حدیث (۲۶۰، ۲۶۸، ۲۶۹) دیکھیں۔

۶۱۶ ــ اس کی تخریج حدیث (۶۲۲) میں آرہی ہے۔

۶۱۷ ــ یہ وہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو نمبر (۳۳۸) میں گزر چکی ہے اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی ابتداء کرتے وقت رفع یدین کرتے۔ اسی طرح رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرتے۔

اس حدیث کی ایک روایت میں جو ابو داؤد (۷۲۲) دارقطنی (۱/ ۲۸۸) اور بیہقی (۲/ ۸۳، ۳/ ۲۹۲-۲۹۳) ــــ

—— میں ہے۔ یہ اضافہ بھی ہے۔

" ویرفعهما فی کل تکبیرۃ یکبرها قبل الرکوع حتی تنقضی صلاته "

" اور آپ ہر اس تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے جو رکوع میں جانے سے قبل کہتے یہاں تک کہ آپ کی نماز مکمل ہو جاتی۔

مسند احمد (۲/ ۱۳۳-۱۳۴) اور دارقطنی (۱/ ۲۸۹) میں اس حدیث کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں بھی ہیں۔

" ویرفعهما فی کل رکعة وتکبیرۃ کبرها قبل الرکوع حتی تنقضی صلاته "

اور آپ ہر رکعت میں اور ہر اس تکبیر میں جو قبل از رکوع کہتے ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک کہ آپ کی نماز مکمل ہو جاتی۔

اس حدیث کی ان روایات سے عیدین کی تکبیروں میں رفع یدین کرنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ مگر ان روایات سے درج ذیل وجوہ کی بناء پر استدلال صحیح نہیں۔

۱۔ اس حدیث میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے قبل جو تکبیر بھی کہتے اس کے ساتھ رفع یدین کرتے۔

اگر اس معنی کو لیا جائے تو اس کا عموم عیدین کی تکبیروں کو بھی شامل ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے جو رکوع میں جانے کے لیے کہتے۔

اور اس حدیث کا صحیح مفہوم بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی عام نماز کی صفت ذکر ہوئی ہے۔ نہ کہ اس میں عیدین کی نماز کا طریقہ ذکر ہوا ہے۔

امام بیہقی جنہوں نے اس حدیث سے نماز عیدین کی زوائد تکبیروں میں رفع یدین کرنے پر استدلال کیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کا ایک معنی یہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مقام پر اس حدیث پر یوں باب باندھا ہے۔

باب " السُّنَّةِ فِی رفع الیدین کلما کبر للرکوع " سنن بیہقی (۲/ ۸۳) " رکوع میں جانے کے لیے کہی جانے والی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین سنت ہونے کا بیان "

شیخ البانی اس حدیث کا جس سے نماز عیدین کی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" یہ استدلال بعد سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا سیاق فرض نماز کے وصف کے بارے میں ہے جس میں نماز عید کی زوائد تکبیریں نہیں ہیں اور یہ کہنا کہ ابن عمر نے اس حدیث میں ان تکبیروں کو بھی مراد لیا ہے۔ اس حدیث کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا واللہ اعلم۔

(إرواء الغليل (۳/ ۱۱۳)

← ۲- اس حدیث میں " ویرفعهما فی کل تکبیرة یکبرها قبل الرکوع " کے الفاظ صرف بقیة بن ولید اور محمد بن عبداللہ بن مسلم کی روایت میں ہیں۔ جب کہ اس حدیث کی زہری سے جو دوسری سندیں ہیں۔ ان میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور وہ کل گیارہ سندیں ہیں۔ جن کے راویوں کے نام درج ذیل ہیں۔

مالک، سفیان بن عیینہ، معمر بن راشد، ابن جریج، عبداللہ بن عمر عمری، عبیداللہ بن عمر عمری، ہشیم بن بشیر، یونس بن یزید، شعیب بن ابی حمزہ، عقیل بن خالد اور محمد بن ابی حفصہ۔

ان تمام راویوں نے اس حدیث کو اس سیاق سے روایت کیا ہے۔ جس سیاق سے یہ حدیث اس کتاب کے نمبر (۳۲۸) میں موجود ہے۔ اسی طرح نمبر (۳۲۹) بھی دیکھیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث کا جو سیاق ہے وہ اس امر کا متحمل نہیں ہے۔ کہ اس سے نماز عیدین کی زوائد تکبیروں میں رفع یدین کرنے پر استدلال کیا جائے۔ ان تکبیروں میں رفع یدین ایک شرعی حکم ہے، جس کے اثبات کے لیے واضح اور صریح دلیل کی ضرورت ہے۔ جو یہاں مفقود ہے۔

مسند احمد (۴/۱۶) میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک روایت کے الفاظ یوں بھی ہیں۔

"رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ مع التکبیر۔"

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے۔"

امام احمد فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اس حدیث میں تمام تکبیریں داخل ہیں۔ ملاحظہ ہو "مغنی ابن قدامہ" (۲/۳۸۳) اور "منار السبیل" (۱/۱۵۱)۔

مگر اس حدیث سے بھی درج ذیل وجوہ کی بنا پر استدلال درست نہیں۔

۱- وائل بن حجر سے اس کو عبدالرحمٰن بن یحصبی نے روایت کیا ہے۔ جس کی ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے توثیق نہیں کی اور ان سے صرف دو ہی راویوں نے روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ مجہول راویوں کے زمرے میں آتا ہے۔

۲- اسی سند سے اس حدیث کو طیالسی (۱/۹۵) اور دارمی (۱/۲۸۶) نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ان کے یہاں یہ اس سیاق سے ہے۔

انہوں نے (وائل نے) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر کہتے اور تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی کرتے۔

اس روایت سے مسند احمد والی روایت کی وضاحت ہو گئی کہ اس میں تکبیر سے مراد رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کہی جانے والی تکبیر ہے۔ ←

۶۱۸ — پھر امام اونچی آواز سے اور مقتدی آہستہ الحمد شریف پڑھیں، پھر امام اونچی آواز سے قرأت پڑھے، اور مقتدی چپ چاپ سنیں۔ (صحیح مسلم)

← ۳ - یہ حدیث علقمہ بن وائل وغیرہ کی سند سے بھی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اس سند میں بھی رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اس حدیث کا بھی ظاہری سیاق و سباق بتلاتا ہے کہ اس کا تعلق بھی فرضی نماز یا عام نماز سے ہے، نمازِ عیدین سے اس کا ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو اس کتاب کی حدیث (۲۴۰)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نمازِ عیدین کی تکبیروں سے رفع یدین کے بارے میں کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ اسی لیے علامہ ابن حزم فرماتے فرماتے ہیں۔

"لم یصح قط ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع فیہ یدیہ"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ان تکبیروں میں رفع الیدین کی ہے۔ "محلی" (۵/۸۳-۸۴)۔

بیہقی (۳/۲۹۳) میں امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ عیدین کی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرتے۔ مگر ان سے یہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند ابنِ لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

کاسانی نے "بدائع الصنائع" (۱/۲۷۷) میں اور مرغینانی نے "ہدایہ" (۲/۷۷) میں ان تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرنے پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے دلیل لی ہے جس میں ہے کہ سات مقامات پر ہاتھ اُٹھائے جائیں۔

ان کے کہنے کے مطابق ان سات مقامات میں نمازِ عیدین کی تکبیریں بھی ہیں۔ ان کی اس دلیل کے دو جواب ہیں۔

۱۔ اس حدیث میں عیدین کی تکبیروں کا ذکر نہیں ہے۔ اسی لیے امام ابنِ ہمام نے "فتح تقدیر" (۲/۷۷) میں اور حافظ زیلعی نے "نصب الرایۃ" (۲/۲۲۰) میں مرغینانی کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث میں عیدین کی تکبیروں کا ذکر نہیں ہے۔

۲ - یہ حدیث ضعیف ہے اس کو بزار (۵۱۹) اور طبرانی (۱۱/۳۸۵ ایضاً ۵۴۲) نے روایت کیا ہے۔ بزار کے یہاں یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے۔

اس حدیث کی سند پر تفصیلی کلام کے لیے "فتح القدیر" (۱/۳۰۹-۳۱۰) اور "نصب الرایۃ" (۱/۳۸۹-۳۹۲) دیکھیں۔

۶۱۸ — مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ اس مسئلے کے دلائل اس کتاب میں گزر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل نمبر (۲۸۱ - ۲۸۵)

رہا مقتدی کا امام کی باقی قرأت کو چپ چاپ سُننا تو اس کی دلیل ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ میں مروی حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور جزء القراءۃ للبخاری وغیرہ میں مروی حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے ان دونوں احادیث کی مفصل تخریج کے لیے حدیث (۲۸۲، ۲۸۴) دیکھیں۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس کے لیے مسلم کا حوالہ دیا ہے تو اس سے غالباً ان کی مراد مسلم کی درج ذیل روایت ہے۔ ←

۶۱۹ ــ صلوٰۃ العیدین میں ہے کہ حضور انور ؐ نے عید الاضحٰے اور عید الفطر میں سُورۃ ق والقرآن المجید۔ اور اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھیں اور ترمذی شریف میں سبح اسم اور ہل اتٰک کا پڑھنا بھی آیا ہے۔ پس بہتر ہے کہ آپ بھی سُورۂ فاتحہ کے بعد مسنون قرأت پڑھیں، پھر جب پہلی رکعت پڑھ کر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں، اور قیام کی تکبیر کہہ چکیں۔ تو قرارت شروع کرنے سے پہلے ٹھیر ٹھیر کر۔ پانچ تکبیریں کہیں۔

(ترمذی)

۶۲۰ ــ ان تکبیروں میں بھی رفع الیدین کریں۔ اور ہر تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیا کریں۔ (بیہقی)

← "واذا قرأ فانصتوا" اور جب وہ (امام) قرارت کرے تو تم خاموش رہو"

یہ جملہ ابُو مُوسیٰ، ابوہریرہ، عمر بن خطاب اور انس رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے۔

۱۔ حدیث ابُو مُوسیٰ کو مسلم (۲/ ۱۲۲) "تشہد" ابو عوانہ (۲/ ۱۳۳) "تشہد" ابُوداؤد (۹۷۳) "تشہد" ابن ماجہ (۸۴۷) " اذا قرأ فانصتوا" ابُو یعلیٰ (۷۳۲۶) ابن عدی (۲/ ۱۱۸۴) دارقطنی (۱/ ۳۰۰) بیہقی نے "سنن" (۲/ ۱۵۵، ۱۵۶) اور "جزء القراءۃ" (۳۰۵، ۳۱۰) میں روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث ابوہریرہ کو ابوداؤد (۶۰۴) "الامام یصلی قعودًا" نسائیؒ (۲/ ۱۴۱-۱۴۲) تاویل قولہ عزوجل "واذا قرئ القرآن" ابن ماجہ (۸۴۶) طحاوی (۱/ ۲۱۷) ابن عدی (۶/ ۲۲۳۲) تمام نے "فوائد" (۱/ ۳۱۹) میں دارقطنی (۱/ ۳۲۷-۳۲۹) اور بیہقی نے "سنن" (۲/ ۱۵۶) اور "جزء القراءۃ" (۳۱۱-۳۱۲) میں روایت کیا ہے۔

حدیث عمر بن الخطاب اور حدیث انس کو بیہقی نے "جزء القراءۃ" (۳۱۳، ۳۱۴) میں روایت کیا ہے۔

اس جملے کو امام مسلم، ابن حزم نے "محلی" (۳/ ۲۴۰) میں منذری نے "مختصر سنن" (۱/ ۳۱۳) میں ابن ترکمانی نے "جوہر نقی" (۲/ ۱۵۴-۱۵۶) میں ابن حجر نے "فتح الباری" (۲/ ۲۴۲) میں البانی نے "ارواء الغلیل" (۲/ ۳۸-۳۹ - ۱۲۰ - ۱۲۲) میں صحیح کہا ہے۔ جبکہ امام بخاری، ابوداؤد اور بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح حدیث ابوہریرہ میں اس جملے کو یحییٰ بن معین اور ابُو حاتم نے بھی ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں "جزء القراءۃ" للبخاری (ص ۵۸ - ۵۹) جزء القراءۃ للبیہقی (ص ۱۲۸ - ۱۳۷) اور علل الحدیث لابن ابی حاتم (۱/ ۱۶۴)۔

۶۱۹ ــ عیدین میں قرارت والی احادیث گزر چکی ہیں دیکھیں (۲۹۱، ۲۹۳) اور تکبیروں والی احادیث نمبر ۶۲۲ میں آرہی ہیں۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے کہا ہے "صلوٰۃ العیدین میں ہے"۔

غالباً یہاں شروع میں بعض الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔ اصل عبارت یوں ہوگی "صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین" میں ہے واللہ اعلم۔

۶۲۰ ــ اس حدیث کی تخریج ابھی نمبر ۶۱۷ میں گزری ہے۔

پھر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ (رکوع، سجود، اور قومہ جلسہ بڑے اطمینان سے کریں۔ کہ یہ چیزیں نماز کے ارکان ہیں)۔

۶۲۱ — پھر خطبہ پڑھیں۔ اور عیدین کا خطبہ منبر پر نہ پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

بارہ تکبیریں

آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ عیدین کی نماز کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں۔ اور دوسری میں پانچ۔ ان بارہ تکبیروں[1] کے متعلق ہم حدیث کے اصل الفاظ یہاں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

۶۲۲ — وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْاٰخِرَةِ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

روایت ہے کثیر بن عبداللہ سے، اس نے نقل کی اپنے باپ سے اس نے نقل کی کثیر کے دادے سے، یہ کہ

---

[1] شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں ہیں۔ (غنیہ)

---

۶۲۱ — بخاری (۹۵۶) اور مسلم (۶/۱۷۷) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیدگاہ میں منبر کا اہتمام مروان بن حکم کے عہد میں کیا گیا۔

ابوداؤد (۱۱۴۰) اور ابن ماجہ (۱۲۷۵) میں اسی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے مروان کے اس فعل پر انکار کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے عید کے روز منبر لا کر سنت کی مخالفت کی ہے کیونکہ اس روز اسے نہیں لایا جاتا تھا۔"

مدونہ مالک میں ہے کہ عیدگاہ میں منبر پر سب سے پہلے خطبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا۔ مگر یہ روایت معضل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل "فتح الباری" (۲/ ۴۴۹-۴۵۰، ۵۶۷) "فتاوٰی اہل حدیث" (۲/ ۵۷-۵۹) اور "فتاوٰی علماء اہلحدیث" (۴/ ۱۹۸-۱۹۹) میں دیکھی جائے۔

۶۲۲ — صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۵۳۶) ابن ماجہ (۱۲۷۹) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۲۹۰) میں ابن خزیمہ (۱۴۳۸-۱۴۳۹) ←

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں عیدوں کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں، پہلے قراءت سے، اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں پہلے قرأت سے۔"

۶۲۳ - وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلاً أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ كَبَّرُوْا فِي الْعِيدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلَّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ۔

(مشکوٰۃ صلوٰۃ العیدین)

← طحاوی (۲/۳۴۴) طبرانی (۱۴/۱۷ - ۱۵) ابن عدی (۲۰۷۹/۶) دارقطنی (۲/۴۸) بیہقی (۳/۲۸۶) اور بغوی (۱۱۰۶) نے عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند کثیر بن عبداللہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ ذہبی نے "کاشف" ۳ (۲/۵) میں اس کو "واہ" کہا ہے۔

لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے شواہد ہیں۔ جن میں عائشہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی ہیں۔

حدیث عائشہ کو ابوداؤد (۱۱۵۰) ابن ماجہ (۱۲۸۰) اور دارقطنی (۲/۴۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ تفصیل کے لیے" ارواء الغلیل" (۳/۱۰۷/۶۳۹) دیکھیں۔

حدیث عبداللہ بن عمرو کو ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن جارود (۲۶۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے امام احمد، علی بن مدینی اور بخاری نے اس کو صحیح کہا ہے ملاحظہ ہو "تلخیص" (۲/۸۴)۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی سندوں سے عبداللہ بن عمرو، ابن عمر، جابر، عائشہ، ابو واقد اور عمرو بن عوف مزنی کی حدیثوں میں مروی ہے کہ آپ نے عیدین کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہی ہیں . . . "، "نیل الاوطار" (۳/۲۹۹)۔

اس حدیث کے بقیہ شواہد ارواء الغلیل" اور" سواطع القمرین فی تخریج احادیث احکام العیدین" (۱۴۵ - ۱۵۲) میں دیکھیں۔

تنبیہ : مؤلف نے حدیث عمرو بن عوف کو دارمی کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ جب کہ دارمی میں ان کی حدیث نہیں۔ بلکہ سعد القرظ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ملاحظہ ہو (۱/۳۷۶)۔

درحقیقت یہ وہم" مشکوٰۃ" (۱/۴۵۲) میں خطیب تبریزی کا ہے۔

۶۲۳ - اس کو شافعی نے" اُم" (۱/۲۳۷) اور" مسند" (۷۶) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی ضعیف بھی ہے۔ کیونکہ اس کو امام شافعی نے اپنے استاد ابراہیم بن محمد سے روایت کیا ہے جو متروک ہے۔ بلکہ متہم ہے۔

"جعفر بن محمدؒ بطریق ارسال[1] کے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ تکبیر کہتے دونوں عیدوں میں اور نمازِ استسقاء میں سات اور پانچ اور نماز پڑھتے پہلے خطبے سے۔ (یعنی عید اور استسقاء کی) اور پکار کر پڑھتے قرأت۔ (مشکوٰۃ)

سورج اور چاندگہن کی نماز کا بیان

۶۲۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ چاند سورج کسی کے مرنے سے گرہن نہیں ہوتے، یہ قدرتِ الٰہی کی دو نشانیاں ہیں اگر گرہن ہوتے دیکھو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو۔ (صحیح مسلم)

۶۲۵۔ حضورِ انورؐ نے فرمایا۔ چاند سورج کا گرہن آثارِ قدرت ہیں کسی کے مرنے جینے سے نمودار نہیں ہوتے بلکہ بندوں کو عبرت دلانے کے لیے خدا ظاہر فرماتا ہے۔ اگر تم ایسے آثار دیکھو تو جلد از جلد دعاء، استغفار اور یادِ الٰہی کی طرف رجوع کرو۔ (صحیح مسلم)

---

[1] مرسل وہ حدیث ہوتی ہے۔ کہ تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے۔ کہ حضورؐ نے ایسا کیا یا کہا۔ اور صحابیؓ کا ذکر نہ کرے۔ (محمد صادق)

۶۲۴۔ یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ جن میں ابومسعود عقبہ بن عامر، ابوبکرہ، مغیرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

حدیث ابومسعود کو بخاری (۱۰۴۱، ۱۰۵۷)، مسلم (۶/ ۲۱۵)، ابوعوانہ (۲/ ۳۶۶)، نسائی (۳/ ۱۲۶)، ابن ماجہ (۱۲۶۱) اور دارمی (۱/ ۳۵۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث ابوبکرہ بخاری (۱۰۴۰، ۱۰۴۸، ۱۰۶۳) اور نسائی (۳/ ۱۲۴، ۱۲۶- ۱۲۷) میں ہے۔

حدیث عائشہ کی تخریج نمبر ۶۲۷ میں آ رہی ہے۔

۶۲۵۔ یہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کو بخاری (۱۰۵۹)، مسلم (۶/ ۲۱۵- ۲۱۶)، ابوعوانہ (۲/ ۳۶۷)، نسائی (۳/ ۱۵۳- ۱۵۴)، ابن خزیمہ (۱/ ۱۳۷۱)، ابن حبان (۷/ ۷۸، ۹۱) اور بیہقی (۳/ ۳۴۰) نے روایت کیا ہے۔

مؤلف نے اس حدیث کو بھی اس سے پہلے والی حدیث کی طرح صرف مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ جبکہ یہ دونوں بخاری میں بھی ہیں۔

حدیث عائشہ میں اس موقع پر نماز، دعا، تکبیر اور صدقہ کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعض طرق میں عذاب قبر سے ←

۶۲۶۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ کہ سورج گرہن ہوا۔ تو حضورؐ نے ایک شخص کو یہ اعلان کر دینے کا حکم فرمایا۔ کہ نماز جماعت(۱) سے ہوگی۔ (ابوداؤد)

نماز کا طریقہ

۶۲۷۔ مسجد میں باجماعت دو رکعت نماز پڑھائیں۔ امام کو چاہیئے۔ کہ وہ اونچی آواز سے قرارت پڑھے۔ اور بڑی سورتیں تلاوت کرے۔ بڑے خضوع وخشوع اور عاجزی سے۔ پھر دراز رکوع کرے، پھر رکوع سے سر اُٹھا کر قرأت شروع کر دے۔ لیکن پہلی قرارت سے کچھ کم پڑھے، پھر دراز رکوع کرے۔ جو پہلے سے کچھ کم ہو پھر اس رکعت کو دوسری نمازوں کی طرح پوری کرے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اس طرح اونچی آواز سے لمبی قرأت پڑھے اور دو لمبے رکوع کرے اور یہ رکعت بھی ختم کرے۔ (بخاری۔مسلم)

---

(۱) ۶۲۸۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں مسجد میں گئی تو دیکھا کہ رسولؐ خدا (سورج گرہن کی) نماز میں کھڑے ہیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ (عورتوں

← پناہ مانگنے کا حکم ہے۔

اور حدیث اسماء میں غلام کے آزاد کرنے کا حکم بھی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اس موقع پر جس قدر ہوسکے ذکر و دُعاء، تکبیر و تہلیل، استغفار اور صدقہ وغیرہ کرنا چاہیئے۔

حدیث عائشہ بخاری (۱۰۴۴، ۱۰۵۰) اور مُسلم (۲۰۰/۶ - ۲۰۱) وغیرہ میں ہے

حدیث اسماء کو بخاری (۱۰۵۴) اَبُوداؤد (۱۱۹۲) دارمی (۳۶۰/۱) ابن خزیمہ (۱۴۰۱) ابنِ حبان (۱۰۰/۷) حاکم (۳۳۱/۱) بیہقی (۳/ ۳۴۰) احمد (۳۴۵/۶) اور لبغوی (۱۱۴۷) نے روایت کیا ہے۔

۶۲۶ ۔ اس کو اَبُوداؤد (۱۱۹۰) اسی طرح بخاری (۱۰۶۶۔ تعلیقاً مُسلم (۲۰۳/۶) نسائی (۱۵۰/۳) ابن حبان (۸۴/۷) دار قطنی (۶۲/۲) اور بیہقی (۳۲۰/۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

بخاری (۱۰۴۵، ۱۰۵۱) اور مُسلم (۲۱۴/۶) وغیرہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی اس حکم کا ذکر ہے۔

حدیث عائشہ کو مؤلف نے اَبُوداؤد سے منسوب کیا ہے۔ جبکہ یہ بخاری اور مُسلم میں بھی ہے۔

۶۲۷ ۔ نماز کا یہ طریقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ جس کو مالک (۱۸۶/۱) بخاری (۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۸) مُسلم (۲۰۰/۶-۲۰۳) اَبُوعوانہ (۳۷۳/۲، ۳۷۵، ۳۷۸، ۳۷۹) اَبُوداؤد (۱۱۸۰) ترمذی (۵۶۱) نسائی (۱۳۰/۳-۱۳۳، ۱۵۲) اور ابن ماجہ (۱۲۶۳) نے عروہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ ←

۶۲۹۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر گرہن صاف ہو جانے تک لوگوں کو خطبہ۔ (وعظ نصیحت) سنائے۔ (ابوداؤد)

کی صف میں) کھڑی ہو گئی۔ آپ نے اتنا طویل قیام کیا۔ کہ میری نیت بیٹھ جانے کی ہو گئی۔ لیکن میں نے اپنے سے زیادہ کمزور عورتیں ادھر اُدھر دیکھیں اور دل میں کہا کہ یہ تو مجھ سے زیادہ ضعیف ہیں (اور کھڑی ہیں) اس خیال کے ماتحت میں کھڑی رہی۔ (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ مستورات بھی مسجد میں حضورؐ کے پیچھے سورج گرہن کی نماز پڑھتی تھیں، اگر عورتوں کے لیے نماز پڑھنے کا ہماری مسجدوں میں انتظام ہو تو انہیں چاہیئے کہ سورج گرہن کی نماز مسجد میں آکر باجماعت ادا کریں اور اگر مسجد میں آنے کا موقع نہ ملے تو انہیں گھر پر ضرور یہ دوگانہ عاجزی سے پڑھ لینا چاہیئے۔ (محمد صادق)

← اس کو بخاری (۱۰۵۰، ۱۰۵۶) مسلم (۶/۲۰۵) نسائی (۳/۱۳۴-۱۳۵) نے عمرۃ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔

۶۲۸ ـ اس کو مسلم (۶/۲۱۱-۲۱۲) ابوعوانہ (۲/۳۶۸) عبدالرزاق (۳/۱۰۱) اور بیہقی (۳/۳۴۲) نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث نمبر ۶۳۲ میں بھی آ رہی ہے۔

۶۲۹ ـ نمبر ۶۲۷ میں مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اور نمبر ۶۳۴ میں آنے والی حدیث اسماء رضی اللہ عنہا میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو خطبہ دیا، ان دونوں حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے تک سورج صاف ہو چکا تھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ نماز کے بعد ہے۔ اسی طرح اس باب کی دوسری احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ جب کہ "صحیح ابن خزیمہ" (۱۴۰۷/۲) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خطبہ کا ذکر نماز سے پہلے ہے۔ اس حدیث کی بناء پر امام ابن خزیمہ اس طرف گئے ہیں۔ کہ امام کو نماز سے قبل اور بعد بھی خطبہ دینا چاہیئے صحیح ابن خزیمہ (۲/۳۲۴-۳۲۵)۔

مگر اس حدیث سے نماز سے پہلے خطبہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی سند عبدالرحمٰن بن عثمان بکراوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز امام بیہقی (۳/۳۴۱) نے اس حدیث کو بکراوی کے علاوہ ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے اور اس میں نماز کے بعد خطبے کا ذکر ہے، لیکن اس سند میں حبیب بن حسان ہے۔ جو ضعیف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحیح احادیث میں خطبے کا ذکر نماز کے بعد ہے۔ لہٰذا خطبہ نماز کے بعد ہی دیا جائے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے جو یہ کہا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر گرہن صاف ہو جانے تک لوگوں کو (امام) خطبہ سنائے اور اس کے لیے انہوں نے ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے۔ مگر مجھے ابوداؤد میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں یہ صراحت ہو کہ گرہن صاف ہونے تک خطبہ دیا جائے۔ ←

۶۳۰۔ حضورؐ نے ہر ہر رکعت میں تین تین اور چار چار رکوع بھی کیے ہیں۔ (مسلم)

←ـــــ ابوداؤد (۱۱۸۲) اسی طرح ابنِ عدی (۵/۱۷۰۱) حاکم (۱/۳۳۳) بیہقی (۳/۳۲۹) عبداللہ بن احمد نے "زوائد مسند" (۵/۱۳۴) میں اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۷/۱۲۹) میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ رُو ہو کر بیٹھے دُعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گرہن صاف ہو گیا۔

مؤلف کے پیشِ نظر غالبًا یہ حدیث رہی ہو گی۔ مگر اس میں دُعا کا ذکر ہے۔ خُطبہ کا نہیں۔ نیز یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ علامہ ذہبی نے اس کو منکر کہا ہے۔

اس حدیث سے ملتی جلتی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جس کو احمد (۱/۱۴۳) ابن خزیمہ (۴/۱۳۹۴ ایضًا ۱۳۸۸) اور بیہقی (۳/۳۳۰-۳۳۱) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ لیکن جہاں تک سُورج یا چاند کے گرہن سے صاف ہونے تک دُعا وغیرہ کا مسئلہ ہے تو وہ درست ہے۔ کیونکہ دوسری صحیح احادیث میں ان کے صاف ہونے تک نماز پڑھنے اور دُعا وغیرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ابُو مسعود، ابو بکرہ اور مغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے۔ ان تمام احادیث کی تخریج حدیث (۶۲۴) میں گزر چکی ہے۔

نماز اور خطبے سے فراغت تک بھی اگر گرہن صاف نہیں ہوتا۔ تو پھر مذکورہ احادیث کی بناء پر دُعا اور ذکر واذکار میں مشغول رہنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ وہ صاف ہو جائے۔

واضح رہے کہ نماز سے فارغ ہونے تک اگر گرہن صاف ہو جاتا ہے تو اس سے خُطبہ کی مشروعیت ساقط نہ ہو گی۔ کیونکہ اوپر مذکور حدیثِ عائشہ اور حدیثِ اسماء میں گرہن صاف ہو جانے کے باوجُود خُطبے کا ذکر ہے۔ دیکھیں "فتح الباری" (۲/۵۳۰)۔

بعض فقہاء اس نماز میں خطبے کے قائل نہیں ہیں۔ مگر ان کا یہ قول صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے۔ "شرح مُسلم" (۶/۲۰۰) فتح الباری (۲/۵۳۴) اور "نیل الأوطار" (۳/۳۲۷) دیکھیں۔

۶۳۰۔ تین رکوع کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں ہے۔ یہ حدیثیں مُسلم (۶/۲۰۴-۲۰۵، ۲۰۸) ابوعوانہ (۲/۳۷۰-۳۷۱) اور ابو داؤد (۱۱۷۷، ۱۱۷۸) وغیرہ میں ہیں۔

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے عبید بن عمیر کی سند سے اور جابر رضی اللہ عنہ سے عطاء بن ابی رباح کی سند سے مروی ہے جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عروہ بن زبیر اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی سند سے مروی حدیث میں اور جابر رضی اللہ عنہ سے ابُو زبیر مکی کی سند سے مروی حدیث میں ہر رکعت میں تین تین رکوع کی بجائے دو دو رکوع کا ذکر ہے۔

عروہ اور عمرہ کی سند سے حدیث عائشہ کی تخریج حدیث (۶۲۷) میں گزر چکی ہے اور ابوزبیر کی سند سے حدیث جابر کی ـــــ←

۶۳۱ — حضورؐ نے ہر ہر رکعت میں پانچ پانچ رکوع بھی کیے ہیں۔ (ابوداؤد)

تمام مرد اور عورتیں سورج اور چاند گہن کی نماز پڑھا کریں

سورج یا چاند گہن کے وقت ہم نماز پڑھنے کا مطلق خیال نہیں کرتے، مرد اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں اور عورتیں اپنے مشاغل میں، پیارے بھائیو! بہنو!! سنو!!! رسولِ خدا سورج گہن کے وقت اللہ کے ڈر سے لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے۔ بڑے خضوع

← تخریج حدیث (۶۳۳) میں آ رہی ہے۔

چار رکوع کا ذکر ابنِ عباس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جس کو مسلم (۶/۲۱۳-۲۱۴) اور ابوداؤد (۱۱۸۳) نے طاؤس کی سند سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اسی سند سے اس کو ترمذی (۵۶۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں چار رکوع کی بجائے تین رکوع کا ذکر ہے۔

جبکہ یہ حدیث بخاری (۱۰۵۲) اور مسلم (۶/۲۱۲-۲۱۳) وغیرہ میں عطاء بن یسار کی سند سے بھی ان سے مروی ہے اور اس سند میں ہر رکعت میں دو دو رکوع کا ذکر ہے اور ہر رکعت میں دو دو رکوع والی احادیث ہی زیادہ صحیح ہیں۔ جیسا کہ حدیث (۶۳۱) میں آ رہا ہے۔

۶۳۱ — ہر رکعت میں پانچ پانچ رکوع کا ذکر ابی بن کعب اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا کی حدیثوں میں ہے۔

حدیث علی کو بزار (۶۷۵-۶۷۶) نے روایت کیا ہے اور حدیث ابی بن کعب کی تخریج حدیث (۶۲۹) میں مذکور ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ احادیث میں سے صحیح ترین وہی احادیث ہیں۔ جن میں ہر رکعت میں دو دو رکوع کا ذکر ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو تمہید (۳/۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۸)۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں دو دو رکوع کیے ہیں اور آپ نے صرف ایک ہی مرتبہ سورج گرہن کی نماز ادا کی ہے۔ تفصیل کے لیے "التوسل والوسیلة" (۸۶) دیکھیں۔

حافظ ابنِ قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد، بخاری اور شافعی جیسے کبار ائمہ ان روایات کی۔ جن میں ہر دو رکعت میں دو سے زیادہ رکوع کا ذکر ہے۔ تصحیح نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ان کو غلط تصور کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ زاد المعاد (۱/۴۵۳-۴۵۵) ایضاً "سنن بیہقی" (۳/۳۲۶، ۳۳۱)۔

علامہ صنعانی نے "سبل السلام" (۲/۱۱/۵) میں علامہ شوکانی نے "السیل الجرار" (۱/۳۲۲-۳۲۳) میں اور شیخ احمد شاکر نے بھی "حاشیہ محلی" (۵/۱۰۳-۱۰۵) میں ہر رکعت میں دو دو رکوع والی روایات کو لیا ہے۔ ←

وخشوع، اور نہایت الحاح وزاری سے نماز پڑھتے۔ اور ہر رکعت میں دو دو، کبھی تین تین، کبھی چار چار، اور کبھی پانچ پانچ رکوع کرتے ہوئے خدا کو راضی کرتے تھے۔[1]

شمس وقمر کے گہنانے پر حضورؐ گھبرا اُٹھتے۔ اور نمازیں کھڑے ہونے کی کرتے۔

۶۲۲۔ حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (ایک دفعہ) سُورج گرہن ہوا۔ تو آپ گھبرا گئے اور گھبراہٹ میں اہلِ خانہ میں سے کسی کا کُرتہ لے لیا۔ بعد کو چادر مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئی۔ (مسلم)

۶۲۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک سخت گرمی کے دن سُورج گہن ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ساتھ لے کر نماز پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل قیام کیا، کہ لوگ گرنے لگے۔

(مسلم)

۱۔ اس مسئلے میں راجح بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہر رکعت میں صرف دو دو رکوع کیے جائیں۔ جیساکہ حدیث (۶۲۱) میں ذکر ہوا۔ نیز مؤلف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُورج گرہن کی نماز متعدد بار پڑھی ہے جب کہ آپ نے یہ نماز صرف ایک ہی بار پڑھی ہے۔ جیساکہ امام شافعی، احمد، بخاری، بیہقی، ابن عبدالبر اور دیگر محققین نے کہا ہے۔ بلکہ آپ کے عہدِ مبارک میں سُورج گرہن والا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ پیش آیا اور یہ واقعہ دس ہجری ۲۹ شوال بروز سوموار بمطابق ۶۳۲ میلادی ۲۷ جنوری صبح ساڑھے آٹھ بجے پیش آیا۔ جیساکہ مشہور فلکی محمود باشاہ مصری کی تحقیق ہے۔ ملاحظہ ہو "حاشیہ محلی ابن حزم" (۵/۱۰۴)۔

اسی دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے لختِ جگر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات بھی ہوئی۔ جیساکہ بخاری (۱۰۴۳) اور مُسلم (۶/۲۰۸، ۲۱۵، ۲۱۸) کی روایات میں صراحت ہے۔

بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ ابراہیمؓ کی موت کی وجہ سے ہے۔ جبکہ اس کی وجہ یہ نہ تھی۔ اسی لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں اس خیال کی تردید کی۔ ملاحظہ ہو کتاب کی حدیث (۶۲۴ - ۶۲۵)۔

۶۲۲۔ اس کو مُسلم (۶/۲۱۱) ابُوعوانہ (۲/۳۶۸) اور احمد (۶/۳۴۹، ۳۵۱) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث نمبر ۶۲۸ میں بھی گزر چکی ہے۔

۶۲۳۔ اس کو مُسلم (۶/۲۰۶) ابوعوانہ (۲/۳۷۲ - ۳۷۳) ابُوداؤد (۱۱۷۹) نسائی (۳/۱۳۶) احمد (۳/۳۷۴-۳۸۲) ابنِ خزیمہ (۱۳۸۰ - ۱۳۸۱) اور بیہقی (۳/۳۲۴) نے ابوزبیر کی سند سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۶۲۴۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں۔ کہ (ایک دفعہ سورج گرہن کی نماز میں) حضورؐ نے اتنا لمبا قیام کیا کہ مجھے (عورتوں کی صف میں کھڑے کھڑے) ضعف آگیا۔ میں نے برابر سے اپنی مشک سے پانی لے کر سر پر ڈالنا شروع کیا۔ (مسلم)

۶۲۵۔ حضرت عبید بن عمیرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں (ایک بار) سورج گرہن ہوا۔ آپؐ نے لوگوں کے ساتھ بڑی دیر تک قیام کیا ہر رکعت میں تین مرتبہ رکوع فرمایا۔ اس روز کھڑے کھڑے بعض لوگوں کو اس قدر غش آگیا۔ کہ ان پر پانی کے ڈول بھر بھر کر چھڑکے گئے۔ (ابو داؤد)

غور فرمایا آپ نے! کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر انہماک اور اہتمام سے سورج گرہن کی نماز پڑھتے تھے، لیکن ہم نے کبھی اس نماز کی طرف توجہ نہیں کی۔ آئندہ سب بھائیوں اور بہنوں کو چاہیئے کہ اگر لمبی صورتیں یاد نہ ہوں تو سورۂ اخلاص کے تکرار سے ہی قیام طویل کریں۔ اور تسبیحوں کی کثرت سے رکوع اور سجدے کو دراز بنالیں۔ رکوع ہر رکعت میں ایک، دو، تین، چار، پانچ اپنی طاقت کے مطابق کریں، اسی طرح قومے کی دعا کو بار بار پڑھتے ہوئے قریبًا رکوع کے برابر قومہ میں کھڑے رہیں پھر جب دو رکعت پڑھ کر فارغ ہوں۔ تو جب تک سورج روشن نہ ہو مصلے پر بیٹھے ہوئے یہ پڑھتے رہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ یا یہ کلمے جو خدا کو بڑے محبوب ہیں۔ پڑھیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ[1]۔

---

(۱) دیکھیں حدیث (۶۲۵)

۶۲۴۔ اس کو بخاری (۸۶، ۱۸۴، ۹۲۲، ۱۰۵۳) کتاب العلم، الوضوء، الجمعۃ، الکسوف" مسلم (۲/۲۱۰) ابو عوانہ (۲/۳۶۹) مالک (۱/۱۸۸) احمد (۶/۳۴۵) اور بیہقی (۳/۳۳۸) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ جب کہ مؤلف نے اسے صرف مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔

۶۲۵۔ اس کو ابو داؤد (۱۱۷۷) نسائی (۳/۱۲۹-۱۳۰) اور ابن خزیمہ (۱۳۸۲) نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث غشی وغیرہ کے ذکر کے بغیر بیہقی (۳/۳۲۵) اور مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ دیکھیں حدیث (۶۳۰)۔

تنبیہ: عبید بن عمیر تابعی ہیں۔ انہوں نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھے اس نے بیان کیا، جسے میں صادق سمجھتا ہوں، عبید سے اس کا راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں اس سے ان کی مراد عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ بلکہ ایک دوسری روایت میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر صراحت سے ہے۔ ملاحظہ ہو "صحیح مسلم" (۶/۲۰۵) اور نسائی (۳/۱۳۰)۔

نمازِ استسقاء کا بیان

اگر خدا نخواستہ قحط سالی ہو جائے ۔ مینہ نہ برسے ۔ تکالیف بڑھ جائیں ، نا امیدی کی سی کیفیت عوام میں پیدا ہو جائے تو اس وقت مسلمانوں کو چاہیئے ۔ کہ ایک دن تجویز کر کے سورج نکلتے ہی پھٹے پرانے (۱) میلے کپڑے پہن کر عاجزی اور زاری

---

(۱) - ۶۲۶ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاضِعًا مُتَبَذِّلًا مُتَخَشِّعًا مُتَوَسِّلًا مُتَضَرِّعًا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدِ ۔ (بلوغ المرام)

حضرت ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسُولِ خدا نکلے (نمازِ استسقاء کو) عاجزی کرتے ہُوئے ۔ میلے کپڑے پہنے ہُوئے خشوع کرتے ہُوئے ، آہستگی سے چلتے ہُوئے ، زاری کرتے ہُوئے ، پھر آپ نے عید کی نماز کی طرح دو رکعت نماز (استسقاء پڑھی)

۶۲۶ــــ حسن ہے ۔

اس کو ابُوداؤد (۱۱۶۵) ترمذی (۵۵۸) نسائی (۳/۱۵۶ ، ۱۶۳) ابن ماجہ (۱۲۶۶) عبدالرزاق (۳/۸۴) ابن ابی شیبہ (۲/۴۷۳) احمد (۱/۲۳۰ ، ۲۲۹ ، ۳۵۵) ابن جارود (۲۵۳) ابنِ خزیمہ (۱۴۰۵ ، ۱۴۰۸ ، ۱۴۱۹) طحاوی (۱/۳۲۴) ابن حبان (۶۰۳) طبرانی (۱۰/۴۰۲ - ۴۰۳) دارقطنی (۲/۶۷ - ۶۸) حاکم (۱/۳۲۶) بیہقی (۳/۳۴۴ ، ۳۴۷) اور بغوی (۱۱۶۶) نے اسحاق بن عبداللہ بن حارث کی سند سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے ، اسحاق سے اس حدیث کو ان کے بیٹے ہشام بن اسحاق نے روایت کیا ہے ۔ اس کو ابُوحاتم نے شیخ کہا ہے ۔ جیسا کہ "جرح و تعدیل" (۹/۵۴) میں ہے ۔ ذہبی نے "کاشف" (۳/۱۹۴) میں اسے صدوق کہا ہے اور ابن حبان نے اس کو "ثقات" (۷/۵۶۸) میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند کے باقی راوی ثقہ ہیں ۔ اس حدیث کو ترمذی ، ابنِ خزیمہ ، نووی نے "مجموع" (۵/۶۷) میں اور اسی طرح ابو عوانہ نے بھی ۔ جیسا کہ "نیل الأوطار" (۴/۲) میں ہے ۔ صحیح کہا ہے ۔

تنبیہ : ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ اسحاق بن عبداللہ کی ابنِ عباس اور ابُوہریرہ سے روایت مرسل ہے ، "مختصر سنن" (۲/۲۶) میں اس حدیث کے بعد منذری نے بھی ان کا یہ کلام نقل کیا ہے ۔ اور کسی قسم کا تعاقب نہیں کیا ۔

مگر ابنِ ابی حاتم کا یہ کہنا درست نہیں ہے ۔ کیونکہ اس حدیث میں اسحاق بن عبداللہ نے یہ صراحت کی ہے کہ امیر ولید بن عقبہ نے مجھے ابن عباس کے پاس بھیجا کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نماز استسقاء کے طریقہ کے بارے میں ان سے دریافت کروں ۔ چنانچہ میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے یہ حدیث بیان کی ۔

کرتے ہُوئے جنگل میں نکلیں، منبر بھی رکھا جائے، جب آفتاب کا کنارہ نکل آئے(۱) تو اس وقت امام منبر پر چڑھے اور یہ پڑھے۔

۶۳۷ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ط اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَآ اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّۃً وَّبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ ط۔ (ابوداؤد)

سب تعریف اللہ کو ہے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا رحم کرنے والا نہایت مہربان مالک ہے روزِ جزا کا، نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اے اللہ تو ہے معبود، نہیں کوئی معبود سوائے تیرے۔ تو بے پرواہ ہے اور ہم فقیر ہیں۔ نازل کر ہم پر مینہ اور جو مینہ اُتارے تو اس سے ہم کو قوت اور (مقاصد کو پہنچنے کا) فائدہ دے ایک مدت تک۔

۶۳۸ ۔ پھر امام (اور سب لوگ بھی) ہاتھ اُٹھائیں۔ ہاتھوں کو دراز کریں۔ حتّٰی کہ بغلیں دکھائی دیں۔ لیکن ہاتھوں کو سر سے اونچا نہ لے جائیں اور ہاتھوں کو پھیلائیں اور ہاتھوں کی پشت اُوپر کو اور ہتھیلی زمین کی طرف کریں۔

(ابوداؤد)

---

(۱) ۶۳۹ ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَی الْمِنْبَرِ پس نکلے رسُولِ خدا اس وقت کہ ظاہر ہُوا کنارا آفتاب کا۔ پس بیٹھے منبر پر۔ (ابوداؤد)
معلوم ہُوا کہ نمازِ استسقاء کے لیے رات سے ہی تیاری کر رکھنی چاہیئے۔ تاکہ سُورج نکلتے ہی لوگ جنگل میں اکٹھے ہو جائیں۔ منہ۔

---

۶۳۷ ـــ حسن ہے۔

یہ دُعا عائشہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے جس کو ابوداؤد (۳۰۱۱) طحاوی (۱/ ۳۲۵) ابن حبان (۶۰۴) طبرانی نے "دعاء" (۲/ ۲۱) میں حاکم (۱/ ۳۲۸) اور بیہقی (۳/ ۳۴۹) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند خالد بن نزار کی وجہ سے حسن درجے کی ہے البانی نے بھی "ارواء الغلیل" (۶۶۸) میں اس کو حسن کہا ہے۔

امام ابوداؤد نے اس کو جید کہا ہے۔ ابن حبان، حاکم، ذہبی، نووی نے "مجموع" (۵/ ۶۴) میں اسی طرح ابن سکن نے بھی جیسا کہ نیل الأوطار" (۳/ ۳) میں ہے۔ اس کو صحیح کہا ہے۔

۶۳۸ استسقاء کے لیے امام اور اس کے ساتھ لوگوں کے بھی ہاتھ اُٹھانے کا ذکر انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جس کو بخاری (۱۰۲۹) نے تعلیقاً اور بیہقی (۳/ ۳۵۷) نے موصولاً روایت کیا ہے۔

پھر امام لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رخ ہو جائے۔ (اور ہاتھ اٹھائے رکھے) اور مندرجہ ذیل دعائیں۔ بڑی عاجزی اور حضور قلب سے رو رو کر پڑھے۔ اور سب لوگ بھی بڑے خضوع سے آبدیدہ ہو کر ہاتھوں کو الٹا کر کے اٹھائیں، اور دعا مانگیں۔ دعائیں یہ ہیں۔

۶۴۰۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَرِیْئًا مَرِیْعًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ ط اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَھَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْیِ بَلَدَكَ الْمَیِّتَ ط اَللّٰھُمَّ جَلِّلْنَا سَحَابًا كَثِیْفًا قَصِیْفًا دَلُوْقًا ضَحُوْكًا

۔۔۔۔ بغلوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں ہے۔ حدیث انس کو بخاری (۱۰۳۱) اور مسلم (۶/ ۱۸۹، ۱۹۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث ابو ہریرہؓ کو ابن ماجہ (۱۲۷۱) اور ابن خزیمہ (۱۴۱۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمہ اور بوصیری نے "مصباح الزجاجۃ" (۴۵۰) میں صحیح کہا ہے۔

دعا کرتے وقت ہاتھ سر سے اوپر نہ ہوں۔ اس کے بارے میں عمیر مولی آبی اللحم رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استسقاء کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے دیکھا تو آپ کے ہاتھ سر سے اونچے نہ تھے۔ اس حدیث کو احمد (۵/ ۲۲۳) ابو داؤد (۱۱۶۸) اور ابن حبان (۶۰۱-۶۰۲) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

دعائے استسقاء کے موقع پر ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین کی طرف ہوں۔ اس کیفیت کا ذکر حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے جس میں انہوں نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی یہ کیفیت بیان کی ہے۔ اس حدیث کو مسلم (۶/ ۱۹۰) ابو داؤد (۱۱۷۱) عبد بن حمید (۱۳۳۸) ابن خزیمہ (۱۴۱۲) اور بیہقی (۳/ ۳۵۷) نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: شافعیہ میں سے ایک جماعت کا اسی طرح دیگر بعض علماء کا بھی یہ قول ہے کہ ہر وہ دعاء جو رفع بلاء (قحط وغیرہ) کی خاطر کی جائے اس میں ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے۔ کہ ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہو۔ لیکن وہ دعا جو کسی چیز کے حصول اور طلب کے لیے ہو تو اس میں ہتھیلیاں آسمان کی طرف رکھی جائیں اور ان کی دلیل یہی حدیث انس ہے۔ دیکھیں "شرح مسلم" (۶/ ۱۹۰)۔

۶۳۹۔ یہ حسن درجے کی حدیث ہے۔ یہ اسی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کی تخریج حدیث (۶۳۷) میں ہوئی ہے۔

۶۴۰۔ یہ مختلف چار دعائیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلی دعا: اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا تین مرتبہ یہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو بخاری (۱۰۱۳) نے روایت کیا ہے۔

دوسری دعا: اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا سے لے کر "غیر آجل" تک ہے۔

یہ دعاء جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابو داؤد (۱۱۶۹) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۱۱۲۵) ۔۔۔۔

تُمْطِرُنَا مِنْهُ رَذَاذًا قِطْقِطًا سَجْلاً يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

(بخاری، ابوداود، بلوغ المرام)

یاالٰہی پلا ہم کو، یا الٰہی پلا ہم کو یا الٰہی پلا ہم کو۔ اے ہمارے اللہ، ہم پر ایسی بارش نازل فرما، جو ہماری تشنگی بجھا دے۔ ہلکی پھواریں، غلہ اگانے والی ہوں۔ نفع دینے والی، نہ نقصان پہنچانے والی جلد آنے والی نہ دیر لگانے والی۔ خداوندا اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب کر اور اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مُردہ شہروں کو زندہ کر دے اے اللہ اے ہم پر بادل جو گاڑھا ہو، کڑکتا ہو پانی بہاتا چمکتی بجلی والا کہ مینہ برسائے تو اس سے ہم پر نرم بوندی کا چھوٹی بوندی کا بہت پانی والا، اے صاحب بزرگی اور عزت کے۔ (بلوغ المرام)

نوٹ:۔ یہ دُعائیں رسُولِ پاک کی زبان مبارک کی ہیں جو کتب محولہ میں موجود ہیں۔ ناظرین ان کو زبانی کریں۔ اور ضرورت کے وقت ان کے ساتھ دست بدعا ہوں۔

← میں ابن خزیمہ (۱۴۱۶) طبرانی نے "دعاء" (۲۱۹۷) میں حاکم (۱/۳۲۷) بیہقی (۳/۳۵۵) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱/۳۴۶) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے اس کو ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ نیز اس کے بعض شواہد بھی ہیں۔ ان شواہد میں ابن عباس اور کعب بن مرۃ یا مرۃ بن کعب کی حدیثیں ہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ابن ماجہ (۱۲۷۰) طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۱۳۰) اور "دُعاء" (۲۱۹۵) میں روایت کیا ہے۔ بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۴۴۹) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور شوکانی نے "نیل الأوطار" (۳/۹) میں اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ شوکانی کی بات ہی درست ہے اور بوصیری کی تصحیح محل نظر ہے۔ طبرانی (۱۰/۳۴۵) میں اس کی ابن عباس سے ایک دوسری سند بھی ہے۔

حدیث کعب بن مرۃ رضی اللہ عنہ کو احمد (۴/۲۳۵، ۲۳۶) ابن ماجہ (۱۲۶۹) طحاوی (۱/۳۲۳) طبرانی نے "کبیر" (۲۰/۳۱۸، ۳۱۹) اور "دُعاء" (۲۹۱-۱۲۹۲) میں حاکم (۱/۳۲۸) اور بیہقی (۳/۳۵۵-۳۵۶) نے روایت کیا ہے۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر اس کی سند منقطع ہے۔

تیسری دُعا: یہ "اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ" سے لے کر "بِلاَدَکَ الْمَیِّتَ" تک ہے۔ یہ دُعاء عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو ابوداؤد (۱۱۷۶) ابن ابی حاتم نے "علل" (۱/۹۹) میں ابن عدی (۴/۱۴۲۷) اور بیہقی (۳/۳۵۶) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ شیخ البانی نے بھی "تحقیق المشکاۃ" (۱/۴۷۶) اور "صحیح الجامع" (۴۵۴۲) ←

امام منبر سے اُتر آئے

امام جب یہ دُعائیں پڑھ چکے۔ تو دونوں ہاتھ اُٹھائے رکھتے ہوئے لوگوں کی طرف مُنہ کرے اور منبر سے اُتر کر لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے اور قرات اُونچی آواز (۱) سے پڑھے۔

ملاحظہ : ۶۴۱ - استسقاء کی نماز پہلے پڑھ کر پیچھے خطبہ، اور دعائیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

(ابن ماجہ، مسند امام احمد)

۱- ۶۴۲ - عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کہتے ہیں۔ حضورؐ نمازِ استسقاء کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں۔ جن میں آپ نے آواز سے قراءت پڑھی۔ (ابوداؤد)۔

۔۔۔۔ میں اسے حسن کہا ہے۔ مگر بعض راویوں نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے۔ مرسل کو مالک (۱/۱۹۰-۱۹۱) اور ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ابو حاتم نے مرسل کو اصح کہا ہے۔ ابن عدی کا رجحان بھی مُرسل کی ترجیح کی طرف ہے۔

چوتھی دُعا: یہ "اللّٰھُمّ جللنا" سے لے کر آخر تک ہے اور یہ سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

حافظ ابن حجر نے "بلوغ المرام" (۸۹) میں اس کو ابوعوانہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ مگر "تلخیص" (۲/۹۹) میں انہوں نے کہا ہے کہ اس میں بہت سے غریب الفاظ ہیں۔ ابوعوانہ نے اس کو واہی سند سے (نہایت کمزور سند سے) روایت کیا ہے۔

۶۴۱ ۔۔۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۲۶۸) احمد (۲/ ۳۲۶) ابن خزیمہ (۱۴۲۲، ایضاً ۱۴۰۹) طحاوی (۱/ ۳۲۵) اور بیہقی (۳/ ۳۴۷) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند کو بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۴۴۷) میں صحیح اور حافظ ابن حجر نے "درایہ" (۱/ ۲۲۶) میں حسن کہا ہے۔ مگر اس کی سند نہ تو صحیح ہے اور نہ حسن ہے۔ کیونکہ اس میں نعمان بن راشد ہے۔ جس کو خود حافظ صاحب نے "تقریب" میں "سئی الحفظ" کہا ہے اسی کی وجہ سے امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کی صحت کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کیا ہے۔

مسند احمد (۴/ ۴۱) میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی خطبے کا ذکر نماز کے بعد ہے جبکہ صحیح ابن خزیمہ (۱۴۰۷) میں اسی حدیث میں خطبے کا ذکر نماز سے قبل ہے۔

نمبر (۶۳۶) میں مذکور حدیث ابن عباس اور نمبر (۶۳۷) میں مذکور حدیث عائشہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ←

٦٤٣ نمازِ استسقاء میں اذان اور اقامت نہیں ہے۔ پہلی رکعت کی قرارت میں " سَبِّحِ اسْمَ" اور دوسری میں " هَلْ اَتٰكَ" پڑھیں۔

—— صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نماز سے پہلے دیا۔ جبکہ بیہقی (۳/ ۳۴۸) میں ایک دوسری سند سے مروی حدیث ابنِ عباس میں نماز کے بعد خطبہ دینے کی صراحت ہے۔ مگر وہ سند ضعیف ہے۔

جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ پہلے نماز ادا کی جائے اور پھر خطبہ دیا جائے اور علامہ شوکانی کے نزدیک بغیر کسی ترجیح کے دونوں طرح ہی جائز ہے۔ یعنی خطبہ نماز سے پہلے بھی اور نماز کے بعد بھی ملاحظہ ہو" نیل الأوطار (۴/ ۵) ایضاً " السیل الجرار" (۱/ ۳۲۴ - ۳۲۵)۔

٦٤٢۔ اس کو ابُوداؤد (۱۱۶۱ - ۱۱۶۲) اسی طرح بخاری (۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ ایضاً ۱۰۱۲، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸) مسلم (۶/ ۱۸۸ - ۱۸۹) ترمذی (۵۵۶) نسائی (۳/ ۱۵۷، ۱۶۴ ایضاً ۱۵۵، ۱۶۳) عبدالرزاق (۳/ ۸۳) احمد (۴/ ۳۹، ۴۱ ایضاً ۴۰) عبد بن حمید (۵۱۶) ابنِ جارود (۲۵۵ ایضاً ۲۵۴) ابن خزیمہ (۱۴۱۰، ۱۴۲۰ ایضاً ۱۴۱۴) ابن حبان (۷/ ۱۱۵ - ۱۱۶) اور بیہقی (۳/ ۳۴۷، ۳۴۹ ایضاً ۳۴۴، ۳۵۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ حدیث ابن ماجہ (۱۲۲۷) میں بھی ہے۔ مگر اس میں قرارت کا ذکر نہیں۔ اسی طرح مذکورہ کتب کی بعض روایات میں بھی قرارت کی صراحت نہیں

٦٤٣ ۔ نمبر (۶۴۱) میں مذکورہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ استسقاء بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔

اسی طرح بیہقی (۳/ ۳۴۸) میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی یہی بات ذکر ہوئی ہے۔ مگر ان دونوں حدیثوں کی سندیں ضعیف ہیں۔

بخاری (۱۰۲۲) اور بیہقی (۳/ ۳۴۹) میں عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ انہوں نے یہ نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھائی۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نمازِ استسقاء میں اذان اور اقامت نہیں۔
فتح الباری (۲/ ۵۱۳ - ۵۱۴)

اس نماز میں مذکورہ سُورتوں کی قرأت کا ذکر حدیث ابن عباس اور حدیث انس میں ہے۔ حدیث ابن عباس کو دارقطنی (۲/ ۶۶) حاکم (۱/ ۳۲۶) اور بیہقی (۳/ ۳۴۸) نے روایت کیا ہے۔ اس کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ مگر علامہ ذہبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔

نووی نے " مجموع" (۵/ ۷۳) میں اس کو ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے " فتح الباری" (۲/ ۵۰۰) میں کہا ہے کہ اس کی سند میں مقال ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس میں دو علتیں ہیں، جن کی تفصیل " نصب الرایہ" (۲/ ۲۴۰) میں دیکھیں۔ ——

← حدیث انس کو طبرانی نے "احادیث طوال" (۲۵/۲۴۲/۲۷) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند مجاشع بن عمرو کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔

نمبر (۶۴۶) میں مذکور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء، نماز عیدین کی طرح پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث کے عموم سے اس نماز میں ان سورتوں کی مشروعیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نماز عیدین میں ان سورتوں کی قراءت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو اس کتاب کی حدیث (۶۱۹)۔

مسئلہ: صلاۃ استسقاء میں ایک اہم مسئلہ تحویل رداء کا (چادر کا پلٹنا) بھی ہے۔ جس سے مؤلف نے تعرض نہیں کیا۔ لہٰذا اس کا ذکر ضروری ہے۔

نمبر (۶۴۲) میں مذکور حدیث عبداللہ بن زید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استسقاء کے لیے نکلے آپ نے اپنی پیٹھ لوگوں کی طرف کی اور قبلہ رُخ ہو کر دُعا کرنے لگے۔ پھر اپنی چادر کو پلٹا، اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے: "وحول رداءه حين استقبل القبلة" آپ نے اپنی چادر کو قبلہ رُو ہوتے وقت پلٹا یہ روایت مؤطا مالک (۱/۱۹۰/۱) اور امام مالک کے طریق سے مسلم، ابوداؤد (۱۱۶۷) وغیرہ میں ہے۔ صاحب مشکاۃ نے اسے بخاری و مسلم سے منسوب کیا ہے۔ مگر یہ بخاری میں نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ امام کو قبلہ رو ہو کر دُعا کرنی چاہیئے اور چادر تحویل کرنی چاہیئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں کندھے والی جانب کو بائیں کندھے پر لے جائیں۔ اور بائیں کندھے والی جانب کو دائیں کندھے پر لے جائیں۔ کیونکہ احمد (۴/۴۱، ۴۲) ابوداؤد (۱۱۶۴)، ابن خزیمہ (۱۴۱۵) ابن حبان (۷/ ۱۱۸) اور حاکم (۱/ ۳۲۷) وغیرہ کے یہاں حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سیاہ چادر تھی۔ آپ نے اس کا نچلا حصّہ اوپر لانا چاہا، مگر مشکل پیش آئی تو آپ نے اسے اپنے کندھوں پر ہی اُلٹ دیا۔ اس کی سند جید ہے، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

امام کی طرح لوگ بھی اپنی چادریں الٹیں کیونکہ مسند احمد (۴/۴۱) میں اسی حدیث کی ایک تیسری روایت میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں نے بھی اپنی چادریں الٹیں۔ ابن دقیق العید نے اس حدیث کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، جیسا کہ "تلخیص (۲/ ۱۰۰) میں ہے۔ مگر ابن اسحاق کی وجہ سے اس کی سند حسن درجے کی ہے

چادر کے تحویل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ قحط خوشحالی و فراوانی میں بدل جائے مستدرک حاکم (۱/ ۳۲۶) اور بیہقی (۳/ ۳۵۱) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اس لیے اُلٹی کہ قحط (خوشحالی میں) بدل جائے اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

دارقطنی (۲/ ۶۶) نے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا ہے۔ مگر اس سے اس کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس کو موصولاً روایت کرنے والا راوی ثقہ ہے، لیکن اس کی ←

نمازِ ضحیٰ، یا اشراق کا بیان

ضحو کے معنی ہیں دن کا چڑھنا، اور اشراق کے معنی ہیں طلوع آفتاب۔ پس جب آفتاب پھٹ کر ایک نیزے تک بلند ہو جائے تو اس وقت نوافل کا پڑھنا نمازِ اشراق کہلاتا ہے۔

تین سو ساٹھ بند کا صدقہ

۶۴۴ بریدہؓ سے روایت ہے، کہا اس نے سُنا میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے۔ آدمی میں تین سو ساٹھ بند ہیں۔ پھر آدمی پر لازم ہے کہ اپنے ہر بند کے بدلے صدقہ خیرات کرے صحابہؓ

← سند میں حفص بن غیاث ہیں، جن کے بارے میں یعقوب بن شیبہ کا کہنا ہے کہ ان کی حافظہ سے بیان کردہ احادیث سے کچھ احتراز کیا جائے۔ ابن معین کا کہنا ہے کہ بغداد اور کوفہ میں انہوں نے احادیث حافظہ سے بیان کی ہیں۔ ملاحظہ ہو "میزان الاعتدال" اور "تہذیب التہذیب"۔

اور اس حدیث کو ان سے روایت کرنے والا راوی بغدادی ہے۔

مذکورہ حدیث، انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جس کو طبرانی نے "احادیث طوال" (۲۵/ ۶۴۷/ ۲۷) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند مجاشع بن عمرو کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔

حافظ زیلعی نے "نصب الرایہ" (۲/ ۲۴۳) میں اور حافظ ابن حجر نے "درایہ" (۱/ ۲۲۷) اور "تلخیص" (۲/ ۱۰۱) میں اس پر سکوت کیا ہے۔ جو درست نہیں، حافظ زیلعی نے تو خلاف معمول اس کی سند بھی ذکر نہیں کی ہے اور حافظ ابن حجر تو اسانید ذکر کرنے کا اہتمام بہت کم ہی کرتے ہیں۔

تنبیہ:۔ حافظ ابن حجر نے "درایہ" میں اس کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے۔ جو صحیح نہیں۔

۶۴۴۔ صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۲۴۲) "ادب" باب "اماطۃ الأذی عن الطریق" احمد (۵/ ۳۵۴، ۳۵۹) ابن خزیمہ (۱۲۲۶) ابن حبان (۶۳۳، ۸۱۱) اور ابو الشیخ نے "طبقات" (۴/ ۲۴۳) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ شیخ البانی نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے "تحقیق مشکاۃ" (۱/ ۴۱۳)۔ ←

نے کہا حضورؐ! کون ہے جو اس کی طاقت رکھے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِئُكَ (ابوداؤد) دو رکعتیں ضحٰے (نمازِ اشراق) کی پڑھنی کافی ہیں تجھ کو۔ (پھر صدقے کی احتیاج نہ رہے گی۔ یعنی دو رکعت تین سو ساٹھ جوڑ کا صدقہ ہے)

نوٹ: اس سے معلوم ہوا۔ کہ نمازِ اشراق کم از کم دو رکعت ہیں۔ ناظرین اگر نمازِ اشراق پڑھیں تو نہایت خلوصِ دل سے پڑھیں۔ اور قومے، جلسے، اور رکوع وسجود کو بڑی طمانیت سے ادا کریں۔

اشراق سے متعلق حدیثِ قدسی

۶۹۵۔ ابی درداءؓ اور ابی ذرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درحالیکہ

۔۔۔۔ اس حدیث میں (کون ہے جو طاقت رکھے) کے بعد مسجد میں تھوک دیکھ کر اسے دفن کرنے اور راستے میں پڑی چیز کو ہٹا دینے کا ذکر ہے اور اس کے بعد ہے کہ اگر یہ کام میسر نہ ہوں تو پھر ضحٰی کی دو رکعت کفایت کرتی ہیں۔ معلوم نہیں مؤلف نے حدیث میں ایسا اختصار کیوں کیا۔

صحیح مسلم (۵/۲۳۳) صلاۃ المسافرین صحیح ابوعوانہ (۲/۲۶۶) وغیرہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی کے جوڑوں پر صدقہ ہے۔ ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ہر تحمید صدقہ ہے۔ ہر تہلیل صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے۔ امر بالمعروف صدقہ ہے۔ اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے اور ان چیزوں سے ضحٰی کی دو رکعت کفایت کرتی ہیں۔

صحیح حدیث میں اسی نماز کو صلاۃ الاوابین کہا گیا ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم، صحیح ابوعوانہ، صحیح ابن خزیمۃ (۱۲۲۷) وغیرہ میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسی طرح صحیح ابن خزیمہ (۱۲۲۴) اور مستدرک حاکم (۱/۳۱۴) میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ ضحٰی پر اواب (اللہ کی طرف رجوع کرنے والا) ہی محافظت کرتا ہے۔ اور یہ صلوٰۃ اوّابین ہے۔ اس حدیث کو امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے بھی صحیح کہا ہے۔ تفصیل کے لیے احادیثِ صحیحہ نمبر (۱۹۹۴) دیکھیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھی یہ نماز "صلاۃ الاوابین" ہے۔ مگر یہ روایت مرسل ہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں ۔۔ کہ ابن المبارک نے "الرقائق" میں اسے ابن المنذر کے طریق سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ تخریج "احیاء علوم الدین" (۱/۲۴۲)۔

الحاصل صحیح احادیث کی رو سے "صلاۃ الاُوابین" صلاۃ الضحٰی ہے۔

۶۹۵۔ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۴۷۵)، ابونعیم نے "حلیہ" (۵/۳۷) میں، بغوی نے "شرح السنۃ" (۱۰۰۹) میں اور ذہبی نے ۔۔۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری تعالیٰ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے بیٹے آدم کے
اِرْكَعْ لِي اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهُ پڑھ میرے لیے چار رکعتیں اوّل دن
میں (یعنی اشراق) کفایت کردوں گا میں تجھ کو اس دن کی شام تک۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)
مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اوّل روز میں (یعنی اشراق) کے وقت میری عبادت کے لیے اپنے دل کو فارغ رکھ، تو میں آخر روز (شام) تک تیرے دل کو بسبب تیری حاجت روائیوں اور مشکل کشائیوں کے فارغ رکھوں گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اشراق کی چار رکعت نماز انسان کے تمام دن کے ہموم و غموم اور مصائب و حوائج کے زہر کا تریاق ہے۔ اور نماز اشراق کا چار رکعت ہونا بھی معلوم ہو گیا۔ چاہے آپ روزانہ بعد طلوع آفتاب دو رکعت اشراق پڑھیں یا چار رکعت۔

ملاحظہ: ۶۴۶۔ حضرت عائشہ طاہرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معاذہ نے دریافت کیا۔ کہ رسولِ خدا نمازِ ضحیٰ

← میزان الاعتدال" (۱/۲۴۲) میں جبیر بن نفیر کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ سند صحیح ہے۔ اس میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہیں، جن کی اہلِ شام سے بیان کردہ احادیث صحیح ہے اور غیر اہلِ شام سے روایت کردہ احادیث ضعیف ہیں اور یہ حدیث اس لیے صحیح ہے کہ انہوں نے اس کو شامی سے روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ شریح بن عبید کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو احمد (۶/۴۴۰، ۴۵۱) نے روایت کیا ہے مگر اس سند میں صرف ابُو درداء رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں۔ اسی طرح پہلی سند میں "میزان" میں بھی ان کا ذکر نہیں۔

اس حدیث کی یہ دوسری سند بھی صحیح ہے اسے شیخ احمد شاکر نے بھی صحیح کہا ہے اس کی مذکورہ دو سندوں کے علاوہ اس کے شواہد بھی ہیں۔ جن میں سے ایک عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس کو احمد (۴/۱۵۳، ۲۰۱) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۸/۹۴) میں اور ابُو یعلیٰ (۱۷۵۷) نے قتادہ از نعیم بن ہمّار رضی اللہ عنہ از عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ سند صحیح ہے۔ قتادہ مدلس ہیں۔ مگر احمد کی ایک روایت میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

یہ حدیث بذاتِ خود نعیم بن ہمّار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان سے اس کو ابُو داؤد (۱۲۸۹) دارمی (۱/۳۳۸) احمد (۵/۲۸۶-۲۸۷) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۸/۹۳-۹۴) میں ابن حبان (۶۳۴) ابن عدی (۶/۲۲۰۸) اور بیہقی (۳/۴۸) نے کثیر بن مرہ کی سند سے روایت کیا ہے مگر اس سند میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل "تاریخ کبیر" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے ابو درداء اور ابُوذر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے لیے ابوداؤد کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مگر اس میں ان کی حدیث نہیں بلکہ نعیم بن ہمار کی مذکورہ حدیث ہے۔

۶۴۶ــــ اسے مُسلم (۵/۲۲۹) ابو عوانہ (۲/۲۶۷) ابن ماجہ (۱۳۸۱) عبدالرزاق (۴۷۷۴، ۴۷۷۵) احمد ۶/۹۵، ۱۲۰، ۱۲۳ ←

(اشراق) کتنی رکعت پڑھتے تھے؟ قَالَتْ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَاشَآءَ اللهُ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ چار رکعتیں اور زیادہ پڑھتے جس قدر چاہتا اللہ تعالیٰ۔ (مسلم شریف)

نمازِ تسبیح کا بیان

۶۴۷۔ روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن عبدالمطلب کو فرمایا۔ اے میرے چچا

۔۔۔۔۔۔ ۱۲۴، ۱۶۸، ۱۷۲) اور بیہقی (۳/ ۴۷) نے روایت کیا ہے۔

صلاۃ ضحیٰ کم سے کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت بلکہ بارہ رکعت ہے دو رکعت کی احادیث تو گزر چکی ہیں۔

آٹھ اور بارہ رکعت کی تفصیل کے لیے "فتح الباری" (۳/ ۵۴) دیکھیں۔

۶۴۷۔ اس کو ابوداؤد (۱۲۹۷) ابن ماجہ (۱۳۸۶) بخاری نے جزء القراءۃ " (۲۴۵) میں ابن خزیمہ (۱۲۱۶) طبرانی (۱۱/ ۲۴۳-۲۴۴) حاکم (۱/ ۳۱۸) بیہقی نے "سُنن" (۳/ ۵۱-۵۲) اور "شعب" (۶/ ۲۲۵-۲۲۶) میں اور ابن جوزی نے "موضوعات" (۲/ ۱۴۳) میں عکرمہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ابن عباس سے اس کی دو اور سندیں بھی ہیں۔ جن میں سے ایک کا ذکر نمبر (۶۴۸) میں اور دوسری کا ذکر نمبر (۶۴۹) میں آرہا ہے۔ مگر ان تینوں سندوں میں سے سب سے اچھی سند یہی عکرمہ والی ہے۔

اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ مجھے دس صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے اس کے موصول طرق اور متعدد تابعین سے مرسل طرق ملے ہیں۔

اس کے بعد ان طرق کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حاکم کا دعوٰی تصحیح میں اور ابن جوزی کا دعوٰی وضع میں تساہل معروف ہے۔ حاکم نے اُس کو صحیح کہا ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ کثرت طرق کی بنا پر حسن درجے کی ہے ملاحظہ ہو" اجوبۃ الحافظ عن احادیث المصابیح فی آخر المشکاۃ بتحقیق الألبانی" (۳/ ۱۷۸۰-۱۷۸۲)

حافظ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہُوا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک حسن درجے کی ہے۔ اسی طرح بعض دیگر علماء نے بھی اس کو حسن کہا ہے۔ جن میں علامہ مبارک پوری اور شیخ احمد شاکر بھی ہیں اور علماء کی ایک دوسری جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جن میں ابُو محمد آجُری، ابن مندہ، خطیب بغدادی، ابوسعد سمعانی، نووی اور ابن صلاح وغیرہ ہیں۔

اس حدیث کے طرق اور شواہد وغیرہ کے بارے میں" التعقبات علی الموضوعات" (۱۲-۱۴) للسیوطی، ۔۔۔۔۔۔

عباس! کیا نہ دوں میں تجھ کو؟ کیا نہ دُوں میں تجھ کو؟ (حضورؐ رغبت دلا رہے ہیں) کیا نہ خبر دوں میں تجھ کو؟ کیا نہ کروں میں تجھ کو دس خصلتوں والا؟ (کسی عظیم الشان عمل کی تمہید ہے) جس وقت کرے تو یہ (کام) بخشے اللہ گناہ تیرے پہلے اور پچھلے، اور پرانے اور نئے۔ چوک کر کیئے ہُوئے، اور جان کر کئے ہُوئے چھوٹے اور بڑے، چھپے اور ظاہر (اے چچا) پڑھ تو چار رکعت (اس طرح کہ) ہر رکعت میں سُورہ فاتحہ اور کوئی سُورت، پھر جب تو (حسب دستور) پہلی رکعت میں قرأت پڑھ چکے اور ابھی تو کھڑا ہی ہو تو (قرأت کے بعد) پڑھ (یہ) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ پندرہ بار پھر رکوع کر پھر ان کلموں کو (جو اوپر مذکور ہیں) رکوع میں پڑھ دس بار (یعنی رکوع میں بعد تسبیحوں کے) پھر اُٹھا تو سر اپنا رکوع سے، پھر پڑھ تو ان کلموں کو (قومہ میں) دس بار (یعنی سمع اللہ الخ کہنے کے بعد) پھر جُھک تو سجدے میں۔ پس پڑھ تو ان کلموں کو (سجدے میں) دس بار۔ (یعنی بعد تسبیحوں کے) پھر اُٹھا سر سجدے سے، پس پڑھ ان کلموں کو (جلسے میں) دس بار (یعنی بعد کہنے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ الخ کے) پھر سجدہ کر، پھر اُٹھا تو سر اپنا سجدے سے پھر پڑھ ان کلموں کو (جلسہ استراحت میں) دس بار۔ پس یہ تسبیحات پچھتر بار ہوئیں۔ ہر رکعت میں۔ (اے چچا!) کر تو یہ چاروں رکعت میں (یعنی چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھ) اگر طاقت رکھے تو (اے چچا!) اس نماز کو پڑھنے کی ہر روز ایک بار تو (ہر روز) پڑھا کر، پھر اگر تو ہر روز نہ پڑھ سکے تو ہر ہفتہ میں ایک بار پڑھا کر۔ پھر اگر تو ہفتہ وار نہ پڑھ سکے۔ تو ہر مہینہ میں ایک بار پڑھ۔ پھر اگر ماہوار نہ پڑھ سکے، تو ہر برس میں ایک بار پڑھ۔ پھر اگر ہر برس (بھی) نہ پڑھ سکے، تو تمام عمر میں ایک بار پڑھ لے۔" (ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

ملاحظہ: بھائیو! اور بہنو! یہ تمام گناہوں کا تریاق ہے، اس نماز سے انسان کو خدا کا بہت قرب حاصل ہوتا ہے درجات بلند ہوتے ہیں۔ خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے۔ اور یہ نماز دُکھ، درد، سختی اور غم کا بھی مداوا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ نماز ایک بیش بہا خزانہ عطا فرمایا۔ ایک لاجواب وظیفہ بتایا ہے۔ اگر آپ اس نماز کو ہر روز پڑھ لیا کریں تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ لیکن روز پڑھنا اگر دشوار ہو۔ تو ہر جمعہ کے جمعہ اس کا پڑھنا اپنا معمول بنالیں۔ ذرا ہمت کریں تو کچھ مشکل نہیں، اس نماز کے پڑھنے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ حالات کے پیشِ نظر جونسا وقت بھی آپ کو مل سکے پڑھ سکتے ہیں۔

(نوٹ) نماز تسبیح میں تسبیحات قعدوں میں التحیات سے پہلے پڑھیں۔ بخلاف دوسرے ارکان کے، اور جونسی سورتیں چاہیں۔ چاروں رکعتوں میں پڑھیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے ان چاروں سورتوں کا پڑھنا منقول ہے۔

"الفتوحات الربانیہ" لابن علان (۴/۳۰۴۔۳۲۲) "الآثار المرفوعۃ" لعبدالحی اللکھنوی (۱۲۳۔۱۴۱) اور "الترجیح لما جاء فی صلاۃ التسبیح" لجاسم بن سلیمان دیکھیں۔

۶۴۸ ۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۔ وَالْعَصْرِ ۔ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ط ۔

نمازِ تسبیح کے اخیر میں پڑھنے کی دُعا

چوتھی رکعت میں قعدہ کے اندر آپ دس بار تسبیحات، پھر التحیات، پھر درود شریف اور پھر دُعا پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں۔ آپ کی نماز مکمل ہو جاتی ہے، لیکن اگر آپ دُعا کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے دُعائے ذیل بھی، جو جلال الدین سیوطیؒ امام احمدؒ سے لائے ہیں پڑھ لیا کریں۔ تو نمازِ تسبیح کا درجہ بے حد بڑھ جائے گا۔ اور خدا کی رحمت و رضامندی کی گھنگھور گھٹائیں جھوم جھوم کر برسیں گی۔ اس دُعا کے الفاظ بھی ٹکسالی ہیں۔ یعنی نبیؐ رحمت کی زبان پاک سے نکلے ہوئے ہیں۔ جو یہ ہیں :۔

۶۴۹ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَوْفِيْقَ اَهْلِ الْهُدٰى وَاَعْمَالَ اَهْلِ الْيَقِيْنِ وَمُنَاصَحَةَ اَهْلِ التَّوْبَةِ وَعَزْمَ اَهْلِ الصَّبْرِ وَجِدَّ اَهْلِ الْخَشْيَةِ وَطَلَبَ اَهْلِ الرَّغْبَةِ وَتَعَبُّدَ

---

۶۴۸ ۔ اس نماز میں کسی خاص سُورت کے پڑھنے کا ذکر کسی صحیح روایت میں نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ جاسم بن سلیمان رقم طراز ہیں

لم تات رواية ثابتة فى تحديد السورة التى تقرأ بعد الفاتحة ولكن جاءت فى ذلك روايات واهية لا يصلح العمل بها" التنقيح لما جاء فى صلاة التسبيح" (۱۰۲)

فاتحہ کے بعد کونسی سُورت پڑھی جائے کسی صحیح روایت میں اس کی تحدید نہیں آئی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں انتہائی ضعیف قسم کی روایات ہیں۔ جن پر عمل کرنا درست نہیں۔

طبرانی (۱۱/۱۶۱-۱۶۲) نے اس حدیث کو عطاء کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس سند میں ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اگر آپ چاہیں تو شروع مفصّل سورتوں میں سے کوئی سُورت پڑھ لیں۔

مگر یہ سند انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ عطاء سے اس کو نافع بن ہرمز نے روایت کیا ہے جو متروک ہے۔ بلکہ بعض نے اس کو کذاب کہا ہے، جیسا کہ ابن علان نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو" الفتوحات الربانیۃ" (۴/۳۱۱)۔

فائدہ : سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ ناس تک کی سُورتوں کو مفصّل کہا جاتا ہے اور مفصّل کی تین قسم ہیں۔ جن کی تفصیل اس کتاب کی حدیث (۲۸۹) پر مؤلف کے حاشیہ میں دیکھی جائے۔

۶۴۹ ۔ سند ضعیف ہے۔

اس دعاء کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مجاہد کی سند میں ہے۔ اس سند سے اس کو طبرانی نے" اوسط" ←

اَهْلِ الْوَرَعِ وَعِزَّ فَانَ اَهْلِ الْعِلْمِ حَتّٰى اَخَافَكَ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مُخَافَةً تَحْجُزُنِیْ عَنْ مَعَاصِيْكَ حَتّٰى اَعْمَلَ بِطَاعَتِكَ عَمَلًا اَسْتَحِقُّ بِهٖ رِضَاكَ وَ حَتّٰى اُنَاصِحَكَ بِالتَّوْبَةِ خَوْفًا مِنْكَ وَحَتّٰى اُخْلِصَ لَكَ النَّصِيْحَةَ حُبًّا لَكَ وَحَتّٰى اَتَوَكَّلَ عَلَيْكَ فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا حُسْنَ الظَّنِّ بِكَ سُبْحَانَ خَالِقِ النُّوْرِ

اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق راہ پانے والوں کی اور اعمالِ یقین والوں کے اور خیر خواہی توبہ کرنے والوں کی اور ہمت صبر والوں کی اور کوشش ڈرنے والوں کی اور جستجو رغبت والوں کی اور عبادت پرہیزگاروں کی اور معرفت علم والوں کی، یہاں تک کہ ڈروں میں تجھ سے۔ اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے وہ ڈر کہ باز رکھے مجھ کو تیری نافرمانیوں سے یہاں تک کہ تیری اطاعت میں وہ کام کروں کہ جس سے تیری رضا مندی کا مستحق ہو جاؤں اور یہاں تک کہ تیری طرف خالص توبہ کروں تجھ سے ڈر کر اور یہاں تک کہ خالص خیر خواہی کروں تیری تجھ سے محبت کی خاطر اور یہاں تک کہ تجھ ہی پر بھروسہ کروں سب کاموں میں اور نیک گمان کروں تیرے ساتھ پاک ہے (تو) اے پیدا کرنے والے نور کے ؛

میں اور طبرانی سے ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۱/۲۵-۲۶) میں روایت کیا ہے۔

اور یہ سند انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی عبدالقدوس بن حبیب ہے جو متروک ہے۔ جیسا کہ حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۲/۲۰۵) میں کہا ہے۔

بلکہ حافظ ابن حبان نے "مجروحین" (۲/۱۳۱) میں کہا ہے کہ یہ ثقہ راویوں کے نام سے احادیث گھڑا کرتا تھا۔

اور علامہ ذہبی نے "میزان الاعتدال" (۲/۶۴۳) میں ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک اس کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں لفظ "کذاب" کا استعمال نہیں کرتے تھے۔

مریض کی عیادت کا بیان

عیادت سے بہشت

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۶۵۰۔ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

جو کوئی مسلمان عیادت کرے مسلمان کی اوّل روز (یعنی قبل دوپہر) تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے شام تک رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اور جو کوئی عیادت کرے آخر روز (یعنی بعد دوپہر) تو ستر ہزار فرشتے اس کے

۶۵۰۔ اس کو ابوداود (۳۰۹۸ – ۳۱۰۰) ترمذی (۹۶۹) ابن ماجہ (۱۴۴۲) ابن ابی شیبہ (۳/۲۳۴) احمد (۱/۸۱، ۹۱، ۹۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱) عبداللہ بن احمد نے "زوائد المسند" (۱/۱۳۸) میں ابویعلی (۲۶۲) ابن حبان (۷۱۰) طبرانی نے "اوسط" (۲۲۶) میں، حاکم (۱/۳۴۱-۳۴۲) بیہقی (۳/۳۸۰-۳۸۱) اور خطیب نے "موضح" (۲/۱۴) میں مختلف سندوں کے ساتھ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، امام ابوداود، ابن حبان، حاکم ذہبی اور البانی نے بھی "احادیث صحیحہ" (۱۳۶۷) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

بعض راویوں نے اس کو موقوفاً بھی روایت کیا ہے مگر امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ متعدد صحیح سندوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے

اسی معنی کی ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

حدیث انس کو ابویعلی (۴۲۴۹) اور ابن جوزی نے "موضوعات" (۳/۲۰۶-۲۰۷) میں روایت کیا ہے یہ ایک طویل حدیث ہے، ابن جوزی نے اس کو من گھڑت کہا ہے اور یہ ہے بھی اس کے لائق،

حدیث ابن عباس کو طبرانی (۱۱/۱۹۷) اور ابن عدی (۶/۲۱۶۹) نے روایت کیا ہے۔

حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عبدالملک انصاری ہے، جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ "مجمع الزوائد" (۲/۲۰۱)

قلت: اس کا ترجمہ "جرح و تعدیل" (۸/۴-۵) "کامل ابن عدی" اور "تاریخ بغداد" (۲/۳۴۰-۳۴۲) میں ہے اور یہ کذاب ہے ابن عدی نے اسی کے ترجمے میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی تیمارداری کے لیے جاتا ہے تو وہ واپس لوٹ آنے تک جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔ اس کو مسلم (۱۶/۱۲۴-۱۲۵) "البر والصلة" اور ترمذی (۹۶۷-۹۶۸) نے روایت کیا ہے۔

لیے صبح تک رحمت اور مغفرت کی دُعا کرتے ہیں اور اس کے لیے بہشت میں باغ (تیار) ہوتا ہے۔

عیادت کی دُعائیں

جب مریض کے پاس عیادت کو جائیں تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلی ہوئی مندرجہ ذیل دعائیں اس کے حق میں کریں؛

پہلی دُعا

۶۵۱۔ اَسْاَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ۔

مَیں تیری شفا کے لیے اللہ بزرگ پروردگار عرشِ عظیم سے سوال کرتا ہُوں۔ (ابُوداؤد)

۶۵۱ــــ جید حدیث ہے۔

یہ دُعا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جس میں اس کی فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے مُسلمان بھائی کی تیمارداری کے لیے جاتا ہے اور اس کے پاس سات مرتبہ بیٹھ کر یہ کلمات پڑھتا ہے تو وہ شفایاب ہو جاتا ہے اِلّا یہ کہ اس کی موت کا وقت آچکا ہو، اس کی ایک روایت میں اس دُعا کو مریض کے سر کے پاس بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔

اس حدیث کو ابُوداؤد (۳۱۰۶) "جنائز" ترمذی (۲۰۸۳) "طب" نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۴۵-۱۰۴۸) میں احمد (۱/۲۳۹، ۲۴۳) ابنِ حبان (۷۱۴)، طبرانی نے "کبیر" (۱۱/۴۴۸، ۵۰، ۴۴۹) "صغیر" (۱/۲۱) اور "دُعا" (۱۱۱۵ - ۱۱۲۰) میں ابن سنی (۵۴۴) ابن مندہ نے "توحید" (۲/۱۴۸) میں ابن جمیع نے "معجم شیوخ" (۲۶۲) میں اور حاکم (۱/۳۴۲، ۴/۴۱۶) نے روایت کیا ہے۔

سند: من طرق عن المنہال بن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

یہ سند جید ہے۔ علامہ ذہبی نے "میزان" (۴/۱۹۲) میں اس کو صالح کہا ہے۔

امام ترمذی اور حافظ ابنِ حجر نے بھی۔ جیسا کہ "شرح ابن علان" (۴/۶۱) میں ہے۔ اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ حافظ ابن حبان، امام حاکم اور امام نووی نے "مجموع" (۵/۱۱۰) اور "اَذکار" (۱۲۳) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

مذکورہ سند سے اس کو منہال سے تقریبًا پانچ راویوں نے روایت کیا ہے۔ جن میں عبد ربہ بن سعید اور ابو خالد دالانی۔ یزید بن عبدالرحمٰن۔ بھی ہیں۔ جب کہ حجاج بن اَرطاۃ نے ان تمام کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے منہال سے اس حدیث کو روایت کرتے ہُوئے سعید بن جبیر کی بجائے عبداللہ بن حارث کا ذکر کیا ہے، حجاج کی سند سے اسے احمد (۱/۲۳۹، ۳۵۲) نسائی (۱۰۴۴) ابُویعلی (۲۴۸۳) طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۱۵۰-۱۵۱) میں حاکم (۱/۳۴۳) اور بغوی (۱۴۱۹) نے روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے حجاج کی روایت کا جواب دیتے ہُوئے کہا ہے کہ اس کو اختلاف نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ حجاج، عبد ربہ بن سعید اور ابُو خالد دالانی سے حفظ اور اتقان میں کم ہیں۔

دوسری دُعا

۶۵۲۔ لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ (بخاری، مسلم)

نہیں کچھ ڈر (یعنی غم نہ کر) پاک کرنے والی ہے (بیماری گناہوں سے) اگر چاہے اللہ۔

قلت: عبد ربّہ اور دالانی نے اس حدیث کو حجاج کی طرح بھی روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو، بخاری کی "ادب مفرد" (۵۳۶) اور طبرانی کی "معجم کبیر" (۱۲/ ۱۵۰) اور کتاب الدّعا (۱۱۱۴)۔

لہٰذا ممکن ہے کہ منہال بن عمرو نے اس حدیث کو سعید بن جبیر اور عبداللہ بن حارث دونوں ہی سے سُنا ہو مگر ابُوحاتم اور ابوزرعہ نے سعید کی حدیث کو ترجیح دی ہے ملاحظہ ہو "علل ابن ابی حاتم" (۲/ ۲۰۱، ۲۰۶) اس حدیث کی سند کے بارے میں "عمل نسائی" (۱۰۴۳) مسند ابُویعلی (۲۴۳۰) اور "کامل ابن عدی" (۶/ ۲۳۳۲) بھی دیکھیئے۔

"دُعاء طبرانی" (۱۱۱۳) میں یہ دُعا اور اس کی یہی فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔

۶۵۲۔ اس کو بخاری نے "صحیح" (۳۶۱۶، ۵۶۵۶، ۵۶۶۲، ۷۴۷۰) اور "ادب مفرد" (۵۱۴، ۵۲۶) میں نسائی نے "عمل الیوم واللیلة" (۱۰۳۹) میں ابن حبان (۷/ ۲۲۵ - ۲۲۶) طبرانی نے "کبیر" (۱۱/ ۳۴۲) اور "دُعاء" (۲۰۲۲) میں بیہقی (۳/ ۳۸۲ - ۳۸۳) اور بغوی (۱۴۱۲) نے روایت کیا ہے۔

یہ دُعا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اس میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی (دیہاتی) کی تیمارداری کیلئے تشریف لے گئے اور اس سے یہ کلمات کہے۔

مسند احمد (۳/ ۲۵۰) دُعا طبرانی (۲۰۲۳) اور ابن سُنی (۵۲۵) میں یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کی سند مطلق طور پر حسن درجے کی ہے یا شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

حدیث ابن عباس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس اعرابی سے یہ کلمات کہے تو وہ کہنے لگا کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ بوڑھے آدمی کو بخار بہت سخت ہے جو اسے قبر کی دیواریں دکھلا رہا ہے۔ اس کی یہ بات سُن کر آپ نے فرمایا پھر ایسے ہی سہی۔

یہی حدیث ذرا تفصیل سے شرحبیل جعفی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس اعرابی کے گھر سے نکل نہ پائے تھے کہ وہ فوت ہوگیا۔

اس حدیث کو دولابی نے "کنی" (۱/ ۸۱) میں اور طبرانی نے "کبیر" (۷/ ۳۶۷) اور "دُعاء" (۲۰۲۴) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

مصنف عبدالرزاق (۳/ ۱۹۷) میں یہی بات زید بن اسلم کی مرسل روایت میں بھی موجُود ہے۔ اس کی سند تو صحیح ہے مگر یہ مُرسل روایت ہے جو ضعیف ہوتی ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس دعا کے لیے بخاری اور مسلم کا حوالہ دیا ہے، جب کہ یہ مسلم میں نہیں ہے اور نہ ہی مزی نے "تحفة الأشراف" (۵/ ۱۲۷/ ۶۰۵۵) میں اس کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔

تیسری دُعا

۶۵۳ - اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا ط۔ (بخاری و مسلم)

"دور کر بیماری کو اے پروردگار آدمیوں کے اور شفا دے۔ تو ہی ہے شفا دینے والا۔ نہیں شفا سوائے شفا تیری کے وہ شفا کہ نہیں چھوڑتی کسی بیماری کو۔"

(نوٹ) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں، کہ رسولِ خدا مریض پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے۔ اور یہ (مذکورہ) دُعا پڑھتے تھے۔ (متفق علیہ)

معوذات کا دم

۶۵۴ - حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں۔ اذا اشتکیٰ نفث علی نفسہ بالمعوذات و مسح عنہ بیدہ۔ جب حضور انور بیمار ہوتے تو دم کرتے اپنے اوپر معوذات سے (قرآن کی آخری دو سورتیں) اور پھیرتے اپنے اوپر ہاتھ اپنا۔ (بخاری مسلم)

ملاحظہ: اس حدیث کی رُو سے معوذات پڑھ کر بھی مریض اپنے اوپر دم کرسکتا ہے اور دوسرے مریض کو بھی ان کے ساتھ دَم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ معوذات پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کی حالت میں دم کرتی تھیں۔ (مشکوٰۃ)

جبریل کا دم

۶۵۵ - ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہ رسُول خدا کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ بیمار ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں (بیمار ہوں) تو جبریلؑ نے آپ کی بیماری کے

---

۶۵۳ یہ دُعا عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جسے بخاری (۵۶۷۵، ۵۷۴۳، ۵۷۵۰) مسلم (۱۴/۱۸۰) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۱۰-۱۰۱۴، ۱۰۱۶) میں ابن ماجہ (۳۵۲۰) احمد (۶/۴۴، ۴۵، ۱۰۹، ۱۱۴-۱۱۵، ۱۲۱، ۲۷۸) اور بیہقی (۳/۳۸۱) نے روایت کیا ہے۔

۶۵۴- اس کو بخاری (۴۴۳۹، ۵۰۱۶، ۵۷۳۵، ۵۷۵۱) مسلم (۱۴/۱۸۲-۱۸۳) ابوداؤد (۳۹۰۲) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۰۹) میں ابن ماجہ (۳۵۲۹) مالک (۲/۹۴۲) احمد (۶/۱۰۴، ۱۱۴، ۱۲۴، ۱۶۶، ۱۸۱، ۲۵۶، ۲۶۳) اور بغوی (۱۴۱۵) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے "ملاحظہ" کے عنوان کے تحت جو کچھ ذکر کیا ہے وہ بھی اسی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے مگر ان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی دوسری حدیث میں ہے، کیونکہ یہاں انہوں نے بخاری و مسلم کے حوالے کی بجائے "مشکاۃ" کا حوالہ دیا ہے۔ جب کہ وہ اوپر بخاری و مسلم کا حوالہ دے کر آئے ہیں۔

۶۵۵ اس کو مسلم (۱۴/۱۷۰) "سلام" ترمذی (۹۷۲) "جنائز" ابن ماجہ (۳۵۲۳) "طب" نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۰۵) میں احمد (۳/۲۸، ۵۶، ۵۸) اور ابو یعلی (۱۰۶۶) نے روایت کیا ہے۔

یہ ابن سنی (۵۷۰) میں اسی طرح ایک اور مقام پر مسند احمد (۳/۷۵) میں بھی ہے۔ مگر ان کے یہاں راوی کا نام ابو سعید یا جابر شک کے ساتھ ہے۔

دفعیہ کے لیے یہ پڑھا:

بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْكَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنِ حَاسِدٍ۔ اَللّٰہُ یَشْفِیْكَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْكَ۔ (رواہ مسلم)

ساتھ نام اللہ کے کلام پڑھتا ہوں تجھ پر ہر چیز سے کہ ایذاء دے تجھ کو بُرائی ہر شخص کی سے یا آنکھ حسد کرنے والی سے۔ اللہ شفا دے تجھ کو ساتھ نام اللہ کے کلام پڑھتا ہوں تجھ پر۔

عالمِ نزع میں تلقینِ شہادتین

اگر کوئی حالت نزع میں ہو۔ تو اس کے پاس سب کو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنا چاہیئے اور بار بار پڑھنا چاہیئے تاکہ وہ بھی سُن کر پڑھے، اور اس کا آخر کلام لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو۔

۶۵۶۔ مشکوٰۃ میں فرمایا حضورؐ نے لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ تلقین کرو ان شخصوں کو کہ قریب مرنے کے ہیں کلمہ لا الٰہ الا اللہ۔

۶۵۷۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا۔ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِہٖ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ جس کا آخر کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

---

۶۵۶ ــــ اس تلقین کے بارے میں متعدد حدیثیں ہیں جن میں ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں بھی ہیں۔

۱۔ حدیث ابو سعید کو مسلم (۶/۲۱۹) ابوداؤد (۳۱۱۷) ترمذی (۹۷۶) نسائی (۴/۵) ابن ماجہ (۱۴۴۵) ابن ابی شیبہ (۳/۲۳۸) احمد (۳/۳) عبد بن حمید (۹۷۳) ابو یعلیٰ (۱۰۹۶، ۱۱۱۷، ۱۲۳۹) ابن مندہ نے "توحید" (۲/۴۴) میں ابو نعیم نے "حلیہ" (۹/۲۲۴) میں اور بیہقی (۳/۳۸۳) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث ابو ہریرہ کو مسلم، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ اور ابن مندہ نے روایت کیا ہے۔

بقیہ احادیث "مجمع الزوائد" (۲/۳۲۵...) اور "تلخیص" (۲/۱۰۳) میں دیکھیں۔

تنبیہ: ابن ماجہ (۱۴۴۶) میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے بعد درج ذیل الفاظ کا اضافہ بھی ہے الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العالمین۔

مگر اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں اسحاق بن عبداللہ بن جعفر ہیں جو مستور ہیں اس طرح اس کی سند میں کثیر بن زید ہیں۔ جو غلطیاں کرتے ہیں۔

۶۵۷ ــــ صحیح ہے۔

۶۵۸۔ مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسین بھی پڑھنی آئی ہے۔ (بلوغ المرام)

اس کو ابوداؤد (۳۱۱۶) احمد (۵/۲۳۳) طبرانی نے "کبیر" (۲۰/۱۱۲) اور "دعا" (۱۴۷۱) میں ابن مندہ نے "توحید" (۲/۴۵) میں حاکم نے "مستدرک" (۱/۳۵۱، ۵۰۰) اور "علوم الحدیث" (۷۶) میں خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۰/۳۳۵) اور موضح (۲/۱۷۶) میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند صالح بن ابی عریب کی وجہ سے حسن درجے کی ہے اس سے ایک جماعت نے روایت کی ہے اور ابن حبان نے اس کو "ثقات" (۶/۴۵۷) میں ذکر کیا ہے اور ذہبی نے "کاشف" (۲/۲) میں اس کو ثقہ کہا ہے۔

ابن قطان نے اس حدیث کو صالح کی وجہ سے ضعیف کہا ہے مگر ان کا یہ کہہ کر تعاقب کیا گیا ہے کہ اس سے ایک جماعت نے روایت کی ہے اور ابن حبان نے اس کو "ثقات" میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "تلخیص" (۲/۱۰۳)۔

اس حدیث کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور البانی نے "ارواء الغلیل" (۳/۱۴۹) میں اس کو حسن کہا ہے۔

اور یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ اس کے متعدد شواہد میں جن میں ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ اس حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ شخص (موت کے وقت کلمہ پڑھنے والا) آخرکار جنت میں داخل ہوگا اگرچہ اس سے قبل اسے پہنچے جو بھی پہنچے (عذاب وغیرہ)۔

اس کو ابن حبان (۷۱۹) اسی طرح بزار (۳) ابونعیم نے "حلیہ" (۵/۴۶، ۷/۱۲۶، ۱۰/۲۹۷) میں خطیب نے "موضح" (۲/۲۷۹) میں اور ابن عبدالبر نے "تمہید" (۶/۵۱) میں روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

عبدالرزاق (۳/۳۸۷) نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے موقوفاً روایت کیا ہے مگر اس سے اس کی صحت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ ثوری سے اس کو مرفوع روایت کرنے والے عیسیٰ بن یونس ہیں جو ثقہ ہیں۔ اسی طرح ابن حبان کے یہاں محمد بن اسماعیل فارسی نے بھی سفیان سے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور مذکورہ سیاق بھی اسی فارسی کا ہے۔

نیز سفیان کے شیخ منصور بن معتمر سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ ابوعوانہ کی سند ہے اس سند سے اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث موقوفاً بھی مروی ہے مگر اس کا مرفوعاً مروی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

نیز "موضح خطیب" (۲/۴۸) میں اس حدیث کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے اور اس سند سے بھی یہ مرفوعاً ہی مروی ہے، مگر وہ سند حفص بن سلیمان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جس کا آخری کلام "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہوا تو وہ آگ میں داخل نہ ہوگا، اس کو طبرانی نے "اوسط" (۵۷۸) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔

حدیث معاذ کے بقیہ شواہد "تلخیص" (۲/۱۰۳) میں دیکھیں۔

۶۵۸۔ ضعیف ہے۔

میّت کو بوسہ دینا

۶۵۹۔ جس کا کوئی قریبی یا دوست، عزیز فوت ہو جائے تو اس میّت کو فرطِ محبت سے بوسہ دینا جائز ہے۔ (بخاری شریف بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ)

← اس کو ابوداؤد (۳۱۲۱) ابن ماجہ (۱۴۴۸) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۷۴۔۱۰۷۵) میں طیالسی (۲/۲۳) ابن ابی شیبہ (۳/۲۳۷) احمد (۵/۲۶، ۲۷) ابن حبان (۷۲۰) طبرانی (۲۰/۲۱۹) حاکم (۱/۵۶۵) لالکائی نے "شرح الأصول" (۶/۱۵۳) میں اور بیہقی نے "سنن" (۳/۳۸۳) اور "شعب الایمان" (۵/۲۹۵) میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے ابن قطان نے اس کی تین علتیں بیان کی ہیں، ابن العربی نے دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا متن مجہول ہے اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے ملاحظہ ہو "تلخیص الحبیر" (۲/۱۰۴)۔

امام نووی نے بھی "تبیان" (۱۱۰) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

اس باب میں ایک دوسری حدیث بھی ہے مگر وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل کے لئے "ارواء الغلیل" (۳/۱۵۰/۶۸۸) دیکھیں۔

۶۵۹ ـــ اس کو بخاری (۱۲۴۱۔۱۲۴۲، ۳۶۶۷، ۴۴۵۲) نسائی (۴/۱۱) احمد (۶/۱۱۷) بیہقی (۳/۴۰۶) اور ابن ابی شیبہ (۳/۵۷۔ دار التاج) نے تین مختلف سندوں سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اس میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کی وفات کے بعد بوسہ لیا۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی سند سے یہ واقعہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم دونوں سے مروی ہے اور اس سند سے اس کو بخاری (۵۷۰۹، ۵۵) "تفسیر وطب" نسائی (۴/۱۱) ابن ماجہ (۱۴۵۷) ابن ابی شیبہ (۳/۵۷) احمد (۶/۵۵) اور ابن حبان (۷/۲۹۹) نے روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق (۳/۵۹۶) اور احمد (۱/۲۴۴، ۲۶۷) نے ابوسلمہ کی سند سے اور ابن عدی (۴/۱۵۹۸) نے مجاہد کی سند سے اس کو صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے مگر ابن عدی کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس حدیث کو احمد (۲/۲۴۴) اور ابن حبان (۷/۳۰۰) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، طیالسی (۱/۱۵۷) اور ابن عدی (۴/۱۳۸۳) نے جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ حدیث جابر کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے اور حدیث ابوہریرہؓ کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

ان احادیث میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بوسہ لیا اور بذات خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی میّت کا بوسہ لینا ثابت ہے۔

چنانچہ حدیث عائشہ بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا اور حدیث عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ ان دونوں حدیثوں کو ملا لینے سے یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔

۱۔ حدیث ام المؤمنین عائشہؓ کو ابوداؤد (۳۱۶۳) ترمذی (۹۸۹) ابن ماجہ (۱۴۵۶) طیالسی (۱/۱۵۷) عبدالرزاق (۳/۵۹۶) ابن ابی شیبہ (۳/۵۷) احمد (۶/۴۳، ۵۵، ۵۶، ۲۰۶) ابن عدی (۵/۱۸۶۷) حاکم (۱/۳۶۱) اور بیہقی (۳/۴۰۷) نے روایت کیا ہے ـــــ ←

میت پر رونا

۶۶۰ - اگر میت کو دیکھ کر رونا آئے اور آنسو جاری ہوں تو کوئی منع نہیں۔ (مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت)

میت پر چلّا کر رونا، پیٹنا، گریبان پھاڑنا اور بین کرنا حرام ہے

۶۶۱ — حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور انورؐ نے فرمایا۔ لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ۔ (متفق علیہ) نہیں ہے وہ ہم سے (یعنی ہمارے اہل طریقہ سے) جو پیٹے رخسارے اور پھاڑے گریبان اور پکارے پکارنا جاہلیت کا۔ (یعنی نوحہ اور واویلا کرنا۔) (بخاری و مسلم)

۶۶۲ — حضرت ابی سعیدؓ خدری کہتے ہیں۔ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّائِحَۃَ وَالْمُسْتَمِعَۃَ۔ (رواہ ابوداؤد) لعنت کی رسول اللہؐ نے نوحہ کرنے والی عورت کو اور نوحہ سننے والی عورت کو۔

عمری نے اس کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بجائے عامر بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو "زوائد بزار (۸۰۹) حافظ ہیثمی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے مگر یہ تحسین محل نظر ہے۔ کیونکہ عمری نے سفیان ثوری اور قیس بن ربیع کی مخالفت کی ہے ان دونوں نے اس کو اپنے شیخ عاصم بن عبید اللہ سے عائشہ کے حوالے سے روایت کیا ہے اور یہ عمری غالباً عبید اللہ بن عمر مکبر ہے جو متکلم فیہ ہے۔

۲۔ حدیثِ عائشہ بنت قدامہ کو طبرانی (۲۴/۲۴۲) نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث سے مل کر حسن درجے کی ہے، بلکہ پہلی حدیث کو تو امام ترمذی نے صحیح کہا ہے، مگر ان کی یہ تصحیح محل نظر ہے۔

۶۶۰ — اس کو بخاری (۱۳۰۴) مسلم (۶/۲۲۵-۲۲۶) بیہقی (۴/۶۹) اور بغوی (۱۵۲۹) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھ کے رونے اور دل کے پریشان ہونے کی وجہ سے عذاب نہیں کرتا، بلکہ زبان سے چلانے اور واویلا کرنے سے عذاب کرتا ہے۔

۶۶۱ — اس کو بخاری (۱۲۹۴، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۳۵۱۹) مسلم (۲/۱۰۹) "ایمان" ترمذی (۹۹۹) نسائی (۴/۱۹-۲۱) ابن ماجہ (۱۵۸۴) طیالسی (۱/۱۵۷) ابن ابی شیبہ (۳/۳۸۹) احمد (۱/۳۸۶، ۴۳۲، ۴۴۲، ۴۵۶، ۴۶۵) دولابی نے "کنی" (۲/۱۴۹) میں ابن حبان (۷/۴۱۹-۴۲۱) طبرانی (۱۰/۱۹۱) ابن مندہ نے "کتاب الایمان" (۲/۶۴۱-۶۴۳) میں ابو نعیم نے "حلیہ" (۵/۳۹) میں بیہقی (۴/۶۳-۶۴) بغوی نے "شرح السنۃ" (۱۵۳۳) میں اور ابن نجار نے "ذیل تاریخ بغداد" (۱۷/۳۰۴) میں روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مصنف عبدالرزاق (۳/۵۵۸) میں یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بجائے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اسی طرح مصنف میں اس کی سند میں بھی غلطی ہے یہ دونوں غلطیاں اگر کسی ناسخ سے نہیں ہوئیں تو پھر معمر بن راشد سے ہوئی ہیں۔

۶۶۲ — ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۳۱۲۸) احمد (۳/۶۵) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱/۲۶) میں بیہقی (۴/۶۳) اور بغوی (۱۵۳۶)

ملاحظہ: نوحہ بَین کرنے کو کہتے ہیں۔ کہ عورت میت کی بھلائیاں بیان کر کر پکار کر روئے۔ اور واویلا کرے اور جو عورت قصداً اس بَین کو سُنے۔ وہ بھی ملعون اور گناہگار ہے۔

۶۶۳ — ابی بردہؓ کی روایت میں حضورؐ فرماتے ہیں " أَنَا بَرِيٌّ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ میں بیزار ہوں اس سے جو (موت کی مصیبت میں) سر کے بال منڈائے اور چلّا کر روئے اور اپنے کپڑے پھاڑے " (بخاری و مسلم)

صبر پر بہشت (حدیث قدسی)

۶۶۴۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے (اس) مومن بندے کے لیے بہشت ہے۔ جس کے پیارے کو میں اہلِ دُنیا سے قبض کرتا ہوں، اور وہ (اس کی موت پر) صبر کرے۔ (بخاری)

← نے روایت کیا ہے۔ مگر ان تمام حدیثوں کی سندیں بھی ضعیف ہیں۔

اس کی سند میں محمد بن حسن بن عطیہ، حسن بن عطیہ اور عطیہ ہیں اور یہ تینوں ہی ضعیف ہیں، جیسا کہ ابو حاتم نے کہا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو منکر کہا ہے ملاحظہ ہو" علل ابن ابی حاتم" (۱/ ۳۶۹)۔

یہ حدیث ابن عمر، ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ مگر ان تمام حدیثوں کی سند بھی ضعیف ہیں۔

حدیث ابن عباس کو بزار (۷۹۲)، اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں صباح ابو عبداللہ ہے، جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ مجمع الزوائد (۳/ ۱۶)۔

اس کی سند میں صباح کا شیخ جابر جعفی ہے جو ضعیف ہے بلکہ متہم ہے۔

بقیہ حدیثوں کے بارے میں تفصیل" ارواء الغلیل" (۲/ ۲۲۲) میں دیکھیں۔

۶۶۳ — یہ حدیث ابوبُردہ نے اپنے باپ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ابو بُردہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔

اس کو بخاری نے "صحیح" (۱۲۹۶ - تعلیقاً) اور" تاریخ کبیر" (۶/ ۴۸۶ - تعلیقاً، ۷/ ۲۰۵ - موصولاً) میں بھی، مسلم (۲/ ۱۱۰ - ۱۱۱) ابو عوانہ (۱/ ۵۶) ابوداؤد (۳۱۳۰) نسائی (۴/ ۲۰ - ۲۱) ابن ماجہ (۱۵۸۶) ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۸۹ - ۲۹۰) احمد (۴/ ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۱۱، ۴۱۶) ابن حبان (۷/ ۴۲۲ - ۴۲۳، ۴۲۵ - ۴۲۶) طبرانی نے کبیر (۲۵/ ۱۷۵ - ۱۷۶) اور" أوسط" (۲/ ۱۳۳) میں ابنِ مندہ نے" کتاب الایمان" (۲/ ۶۴۴ - ۶۴۶) میں اور بیہقی (۴/ ۶۴) نے تین چار سندوں سے روایت کیا ہے۔

اس کی ایک روایت میں ہے کہ یہ کام کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہو: یہ روایت احمد، نسائی، ابن حبان اور طبرانی کے یہاں ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ کام کرنے والا ہم سے نہیں ان الفاظ سے یہ حدیث ابوداؤد میں ہے، اسی طرح مسلم، احمد، نسائی اور ابن حبان کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

۶۶۴ — اس کو بخاری (۶۴۲۴) "رقاق" اور" بغوی (۱۵۴۸) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ←

نماز جنازہ کا بیان

جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے میت کی چارپائی اس طرح رکھیں کہ میت کا سر شمال کی سمت، اور پاؤں جانب جنوب ہوں پھر باوضو ہو کر طاق صفیں باندھیں، اور میت اگر مرد ہے تو امام سر کے سامنے کھڑا ہو[1] اور میت اگر عورت ہے تو امام کو اس کے درمیان کھڑا ہونا چاہیئے، پھر دل میں نیت کر کے دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھائیں اور پہلی تکبیر اللہ اکبر کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ امام آواز سے پڑھے اور مقتدی آہستہ۔

---

[1] ۶۶۵۔ ترمذی، ابن ماجہ، اور ابوداؤد میں حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انس بن مالک نے ایک مرد کا جنازہ پڑھایا تو اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے۔ پھر ایک قریشی عورت کا جنازہ لوگ لائے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھایا تو عورت کے سریر کے درمیان کھڑے ہوئے۔ علاء بن زیاد نے پوچھا کیا رسول خدا کو بھی تو نے ایسے ہی کھڑے ہوتے دیکھا تھا۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ہاں!

← نسائی (۴/۷۳) میں اس سے ملتی جلتی حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کی سند حسن درجے کی ہے۔

۶۶۵ ــــ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۱۰۳۴) ابن ماجہ (۱۴۹۴) ابوداؤد (۳۱۹۴) طیالسی (۱/۱۶۳) ابن ابی شیبہ (۳/۳۱۲) احمد (۳/۱۱۸، ۲۰۴) طحاوی (۱/ ۴۹۱) ابن حزم (۵/۱۲۳) اور بیہقی (۴/۳۳) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے نافع کی کنیت ابو غالب ہے انہیں رافع بھی کہا گیا ہے یہ ثقہ ہیں۔ تابعین کے طبقہ خامسہ میں سے ہیں ملاحظہ ہو "تقریب"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کو مرد کے سر کے برابر اور عورت کے درمیان میں کھڑے ہونا چاہیئے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ علاء بن زیاد نے حضرت انس کے جواب کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "احفظوا" اس کو (فرق کو) خوب یاد کر لو۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس قصے میں جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی موافقت کی دلیل ہے اور وہ تمام کے تمام تابعین ہیں، شافعی، احمد، داؤد اور ان تمام کے اصحاب کا اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے "محلی"۔

عورت کے درمیان ہی کھڑے ہونے کا ذکر حدیث سمرہ بن جندب میں بھی ہے، جسے بخاری (۳۲۲، ۱۳۳۱-۱۳۳۲) اور مسلم (۷/۳۱-۳۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جنازہ میں سُورۃ فاتحہ

۶۶۶ — حصن حصین میں ہے۔ وَاِذَا صَلّٰی عَلَیۡہِ کَبَّرَ ثُمَّ قَرَأَ الۡفَاتِحَۃَ۔ یعنی جب آپ نماز پڑھتے۔ میت پر، تکبیر کہتے پھر سُورۃ فاتحہ پڑھتے۔

---

۶۶۶ — صحیح ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کے لیے حصن حصین کا حوالہ دیا ہے اور اس میں درج ذیل حدیث مذکور ہے۔

شرحبیل بن سعد سے روایت ہے کہ " ابواء " مقام میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی آپ نے تکبیر کہی اس کے بعد باآواز بلند سُورہ فاتحہ تلاوت کی پھر درود پڑھا اس کے بعد دُعا کی۔ جو دُعا نمبر (۳، ۶) میں آرہی ہے۔ اور فارغ ہونے کے بعد فرمانے لگے کہ میں نے سُورۃ فاتحہ اس لیے جہری آواز سے تلاوت کی ہے تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ اس کا پڑھنا سُنت ہے۔

اس کو حاکم (۱/ ۳۵۹) اور بیہقی (۴/ ۴۲) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ شرحبیل بن سعد کی توثیق میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ " فتح الباری " (۳/ ۲۰۴) میں ہے۔ نیز اس کی سند میں مُوسٰی بن یعقوب زمعی ہے جو سئی الحفظ ہے جیسا کہ " تقریب " میں ہے۔

اوسط طبرانی (۱۹۵۹) میں عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ ابن عباس جب نماز جنازہ پڑھاتے تو تکبیر کہتے پھر سُورۃ فاتحہ پڑھتے اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر دُرود پڑھتے پھر تکبیر کہتے۔

اس سند کے طبرانی کے شیخ احمد بن محمد بن نافع کے علاوہ باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور احمد بن محمد کا حال معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

بہر حال مذکورہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری صحیح سند سے مروی ہے جیسا کہ حدیث (۶۶۷) میں آرہا ہے۔

رہا فاتحہ کے بعد دُرود اور اس کے بعد دُعا کرنے کا ذکر تو اس کے بارے میں ابُو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سُنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی جائے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجا جائے۔ اور دُرود کے بعد خلوص نیت سے میت کے لیے دُعا کی جائے، پھر پست آواز سے دائیں جانب سلام پھیرا جائے اور قرارت صرف پہلی تکبیر کے بعد کی جائے۔

اس کو عبدالرزاق (۳/ ۴۸۹ - ۴۹۰) ابن جارود (۵۴۰) ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۹۰، ۴۹۲) اور اسماعیل قاضی نے " فضل الصلاۃ " (۹۴) میں بسند صحیح روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی " فتح الباری " (۳/ ۲۰۴) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابوامامہ بن سہل بن کا نام اسعد ہے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت (دیدار) تو حاصل ہے بلکہ آپ سے کچھ سُنا نہیں ہے۔ جیسا کہ " تقریب " میں ہے۔

۷۶۷ـــ ومن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرا فاتحة الكتاب فقال لتعلموا انها سنة ۔ (رواه البخاری)

حضرت طلحہؓ بن عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک جنازے کی نماز پڑھی۔ آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی، اور فرمایا۔ کہ تم کو جان لینا چاہیئے۔ کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری)

ـــــ لہٰذا یہ روایت مرسل ہوئی مگر یہ مرسل صحابی ہے جو قابلِ حجت ہے۔ نیز ابوامامہ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے موصولاً بھی روایت کیا ہے ان کی اس موصول حدیث کو شافعی نے "اُم" (۱/۲۳۹-۲۴۰) اور "مسند" (۳۵۹) میں طحاوی (۱/۵۰۰) اور بیہقی (۴/۳۹-۴۰) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو حاکم (۱/۳۶۰) اور ان سے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے ان کی روایت میں ایک صحابی کی بجائے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔ یہ حدیث ابو امامہ سے موصولاً بھی صحیح ثابت ہے اس کو موصولاً بیان کرنے والے چار یا پانچ راوی ہیں جن میں اکثر ثقہ ہیں معلوم نہیں "السیل الجرار" (۱/۳۵۹) میں علامہ شوکانی نے اس کی سند میں اضطراب کا دعویٰ کس بناء پر کیا ہے۔

یہ حدیث اختصار کے ساتھ نسائی میں بھی ہے، ملاحظہ ہو اس کتاب کے نمبر (۶۷۵) کا حاشیہ۔

۷۶۷ـــ اس کو بخاری (۳/۱۳۵) ابوداؤد (۳۱۹۸) ترمذی (۱۰۲۷) نسائی (۴/۷۴-۷۵)، شافعی نے "اُم" (۱/۲۷۰) اور "مسند" (۳۵۸-۳۵۹) میں طیالسی (۱/۱۶۴) عبدالرزاق (۳/۴۸۹) ابن جارود (۵۲۴-۵۲۵، ۵۳۷) ابویعلیٰ (۲۶۶۱) ابن حبان (۷/۳۴۰-۳۴۲) طبرانی (۱۰/۳۹۹) دارقطنی (۲/۷۲) حاکم (۱/۳۵۸، ۳۸۶) ابن حزم (۵/۱۲۹) بیہقی (۴/۳۸-۳۹) اور بغوی (۱۴۹۴) نے روایت کیا ہے۔

نسائی، ابن جارود، ابویعلیٰ اور بیہقی میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا ذکر بھی ہے، نسائی میں یہ ذکر ہیثم بن ایوب نے ابن جارود کے یہاں سلیمان بن داؤد ہاشمی اور ابراہیم بن زیاد نے مسند ابویعلیٰ میں محرز بن عون نے اور بیہقی میں ابراہیم بن حمزہ نے کیا ہے اور یہ تمام ثقہ راوی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی کا یہ کہنا کہ ابراہیم بن حمزہ نے اس حدیث کو ابراہیم بن سعد سے روایت کرتے ہوئے فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا اضافہ کیا ہے اور یہ اضافہ محفوظ نہیں صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس اضافے کو دیگر چار راویوں نے بھی ذکر کیا ہے، جن کے ناموں کی تفصیل ابھی ذکر ہوئی ہے۔

نیز "منتقیٰ ابن جارود" (۵۳۶) میں ابن عباس سے یہ حدیث زید بن طلحہ تیمی کی سند سے بھی مروی ہے اور اس میں بھی یہ اضافہ ہے اور یہ سند بھی صحیح ہے۔

اس حدیث میں بعض راویوں نے "لتعلموا انها سنة" کی بجائے "حق وسنة" (فاتحہ کا پڑھنا حق اور سنت ہے) کہا ہے۔

حاکم، شافعی، بیہقی اور ابن ابی شیبہ (۲/۴۹۲ - دارالتاج) نے سعید مقبری کی سند سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما ـــــ

۶۶۸ — وعن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب (ابن ماجہ)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز میں سُورۃ فاتحہ (بعد تکبیر اولی کے) پڑھی۔ (ابن ماجہ)

۶۶۹ — وعن اُم شریک الانصاریۃ قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب۔ (ابن ماجہ)

ام شریک انصاریہ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے ہم کو نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ)

← سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں "إنما جهرت لتعلموا أنها سنة" میں نے (فاتحہ کو) جہراً اس لیے پڑھا ہے تاکہ تمھیں معلوم ہو کہ (نمازِ جنازہ میں) فاتحہ کی قراءت سنت ہے۔

یہ سند حسن درجے کی ہے اور مذکورہ الفاظ حاکم کے ہیں۔

۶۶۸ — صحیح ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۴۹۵) اسی طرح ترمذی (۱۰۲۶) طبرانی (۱۱/ ۳۹۲-۳۹۳) ابن عدی (۱/ ۲۴۰) ابوشیخ نے "طبقات" (۴/ ۳۴۱) میں اور خطیب نے "موضح" (۲/ ۲۴۴) میں مقسم کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے، جس کی وجہ سے یہ سند سخت ضعیف ہے۔

اس کے ضعف کی ایک دوسری علت انقطاع بھی ہے۔ کیونکہ مقسم سے اس کو حکم بن عتیبہ نے روایت کیا ہے امام علی بن مدینی کے کہنے کے مطابق حکم نے مقسم سے صرف چار احادیث اور امام شعبہ کے کہنے کے مطابق صرف پانچ احادیث سُنی ہیں دیکھیں "جامع ترمذی" (۲/ ۴۰۶) ابواب جُمعہ باب "ما جاء فی السفر یوم الجمعۃ" اور علوم الحدیث للحاکم (۱۱۰) ایضاً "تہذیب" (۲/ ۴۳۴)۔

اور مذکورہ حدیث ان چار یا پانچ احادیث میں سے نہیں ہے مگر اس حدیث کا متن حدیث (۶۶۷) کی بناء پر صحیح ہے۔

۶۶۹ — ضعیف ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۴۹۶) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۳/ ۲۲) میں دولابی نے "کنی" (۲/ ۶۰-۶۱) میں طبرانی نے "معجم کبیر" (۲۵/ ۹۶) میں اور ابن عدی نے "کامل" (۲/ ۶۵۶-۶۵۷) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند اور متن میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ ضعیف ہے۔ متن میں اختلاف یوں کہ طبرانی کے ہاں اور بخاری کی ایک روایت میں بھی یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ میں سُورۃ فاتحہ پڑھتے۔ یعنی اس روایت میں پڑھنے کا حکم نہیں۔ سند میں اختلاف یُوں ہے کہ ایک راوی محمد بن عمران نے اس کو اُمِ شریک رضی اللہ عنہا کی بجائے اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ان کے حوالے سے یہ حدیث طبرانی کبیر (۲۴/ ۱۶۲) اور "تاریخ بخاری" میں ہے۔

بوصیری نے "مصباح الزجاجۃ" (۵۲۹) میں اس حدیث کی — حدیث اُم شریک کی — سند کو حسن کہا ہے اور حافظ ابن حجر →

۶۷۰ — عن طلحة بن عبد الله بن عوف ان ابن عباس صلى على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب فقلت له فقال انه من السنة ۔ (ترمذی)

طلحہ بن عبداللہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے پر سورۃ فاتحہ پڑھی۔ میں نے ان کو کہا۔ کہ اس کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ سنت ہے ۔ (ترمذی)

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہو گیا۔ کہ تکبیر اولیٰ کے بعد سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نمازِ جنازہ میں سنت ہے۔ سورۃ فاتحہ پڑھ کر امام کو دوسری تکبیر کہنی چاہیئے۔ اور پھر درود شریف جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے سارا پڑھیں۔ پھر امام تیسری تکبیر کہہ کر یہ دعائیں پڑھے۔

پہلی دعا

۶۷۱ - اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ

← نے "تلخیص" (۲/۱۱۹) میں کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

اس کی سند میں شہر بن حوشب ہیں۔ جن کی حدیث حسن درجے کی تو ہوتی ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب ان کی سند میں کوئی اختلاف نہ ہو لیکن اختلاف کی صورت میں ان کی حدیث کو حسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس اختلاف کی قدرے تفصیل کے لیے "تاریخ بخاری" (۳/۲۲) اسی طرح "تحفۃ الاشراف مع النکت الظراف" (۱۳/۸۸-۸۹) بھی دیکھیں۔

طبرانی کبیر (۲۵/۱۶۸-۱۶۹) میں یہ حدیث ابن ماجہ وغیرہ کے سیاق سے اُمِ عفیف رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ مگر اس کی سند عبدالمنعم حرانی اور صلت بن دینار کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے کیونکہ یہ دونوں متروک ہیں دیکھیں "تقریب"

۶۷۰ — اس حدیث کی تخریج حدیث (۶۶۷) میں دیکھیں۔

۶۷۱ — صحیح حدیث ہے۔

اس کو احمد (۲/۳۶۸) ابوداود (۳۲۰۱) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۸۰) میں ابو یعلیٰ (۶۰۰۹-۶۰۱۰) ابن حبان (۷۵۷) حاکم (۱/۳۵۸) ابن حزم (۵/۱۲۲) اور بیہقی (۴/۴۱) نے یحییٰ بن ابی کثیر کی سند سے از ابوسلمہ از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند میں یحییٰ پر اختلاف ہوا ہے۔ مگر خوف طوالت کے پیشِ نظر اس اختلاف سے صرف نظر کیا جاتا ہے اور یہ حدیث اس لیے صحیح ہے کہ "عمل الیوم واللیلۃ" للنسائی (۱۰۸۱) میں ابن ماجہ (۱۴۹۸) اور بیہقی (۴/۴۱) میں ابوسلمہ سے یحییٰ بن ابی کثیر کے علاوہ ایک دوسری سند بھی ہے اور وہ محمد بن ابراہیم تیمی کی سند ہے اس سند میں اگر ابن اسحاق کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو حسن درجے کی ہو ۔

نیز اس حدیث پر حدیث عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما شاہد بھی ہیں۔

حدیث عبدالرحمٰن کو بزار (۸۱۰) نے روایت کیا ہے، اس کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

حدیث ابن عباس کو طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۱۴۳) اور "اوسط" (۱۱۵۰) میں روایت کیا ہے اس کی سند شواہد میں ←

مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ. (مسلم)

"اے اللہ بخش ہمارے زندوں اور مُردوں کو اور حاضروں اور غائبوں کو اور چھوٹوں اور بڑوں کو اور مَردوں اور عورتوں کو اے اللہ جس کو تو زندہ رکھے زندہ رکھ اس کو اسلام پر اور جس کو تو ہم سے فوت کرے پس اسے ایمان پر فوت کر۔ اے اللہ اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ رکھیو اور اس کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈالیو۔" (مسلم)

دُوسری دُعا نمازِ جنازہ میں آپ مرے ہوئے بھائی کے لیے خدا سے مغفرت مانگتے ہوتے ہیں، امام اور سب لوگوں کو بڑے خلوص اور عاجزی سے رو رو کر میّت کے لیے دُعائیں کرنا چاہیئے اوپر کی دُعا کے ساتھ رسُولِ رحمت کی زبانِ پاک سے میّت کی مغفرت کے لیے نکلی ہُوئی دُعائے ذیل بھی ضرور پڑھا کریں، یہ دُعا نسائی اور ترمذی میں ہے اور امام بخاری لکھتے ہیں کہ دُعائیں جو میّت کے لیے وارد ہوئی ہیں، یہ سب سے صحیح تر ہے۔

۷۷۲۔۔۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ (مسلم)

"یا الٰہی بخش گناہ اس کے اور رحمت کر اس پر اور عافیت دے اس کو اور معاف کر اس کو اور بہتر کر مہمانی اس

← ذکر کرنے کے قابل ہے۔ بلکہ حافظ ہیثمی نے تو "مجمع الزوائد" (۳/۲۶) میں اس کو حسن کہا ہے۔ مگر اس کی تحسین محلِ نظر ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے "بلوغ المرام" (۹۷) میں اس حدیث کو (حدیث ابوہریرہ کو) مسلم اور سنن اربعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر یہ مسلم میں نہیں ہے اور نہ ہی حافظ صاحب نے "تلخیص" (۲/۱۲۳) میں اس کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ ابوداؤد وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ علامہ صنعانی نے "سبل السلام" (۲/۵۶۲) میں حافظ صاحب کی اس تخریج پر کسی قسم کا تعاقب نہیں کیا۔

۷۷۲۔۔۔ اس کو مسلم (۳/۳۰-۳۱) ترمذی (۱۰۲۵) نسائی نے "سنن" (۱/۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۳) "طہارۃ وجنائز" اور "عمل" (۱۰۸۷) میں ابن ابی شیبہ (۲/۴۸۷، ۲/۹۷-۹۸- دار التاج) احمد (۶/۲۳، ۲۸) ابن جارود (۵۳۸) ابن حبان (۷/۳۴۴) طبرانی نے "کبیر" (۱۸/۴۴-۴۵، ۵۹) اور "اوسط" (۱۴۰۸) میں ابن حزم (۵/۱۲۲) بیہقی (۴/۴۰) اور بغوی (۱۴۹۵) نے عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن ماجہ (۱۵۰۰) اور طیالسی (۱/۱۶۴) نے بھی روایت کیا ہے اور ان کے بیان "اللّٰھم" کے بعد "صل علیہ" کا اضافہ بھی ہے یہ اضافہ طبرانی کبیر کی ایک روایت میں بھی ہے۔ مگر یہ اضافہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ عصمت بن راشد کی سند میں ہے جو مجہول ہے۔ جیسا کہ تقریب میں ہے۔

فائدہ: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس باب میں۔ جنازے کی دعاؤں کے باب میں صحیح ترین حدیث، حدیث عوف ہے۔ جیسا کہ ان سے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔

اور علامہ ابن حزم نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک محبوب ترین دُعا یہی ہے۔

کی اور فراخ کر قبر اس کی اور پاک کر اس کو (گناہوں سے) ساتھ پانی اور اولوں اور برف (بخشش کے) اور پاک کر دے اس کو گناہوں سے۔ جیسے پاک کرتا ہے تو سفید کپڑے کو میل سے اور اسے اس کے دُنیا کے گھر سے بہتر گھر اور اس کے یہاں کے لوگوں سے بہتر لوگ اور اس کے یہاں کے جوڑے سے بہتر جوڑا وہاں (آخرت میں) عطا کر اور داخل کر اس کو بہشت میں اور پناہ دے اس کو عذاب قبر سے اور جہنم کے عذاب سے۔" (مسلم)

تیسری دُعاء انسان کی موت پر اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور وہ نہایت درجہ محتاج ہو جاتا ہے۔ اس لیئے اس کی بخشش کے لیئے جس قدر بھی دعائیں کی جائیں تھوڑی ہیں۔ حضور انورؐ نے ذیل کی دُعا بھی میت کی خیر خواہی اور بخشش کے لیئے جنازے میں پڑھی ہے، ہماری میتوں کے جنازوں کا حال قابلِ رحم ہے۔ چار تکبیر نماز جنازہ۔ اللہ اکبر، جھٹ دوسری تکبیر ہوئی۔ وہ تیسری اور وہ چوتھی، مع التسلیم جنازہ پڑھانے اور پڑھنے والو ان دعاؤں کو زبانی یاد کرلو اور مرنے والے محتاج کے جنازے پر انہیں ٹھہر ٹھہر کر خلوص سے، با دیدۂ تر پڑھا کرو۔ تاکہ میت کی پوری خیر خواہی اور حق ادا ہو۔ اس دُعا کو سب یاد کرلو۔ اس کے ترجمے پر تو ذرا غور کر کے دیکھو، کہ اس میں کتنا بڑا مغفرت کا سامان جمع ہے:

۶۷۳ ـــ اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ اَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَيَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَصْبَحَ فَقِيْرًا اِلٰى رَحْمَتِكَ وَاَصْبَحْتَ غَنِيًّا عَنْ عَذَابِهٖ تَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا وَاَهْلِهَا اِنْ كَانَ زَاكِيًا فَزَكِّهٖ وَاِنْ كَانَ مُخْطِئًا فَاغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔ (حصن حصین)

یا اللہ (یہ میت) بندہ تیرا، اور بیٹا لونڈی تیری کا ہے یہ (اپنی زندگی میں) گواہی دیتا تھا۔ کہ نہیں کوئی معبود سوائے تیرے، تنہا ہے تو، تیرا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا تھا کہ محمدؐ بندہ تیرا ہے اور رسول تیرا (آج) ہوا (یہ) محتاج طرف تیری رحمت کے اور ہے تو بے پرواہ عذاب اس کے سے، الگ ہو گیا (آج یہ) دُنیا سے اور دُنیا والوں سے، اگر ہو یہ پاک (گناہوں سے) پس زیادہ کر پاکی اس کی اور اگر ہو یہ گنا ہگار پس بخش اس کو، یا الٰہی نہ محروم کر ہم کو اس کے ثواب سے اور نہ گمراہ کر ہم کو بعد اس کے۔ (بسبب بے صبری کے)۔

اب چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دیں۔

---

۶۷۳ ـــ اس دُعا کا پڑھنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یعنی انہوں نے اسے نمازِ جنازہ میں پڑھا ہے، ان کے اس اثر کی تخریج حدیث (۶۶۶) میں ملاحظہ کریں۔

جنازہ کے مسائل

۶۷۴۔ جنازہ میں امام کو قراءت، دُعاء اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے (مُسلم)

---

۶۷۴ ۔ نمازِ جنازہ میں باآواز بلند قرأت کی صراحت نہ تو صحیح مُسلم میں اور نہ ہی حدیث کی کسی دوسری کتاب میں ملتی ہے۔ بلکہ سرًا قرارت کرنا نص صریح سے ثابت ہے۔ جیساکہ اس کے بعد میں آنے والی حدیث میں ہے۔

بعض نے اونچی قرارت پر حدیث ابن عباس سے جو نمبر ۶۶۷ میں مذکور ہے۔ حجت لی ہے مگر اس سے حجت لینا درست نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فاتحہ کو تعلیم کی غرض سے باآواز بلند پڑھا تھا نہ کہ اس اعتقاد سے کہ اس کا جہرًا پڑھنا مسنون ہے۔

مذکورہ نمبر میں حاکم وغیرہ کے حوالے سے حدیثِ ابنِ عباس کی ایک روایت ان الفاظ سے بھی ذکر ہوئی ہے۔ اِنما جهرت لتعلموا انها سنة " یعنی میں نے اسے باآواز بلند اس لیے پڑھا ہے کہ تمہیں علم ہو جائے کہ اس کا پڑھنا سُنت ہے۔

اس روایت کی سند حسن دیسے کی ہے۔ امام حاکم نے اس کو مُسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اِن کی موافقت کی ہے مگر وہ مُسلم کی شرط پر نہیں۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ابن عباس نے فاتحہ کو جہرًا تعلیم کی غرض سے پڑھا تھا اور دوسری یہ کہ اس کا نمازِ جنازہ میں جہرًا پڑھنا مسنون نہیں۔ کیونکہ اگر اس کا جہرًا پڑھنا مسنُون ہوتا تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے " انما جهرت لتعلموا انها سنة " فافهم وتدبر۔

حدیث (۶۷۵) میں آنے والی حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور مسور بن مخرمہ کا اثر بھی دیکھیں۔

یہ تو تھی فاتحہ کو نمازِ جنازہ میں سرًا یا جہرًا پڑھنے سے متعلق بحث، رہیں دُعائیں تو ان کو باآواز بلند پڑھنے پر حدیث عوف بن مالک وغیرہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے نمازِ جنازہ میں یہ دُعاء پڑھتے ہوئے سُنا۔

"اللّٰھُمَّ اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه ....." اس کی تخریج حدیث (۶۷۲) میں دیکھیں۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دُعاء کو جہرًا پڑھا ہوگا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر یہ دُعاء اونچی آواز سے نہیں پڑھی تھی تو عوف بن مالک نے کیسے سُن لی۔

مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے۔ کیونکہ مسند احمد میں عوف رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں " فحفظت من صلاته عليه اللهم اغفر له ....." یعنی میں نے آپ کی نمازِ جنازہ سے ان کلمات کو سمجھا۔

بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھیمی آواز سے یہ دعاء پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوئے ہوں گے۔ لہٰذا انہوں نے یہ دُعاء سن لی۔ واللہ اعلم۔

نمازِ جنازہ کی دُعاؤں کے بارے میں جو دوسری روایات ہیں۔ ان سے بھی دُعاؤں کو جہرًا پڑھنے پر استدلال

۶۷۵ — اگر آہستہ پڑھیں تو بھی جائز ہے۔ (نسائی)

نمازِ جنازہ ختم ہو جانے کے بعد جنازہ کے اردگرد جمع ہو کر فاتحہ خوانی کرنی بے اصل ہے۔ حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

← کیا جاتا ہے ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو حدیث عوف بن مالک سے استدلال کی نوعیت ہے۔ مگر ان احادیث کو سامنے رکھ کر حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دعاؤں کو جہرًا پڑھا کرتے تھے، کیونکہ استفتاح رکوع، سجود اور دونوں سجدوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں بھی بیان کیا ہے تو کیا ان دعاؤں کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ انھیں بھی جہرًا پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اگر انہیں سرًا پڑھنا ہوتا تو صحابہ نے یہ کیسے سُن لیں اور بیان کر دیں۔

الحاصل نمازِ جنازہ سرًا پڑھنی چاہیئے۔ مالکیہ شافعیہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ نمازِ جنازہ سرًا پڑھی جائے۔ بلکہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نمازِ جنازہ میں قراءت اور دُعاء کو سرًا پڑھنے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف کا ہمیں علم نہیں۔

المغنی (۲/۴۸۶)۔

لہٰذا اگر کوئی نمازِ جنازہ میں قراءت اور دُعائیں سرًا پڑھتا ہے تو اس پر انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں نمازِ جنازہ جہرًا پڑھانے والے کو سنت طریقہ سے ضرور آگاہ کرنا چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ۔

۶۷۵ — صحیح ہے۔

نسائی (۴/۷۵) اور نسائی سے ابن حزم (۵/۱۲۹) نے ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "نمازِ جنازہ میں سُنّت طریقہ یہ ہے کہ امام پہلی تکبیر کے بعد سُورۂ فاتحہ سرًا پڑھے پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے ساتھ سلام پھیرا جائے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے بارے میں حدیث (۶۶۶) میں تفصیل گزر چکی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ نمازِ جنازہ میں سُنّت طریقہ یہ ہے کہ قراءت سرًا کی جائے۔ لہٰذا جہری قرأت خلافِ سنت ہے اِلاّ یہ کہ تعلیم وغیرہ کی غرض سے ہو تو جہری قراءت جائز ہے۔

ابنِ حزم نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پہلی تکبیر میں فاتحہ اور اس کے بعد چھوٹی سی سُورت پڑھی فاتحہ اور سُورت کو انہوں نے باآواز بلند پڑھا۔ جب نماز سے فارغ ہُوئے تو فرمانے لگے کہ میں جانتا ہُوں کہ نمازِ جنازہ سری نماز ہے لیکن میں نے (جہری قراءت) اس لئے کی ہے کہ تمھیں بتلاؤں کہ اس نماز میں قراءت ہے۔

اس اثر سے بھی معلوم ہُوا کہ نمازِ جنازہ میں قراءت وغیرہ سرًا ہونی چاہیئے اس کی سند میں اگر ابن اسحاق کی تدلیس کا خدشہ نہ ہو تو حسن درجے کی ہے۔

۷۷۶ — نمازِ جنازہ کی تکبیریں چار، پانچ، چھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ (مسلم، بخاری) اور تینوں میں تینوں دعائیں مذکور۔

---

۷۷۶ — نمازِ جنازہ میں تکبیروں کی تعداد:۔

ا — چار تکبیریں: ان کے بارے میں متعدد احادیث ہیں جن میں ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جس کو مالک (۱/ ۲۲۶/ ۱۴) بخاری (۱۲۴۵ و ۱۳۳۳) مسلم (۷/ ۲۱) ابو داؤد (۳۲۰۴) ترمذی (۱۰۲۲) نسائی (۴/ ۷۰، ۷۲) اور ابن ماجہ (۱۵۳۴) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا قصہ ہے۔

ب — پانچ تکبیریں: ان کو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور ان کی یہ حدیث مسلم (۷/ ۲۶) ابو داؤد (۳۱۹۷) ترمذی (۱۰۲۳) نسائی (۴/ ۷۲) اور ابن ماجہ (۱۵۰۵) میں ہے ابن ماجہ (۱۵۰۶) میں حدیث عمرو بن عوف میں بھی ان کا ذکر ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

ج — چھ تکبیریں: ان کے بارے میں بعض آثار ہیں۔ عبد الرزاق (۳/ ۴۸۱) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۴/ ۹۷) میں طبرانی (۶/ ۷۱) ابن حزم (۵/ ۱۲۶) اور بیہقی (۴/ ۳۶) نے عبد اللہ بن معقل سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور چھ تکبیریں کہیں پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ کہ (یہ اس لیئے کہ) یہ بدری ہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس کی سند بہت ہی صحیح ہے۔

اس اثر کو امام ابو داؤد نے بھی مسائل الامام احمد (۱۵۲) میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر میت صاحب فضل و شرف ہو تو اس پر چار سے زائد تکبیریں کہی جا سکتی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبۃ (۳/ ۳۰۳) میں عبد خیر سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اصحاب بدر پر چھ تکبیریں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر پانچ اور باقی لوگوں پر چار تکبیریں کہتے۔ اس اثر کی سند جید ہے اور یہ دار قطنی (۲/ ۷۳/ ۷) اور بیہقی (۴/ ۳۶) میں بھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سات تکبیریں بھی ثابت ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید سے روایت ہے۔ کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابو قتادہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس میں سات تکبیریں کہیں۔

یہ اثر بیہقی میں بھی ہے۔ مگر امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے بعد طویل مدت تک زندہ رہے مگر ابن ترکمانی نے اس بات پر بیہقی کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ ابو قتادہ کوفہ میں فوت ہوئے اور علی اس وقت کوفہ میں تھے۔ اور انہوں نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تفصیل کے لیے "الجوہر النقی" دیکھیے۔

قلت: موسیٰ بن عبد اللہ کا یہی اثر مسائل الامام احمد لابی داؤد (ص ۱۵۲) میں بھی ہے اس میں موسیٰ بن عبد اللہ فرماتے ہیں: "اُخْبِرْتُ ان علیا رضی اللہ عنہ صلی علی ابی قتادۃ ..." اس سے معلوم ہوا کہ ابن ابی شیبۃ اور بیہقی کی سند میں انقطاع ہے۔

لہٰذا اس اثر کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے نیز صحیح بات وہی ہے جو امام بیہقی نے کہی ہے تفصیل معلوم کرنے کے لیئے "تہذیب السنن" لابن القیم (۱/ ۳۶۱-۳۶۲) دیکھیں۔

تنبیہ: مؤلف نے چار، پانچ اور چھ تکبیروں کے لیے بخاری اور مسلم کا حوالہ دیا ہے جو صحیح نہیں۔ کیونکہ پانچ تکبیروں کا ذکر صرف مسلم میں ہے بخاری میں نہیں۔ جب کہ چھ کا ذکر ان دونوں ہی میں نہیں ہے۔

۷۷۷۔ جنازے کی نماز مسجد میں اور قبر پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (بخاری)

۷۷۷۔ ۱۔ مسجد میں نمازِ جنازہ :

مُسلم (۷/ ۳۸ - ۳۹) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۱/ ۱۴۴) میں ابوداؤد (۳۱۸۹ - ۳۱۹۰) ترمذی (۱۰۳۳) نسائی (۴/ ۶۸) ابن ماجہ (۱۵۱۸) احمد (۶/ ۷۹، ۱۳۳، ۱۶۹، ۲۶۱) طحاوی (۱/ ۴۹۲) ابن حبان (۷/ ۳۳۵ - ۳۳۶) اور بیہقی (۴/ ۵۱) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اللہ کی قسم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھائی۔

یہ حدیث انھوں نے اس وقت بیان کی جب انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی نعش کو اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی خاطر مسجد میں لانے کا حکم دیا تو لوگوں نے اس سے انکار کیا۔

ایک روایت کے مطابق انہوں نے سہیل کے ساتھ ان کے بھائی کا ذکر بھی کیا۔ یعنی یہ فرمایا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل اور ان کے بھائی کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھائی۔

یہ روایت مُسلم، ابوداؤد اور بیہقی میں ہے۔

عبدالرزاق (۳/ ۵۲۶) اور ابنِ ابی شیبہ (۳/ ۳۶۴) نے بسند صحیح عروہ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔

مالک (۱/ ۲۳۰) عبدالرزاق (۳/ ۵۲۶) ابنِ ابی شیبہ اور طحاوی (۱/ ۴۹۲) نے نافع کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

بیہقی (۴/ ۵۲) نے اس اثر کو نافع سے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ کی نمازِ جنازہ صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہُوا کہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے جب کہ ابوداؤد (۳۱۹۱) ابن ماجہ (۱۵۱۷) طیالسی (۱/ ۱۶۵) عبدالرزاق، ابنِ ابی شیبہ طحاوی، ابن حبان نے "مجروحین" (۱/ ۳۶۶) میں ابن عدی (۴/ ۱۳۷۳) ابن شاہین نے "ناسخ ومنسوخ" (۲۴۶ - ۲۵۰) میں ابونعیم نے "حلیہ" (۷/ ۹۲) میں اور بیہقی (۴/ ۵۲) نے ابوُہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے والے کے لیئے کوئی چیز نہیں"۔ یعنی اجر وثواب نہیں۔

اس حدیث کو امام احمد، ابن حزم اور بیہقی نے ضعیف کہا ہے۔ بلکہ حافظ ابن حبان نے تو مذکورہ حدیث عائشہ کی بنا پر اسے باطل کہا ہے مگر اس کے بارے میں تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حسن درجے کی ہے۔

امام خطابی اس حدیث کا جواب دیتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا اَجر کی کمی کا باعث ہے، کیونکہ مسجد میں جنازہ پڑھنے والا غالباً واپس لوٹ آتا ہے، جس کی بناء پر وہ میت کے دفن ←

۷۰۸۔ جنازہ غائبانہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (بخاری)

سے محروم رہ جاتا ہے۔ میت کا جنازہ پڑھنے اور اس کو دفن کرنے والے کے لیے دو قیراط کے برابر اجر ہے۔ جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ زیادہ قدم چل کر جانے پر بھی ثواب ہے اس اعتبار سے مسجد میں جنازہ پڑھنے والا جنازہ گاہ میں جنازہ پڑھنے والے کی نسبت منقوص الأجر ہے" معالم السنن" (۴/۳۲۵)۔

امام طحاوی نے مذکورہ حدیث عائشہ کے بارے میں یہ دعوٰے کیا ہے کہ یہ حدیثِ ابوہریرۃؓ سے منسوخ ہو چکی ہے" شرح معانی الآثار" (۱/۴۹۲-۴۹۳)۔

مگر ان کے اس دعوٰے کا امام بیہقی وغیرہ نے رد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو" زاد المعاد" (۱/۵۰۰-۵۰۱)۔

ب۔ قبر پر نمازِ جنازہ:

اس کے بارے میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں جن میں ابنِ عباس، ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

۱۔ حدیثِ ابنِ عباس کو بخاری (۸۵۷، ۱۲۴۷، ۱۳۱۹، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۶، ۱۳۳۶، ۱۳۴۰) مسلم (۷/۲۴-۲۵) ابوداؤد (۳۱۹۶) ترمذی (۱۰۳۷) نسائی (۴/۲۵) اور ابنِ ماجہ (۱۵۳۰) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ ابوہریرہ کو بخاری (۴۵۸، ۴۶۰، ۱۳۳۷) مسلم، ابوداؤد (۳۲۰۳) اور ابنِ ماجہ (۱۵۲۷) نے روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیثِ انس کو مسلم، ابنِ ماجہ، احمد (۳/۱۳۰) ابویعلیٰ نے "مسند" (۳۴۵۴) اور "معجم الشیوخ" (۳۰۶) میں ابنِ حبان (۷/۳۵۲) سہمی نے "تاریخ جرجان" (۷۱)، بن دارقطنی (۲/۷۷) اور بیہقی (۴/۴۶) نے روایت کیا ہے۔

ان احادیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے بارے میں شک کس کو ہے؟ اس بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چھ اچھی سندوں سے روایات آئی ہیں۔ دیکھیں "تہذیب السنن" (۴/۳۴۲) ایضاً "تمہید ابنِ عبد البرؒ (۶/۲۶۱)۔

اس موضوع کی بقیہ احادیث کے لیے "تمہید" (۶/۲۶۲-۲۷۴) دیکھیں۔

عبد الرزاق (۳/۵۱۸) ابن ابی شیبہ (۳/۳۶۱) اور ابن عبد البر (۶/۲۶۱-۲۶۲) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر نماز جنازہ کا پڑھنا روایت کیا ہے اور اس اثر کی سند صحیح ہے۔ اسی طرح مذکورہ کتب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر بھی دیکھیں۔

۷۰۸۔ غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے پر نجاشی کے قصّے سے دلیل لی جاتی ہے جو بخاری، مسلم اور سُننِ اُربعہ وغیرہ میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے مگر اس سے مُطلق غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ امام خطابی فرماتے ہیں:

"نجاشی ایک مسلمان آدمی تھا وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، آپ کی نبوت کی تصدیق کی مگر وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا اور جب کوئی مُسلمان فوت ہو جائے تو مسلمانوں پر اس کی نمازِ جنازہ ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ نجاشی چونکہ اہلِ کفر میں مقیم تھا

← اور وہاں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس کی نمازِ جنازہ پڑھتا۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی نمازِ جنازہ ادا کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ آپ اس کے نبی تھے اور لوگوں کی نسبت اس کے زیادہ حق دار تھے۔ پس اسی سبب نے ۔ واللہ اعلم ۔ آپ کو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی دعوت دی ۔ اسی بناء پر جب کوئی مسلمان کسی ایسے شہر میں فوت ہو جائے جہاں اس کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی ہو تو دوسرے شہر میں اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے ۔ اور اگر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی عذر یا مانع کی وجہ سے وہاں اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تو ایسے شخص کی نماز غائبانہ ادا کرنا سنت ہے" معالم السنن" (۱/ ۳۱۰ - ۳۱۱)۔

حافظ زیلعی اس قصہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ضرورت کی بناء پر تھا، کیونکہ نجاشی ایسے علاقہ میں فوت ہوا تھا جہاں پر کوئی اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے والا نہ تھا۔ اس لیے اس کی نماز غائبانہ ادا کرنی متعین تھی (جنازہ غائبانہ نہ پڑھنے کی) دلیل اس سے بھی ملتی ہے کہ صحابہ کی کثیر تعداد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب تھی فوت ہوئی آپؐ نے ان کی وفات کی خبریں بھی سنیں مگر ایک کے علاوہ آپ نے کسی دوسرے کی نماز غائبانہ ادا نہیں کی۔ نصب الرایہ (۲/ ۲۸۳ - ۲۸۴)۔

نجاشی کی اپنے ملک میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسندِ طیالسی (۱/ ۱۶۲) مسند احمد (۴/ ۷)، تاریخ کبیر للبخاری (۸/ ۴۲۲) ابن ماجہ (۱۵۳۷) طبرانی (۳/ ۱۹۰ - ۱۹۹) اور "تاریخ بغداد" (۱۴/ ۴۵) میں حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی طرح مسند احمد (۳/ ۳۶۹ - ۴۰۰) میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا "صلوا علی أخ لکم مات بغیر أرضکم" اپنے بھائی کی نمازِ جنازہ پڑھو جو سرزمین غیر میں فوت ہوا ہے۔

علامہ بوصیری نے "مصباح الزجاجۃ" (۵۵۴) میں حدیث حذیفہ کی سند کو صحیح کہا ہے۔ مگر ان دونوں حدیثوں کی سند میں قتادہ ہیں جو مدلس ہیں اور انہوں نے دونوں حدیثوں کو روایت کرتے ہوئے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دراصل یہ ایک ہی حدیث ہو مگر قتادہ پر اختلاف کی وجہ سے یہ دو مختلف حدیثیں ہو گئیں۔

امام ابوداؤد نے نجاشی والے قصہ کی حدیث پر یوں باب باندھا ہے۔

باب "فی الصلوٰۃ علی المسلم یموت فی بلادِ الشرك" سنن ابوداود (۳/ ۲۱۲)

یہ باب اس مسلمان پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے بارے میں ہے جو بلادِ شرک میں فوت ہو جائے۔

امام ابوداؤد کی اس تبویب سے ان کا جو مقصد ہے وہ واضح ہے ان کی اس تبویب سے بھی امام خطابی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھنے پر معاویہ بن معاویہ مزنی یا لیثی کے قصے سے بھی حجت لی جاتی ہے۔ جس کو ابن ابی الدنیا نے "أولیاء" (۲۱) میں ابن ضریس نے "فضائل قرآن" (۲۷۳) میں ابو یعلی (۴۲۶۷) عقیلی (۳/ ۲۴۲) بیہقی نے "سنن" (۴/ ۵۰) اور "شعب" (۵/ ۴۹۴ - ۴۹۶) میں اور ابن عبد البر نے "استیعاب" (۳/ ۳۷۳ - ۳۷۴) میں علاء بن زید ابو محمد ثقفی کی سند سے۔

اسی طرح ابن ضریس (۲۷۱) ابو یعلی (۴۲۶۸) طبرانی (۱۹/ ۴۲۸ - ۴۲۹) بیہقی نے "سنن" میں اور ابن عبد البر (۳/ ۳۷۲ - ۳۷۳) نے محبوب بن ہلال از عطاء بن ابی میمونہ کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ →

← ابن سنی (۱۸۰) اور ابن عبدالبر (۳/۲۷۴) نے اس قِصّے کو ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے لیئے دیکھیں "مجروحین ابن حبان" (۲/۱۸۱)۔

اسی طرح اس قِصّے کو ابن ضریس (۲۷۲) نے سعید بن مسیب کی مُرسل سند سے، طبرانی (۱۹/۴۲۹) اور بیہقی نے "شعب" (۵/۴۹۳-۴۹۴) میں حسن بصری کی مرسل سند سے بھی روایت کیا ہے۔

مگر اس قِصّے سے درج ذیل دو وجوہ کی بناء پر حجت لینا مردود ہے۔

ا۔ یہ قِصّہ اسنادی اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر اس کو ابو محمد ثقفی اور ہلال بن محبوب کی سند سے ذکر کرنے اور ان دونوں سندوں پر جرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس کی دوسری سندیں بھی ہیں، جن کو ہم نے اختصار کے پیشِ نظر ترک کر دیا ہے اور وہ تمام سندیں ضعیف ہیں"۔ تفسیر ابن کثیر (۴/۲۰۸-۲۰۹)۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

"ان احادیث کی سندیں قوی نہیں ہیں اگر یہ احکام سے متعلق ہوتیں تو ان میں سے کوئی بھی قابل حجت نہ ہوتی"۔ استیعاب (۳/۲۷۵)۔

قلت: اس قِصّے سے نمازِ جنازہ غائبانہ کی مشروعیت پر استدلال کرنا ایک شرعی حکم ہے۔ لہٰذا حافظ ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق اس کے لیے یہ قِصّہ قابلِ حجت نہیں۔

۲۔ علی سبیل الجدل اگر اس قِصّے کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے۔ تب بھی اس سے حجت نہیں لی جاسکتی، کیونکہ اس قِصّے کے مطابق معاویہ بن معاویہ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تبوک میں تشریف فرما تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابُو محمد ثقفی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین کو سمیٹ دیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی پھر واپس لوٹے۔

حدیث ابُوامامہ اسی طرح مُرسل سعید بن مسیب اور مرسل حسن بصری سے بھی یہی کچھ معلوم ہوتا ہے۔

اور انس رضی اللہ عنہ سے عطاء بن ابی میمونہ کی روایت میں ہے کہ معاویہ بن معاویہ کے جنازے کو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کیا تو آپ نے ان کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

اس تفصیل سے معلوم ہُوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن معاویہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی، لہٰذا اس قِصّے سے اس مسئلے پر استدلال کرنا باطل ہُوا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "قد یحتج بہ من یجیز الصلوٰۃ علی الغائب ویدفعہ ما ورد أنہ رفعت الحجب حتی شھد جنازتہ"۔ اصابہ (۳/۴۱۷)۔

اس سے غائبانہ نمازِ جنازہ کا قائل حُجت لے سکتا ہے۔ مگر اس کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ اس ←

۶۷۹ــــ حضور انورؐ نے شہیدوں کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا، اور نہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھی اور نہ ان کو غسل دیا۔ (بخاری شریف)

ــــــ قصے میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے حجاب اٹھا دیئے گئے تھے۔ حتی کہ آپؐ نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔

قلت: حافظ صاحب کی اس صراحت کی بناء پر "فتح الباری" (۳/ ۱۸۸) میں مسئلہ غائبانہ نمازِ جنازہ کے ضمن میں ان کا اس قصے کو ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ طرق کی بناء پر قوی ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے اس مسئلہ پر دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔ جیسا کہ "إصابہ" میں خود انہوں نے وضاحت کی ہے۔

قلت: حافظ صاحب کے کہنے کے مطابق تھوڑی دیر کے لیئے اس قصے کو اس کے طرق کی بناء پر اگر ہم صحیح تسلیم کر بھی لیں تو اس صورت میں یہ قصہ ہماری دلیل ہوگا نہ کہ ان کی، اس لیئے کہ اگر غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے زمین کو سمیٹنے کی یا معاویہ رضی رضی اللہ عنہ کے جنازے کو حاضر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ ایسا کرنے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ لہذا یہ قصہ ہمارے لیئے دلیل ہے۔ ان کے لیئے نہیں (وھذا بین لا یخفی)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہی وہ دو واقعات ہیں۔ جن سے اس مسئلے کے لیئے استدلال کیا جاتا ہے۔ جن میں سے معاویہ بن معاویہ والا قصہ تو ویسے ہی ثابت نہیں اگر یہ صحیح ثابت بھی ہو تب بھی اس سے دلیل لینا صحیح نہیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا۔

رہا نجاشی والا قصہ تو اس کے بارے میں امام خطابی نے جو تفصیل ذکر کی ہے، وہی قوی ہے۔ کیونکہ اگر ہر غائب میت کی نماز غائبانہ مشروع ہوتی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نجاشی کے علاوہ کم از کم کسی ایک کی تو غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے۔ جب کہ آپ سے ایسا قطعاً ثابت نہیں، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اگر میتِ غائب پر نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے، شرق و غرب میں مسلمان، خلفاء اربعہ اور دیگر لوگوں کی بھی یہ نماز پڑھتے، لیکن ایسا کرنا کسی سے بھی منقول نہیں۔ نقلا عن "الجوھر النقی"۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی فوت ہوئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب تھے مگر آپ نے ان میں سے کسی کی بھی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی، اس مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مذہب بھی خطابی والا مذہب ہے۔ حنبلی مذہب میں بھی صحیح ترین قول یہی ہے۔ دیکھیں "زاد المعاد" (۱/ ۵۱۹ - ۵۲۰)۔

ابن الہادی نے "تنقیح التحقیق" (۲/ ۱۳۲۰) میں مشہور سعودی عالم شیخ محمد عثیمین نے اپنے فتاوی (۱/ ۴۰۳) میں اسی مذہب کو ترجیح دی ہے۔ اسی کو روٗیانی نے مستحسن کہا ہے اور محقق مقبلی نے اختیار کیا ہے "نیل الاوطار" (۴/ ۵۰) احکام الجنائز (۹۳-۹۸) میں البانی نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ محققین کی ایک جماعت نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے۔

۶۷۹ ـــــ اس کو بخاری (۱۳۴۳، ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷، ۱۳۵۳) ابوداؤد (۳۱۳۸) ترمذی (۱۰۳۶) نسائی (۴/ ۶۲) اور ابن ماجہ (۱۵۱۴) وغیرہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ شہید کو بغیر غسل اور جنازہ پڑھنے کے دفن کرنا چاہیئے ۔ (سبحان اللہ!) شہید خدا کے نزدیک کس قدر پاک اور طاہر ہے۔

۶۸۰۔ حضور انورؐ نے ایک خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ (بلوغ المرام کتاب الجنائز)

تدفین سے متعلق

۶۸۱۔ قبر کو گہرا کھودیں، اس کو ہموار اور صاف کریں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۶۸۲۔ میت کو دونوں پاؤں کی طرف سے قبر میں داخل کریں۔ (ابوداؤد)

۶۸۰۔ اس کو مسلم (۷/۴۷) ابوداؤد (۳۱۸۵) ترمذی (۱۰۶۸) نسائی (۴/۶۶) ابن ماجہ (۱۵۲۶) عبدالرزاق (۳/۵۳۵-۵۳۶) احمد (۵/۸۷، ۹۱، ۹۱-۹۲، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷) ابن حبان (۷۶۳) طبرانی (۲/۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۰) ابن عدی (۴/۳۲۹) ابن شاہین نے "ناسخ و منسوخ" (۳۵۳-۳۵۴) میں حاکم (۱/۳۶۴) اور بیہقی (۴/۱۹) نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۶۸۱۔ صحیح ہے۔

اس کو ترمذی (۱/۳۱۷) "جہاد"، ابوداؤد (۳۲۱۵، ۳۲۱۷) اسی طرح نسائی (۴/۸۰-۸۱، ۸۳-۸۴) ابن ماجہ (۱۵۶۰) عبدالرزاق (۳/۵۰۸) سعید بن منصور (۲/۲۲۴) احمد (۴/۱۹، ۲۰) اور بیہقی (۳/۴۱۳، ۴/۳۴) نے ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کو امام ترمذی اور شیخ البانی نے "ارواء الغلیل" (۳/۱۹۴، ۷۴۳) اور "احکام الجنائز" (۱۴۲-۱۴۳) میں صحیح کہا ہے۔

اس پر ایک نامعلوم صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث شاہد بھی ہے جس کو احمد (۵/۴۰۸) ابوداؤد (۳۳۳۲) کتاب "البیوع" باب (۳) اور بیہقی (۳/۴۱۴) نے بسند صحیح روایت کیا ہے اس کو امام نووی نے "مجموع" (۵/۲۸۶) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی "تلخیص" (۲/۱۲۷) میں صحیح کہا ہے۔

۶۸۲۔ صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۳۲۱۱) عبدالرزاق (۳/۴۹۸) ابن ابی شیبہ (۳/۳۲۸) اور بیہقی (۴/۵۴) نے عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ابواسحاق سبیعی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن یزید نے حارث ( ) کو ان کے پاؤں کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور فرمایا کہ یہ سنت ہے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اس کو امام بیہقی اور علامہ ابن حزم نے بھی "محلّی" (۵/۱۷۸) میں صحیح کہا ہے۔ ←

۶۸۳۔ میت کو قبر میں رکھ کر یہ دُعا پڑھیں ۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ۔
(بلوغ المرام)

اس کی سند میں ابو اسحاق ہیں جو مدلس ہیں مگر وہ اس موقع پر موجود تھے۔ جیسا کہ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کے یہاں انہوں نے صراحت کی ہے لہذا ان کی تدلیس کا شبہہ دُور ہو گیا، آخرِ عمر میں ان کا حافظہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ مگر ابو داؤد اور بیہقی کے ہاں ان سے شعبہ نے روایت کی ہے اور ان کی روایت ابو اسحاق سے ان کے اختلاط سے پہلے ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۶۸۳۔ صحیح ہے۔

اس کو احمد (۲/۲۷، ۴۰، ۴۱، ۵۹، ۶۹) ابو داؤد (۳۲۱۳) نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۸۸) میں، ابن ابی شیبہ (۳/۲۲۹) عبد بن حمید (۸۱۵) ابن جارود (۵۴۸) ابو یعلیٰ (۵۵، ۵) ابن حبان (۷، ۲/۳۰۶)، طبرانی نے "دُعاء" (۱۲۰۷) میں، حاکم (۱/۳۶۶) اور بیہقی (۴/۵۵) نے ابو صدیق ناجی کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو قتادہ سے ان کے شاگرد ہمام نے مرفوعاً روایت کیا ہے جبکہ شعبہ اور ہشام نے ان سے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔
شعبہ کی سند سے اس کو ابن ابی شیبہ، نسائی، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور ہشام کی سند سے اسے ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔
امام حاکم فرماتے ہیں کہ ہمام بن یحییٰ ثبت اور مامون ہیں۔ جب وہ کسی حدیث کو مرفوعاً روایت کریں تو شعبہ کے اس کو موقوفاً روایت کرنے سے اس کی صحت میں فرق نہیں آتا۔

قلت: ایک روایت میں شعبہ نے بھی اس حدیث کو مرفوعاً ہی روایت کیا ہے اور یہ شعبہ سے ابو داؤد طیالسی کی روایت ہے اور یہ روایت ابن حبان کے یہاں ہے۔

بہر حال یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کی دو اور سندیں بھی ہیں نیز اس کے شواہد بھی ہیں۔
اس کی جو دو سندیں ہیں ان میں ایک نافع کی اور دوسری سعید بن مسیب کی سند ہے۔

نافع کی سند سے اس کو ابن ابی شیبہ (۳/۱۹، ۴/۱۰۶۔ دار التاج) ترمذی (۱۰۴۶) ابن ماجہ (۱۵۵۰) اور ابن سنی (۵۸۴) نے روایت کیا ہے اس کی نافع سے آگے دو سندیں ہیں۔ ایک سند تو حجاج بن اَرطاۃ کی ہے جو مذکورہ تمام کتب میں ہے اور دوسری لیث بن ابی سلیم کی سند ہے جو صرف ابن ماجہ کے یہاں ہے۔

سعید بن مسیب کی سند سے اس کو ابن ماجہ (۱۵۵۳) طبرانی نے "دُعاء" (۱۲۱۰) اور "معجم کبیر" (۱۲/۲۷۴) میں، ابن عدی (۲/۶۵۹) اور بیہقی (۴/۵۵) نے روایت کیا ہے۔ اس سند میں کچھ دیگر الفاظ کا اضافہ بھی ہے، مگر یہ سند ضعیف ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، حافظ ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس کے شواہد میں بیاضی، واثلہ بن اسقع اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

۶۸۴۔ میت کو قبر میں رکھ کر اس پر کچی اینٹیں جمائیں۔ (بلوغ المرام)

۶۸۵۔ آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی مٹی ڈال کر قبر کو پُر کریں۔ (مشکوٰۃ)

۶۸۶۔ لوگ اس پر تین تین لپیں مٹی ڈالیں۔ (بلوغ المرام)

۱۔ بیاضی کی حدیث کو حاکم (۱/۳۶۶) نے روایت کیا ہے، شیخ البانی نے "احکام الجنائز" (۱۵۲) میں اس کی سند کو حسن اور "ارواء الغلیل" (۳/۱۹۹) میں صحیح کہا ہے۔

۲۔ حدیث واثلہ کو طبرانی نے "کبیر" (۲۲/۶۲) میں روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں بسطام بن عبدالوہاب ہے جو مجہول ہے۔ "مجمع الزوائد" (۳/۴۷)۔

۳۔ حدیث ابوامامہ کی تخریج حدیث (۶۸۶) کے آخر میں آ رہی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

تنبیہ: حدیث بیاضی قولی حدیث ہے۔ اسی طرح حدیث ابن عمر جو ہمام بن یحییٰ کی سند سے مروی ہے وہ بھی قولی حدیث ہے، جبکہ حدیث واثلہ، ابوامامہ اور اسی طرح حدیث ابن عمر نافع اور سعید بن مسیب کی سند سے فعلی احادیث ہیں۔

حدیث ابن عمر کی بعض روایات میں "ملۃ" کی بجائے "سنۃ" کا ذکر ہے اسی طرح حدیث واثلہ میں بھی لفظ "سنۃ" ہے۔

حدیث ابن عمر میں ابن ابی شیبہ اور ترمذی کے یہاں "بسم اللہ" کے بعد "و باللہ" کے الفاظ بھی ہیں۔ ترمذی والی سند اگرچہ صحیح نہیں مگر اس دعا میں یہ اضافہ صحیح ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کا ذکر بیاضی کی حدیث میں بھی ہے۔

ابن ماجہ میں "و باللہ" کی بجائے "وفی سبیل اللہ" کا اضافہ ہے مگر یہ اضافہ صحیح نہیں ہے۔

۶۸۴۔ اس کو مسلم (۷/۳۳۔۳۴) نسائی نے "سنن" (۴/۸۰) اور "وفاہ" (۴۳۔۴۴) میں ابن ماجہ (۱۵۵۶) ابن سعد (۲/۲۹۷) احمد (۱/۱۶۹، ۱۷۳، ۱۸۴) احمد بن ابراہیم دورقی نے "مسند سعد بن ابی وقاص" (۲۲) میں اور بیہقی (۳/۴۰۷) نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں کچی اینٹیں جمائی گئیں۔

۶۸۵۔ صحیح ہے۔

اس کو شافعی نے "اُم" (۱/۲۱۸) اور "مسند" (۳۶۱) میں اور شافعی کی سند سے بغوی نے بھی "شرح السنۃ" (۱۵۱۵) میں جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے۔ جعفر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی۔

یہ روایت ایک تو مرسل ہے نیز اس کی سند میں امام شافعی کا شیخ ابراہیم بن محمد ہے جو متہم ہے مگر حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں آ رہا ہے۔

۶۸۶۔ صحیح ہے۔ ←

۶۸۷۔ قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح بنائیں۔
(مشکوٰۃ باب دفن المیت)

(بقیہ حاشیہ از ص) بلوغ المرام میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے جس کو دارقطنی (۲/ ۷۶) اور بیہقی (۳/ ۴۱۰) نے روایت کیا ہے۔ عامر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے عثمان بن مظعون کی قبر کے سر کی طرف کھڑے ہو کر تین لپ مٹی ڈالتے دیکھا۔

اس کی سند انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ اس میں عاصم بن عبیداللہ ضعیف ہے اور قاسم بن عبداللہ عمری متروک ہے بلکہ امام احمد نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ جیساکہ "تقریب" میں ہے۔

لیکن یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس پر حدیث ابوہریرہ شاہد ہے جس کو ابن ماجہ (۱۵۶۵) نے روایت کیا ہے اس میں ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر میت کے سر کی جانب سے تین لپ مٹی ڈالی۔

اس حدیث کی سند جید ہے امام نووی نے بھی "مجموع" (۵/ ۲۹۲) میں اس کو جید کہا ہے۔ ابن ابی داؤد نے۔ جیساکہ "تلخیص" (۲/ ۱۳۱) میں ہے۔ بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۵۶۷) میں اور البانی نے "ارواء الغلیل" (۳/ ۲۰۰/ ۷۵۱) میں اس کو صحیح کہا ہے امام ابوحاتم نے اس حدیث کو باطل کہا ہے جیساکہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔ اس قول کے رد کے لیے "ارواء الغلیل" دیکھیں۔

فائدہ: احمد (۵/ ۲۵۴) بیہقی (۳/ ۴۰۹) اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (ص ۱۲۷۔ السیرۃ النبویہ) میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قبر میں اُتارا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات کہے:

"منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرى، بسم الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله"

اس حدیث سے بعض لوگ دلیل لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مٹی کی پہلی لپ ڈالتے وقت "منها خلقناكم" دوسری کے وقت "وفيها نعيدكم" اور تیسری لپ ڈالتے وقت "ومنها نخرجكم تارة أخرى" کہنا چاہیئے۔ مگر اس حدیث سے یہ استدلال کرنا دو وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند دو راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے اور دوسری یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ تفصیل کا ذکر نہیں ہے۔

۶۸۷۔ سفیان بن دینار تابعی کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دیکھی تو وہ اونٹ کے کوہان کی مانند تھی۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی قبریں بھی ایسے ہی تھیں، ان کے اس قول کو بخاری (۳/ ۲۵۵) ابن سعد (۲/ ۳۰۶) ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۲۔ دارالتاج) اور بیہقی (۴/ ۳) نے روایت کیا ہے بخاری اور بیہقی میں قبر صدیق اور فاروق کا ذکر نہیں۔

۶۸۸۔ قبر پر پانی چھڑکوائیں۔ (مشکوٰۃ)

۶۸۹۔ پھر سب لوگ میت کے لیے بخشش اور ثابت قدمی کی دُعا مانگیں۔ (ابو داوٗد)

نوٹ :۔ قبرستان سے باہر نکل کر جو دُعا مانگتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ نہ حضورؐ سے ثابت ہے نہ آپؐ کے صحابہؓ سے، بلکہ گھریلو رسم ہے۔

۶۸۸۔ امام شافعی نے "اُم" (۱/۲۱۸) اور "مسند" (۳۶۰) میں اور امام شافعی کی سند سے بیہقی (۳/۴۱۱) نے امام جعفر کی سند سے اور انہوں نے اپنے والد ابوجعفر باقر سے روایت کی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا۔

ایک تو یہ مُرسل روایت ہے نیز اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں امام شافعی کا شیخ اور امام جعفر سے اس کا راوی ابراہیم بن محمد ہے جو متہم ہے۔

عبدالرزاق (۳/۵۰۲) اور بیہقی نے دوسری سندوں سے امام جعفر از امام باقر روایت کی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قبر پر پانی چھڑکنے کا معمول تھا، یہ روایت بھی مُرسل ہے۔ مگر اس کی سند صحیح ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکنا "طبرانی اوسط" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کے شیخ کے علاوہ اس کے سب رجال صحیح کے رجال ہیں۔ مجمع الزوائد (۳/۴۸)۔

مراسیل ابوداوٗد (۲۰۸ تحقیق عبدہ) میں اور ابوداوٗد کے طریق سے بیہقی میں یہی روایت محمد بن عمر سے بھی مروی ہے۔

مولانا عبدہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب اتباع التابعین میں سے ہے اور یہ روایت معضل ہے مگر اس کے سب راوی ثقہ ہیں

مسند بزار (۸۴۴) میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا، مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

طبقات ابن سعد (۲/۳۰۶) اور بیہقی میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا بیہقی کے یہاں یہ اضافہ بھی ہے کہ پانی چھڑکنے والے بلال بن رباح تھے۔ مگر اس حدیث کی سند میں واقدی ہے۔

طبقات ابن سعد میں یہ روایت عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے بھی مروی ہے۔ مگر یہ مرسل روایت ہے اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن اُبی حرملہ ہے اگر یہ ثقہ ہے تو اس مرسل کی سند صحیح ہے۔

۶۸۹۔ حسن درجے کی ہے۔

اس کو ابوداوٗد (۳۲۲۱) عبداللہ بن احمد نے "زوائد زہد" (۱۶۰) میں، ابن سنی (۵۸۵) حاکم (۱/۳۷۰) لالکائی نے "شرح الاصول" (۶/۱۱۲۹) میں بیہقی (۴/۵۶) اور بغوی (۵/۴۱۸) نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے امام نووی نے "مجموع" (۵/۲۹۲) میں اس کو جید کہا ہے، حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

قبروں کو پختہ بنانے کی ممانعت

قبروں کو اونچی بنانا، پختہ بنانا۔ ان پر گنبد اور قبے بنانا حرام ہے۔ جن لوگوں کے دل میں رسولِ خدا کی محبت اور آپؐ کے حکم کی عزت ہے۔ وہ سنیں:

۶۹۰ — عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر عمارت (قبہ، گنبد، مینار وغیرہ) بنانے سے منع کیا۔ اور آپ نے قبر پر بیٹھنے کو بھی منع فرمایا" (قبر پر بیٹھنے کی نہی سے، قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا یا قبر پر چلہ کرنے بیٹھنا، یا یونہی قبر پر بیٹھنا سب صورتیں منع ہوگئیں)۔

۶۹۰ــــ اس کو مسلم (۷/۳۷) ابوداؤد (۳۲۲۵ - ۳۲۲۶) ترمذی (۱۰۵۲) نسائی (۴/۸۶، ۸۷، ۸۸) ابن ماجہ (۱۵۶۲، ۱۵۶۳) عبدالرزاق (۳/۵۰۴) ابن ابی شیبہ (۳/۳۳۷) احمد (۳/۲۹۵، ۳۳۲، ۳۳۹، ۳۹۹) عبدبن حمید (۱۰۷۵) ابن حبان (۷/۴۳۳ - ۴۳۶) ابن عدی (۶/۲۲۲۱) حاکم (۱/۳۷۰) بیہقی (۴/۴) خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۳/۲۱۲ - ۲۱۳) میں اور ابن نجار نے "ذیل تاریخ بغداد" (۱۷/۲۶۱) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث پر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی احادیث شاہد بھی ہیں۔

حدیث ابوسعید کو ابن ماجہ (۱۵۶۴) ابویعلیٰ (۱۰۱۶ ۔ تحقیق اثری) اور خطیب بغدادی (۸/۱۷۶) نے قاسم بن مخیمرہ کی سند سے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر قاسم کا ابوسعید سے سماع نہیں ہے جیسا کہ بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۵۶۶) میں کہا ہے۔

حدیث اُم سلمہ کو احمد (۶/۲۹۹) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

فائدہ: حدیث جابر میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، عبدبن حمید، ابن حبان، حاکم اور بیہقی کے یہاں "وان یکتب علیہ" کا اضافہ بھی ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

یہ اضافہ صحیح ہے اس کو البانی نے "ارواء الغلیل" (۳/۲۰۸) اور "احکام الجنائز" (۲۰۴) میں صحیح کہا ہے اسی طرح امام حاکم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے مگر کہا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہے کیونکہ مشرق سے لیکر مغرب تک ائمہ مسلمین کی قبروں پر لکھا ہوا ہے اور یہ سلف سے لے کر خلف تک کا عمل ہے

علامہ ذہبی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے ہمیں کوئی ایسا شخص معلوم نہیں، جس نے یہ کام کیا ہو صحابہ کے بعد تابعین نے اس کو شروع کیا اور ان کو یہ ممانعت نہیں پہنچی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

روی عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ انه قال لایجصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیه بناء وسقف ۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ قبر نہ تو پختہ بنائی جائے۔ اور نہ مٹی سے لیپی جائے۔ اور قبر پر نہ تو کوئی عمارت (گنبد، قبہ، مینار وغیرہ) کھڑی کی جائے اور نہ خیمہ۔

قبروں کی زیارت

۶۹۱ ۔ مردوں کو قبروں کی زیارت کرنا سُنت ہے، اس لیئے کہ قبروں کو دیکھنے سے آخرت یاد آتی ہے۔ اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ (بلوغ المرام)

---

۶۹۱ ـــ بلوغ المرام میں بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس کو مسلم (۷/۴۶، ۱۳/۱۳۴-۱۳۵) "جنائز اور أضحیة" ابوداؤد (۳۲۳۵، ۳۶۹۸) "جنائز اور أشربہ" ترمذی (۱۰۵۴) نسائی (۴/۸۹، ۷/۲۳۴-۲۳۵، ۸/۳۱۰-۳۱۱) "جنائز، أضاحی، أشربہ" اور احمد (۵/۳۵۰، ۳۵۵، ۳۵۶-۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں احمد کی ایک روایت میں ہے کہ قبروں کی زیارت میں نصیحت اور عبرت ہے اسی طرح احمد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص زیارت کرنا چاہتا ہے وہ زیارت کرے، لیکن وہاں کوئی باطل کلام نہ کرے۔

حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی قبروں کی زیارت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ درج ذیل دلائل کی بناء پر یہ زیارت عورتوں کے لیئے بھی مشروع ہے۔

۱۔ بخاری (۱۲۵۲) اور مسلم (۶/۲۲۷-۲۲۸) میں حدیثِ انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسی عورت کے پاس سے ہُوا جو قبر پر بیٹھی رو رہی تھی آپ نے اسے اللہ سے ڈرنے اور صبر کرنے کا حکم فرمایا۔

وجہ دلالت: رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو صرف اللہ سے ڈرنے اور صبر کرنے کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہُوا کہ عورتوں کے لیئے قبروں کی زیارت جائز ہے، کیونکہ ان کے لیئے اگر یہ زیارت جائز یا مشروع نہ ہوتی تو جہاں آپ نے اس کو اللہ سے ڈرنے اور صبر کرنے کا حکم فرمایا وہیں آپ اسے یہ بھی بیان فرما دیتے کہ تم یہاں کس لیے آئی ہو، عورتوں کے لیئے تو قبروں پر آنا جائز نہیں۔

۲۔ مسلم (۷/۴۴) اور نسائی (۴/۹۲-۹۳) میں حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب میں قبرستان جاؤں، تو کونسی دُعا پڑھوں آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو، یہ دُعا حدیث (۶۹۲) میں آ رہی ہے۔ ←

زیارتِ قبور کی دُعائیں

جو شخص قبروں کی زیارت کرنے جائے۔ تو وہ رسُولِ پاکؐ کی فرمائی ہوئی یہ دُعاء پڑھے۔ ہاتھ اٹھانے کا کوئی حکم نہیں۔

← اس حدیث سے بھی معلوم ہُوا کہ عورتوں کے لیئے قبرستان میں جانا جائز ہے، کیونکہ اگر جائز نہ ہوتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا مذکورہ سوال ہی نہ کرتیں اور نہ ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مذکورہ جواب دیتے بلکہ یُوں فرماتے کہ عورتوں کے لیئے تو قبرستان میں جانا ہی ممنوع ہے۔ تم کس لیئے جاؤ گی اور دُعا کس لیئے پوچھ رہی ہو۔

عورتوں کے لیئے زیارتِ قبور کے جواز پر میرا ان دونوں احادیث سے استدلال تھا، اس کتاب کے سلسلے میں مَیں نے جب اس مسئلے کا مراجعہ کیا تو معلوم ہُوا کہ حافظ ابنِ حجر نے بھی اس مسئلے کے لیئے انہی دونوں حدیثوں سے حجت لی ہے ملاحظہ ہو "فتح الباری" (۳ / ۱۴۸) اور "تلخیص" (۲/ ۱۳۷)

۳۔ مستدرک حاکم (۱ / ۳۷۶) میں اور "تمہید ابن عبد البر" (۲ / ۲۳۲) میں عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روز قبرستان سے آرہی تھیں۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آرہی ہیں انہوں نے کہا کہ میں اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی قبر سے آرہی ہُوں میں نے کہا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت سے منع نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ منع تو کیا تھا مگر بعد میں زیارت کا حکم دے دیا تھا۔

امام حاکم نے تو اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے، جبکہ علامہ ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے، حافظ عراقی نے اس کو ابن ابی دنیا کی "کتاب القبور" کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے "تخریج احیاء علوم الدین" (۴ / ۵۲۱)۔

اس اثر سے بھی معلوم ہُوا کہ زیارتِ قبور کی جو رخصت ہے اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

رہی ابوداؤد (۲۸۳۶) نسائی (۲/ ۹۴ - ۹۵) ترمذی (۳۲۰) ابن حبان (۷۸۸) حاکم (۱/ ۳۷۴) اور بیہقی (۴/ ۷۸) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے تو یہ ضعیف حدیث ہے اس کی سند میں ابو صالح مولیٰ اُمّ ہانی ہے جو ضعیف اور مدلس ہے۔

نیز مسند طیالسی (۱/ ۱۷۱) اور ابنِ ماجہ (۱۵۷۵) میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوارات القبور...." "رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے"

انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ترمذی (۱۰۵۶) تمہید ابن عبد البر (۲/ ۲۳۵) مسند طیالسی، صحیح ابن حبان اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، مستدرک حاکم اور ابن ماجہ میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حدیث ابو ہریرہ کو ترمذی اور ابنِ حبان نے صحیح کہا ہے اور حدیث حسان بن ثابت کو بوصیری نے صحیح قرار دیا ہے۔ ←

۶۹۲۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَ الْمُسْتَأْخِرِيْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ ؎ (رواہ مسلم)

"سلام ہے اُوپر صاحب گھروں کے مومنوں اور مسلمانوں میں سے اور رحم کرے اللہ ہم سے پہل کرنے والوں پر اور پیچھے رہنے والوں پر اور تحقیق ہم اگر چاہا اللہ نے تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

خاتمہ اور دُعاء

پیارے بھائیو اور بہنو! خدائے قدوس قیامت کو صرف وہی نماز قبول کرے گا۔ جو نبیٔ رحمت کی نماز کے نمونہ کے مطابق ہو گی۔ اس کتاب میں آپ نے نبیٔ رحمت کی نماز کا پیارا نمونہ دیکھ لیا ہے اور احادیث کی روشنی میں خوب واضح اور روشن دیکھا ہے۔ ہماری نہایت خلوص سے یہ درخواست ہے کہ آپ اپنی نمازیں اپنے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے چاند کی روشنی میں پڑھا کریں تاکہ ان نورانی نمازوں کو خدا کے پاس قبولِ عام حاصل ہو۔ اگر نمونہ کے مطابق آپ کو نماز پڑھتے ہُوئے دیکھ کر کوئی نکتہ چینی کرے یا اقوال رسولؐ کے مقابل اقوالِ رجال پیش کرے، تو آپ اس کی نادانی کے تخاطب سے اجتناب کرتے ہُوئے عمل بالحدیث پر کاربند رہیں۔ دُعا ہے۔ خدا تعالیٰ مجھے اور تمام قارئین کو "صلوٰۃ الرسول" پر عمل کی توفیق دے۔

اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا۔ وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

← البانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ محفوظ ہے۔ "احکام الجنائز" (۱۸۶)۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ عورتوں کے لیئے کثرتِ زیارت تو منع ہے، لیکن مذکورہ بالا دلائل کی بناء پر کبھی کبھار زیارت کے لیئے چلی جائیں تو جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۹۲۔ یہ دُعاء عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جس کو مسلم (۷/۴۴) نسائی (۹۳/۴) عبدالرزاق (۵۷۱/۳۔ ۵۷۲، ۵۷۶) احمد (۲۲۱/۶) طبرانی نے "دُعاء" (۱۲۴۶) میں اور بیہقی (۷۹/۴) نے محمد بن قیس کی سند سے روایت کیا ہے،

اس کو مسلم، نسائی نے "سنن" اور "عمل" (۱۰۹۲) میں عطاء بن یسار کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس سند کے الفاظ یوں ہیں۔

"السّلام علیکم دار قوم مومنین و أتاکم ما توعدون غدًا مؤجلون و إنا ان شاء الله بکم لاحقون اللّٰھم اغفر لبقیع الغرقد"۔ ←

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی
فرمودہ دُعائیں اور اذکار

یاد رہے کہ ذکر، وظیفہ اور ورد، دراصل دُعا ہی کے نام ہیں، اور دُعا کے معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ سے بلا شرکت غیرے اپنی حاجتیں مانگنا، دُکھ درد، مصیبت، تنگی، فقر و فاقہ۔ مرض۔ قرض۔ کرب۔ غم۔ اندوہ۔ مشکل۔ بدحالی۔ پریشانی۔ بے روزگاری قحط۔ وباء اور آفات و بلیات میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں فریاد کرنا۔ حدیث شریف میں دُعا کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اس کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

۶۹۳۔ "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" "دُعا تو عبادت ہے۔" پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ" (سورۃ مؤمن آیت ۶۰)

"اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ (صرف مجھ (ہی) سے مانگو۔ کہ میں تمہاری دُعاء قبول کروں۔ یقیناً جو لوگ میری عبادت (دُعاء) سے تکبّر کرتے ہیں، وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے ذلیل ہو کر۔"

(حصن حصین)

← اس دُعا کو جنت البقیع کی زیارت کے وقت پڑھنا مناسب ہے۔

زیارت قبور کی دُعا کے بارے میں ابوہریرہ اور بریدہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں بھی ہیں، جن کی تخریج "تخریج فرقہ ناجیہ" (ص ۲۰-۲۱) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۶۹۳ — صحیح ہے۔

اس کو ابوداؤد (۱۴۷۹) "صلاۃ" ترمذی (۲۹۶۹، ۳۳۷۲) "تفسیر" باب (۳) اور "دعوات" ابن ماجہ (۳۸۲۸) "دعاء" ابن مبارک نے "مسند" (۱۷) اور "زہد" (۱۲۹۸) میں طیالسی (۱/۲۵۳) عبدالرزاق نے "تفسیر" (۲/۱۸۲-۱۸۳) میں ابن ابی شیبہ (۲۱/۶، ۲۲۰-دارالتاج) احمد (۴/۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۶، ۲۷۷) بخاری نے "ادب مفرد" (۷۱۵) میں ابن حبان (۲۳۹۶) طبرانی نے "صغیر" (۲/۹۷) اور "دُعاء" (۱-۷) میں حاکم (۱/۴۹۰-۴۹۱) ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۸/۱۲۰) میں قضاعی نے "مسند شہاب" (۲۹-۳۰) میں اور بغوی نے "شرح السُّنۃ" (۱۳۸۴) میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ←

۶۹۴ــ حضورؐ نے فرمایا: "خدا کے نزدیک بہت پیارا سوال (دُعا) یہ ہے۔ کہ انسان اللہ سے اپنی عافیت مانگے۔" (ترمذی)

۶۹۵ــ حضورؐ نے فرمایا: "یقیناً دُعا دفع کرتی ہے اس بلا کو جو اُتری ہو۔ اور جو (ابھی) نہ اُتری ہو۔ اور جب بلا اُترتی ہے تو دُعا اس کا مقابلہ کرتی اور اسے روکتی ہے۔" (طبرانی)

← اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کو ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ نیز اس پر براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث شاہد بھی ہے۔ جس کو ابویعلیٰ نے "معجم الشیوخ" (۳۲۸) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۲/۲۷۹) میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔

تنبیہ: حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے "الدعاء مخ العبادۃ" دعاء عبادت کا مغز ہے۔

اس کو ترمذی (۱/۲۴۳) اور طبرانی نے "دُعا" (۸) میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ترمذی کی سند میں ولید بن مُسلم بھی ہیں جو مدلس ہیں۔ مگر طبرانی کے یہاں عبداللہ بن یوسف نے ان کی متابعت کی ہے۔

۶۹۴ــ ضعیف ہے۔

اس کو ترمذی (۳۵۱۵، ۳۵۴۸) ابن ابی شیبہ (۶/۲۴ ۔ دار التاج) ابن عدی (۴/۱۶۰۵) سہمی نے تاریخ جرجان (۲۸۴) میں اور حاکم (۱/۴۹۸) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر ملیکی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میں ضعیف ہے۔ بعض اہل علم نے اس کو حافظہ کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے۔

"تقریب" میں حافظ ابن حجر نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ جب کہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ لیکن ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملیکی ضعیف ہے۔ بلکہ ایک مقام پر انہوں نے اس کو "واہ" سخت ضعیف کہا ہے ملاحظہ ہو "تلخیص مستدرک" (۱/۴۹۲)

۶۹۵ــ اس کو طبرانی نے "دُعا" (۳۳) میں اسی طرح "اوسط" میں بھی۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۱۰/۱۴۹) میں ہے۔ بزار (۲۱۶۵)، ابن عدی (۳/۱۰۶۸) جیداوی نے "معجم الشیوخ" (۱۰۵) میں، حاکم (۱/۴۹۲) قضاعی نے "مسند شہاب" (۸۵۹، ۸۶۱) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۸/۴۵۳) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں زکریا بن منظور ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے ضعیف کہا ہے لہٰذا اس کی سند ضعیف ہے بلکہ سخت ضعیف ہے کیونکہ امام بخاری نے اس کو "منکر الحدیث"، ابن حبان نے "منکر الحدیث جدًا" ابوزرعہ نے "واہی الحدیث" اور دارقطنی نے "متروک" کہا ہے۔

ابن عدی نے اس کے ترجمے میں اس حدیث کے علاوہ اس کی چند دیگر حدیثیں بھی روایت کی ہیں اور آخر میں کہا ہے کہ یہ اس کی سب سے زیادہ منکر حدیثیں ہیں۔ ←

۶۹۶ — حضورؐ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک دُعاء سے بڑھ کر کوئی چیز بزرگ نہیں ہے۔ (ابن ماجہ)

یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کو بزار (۴/ ۲۱۶، ۳۱۳۶) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ابراہیم بن خثیم ہے جس کو حافظ ہیثمی نے "متروک" کہا ہے "مجمع الزوائد" (۷/ ۲۱۲، ۱۰/ ۱۴۹)۔

اسی طرح یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ مگر ان کی حدیثوں کے آخر میں دُعاء کے مصیبت سے مقابلہ کرنے کا ذکر نہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں "فعليكم عباد الله بالدعاء" "لہٰذا اللہ کے بندو دُعاء کو لازم پکڑو"۔

حدیث ابن عمر کو ترمذی (۳۵۴۸) اور حاکم (۱/ ۴۹۲) نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند عبدالرحمٰن ملیکی کی وجہ سے ضعیف ہے اس ملیکی کے بارے میں حدیث (۴۹۴) میں تفصیل دیکھیں۔

حدیث معاذ بن جبل کو احمد (۵/ ۲۳۴) طبرانی نے "کبیر" (۲۰/ ۱۰۳ - ۱۰۴) اور "دُعاء" (۳۲) میں اور قضاعی نے "مسند شہاب" (۸۶۲) میں مکحول اور شہر بن حوشب کی سند سے معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ شہر بن حوشب کا۔ جیسا کہ حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/ ۱۴۹) میں کہا ہے۔ اسی طرح مکحول کا بھی۔ جیسا کہ "مسند شہاب" کے محقق شیخ حمدی عبدالمجید نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے، معاذ بن جبل سے سماع نہیں ہے۔

اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش بھی ہیں۔ جن کی غیر شامیوں سے روایات ضعیف ہیں اور یہ حدیث، انہوں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن مکی سے روایت کی ہے۔ لیکن مسند شہاب میں عبدالرحمٰن ملیکی نے ان کی متابعت کی ہے۔ مگر یہ بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

اسی طرح یہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر اس کے آخر میں حدیث ابن عمر اور حدیث معاذ والے الفاظ ہیں اور نہ ہی حدیث عائشہ والے الفاظ بلکہ یہ الفاظ ہیں: "ما نزل يكشفه وما لم ينزل يحبسه" دُعاء نازل شدہ مصیبت کو رفع کرتی ہے اور غیر نازل شدہ کو روکتی ہے۔

اس کو طبرانی نے "دعاء" (۳۴) میں ابراہیم بن ابی عبلہ کی سند سے عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے اور یہ سند ضعیف ہے کیونکہ ابراہیم نے عبادہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے "علل" (۱/ ۲۲۱) میں اپنے والد ابو حاتم سے نقل کیا ہے۔ نیز اس کی سند میں بعض دیگر علتیں بھی ہیں ابو حاتم نے اس حدیث کو (حدیث عبادہ کو) منکر کہا ہے۔

شیخ حمدی عبدالمجید نے کہا ہے کہ سیوطی کی طرح شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو (حدیث عائشہ کو) طرق اور شواہد کی بناء پر حسن کہا ہے۔

فائدہ: حدیثِ عائشہ، حدیثِ ابوہریرہ اور حدیثِ معاذ بن جبل کے شروع میں یہ الفاظ بھی ہیں: "لا ينفع حذر من قدر" "ڈر تقدیر سے بچا نہیں سکتا"۔ اور حدیث عبادہ کے شروع میں یہ الفاظ ہیں: "وادفعوا عنكم طوارق البلاء بالدعاء" "خود سے مصیبتوں کو بذریعہ دُعاء رفع کرو"۔

اس حدیث میں ان الفاظ سے قبل بھی ایک ٹکڑا ہے جو دوسرے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔

۶۹۶ — حسن ہے۔

۶۹۶ ـــ حضورؐ نے فرمایا: جو خدا تعالیٰ سے دُعا نہیں مانگتا، خدا اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ (حصن حصین)

اس کو ابنِ ماجہ (۳۸۲۹) اسی طرح بخاری نے "ادب مفرد" (۷۱۳) میں ترمذی (۳۳۷۰) طیالسی (۲۵۳/۱) احمد (۲/۳۶۲) عقیلی (۳۱۰/۳) ابن حبان (۲۳۹۷) طبرانی نے "دعاء" (۲۸) میں ابن عدی (۱۷۴۲/۵) حاکم (۴۹۰/۱) قضاعی (۱۲۱۳-۱۲۱۴) اور بیہقی نے "دعواتِ کبیر" (۳) میں ابوُ ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند عمران بن داوٗد کی وجہ سے حسن درجے کی ہے اس کی سند میں قتادہ بھی ہیں جو مدلس ہیں اور انہوں نے مذکورہ کتب میں سے کسی کتاب میں بھی سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی ہے، لیکن میں نے اس کی سند کو حسن اس لیے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابنِ حبان نے بھی روایت کیا ہے اور ان کی "صحیح" میں مدلسین کی جو روایات ہیں خواہ وہ لفظ "عن" سے ہی ہوں، ان کو سماع یا تحدیث پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ حدیث (۳۱۵) میں ذکر ہوُا۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ ابن حبان نے اپنی شروط کا التزام کیا ہے "تدریب الراوی" (۸۳/۱)۔

اور قتادہ ابن حبان کے نزدیک بھی مدلس ہیں ان کو انہوں نے "ثقات" (۳۲۲/۵) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مدلس تھے۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور شیخ البانی نے بھی "صحیح الجامع" (۵۲۶۸) میں حسن کہا ہے، حافظ ابنِ حبان، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کی ایک روایت کے الفاظ یُوں ہیں "اشرف العبادۃ الدعاء" "دعا اشرف عبادت ہے"

ان الفاظ سے اس کو خطیب نے "موضح" (۸۶/۲) میں روایت کیا ہے اسی طرح ادب مُفرد بخاری کی ایک روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ ان دونوں نے اس حدیث کو طیالسی سے روایت کیا ہے۔ جب کہ طیالسی کے یہاں اس کے وہی الفاظ ہیں، جن کا ترجمہ کتاب میں مذکور ہے۔

ابن عدی کی ایک روایت بھی اسی جیسی ہے مگر اس میں "اشرف" کی بجائے "أفضل" ہے اور آخر میں نمبر (۶۹۳) میں مذکورہ حدیث نعمان کی طرح (وقال ربکم ادعونی ....) آیت کا ذکر بھی ہے۔ جبکہ یہ سیاق حدیث نعمان کا ہے۔ دیکھیے ابن عدی کا کلام (۱۷۴۲/۵)۔

تنبیہ: طبرانی صغیر (۴۷/۲) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مومن کی فضیلت بھی وہی ذکر ہوئی ہے جو مذکورہ حدیث ابوہریرہ میں ابن ماجہ وغیرہ کے یہاں دُعا کی فضیلت ہے۔ مگر اس کی سند میں عبیداللہ بن تمام ایک راوی ہے، جسے حافظ ہیثمی نے سخت ضعیف کہا ہے (۸۶/۱)۔

اور شیخ البانی نے "ضعیف الجامع" (۴۸۹۲) میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۶۹۷ ـــ ضعیف ہے۔

اس کو احمد (۲/۴۴۳، ۴۷۷) بخاری نے "أدب مفرد" (۶۵۸-۶۵۹) میں ترمذی (۳۳۷۳) ابن ماجہ (۳۸۲۷) ابو یعلیٰ (۶۶۵۵) طبرانی نے "دُعاء" (۲۳) میں ابن عدی (۲۷۵۰/۷) حاکم (۴۹۱/۱) اور بغوی (۱۳۸۹) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

۶۹۰ — حضورؐ نے فرمایا۔ دُعا مومن کا ہتھیار ہے۔ دین کا ستون ہے اور آسمان وزمین کا نور ہے۔ (حاکم)

→ اس کی سند میں ابو ملیح فارسی اور اس کا استاد ابُو صالح خوزی ہے۔ فارسی کو علامہ ذہبی نے "کاشف" (۳/۲۶۶) میں اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۲/۴۷۰) میں ثقہ کہا ہے، خوزی کے بارے میں ابُوزرعہ نے تو "لا بأس بہ" کہا ہے۔ جبکہ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے ملاحظہ ہو "تہذیب"۔

امام حاکم نے ان دونوں کو مجہولین میں شمار کیا ہے۔ "مستدرک"۔

دُعا طبرانی (۲۴) میں اس معنی کی ایک حدیث، انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے اس میں متعدد علتیں ہیں۔

① حماد بن عبدالرحمٰن کلبی ضعیف ہے۔ ② مبارک بن ابی حمزہ مجہول ہے۔

یہ دو علتیں تو اس کتاب کے محقق نے بیان کی ہیں، مگر اس میں درج ذیل علتیں بھی ہیں۔

③ امام حسن بصری مدلس ہیں ④ ہشام بن عمار کبر سنی میں تلقین کو قبول کر لیتے تھے ⑤ طبرانی کے شیخ محمد بن ابی زرعہ دمشقی کا ترجمہ محقق کتاب کو نہیں ملا، جیسا کہ انہوں نے خود صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو "کتاب الدعاء" (۱/۵۸۸)۔

۶۹۸ — سخت ضعیف ہے۔

اس کو ابو یعلی (۴۳۹) ابن عدی (۲۱۸۱/۶) حاکم (۴۹۲/۱) اور قضاعی نے "مسند الشہاب" (۱۴۳) میں زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی سند سے امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند منقطع اور سخت ضعیف بھی ہے منقطع اس لیے ہے کہ زین العابدین کی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے، جیسا کہ "تہذیب التہذیب" (۲۶۸/۸) میں ہے۔

اس انقطاع کی طرف علامہ ذہبی نے بھی اشارہ کیا ہے ملاحظہ ہو "میزان الاعتدال" (۵۱۳/۳، ۵۱۴) ترجمہ محمد بن الحسن التل اور ترجمہ محمد بن الحسن الہمدانی"۔

اور سخت ضعیف اس لیے ہے کہ اس کی سند میں محمد بن حسن ہمدانی ہے جس کو امام احمد اور امام حبان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور نسائی نے متروک۔

امام ابن معین اور ابو داؤدؒ نے ایک روایت میں اس کو کذاب کہا ہے۔ اسی بناء پر شیخ البانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے ملاحظہ ہو "احادیث ضعیفہ" (۱۷۹)۔

جبکہ امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے "تلخیص" میں ان کا کسی قسم کا تعاقب نہیں کیا، مگر "میزان" میں کہا ہے کہ اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس میں انقطاع ہے۔

رہی حاکم کی تصحیح تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں محمد بن حسن ہمدانی کی بجائے محمد بن حسن تل ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ اس سند میں محمد بن حسن ہمدانی ہے تل نہیں جیسا کہ شیخ البانی نے تحقیق کی ہے، اُنہوں نے اس پر جو دلائل دیئے ہیں ان میں سے ←

۶۹۹ ـــ حضورؐ نے فرمایا۔ دُعا مانگنے سے عاجز نہ ہو (یعنی دُعا مانگنا چھوڑ نہ دو۔ کہ مطلب براری نہیں ہوئی) کیونکہ کوئی دُعا کرتے ہوئے ہلاک نہیں ہوتا۔ اور جو چاہے کہ اس کی دُعا سختیوں اور مشکلوں میں قبول ہو۔ تو اسے لازم ہے کہ وہ آسائش اور کشائش رزق کے وقت کثرت سے دُعا کرتا رہے۔ (ابنِ حبان)

ـــــــ ← ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ذہبی نے "میزان" میں اس حدیث کو ہمدانی کے ترجمے میں ذکر کیا ہے۔ مگر ان کی یہ دلیل قوی نہیں ہے کیونکہ ذہبی نے اس حدیث کو دونوں ہی کے ترجموں میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا۔

واضح رہے کہ اس حدیث کا پہلا ٹکڑا (دُعا مؤمن کا ہتھیار ہے) سخت ضعیف نہیں، بلکہ صرف ضعیف ہے، کیونکہ اس کا ذکر جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں بھی ہے، جس کو ابو یعلی (۱۸۱۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس میں محمد بن ابی حمید ہے جو ضعیف ہے۔ "مجمع الزوائد" (۱۰/۱۵۰)۔

تنبیہ: علامہ شوکانی نے کتاب میں مذکور حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ "مستدرک حاکم" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور "مسند ابو یعلی" میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "تحفۃ الذاکرین" (۳۰)۔

مگر یہ ان کا وہم ہے کیونکہ "مستدرک" میں بھی حدیث علی رضی اللہ عنہ ہی ہے۔

۶۹۹ ـــ یہ دو مختلف حدیثیں ہیں جنہیں مؤلف نے ایسے انداز سے ذکر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک حدیث ہے۔

پہلی حدیث: یہ انتہائی ضعیف ہے۔

یہ حدیث "دُعا مانگنے سے عاجز نہ ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہلاک نہیں ہوتا" تک ہے۔ اس کو ابنِ حبان (۲۳۹۸) اسی طرح عقیلی (۳/۱۸۸) ابنِ عدی (۵/۱۶۷۴) اور حاکم (۱/۴۹۳-۴۹۴) نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند عمر بن محمد بن صہبان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے "احادیث ضعیفہ" (۸۴۳) دیکھیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں میں سے عاجز ترین وہ شخص ہے جو دُعا کرنے میں عاجز ہو اور بخیل ترین وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے۔

یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۱۔ حدیث ابو ہریرہ کو طبرانی نے "دُعا" (۶۰) میں روایت کیا ہے۔ جب کہ بخاری نے "ادب مفرد" (۱۰۴۲) میں اور ابن حبان (۱۹۳۹) نے اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوفاً روایت کیا ہے اور یہ موقوفاً زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ عاصم احول سے اس کو موقوفاً روایت کرنے والے دو راوی ہیں اور وہ علی بن مسہر اور اسماعیل بن زکریا ہیں۔ جبکہ صرف حفص بن غیاث نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے (آخری عمر میں) ان کے حافظے میں کچھ تغیر واقع ہوگیا تھا۔ نیز حفص سے اس کا راوی مسروق بن مرزبان ہے جو متکلم فیہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کو وہم ہوتا ہے۔

۲۔ حدیث عبداللہ بن مغفل کو بھی طبرانی نے "دُعا" (۶۱) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ عبداللہ بن مغفل سے اس کے راوی حسن بصری ہیں جو مدلس ہیں اور انہوں نے اس کو لفظ "عن" سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عثمان بن ہیثم ←

پس ہمیں خدا کی جناب میں کثرت سے دُعائیں مانگتے رہنا چاہیئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم دُنیا میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہیں اور پیش آمدہ اُمور سے متعلق کوئی کوشش نہ کریں اور اسباب سے بے نیاز ہو جائیں، بلکہ ہمیں ہر امکانی کوشش بھی ضرور کرنی چاہیئے اور ساتھ ہی خدا کے حضور دُعا بھی۔ تاکہ مساعی اور اسباب بارآور ہوں۔ کیونکہ کوشش اور اسباب کا نتیجہ پیدا کرنا اللہ کے اختیار میں ہے، جس کے لیے دُعا ضروری ہے۔

← بھی ہیں۔ جن کا حافظہ آخری عمر میں بگڑ گیا تھا جس کی وجہ سے یہ تلقین کو قبول کر لیتے۔

معلوم نہیں اس کتاب کے محقق نے اس کی سند کو حسن کس بنا پر قرار دیا ہے۔

دوسری حدیث: یہ حدیث "جو چاہے کہ اس کی دُعا" سے لے کر آخر تک ہے اور یہ صحیح حدیث ہے اس کو ترمذی (۳۳۸۲) ابو یعلی (۶۳۹۶۔ تحقیق اثری) طبرانی نے "دعاء" (۴۵) میں ابن عدی (۵/۱۹۹۰) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۱/۱۲-۱۳) میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سند: "عبید بن واقد عن سعید بن عطیۃ اللیثی عن شھر بن حوشب عن ابی ھریرۃ۔"

یہ سند عبید بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن ابو یعلی (۶۳۹۶) نے اس کو جعفر بن ایاس کی سند سے بھی شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے اور یہ سند جعفر تک صحیح ہے اور شہر بن حوشب کی حدیث حسن درجے کی ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے ملاحظہ ہو "تہذیب التہذیب" (۴/۳۲۵)

اسی طرح علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی حدیث کو حسن کہا ہے جیسا کہ حدیث (۴۸۲) میں ذکر ہوا۔

مگر یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ اس کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ ابُو عمران الہانی کی سند ہے۔ اس سند سے اس کو طبرانی نے "دُعاء" (۴۴) میں حاکم (۱/۵۴۴) اور حاکم سے ابنِ نجار نے "ذیل تاریخ بغداد" (۱۶/۱۴۱) میں روایت کیا ہے اس کی سند میں عبداللہ بن صالح کاتب لیث ہیں، جن کی بناء پر یہ سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اس کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو مزید سندیں بھی ہیں، ابن عدی (۲/۸۲۰) نے اس کو عطاء بن یسار کی سند سے اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱/۱۴-۱۵ ، ۸/۳۹۹) میں اس کو ابو صالح کی سند سے بھی ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ دونوں سندیں انتہائی ضعیف ہیں۔ لہٰذا یہ شاہد بننے کے قابل نہیں۔

عطاء بن یسار کی سند میں ایک راوی حبیب بن ابی حبیب ہے جس کی احادیث کو ابن عدی نے من گھڑت کہا ہے اور ابو صالح کی سند میں ابان بن ابی عیاش اور رُوح بن مسافر ہے۔ ابان متروک ہے اور رُوح ضعیف ہے۔

دعاء طبرانی (۴۶) میں اسی معنی کی ایک حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر اس کی سند محمد بن یعلی زنبور اور عمر بن صبح کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے، بلکہ عمر بن صبح کذاب اور وضاع ہے اور یہ دونوں "تہذیب" اور "تقریب" کے رجال میں سے ہیں۔

دُعاء کے آداب

اوراد و وظائف پڑھنے اور دُعاء مانگنے والوں پر سب سے پہلے یہ واجب ہے۔ کہ ان کا کھانا اور پہننا کسب حلال سے ہو۔

۷۰۰ — رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص (مثلاً) دس درہم کا کپڑا خریدے۔ اور ان میں ایک درہم حرام (کی کمائی) کا ہو۔ تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔ خدا اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ (بیہقی)

غور فرمائیں! کہ جب کسبِ حرام کے لباس کے سبب خدا نماز قبول نہیں کرتا۔ تو دعاء۔ ورد۔ وظیفہ وغیرہ کس طرح قبول

---

۷۰۰ — سخت ضعیف ہے۔

اس کو بیہقی نے "شعب" میں۔ جیسا کہ "مشکاۃ" (۲/۲۴۹) میں ہے۔ اسی طرح احمد (۲/ ۹۸) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۸۴۹) میں ابن حبان نے "مجروحین" (۲/ ۳۷ - ۳۸) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۴/ ۲۱ - ۲۲) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ابن حبان نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ پہلی عبداللہ بن ابی العلاج کی سند ہے اس سند سے انہوں نے اس کو من گھڑت کہا ہے اور دوسری بقیہ بن ولید کی سند ہے، بلکہ مذکورہ تمام کتب میں بھی یہ اسی سند سے ہے اور اس سند کو ابن حبان نے انتہائی کمزور کہا ہے، بلکہ کہا ہے کہ یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

شیخ البانی نے اس حدیث کو سخت ضعیف کہا ہے اور اس کی سند میں انہوں نے اضطراب بھی ذکر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے "احادیث ضعیفہ" (۸۴۴) دیکھیں۔

مؤلف اس حدیث کی بجائے اگر یہ حدیث ذکر کرتے تو مناسب تھا۔ صحیح مسلم (۷/ ۱۰۰) "کتاب الزکوٰۃ ترمذی (۲۹۸۹) "کتاب التفسیر" تفسیر سورۂ بقرہ اور دارمی (۲/ ۳۰۰) کتاب "الرقاق" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے۔ آگے چل کر ابوُہریرہؓ فرماتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل سفر کرنے والے آدمی کا ذکر کیا (لمبا سفر کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ طاعات کے کاموں میں لمبا سفر کرتا ہے۔ جیسا کہ حج یا مستحب زیارت وغیرہ کے لیے جاتا ہے۔ دیکھیے شرح مسلم للنووی) جس کے بال بکھرے ہوئے اور پراگندہ حالت ہے۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے "یارب یارب" کہتا ہے۔ مگر اس کا کھانا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کمائی سے ہے اور حرام مال سے اسے غذا دی گئی، لہٰذا ایسے شخص کی دُعاء کیسے قبول ہو۔

اور بار آور ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح یاد رکھیں۔ کہ لقمہ حرام کے باعث بھی اوراد و اذکار اور وظائف و ادعیہ قبولیت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

تیسری چیز دُعاء مانگنے اور وظائف پڑھنے والوں کے لیے زبان کو قابو میں رکھنا ازبس ضروری ہے۔ کہ جھوٹ بولنے سے تمام اثر اذکار، اوراوراد کا جاتا رہتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ دورانِ اذکار و دُعا یقین، خلوص، استحضار، اور توجہ الی اللہ قبولیت میں اثر تمام رکھتی ہے۔

شرکیہ وظائف

اوراد و وظائف اور دُعا چونکہ عبادت ہے، اس لیے وہی اوراد و وظائف جائز ہیں۔ جن میں صرف خدا ہی کی جناب میں خطاب، ندار، دُعاء، اور پکار ہو۔ خوب یاد رکھیں کہ اگر غیر اللہ کی طرف دُعا ہوئی تو پھر ایسا وظیفہ خدا کی عبادت میں شرک ہو جائے گا، جس سے پڑھنے والے کی عاقبت برباد ہو جائے گی۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے قرآن میں حکم فرمایا ہے:

"فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔" (سُورۃ جن)

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ (دُعاء اوراد، اور وظائف میں) کسی (غیر اللہ) کو مت پکارو۔"

اب ہم مُسلمان بھائیوں اور بہنوں کے پڑھنے کے لیے یہاں خدا تعالیٰ اور اس کے رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہُوئے اوراد اور وظائف اور ادعیہ و اذکار لکھتے ہیں۔ تاکہ وہ ان جواہرات سے دامن امید بھر کر مراد کو پہنچیں۔ اذکار کے بحر ذخار کی یہ موتیوں کی لڑی زیادہ طویل نہیں ہے۔ کہ اس موضوع پر ہم ایک مستقل رسالہ لکھنے کا ارادہ[1] رکھتے ہیں۔ وبیدہ التوفیق۔

ان اوراد و اذکار کو جو بھی اپنی ضرورت کے مطابق آداب و شرائط کی پابندی کے ساتھ پڑھے گا۔ انشاء اللہ وہ ضرور لیلائے کامرانی سے ہم آغوش ہوگا۔

---

[1] الحمد للہ! ارادہ پورا ہوا۔ اور دو کتابیں چھپ گئیں، حزب الرسُول، رحمت عالم کی دعائیں۔

تمام مطالب و حوائج کے لیے ایک مجرّب التاثیر وظیفہ

دُعائے یونس علیہ السّلام

۷۰۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دُعاء ذی النون (حضرت یُونس ؑ) کی مچھلی کے پیٹ میں یہ (آیہ کریمہ) لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور جو کوئی مسلمان کسی کام کے لیے یہ دُعا پڑھتا ہے۔ خدا تعالےٰ قبول فرمالیتا ہے۔ (ترمذی)

---

۷۰۱ — صحیح ہے۔

یہ حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے چار سندوں سے مروی ہے۔

۱۔ محمد بن سعد بن ابی وقاص کی سند:

اس سند سے اس کو ترمذی (۳۵۰۵) دعوات، نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۶۵۶) میں احمد (۱/۱۷۰) بزار (۱۵۰/۲) ابو یعلیٰ (۲/۷۲) طبرانی نے "دُعاء" (۱۲۴) میں حاکم (۱/۵۰۵، ۲/۳۸۲-۳۸۳) اور بیہقی نے "آداب" (۹۴۷) میں روایت کیا ہے۔

اور یہ سند یونس بن ابی اسحاق کی وجہ سے جیّد ہے۔

۲۔ مصعب بن سعد بن ابی وقاص کی سند:

اس سند سے اس کو احمد بن ابراہیم دورقی نے "مسند سعد" (۶۳) میں بزار (۴۹/۱۳) ابو یعلیٰ (۷۰۰) ابن عدی (۶/۲۰۸۸-۲۰۸۹) اور حاکم (۲/۵۸۴) نے روایت کیا ہے مگر یہ سند ضعیف ہے۔

۳۔ ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی سند:

اس سند سے اس کو ابُو یعلیٰ نے "معجم الشیوخ" (۲۶۳) میں ابن سنی (۳۴۳) اور ابن عدی (۵/۱۷۹۹) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند عمرو بن حصین عقیلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

اس سند کا سیاق کچھ یوں ہے۔ "مجھے ایک ایسے کلمے کا علم ہے، جس کو مصیبت زدہ کہے تو اس کی مصیبت رفع ہو جاتی ہے اور وہ میرے بھائی یونس کا کلمہ ہے"

۴۔ سعید بن مسیب کی سند:

اس سند سے اس کو حاکم (۱/۵۰۶) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند بھی عمرو بن بکر سکسکی کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے کیونکہ یہ متروک ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

اس کا سیاق یوں ہے "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے بارے میں نہ بتلاؤں جس کے ذریعے سے دُعا کرنے سے وہ قبول کرتا ہے اور مانگنے سے وہ عطا کرتا ہے اور وہ (اسم اعظم) وہ ہے جس کے ذریعے سے یُونس نے دُعاء کی۔ ←

ایک شخص نے عرض کیا۔ اے رسولِ خدا! کیا یہ دُعا حضرت یُونس علیہ السلام کے متعلق ہی مخصوص ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا تو نے خدا تعالیٰ کی یہ بات نہیں سُنی۔ فَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ (رواہ احمد) یعنی خدا نے فرمایا۔ کہ ہم نے (اس دُعا کے پڑھنے کے سبب) حضرت یُونس کو غم سے نجات دے دی۔ اور اسی طرح ہم (قیامت تک اس آیہ کریمہ کے ساتھ دُعا کرنے والے) مُومنوں کو (غموں دُکھوں، دردوں سے) نجات دیں گے۔"

پس قرآن اور حدیث سے یہ معلوم ہُوا۔ کہ دُعا بڑا بھاری وظیفہ ہے۔ ہر قسم کی تکلیفوں، مصیبتوں، دکھوں، دردوں، اور اندوہوں، سے نجات پانے کے لیے بڑا کامیاب وظیفہ ہے۔ بغایت مجرب التاثیر، اور بنہایت سریع الاثر دعوت ہے تمام اولیاء اللہ اور صلحائے اُمّت کا اس کی سرعت تاثیر اور عدمِ تخلف پر اجماع اور اتفاق ہے۔

پڑھنے کا طریقہ

اس کے پڑھنے کے طریقے اپنے اپنے احوال واشغال کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ ایک طریق تو یہ ہے کہ ہر روز رات کو بعد نمازِ عشاء ایک ہزار بار پڑھیں، اوّل آخر تین تین بار درود شریف بھی (قعدہ تشہد والا) ضرور پڑھیں۔ بارہ روز تک پڑھیں۔ انشاء اللہ اکلِ حلال اور صدقِ مقال کی پابندی سے پڑھنے پر کام ہو جائے گا۔ ورنہ چالیس روز تک پڑھیں، لیلائے مرام سے ہم آغوش ہو جائیں گے۔

دوسرا طریق یہ ہے۔ کہ اس دُعا کو چالیس روز میں سوا لاکھ بار کریں، جس کی صُورت یہ ہے کہ ہر روز تین ہزار ایک سو پچیس (۳۱۲۵) بار پڑھیں۔ اوّل آخر چند بار درود شریف ضرور ہو۔ خدا کے فضل سے شبِ غم کی تاریکیوں سے صبحِ فرح کے انوارِ ضیاء بار ہُوں گے۔

تیسرا طریق اس کے پڑھنے کا یہ ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد تاریک مکان میں بیٹھ کر ایک پانی کا پیالہ بھر کر آگے رکھ لیں۔ اس طرح حضرتِ یُونسؑ کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے اور دریا کے پانی کا نقشہ کھنچ جائے گا۔ اور بدن اور کپڑوں کی

← اس سند میں صحابی رضی اللہ عنہ کا وہ سوال بھی ہے، جسے مؤلف نے "مسند احمد" کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ مگر یہ سوال "مستدرک حاکم" کے مذکورہ طریق میں ہے "مسندِ احمد" میں نہیں۔

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۱۱/۱۴۷) میں اور علامہ شوکانی نے "تحفۃ الذاکرین" (۶۴) میں اس کو حاکم ہی کی طرف منسوب کیا ہے مگر اس سوال کی سند سخت ضعیف ہے۔ جیسا کہ ذکر ہُوا، لیکن اس آیتِ کریمہ کا ہر مومن کے لیے عام ہونا قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو" سُورہ اَنبیاء" آیت (۸۸)

ے کہا ایسا بہتر نہیں کہ اس وظیفے کے کرنے والے کو ایک مچھلی نما صندوق میں بند کر کے کسی دریا یا سمندر میں پھینک دیا جائے تاکہ حضرت ←

طہارت کے ساتھ باوضو قبلہ رُخ بیٹھ کر نہایت عاجزی، زاری، خضوع، اور استحضار کے ساتھ یہ دُعا تین سو بار پڑھیں اور پڑھنے کے دوران میں ہر سو بار کے خاتمے پر پانی میں ہاتھ ڈال کر منہ اور بدن پر پھیرتے رہیں۔ جب پڑھ چکیں تو اکتالیس بار درود شریف بھی پڑھیں۔ اسی طرح اکتالیس روز تک یہ عمل جاری رکھیں۔ خدا کی مہربانی سے ہموم وغموم کے بادل چھٹ کر مطلع امید نظر آجائے گا۔ اور کوئی مشکل اور مصیبت ایسی نہیں جو دُور نہ ہو انشاء اللہ الغفار۔

← یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے کا نہ صرف نقشہ ہی کھنچ جائے، بلکہ یونس علیہ السلام والی صحیح کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے سے اکتالیس دن انتظار کی ضرورت نہیں، بلکہ چند ہی گھنٹوں میں بفضلہٖ تعالٰے ہر قسم کے ہموم وغموم کے بادل چھٹ جائیں گے۔ کسی طرح کی بھی مشکل ومصیبت باقی نہ رہے گی۔ بلکہ سب پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات ابدیٰ حاصل ہوگی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مجھے نہایت تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ اس قسم کی لایعنی چیزیں اور خرافات ہم سلفیوں میں کدھر سے گھس آئیں۔

باللہ علیکم کیا اس قسم کی باتیں اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس سے استہزاء کے مترادف نہیں؟

یہ طریقے کس آیتِ قرآنی یا کس حدیثِ نبوی سے ماخوذ ہیں۔ یا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کا ثبوت ملتا ہے؟ یا کہ یہ تابعین اور اتباع تابعین سے منقول ہیں۔ اگر اس آیت کریمہ کی تاثیر اس کو ان طرق سے پڑھنے پر مبنی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہمارے لیے اس کی فضیلت اور فائدہ بیان کر دیا تو وہاں ان طرق کو بھی ضرور ذکر فرماتے یا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان طرق کو بتلانا بھول گئے تھے۔

مؤلف سامحہ اللہ اس آیت کی فضیلت ذکر کرنے سے قبل یہ فرما کر آئے ہیں کہ اب ہم مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے پڑھنے کے لیے یہاں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے اوراد وظائف ادعیہ اور اذکار لکھتے ہیں۔

ان کی اس صراحت کے بعد اب اگر ایک عامی ان خود ساختہ طریقوں کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلائے ہوئے طریقے تصور کر لیتا ہے، تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔

اللہ کے لیے اس قسم کی ایجادات سے بچیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ وظائف واذکار کو اسی طریقہ سے پڑھیئے، جس طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا پڑھنا منقول ہو۔ جس ورد یا وظیفہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص وقت یا تعین تعداد سے پڑھا ہو اس کو اسی وقت اور اسی تعداد سے پڑھیئے اور جس وظیفہ کے بارے میں ان دونوں (تعین وقت وتعداد) میں سے کوئی ایک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو اسے بغیر کسی تعین وقت وتعداد کے پڑھیئے۔ حتی کہ وہ مقصد حاصل ہو جائے جس مقصد کی خاطر وہ (وظیفہ) ہے اس میں اپنی طرف سے مسالہ جات کا اضافہ کر کے اسے چیٹ پٹا بنانے کی ہرگز کوشش نہ کیجیئے، کیونکہ یہ کوشش محمود نہیں بلکہ مذموم ومردود ہے۔ "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد" (متفق علیہ)

مصیبت اور کرب کے بارے میں دیگر وظائف بھی ہیں۔ جن میں سے بعض کو فائدہ کی غرض سے یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ ←

مخلوق کے شر سے بچنے کا حصار

جو شخص چاہے، کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کاموں میں وکیل اور کفیل ہو۔ اور تمام مخلوق کے ہر قسم کے شر سے اس کو بچائے اور پیش آمدہ مصائب و نوائب اور مہمات اور مشکلات میں اپنی مدد، تائید، وکالت اور کفالت کرے۔ اور بندوں کے دل میں اس کی ہیبت، اور محبت ڈالے۔ تو اسے یہ وظیفہ پڑھنا چاہیئے۔

۱۔ صحیح بخاری (۶۳۴۵ و ۶۳۴۶) کتاب الدعوات الادب المفرد (۷۰۱، ۷۰۲) صحیح مسلم (۱۷/۴۷-۴۸) کتاب الذکر والدعاء میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرب (مصیبت) کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے۔

" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ "

الادب المفرد میں اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں " اَللّٰهُمَّ اصْرِفْ شَرَّهٗ "

اسی طرح اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کہنے کے بعد دعا کیا کرتے۔ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کلمات کو پڑھنا بطور ثنا کے ہو، کیونکہ دعا سے قبل حمد و ثنا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے اس کی قبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ حدیث فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ میں ہے جو ابو داؤد (۱۴۸۱) کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء نسائی (۳/۴۴) کتاب " السہو" اور ترمذی (۳۴۷۶ و ۳۴۷۷) کتاب الدعوات میں ہے، یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

۲۔ نسائی عمل الیوم (۶۲۷-۶۳۰ و ۶۳۲) صحیح ابن حبان (۲۳۷۱ موارد) اور مستدرک حاکم (۱/۵۰۸) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مصیبت اور سختی کے وقت یہ کلمات پڑھنے کا حکم دیا۔ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ وَتَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اس حدیث کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ ابن علان نے " فتوحات ربانیہ" (۴/۷) میں ذکر کیا ہے۔ نسائی کے ایک طریق میں ان کلمات کو مریض پر پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔

۳۔ الادب المفرد (۷۰۲) ابو داؤد (۵۰۹۰) نسائی عمل الیوم (۶۵۱) اور صحیح ابن حبان (۲۳۷۰) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ مصیبت زدہ انسان کی دعا یہ ہے" اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ "

اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ حافظ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے اس کی مفصل تخریج میں نے " پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دعائیں " کی تخریج میں کی ہے ملاحظہ ہو نمبر (۱۰۵)۔

"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ"۔ (۱)

۱۔ اس دُعا کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ جن میں سے بعض تو درج ذیل ہیں اور بقیہ احادیث کا ذکر کسی دوسرے مقام پر ہوگا انشاء اللہ

(۱) بخاری (۵۶۳/۳-۵۶۴) "تفسیر نسائی نے" عمل" (۶۰۲) میں ابن ابی الدنیا نے" توکل" (۲۲) میں اور حاکم (۲/۲۹۸) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو ان کا آخری کلام یہ تھا (حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ کلمات کہے اس کے بعد انہوں نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر (۱۷۳) ذکر کی۔

(۲) مسند احمد (۶/۲۴-۲۵) ابوداؤد (۳۶۲۷) کتاب الأقضیہ ؛ باب الرجل یحلف علی حقہ، نسائی عمل الیوم (۶۲۶) میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم پر جب کسی کام کا غلبہ ہو تو یہ پڑھو۔

"حسبی اللہ ونعم الوکیل"۔

اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے۔ جیسا کہ ابن علان نے" فتوحات ربانیہ" (۴/۲۴-۲۵) میں نقل کیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں اسی طرح اس دُعا کے بارے میں جو دیگر احادیث بھی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی اس کے پڑھنے کا کوئی مخصوص طریقہ یا مخصوص وقت ذکر نہیں ہوا اور نہ ہی ان میں اس کے پڑھنے کی کوئی تعداد متعین کی گئی ہے۔

لہٰذا یہ طریقے اور مقررہ تعداد مردُود ہے۔ اس لیے کہ اس کے پڑھنے کے طریقے اور تعداد کا تعین کرنا صرف اور صرف شارع حکیم کا حق ہے۔ کسی غیر کو یہ حق حاصل نہیں ہے؛ کائناً من کان۔

اپنی طرف سے وظائف کے پڑھنے کے مخصوص طریقے اور لمبی چوڑی تعداد کا تعین اس لیے بھی مردود و باطل ہے کہ اگر ان چیزوں (طریقے اور لمبی چوڑی تعداد) کو وظائف کی تاثیر میں کچھ عملاً دخل ہوتا تو پھر آپ کو یہ چیزیں مسنون وظائف میں بھی ضرور ملتیں مگر ہرگز ایسا نہیں۔ مسنون وظائف میں آپ کو ایک سو تک کی تعداد ملے گی۔ شیخ البانی فرماتے ہیں کہ میری یادداشت کے مطابق سُنت صحیحہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد ایک سو تک آئی ہے۔ احادیث ضعیفہ (۲/۱۱۶-۱۱۷)۔

تنبیہ؛ دُعا طبرانی (۳۲۵) میں دُعا" لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ ... "کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی ایک روایت میں ہزار مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ایک تو اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔ نیز اس کی دوسری روایات میں اس کو ایک سو بار صبح اور ایک سو بار شام کو پڑھنے کا ذکر ہے۔ دیکھیں" عمل نسائی" (۵۰۵-۵۰۷) "دُعا طبرانی" (۳۲۳-۳۲۴) اور" مستدرک حاکم" (۱/۵۰۰)

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحجرات ۱)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "انه سیکون فی هذه الامة قوم یعتدون فی الطهور والدعاء"

رواه ابوداود وفیه وسیاتی تخریجه مفصلا۔

اس امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو طہارت اور دُعا میں حد سے تجاوز کر جائیں گے۔

پڑھنے کا طریقہ

ہر روز صبح بعد نماز یا رات کو بعد نماز عشاء اکل حلال صدق مقال، خضوع و خشوع، استحضار و رجوع اور طہارت کی پوری پابندی کے ساتھ گیارہ سو بار پڑھا کریں، اوّل آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف ایک ماہ تک برابر پڑھیں امور متعلقہ میں خدا کی وکالت اور کفالت کو دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے کہ ذات برحق کس طرح کارسازی فرماتی ہے اور کس طرح حفاظتوں اور نگرانیوں کے حصار قائم کرتی ہے۔ اور اگر بطور عادت کے آپ ہمیشہ یہ وظیفہ پڑھتے رہیں۔ تو پھر یقین کریں۔ کہ خدا تعالیٰ ہر حین و آن اور صبح و شام تمام عمر آپ کا وکیل اور کفیل رہے گا۔ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ۔

← مذکورہ دُعاء کے پڑھنے کا دوسرا طریقہ وظیفہ نہیں ہے بلکہ ایک لطیفہ ہے۔ اس کی مثال بعینہ ایسے ہے، جیسے کہ ایک شخص اس دُعاء "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" کے بعد" لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ذٰلِكَ" بھی پڑھتا ہے یہ دعا حدیث خولہ رضی اللہ عنہا میں ہے۔ جو عنقریب آرہی ہے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ۔ اس آیت میں (حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) کے پڑھنے کا ثمرہ مذکور ہے۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب اللہ تعالیٰ پر توکل کیا تو اس کا ثمرہ یا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے یہاں جو عنوان قائم کیا ہے اس سے زیادہ مناسبت رکھنے والی دوسری دعائیں تھیں جنھیں انہوں نے ذکر نہیں کیا لہٰذا ہم فائدہ کی غرض سے ان کا بیان ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ مسند طیالسی (۱/۲۵۱) مسند احمد (۱/۶۲-۶۳ و ۷۲) ابو داؤد (۵۰۸۸ و ۵۰۸۹) کتاب الادب، نسائی عمل الیوم (۱۵ و ۱۶ و ۲۴۶ و ۲۴۷) ترمذی (۳۳۸۸) "کتاب الدعوات ابن ماجہ" (۳۸۶۹) "کتاب الدُّعاء" صحیح ابن حبان (۲۳۵۲ موارد) اور مستدرک حاکم (۱/۵۱۴) میں ابان بن عثمان اپنے باپ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ دُعاء "بِسْمِ اللهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" شام کے وقت تین مرتبہ پڑھ لیتا ہے تو صبح تک کوئی چیز اسے نقصان نہیں دے گی اگر وہ صبح کو تین مرتبہ پڑھ لیتا ہے تو شام تک کوئی چیز اسے ضرر نہیں پہنچائے گی۔

اس حدیث کو ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی، جیسا کہ "فتوحات ربانیہ" (۳/۹۹) میں ہے۔ صحیح کہا ہے۔

ابو داؤد وغیرہ میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ایک مرتبہ ابان بن عثمان پر فالج کا حملہ ہوا۔ تو ایک آدمی نے بنظر تعجب ان کی طرف دیکھا ابان سمجھ گئے اور فرمانے لگے کہ اللہ کی قسم میں نے عثمان پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے۔ حدیث ویسے ہی ہے جیسے میں نے بیان کی مگر جس روز مجھ پر حملہ ہوا اس روز میں اس دُعاء کو پڑھنا بھول گیا تھا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی ←

دوسرا طریق اس کے پڑھنے کا یہ ہے کہ ہر روز رات کو یہ ورد مبارک چار سو پچاس (۴۵۰) بار پڑھ کر یہ آیت "فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ" بھی چھ مرتبہ پڑھیں اور پھر ساتویں دفعہ یہ کہیں وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۔

جو شخص اس طریق پر مداومت اختیار کرے گا۔ وہ خدا تعالیٰ کی مضبوط حفاظت اور نگہبانی میں رہے گا اور اس کی ان امانتوں میں سے شمار کیا جائے گا جو ضائع نہیں ہوتیں اور اپنے تمام اقوال و افعال اور امور و اشغال میں مورد الطاف رحمانی ہو گا اور خدا کے حکم سے مخلوق کی ہر قسم کی ایذا اور شر سے محفوظ رہے گا اور اس کے سب کام خدا آسان کرتا رہے گا۔ اکل حلال اور صدق مقال کا ہر حال میں خیال رکھیں۔

فراخیِ رزق کے اعمال

پہلا عمل صبح بعد نماز ایک سو بار درود شریف پڑھیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَعَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ پھر یہ آیت ایک سو چھپن (۱۵۶) بار پڑھیں۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ جو شخص اس عمل پر مواظبت رکھے گا۔ وہ وسعت رزق کا نقشہ دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔ فی الواقع خدا اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا۔ جہاں سے ملنے کا اسے وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔(۱)

تقدیر کو جاری کرے۔

۲۔ موطا امام مالک (۲/۹۵۱/۱۱) کتاب الشعر، مسلم (۱۷/۳۲) کتاب "الذکر" عمل نسائی (۵۸۵) اور ابن ماجہ (۳۵۱۸) وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچھو سے ڈسا آدمی لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم اگر شام کو یہ کلمات "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" پڑھ لیتے تو تمھیں یہ نقصان نہ پہنچاتا۔

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالتا ہے اور یہ کلمات پڑھ لیتا ہے تو اسے اپنی منزل سے کوچ کرنے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی۔

یہ حدیث صحیح مسلم (۱۷/۳۱) ترمذی (۳۴۳۷) نسائی عمل الیوم (۵۶۰ و ۵۶۱) ابن ماجہ (۳۵۴۷) اور دیگر کتب میں ہے۔

۱۔ (ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا) کی رٹ لگانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ جب تک اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی جائے اور اس کے اختیار کرنے پر اللہ عزوجل نے جو انعام رکھا ہے۔

دوسرا عمل وسعت رزق کا ایک اور عمل مجرب ملاحظہ ہو۔ نماز فجر کے بعد گیارہ سو بار یَا مُغْنِیُ پڑھیں۔ پھر گیارہ مرتبہ سورۃ مزمل پڑھیں اس عمل پر مداومت کرنے والا اپنے لیے وسعتِ رزق کے دروازوں کو کھلا پائے گا۔ حیّ لا یزال اسے رزق اور مال کثرت سے عطا فرمائے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شفاء العلیل میں تحریر فرمایا ہے کہ میرے والد مرشد قدس سرہ نے مجھے اس عمل پر مواظبت کی وصیت فرمائی ہے اور اسے غنائے ظاہری اور باطنی کے لیے مجرب کہا ہے۔

---

۱ وہ یہ ہے کہ وہ متقی کے لیے مصیبت و پریشانی سے نکلنے کی راہ بنا دیگا اور ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے اس کے ملنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے (وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ والارض ....) اعراف: ۹۶۔

اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کے (دروازے) کھول دیتے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ تقویٰ و پرہیز گاری سے رزق بڑھتا ہے۔ اسی طرح توبہ و استغفار سے بھی رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ دیکھئے سورۃ نوح آیت نمبر (۱۰-۱۲)

مسند احمد (۱/۲۴۸) ابوداؤد (۱۵۱۸) کتاب الصلاۃ، عمل الیوم نسائی (۴۵۶) ابن ماجہ (۳۸۱۹) "کتاب الادب" حلیۃ الاولیاء (۳/۲۱۱) اور "تاریخ بغداد" (۵/۵۸) میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع روایت ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر غم اور تنگی سے نکلنے کی راہ بنا دیتے ہیں۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرتے ہیں۔ جہاں سے اسے ملنے کا گمان تک بھی نہ ہو۔ یہ حدیث سنداً تو ضعیف ہے مگر اس کے معنی کی تائید مذکورہ قرآنی آیات سے ہوتی ہے۔

زہد ابن مبارک (۸۶) مسند احمد (۵/۲۷۷ و ۲۸۰ و ۲۸۲) ابن ماجہ (۹۰ ، ۴۰۲۲) ایمان و فتن "مستدرک حاکم (۱/۴۹۳) اور مسند الشہاب (۱۰۰۱) میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ گناہ کی وجہ سے آدمی رزق سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ بوصیری نے "مصباح الزجاجہ" (۲۳، ۱۴۱۶) میں خود بھی اس کو حسن کہا ہے اور حافظ عراقی سے بھی اس کی تحسین نقل کی ہے۔ جب کہ البانی نے "ضعیف الجامع" (۶۴۳۴) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

اسلام کی تعلیمات کس قدر عمدہ ہیں کہ اس نے صلہ رحمی کو بھی وسعت رزق کا سبب قرار دیا ہے۔ بخاری (۲۰۶۷، ۵۹۸۶) "بیوع اور ادب"، ادب مفرد (۵۶) مسلم (۱۶/۱۴) "البر والصلہ اور ابوداؤد (۱۶۹۳) "زکاۃ" میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں برکت ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیئے۔ صحیح بخاری اور ادب مفرد میں یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رزق کے اگر خواہش مند ہو تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں اور

اصولوں کو اپنا کر رزق حاصل کرو، اگر رزق کے طلب گار ہو تو اسے اس وقت طلب کرو جب کہ رزق کا عطا کرنے والا خود پکار کر فرماتا ہے کہ ہے کوئی رزق لینے والا میں اسے رزق دوں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رات کا جب ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ عزوجل آسمانِ دنیا پر تشریف لے آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "مجھے ہے کوئی پکارنے والا جس کی دعا کو میں قبول کروں، مجھ سے ہے کوئی سائل جسے میں دوں، مجھ سے ہے کوئی بخشش کا طلب گار جس کو میں معاف کروں۔

اس حدیث کو بخاری (۱۱۴۵) مسلم (۶/ ۳۶-۳۹) ابوداؤد (۱۳۱۵، ۴۷۳۳) "صلاۃ وسنۃ" ترمذی (۴۴۶، ۳۴۹۸) "صلاۃ ودعوات" نسائی نے "عمل" (۴۷۸-۴۸۰) میں اور ابن ماجہ (۱۳۶۶) وغیرہ نے ابوسلمہ اور ابوعبداللہ اغر کی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی ایک روایت میں جو "سنۃ ابن ابی عاصم" (۴۹۷) میں ہے یہ اضافہ بھی ہے "ہے کوئی شخص رزق کا طلب گار جسے میں رزق دوں" یہ اضافہ طیالسی (۱/ ۲۵۵) احمد (۲/ ۲۵۸، ۵۲۱) اور نسائی (۴۷۷) میں ابوجعفر کی سند میں بھی ہے مگر ابوجعفر مجہول ہے۔ "شریعۃ آجری" (۳۱۲-۳۱۳) میں یہ اضافہ حدیث عبادہ میں بھی ہے۔

حدیث مذکور، ابوسعید خدری، علی، ابن مسعود، رفاعہ بن عرابہ جہنی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے مذکورہ کتب کے علاوہ دیکھئے دارمی (۱/ ۳۴۶-۳۴۸) صحیح ابن خزیمہ (۱۱۴۶) اور کتاب التوحید لابن خزیمہ (۱۳۲-۱۳۶)۔

واضح رہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا آسمانِ دنیا پر نزول، اس کی صفات میں سے ہے اور اس کی صفات پر بغیر کسی تحریف تعطیل، تکییف اور تمثیل کے ایمان لانا واجب ہے اور ان صفات کے بارے میں صحابہ، تابعین اور دیگر ائمہ عظام کا یہی مذہب ہے۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے وسعت رزق کا جو دوسرا عمل ذکر کیا ہے۔ اس میں "یا مغنی" کو ایک صد بار پڑھنے کا ذکر ہے۔ مگر اس مقام پر ایک بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ "مغنی" تو منادی ہے مقصود بالنداء کیا ہے۔ یعنی جس مقصد یا غرض کی خاطر "مغنی" کو پکارا جا رہا ہے وہ کیا ہے۔ اللہ عزوجل نے ہمیں اپنے اسماء حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ ان کے مجرد ورد کرنے کا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ الاعراف (۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں سو اس کو اس کے ناموں سے پکارو۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ عظمیٰ کے ساتھ جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس بارے میں بعض احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۶/ ۴۷- دار التاج) ابوداؤد (۱۴۹۳ اور ۱۴۹۴) کتاب "الصلاۃ"، ترمذی (۵/ ۳۴۴) کتاب "الدعوات"، ابن ماجہ (۳۸۵۷) کتاب "الدعاء" اور دیگر کتب میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کو ان کلمات "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ بِأَنِّيْ أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ" سے دعا کرتے ہوئے سن کر فرمانے لگے کہ تم نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے۔ اس اسم کے ساتھ جب اس سے

سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے اور جب دُعاء کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے ۔ یہ حدیث صحیح ہے امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور شیخ البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے "تحقیق مشکاۃ" (۲/۷۰۸)

۲۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے تشہد کے بعد ان کلمات " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ " سے دُعا کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ عظیم کے ساتھ دُعا کی ہے اس کے ساتھ دُعا کرنے سے وہ دُعا کو قبول کرتا ہے اور سوال کرنے سے وہ عطا کرتا ہے۔

یہ حدیث سنن نسائی (۳/۵۲) کتاب "السہو"، ابو داؤد، ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ و دیگر کتب میں ہے۔ مصنف میں عظیم کی بجائے اعظم ہے ۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے ۔

اسی طرح سے بہت سی مسنون دعاؤں میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ عزوجل سے اس کے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ عظمیٰ کے ساتھ سوال کرنا مذکور ہے ۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم بھی بجائے اس کے کہ کسی خاص اسمِ الٰہی یا صفت کو لے کر ایک متعین تعداد سے اس کی رٹ لگائیں اللہ عزوجل کے اسماء اور صفات کے ذریعے سے اس سے سوال کریں ۔ دُعاء مانگیں ، اپنی حاجات طلب کریں ۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے وسعت رزق کے اس دوسرے عمل کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے " شفاء العلیل " میں تحریر فرمایا ہے کہ میرے والد مُرشد قدس سرہ نے مجھے اس عمل پر مواظبت کی وصیت فرمائی ہے اور اسے غنائے ظاہری اور باطنی کے لیے مجرب کہا ہے ۔

گذارش ہے کہ وظائف و اذکار کے صحیح غیر صحیح مؤثر یا غیر مؤثر ہونے کے لیے کسی بزرگ کا تجربہ کسوٹی نہیں ہے ۔ اگر اس تجربہ کو بنیاد بنایا جائے تو پھر کچھ نادان بعض مسنون وظائف کو بھی غیر مؤثر کہہ سکتے ہیں ۔ والعیاذ باللہ ۔

اگر اسی تجربہ کو معیار مقرر کیا جائے تو پھر ہمیں لایعنی بلکہ شرکیہ قسم کے وظائف کو بھی تسلیم کرنا ہوگا ۔ لہٰذا ہمارے نزدیک کسی وظیفہ کے مجرب اور مؤثر ہونے کے لیے صرف اور صرف ایک کسوٹی ہے اور وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جو ورد یا وظیفہ اس پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہوگا ہمارے لیے وہی مجرب ، موثر بلکہ اکسیر سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے ۔

کئی ایسے مصنوعی وظائف پڑھنے یا سننے میں آتے ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں ، فلاں صاحبان کے مجرب ہیں ۔ ان کو فلاں ، فلاں حضرات نے آزمایا تو تیر بہدف پایا وغیرہ وغیرہ ۔

اس مقام پر قابلِ توجہ جو بات ہے وہ یہ ہے کہ جب سُنت نبوی میں ہماری ہر طرح کی ضروریات ، حاجات ، مشکلات اور مصائب کے حل کے لیے مسنون دعائیں اور وظائف موجود ہیں تو پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان ، جامع اور قیمتی وظائف چھوڑ کر غیر مسنون وظائف وضع کرنے یا اختیار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ۔

کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ وظائف جن میں شرکیہ کلمات نہ ہوں ان کے اپنا لینے میں کچھ قباحت نہیں ۔ کیونکہ ان کی

حدیث میں اجازت وارد ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ مسلم (۱۴/۱۸۷) اور ابوداؤد (۳۸۸۶) میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دموں میں کچھ حرج نہیں۔ جن میں شرک نہ ہو۔" مگر درج ذیل وجوہ کی بناء پر اس حدیث پر اب عمل درست نہیں۔

۱۔ ہم اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو قبول کیوں کریں۔ یعنی جب ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع دعائیں اور اذکار موجود ہیں تو پھر ہم امتیوں کے وضع کردہ وظائف کیوں اپنائیں؟

مسنون دعائیں اور اذکار نہ صرف یہ کہ وہ متفرق کتب حدیث کے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں بلکہ محدثین عظام نے اس موضوع پر مستقل کتب تالیف کی ہیں ان میں سے چند قابلِ ذکر یہ ہیں۔

۱۔ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۲) کتاب الدعاء للطبرانی (۳) عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی

یہ تینوں کتابیں مطبوع ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں امام نسائی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں ان کے علاوہ بہت سی ایسی کتب بھی ہیں جن کو مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔ اور ان میں سے قابلِ ذکر "الأذکار" للنووی ہے۔

۲۔ مسنون اذکار اور دعائیں اپنی جامعیت بلکہ ہر لحاظ و اعتبار سے وضعی دعاؤں سے ہزار ہا درجہ بہتر اور افضل ہیں۔

ابن ابی شیبہ (۶/۲۱۔ دار التاج) ابوداؤد (۱۴۸۲) ابن حبان (۲۴۱۲) طبرانی نے دعاء (۵) میں اور حاکم (۱/۵۳۹) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعاؤں کو پسند فرماتے اور غیر (جامع دعاؤں) کو ترک کر دیتے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے اس کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے

احمد (۶/۱۴۶۔۱۴۷) ان سے حاکم (۱/۵۲۱۔۵۲۲) نے اور بخاری نے "ادب مفرد" (۶۳۹) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یا عائشۃ علیك بجمل الدعاء وجوامعہ" واللفظ للبخاری۔"

"عائشہ جامع اور ان دعاؤں کا التزام کرو جن کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔

یہ حدیث صحیح ہے اس کو حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ اس کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُمِ کلثوم بنت ابی بکر نے روایت کیا ہے ان کو حافظ ابن حجر نے ثقہ کہا ہے اور اس سند کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

کاش کہ مؤلف علیہ الرحمہ نے حدیث (۴۴۲) کے بعد جو بات کہی ہے۔ اگر اسے اس مقام پر ذہن میں رکھتے تو ہمارے لیے یہاں مجہر بات کا ذکر نہ کرتے۔

مذکورہ مقام میں مؤلف نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام اولیاء اللہ اگر اکٹھے ہو کر آپ کو کوئی وظیفہ بتائیں تو ان کا بتایا ہوا وظیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے اذکار کے مرتبے کو حاشا و کلا ہرگز ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

۳۔ مصنوعی وظائف واذکار میں نہایت تکلف وغلو سے کام لیا جاتا ہے۔ ان میں مسجع مقفی کلمات لانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کے پڑھنے کی لمبی چوڑی تعداد اور مخصوص طریقے مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ جبکہ سجع والی دعا کی کراہت مروی ہے اور لمبی چوڑی تعداد اور مخصوص طریقے متعین کرنے کی شرعاً کچھ اصل نہیں، بلکہ یہ اعتداء فی الدعاء میں داخل ہے۔ جس سے منع کیا گیا ہے۔

بخاری (۶۳۳۷) اور طبرانی (۱۱/۳۴۰) میں عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن عباس نے ان سے فرمایا کہ تم سجع والی دعائے اجتناب کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو اس سے اجتناب کرتے ہی پایا ہے۔

ابن ابی شیبہ (۲۱/۶ دارلتاج) احمد (۲۱۷/۶) ابن ابی حاتم نے "علل" (۱/۱۰۵) میں اور طبرانی نے "دعاء" (۵۴) میں یہ حدیث، عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کی ہے اس میں انہوں نے ابن عباس والی بات ابن ابی سائب سے کہی ہے۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے اس کو امام ابو حاتم اور اسی طرح حافظ عراقی نے بھی "تخریج احیاء علوم الدین" (۱/۳۰۷) میں صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: مسجع مقفی کلمات یا عبارت اگر بغیر قصد اور تکلف کے آجائے تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے۔ اذکار مسنونہ اور احادیث نبویہ میں اس قسم کے جو کلمات یا عبارتیں آئی ہیں تو وہ بغیر قصد اور تکلف کیئے آئی ہیں ملاحظہ ہو "فتح الباری" (۱۱/۱۳۹)۔

ابوداؤد (۹۶) "طہارہ" ابن ماجہ (۳۸۶۴) "دعاء" ابن ابی شیبہ (۵۳/۶) احمد (۸۶/۴، ۸۷، ۵/۵۵) عبد بن حمید (۵۰۰) ابن حبان (۱۷۱-۱۷۲) حاکم (۱/۵۴۰) اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۱/۶) میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ" قریب ہی اس اُمت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعاء میں حد سے تجاوز کر جائیں گے۔

اس حدیث کو ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی نے "صحیح ابوداؤد" (۸۷) میں صحیح کہا ہے۔

طیالسی (۱/۲۵۴) ابن ابی شیبہ، احمد (۱/۱۷۲، ۱۸۳)، احمد بن ابراہیم دورقی نے "مسند سعد" (۹۱) میں ابوداؤد (۱۴۸۰) "صلاۃ باب" الدعاء" اور طبرانی نے "دعاء" (۵۵۔۵۶) میں اس حدیث کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

شیخ البانی نے "صحیح ابوداؤد" (۱۳۱۳) میں اس کو حسن کہا ہے۔

امام طبرانی علیہ الرحمہ نے لوگوں کی جب یہ حالت دیکھی کہ وہ دعاؤں کے سلسلہ میں حد سے تجاوز کر چکے ہیں مسجع مقفی اور وضعی دعاؤں کا التزام کیے ہوئے ہیں تو اس صورتِ حال نے انھیں کتاب "الدعاء" تالیف کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس کا سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو جامع ہے۔ جس چیز نے مجھے اس کی تالیف پر آمادہ کیا وہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ مسجع دعاؤں کا تمسک کیے ہوئے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء میں مسجع اور تعدی کی کراہت مروی ہے اسی طرح ان دعاؤں کا التزام کیے ہوئے ہیں۔ جن کو جھوٹے لوگوں نے ایام کی مناسبت سے گھڑ لیا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور نہ ہی تابعین میں سے کسی ایک سے مروی ہیں اور اس کتاب (کی احادیث) کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسانید

ـــــــــــ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کتاب الدعاء (۲/ ۸۵)

۴- ہم وضعی وظائف واذکار اپنا کر نہ صرف یہ کہ مسنون وظائف ترک کر چکے ہیں، بلکہ اپنے دلوں میں ان کی اہمیت بھی کھو بیٹھے ہیں۔ حتیٰ کہ حالت یہ ہے کہ بعض لوگوں کو جب کوئی مسنون دُعاء یا وظیفہ بتایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔ ہاں یہ تو ہے۔ مگر کوئی دوسرا وظیفہ بتائیں۔ (کل جدید لذید)

اس کی مثال یُوں سمجھیئے کہ ایک مریض علاج کی غرض سے کسی طبیب کے پاس جاتا ہے۔ تو وہ طبیب اس کی اچھی طرح تشخیص کے بعد اس کے لیے ایک اعلیٰ قسم کی دوا تجویز کرتا ہے اور اس دوا کے نہایت مناسب دام وصُول کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر مریض دل ہی دل میں کہتا ہے کہ حکیم صاحب کے بارے میں سُنا تو بہت کچھ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اچھے حکیم نہیں ہیں۔ مجھے صرف ایک ہی دوائی دی اور وہ بھی بیکار سی ماں لیے کہ دام بہت مناسب وصول کئے۔

جب اس مریض کو اس طبیب کی تجویز شدہ دوا پر اعتماد و یقین نہیں تو بتایئے اسے شفاء کیسے ہو۔

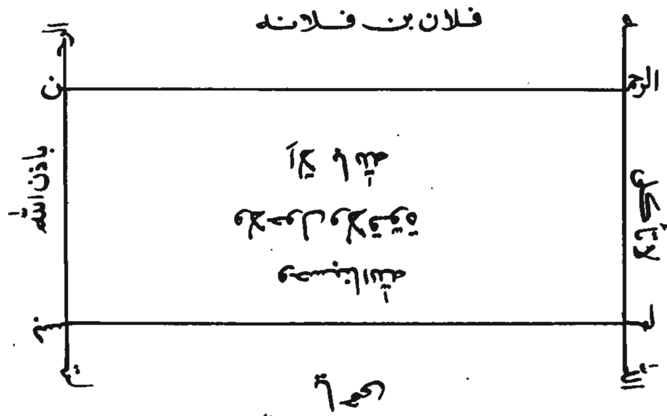
اب اگر یہی مریض کسی دوسرے ایسے طبیب کے پاس جاتا ہے جو بے چارہ صحیح طرح سے مرض کی تشخیص بھی نہیں کر سکتا بلکہ باتوں باتوں میں ہی سب کچھ اسی سے پوچھ لینے کے بعد اس پر اثر ڈالنے کے لیے اسے مختلف قسم کی ادویہ دے کر اس کی خوب چھیل اتارتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اس دوائی کی پہلی خوراک ہی اپنا جوہر دکھائے گی۔ مریض یہ سب کچھ دیکھ اور سُن کر خوش ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اصل حکیم صاحب تو یہی ہیں پہلے کے پاس جا کر تو غلطی کی۔

ہم میں سے بعض لوگوں کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے کہ جب ان سے مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"، مصیبت اور مشکل کے حل کے لیے بہترین وظیفہ ہے۔ لہٰذا مصیبت اور مشکل کے وقت اسے پڑھنا چاہیے۔ اگر یہیں رُک جاتے ہیں تو سُننے والے کے دل میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں بیٹھتی اگر بجائے رُکنے کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا جائے۔ کہ دیکھیں بھائی اس کے پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ جب ان طریقوں کو اپنایا جائے تب کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اندھیرے میں بیٹھ کر اسے ایک ہزار مرتبہ پڑھیں اوّل و آخر ایک سو بار درود پڑھیں۔ پڑھتے وقت پانی کا پیالہ بھی ساتھ رکھ لیں اور ہر سو بار پڑھنے کے بعد اس پیالہ میں ہاتھ ڈال کر منہ اور بدن پر پھیرتے رہیں۔ کم از کم چالیس روز اور زیادہ سے زیادہ پچاس روز تک یہ عمل کریں تو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔

اس وظیفہ کو اگر اس طریقہ کے ساتھ پڑھنے کا بیان کیا جاتا ہے تو سننے والے کے نزدیک اب یہ نہایت اعلیٰ وظیفہ بلکہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ جب کہ درحقیقت یہ طریقہ "ظلمات بعضها فوق بعض" ہے

اسی طرح اگر کسی شخص سے یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ مریض (مرض جس نوعیت کا بھی ہو) کے سر کے پاس بیٹھ کر اگر یہ دُعاء "أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ" سات مرتبہ پڑھی جائے تو وہ شفایاب ہو جاتا ہے۔ اِلّا یہ کہ اس کی موت آچکی ہو (یہ حدیث نمبر ۱۵۱۶ میں گزر چکی ہے)، تو یہ سُن کر اس کی تشفی نہیں ہوتی۔ اس دُعا کی بجائے اگر اسے یہ کہا جائے ←

← که درج ذیل تعویذ لکھ کر بخار والے مریض کے سر کے نیچے رکھنے سے اس کا بخار فوراً اُتر جاتا ہے تو یہ تعویذ اس کے نزدیک اکسیر سے بڑھ کر ہے۔ تعویذ یہ ہے۔



شیخ محمد عبدالسلام مصری علیہ الرحمہ نے یہ تعویذ اور بخار کے بعض دیگر تعویذات جو نہایت عجیب و غریب قسم کے ہیں ذکر کرنے کے بعد آخر میں ان الفاظ سے ان کی تردید کی ہے۔

" من عمل بشئ من هذا معتقداً أن فيه شفاءه أهلكه الله ذٰلك لانه اعتقد أن شفاءه في الكذب على الله وترك المفروض عليه من الدعاء والدواء"

(السنن والمبتدعات ۳۲۷)

" جو شخص ان میں سے کسی ایک پر یہ اعتقاد رکھتے ہوئے عمل کرے کہ اس میں شفاء ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے، کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ شفاء اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے میں اور دعاء و دواء جن کا کرنا اس پر ضروری تھا کے ترک کرنے میں ہے

مگر ہمارے نزدیک یہ بھی قرآنی تعویذ ہے۔ اس سے روکنے والے سے ہم کہیں گے کہ تم قرآن مجید سے شفا حاصل کرنے سے روکتے ہو یہ کس آیت قرآنی یا حدیث نبوی میں ہے کہ تسمیہ کے چاروں کلموں کو جدا جدا کر کے ایک خاص طریقہ سے ترتیب دینے اور ان کے چاروں طرف اور درمیان میں مذکورہ کلمات اور فلاں بن فلاں کی بجائے فلاں بن فلانہ کے لکھنے سے بخار رفع ہو جاتا ہے۔ کہیں یہ بھی تلبیسات ابلیس سے تو نہیں۔ اگر اس اختراع پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل ہے تو پیش کرو ورنہ اللہ سے ڈرو۔

یہ وہ مفاسد ہیں جو اس اصول یا قاعدہ سے غلط فائدہ اٹھانے پر منتج ہوتے ہیں۔ کہ وہ وظائف و اذکار جو شرکیہ کلمات سے مبرا ہوں۔ ان کے اپنا لینے میں کچھ قباحت نہیں۔ لہٰذا اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا " لولا حداثة قومك بالكفر لنقضت البيت ثم لبنيته على اساس ابراهيم عليه السلام " (متفق علیہ) سے مستنبط اصولی قاعدے " درء المفاسد مقدم على جلب المنافع " مفاسد کا دور کرنا منافع حاصل کرنے پر مقدم ہے۔ کے مطابق مذکورہ بالا قاعدہ پر عمل درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

مُتفرّق اذکار اور دُعائیں

سفر کی دُعاء

جب کوئی سفر کو جانے لگے۔ تو رخصت کرتے وقت مقیم سفر کرنے والے سے مصافحہ کرے اور پھر یہ دُعا پڑھے۔ اور پھر السَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ کہہ کو رخصت کر دے۔ دُعا یہ ہے۔

۷۰۲ ـــ اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِكَ۔ (نسائی۔ ابوداؤد)

سونپتا ہُوں میں اللہ کو دین تیرا اور امانت تیری (یعنی اہل وعیال اور مال) اور تیرے عمل کا خاتمہ۔

---

۷۰۲ ـــ صحیح ہے۔

اس کو نسائی نے "عمل" (۵۲۲) میں ابن خزیمہ (۲۵۳۱) اور حاکم (۹۷/۲) نے روایت کیا ہے۔

سند: الولید بن مسلم ثنا حنظلۃ بن ابی سفیان انہ سمع القاسم یقول کنت عند ابن عمر۔

یہ سند صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ مگر ولید بن مُسلم کی سعید بن خیثم ہلالی نے مخالفت کی ہے کہ انہوں نے حنظلہ سے اس حدیث کو بیان کرتے ہُوئے قاسم کی بجائے سالم بن عبداللہ بن عمر کا ذکر کیا ہے۔

سعید کی سند سے اس کو احمد (۷/۲)، ترمذی (۳۴۴۳)، نسائی (۵۲۳) اور طبرانی نے "دُعاء" (۸۲۱) میں روایت کیا ہے۔

مگر صحیح روایت ولید بن مُسلم والی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ولید، سعید سے زیادہ پختہ ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سند میں حنظلہ کے دو شیخ ہوں ملاحظہ ہو "الفتوحات الربانیۃ" (۱۱۹/۵)۔

قلت: حافظ صاحب نے جس احتمال کا اظہار کیا ہے یہ احتمال کچھ بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سعید متکلم فیہ ہے۔ اس کے بارے میں ابن عدی کا کہنا ہے کہ اس کی روایات غیر محفوظ ہیں اور خود حافظ صاحب نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی اغلاط ہیں۔ ملاحظہ ہو "کامل ابن عدی" (۱۲۴۵/۳) اور "تقریب حافظ" (۲۹۴/۱)۔

اس احتمال کے بعید ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مذکورہ سند سے اس حدیث کو روایت کرنے میں ولید بن مسلم متفرد نہیں ہیں بلکہ اس سند پر اسحاق بن سلیمان رازی نے ان کی متابعت کی ہے ملاحظہ ہو "مستدرک حاکم" (۴۴۲/۱) اور "سنن بیہقی" (۲۵۱/۵)۔

اسحاق بن سلیمان ثقہ ہیں، بخاری اور مُسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ امام حاکم نے اس سند کو بھی ولید بن مُسلم کی سند کی طرح بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

←

مقیم کے لیے مسافر کی دُعاء

سفر کرنے والا مقیم کو رخصت کرتے وقت یہ دُعاء پڑھے۔

۷۰۳ — اَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا یُخَیِّبُ اَوْلَا تَضِیْعُ وَدَائِعُهٗ۔ (طبرانی)

سونپتا ہوں میں تجھے اس خدا کو جو ناکام یا ضائع نہیں کرتا امانتوں کو۔

سوار ہونے کی دُعاء

جب سوار ہونے لگیں۔ (خواہ کوئی سواری ہو۔ گھوڑا۔ تانگہ۔ ٹرام۔ ریل۔ جہاز۔ ہوائی جہاز) تو یہ دُعاء پڑھیں۔

← اس حدیث کی مذکورہ سند کے علاوہ ابن عمر سے دوسری سندیں بھی ہیں۔ اس کو احمد (۲/ ۲۵، ۳۸، ۸۷، ۱۳۶)، ابوداؤد (۲۶۰۰) "جہاد" نسائی (۵۱۲-۵۲۱) حاکم (۲/ ۹۷) اور بیہقی (۵/ ۲۵۱) نے قزعہ کی سند سے۔

نسائی (۵۰۹-۵۱۰) ابن حبان (۲۳۷۶) اور طبرانی (۱۲/ ۳۲۸) نے مجاہد کی سند سے، ترمذی (۳۴۴۲) ابن ماجہ (۲۸۲۶) اور طبرانی (۱۲/ ۳۷۳) نے نافع کی سند سے، نسائی (۵۱۹-۵۲۱) نے ابو غالب کی سند سے اور طبرانی نے "اوسط" (۴، ۱۵۱) میں شعبی کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمر سے یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے۔ جامع ترمذی۔

مگر اس کی بعض سندوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ خصوصاً قزعہ اور مجاہد کی سند میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

۷۰۳ — حسن ہے۔

اس کو طبرانی نے "دُعاء" (۸۲۰، ۸۲۳) میں اسی طرح احمد (۲/ ۳۵۸، ۴۰۳) نسائی نے "عمل" (۵۰۸) میں ابن ماجہ (۲۸۲۵) "جہاد" اور ابن سنی (۵۰۵، ۵۰۷) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ حافظ عراقی نے "تخریج احیاء علوم الدین" (۲/ ۲۷۶) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی۔ ملاحظہ ہو "الفتوحات الربانیہ" (۵/ ۱۱۴)۔ اس کو حسن کہا ہے۔

"لا یخیب ودائعہ" یہ ابن سنی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں اور مسند احمد کی ایک روایت کے الفاظ اس سے قبل مذکور حدیث ابن عمر جیسے ہیں اور یہ ابن لہیعہ کی سند کے الفاظ ہیں۔ جب کہ یہ اسی سند سے ابن ماجہ اور ابن سنی میں بھی ہے۔ مگر ان کے یہاں وہی الفاظ ہیں جو متن میں مذکور ہیں۔ لیکن ابن ماجہ کے ہاں "لا تضیع ودائعہ" ہے اور ابن سنی کے یہاں "لا یخیب ودائعہ" ہے ان آخری الفاظ کو علامہ شوکانی نے "تحفۃ الذاکرین" (۱۹۳) میں "دعاء طبرانی" کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ یہ اس میں نہیں بلکہ ابن سنی میں ہیں۔

۷۰۴۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

سب تعریف واسطے خدا کے پاکی ہے اس ذات کو کہ تابعدار کیا ہمارے لیے اس (سواری) کو اور نہ تھے ہم طاقت پانے والے اور تحقیق ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَھْلِ۔

یا الٰہی تو یار ہے (میرا) سفر میں اور خلیفہ ہے میرے اہل میں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ۔ (حصن حصین)

یا الٰہی تحقیق میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیرے سفر کی مشقت اور بری حالت کے پھرنے سے۔

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دعاء

جب آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھیں۔ تو یہ دعا پڑھیں:

۷۰۴۔ اس کو مسلم (۹/۱۱۰۔ ۱۱۱) "حج" ابوداؤد (۲۵۹۹) "جہاد" ترمذی (۳۴۴۷)، نسائی (۵۴۸۔ عمل)، دارمی (۲/۲۸۷) عبدالرزاق (۵/۱۱۵) احمد (۲/۱۴۴، ۱۵۰) ابن خزیمہ (۲۵۴۲) ابن حبان (۶/۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴) طبرانی نے "دعاء" (۸۱۰۔ ۸۱۲) میں ابن عدی (۵/۱۸۲۶۔ ۱۸۲۷) اور بیہقی (۵/۲۵۲) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین مرتبہ "اللہ اکبر" کہتے پھر (سُبْحَانَ الَّذِیْ ۔۔۔۔) یہ آیت پڑھتے اور کہتے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَ سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ۔

یہ مکمل دعاء اس طرح سے ہے، ترمذی، دارمی اسی طرح احمد اور ابن حبان کی ایک روایت میں بھی "الخلیفة فی الاھل" کے بعد مذکورہ الفاظ کی بجائے درج ذیل الفاظ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اصْبَحْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِیْ اَھْلِنَا بِخَیْرٍ۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس دعاء کے شروع میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کے بعد جو الفاظ ذکر کیے ہیں، یہ اس حدیث میں نہیں ہیں، بلکہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں ہیں جس کو ابوداؤد (۲۶۰۲) اور ترمذی (۳۴۴۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ مگر اس حدیث میں آیت (سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ۔۔۔۔) کے بعد مذکورہ دعاء نہیں بلکہ دوسری دعاء ہے۔

۷۰۵۔ اَللّٰھُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ۔ (ابن حبان)

یا الٰہی! تو نے میری صُورت اچھی بنائی پس تو میری سیرت بھی اچھی بنا دے۔

۷۰۵۔ یہ دُعاء مُطلق دُعاء کی حد تک تو ثابت ہے مگر آئینہ دیکھنے کے وقت اس کا پڑھنا ثابت نہیں۔ اس کو ابنِ حبان (۲۴۲۳) اسی طرح ابنِ سعد (۱/۳۷۷) طیالسی (۱/۲۵۶) احمد (۱/۴۰۳) ابویعلی (۵۰۵۳، ۵۱۵۹۔ تحقیق الاثری) طبرانی نے "دعاء" (۱۴۰۷) میں اور قضاعی نے "مسند شہاب" (۱۴۷۲-۱۴۷۳) میں ابنِ مسعُود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ایک راوی عوسجہ بن رماح ہے، جسے امام دارقطنی نے شبہ مجہُول اور حافظ ابنِ حجر نے مقبول کہا ہے۔ یہ دُعاء عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے۔ جسے احمد (۶/۶۸، ۱۵۵) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ ان دونوں حدیثوں میں قطعاً یہ صراحت نہیں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعاء کو آئینہ دیکھنے کے وقت پڑھتے بلکہ ان میں مطلق طور پر یہ ذکر ہوا ہے۔ کہ آپ اس دُعاء کو پڑھا کرتے۔

ابُوشیخ نے "اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۱۴۸) میں حدیث عائشہ کو ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے اور اس میں آئینہ دیکھنے کے وقت اس دُعاء کو پڑھنے کی صراحت ہے مگر وہ سند ابان بن سفیان موصلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے کیونکہ ابان متروک ہے۔ جیسا کہ امام دارقطنی نے کہا ہے ملاحظہ ہو "ضعفاء دارقطنی" (ترجمہ ۱۰۵) ایضاً "میزان (۱/۷)

اسی طرح حدیث علی رضی اللہ عنہ میں بھی اس کو آئینہ دیکھنے کے وقت پڑھنے کی صراحت ہے، اس حدیث کو ابنِ سنی (۱۶۳) نے روایت کیا ہے اس کے شروع کے الفاظ یُوں ہیں "الحمد للّٰہ کما حسنت ....."

مگر اس حدیث کی سند بھی سخت ضعیف ہے۔ اس باب میں ابنِ عباس اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔

حدیث ابنِ عباس کو ابویعلی (۲۶۱۱) ابنِ حبان نے "مجروحین" (۳/۱۱۶) میں طبرانی نے "کبیر" (۱/۳۸۲) اور "دعاء" (۴۰۲) میں ابنِ سنی (۱۶۴) اور ابُوشیخ نے "اخلاق" (۱۴۹) میں روایت کیا ہے۔

عمرو بن حصین عقیلی اور یحییٰ بن علاء کی وجہ سے اس کی سند بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اس حدیث میں دُعاء اس طرح ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ حَسَّنَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ وَزَانَ مِنِّیْ مَاشَانَ مِنْ غَیْرِیْ۔"

حدیث انس کو ابن ابی الدنیا نے "شکر" (۱۷) میں طبرانی نے "أوسط" (۷۹۱) میں ابنِ سنی (۱۶۵) اور ابُوشیخ (۱۴۹) نے زہری کی سند سے، ابنِ حبان نے "مجروحین" (۲/۲۰۲-۲۰۳) میں غنیم بن سالم کی سند سے اور مروزی نے "زوائد زہد" (۱۱۴۷) میں آلِ انس میں سے ایک نامعلوم آدمی کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

زہری والی سند کے الفاظ یہ ہیں۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سوی خلقی فعدلہ وکرم صورۃ وجھی فحسنھا وجعلنی من المسلمین۔"

←

اوّل رات چاند دیکھنے کے وقت کی دُعاء

جب پہلی رات کا چاند (ہلال) دیکھیں۔ تو پہلے اللہ اکبر کہیں اور پھر یہ دُعا پڑھیں :

۷۰۶ ۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ۔ (ترمذی)

یا الٰہی چڑھا اس (چاند) کو ہم پر ساتھ برکت اور ایمان اور سلامتی اور اسلام کے اور توفیق دے اس چیز کی کہ تو چاہے اور اس سے راضی ہو وے اے چاند! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

← مگر یہ سند ضعیف ہے، اس سند کے بارے میں اسی طرح حدیث علی اور حدیث ابن عباس کی اسانید کے بارے میں بھی تفصیلی کلام "ارواالغلیل" (۱/۱۱۲/۴/۷) میں دیکھیں۔

غنیم والی سند کے الفاظ یوں ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ زانہ منی ما شان من غیری وھدانی للاسلام وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا ۔"

مگر یہ سند من گھڑت ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سند سے ایک نسخہ لکھا ہے جس میں اکثر حدیثیں من گھڑت ہیں۔ اور ذہبی نے کہا ہے کہ یہ غنیم بظاہر یغنم بن سالم ہے جو جھوٹ بولنے میں مشہور ہے میزان (۳/۳۳۶ - ۳۳۷، ۴/۴۵۹)۔

اس سند میں عثمان بن عبداللہ اموی بھی ہے۔ جس کی احادیث کو ابن عدی نے موضوع کہا ہے ملاحظہ ہو "کامل" (۵/۱۸۲۲) ایضاً "مجروحین" (۲/۱۰۲)۔

مروزی کی سند کے الفاظ، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ جیسے ہیں مگر اس سند میں انس رضی اللہ عنہ سے جو راوی ہے۔ وہ مجہول ہے۔ بعض روایات میں اس مجہول کا نام ثمامہ بن عبداللہ بن انس ذکر کیا گیا ہے اور یہ روایات بزار (۴/۳۱۲) اور دُعاء طبرانی (۳/۴۰۳) میں ہیں۔ ثمامہ ثقہ ہیں بخاری اور مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ لیکن بزار کی سند میں داؤد بن محبر ہے۔ جو متروک ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے اور طبرانی کی سند میں ابوبکر ہذلی اور عباس بن بکار ہے۔ عباس کو دارقطنی نے کذاب کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "ضعفاء دارقطنی" (۴۲۴) اور میزان (۲/۳۸۲)۔ اور ابوبکر ہذلی متروک ہے۔ جیسا کہ "تقریب" میں ہے بلکہ یہ متہم ہے۔ جب ان دونوں سندوں کی حالت یہ ہے تو ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس بارے میں "شکر ابن ابی دنیا" (۱۷۴) میں امام باقر سے ایک مرسل روایت بھی مروی ہے۔ اس روایت کے الفاظ بھی حدیث ابن عباس کے الفاظ جیسے ہیں مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں دو علتیں ہیں۔ ① ارسال ② انقطاع۔

۷۰۶ ـــ حسن ہے۔

اس کو ترمذی (۱۵۴۴) دارمی (۲/۳-۴) احمد (۱/۱۶۲) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۲/۱۰۹) میں عبد بن حمید نے ←

بادل گرجنے کے وقت کی دُعاء

جب بادل گرجے اور بجلی کڑکے۔ تو یہ دُعا پڑھیں:

۷۰۷ـــ اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔ (بخاری)

یا الٰہی نہ مار ہم کو اپنے غضب کے ساتھ اور نہ ہلاک کر ہم کو اپنے عذاب کے ساتھ اور عافیت دے ہم کو پہلے اس کے۔ (بخاری)

ـــــ "المنتخب من المسند" (۱۴۳) میں ابو یعلی (۶۶۱ - ۶۶۲) عقیلی (۲/۱۳۶) طبرانی نے "دعاء" (۹۰۳) میں ابن سنی (۶۴۱) ابن عدی (۳/۱۱۲۱)۔ حاکم (۴/۲۸۵) اور خطیب بغدادی (۴/۲۲۴ - ۲۲۵) نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند سلیمان بن سفیان مدنی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی طرح اس میں ایک راوی بلال بن یحییٰ بن طلحہ ہے۔ جسے حافظ ابن حجر نے "لین" کہا ہے۔ مگر یہ حدیث حسن درجے کی ہے کیونکہ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث شاہد ہے جس کو دارمی، ابن حبان (۲۳۷۴) اور طبرانی نے "معجم کبیر" (۱۲/۳۵۶) میں روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث سے مل کر حدیث طلحہ حسن درجے کی حدیث ہے۔ امام ترمذی اور حافظ ابن حجر نے بھی۔ ملاحظہ ہو "الفتوحات الربانیۃ" (۴/۲۲۹) اس کو حسن کہا ہے، حافظ صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ ترمذی نے اس کو شواہد کی بناء پر حسن قرار دیا ہے۔

تنبیہ: "والتوفیق لما تحب وترضیٰ" کے الفاظ حدیث ابن عمر میں ہیں جو دارمی وغیرہ میں ہے۔ حدیث طلحہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ لہٰذا ان الفاظ کے ساتھ اس کو ترمذی کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔

۷۰۷ـــ ضعیف ہے۔

اس کو بخاری نے "ادب مفرد" (۷۲۲) میں اسی طرح ترمذی (۳۴۵۰) نسائی نے "عمل" (۹۲۷ - ۹۲۸) میں ابن ابی شیبہ (۱۰/۲۱۶) احمد (۲/۱۰۰ - ۱۰۱) طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۳۱۸) اور "دعاء" (۹۸۱) میں ابن سنی (۳۰۳) حاکم (۴/۲۸۶) اور بیہقی (۳/۳۶۲) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کو امام حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے اور حافظ عراقی نے "تخریج احیاء علوم الدین" (۱/۳۸۶) میں اسے حسن کہا ہے۔ جب کہ امام نووی نے "اذکار" (۱۶۴) میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے صحیح بھی یہی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ابو مطر ہے جس کو حافظ ابن حجر نے مجہول کہا ہے اسی طرح خود علامہ ذہبی نے "میزان" (۴/۵۷۴) میں کہا ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ کون ہے۔

ابو مطر سے اس کو حجاج بن اَرطاۃ نے روایت کیا ہے جو بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔

تنبیہ: ابن جزری نے "تصحیح المصابیح" میں کہا ہے کہ اس کو نسائی نے "عمل" میں اور حاکم نے، روایت ←

آندھی چلنے کے وقت کی دُعاء

جب آندھی چلے۔ تو یہ دُعا پڑھیں :

۷۰۸ — اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ۔ (مسلم)

یا الٰہی! میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتا ہوں۔ اور بھلائی اُس چیز کی کہ اس میں ہے اور بھلائی اُس چیز کی کہ بھیجی گئی ہے ہوا ساتھ اس کے پناہ مانگتا ہوں میں تیری اس کی بدی سے اور بدی اس چیز کی سے کہ بھیجی گئی ہے ہوا ساتھ اس کے۔

سجدۂ قرآن کی دُعاء

۷۰۹ — سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ۔ (ترمذی)

سجدہ کیا میرے مُنہ نے واسطے اس ذات کے کہ پیدا کیا اس کو اور صورت دی اس کو اور کھولے کان اس کے اور آنکھیں اس کی ساتھ اپنی قوت اور قدرت کے۔

— کیا ہے اس کی سند جید ہے اور اس کے متعدد طرق ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حاکم نے اس کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو "فتوحات ربانیہ" (۴/۲۸۳ - ۲۸۴)۔

مگر حاکم کے یہاں اسی طرح مذکورہ تمام کتب میں بھی اس کی صرف ایک ہی سند ہے، مجھے تو اس کی کوئی دوسری سند نہیں ملی۔

بعد میں میں نے اس حدیث کو "احادیث ضعیفہ" (۱۰۴۲) میں دیکھا۔ اس میں شیخ البانی نے بھی حافظ صاحب کے مذکورہ کلام کا تعاقب کیا ہے۔

طبرانی نے "کبیر" (۱۱/۱۴۲) اور "دعاء" (۹۸۲) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تم جب بادل کو گرجتے ہوئے سُنو تو ذکر اللہ کرو، کیونکہ یہ ذکر کرنے والے کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

۷۰۸ — اس کو مسلم (۳/۱۹۶) "استسقاء" ترمذی (۳۴۴۹) نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ (۹۴۰ - ۹۴۱) میں اور بیہقی (۳/۳۶۰) نے روایت کیا ہے۔

۷۰۹ — اس دُعا کا سجدۂ نماز میں تو پڑھنا صحیح ثابت ہے۔ مگر سجدۂ قرآن میں اس کا پڑھنا صحیح سند سے ثابت نہیں، سجدۂ قرآن میں پڑھنے کے لیے ایک دوسری دُعا ہے، جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

مذکورہ دُعاء حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے جس کو ترمذی (۵۸۰، ۳۴۲۵) نسائی (۲/۲۲۲) ابن ابی شیبہ —

(۱/ ۲۴۰ - دار التاج) احمد (۶/ ۳۰ - ۳۱) ابن خزیمہ (۵۶۴) ابُو شیخ نے "طبقات" (۴/ ۲۱۵) میں دار قطنی (۱/ ۴۰۶) حاکم (۱/ ۲۲۰) بیہقی (۲/ ۳۲۵) اور بغوی (۷۰۰) نے روایت کیا ہے۔

سند: "من طرق خمسة عن خالد الحذاء عن ابی العالیه عن عائشة رضی الله عنها۔"

یہ اس حدیث کی سند ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر یہ سند معلول ہے۔ کیونکہ خالد حذاء سے اس حدیث کو اسماعیل بن علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور انہوں نے اس کو روایت کرتے ہوئے ان کے اور ابو عالیہ کے درمیان ایک نامعلوم آدمی کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ اسماعیل کی سند سے اس کو ابُو داؤد (۱۴۱۴) اسی طرح ابن ابی شیبہ، احمد (۱/ ۲۱۷) ابن خزیمہ (۵۶۵) اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند سے اس کو ابن عساکر نے بھی "تاریخ دمشق" (۱۶۹) تراجم حرف العین: عبداللہ بن جابر۔ عبداللہ بن زید) میں روایت کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں خالد حذاء اور ابو العالیہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اس حدیث کی سند اس نامعلوم راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی علت کی بناء پر اس کو ابن خزیمہ نے ضعیف کہا ہے "صحیح ابن خزیمہ" (۱/ ۲۸۳ - ۲۸۴)۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ دار قطنی نے اس حدیث کی سند میں اختلاف ذکر کیا ہے اور اسماعیل والی روایت کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "الفتوحات الربانیہ" (۲/ ۲۷۹)۔

قلت: اسماعیل والی روایت کو اگر صحیح تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ خالد کا ابوالعالیہ سے سماع نہیں، جیسا کہ امام احمد نے کہا ہے۔

حافظ ابن حجر ان کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے بھی کچھ اسی قسم کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ "تہذیب التہذیب" (۳/ ۱۰۵)۔

حافظ صاحب نے امام ابن خزیمہ کے جس کلام کی طرف اشارہ کیا ہے غالباً اس سے ان کی مراد وہی کلام ہے جو انہوں نے (ابن خزیمہ نے) اس حدیث کے بارے میں کیا ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث علی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو سجدہ نماز میں پڑھتے اس حدیث کی مفصل تخریج حدیث (۳۷۸) میں ملاحظہ کریں۔

اس حدیث میں اس دعا کے شروع میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہے۔ اسی طرح اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے "وتبارك الله احسن الخالقين"

ان الفاظ کا اضافہ حاکم اور بیہقی کے یہاں مذکورہ حدیث عائشہ میں بھی ہے

حافظ ابن حجر نے مذکورہ حدیث علی کی بناء پر حدیث عائشہ کو حسن کہا ہے۔ جیسا کہ ابن علان نے "فتوحات ربانیہ" (۲/ ۲۷۹) میں نقل کیا ہے۔

گھر سے نکلنے کی دُعاء

۷۱۰ ـــ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ؕ (ابوداؤد)

شروع اللہ کے نام سے نہیں طاقت پھیرنے کی گناہ سے اور نہ قوت نیکی کرنے کی مگر ساتھ توفیق اللہ تعالیٰ کے۔

ـــــــــ امام ابن ماجہ نے حدیث علی رضی اللہ عنہ کو باب "سجود القرآن" (۱۰۵۴) میں ذکر کیا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۳۸۰) میں ایک مرسل روایت سے بھی حدیث عائشہ کی تائید ہو سکتی ہے۔ جب کہ وہ مرسل صحیح ہو۔ مگر وہ صحیح نہیں، اس میں ارسال کے علاوہ ایک دوسری علت بھی ہے۔

اور سجدہ تلاوت میں پڑھنے کے لیے جس دوسری دُعا کا ذکر ہوا ہے۔ وہ دُعا یہ ہے "اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ"۔

اس کو ترمذی (۵۷۹، ۳۴۲۴) ابن ماجہ (۱۰۵۳) ابن خزیمہ (۵۶۲ - ۵۶۳) عقیلی (۱/۴۳۴) ابن حبان (۶۹۱) اور حاکم (۱/۲۱۹-۲۲۰) وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی، نووی نے "اذکار" (۵۷۵۵) میں اور حافظ ابن حجر نے۔ جیسا کہ "فتوحات ربانیہ" (۲/۲۷۶) میں ہے۔ اس کو حسن کہا ہے۔

امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور شیخ احمد شاکر نے بھی "تحقیق ترمذی" (۲/۴۷۴) میں اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر یہ حدیث اپنے بعض شواہد کی بناء پر حسن درجے کی ہے ان شواہد کو "التبیان فی سجدات القرآن" لعبد العزیز بن محمد (۴۴-۴۶) میں دیکھا جائے۔

۷۱۰ ـــ حسن ہے۔

اس کو ابوداؤد (۵۰۹۵) "ادب" ترمذی (۳۴۲۶) "دعوات" نسائی نے "عمل" (۸۹) میں ابن ابی الدنیا نے "توکل" (۲۱) میں ابن حبان (۲/۱۰۴ - الاحسان، ۲۳۷۵ زوائد) طبرانی نے "دُعاء" (۴۰۷) میں اور ابن سنی (۱۷۸) نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سند: "حجاج بن محمد ویحییٰ بن سعید الاموی کلاھما عن ابن جریج عن اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ عن انس"۔

اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر یہ ضعیف ہے کیونکہ ابن جریج مدلس ہیں اور انہوں نے اس کو لفظ "عن" سے روایت کیا ہے۔ بلکہ ابن جریج نے اس کو اسحاق بن عبد اللہ سے نہیں سُنا ہے۔ جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

تنبیہ: زوائد ابن حبان میں ابن جریج نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ جب کہ "احسان" میں اور اسی طرح مذکورہ تمام کتب میں ان کی روایت لفظ "عن" سے ہے۔ ـــــــ

گھر میں داخل ہونے کی دُعاء

۱۷۰۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا۔ (النسائی)

یا الٰہی میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی گھر میں آنے کی۔ اور بھلائی نکلنے کی۔ ساتھ نام اللہ کے داخل ہوئے ہم اور ساتھ نام اللہ کے نکلے ہم۔ اور اوپر اللہ پروردگار اپنے کے بھروسہ کیا ہم نے۔

۔۔۔۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور حافظ ابن حبان نے صحیح کہا ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے راوی "صحیح" کے راوی ہیں اسی لیے ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر ان پر اس کی علت مخفی رہی ہے، بخاری نے کہا ہے۔ ابن جریج کی اسحاق سے مجھے یہی ایک روایت معلوم ہے، ابن جریج کا اسحاق سے مجھے سماع معلوم نہیں۔

دارقطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن جریج سے عبدالمجید بن عبدالعزیز نے بھی روایت کیا ہے اور اس طریق میں ابن جریج نے یوں کہا ہے "حدثت عن اسحاق" (یہ حدیث مجھے اسحاق کے حوالے سے بیان کی گئی ہے) اور عبدالمجید، ابن جریج سے روایت کرنے والوں میں سب سے پختہ ہیں۔

دارقطنی کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے عون بن عبداللہ بن عتبہ کی حدیث سے اس کا شاہد ملا ہے جس کی سند قوی ہے مگر مُرسل ہے۔

ملاحظہ ہو "الفتوحات الربانیہ" (۱/ ۳۳۵-۳۳۶)

قلت: اس کا بہترین شاہد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی موصول حدیث ہے، جس کو ابن ماجہ (۳۸۸۶) اور طبرانی نے "دعاء" (۴۰۹) میں أعرج کی سند سے، بخاری نے "أدب مفرد" (۱۲۰۲) میں ابن ابی الدنیا نے "توکل" (۲۴) میں طبرانی نے "دعاء" (۴۰۶) میں ابن سنی (۱۷۷) حاکم (۱/ ۵۱۹) اور ابن ماجہ نے بھی ابوصالح کی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

أعرج والی سند میں ہارون بن ہارون ایک راوی ہے جو ضعیف ہے اور ابُوصالح کی سند میں عبداللہ بن حسین بن عطا ہے، جس کو ابُو زرعہ، بخاری اور ابن حبان نے ضعیف کہا ہے۔ دیکھیں "مصباح الزجاجہ" (۵۹ ۱۳۶۰،۱/)۔

یہ حدیث اپنی دونوں سندوں سے مل کر حدیثِ انس کے لیے بہترین شاہد ہے۔ امام حاکم نے ابوصالح والی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے جب کہ اس کی سند نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی مُسلم کی شرط پر ہے اسی لیے حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کی تضعیف کی گئی ہے اور درست یہ ہے کہ یہ اپنے شواہد کی بناء پر حسن درجے کی ہے۔ ملاحظہ ہو "فتوحات ربانیہ" (۱/ ۳۳۷)۔

۱۷۱۔ ضعیف ہے۔ ←

رات کو سونے کے وقت کی دُعاء

جب رات کو سونے کے وقت بستر پر آئیں تو یہ دُعا پڑھیں:

۷۱۲۔ بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهُ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ۔ (ابوداؤد)

ساتھ نام تیرے کے اے رب میرے میں نے (بستر پر) اپنا پہلو رکھا، اور تیری مدد سے اس کو اٹھاؤں گا اگر قبض کرے تو جان میری (نیند میں)، تو بخش دے اس کو اور اگر تو اس کو (زندہ) چھوڑ دے۔ پس نگہبانی کر اس کی ساتھ اس چیز کے کہ نگہبانی کرتا ہے تو اس سے اپنے نیک بندوں کی۔

بے خوابی کے لیے دُعاء

بعض اوقات ہم رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں۔ تو نیند نہیں آتی۔ کروٹیں لیتے تھک جاتے ہیں، لیکن آنکھ نہیں لگتی۔ اور طبیعت بہت بے چین ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں یہ دُعاء سکھائی ہے۔

۷۱۱۔ اس کو ابوداؤد (۵۰۹۶) "أدب" اور طبرانی نے "کبیر" (۳۴۶۳) میں شریح بن عبید حضرمی کی سند سے ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مگر شریح کی ابومالک سے روایت مرسل ہے۔ جیسا کہ ابوحاتم نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "مراسیل ابن ابی حاتم" (ص ۹۰ ترجمہ ۱۴۲)۔

ایضاً "تہذیب التہذیب" (۴/۲۸۹)۔

اسی لیے طبرانی کبیر کے محقق شیخ حمدی عبدالحمید نے کہا ہے کہ شریح کا اگر ابومالک سے سماع صحیح ہے تو یہ حدیث صحیح ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب کہ یہ نسائی میں نہیں بلکہ ابوداؤد میں ہے مزی نے "اطراف" (۹/۲۸۱/۱۲۱۵۸) میں اس کو صرف ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔

۷۱۲۔ اس کو ابوداؤد (۵۰۵۰) اسی طرح بخاری (۶۳۲۰) مسلم (۱۷/۳۷) ترمذی (۳۴۰۱) نسائی نے "عمل" (۷۹۱-۷۹۳) میں اور ابن ماجہ (۳۸۷۴) وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب کہ یہ بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔

۷۱۳۔ اَللّٰھُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَھَدَءَتِ الْعُیُوْنُ وَاَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ اِھْدِءْ لَیْلِیْ وَاَنِمْ عَیْنِیْ۔

(حصن حصین)

الٰہی غروب ہوئے تارے اور آرام پکڑا آنکھوں نے اور تو ہمیشہ زندہ ہے۔ سب کا تھامنے والا نہیں آتی تجھ کو اُونگھ اور نہ نیند اے ہمیشہ زندہ اور سب کے تھامنے والے آرام دے میری رات کو اور سلا دے میری آنکھ کو۔

سو کر جاگنے کے وقت کی دُعاء

۷۱۴۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔

سب تعریف اللہ کو جس نے زندہ کیا ہم کو بعد اس کے کہ مارا ہم کو (نیند میں) اور اسی کی طرف ہے جی اُٹھنا۔

نیا کپڑا پہننے کی دُعاء

۷۱۵۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ۔

(ترمذی)

سب تعریف اللہ کے لیے جس نے پہنائی مجھ کو وہ چیز کہ ڈھانپتا ہوں میں ساتھ اس کے ستر اپنا اور زینت کرتا ہوں میں ساتھ اس کے زندگی اپنی میں۔

۷۱۳۔ سخت ضعیف ہے۔

اس کو ابن حبان نے "مجروحین" (۲/۲۸۰) میں طبرانی نے "کبیر" (۵/۱۲۴) میں ابن سنی (۷۴۹) اور ابن عدی (۵/۱۷۹۹) نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی سند عمرو بن حصین عقیلی کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ متروک ہے۔

۷۱۴۔ اس کو بخاری نے "صحیح" (۶۳۱۲، ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴) اور "ادب مفرد" (۱۲۱۰) میں ابوداؤد (۵۰۴۹) ترمذی (۳۴۱۷) نسائی نے "عمل" (۸۵۶ - ۸۵۹) میں اور ابن ماجہ (۳۸۸۰) نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بخاری (۶۳۲۵) اور نسائی (۸۶۰) میں یہ دُعاء ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے دیکھیں "فتح الباری" (۱۱/۱۲۰)۔

۷۱۵۔ حسن درجے کی ہے۔

اس کو ترمذی (۳۵۶۰) ابن ماجہ (۳۵۵۷) ابن ابی شیبہ (۶/۹۵- دار التاج) احمد (۱/۴۴) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۱۸) میں اور ابن سنی (۲۷۲) نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ←

(بقیہ حاشیہ از ص) یہ سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں اُبو علاء شامی ہے جو مجہول ہے۔ جیسا کہ امام دارقطنی نے "علل" (۲/۱۳۷/۱۶۰) میں اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۲/۴۵۸) میں کہا ہے۔

مگر یہ حدیث تقریباً حسن درجے کی ہے کیونکہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے۔ نیز اس کے دو شاہد بھی ہیں۔

اُبو امامہ سے دوسری سند سے اس کو عبداللہ بن مبارک نے "مسند" (۲۲) میں ابن ابی دُنیا نے "شکر" (۴) میں طبرانی نے "دُعاء" (۳۹۳) میں اور حاکم (۴/۱۹۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبیداللہ بن زحر اور علی بن یزید الہانی ہیں۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

اس کے شواہد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موصول حدیث اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی مرسل روایت ہے۔

حدیث علی کو احمد نے "مسند" (۱/۱۵۷-۱۵۸) اور "فضائل صحابہ" (۱۲۱۵) میں عبداللہ بن احمد نے "زوائد مسند" (۱/۱۵۷) اور "زوائد فضائل" (۱۲۱۴) میں عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۹۶) میں ابویعلی (۲۹۵، ۳۲۷) اور طبرانی نے "دُعاء" (۳۹۴-۳۹۵) میں مختلف تین سندوں سے از اُبو مطر از علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ اور یہ سند بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اُبو مطر مجہول ہے۔ جیسا کہ اُبو حاتم نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو "جرح وتعدیل" (۹/۴۴۵) اور "تعجیل المنفعۃ" (۵۲۰)۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی مُرسل روایت کو ابن ابی شیبہ (۸/۹۵) اور ابن سعد (۳/۴۶۰) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے اور یہ سئی الحفظ ہیں۔

اس باب میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے دو حدیثیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو ابوداؤد (۴۰۲۳) اور اُبو یعلی (۱۴۸۸، ۱۴۹۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں کپڑا پہننے کی دُعا یوں ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ"

اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حسن کہا ہے "فتوحاتِ ربانیہ" (۱/۳۰۰)۔

۲۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کو ابوداؤد، ترمذی (۱۷۶۷) اور ابن حبان (۱۴۴۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس میں دُعا یوں ہے۔ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِیْهِ اَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِهٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ"

اس کو ترمذی، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور نووی نے "اذکار" (۲۲) میں صحیح کہا ہے اور ابن حجر نے اس کو بھی حسن ہی کہا ہے۔ "فتوحاتِ ربانیہ" (۱/۳۰۴)۔

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کپڑا پہنتے اس کا نام لیتے پھر یہ دُعا پڑھتے

کھانا شروع کرنے کی دُعاء

۷۱۶ — کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں۔ پھر جب کھانا شروع کریں۔ تو یہ پڑھیں:

بِسْمِ اللّٰہِ ط

شروع ساتھ نام اللہ کے۔

ملاحظہ: اگر کھانے کے شروع میں بسم اللہ بھول جائیں۔ اور کھانے کے دوران میں یاد آجائے۔ تو اس طرح پڑھ لیں۔

۷۱۷ — بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ ط

---

۷۱۶ — کھانے سے قبل "بِسْمِ اللّٰہِ" کہنے کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ مثلاً۔

بخاری (۵۴۷۶) اور مسلم (۱۹۳/۱۳) میں عمرو بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"یاغلام سم اللّٰہ وکل بیمینك وکل مما یلیك"

بچے اللہ کا نام لو، اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔"

یہ حدیث طبرانی کی "معجم کبیر" (۱۴/۹) اور "دعاء" (۸۸۶) میں بھی ہے اور اس میں اس کے الفاظ یوں ہیں۔ "یاغلام اذا اکلت فقل: بسم اللّٰہ" بچے جب کھانا کھاؤ تو "بسم اللہ" کہو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت صرف "بسم اللہ" کہا جائے اور یہ روایت صحیح ہے۔

اس موضوع کی دیگر احادیث میں بھی صرف "بِسْمِ اللّٰہ" کا ذکر ملتا ہے، لہٰذا سُنت طریقہ یہی ہے کہ صرف "بسم اللّٰہ" کہا جائے اس کے بعد "الرحمٰن الرحیم" کا اضافہ نہ کیا جائے اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے میرا رسالہ "تسمیہ مسنونہ" دیکھا جائے۔

تنبیہ: مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ نے "عون المعبود" میں ایک طویل بحث میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ "بِسْمِ اللّٰہ" کے بعد "الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کا اضافہ بھی کیا جائے، اس پر انہوں نے جو دلائل دیئے ہیں "پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دعائیں" کی مفصل تخریج میں میں نے ان کا رد کیا ہے، اس کے بعد مذکورہ رسالے "تسمیہ مسنونہ" میں بھی ان کا رد کیا ہے۔

۷۱۷ — صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے، تفصیل کے لیے رسالہ "تسمیہ مسنونہ" دیکھا جائے۔

کھانے سے فارغ ہو کر پڑھنے کی دُعاء

۷۱۸۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا۔

سب تعریف ثابت ہے اللہ کے لیے، تعریف بہت پاکیزہ، بابرکت نہ کفایت کی گئی اور نہ چھوڑی گئی اور نہ بے پروائی کی گئی اس سے، اے پروردگار ہمارے ہماری حمد قبول کر۔

۷۱۹۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (حصن حصین)

سب تعریف اللہ کو جس نے کھلایا ہم کو اور پلایا ہم کو اور کیا ہم کو مسلمانوں سے۔

۷۱۸۔ اس کو بخاری (۵۴۵۸۔ ۵۴۵۹) ابوداؤد (۳۸۴۹) ترمذی (۳۴۵۶) نسائی نے "عمل" (۲۸۳۔ ۲۸۴) میں ابن ماجہ (۳۲۸۴) وغیرہ نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۷۱۹۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۳۸۵۰) ترمذی (۳۴۵۷) نسائی نے "عمل" (۲۸۸۔ ۲۹۰) میں ابن ماجہ (۳۲۸۳) ابن ابی شیبہ (۱۳۸/۵، ۱۳۹، ۲/۶۔ دار التاج) "عقیقہ ودعاء" احمد (۲۲/۳، ۹۸) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۳۵۳/۱۔ ۳۵۴) میں طبرانی نے "دعاء" (۸۹۸) میں ابن سنی (۴۶) اور ابوشیخ نے اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم " (۱۸۸) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کو حافظ ابن حجر نے تو حسن کہا ہے۔ جیسا کہ "فتوحات ربانیہ" (۲۲۹/۵) میں ہے۔ مگر یہ حسن درجے کی نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں اضطراب پایا جاتا ہے "تہذیب" میں خود حافظ صاحب نے بھی اس اضطراب کا ذکر کیا ہے۔

اسی لیے علامہ ذہبی نے "میزان" (۲۲۸/۱) میں اور شیخ البانی نے "تخریج الکلم الطیب" (ص ۱۰۲) اور "تحقیق مشکاۃ" (۱۲۱۶/۲) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

اضطراب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تہذیب الکمال" للمزی (۱۴/۳-۴۲، ۹۱-۹۲، ۲۵۹/۹) اور "تہذیب التہذیب" (۲۴۶/۱، ۲۵۹، ۲۵۹/۳۔ ترجمۃ اسماعیل بن آبل ادریس، اسماعیل بن ریاح اور ریاح بن عبیدہ)۔

اس اضطراب کا ذکر امام بخاری نے بھی کیا ہے اسی لیے حافظ منذری نے "مختصر سنن" (۲۴۴/۵) میں کہا ہے کہ اس حدیث کو بخاری نے "تاریخ کبیر" میں ذکر کیا ہے اور راویوں کے اختلاف کو بیان کیا ہے۔

فائدہ مذکورہ دُعاء کی بجائے کھانے یا پینے کے بعد درج ذیل دُعا پڑھی جائے کیونکہ یہ بسند صحیح ثابت ہے اس کو نووی، ابن حبان اور ابن حجر نے بھی صحیح کہا ہے دُعا یہ ہے۔ ←

دُودھ پینے کی دُعاء

دُودھ خدا کی بڑی عجیب نعمت ہے اِسے پی کر یہ دُعا پڑھنی چاہیئے:

۷۰۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (ابوداؤد)۔

اے اللہ! تو ہمارے لیے اس میں برکت دے اور اس سے زیادہ دے۔

← "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَ وَسَقٰى وَسَوَّغَهُ وَجَعَلَ لَهُ مَخْرَجًا"

"تمام تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے کھلایا، پلایا اور حلق کے راستے بسہولت اُتارا اور اس کے (فضلے کے) نکلنے کا راستہ بنایا۔"

اس کو ابوداؤد (۳۸۵۱) نسائی نے "عمل" (۲۸۵) میں اور ابنِ حبان (۱۳۵۱) وغیرہ نے ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج میں نے "پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دُعائیں" کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۸۶)۔

اس دُعا کا مذکورہ ترجمہ اسی کتاب سے منقول ہے۔

۷۰ ب ۔۔۔ ضعیف ہے۔

اس کو ابوداؤد (۳۷۳۰) "أشربہ" ترمذی (۳۴۵۵) "دعوات" نسائی نے "عمل" (۲۸۶ - ۲۸۷) میں ابن سنی (۴۷۵) اور ابوالشیخ نے "اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۱۹۷) میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عمر بن حرملہ اور علی بن زید بن جدعان ہیں عمر مجہول ہیں اور علی ضعیف ہیں، منذری نے بھی "مختصر سنن" (۵/۲۸۷) میں اس کی یہی دو علتیں بیان کی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوُا کہ حافظ ابنِ حجر کا اس حدیث کو حسن کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود "تقریب" میں علی بن زید کو ضعیف اور عمر بن حرملہ کو مجہول کہا ہے۔

اذکار کی تخریج میں انہوں نے اس حدیث کو متعدد کتب کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان تمام کتب میں اس حدیث کا دارومدار علی بن زید بن جدعان پر ہے اور انہوں نے یہ حدیث عمر بن حرملہ سے روایت کی ہے ملاحظہ ہو "فتوحات ربانیہ" (۵/۲۳۶)۔

اس حدیث کا دارومدار جب انہی دو راویوں پر ہے تو پھر یہ حسن کیونکر ہوگی۔

ہاں یہ حدیث حسن درجے کی ہے، کیونکہ ابن ماجہ (۳۳۲۲) اور فوائد ابوعبداللہ قرشی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی ایک دوسری سند بھی ہے تفصیل "احادیث صحیحہ" (۲۳۲۰) میں دیکھیں۔

مسلم (۵۱/۱۷) "الذکر والدعاء" اور ترمذی (۱۸۱۶) میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر خوش ہوتا ہے جو کھانے کے بعد اور پینے کے بعد اس کی حمد کرتا ہے۔ ←

مصافحہ کی دُعاء

مصافحہ کرتے وقت یہ دُعا پڑھیں:

۷۲۱ — يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ۔ (مشکوٰۃ)

اللہ ہمارے اور تمہارے گناہ معاف کردے۔

—— اس حدیث کے پیشِ نظر دُودھ اور پانی وغیرہ کے پینے کے بعد وہی دُعا پڑھی جائے جو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کا ذکر حدیث (۷۱۹) کی تخریج میں ہوا ہے۔

۷۲۱ — ضعیف ہے۔

یہ حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ میں ہے۔ جس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو مسلمان بھائی جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس سے استغفار کرتے ہیں تو انہیں معاف کردیا جاتا ہے۔

اس کو طیالسی (۱/۳۶۳) بخاری نے "تاریخ کبیر" (۲/۳۹۶-۳۹۷) میں ابوداؤد (۵۲۱۱) ابویعلی (۱۶۷۳) ابن سنی (۱۹۳) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۰/۸۰-۸۱) میں روایت کیا ہے۔

سند: "ابوعوانه وهشيم كلاهما عن ابى بلج عن زيد ابى الحكم عن البراء"

یہ ضعف ہے کیونکہ زید جو ابن ابی شعثاء ہے اس سے صرف ابوبلج نے روایت کی ہے اور ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے اس کی توثیق بھی نہیں کی اسی لیے حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں اس کو مقبول کہا ہے۔ یعنی متابعت کی صورت میں۔

اس میں ایک دوسری علت بھی ہے وہ یہ کہ ابوعوانہ اور ہشیم کی طرح زہیر بن معاویہ نے بھی ابوبلج سے اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر انہوں نے ابوالحکم اور براء بن عازب کے درمیان ابوبحر کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ پہلی سند میں انقطاع بھی ہے۔ زہیر کی سند سے اس کو احمد (۴/۲۹۳-۲۹۴) نے روایت کیا ہے۔

ابوبحر مجہول ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تعجيل المنفعة" (۴۶۷-۴۶۸) میں امام ابوحاتم سے نقل کیا ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تین اور سندیں بھی ہیں، مگر ان سندوں کا سیاق یہ ہے "دو مسلمان بھائی جب آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو انہیں ایک دوسرے سے جدا ہونے سے قبل معاف کردیا جاتا ہے۔"

اس کو ابوداؤد (۵۲۱۲) ترمذی (۲۷۲۷) ابن ماجہ (۳۷۰۳) ابن ابی شیبہ (۵/۲۴۶ - دارالتاج) اور احمد (۴/۲۸۹، ۳۰۳) نے۔ اسی طرح ابوالشیخ نے بھی "طبقات" (۴/۱۵۶) میں ابواسحاق کی سند سے، احمد (۴/۲۸۹) اور طبرانی نے "أوسط" (۵۲۱) میں ابوداؤد اعمی کی سند سے اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۷/۱۰۹) میں ربیع بن لوط کی سند سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ——

روزہ افطار کرنے کی دُعاء

روزہ افطار کرتے وقت یہ دُعائیں پڑھیں۔

۷۲۲ ـ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ ؎ (ابوداؤد)۔

"اے اللہ! تیری رضا کی خاطر میں نے روزہ رکھا اور تیرے دیئے ہوئے رزق پر میں نے افطار کیا۔

۷۲۳ ـ ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ ؎ (ابوداؤد)

پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہو گئیں اور ثابت ہوا ثواب اگر چاہا خدا نے۔

ـــــــ اس کی ابو اسحاق اور ربیع بن لُوط والی سند ضعیف ہے اور ابو داؤد والی سند سخت ضعیف ہے۔ مگر اس کے بعض شواہد بھی ہیں، جن کی بنا پر اس سیاق سے اس حدیث کو حسن کہا جا سکتا ہے، بلکہ شیخ البانی نے اس کو حسن کہا ہے، ملاحظہ ہو "صحیح الجامع" (۵۶۵۲-۵۶۵۳-۵۶۵۴)، اور "أحادیث صحیحہ" (۵۲۵)۔

اور اس کے شواہد کے لیے "ترغیب و ترہیب" (۳/۴۲۲، ۴۳۳، ۴۴۴) دیکھیں۔

۷۲۲ ـــ ضعیف ہے۔

اس کو ابو داؤد نے "سنن" (۲۳۵۸) اور "مراسیل" (۱۰۸) میں عبد اللہ بن مبارک نے "زہد" (۱۴۱۰) میں ابن صاعد نے "زوائد زہد" (۱۴۱۱) میں ابن ابی شیبہ (۳/۱۰۰) اور بیہقی (۴/۲۳۹) نے معاذ بن زہرہ سے روایت کیا ہے۔

یہ روایت مرسل ہے کیونکہ معاذ تابعی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس میں دو تین علتیں ہیں جن میں سے ایک علت اس کی سند اور متن میں اختلاف بھی ہے جس کی وضاحت میں نے "الاعتصام" میں چھپنے والے ایک مضمون میں کی ہے۔

اس دُعاء کے بارے میں انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی موصول حدیثیں بھی ہیں۔ مگر ان دونوں ہی حدیثوں کی سندیں انتہائی ضعیف ہیں لہٰذا ان سے معاذ بن زہرہ کی مرسل روایت کو تقویت نہیں پہنچتی۔

حدیث انس کو طبرانی نے "صغیر" (۲/۵۱-۵۲) اور "دعاء" (۹۱۸) میں اور ابو نعیم نے "اخبار أصبہان" (۲/۲۱۷-۲۱۸) میں روایت کیا ہے۔

حدیث ابن عباس کو طبرانی نے "کبیر" (۱۲/۱۴۶) میں، ابن سنی (۴۸۰) اور دار قطنی (۲/۱۸۵) نے روایت کیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کی سندوں کے بارے میں تفصیل کے لیے "ارواء الغلیل" (۴/۳۶-۹۱۹) دیکھی جا سکتی ہے مگر معاذ بن زہرہ کی مرسل روایت کے بارے میں اگر ممکن ہو تو "الإعتصام" جلد ۴۲ شمارہ ۳۴، ۲۴/۸/۱۹۹۰ ص (۱۴-۱۵) دیکھیں۔

۷۲۳ ـــ حسن ہے۔

اس کو ابو داؤد (۲۳۵۰)، نسائی نے "عمل" (۲۹۹) میں ابن سنی (۴۷۹)، دار قطنی (۲/۱۸۵) حاکم (۱/۴۲۲) ←

نظرِ بد لگ جانے کی دُعاء

نظر لگ جانا درست ہے، اگر کسی کو نظر لگ جائے تو اس پر یہ دُعا پڑھیں۔

۷۲۴ ـ اُعِیْذُکَ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَآمَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَآمَّۃٍ۔

پناہ دیتا ہُوں میں تجھ کو اللہ کے پُورے کلمات کی ہر شیطان کی بُرائی سے اور ہر موذی جانوروں کی بُرائی سے اور ہر نظر والی آنکھ کی بُرائی سے۔

تھکاوٹ دور کرنے کی دُعاء

۷۲۵ ـ حضرت فاطمہؓ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دن بھر کے کام کاج کے باعث تھکاوٹ کی شکایت کی حضورؐ نے فرمایا۔ اے فاطمہؓ! رات کو سوتے وقت یہ پڑھا کرو۔ دھکن دُور ہو جائے گی)

سُبْحَانَ اللّٰہِ	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	اَللّٰہُ اَکْبَرُ
۳۳ بار	۳۳ بار	۳۴ بار (بخاری)

اور بیہقی (۲۳۹/۴) نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، دارقطنی، ابن حجر۔ فتوحات ربانیہ (۳۳۹/۴)۔ اور البانی نے "ارواء الغلیل" (۹۲/۴/۴۹) میں اس کو حسن کہا ہے۔

۷۲۴ ـ اس کو بخاری (۲۳/۷) انبیاء رباب (۱۰) ابوداؤد (۴، ۲۵) "سُنہ" ترمذی (۲۰۶۰) طب، ابن ماجہ (۳۵۲۵) "طب" نسائی نے "عمل" (۱۰۰۶-۱۰۰۷) میں احمد (۲۳۶/۱، ۲۷۰) دارمی نے "الرد علی الجہمیہ" (۳۱۶) میں طحاوی نے "مشکل" (۷/۲/۴) میں طبرانی نے "کبیر" (۴۴۸/۱۱) میں ابنِ سنی (۶۳۴) حاکم (۱۲۷/۳) بیہقی نے "اسماء وصفات" (۲۲۹) اور "آداب" (۸۵۶) میں اور بغوی (۱۴۱/۷) نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

یہ دعاء حدیث ابن مسعود اور حدیث علی بن ابی طالب میں بھی ہے دیکھیں "معجم کبیر" (۸۷/۱۰) اور "مجمع الزوائد" (۱۱۶/۵)۔

۷۲۵ ـ اس کو بخاری (۳۱۱۳، ۳۷۰۵، ۵۳۶۱، ۵۳۶۲ - ۶۳۱۸) "فرض الخمس، فضائل الصحابہ، النفقات، الدعوات" مُسلم (۴۵/۱۷) "الذکر" ابوداؤد (۵۰۶۲ - ۵۰۶۴) "الادب" ترمذی (۳۴۰۸ - ۳۴۰۹) "الدعوات" نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" (۸۱۴ - ۸۱۶) میں اور احمد (۹۵/۱ - ۹۶، ۱۰۶-۱۰۷، ۱۲۳، ۱۳۶، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷) وغیرہ نے مختلف طرق سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ڈر کے وقت کی دُعاء

اگر کوئی سوتے یا جاگتے وقت ڈرے۔ تو اس کو یہ دُعا پڑھنی چاہیئے کوئی چیز ایذاء نہیں دے گی۔ ان شاء اللہ

۷۲۶ ۔ اَعُوْذُ بِكَلِمٰتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۔ (ابوداؤد)

مَیں پناہ مانگتا ہُوں اللہ کے پُورے کلمات کی اس کے غضب سے اور اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کی بُرائی سے اور شیطانوں کے وسوسوں سے اور ان کے حاضر ہونے سے۔

---

۷۲۶ ۔ حسن ہے۔

اس کو ابوداؤد (۳۸۹۳) طب، ترمذی (۳۵۲۸) دعوات، نسائی نے "عمل" (۷۶۵ - ۷۶۶) میں ابن ابی شیبہ (۶/۸۰ - دار التاج) احمد (۲/۱۸۱) دارمی نے "الرد علی الجہمیۃ" (۳۱۴ - ۳۱۵) اسماعیلی نے "معجم" (۱/۴۶۲) میں طبرانی نے "دعاء" (۱۰۸۶) میں ابن سنی (۷۴۸) حاکم (۱/۵۴۸) اور بیہقی نے "اسماء و صفات" (۲۴۱) اور "آداب" (۵۴۳) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سند: محمد بن اسحاق عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔

اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر محمد بن اسحاق مدلس ہیں اور انہوں نے مذکورہ تمام کتب میں اس حدیث کو لفظ "عن" سے روایت کیا ہے۔

خطیب بغدادی نے "موضح" (۲/۳۹۴) میں اس کو یحییٰ بن سعید انصاری کی سند سے بھی عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے۔ لیکن یہ سند ضعیف ہے نیز اس سند سے اس حدیث کا سیاق دوسرا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا پڑھتے، جب کہ ابن اسحاق کی سند میں ہے کہ آپ نے نیند میں ڈر کے لیے اس دُعاء کی تعلیم دی اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند میں ڈرنے کی شکایت کی تو آپ نے انہیں اس دُعاء کی تعلیم دی۔

یہ حدیث حسن درجے کی ہے کیونکہ بعض مُرسل روایات اس کی مؤید ہیں۔

۱۔ محمد بن یحییٰ بن حبان کی مرسل حدیث۔

ابن ابی شیبہ (۵/۵۰، ۶/۸۰ - دار التاج) اور بیہقی نے "اسماء و صفات (۲۴۱) میں محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت کی ہے کہ ولید بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند میں ڈرنے کی شکایت کی تو آپ نے ان کو اس دُعا کے پڑھنے کی تعلیم دی۔

یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کہا ہے۔ کیونکہ محمد بن یحییٰ بن حبان تابعی ہیں، جیسا کہ امام نووی نے "أذکار" (۹۱) میں کہا ہے۔

مسند احمد (۴/۵۷، ۶/۶) اور ابن سنی (۶۳۸) میں محمد بن یحییٰ بن حبان نے اس قصے کو ولید بن ولید رضی اللہ عنہ ←

مریض کی شفاء کی دُعاء

مریض کے پاس اس دُعاء کو پڑھیں۔ اور اس پر اپنا دایاں ہاتھ پھیر دیں۔

۷۲۷ — اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔ (بخاری)

دور کر دے تکلیف کو۔ پروردگار سب لوگوں کے شفاء دے۔ تو ہی شفاء دینے والا ہے۔ نہیں ہے شفاء کہیں بھی، سوائے

← سے بھی روایت کیا ہے۔

مگر یہ روایت بھی مُرسل ہے کیونکہ محمد بن یحییٰ نے ولید بن ولید کا زمانہ نہیں پایا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے اسی لیے انہوں نے اس روایت کو منقطع کہا ہے ملاحظہ ہو "اِصابہ" (۶۰۴/۳)۔

جب کہ حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ کا ولید بن ولید سے سماع نہیں ہے "مجمع الزوائد" (۱۲۶/۱۰)۔

اس تفصیل سے معلوم ہُوا کہ یہ مُرسل روایت ہے لیکن اس مُرسل کی سند صحیح ہے حافظ ابن حجر نے بھی اس کو صحیح کہا ہے ملاحظہ ہو۔ "فتوحات ربانیہ" (۱۷۹/۳)۔

تنبیہ: ابن سنی کی ایک روایت میں۔ ملاحظہ ہو حدیث (۶۵۰) ولید بن ولید رضی اللہ عنہ کی بجائے ان کے بھائی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے یہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے ایوب بن موسیٰ کی روایت میں ہے اور پہلی روایت۔ جس میں ولید بن ولید ہے یحییٰ بن سعید انصاری کی ہے حافظ ابن حجر نے ان دونوں روایتوں کی سند کو صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔ ملاحظہ ہو "فتوحاتِ ربانیہ" (۱۷۹/۳)۔

قلت: اوسط طبرانی (۹۲۵) میں یہ قصّہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ان کی حدیث میں بھی خالد بن ولید کا ذکر ہے مگر اس حدیث کی سند حکم بن عبداللہ اُبلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے کیونکہ یہ متروک ہے۔ جیسا کہ "مجمع (۱۳۰/۱۰) میں ہے۔

اور پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہُوا ہے کہ نسائی کے یہاں یہ قِصّہ خالد بن ولید کے حوالے سے ہے جبکہ اسی حدیث میں حافظ ابن عبدالبر نے ولید بن ولید کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو "استیعاب" (۵۹۴/۳) اسی طرح ترمذی (۳۵۲۳) "دعوات" باب (۹۱) اور "اذکار" (۹۱) میں حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ بھی دیکھیں۔

۲۔ محمد بن منکدر کی مُرسل حدیث، جس کو ابن سنی (۶۴۲) نے روایت کیا ہے اس میں ولید بن ولید یا خالد بن ولید کی بجائے ایک نامعلوم آدمی کا ذکر ہے یہ نامعلوم آدمی ممکن ہے خالد بن ولید یا ولید بن ولید ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کوئی ان دونوں کے علاوہ ہو دیکھیں "فتوحاتِ ربانیہ" (۱۸۵/۳-۱۸۶)۔

اس مُرسل کی سند ابوہشام رفاعی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۷۲۷ — اس حدیث کی تخریج حدیث (۶۵۲) میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس کی تخریج وہاں ملاحظہ کی جائے۔

تیری شفا کے ایسی شفا عطا فرما جو نہ چھوڑے بیماری کو۔

۷۲۸ ــ اَللّٰھُمَّ اشْفِہٖ۔ اَللّٰھُمَّ عَافِہٖ۔

یا اللہ شفاء دے اس کو۔ یا اللہ عافیت دے اس کو۔ (حصن حصین)

بچوں کے جنازے کی دعاء

۷۲۹ ــ امام بخاریؒ نے تعلیقًا بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بچے کے جنازے پر سورۃ فاتحہ کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَّ ذُخْرًا وَّ اَجْرًا۔ (بخاری شریف)

"اے اللہ کر اس (بچے کو) ہمارے لیے آگے چلنے والا اور میری منزل اور ذخیرہ اور ثواب۔

نوٹ: اگر میت لڑکی ہو، تو مذکر کی جگہ مؤنث کی ضمیر لائیں، اس طرح اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا باقی دعاء بدستور پڑھیں۔

---

۷۲۸ ــ اس کو ترمذی (۳۵۶۴) نسائی نے "عمل" (۱۰۵۸) میں احمد (۱/۸۳، ۸۴، ۱۰۷، ۱۲۸) ابو یعلی (۲۸۴، ۴۰۹ - ۴۱۰) ابن حبان (۲۳۰۹) ابن سنی (۵۵۶) اور حاکم (۶۲۱/۲) نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور ابن حجر نے صحیح کہا ہے دیکھیں "فتوحات ربانیہ" (۴/۶۴ - ۶۵)۔

مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو عبداللہ بن سلمہ مرادی نے روایت کیا ہے۔ ان کے حافظے میں تغیر آگیا تھا۔ اس علت کے بارے میں "فتوحات ربانیہ" میں حافظ صاحب کا کلام دیکھیں۔

تنبیہ: یہ دعاء یوں ہے "اللّٰھم اشفہ أو عافہ" یعنی شک کے ساتھ ہے اور یہ شک شعبہ کو ہے۔

۷۲۹ ــ اس دعاء کو بخاری (۳/۲۰۳۔ فتح الباری) نے حسن بصری سے تعلیقًا روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ عبدالوہاب بن عطاء نے "کتاب الجنائز" میں اس کو موصولاً روایت کیا ہے:

قلت: عبدالرزاق (۳/۵۲۹) ابن ابی شیبہ (۱۰/۲۲۱) اور طبرانی نے بھی "دعاء" (۱۲۰۳) میں اس کو موصولاً روایت کیا ہے۔ ہر ایک نے اس کو اپنی اپنی سند سے حسن بصری سے روایت کیا ہے اور ان تینوں ہی کی سندیں صحیح ہیں۔ مگر عبدالرزاق کی ایک سند ضعیف ہے۔

تنبیہ: بخاری میں "وذخرًا" کا لفظ نہیں۔ مشکاۃ (۱/۵۳۱) میں یہ اسی طرح ہے جس طرح مؤلف نے یہاں نقل کیا ہے مگر بخاری اسی طرح طبرانی کے بھی الفاظ یہ ہیں، "اللّٰھم اجعلہ لنا فرطًا وسلفًا و أجرًا" اور ابن ابی شیبہ کے یہاں "وسلفًا" کی بجائے "وذخرًا" ہے اور عبدالرزاق کی ایک روایت میں ان دونوں لفظوں میں سے کوئی لفظ بھی نہیں جب کہ ایک دوسری روایت میں "سلفًا" ہے۔

فجر کی سُنّتوں کے بعد لیٹ کر پڑھنے کی دُعاء

۷۳۰ ـ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّاَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ

---

۷۳۰ ـــ اس دُعاء کا فجر کی سُنتوں کے بعد لیٹ کر پڑھنا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں روایات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس موقع پر پڑھا۔ یہ دُعاء ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی کیفیت معلوم کرنے کی خاطر اپنی خالہ اُم المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک رات کو قیام کرنے کا واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کی ابنِ عباس سے تین سندیں ہیں۔

اس کو بخاری نے "صحیح" (۶۳۱۶) اور "ادب مفرد" (۶۹۶) میں مسلم (۶/۴۴-۵۰) ابوعوانہ (۲/۳۱۱-۳۱۴) نسائی (۲/۲۱۸) "افتتاح" احمد (۱/۲۸۴، ۳۴۳) مروزی نے "قیام اللیل" (۸۲-۸۳) میں ابن حبان (۶/۳۶۲) طبرانی (۱۱/۴۱۹-۴۲۱) اور ابن ابی شیبہ (۶/۲۹- دارالتاج) نے ابورشدین کریب بن ابی مسلم کی سند سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

قیام اللیل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُعاء کو فجر کی سنتوں کے بعد پڑھا۔ اس کی سند ابن اسحاق کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔

نسائی، ابن ابی شیبہ اسی طرح مسلم اور ابوعوانہ کی ایک روایت میں بھی ہے کہ آپ نے یہ دعاء نمازِ تہجد کے سجدوں میں پڑھی، جبکہ احمد، مسلم، ابوعوانہ اور طبرانی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کو نمازِ فجر میں پڑھا۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے وتروں کے بعد دو رکعت پڑھیں اور پھر اس دُعاء کو پڑھا، یہ روایت طبرانی میں ہے۔ مگر اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں۔ جو بہت سئی الحفظ ہیں۔

بخاری اور ابن حبان میں اسی طرح مسلم اور ابوعوانہ کی بعض روایات میں بھی اس کے پڑھنے کا وقت یا مقام معین نہیں کیا گیا لہٰذا مؤلف کا اس کو بخاری کے حوالے سے ذکر کرنا درست نہیں۔

اس حدیث کی دوسری جو دو سندیں ہیں ان کی روایات میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے۔ خوف طوالت کے پیشِ نظر ہم اس اختلاف کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے مگر ان دو سندوں کے ساتھ جن کتب میں یہ حدیث نظر سے گزری ہے ان سے اس کی تخریج کر دیتے ہیں تاکہ جو صاحب اس تفصیل کو معلوم کرنا چاہیں وہ بآسانی معلوم کر سکیں۔

اس کو مسلم (۲/۵۱-۵۲) ابوعوانہ (۲/۳۲۱) ابوداؤد (۱۳۵۳-۱۳۵۴) ترمذی (۳۴۱۹) "دعوات" احمد (۱/۳۷۳) ابن خزیمہ (۱۱۱۹) طبرانی نے "کبیر" (۱۰/۳۳۵-۳۳۶، ۳۴۳-۳۴۴) "اوسط" (۲۸) اور "دُعاء" (۷۸۲، ۷۵۹، ۷۶۰-۷۶۰) میں ابن عدی (۲/۹۵۷) ←

نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا وَعَصَبِي نُورًا وَلَحْمِي نُورًا وَدَمِي نُورًا وَشَعْرِي نُورًا وَبَشَرِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي نَفْسِي نُورًا وَ اَعْظِمْ لِي نُورًا وَاَعْطِنِي نُورًا۔

اے اللہ! پیدا کر میرے دل میں نُور اور میری آنکھ میں نور اور میرے کان میں نور اور میرے دائیں نُور اور میرے بائیں نُور اور میرے اُوپر نور اور میرے نیچے نُور اور میرے آگے نُور اور میرے پیچھے نُور اور مجھے سراپا نور بنا دے اور میری زبان میں نُور اور میرے پٹھوں میں نُور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نُور اور میرے بالوں میں نور اور میری کھال میں نور اور میری جان میں نور اور مجھے بہت بڑا نُور عطا کر اور مجھے نُور ہی بخشتا جا؛

(بخاری شریف)

نوٹ: فجر کی سُنتوں کے بعد بیٹھ کر تین بار پڑھنے کی دُعا پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ دُعا لیٹ کر پڑھیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں پڑھ کر داہنے پہلو پر لیٹتے تھے۔ آپ بھی سُنت کے مطابق داہنے پہلو پر لیٹ جایا کریں اور دُعائے نور پڑھا کریں۔

ابُو شیخ نے "اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۱۵۶ - ۱۵۷) میں حاکم (۳/ ۵۳۵ - ۵۳۶) ابُو نعیم نے "حلیۃ" (۳/ ۲۰۹- ۲۱۰) میں خطیب بغدادی نے "تاریخ" (۷/ ۳۳۲) اور "موضح" (۲/ ۴۶۶) میں اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۸/ ۴۲۴) میں علی بن عبداللہ بن عباس کی سند سے، بخاری نے "ادب مفرد" (۶۹۷) میں طبرانی نے "کبیر" (۱۲/ ۲۰ - ۲۱، ۳۱، ۶۰، ۳۲۰، ۴۳۱) اور "دُعا" (۷۶۱) میں اور بیہقی (۳/ ۲۹) نے سعید بن جبیر کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

علی بن عبداللہ کی سند میں احمد، مُسلم، ابُو عوانہ اور ابو داؤد کے یہاں ہے کہ آپ نے نمازِ فجر کے لیے جاتے ہُوئے اس دُعا کو پڑھا، طبرانی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو وتروں کے بعد پڑھا، سعید بن جبیر کی سند کی ایک روایت میں ہے کہ اس کو وتروں کے آخر میں سلام پھیرنے سے قبل پڑھا۔ یہ "ادب مفرد" بیہقی اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے۔

اسی طرح ان دونوں سندوں کی بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اس کو فجر کی سُنتوں کے بعد پڑھا۔ مگر یہ روایات اسنادی اعتبار سے محل نظر ہیں۔

اس مقام پر ایک دوسری دُعا کے لیے حدیث (۵۱۷) دیکھیں۔



سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے موتی

ہر روز مانگنے کی نورانی دُعائیں

۷۳۱ ـــ اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلًا وَّاَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ سَهْلًا اِذَا شِئْتَ.

اے اللہ! کوئی چیز آسان نہیں مگر جس کو تونے آسان کیا اور تو ہی دشوار کو آسان کرتا ہے جب چاہے۔

(حصن حصین)

۷۳۲ ـــ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْعِصْمَةَ

---

۷۳۱ ـــ صحیح ہے۔

اس کو ابنِ حبان (۲۴۲۷) ابنِ سنی (۳۵۳) اور بیہقی نے "دعوات کبیر" (۲۲۵) میں انس رضی اللہ سے روایت کیا ہے۔

سند: من طرق عن حماد بن سلمة عن ثابت عن انس۔

یہ سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے اس حدیث کو حافظ ابنِ حبان اور حافظ ابنِ حجر نے بھی ۔ جیسا کہ "فتوحات ربانیہ" (۲۵/۴) میں ہے صحیح کہا ہے۔

عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے حماد سے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے۔ اس طریق سے اس کو ابنِ ابی حاتم نے "علل" (۱۹۴/۲) میں اور بیہقی (۲۲۴) نے روایت کیا ہے۔

امام ابو حاتم نے موصول روایت کو خطا کہا ہے مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں، کیونکہ اس کو ثقات کی ایک جماعت نے موصولاً روایت کیا ہے اسی لیے حافظ سخاوی نے قعنبی کی مرسل روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ موصول روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی اس کو ضیا مقدسی نے بھی "احادیثِ مختارہ" میں روایت کیا ہے اور اس کو ان کے ۔ ضیاء کے ۔ علاوہ دوسروں نے بھی صحیح کہا ہے " المقاصد الحسنۃ" حدیث (۱۹۱)۔

۷۳۲ ـــ سخت ضعیف ہے۔

یہ دُعا نمازِ حاجت والی حدیث میں ہے، جس کو ترمذی (۴۷۹) ابن ماجہ (۱۳۸۴) مروزی نے "زوائد زہد" (۱۰۸۴) میں حاکم (۱/۳۲۰) بیہقی نے "شعب" (۲/۴۳۸ - ۴۳۹) میں اور ابن جوزی نے "موضوعات" (۱۴۰/۲) میں ابو الورقاء فائد بن عبدالرحمٰن کی سند سے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (حصن حصین)

کوئی معبود نہیں سوائے اللہ بردبار کریم کے پاک ہے اللہ پروردگار عرش عظیم کا سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں (جو) پروردگار ہے سب جہانوں کا۔ مانگتا ہوں، میں تجھ سے اسباب تیری رحمت کے اور اسباب تیری بخشش کے اور بچنا ہر ایک گناہ سے اور لوٹ ہر نیکی سے اور سلامتی ہر ایک گناہ سے نہ چھوڑ کسی گناہ کو مگر تو اس کو معاف کر دے اور نہ کسی فکر کو مگر تو اس کو دور کر دے اور نہ کسی حاجت کو مگر جو تیری مرضی کے مطابق ہو مگر تو اس کو پوری کر دے اے بڑے رحم کرنے والے سب رحم کرنے والوں سے۔

۷۲۳۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِيْ وَإِنِّيْ ذَلِيْلٌ فَأَعِزَّنِيْ وَإِنِّيْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِيْ۔

(حصن حصین)

اے اللہ تحقیق میں کمزور ہوں تو مجھ کو قوی کر، اور میں ذلیل ہوں تو مجھے عزت دے اور میں محتاج ہوں تو مجھے رزق دے۔

← یہ سند سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ فائد بن عبدالرحمٰن متروک ہے، بلکہ ابو حاتم نے کہا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی سے اس کی احادیث باطل ہیں۔ انہوں نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ اس کی اکثر حدیثیں جھوٹی ہیں تو وہ حانث نہ ہو گا یعنی اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ ملاحظہ ہو جرح وتعدیل" (۸۳/۷-۸۴)۔

اور امام حاکم نے" مدخل" (۱۸۴) میں کہا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی اوفی سے من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔ ان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان کا "مستدرک" میں اس کو "مستقیم الحدیث" کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے علامہ ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ متروک ہے۔

اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے، جس کو طبرانی نے "معجم صغیر" (۱/۱۴۳-۱۴۴) اور "دعاء" (۱۰۴۴) میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مگر یہ حدیث پہلی حدیث کے لیے شاہد بننے کے قابل نہیں، کیونکہ اس کو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والا ابو معمر عباد بن عبدالصمد ہے۔ جسے علامہ ذہبی نے "میزان" (۳۶۹/۲) میں "واہ" (سخت ضعیف کہا ہے۔

۷۲۳ سخت ضعیف ہے۔

اس کو طبرانی نے "اوسط" میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۱۰/۱۸۵) میں ہے اور اس کی سند انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ابوداؤد اعمی ہے جو سخت ضعیف ہے۔ جیسا کہ حافظ ہیثمی نے کہا ہے۔

۷۴۴۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْھَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ۔

(بخاری)

اے اللہ! بحقیق میں پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے عاجز ہونے سے اور کاہلی اور نامردی سے اور بہید بوڑھا ہونے سے کہ (استرا بترا ہو جاؤں) اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے قبر کے عذاب سے اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے زندگی اور موت کے فتنے سے۔

۷۴۵۔ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْقَسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالْعَیْلَةِ وَالذِّلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالشِّقَاقِ وَالسُّمْعَةِ وَالرِّیَاءِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الصَّمَمِ وَالْبَكَمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَسَیِّءِ الْاَسْقَامِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ۔ (حصن حصین)

اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے سنگدلی سے اور (عبادت کی) غفلت سے اور فقر و فاقہ سے اور ذلت اور مفلسی سے۔ اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے محتاجی سے اور کفر سے اور نافرمانی سے اور (کتاب و سنت کی) مخالفت سے اور نمود سے اور ریا کاری سے اور پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے بہرا اور گونگا ہونے سے اور دیوانہ ہونے سے اور کوڑھ اور تمام بُری (لاعلاج) بیماریوں سے اور قرض کے بوجھ سے۔

۷۴۴۔ اس کو بخاری (۲۸۲۳، ۶۳۶۷) "جہاد، دعوات" مسلم (۲۹/۱۷) "ذکر" ابوداؤد (۱۵۴۰) "صلاۃ" نسائی (۲۵۸/۸) "استعاذہ" اور بغوی (۱۳۵۶) نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۷۴۵۔ صحیح ہے۔

اس کو ابن حبان (۲۴۴۶) طبرانی نے "صغیر" (۱۱۴/۱) اور "دعاء" (۱۳۴۳) میں اور حاکم (۵۲۰/۱-۵۲۱) نے قتادہ کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اس کی سند میں قتادہ ہیں جو مدلس ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو لفظ "عن" سے روایت کیا ہے۔ لیکن یہ حدیث "صحیح ابن حبان" میں بھی ہے اور اس میں مدلس کے لفظ "عن" کو بھی سماع یا تحدیث پر محمول کیا جائے۔ جیسا کہ حدیث (۶۹۶) میں تفصیل گزری۔

تنبیہ: مذکورہ تمام کتب میں اس دعاء کے آخر میں "وضلع الدین" کے الفاظ نہیں۔

۷۳۶ ــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ (مسلم)

اے اللہ! تحقیق میں پناہ پکڑتا ہوں ساتھ تیرے، تیری نعمت کے جاتے رہنے سے اور تیری عافیت کے بدل جانے سے۔ اور تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے تمام غصوں سے۔

۷۳۷ ــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (ترمذی)

اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرے اور اس عمل کی محبت جو پہنچا دے مجھ کو تیری محبت پر۔ اے اللہ! تو اپنی محبت بہت پیاری کر مجھ کو میری جان کی محبت سے۔ اور میرے اہل کی اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے۔

۷۳۸ ــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِيْشَةً نَقِيَّةً وَّمِيْتَةً سَوِيَّةً وَّمَرَدًّا غَيْرَ مَخْزِيٍّ

---

۷۳۶ ــــ اس کو مسلم (۱۷/۵۴)، "رقاق" بخاری نے "أدب مفرد" (۶۸۶) میں ابوداؤد (۱۵۴۵) طبرانی نے "دُعاء" (۱۳۳۷) میں حاکم (۱/۵۳۱) اور بغوی (۱۳۶۸) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

یہ دُعاء ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی ہے، جس کو ابن ابی الدُّنیا نے "شکر" (۱۴) میں روایت کیا ہے۔ اس کتاب کے محقق نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۷۳۷ ــــ ضعیف ہے۔

اس کو ترمذی (۳۴۹۰) أبو نعیم نے "حلیہ" (۱/۲۲۶-۲۲۷) میں، حاکم (۲/۴۳۳) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۴/۴۹۱) میں ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند عبداللہ بن ربیعہ بن یزید دمشقی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ مجہول ہے جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔

۷۳۸ ــــ ضعیف ہے۔

اس کو بزار (۳۱۸۶) طبرانی نے "معجم کبیر"۔ مجمع الزوائد (۱۰/۱۸۲)۔ اور "دُعاء" (۱۴۳۵) میں حاکم (۱/۵۴۱) اور قضاعی نے "مسند شہاب" (۱۴۹۸-۱۴۹۹) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے۔ اس کو شیخ البانی نے "ضعیف الجامع" (۱۲۹۴) میں ضعیف کہا ہے۔

تنبیہ: دُعاء طبرانی اور "مستدرک" حاکم میں اس حدیث کے راوی کا نام عبداللہ بن عمر ذکر ہوا ہے۔ ←

وَّلَا فَاضِحٍ۔ (طبرانی)

اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے پاکیزہ جینا اور اچھا مرنا اور حشر میں (ایسا) پھرنا جو خوار اور رسوا کرنے والا نہ ہو۔

۳۹۔ اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ ۔

اے اللہ! سب کاموں میں ہمارا انجام اچھا کر اور دُنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں سلامت رکھ۔

۴۰۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْکِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَاءِ۔ (بخاری)

اے اللہ! ہم پناہ پکڑتے ہیں تجھ سے بلا کی مشقت سے اور بدبختی کے پانے سے اور بُری تقدیر سے اور (مصیبت پر) دشمنوں کے خوش ہونے سے۔

۴۱۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا۔ (حصن)

اے اللہ! تو مجھ کو بہت صابر بنا دے اور مجھ کو بہت شاکر کر دے اور مجھ کو میری آنکھوں میں چھوٹا کر (کہ مغرور نہ ہو جاؤں) اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا کر۔

← جبکہ مسند شہاب اور مجمع الزوائد میں عبداللہ بن عمرو ہے۔ محقق "مسند شہاب" شیخ حمدی عبدالمجید کی تحقیق کے مطابق صحیح بھی یہی ہے۔

۳۹۔ ــــ اس کو احمد (۴/۱۸۱) عبداللہ بن احمد نے "زوائد المسند" (۴/۱۸۱) میں بخاری نے "تاریخ کبیر" (۲/۲۳) اور "صغیر" (۱/۲۱۶) میں ابن حبان (۲۴۲۵) طبرانی نے "کبیر" (۲/۳۳-۳۴) اور "دعاء" (۱۴۳۶) میں ابن عدی (۲/۴۳۸-۴۳۹) حاکم (۳/۵۹۱) ابونعیم نے "معرفۃ الصحابہ" (۲/۱۳۱-۱۳۲) میں بیہقی نے "دعوات" (۲۲۸) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۲۲۷/۱۴) میں۔ بسر بن اُرطاۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بسر سے اس کی دو سندیں ہیں، جس بنا پر اس کی تحسین ممکن ہے حافظ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۴۰۔ ــــ اس کو بخاری نے "صحیح" (۶۳۴۷، ۶۶۱۶) "دعوات وقدر" اور "ادب مفرد" (۶۶۹، ۷۰۴) میں مسلم (۸/۷۶) نسائی (۲۶۹/۸-۲۷۰) ابن ابی عاصم نے "سُنّہ" (۳۸۲-۳۸۳) میں ابویعلی (۶۶۶۲) طبرانی نے "دُعاء" (۱۳۲۵) میں ابونعیم نے "حلیہ" (۷/۲۱۶) میں اور بغوی نے "شرح السنہ" (۱۳۶۰) میں ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۴۱۔ ــــ ضعیف ہے۔

اس کو بزار (۳۱۹۸) نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند عقبۃ الاصم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ ضعیف ہے جیسا کہ "تقریب" میں ہے، ابوحاتم نے اس حدیث کو منکر اور البانی نے ضعیف کہا ہے "علل ابن ابی حاتم" (۲/۱۸۴) اور "احادیث ضعیفہ" (۹۱۱)۔

۷۴۲ـ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَاتَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔ (ترمذی)

یاالٰہی! نصیب کر ہمارے لیے خوف اپنا اس قدر کہ حائل ہو تو بہ سبب اس کے درمیان ہمارے اور درمیان گناہوں اپنے کے اور نصیب کر ہم کو طاعت اپنی اس قدر کہ پہنچائے تو ہم کو بہ سبب اس کے بہشت اپنی میں اور نصیب کر یقین سے اس قدر کہ آسان کرے تو بہ سبب اس کے ہم پر مصیبتیں دُنیا کی اور بہرہ مند کر ہم کو ہماری شنوائیوں سے اور ہماری بینائیوں سے اور ہماری قوت سے جب تک زندہ رکھے تو ہم کو اور بہرہ مندی کو وارث ہمارا اور گردان غصہ ہمارا ان پر کہ ظلم کیا ہم پر اور فتح دے ہم کو اس پر کہ دشمنی رکھے ہم سے اور نہ گردان مصیبت ہماری ہمارے دین میں اور نہ کر دنیا کو بہت بڑا اندیشہ ہمارا اور نہ نہایت ہمارے علم کی اور نہ مسلط کر ہم پر اس کو کہ نہ رحم کرے ہم پر۔

۷۴۲ـــ حسن ہے۔

اس کو ترمذی (۳۵۰۲) نسائی نے "عمل" (۴۰۲) میں عبداللہ بن مبارک نے "زہد" (۴۳۱) میں ابوالشیخ نے "طبقات" (۳۴۵/۲) میں اور بغوی نے "شرح السنۃ" (۱۲۷۴) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

سند: یحییٰ بن ایوب عن عبیداللہ بن زحر عن خالد بن ابی عمران عن ابن عمر۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ عبیداللہ بن زحر متکلم فیہ ہے۔ نیز خالد بن ابی عمران کا ابن عمر سے سماع نہیں ہے۔ جیسا کہ حافظ مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۴۲/۸) میں کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" (۹۶/۳) میں کہا ہے کہ ابن عمر سے ان کی روایت مرسل ہے۔

لیکن یہ حدیث حسن درجے کی ہے کیونکہ عبیداللہ بن زحر کی لیث بن سعد نے "مستدرک حاکم" (۵۲۸/۱) میں متابعت کی ہے اور ان کی (لیث بن سعد کی) سند میں خالد اور ابن عمر کے درمیان نافع کا واسطہ ہے۔ جس سے اس سند کا انقطاع بھی دور ہوگیا یہ واسطہ عبیداللہ بن زحر کی بھی ایک روایت میں ہے۔ جو ان سے بکر بن مضر کی روایت ہے۔ جس کو نسائی نے "عمل" (۴۰۱) میں اور ان سے ابن سنی (۴۴۶) نے روایت کیا ہے۔ لیث اور بکر دونوں ثقہ ہیں۔

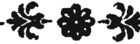
۷۴۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے اللہ رحمت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں پر۔ جیسے رحمت بھیجی تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کے تابعداروں پر۔ بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں پر۔ جیسے برکت بھیجی تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کے تابعداروں پر۔ بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

(بقیہ حاشیہ از ص۔) لیث اور عبید اللہ بن زحر والی دونوں سندوں کو ملا لینے سے یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔ اس کو امام ترمذی نے بھی حسن کہا ہے۔ امام حاکم نے لیث والی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

تنبیہ: علامہ شوکانی نے "تحفۃ الذاکرین" (۲۷۶) میں امام حاکم کی تصحیح سے اس بناء پر اختلاف کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن زحر ہے۔ حالانکہ ان کی سند میں عبید اللہ بن زحر نہیں ہے۔ بلکہ لیث بن سعد ہیں۔ جو ثقہ اور امام ہیں۔

۷۴۳۔ اس کی تخریج حدیث (۴۰۱) میں دیکھیں۔



فہرس
المصادر والمراجع

۱۔ الآثار المرفوعة لعبد الحی اللكنوی تحقیق محمد السعید زغلول، دار الكتب العلمیة

۲۔ الآداب للبیهقی تحقیق السعید المندوه، الكتب الثقافیة۔

۳۔ اتباع السنن واجتناب البدع للضیاء المقدسی تحقیق محمد بدر الدین ومحمود الأرناؤوط، دار ابن كثیر۔

۴۔ الإجماع لإبن المنذر۔

۵۔ أجوبة الحافظ ابن حجر عن احادیث "المشكاة" بآخر "المشكاة" المكتب الإسلامی۔

۶۔ الأجوبة النافعة للألبانی، المكتب الاسلامی۔

۷۔ الاحادیث الطوال للطبرانی فی آخر "المعجم الكبیر"۔

۸۔ إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام لإبن دقیق العید تعلیق محمد منیر الدمشقی، دار الكتب العلمیة۔

۹۔ إحكام الجنائز للالبانی، المكتب الإسلامی۔

۱۰۔ أحكام العیدین للفریابی تخریج مساعد بن سلیمان، مكتبة العلوم والحكم المدینة المنورة۔

۱۱۔ الإحكام فی أصول الأحكام لإبن حزم تحقیق احمد محمد شاكر، دار الآفاق الجدیدة۔

۱۲۔ أحوال الرّجال للجوزجانی" تحقیق السیّد صبحی البدری، مؤسسة الرّسالة۔

۱۳۔ أخبار أصبهان لأبی نعیم الأصبهانی، الدار العلمیة، الهند۔

۱۴۔ أخلاق حملة القرآن للآجری تحقیق فواز احمد، دار الكتاب العربی۔

۱۵۔ أخلاق النبی صلی اللہ علیه وسلم لأبی الشیخ تحقیق الدكتور السیّد الجمیلی، دار الكتاب العربی۔

۱۶۔ الأدب المفرد للبخاری تحقیق كمال یوسف، عالم الكتب۔

۱۷۔ الأدلة الرّاجحة علی فرضیة قراءة الفاتحة لعبد الله بن محمد الغماری، عالم الكتب۔

۱۸۔ الأذکار للنووی، دار إحیاء التراث العربی۔

۱۹۔ الأذکار المسنونۃ لظفر الحسن، الناشر عطاء محمد ومحبوب ملی۔

۲۰۔ الأربعین فی مناقب، أمہات المؤمنین رحمۃ اللہ علیہن لإبن عساکر تحقیق محمد مطیع وغزوۃ بدیر، دار الفکر، دمشق۔

۲۱۔ ارشاد النقاد للصنعانی ضمن مجموعۃ الرسائل المنیریۃ۔

۲۲۔ أرواء الغلیل للألبانی، المکتب الإسلامی۔

۲۳۔ الإستیعاب لإبن عبد البر مع الإصابۃ، دار الکتاب العربی۔

۲۴۔ اسد الغابۃ لإبن الأثیر، دار إحیاء التراث العربی۔

۲۵۔ الأسماء والصفات للبیہقی، دار الکتب العلمیۃ۔

۲۶۔ الإصابۃ لإبن حجر، دار الکتاب العربی۔

۲۷۔ الإعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار للحازمی، مطبعۃ الأندلس حمص۔

۲۸۔ الإعتصام للشاطبی تحقیق محمد رشید رضا، دار المعرفۃ۔

۲۹۔ الأعتقاد للبیہقی تحقیق الدکتور السید الجمیلی، دار الکتاب العربی۔

۳۰۔ إعلام الموقعین لإبن القیم، دار المعرفۃ۔

۳۱۔ اغاثۃ اللہفان من مصائد الشیطان لابن القیم، دار المعرفۃ۔

۳۲۔ اقتضاء الصراط المستقیم لإبن تیمیۃ، دار المعرفۃ۔

۳۳۔ الأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع للسیوطی تحقیق الدکتور ذیب القحطانی، مطابع الرشید، المدینۃ المنورۃ۔

۳۴۔ الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف لعلاء الدین علی بن سلیمان تحقیق محمد حامد الفقی، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، القاہرۃ۔

۳۵۔ الأوائل لإبن ابی عاصم تحقیق محمد السعید زغلول، دار الکتب العلمیۃ

۳۶۔ أوجز المسالک لمحمد زکریا الکاندھلوی، مطبعۃ السعادۃ۔

۳۷۔ الأوسط لإبن المنذر تحقیق الدکتور صغیر احمد، دار طیبۃ، المدینۃ المنورۃ۔

۳۸۔ الأولیاء لإبن ابی الدنیا تحقیق مجدی السید ابراہیم، مکتبۃ القرآن، القاہرۃ۔

۳۹۔ الإیمان لابن ابی شیبۃ، تحقیق البانی، المکتب الاسلامی۔

۴۰۔ الإیمان لإبن منده تحقیق الدکتور علی بن محمد الفقیھی، مؤسسة الرسالة
۴۱۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث لأحمد محمد شاکر، دار الکتب العلمیة۔
۴۲۔ الباعث علی انکار البدع والحوادث لأبی شامة، مطبعة النھضة الحدیثة، مکة المکرمة
۴۳۔ بدایة المجتھد لإبن رشد، دار المعرفة۔
۴۴۔ البدایة والنھایة لإبن کثیر تحقیق جماعة، دار الکتب العلمیة۔
۴۵۔ البدع والنھی عنھا لإبن وضاح، دار الرائد العربی۔
۴۶۔ بلوغ المرام لإبن حجر تحقیق رضوان محمد، دار الکتاب العربی۔
۴۷۔ بلوغ المرام مع سبل السلام۔
۴۸۔ تاریخ أسماء الثقات لإبن شاھین تحقیق الدکتور عبد المعطی، دار الکتب العلمیة۔
۴۹۔ تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، دار الکتاب العربی۔
۵۰۔ تاریخ الثقات للعجلی ترتیب الھیثمی وتحقیق الدکتور عبد المعطی، دار الکتب العلمیة۔
۵۱۔ تاریخ جرجان للسھمی تحقیق الدکتور محمد عبد المعید، عالم الکتب۔
۵۲۔ تاریخ دمشق لإبن عساکر تحقیق عدة محققین، دار الفکر، دمشق۔
۵۳۔ التاریخ الصغیر للبخاری تحقیق الدکتور محمود ابراھیم، دار المعرفة۔
۵۴۔ التاریخ الکبیر للبخاری، دار الکتب العلمیه۔
۵۵۔ تاریخ واسط لأسلم بن سھل الواسطی المعروف ببحشل تحقیق کورکیس عواد، مکتبة العلوم والحکم، المدینة المنورة۔
۵۶۔ التبیان فی آداب حملة القرآن للنووی مکتبة الغزالی۔
۵۷۔ التبیان فی سجدات القرآن لعبد العزیز محمد السدحان، دار المنار بالخرج۔
۵۸۔ التبیین لأسماء المدلسین لسبط بن العجمی تحقیق یحیی شفیق، دار الکتب العلمیة۔
۵۹۔ التتبع للدارقطنی تحقیق مقبل بن ھادی، دار الکتب العلمیة۔
۶۰۔ تحفة الأحوذی لعبد الرحمٰن المبارکفوری، دار الفکر۔
۶۱۔ تحفة الاشراف للمزی، تحقیق عبد الصمد شرف الدین، المکتب الاسلامی۔
۶۲۔ تحفة الذاکرین للشوکانی، دار الکتب العلمیة۔
۶۳۔ تحقیق الترمذی لأحمد محمد شاکر، دار إحیاء التراث العربی۔

۶۴۔ التحقیق الحسن فی نفی الدّعاء الإجتماعی بعد الفرائض والسنن للحکیم عماد الدین الحنفی قریشی دواخانہ شربت خان رود ژوب بلوچستان۔

۶۵۔ تخریج احادیث مشکلۃ الفقر للألبانی، المکتب الاسلامی۔

۶۶۔ تدریب الرّاوی للسیوطی تحقیق الدکتور احمد عمر هاشم، دار الکتاب العربی

۶۷۔ التذکار فی أفضل الأذکار للقرطبی تحقیق جماعۃ من العلماء، المکتبۃ العلمیۃ۔

۶۸۔ تذکرۃ الحفاظ للذهبی، دار احیاء التراث العربی۔

۶۹۔ الترغیب والترهیب للأصبهانی تحقیق محمد سعید زغلول، مکتبۃ النهضۃ الحدیثۃ

۷۰۔ الترغیب والترهیب للمنذری تحقیق مصطفیٰ محمّد عمارۃ طبعۃ دولۃ قطر۔

۷۱۔ تعجیل المنفعۃ لإبن حجر، دار الکتب العربی۔

۷۲۔ تعظیم قدر الصّلاۃ لمحمد بن نصر المروزی، تحقیق الدکتور عبد الرحمٰن الفریوائی، مکتبۃ الدار بالمدینۃ المنورۃ۔

۷۳۔ التعقبات علی الموضوعات للسیوطی مع اللآلی المصنوعۃ، المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل باکستان۔

۷۴۔ التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی لمحمد شمس الحق العظیم آبادی، دار القاهرۃ۔

۷۵۔ تفسیر عبد الرزاق تحقیق الدکتور مصطفیٰ مسلم محمد، مکتبۃ الرشید بالریاض۔

۷۶۔ تفسیر القرآن العظیم لابنِ کثیر، دار المعرفۃ۔

۷۷۔ تقریب الاسانید وترتیب المسانید للعراقی، دار الکتب العلمیۃ۔

۷۸۔ تقریب التهذیب لإبن حجر تحقیق عبد الوهاب عبد اللطیف، دار المعرفۃ۔

۷۹۔ تقیید العلم للخطیب البغدادی تحقیق یوسف العش، دار إحیاء السّنۃ النبویۃ۔

۸۰۔ التقیید والإیضاح للعراقی، دار الفکر۔

۸۱۔ تلخیص الحبیر لإبن حجر تعلیق عبد اللہ هاشم الیمانی، دار المعرفۃ۔

۸۲۔ تلخیص المستدرک للذهبی۔

۸۳۔ تمام المنۃ فی التعلیق علی فقه السّنۃ للالبانی، دار الرایۃ بالرّیاض۔

۸۴۔ التمهید لإبن عبد البر تحقیق مصطفیٰ بن احمد و محمد بن عبد الکبیر، المکتبۃ القدوسیۃ لاهور، باکستان۔

۸۵۔ تنبیہ الغافلین مع بستان العارفین کلاھما للسمرقندی، دارالکتاب العربی۔

۸۶۔ تنقیح التحقیق لإبن عبدالھادی تحقیق الدکتور عامر حسن، المکتبة الحدیثة الامارات العربیہ المتحدة۔

۸۷۔ التنقیح الضروری حاشیة القدوری۔

۸۸۔ التنقیح لما جاء فی صلاة التسبیح لجاسم بن سلیمان، دارالبشائر الإسلامیة۔

۸۹۔ التنکیل لعبدالرحمٰن بن یحی الیمانی تخریج وتعلیق الألبانی وزھیر الشاولیش و عبدالرزاق حمزہ، المکتب الاسلامی۔

۹۰۔ تھذیب الآثار للطبری تحقیق محمد محمود شاکر، جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة بالریاض۔

۹۱۔ تھذیب الأسماء واللغات للنووی، دارالکتب العلمیة۔

۹۲۔ تھذیب تاریخ دمشق لابن علان۔

۹۳۔ تھذیب التھذیب لابن حجر، دارالفکر۔

۹۴۔ تھذیب السنن لابن القیم مع مختصر السنن ومعالم السنن تحقیق احمد محمد شاکر ومحمد حامد الفقی، دارالمعرفة۔

۹۵۔ تھذیب الکمال للمزی تحقیق الدکتور بشار، موسسة الرسالة۔

۹۶۔ توجیہ النظر لطاھر بن صالح الجزائری، دارالمعرفة۔

۹۷۔ التوحید لابن مندہ تحقیق الدکتور علی بن محمد الفقیھی، الجامعة الاسلامیہ، المدینة المنورة۔

۹۸۔ التوسل والوسیلة لابن تیمیة، الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد بالریاض۔

۹۹۔ التوکل لإبن ابی الدنیا تحقیق مجدی السید ابراھیم، مکتبة القرآن، القاھرہ۔

۱۰۰۔ الثقات لإبن حبان دائرة المعارف العثمانیہ، حیدر آباد الھند۔

۱۰۱۔ جامع الأصول لإبن الأثیر تحقیق عبدالقادر الأرناؤط مکتبة الحلوانی وغیرھا۔

۱۰۲۔ جامع بیان العلم لإبن عبدالبر، دارالکتب العلمیة۔

۱۰۳۔ جامع البیان للطبری، دارالفکر۔

١٠٤- الجرح والتعديل لإبن ابى حاتم، دارالكتب العلمية۔

١٠٥- جزء رفع اليدين للبخارى تحقيق بديع الدين الشاه۔

١٠٦- جزء القراءة للبخارى أيضًا المطبوع بعنوان" خير الكلام فى القراءة خلف الامام، دارالكتب العلمية۔

١٠٧- جزء القراءة للبيهقى تحقيق محمد السعيد زغلول، دارالكتب العلمية۔

١٠٨- الجمعة للنسائى تحقيق مجدى السيد ابراهيم مكتبة القرآن القاهرة۔

١٠٩- الجوهر النقى لإبن التركمانى مع السنن الكبرىٰ، للبيهقى۔

١١٠- الحاوى للفتاوىٰ للسيوطى، دارالكتب العلمية

١١١- حجاب المرأة المسلمة ولباسها فى الصلاة لإبن تيمية تحقيق الألبانى، المكتب الاسلامى۔

١١٢- الحصن الحصين للجزرى۔

١١٣- حقيقة الصيام لإبن تيمية تخريج الألبانى وتحقيق زهير الشاويش، المكتب الاسلامى۔

١١٤- حلية الاولياء لأبى نعيم، دارالكتاب العربى۔

١١٥- خلاصة كيدانى، رحمٰن گل پبلشر پشاور۔

١١٦- الدراوى المضية للشوكانى، دارالمعرفة۔

١١٧- الدراية لإبن حجر، دارالمعرفة۔

١١٨- الدرر البهية للشوكانى مع الروضة الندية، الشئون الدينية، قطر۔

١١٩- الدعاء للطبرانى تحقيق الدكتور محمد سعيد البخارى، دارالبشائر الإسلامية۔

١٢٠- الدعوات الكبير للبيهقى تحقيق بدرى عبدالله البدر، منشورات مركز المخطوطات والتراث الكويت۔

١٢١- ديوان الضعفاء والمتروكين للذهبى تحقيق خليل الميس، دارالقلم۔

١٢٢- ذيل تاريخ بغداد لابن النجار، دارالكتاب العربى۔

١٢٣- الرد على جهمية للدارمى تحقيق بدر البدر، الدار السلفية، الكويت۔

١٢٤- ركعات قيام رمضان لحكيم محمد اشرف، دار الاشاعة الاشرفيه سندهو، باكستان

١٢٥- الروض البسام۔

١٢٦- الروضة الندية لصديق بن حسن تحقيق عبدالله بن ابراهيم الانصارى، المكتبة العصرية۔

١٢٧- رياض الصالحين للنووی تحقيق شعيب الأرناؤوط، مؤسسة الرسالة۔
١٢٨- الزهد لأحمد بن حنبل، دار الكتب العلمية۔
١٢٩- الزهد للبيهقی تحقيق عامر احمد حيدر، مؤسسة الكتب الثقافية۔
١٣٠- الزهد لعبد الله بن المبارك تحقيق حبيب الرحمٰن الأعظمی،
١٣١- سئوالات الحاكم للدارقطنی تحقيق موفق بن عبد الله، مكتبة المعارف بالرياض۔
١٣٢- سبل السلام للصنعانی تحقيق محمد عبد العزيز الخولی، مكتبة عاطف، القاهره۔
١٣٣- سفر السعادة لفيروز آبادی، المكتبة العصرية۔
١٣٤- سلسلة الأحاديث الصحيحة للألبانی، المكتب الإسلامی۔
١٣٥- سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة للألبانی، المكتب الإسلامی۔
١٣٦- السنن لابن ماجة تحقيق فؤاد عبد الباقی، دار الفكر۔
١٣٧- السنن للترمذی تحقيق احمد محمد شاكر، دار الإحياء التراث العربی۔
١٣٨- السنن للدارقطنی، مع التعليق المغنی، دار المحاسن، القاهرة۔
١٣٩- السنن للدارمی، دار الكتب العلمية
١٤٠- السنن لسعيد بن منصور تحقيق حبيب الرحمٰن الاعظمی، دار الكتب العلمية۔
١٤١- السنن للنسائی مع حاشية السيوطی والسندهی، دار الكتاب العربی۔
١٤٢- السنن لابی داؤد تحقيق محمد بن محی الدين، دار الفكر۔
١٤٣- السنن الكبرىٰ للبيهقی وبهامشه الجوهر النقی، دار المعرفة۔
١٤٤- السنن الكبرىٰ للنسائی تحقيق الدكتور عبد الغفار سليمان وسيد كسروی، دار الكتب العلمية۔
١٤٥- السنن المأثورة للشافعی رواية الطحاوی عن المزنی تحقيق الدكتور عبد المعطی، دار المعرفة۔
١٤٦- السنن والمبتدعات لمحمد بن عبد السلام، دار الكتب العلمية۔
١٤٧- السنة لابن أبی عاصم تحقيق الألبانی، المكتب الإسلامی۔
١٤٨- السنة لأحمد بن حنبل تحقيق زغلول، دار الكتب العلمية۔
١٤٩- السنة لمحمد بن نصر المروزی تحقيق سالم السلفی، مؤسسة الكتب الثقافية۔

۱۵۰۔ سنة رفع اليدين فی الدعاء بعد الصلوات المكتوبة لمن شاء لمحمد بن عبد الرحمٰن اليمانی فی آخر المعجم الصغير للطبرانی۔

۱۵۱۔ شرح أصول إعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائی تحقيق الدكتور احمد سعد، دار طيبة بالرياض۔

۱۵۲۔ شرح السنه للبغوی تحقيق شعيب وزهير، المكتب الاسلامی۔

۱۵۳۔ شرح مسند ابی حنيفة لملا علی القاری تقديم خليل الميس، دار الكتب العلمية۔

۱۵۴۔ شرح معانی الآثار للطحاوی، دار الكتب العلمية۔

۱۵۵۔ شرح النووی علی صحیح مُسلم، دار الفكر۔

۱۵۶۔ الشريعة للآجری تحقيق محمد حامد الفقی، دار الكتب العلمية۔

۱۵۷۔ شعب الإيمان للبيهقی تحقيق الدكتور عبد العلی، الدار السلفية، الهند۔

۱۵۸۔ الشكر لإبن ابی الدنيا تحقيق ياسين محمد السواس وتخريج عبد القادر الأرناؤوط،

۱۵۹۔ دار ابن كثير دمشق، بيروت۔

۱۶۰۔ الشمائل المحمدية للترمذی تحقيق محمد عفيف الزعبی، دار العلم بجدة۔

۱۶۱۔ الصحيح لإبن حبان ترتيب علاء الدين تحقيق شعيب الأرناءوط، مؤسسة الرسالة۔

۱۶۲۔ الصحيح لإبن خزيمة تحقيق الدكتور محمد مصطفی الأعظمی، المكتب الإسلامی۔

۱۶۳۔ الصحيح لأبی عوانة، دار المعرفة۔

۱۶۴۔ الصحيح للبخاری مع فتح الباری۔

۱۶۵۔ الصحيح لمسلم مع شرح النووی۔

۱۶۶۔ صحيح الترغيب للألبانی، المكتب الإسلامی۔

۱۶۷۔ صحيح الجامع الصغير وزياداته للألبانی، المكتب الإسلامی۔

۱۶۸۔ صحيح سنن ابی داؤد للألبانی، مكتب التربية العربی بالرياض۔

۱۶۹۔ صفة الصلاة أيضاً للألبانی، المكتب الإسلامی۔

۱۷۰۔ الصمت وآداب اللسان لإبن ابی الدنيا تحقيق الدكتور نجم عبد الرحمٰن، دار الغرب الإسلامی

۱۷۱۔ الصلاة لإبن القيم تحقيق تيسير زعيتر، المكتب الإسلامی۔

۱۷۲۔ الصلوٰة للمروزی النظر تعظيم قدر الصلاة۔

١٧٣۔ الصلاة ومقاصدها للحكيم الترمذي تحقيق بهيج غزاويؒ، دار احياء العلوم۔

١٧٤۔ صلاة التراويح للألباني، المكتب الإسلامي۔

١٧٥۔ الضعفاء الكبير للعقيلي تحقيق الدكتور عبد المعطي، دار الكتب العلمية۔

١٧٦۔ الضعفاء والمتروكون للدارقطني ضمن، المجموع في الضعفاء والمتروكين، دار القلم۔

١٧٧۔ ضعيف الجامع الكبير وزيادات للألباني، المكتب الإسلامي۔

١٧٨۔ الطبقات الكبرى لإبن سعد، دار بيروت۔

١٧٩۔ طبقات المحدثين لأبي الشيخ تحقيق الدكتور عبد الغفار وسيد كسروي، دار الكتب العلمية۔

١٨٠۔ طبقات المدلسين لإبن حجر تحقيق الدكتور عاصم القريوتي، مكتبة، الأردن۔

١٨١۔ طرح التثريب لزين الدين العراقي، دار إحياء التراث العربي۔

١٨٢۔ طرق تخريج حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم للدكتور عبد المهدي، دار الإعتصام بالقاهرة۔

١٨٣۔ طوق الحمامة لإبن حزم تحقيق الدكتور الطاهر احمد مكي دار المعارف، القاهرة۔

١٨٤۔ عارضة الأحوذي لإبن العربي، دار الكتاب العربي۔

١٨٥۔ العظمة لأبي الشيخ تحقيق رضاء الله المباركفوري، دار العاصمة بالرياض۔

١٨٦۔ عقلاء المجانين لأبي القاسم الحسن بن محمد النيشاپوري تحقيق محمد السعيد زغلول دار الكتب العلمية۔

١٨٧۔ علل الحديث لإبن ابي حاتم، دار المعرفة۔

١٨٨۔ العلل المتناهية لإبن الجوزي تحقيق ارشاد الحق الأثري، ادارة العلوم الاثرية، فيصل آباد پاكستان۔

١٨٩۔ العلل الواردة في الاحاديث النبوية، للدارقطني تحقيق الدكتور محفوظ الرحمن، دار طيبة بالمدينة المنورة۔

١٩٠۔ عمل اليوم والليلة لإبن السني عدة طبعات

١٩١۔ عمل اليوم والليلة للنسائي تحقيق الدكتور فاروق حماده، مؤسسة الرسالة۔

١٩٢۔ عون المعبود شرح سنن ابي داؤد لمحمد شمس الحق عظيم آبادي، دار الكتاب العربي۔

۱۹۳۔ غایة المرام فی تخریج احادیث الحلال والحرام للألبانی، المکتب الإسلامی۔

۱۹۴۔ غوامض الأسماء المبهمة لإبن بشکوال تحقیق عز الدین علی ومحمد کمال الدین، عالم الکتب۔

۱۹۵۔ الغیبة والنمیمة لإبن ابی الدنیا، مکتبة التراث الاسلامی بالقاھرہ۔

۱۹۶۔ فتاوی اھل الحدیث لعبد اللہ الروفری، ترتیب أبی السلام محمد صدیق، دار احیاء السنة النبویة، سرکودھا، باکستان۔

۱۹۷۔ فتاوی علماء الحدیث ترتیب ابی الحسنات علی محمد، المکتبة السعیدیہ خانیوال، باکستان۔

۱۹۸۔ الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیہ، دار المعرفة۔

۱۹۹۔ فتاوی محمد صالح العثیمین ترتیب أشرف عبد المقصود، دار عالم الکتب بالریاض۔

۲۰۰۔ فتاوی وتنبیهات ونصائح لإبن باز، مکتبة السنه، القاهرة۔

۲۰۱۔ فتح الباری لإبن حجر، دار المعرفة۔

۲۰۲۔ فتح العزیز شرح الوجیز للرافعی بهامش المجموع۔

۲۰۳۔ فتح الغفور فی وضع الأیدی علی الصدر لمحمد حیاة السندی تحقیق الدکتور محمد ضیاء الرحمٰن الأعظمی، مکتبة السنة۔

۲۰۴۔ الفتوحات الربانیه علی الأذکار النوویة لإبن علان، دار احیاء التراث العربی۔

۲۰۵۔ فردوس الأخبار لیشرویه بن شهردار الدیلمی تحقیق فواز احمد ومحمد المعتصم دار الکتاب العربی۔

۲۰۶۔ فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل تحقیق الدکتور وصی اللہ بن محمد، مؤسسة الرسالة۔

۲۰۷۔ فضل الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاسماعیل القاضی تحقیق الألبانی، المکتب الإسلامی۔

۲۰۸۔ فضیلة الشکر للخرائطی تحقیق محمد مطیع وعبد الکریم، دار الفکر، دمشق۔

۲۰۹۔ الفقیه والمتفقه للخطیب البغدادی تعلیق اسماعیل الأنصاری، دار الکتب العلمیه۔

۲۱۰۔ فوائد تمام (انظر "الروض البسام")

۲۱۱۔ قضاء الحوائج لإبن ابی الدنیا تحقیق مجدی السید ابراهیم، مکتبة القرآن القاهرة۔

۲۱۲۔ القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع للسخاوی، دار الکتاب العربی۔

۲۱۳۔ القول المسدد فی الذب عن المسند للإمام أحمد لإبن حجر، إدارة ترجمان السنة، لاهور باکستان۔

۲۱۴۔ قیام اللیل للمروزی، المکتبۃ الأثریۃ سانگلہ ہل، پاکستان۔

۲۱۵۔ الکامل لابن عدی، دار الفکر۔

۲۱۶۔ کشف الأستار عن زوائد البزار للھیثمی تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی مؤسسۃ الرسالۃ۔

۲۱۷۔ کشف الخفاء لإسماعیل العجلونی، مؤسسۃ الرسالۃ۔

۲۱۸۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب البغدادی تحقیق الدکتور احمد عمر ھاشم، دار الکتاب العربی۔

۲۱۹۔ الکنی والأسماء للدولابی، دار الکتاب العلمیۃ۔

۲۲۰۔ کنز العمال للمتقی الھندی، مؤسسۃ الرسالۃ۔

۲۲۱۔ اللآلی المصنوعۃ لجلال الدین السیوطی، المکتبۃ الأثریۃ، سانگلہ ہل، پاکستان۔

۲۲۲۔ المجروحون لإبن حبان تحقیق محمود ابراھیم، دار الباز، مکۃ المکرمۃ۔

۲۲۳۔ مجلۃ البحوث الإسلامیۃ العدد ۲۲ تاریخ ۲۹/۱۲/۱۳۹۷ھ۔

۲۲۴۔ مجمع الزوائد للھیثمی، مؤسسۃ المعارف۔

۲۲۵۔ المجموع شرح المھذب للنووی، دار الفکر۔

۲۲۶۔ المحلی لإبن حزم، دار الآفاق الجدیدۃ۔

۲۲۷۔ مختصر سنن أبی داؤد للمنذری مع معالم السنن وتھذیب السنن، دار المعرفۃ۔

۲۲۸۔ المدخل إلی الصحیح للحاکم تحقیق الدکتور ربیع ھادی، مؤسسۃ الرسالۃ۔

۲۲۹۔ المدخل فی اصول الحدیث للحاکم أیضًا مع المنار المنیف، دار الکتب العلمیۃ۔

۲۳۰۔ المراسیل لابن ابی حاتم تحقیق شکر اللہ، مؤسسۃ الرسالۃ۔

۲۳۱۔ المراسیل لأبی داؤد تحقیق محمد عبدہ الفلاح، معھد الشریعۃ والصناعۃ، کوٹ ادّو، پاکستان۔

۲۳۲۔ المرقاۃ شرح المشکاۃ لملا علی القاری۔

۲۳۳۔ مسائل الإمام احمد لأبی داؤد، دار المعرفۃ۔

۲۳۴۔ مسائل الإمام احمد لعبد اللہ بن احمد تحقیق زھیر الشاویش، المکتب الإسلامی۔

۲۳۵۔ مسند ابراھیم بن أدھم لإبن مندہ تحقیق السید مجدی ابراھیم، مکتبۃ القرآن، بالقاھرۃ۔

۲۳۶۔ مسند سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ لأحمد بن ابراھیم الدورقی تحقیق عامر حسن صبری، دار البشائر الاسلامیۃ۔

۲۳۷۔ مسند الشهاب للقضاعی تحقیق حمدی عبد المجید، مؤسسة الرسالة۔

۲۳۸۔ مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما لمحمد بن ابراهیم الطرسوسی۔ تحقیق احمد بن راتب، دار النفائس۔

۲۳۹۔ المسند لأبی حنیفة مع شرح القاری، دار الکتب العلمیه۔

۲۴۰۔ المسند لأبی یعلیٰ تحقیق حسین سلیم، دار المأمون، دمشق۔

۲۴۱۔ المسند لأحمد بن حنبل، المکتب الاسلامی۔

۲۴۲۔ المسند للبزار (انظر کشف الأستار)۔

۲۴۳۔ المسند للحمیدی تحقیق حبیب الرحمٰن الأعظمی، عالم الکتب۔

۲۴۴۔ المسند للشافعی، دار الکتب العلمیة۔

۲۴۵۔ المسند للطیالسی (انظر منحة المعبود)۔

۲۴۶۔ المسند لعبد اللہ بن المبارك تحقیق صبحی البدری، مکتبة المعارف، بالریاض۔

۲۴۷۔ مشکاة المصابیح للخطیب التبریزی تحقیق الألبانی، المکتب الاسلامی۔

۲۴۸۔ مشکل الآثار للطحاوی، دار الباز بمکّة المکرمة۔

۲۴۹۔ المصابیح فی صلاة التراویح للسیوطی تحقیق علی حسن علی، دار القبس و دار عمّار عمّان، الاردن ۲۵۰۔ المصنف لابن ابی شیبة، طبعة الدار السلفیه بالهند وطبعة دار التاج بیروت۔

۲۵۱۔ مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه للبوصیری تحقیق محمد المنتقی، دار المعرفة وتحقیق کمال یوسف، دار الجنان۔

۲۵۲۔ المصنف لعبد الرزاق تحقیق حبیب الرحمن الأعظمی، المکتب الإسلامی۔

۲۵۳۔ معالم السنن للخطابی، طبعة المکتبة العلمیة وطبعة دار المعرفة۔

۲۵۴۔ المعجم لإسماعیلی۔

۲۵۵۔ المعجم الأوسط للطبرانی تحقیق الدکتور محمود الطحان، مکتبة المعارف بالریاض۔

۲۵۶ معجم الشیوخ لابی یعلیٰ تحقیق حسین سلیم وعبده علی، دار المأمون للتراث۔

۲۵۷۔ المعجم الصغیر للطبرانی، دار الکتب العلمیة۔

۲۵۸۔ المعجم الکبیر للطبرانی تحقیق حمدی عبد المجید، مکتبه ابن تیمیة بالقاهرة۔

۲۵۹۔ معرفة الصحابة لأبی نعیم۔

۲۶۰- المغنی لإبن قدامه، مکتبة الریاض الحدیثة بالریاض۔

۲۶۱- المغنی عن حمل الأسفار فی الأسفار للعراقی بھامش إحیاء علوم الدین، للغزالی، دارالکتب العلمیة۔

۲۶۲- المغنی فی الضعفاء للذھبی تحقیق نورالدین عتر۔

۲۶۳- المقاصد الحسنة للسخاوی۔

۲۶۴- مقدمة صحیح ابن حبان لإبن حبان۔

۲۶۵- مقدمة صحیح مسلم، لمسلم

۲۶۶- مقدمة النافع الکبیر لعبد الحی اللکنوی۔

۲۶۷- المنتخب من المسند لعبد بن حمید تحقیق السید صبحی و محمود محمد عالم الکتب۔

۲۶۸- منحة المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی لأحمد البناء، المکتبة الاسلامیة۔

۲۶۹- المنتقی لإبن الجارود تحقیق لجنة من العلماء، دارالقلم۔

۲۷۰- المنتقی للباجی۔

۲۷۱- موارد الظمآن إلیٰ زوائد ابن حبان للھیثمی تحقیق محمد عبدالرزاق حمزة، دارالکتب العلمیة۔

۲۷۲- الموضح للخطیب دارالفکر۔

۲۷۳- الموضوعات لإبن الجوزی، دارالفکر۔

۲۷۴- موضوعات الصنعانی تحقیق نجم عبدالرحمٰن، دارالمأمون للتراث۔

۲۷۵- الموقظة للذھبی تحقیق ابی غدة، دارالبشائر الاسلامیة۔

۲۷۶- المؤطا لمالک تحقیق فؤاد عبدالباقی، دار أحیاء التراث العربي۔

۲۷۷- المؤطا لمحمد تحقیق عبدالوھاب عبداللطیف، دارالقلم۔

۲۷۸- میزان الإعتدال للذھبی تحقیق علی محمد البجاوی، دارالمعرفة۔

۲۷۹- ناسخ الحدیث و منسوخه لإبن شاھین تحقیق سمیر امین الزھیری، مکتبة المنار، الأردن۔

۲۸۰۔ نسخة سهيل بن أبي صالح ضمن كتاب دراسات في الحديث النبوي للدكتور محمد مصطفى الأعظمي، المكتب الاسلامي۔

۲۸۱۔ نصب الراية للزيلعي، دار المأمون، القاهرة۔

۲۸۲۔ النكت الظراف لإبن حجر بهامش تحفة الأشراف۔

۲۸۳۔ نيل الأوطار للشوكاني، مكتبة الدعوة الإسلامية، القاهرة۔

۲۸۴ الهواتف لإبن ابي الدنيا تحقيق مجدي السيد ابراهيم، مكتبة القرآن بالقاهرة۔

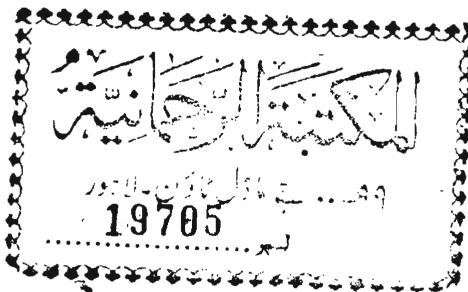
۲۸۵۔ الوفاة للنسائي تحقيق محمد زغلول، مكتبة التراث الإسلامي، القاهرة۔

فہرست مضامین

کتاب "صلاۃ الرسول"

فہرست تخریج و تعلیق

نمساز



تصانیف مولانا حکیم محمد اشرف رح سندھو

مولانا عبدالرؤف بن عبدالحنّان کی دیگر

عِلمی تالیفات

1. فہرس الاحادیثِ والآثارِ الوارِدۃِ فی کتاب "المجروحین"
   لِلحافظ ابن حبّان رحمہ اللہ تعالیٰ

2. تضعیف حدیث "کُلُّ امرٍ ذِی بالٍ لایُبدَأُ فیہ بِحمدِ اللہ فَہُوَاَقطَعُ" والرَّدُّ علیٰ من صحَّحہٗ اوضعّفہٗ

3. صِفۃُ التَّسمِیۃ عِندَ الاکلِ وَالشُّربِ وَغَیرِھِما مِنَ الاُمُور
   طبعۃ دار الفتح - الشارقۃ

4. تَسمِیہ مَسنُونہ (مذکورہ بالاکتاب کا اُردو ترجمہ) مطبُوع

5. خطبہ حاجت - غیر مطبُوع

6. مساجد ثلاثہ میں نماز کی فضیلت - غیر مطبُوع